بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مجالس الحسین علیہ السلام

محمد حسین ممتاز الافاضل لکھنوی

ناشر
امامیہ پبلیکیشنز 35- حیدر روڈ اسلام پورہ لاہور
فون 7119027

نام کتاب ——————— مجالسِ امامِ حسینؑ

تالیف ——————— مولانا محمد حسین ممتاز الافاضل

مطبع ——————— معراج دین پرنٹرز، لاہور

اشاعت بارِ پنجم ——————— اپریل ۱۹۹۹ء

تعداد ——————— ۱۱۰۰

ناشر ——————— امامیہ پبلیکیشنز لاہور

ہدیہ ——————— ....

عرضِ ناشر

مجالسِ عزا کی دینی اور دنیوی افادیت ایک مسلّم حقیقت ہے۔ ان سے ہر فرد بلاتخصیص استفادہ کرتا رہے گا اور تاحشر مستفیذ ہوتا رہے گا۔

علماء و ذاکرینِ متقدمین کا اندازِ ذکر و بیان ہمیشہ ان کی علمی صلاحیتوں کے پیشِ نظر تعمیری رہا ہے اور یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ نہ صرف مسلمانانِ پاک و ہند بلکہ اہلِ ہنود اور سکھ اور مسیحی فرقہ کے افراد بھی بدرجہ اتم اور کما حقہٗ آئمہ معصومین علیہم السلام کے مقدس ذکر سے فیضیاب ہوتے رہے ہیں اور آج بھی ان میں سے منتخب افراد کی شاعرانہ وسعتیں اور دیگر مضامین اس حقیقت کا بین ثبوت ہیں۔

یہ امر قابلِ صد افسوس ہے کہ

گذشتہ چند سالوں سے مجالسِ عزا کا دینی تقدس اور درسِ عمل کی تحریک بری طرح متاثر ہوئی ہے سائنسی دور کی نئی ایجادات بالخصوص فلم نے جہاں پورے معاشرہ کو اپنی لپیٹ میں لیا وہاں مجالسِ عزا بھی ان کے اثرات سے محفوظ نہ رہ سکیں۔ علاوہ ازیں فرسودہ روایات اور غیر مصدقہ مضامین اس منبرِ پاک سے بیان ہونے لگے۔ جس سے درسِ عمل کی بجائے بے عملی کا دور دورہ شروع ہوا خصوصاً جب ذاکرینِ عظام کی توجہ اس امر کی طرف مبذول کروائی گئی تو بجائے تعمیری پہلو کو اپنانے کے انہوں نے اپنا مخصوص اندازِ بیان بصورتِ فضائل و مصائب جاری رکھا۔ جب انہیں علمی اور دینی ضرورت کے تحت سمجھایا گیا تو عذر یہ پیش کیا گیا کہ اردو زبان میں کوئی ایسی جامع اور مستند کتاب نہیں کہ جس میں مصدقہ اور صحیح واقعاتِ فضائل و مصائبِ معصومین علیہم السلام مندرج ہوں۔ اگرچہ یہ علمائے وقت کے لئے ایک بہت بڑا چیلنج تھا لیکن خوش نصیب کہ اس ضمن میں ٹھوس اور مرتب اقدامات کو عملی جامہ پہنایا گیا۔

علماء و ذاکرین وقت کی دینی ضرورت، علمی افادیت اور مومنین کی علمی سطح کو فرسودات سے مبرا کرکے محققانہ جذبہ بیدار کرنے کے لئے اس سے قبل ادارہ ہذا نے درج ذیل تذکرۃ الاطہار (شیخ مفید علیہ الرحمہ) احسن المقال (علامہ مجلسی علیہ الرحمہ) کتب کو اردو کا جامہ پہنا کر اپنا دینی فریضہ ادا کیا۔

زیرِ نظر کتاب نہ صرف قارئین کے لئے حق و باطل میں تمیز، سامعینِ مجالس کے لئے دماغی عیاشی اور مشغلہ سے مبرا، مجالس کی حقیقی روحانی اور مقاصدِ حسینی کی آئینہ دار ثابت ہوگی، بلکہ تعزیت اور عزاداری کی صحیح روح کی عکاسی کرے گی جو خوشنودیٔ آلِ عمران کا سبب بھی ثابت ہوگی۔

آپ کی آراء کا منتظر

ادارہ

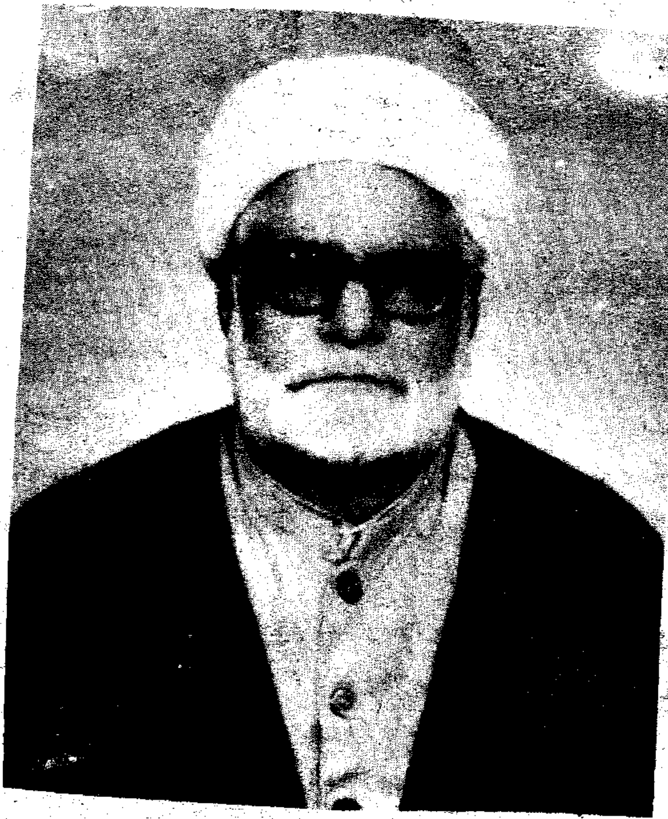

عرضِ مؤلّف

مجالسِ حسین علیہ السّلام بہت سے فوائد اپنے دامن میں رکھتی ہیں۔ اور بہت سے نیک نتائج اس درسگاہ سے حاصل ہوتے ہیں۔ اِن میں مظلوموں کی داستانیں، مظلوموں سے ہمدردی کے جذبات، ظالموں کے فسانے، اور ان کے مظالم سے نفرت کے اثرات تازہ کئے جاتے ہیں۔ ویسے بھی مظلوم کی کہانی لوگ دِلچسپی کے ساتھ سنتے ہیں۔ مظلوم کے ذکر میں کشش ہوتی ہے۔ خاص کر اہلِ بیتِ رسول اور آلِ علی و بتول کی مظلومانہ موتیں ایک بلند مقصد اور اعلیٰ مطلب رکھتی ہیں۔ انسانیت کے شرف کی بقا، اقدارِ آدمیت کی ارتقاء دینِ انبیاء و مرسلین کی حفاظت، شریعتِ مطہرہ رسولِ پاک کی صیانت، ان کی شہادت نفیس اور شریف مقصد تھا۔ اِس واسطے لوگ ان مجالس سے مظلوم کی ہمدردی کے جذبات، آنسوؤں، آہوں اور صدائے نوحہ و شیون کی صورت میں ظاہر کرکے اور ظالموں غاصبوں جابروں سے نفرت و بیزاری کے اثرات نفرین و لعنت کی صورت میں بیان کرکے اٹھتے ہیں۔

مظلوم سے پیدا الفت ہو اور روحِ یزیدی مٹ جائے

اس واسطے نیرے درد بھرے حالات سنائے جاتے ہیں

اِن مجالس میں "تاریخِ انبیاء و اوصیاء" اور ائمہ علیہم السّلام زندہ کیا جاتا ہے۔ احکام اسلام، مسائل دین، فضائل و مصائب ائمہ طاہرین علیہم السّلام بیان کئے جاتے ہیں۔ اس واسطے سامعین، دینی معلومات اسلامی واقعات اور مذہبی معاملات سے آگاہ ہوتے ہیں اور محبتِ اہلِ بیت علیہم السّلام اور نفرتِ اعدائے دین کے جذبات سے سرشار ہو کر واپس جاتے ہیں۔ اس واسطے مجالسِ حسینؑ اِن مقاصد و مطالبِ نفیسہ کا بہترین مدرسہ ہے۔ جس کے ذاکرینِ کرام بہترین مدرس اور سامعین حضرات بہترین شاگرد و طلباء ہیں۔ لیکن یہ مطالب اسی وقت اور اسی صورت میں حاصل ہو سکتے ہیں جبکہ مجالس صحیح طور پر مجالس ہوں۔ تجارت گاہیں نہ ہوں۔ ذاکرین صحیح صورت میں ذاکرین ہوں، تاجر اور دوکاندار نہ ہوں۔ اور سامعین صحیح شکل میں سننے والے ہوں۔ لذتِ نفسانی شغلِ حیوانی اور تماشائے حظ کا شکار نہ ہوں۔

آج مجالس نے دوسرا رنگ اختیار کر لیا ہے۔ پہلا انداز باقی نہیں رہا۔ ذہنی عیاشی، کاروباری حیثیت غالب آگئی ہے۔ اور حسینی اسٹیج سے غلط بیانی بکثرت ہو رہی ہے۔ فضائل ہوں یا مصائب صحیح کم بیان ہوتے ہیں۔ اور غلط زیادہ۔ چنانچہ اس موضوع پر اکثر ذاکرین اور کم علم واعظین سے بات چیت ہوئی تو انہوں نے یہ عذر پیش کیا کہ اردو زبان میں کوئی ایسی جامع کتاب نہیں جس میں صحیح واقعاتِ مصائب موجود ہوں۔ اس واسطے ایک ایسی کتاب تالیف کریں جس میں واقعاتِ مصائب کربلا از مدینہ روانگی تا مدینہ واپسی تمام مذکور ہوں۔ پھر ہم اپنی ذاکری کو پابندِ کتاب کر دیں گے۔ اور غلط بیانی کا کوئی عذر نہ رہے گا۔ بعض احبابِ مومنین اور بعض علماء مکتبین نے بھی فرمائش کی کہ اِس موضوع پر ایک جامع کتاب تحریر کریں۔

چنانچہ ان حضراتِ محترمین کے فرمانوں کی تعمیل کرتے ہوئے میں نے اِس کتاب کو جلد از جلد مرتّب کرنے کی کوشش کی، اِس سلسلہ میں "تاریخ و مقاتل کی بہت سی کتابیں دیکھیں۔ مصائب کی جو روایت مستند اور معتبر دیکھی انہیں اخذ کیا اور کتاب میں درج کیا۔ اسی میں مجالس کی صورت میں فضائل و مصائب ترتیب دیئے ہیں۔

سورۂ الحمد کی تفسیر فضائل کی جگہ تحریر کی ہے۔ تفسیر مسلکِ شیعہ کے مطابق ہے اور فضائل اہلِ بیت علیہم السّلام بھی اِس میں شامل ہیں۔ علمی، اصلاحی اور تبلیغی مجالس درج ہیں۔ اردو زبان

میں واقعاتِ کربلا اور مصائب کی اس قدر جامع کتاب آپ نے نہ دیکھی ہوگی۔ امید ہے کہ پڑھنے کے بعد آپ اس کے متعلق اچھی رائے قائم کریں گے اور لکھنے والے کے لئے دعائے خیر فرمائیں گے۔

روایات کی صحت و سند کا ہمارے پاس جو معیار ہے کہ معتبر و مستند کتبِ تاریخ و مقتل سے روایات نقل کی جائیں اور صراحتہً مضمونِ قرآن مجید، مسلّمہ روایات اور عقلِ سلیم کے خلاف نہ ہوں۔ اسی معیار پر روایاتِ مصائب ذکر کی ہیں۔ ضعیف، غیر مستند، خلافِ عقل و نقل روایات درج کرنے سے گریز کیا ہے۔

میں اس کتاب کو سرمایۂ آخرت، توشۂ سفر اور زادِ راہِ قبر و قیامت، کفارۂ ذنوب سمجھتا ہوں۔ اور امید کرتا ہوں کہ ذاکرینِ کرام واعظینِ عظام، مومنینِ ذوالاحترام مجالس کے تقدّس اور مقاصد کو برقرار رکھیں گے اور اس وقت مجالس جو رنگ اختیار کر چکی ہیں اس کا برمحل کہ ازالہ کریں گے۔ اسے کاروباری حیثیت اور خونِ حسینؑ کی تجارتی منڈی بننے کی سخت مخالفت کرتے ہوئے ہوسِ زر اور منافعِ دنیوی کی لالچ نہ کریں۔ حق میں باطل، اور سچ میں جھوٹ کی آمیزش سے اجتناب کریں۔ اور سامعین حضرات دماغی عیاشی اور مشغلۂ دلچسپی کے طور پر مجالس نہ سنیں بلکہ درس گاہِ اسلام اور مقاصدِ حسینی کی نشر و اشاعت اور تعزیت اور پرسا دینے کی سوگوارانہ ادا استعمال کریں۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

احقر الدارین

محمد حسین (ممتاز الافاضل) لکھنوی

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
پہلی مجلس	: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی تفسیر	۱
	: حضرت امام حسین علیہ السّلام کی ولادت باسعادت ۔	۳
	: حالاتِ ولادت	
دوسری مجلس	: سورۂ حمد کی تفسیر ۔ تخصیصِ حمد ۔ فاتحہ کی قدر وعظمت ۔	۹
	: یثرب سے سیّدالشہداء کا سفر ۔ تیاری کے حالات	۱۴
تیسری مجلس	: ذاتِ باری کا ثبوت ۔ ربّ العالمین کی شان ۔ مدینہ سے سفر ۔	۲۰
چوتھی مجلس	: سامانِ سفر	۳۱
	: مسافرینِ کربلا	۳۴
پانچویں مجلس	: ربّ کی قسمیں ۔ شانِ ربوبیّت ۔ عالمین کی تشریح ۔	۴۴
	مدینہ سے روانگی	
چھٹی مجلس	: سفرِ حسین ۔ شہیدِ کوفہ ۔ بنی ہاشم کا پہلا شہید	۵۵
	: ہانی بن عروہ کی شہادت	۶۵
	: یتیمانِ مسلم ۔	۶۸
ساتویں مجلس	: رحمٰن اور رحیم کی تشریح ۔ رحمت کی اقسام شہادت یتیمانِ مسلم	۷۹
	رحمتِ خدا کی وسعت	۸۱
	: ورحمت کی مثال	۸۳
	: امامِ پاک کا مکّہ میں قیام اور رخصت	۸۶
آٹھویں مجلس	: مقصدِ سفر ۔ مکّہ سے کربلا تک ۔ منازلِ سفر کے اہم واقعات	۹۱
	: وصیّت نامہ جناب محمد بن حنفیہ کے نام	۹۲
	: زہیر بن قین سے ملاقات	۹۷

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	منزل ثعلبیہ۔ جناب مسلم بن عقیل اور ہانی بن عروہ کی شہادت کی خبر۔	۹۸
نویں مجلس :	قیامت کا عقلی ثبوت۔ انبیاء کی تبلیغ۔ لواء الحمد۔	۱۰۲
"	اہل بیت علیہم السلام کا کربلا میں داخلہ	
"	: حُر کی ملاقات	۱۱۴
"	: ابن زیاد کی سخت گیری اور خوفناک دھمکیاں	۱۲۱
"	: عمر بن سعد اور امام حسین علیہ السّلام کے درمیان بات چیت	۱۲۳
"	: عمر بن سعد کا ابن زیاد کے نام خط	۱۲۴
"	: ابن زیاد کا عمر بن سعد کے خط کا جواب	۱۲۵
"	: عمر بن سعد کی دوبارہ مصالحانہ کوشش	۱۲۵
"	: خولی کی ابن سعد کے خلاف شکایت	۱۲۷
دسویں مجلس	: ساتویں محرم۔ بندشِ آب اور فرات کی نگرانی۔	۱۲۸
"	: بندشِ آب پر کڑی نگرانی اور آلِ رسول کی تشنہ دہانی	۱۲۹
گیارھویں مجلس	: قابلِ جزا اعمال۔ مرضیٔ خالق کے مطابق عمل۔	
"	: ائمہ ضلال و ائمہ ہدیٰ۔	
"	: نویں محرم اور شبِ عاشور کے واقعات	۱۳۷
"	: صحیح ہادی کی پہچان اور سچے رہنما کی پیروی	۱۴۱
"	: ساقیٔ کوثر	۱۴۵
"	: نہم محرّم	۱۴۸
"	: امام پاک کا اصحاب کو جنّت میں ان کے مکان دکھانا	۱۵۵
"	: اصحابِ حسینی کی قدر و منزلت	۱۵۸
"	: شبِ عاشور کا ایک خاص واقعہ	۱۵۹
بارھویں مجلس	: مالکِ یوم الدّین۔ احوالِ قیامت۔ روزِ عاشور۔ امام پاک کا خطبہ۔ جنگ کا آغاز۔ شہادتِ حُر رضوان اللہ علیہ	۱۶۳
"	: ایک معقول سوال اور اس کا معقول جواب	۱۶۶

صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۱۶۹	: اعمال کا وزن	
۱۶۹	: حقِ شفاعت	
۱۷۱	: محبتِ اہل بیتؑ کا کا افادہ	
۱۷۵	: روزِ عاشور	
۱۷۷	: ہر دو جانب سے لشکروں کی ترتیب	
۱۷۹	: روزِ عاشور اتمامِ حُجّت کے لیے امام علیہ السّلام کا خطبہ	
۱۸۷	: حُر کا فوجِ یزید کو نصیحت کرنا	
۱۸۸	: عمر بن سعد کی طرف سے جنگ کا آغاز	
۱۸۹	: مبارزطلبی کی جنگ	
۱۹۱	: جنابِ حُر کی جنگ اور شہادت	
۱۹۷	: جناب وہب بن حباب الکلبی	
۱۹۸	: اصحابِ باوفا کی حیرت انگیز شجاعت	
۱۹۹	: حسینی جماعت پر لشکرِ ابنِ سعد کا حملہ	
۲۰۱	: تیروں کی بوچھاڑ میں سرکار سیّد الشہدا کا قصدِ نماز	
۲۰۲	: جناب حبیب بن مظاہر کے مختصر حالات	
۲۰۳	: جناب حبیب کا خدمتِ امام پاک میں حضور	
۲۰۶	: اصحاب کے الوداعی سلام کا طریقہ	
۲۰۷	: جناب حبیب کی شجاعت و شہادت	
۲۰۸	: عین لڑائی میں نمازِ عشق	
۲۱۱	: عبادت کی تعریف۔ عبادت کی اقسام۔ ذکرِ علی عبادت ہے۔	تیرھویں مجلس
۲۱۹	: عبادت میں خلوص۔	
۲۲۰	: شہادت حضرت علی اکبر علیہ السّلام	
۲۲۱	: حالات جناب علی اکبر علیہ السّلام	

صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۲۳۵	: اِیَّاکَ نَعۡبُدُ کی تفسیر	چودھویں مجلس
۲۳۶	: ہر عبادت میں خلوص و تقرّب شرط ہے۔	״
۲۳۷	: ہماری مجلسیں اور جلوس۔ ہماری نیّتیں اور خلوص	״
۲۳۸	: مجالس کی خوبیاں	״
۲۴۰	: مقصد شہادت حسین علیہ السّلام	״
۲۴۴	: واعظین و ذاکرین حضرات	״
۲۴۶	: جذبۂ خلوص	״
۲۴۶	: ایّام محرّم تجارتی موسم نہ بنائیں	״
۲۵۰	: حرمتِ غنا	״
۲۵۱	: ایک عام عذر اور اس کا ابطال	״
۲۵۴	: قرآن وحدیث سے گریز کیوں؟	״
۲۵۹	: اولادِ حضرت امام حسین علیہ السّلام کی قربانیاں۔	״
۲۶۱	: شہادت حضرت قاسم	״
۲۶۵	: حضرت عبداللہ الاصغر ابن الحسین کی شہادت	״
۲۶۷	: اِیَّاکَ نَسۡتَعِین کی تفسیر	پندرھویں مجلس
۲۶۸	: نظامِ کائنات، جسمانی اور روحانی تربیت	״
۲۷۰	: یا علی مدد اور یا علی اور کنی کہنے کا جواز	״
۲۷۷	: حالات جناب عبّاس علیہ السّلام	״
۲۸۱	: جناب عبّاس کی خدمات اور ان کی شخصیت کے اثرات	״
۲۸۵	: واقعات شجاعت و شہادت	״
۳۰۴	: صراطِ مستقیم کی تشریح۔ امامِ حق کی معرفت۔ حضرت علی اصغر کی شہادت۔ حضرت سید الشہداء میدان میں	سولھویں مجلس
۳۱۰	: حضرت سید الشہداء میدان میں	
۳۱۳	: اسرارِ امامت و مواریثِ انبیاء کی سپردگی۔	

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	: مصیبت زدہ بیبیوں اور لاوارث یتیموں سے وداع	۳۱۴
	: شمر ملعون کا خیام پر حملے کا ارادہ	۳۲۱
	: پیاسا امام لبِ فرات پر	۳۲۲
	: خیام میں دوبارہ آنا	۳۲۳
	: تیروں اور نیزوں کے وار اور زینِ ذوالجناح سے سقوط	۳۲۵
	: شہادتِ حسین اور جنگ کا خاتمہ	۳۲۷
	: اسپ باوفا	۳۳۰
	: ظلم بالائے ظلم۔ لاشِ مطہر کی عریانی	۳۳۳
	: منزلِ صبر و رضا۔ علی کی بیٹیاں دکھوں کے منجدھار میں	۳۳۴
	: لوٹو تبرکاتِ علی و بتول کو	۳۳۶
	: بیمارِ کربلا کے قتل کا ارادہ	۳۳۹
	: ابیاتِ آلِ محمد آگ کی لپیٹ میں	۳۳۹
	: شدید دہشت اور یتیموں کی موت	۳۴۱
	: شامِ غریباں۔ شبِ آلام	۳۴۲
	: ارواحِ پنجتن پاک کی کربلا میں آمد	۳۴۳
	: جمال ملعون کا قصّہ	۳۴۶
	: شہادت امام مظلوم پر قدرتی آثار کا ظہور	۳۴۹
سترھویں مجلس	: اہلِ بیت کا تعارف۔ اسیرانِ آلِ محمد کا کربلا کا سفر۔	۳۵۲
	: سروں کا کوفہ میں روانہ ہونا	۳۶۰
	: خولی کے گھر میں فرزندِ رسول کا سر	۳۶۱
اٹھارویں مجلس	: "انعمت علیہم"۔ نعمت کی تشریح۔ ولایت علی ابن ابی طالب کا اعلان۔ کوفہ میں ورود۔	۳۶۹
	: رحمت و نعمت	۳۷۱
	: تکمیلِ دین و اتمامِ نعمت	۳۷۳

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
	: کوفہ میں ورود	۳۷۷
	: دختران حیدر کرّار کے خُطبے	۳۸۱
	: عقیلہ بنی ہاشم	۳۸۲
	: سیّد سجّاد امام زین العابدین کا خطبہ۔	۳۸۵
	: دار الامارہ	
	: دربارِ ابنِ زیاد میں داخلہ	۳۸۶
	: زندان کوفہ	۳۹۲
	: عبداللہ بن عفیف کی شہادت	۳۹۳
	: تدفین شہداء	۳۹۷
	: امام سجّاد کی آمد	۳۹۸
	: شاہ اسمٰعیل صفوی اور حضرت حُرّ کی لاش، مدینہ پاک میں خبر شہادت	۴[illegible]
	: عبیداللہ بن زیاد کی خبرِ شہادت	۴۰۶
	: کوفہ سے شام تک منازل کے حالات	۴۰۷
	: جناب ام البنین کا مرثیہ	۴۰۹
	: کوفہ سے روانگی	۴۱۰
	: مستوراتِ بنی ہاشم کی روانگی اور زنانِ انصار کی رہائی	۴۱۱
	: دیوار سے ایک ہاتھ کا برآمد ہونا۔	۴۱۲
	: انبیاء و ملائکہ کا سرِ حُسین کے پاس آنا۔	۴۱۳
	: قطرۂ خون کا کرشمہ	۴۱۴
	: دیرِ راہب ، سر کا اعجاز۔	۴۱۵
انیسویں مجلس	: عقیدہ و عمل، ایمان اور عملِ صالح، ورودِ شام۔ بازار کا سفر۔ دربار یزید	۴۲۵
	: احساسِ عبدیت	۴۳۴
	: ورودِ شام	۴۳۹
	: دمشق کی سجاوٹ	۴۴۲

صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۴۴۴	: ایک تابعی کی روپوشی	
۴۴۵	: سہل بن سعد ساعدی	
۴۴۷	: بازار کا سفر	
۴۵۰	: دربارِ یزید	
۴۵۳	: سرِ اقدس سے یزید کی گستاخی	
۴۵۶	: کیفیت داخلہ دربار	
۴۵۷	: مکالمہ یزید با سجاد	
۴۵۹	: حبشیوں کی غیرت	
۴۶۰	: خطیبۂ آلِ محمد کا خطبہ	
۴۶۷	: شاہی خطیب	
۴۶۸	: خطیبِ آلِ محمد	
۴۷۱	: زندانِ شام	
۴۷۲	: شہداء کے سر	
۴۷۳	: ہند زوجۂ یزید	
۴۷۴	: سفیرِ روم	
۴۷۶	: امام سجاد کی معجزانہ زندگی	
۴۷۸	: خوابِ سکینہ	
۴۷۹	: ایک معصومہ بچی کی وفات	
۴۸۰	: حق و باطل	
۴۸۳	: حضرت ابراہیم	
۴۹۵	: قاتل کی دریافت	
۴۹۷	: ہند زوجۂ یزید کا خواب۔ قاتل کے گھر میں مقتول کا ماتم۔	
۴۹۹	: اہلِ بیت کی رہائی	
۵۰۲	: ورودِ کربلا	
۵۰۴	: چہلم کے دن کا عربی مرثیہ	
۵۰۶	: مدینہ میں مراجعت	

بسم الله الرحمن الرحيم

اس واسطے ان تین اسماء مبارکہ کو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں منتخب کیا ہے اور ہر سورہ کی ابتدا اس مبارک آیت سے کی ہے اور اسی واسطے ہر معقول اور ذی شان کام شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ کی ابتدا سے اسے مبارک بنانے کی تاکید ہے

بائے بسم اللہ کا شرف و مرتبہ

گو بسم اللہ ایک مختصر سی آیت ہے۔ مگر معانی و مطالب کے لحاظ سے ایک بحرِ وسیع ہے۔

چنانچہ کہا جاتا ہے کہ تمام علوم چار کتابوں تورات، زبور، انجیل اور قرآن مجید جو کتب سماویہ ہیں ان میں مندرج ہیں اور قرآن مجید تمام علوم پر حاوی ہے اور قرآن مجید کے تمام علوم سورۃ مبارکہ فاتحہ میں ہیں اور سورۃ فاتحہ کے جملہ علوم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" میں اور اس آیت کے جملہ علوم و معارف بسم اللہ کی با میں ہیں اس واسطے اس با کا بڑا شرف اور مرتبہ ہے جو "اسم اللہ" کے ساتھ متعلق ہے۔ کیونکہ تمام علوم سے مقصود یہ ہے کہ بندہ جناب حق تعالےٰ میں رسائی حاصل کرے، ذات حق سبحانہ کمال مجرد، منزہ مقدس ہے وہ ہر قسم کے عیوب ونقائص سے پاک ہے اور بندہ ہر قسم کے عیوب و نجاسات طبعیہ میں غلطاں عبد معبود تک نہیں پہنچ سکتا مگر اس کے اسماء مبارکہ کے ذکر اور اس کے پاک نام کے ساتھ چپاں ہو کر اس کی یاد میں مستغرق ہو کر ذہن اس کی طرف ملتفت ہو دل میں اس کی یاد ہو اور زبان اس کے ذکر سے تر ہو تو عبد اور معبود کے درمیان حجاب اٹھ جاتا ہے۔ ذاکر لذت وصال حاصل کرتا ہے۔

ذاکر اور عابد کو "اسم اللہ" کے ساتھ چپاں کرنے والی با ہے گویا کہ با ایک وسیلہ ہے جو ذاکر کو مذکور اور عابد کو معبود کے قریب کر دیتی ہے عبد کا معبود کے ساتھ تعلق جوڑنے اور غیر سے رشتہ توڑنے میں با کا عمل دخل ہے لہٰذا بائے "بسم اللہ" عظیم المرتبت رفیع الدرجت حرف ہے۔ قرآن مجید کے افتتاح اور تلاوت کرنے میں قاری کی زبان سے سب سے پہلا حرف با نکلتا ہے۔ چنانچہ با ایک ایسا کوزہ ہے جس میں علوم و معارف اور نکات و لطائف کا سمندر بند ہے۔

نقطۂ با

بائے مبارکہ اس وقت تک بائے نہیں بن سکتی جب تک اس کے تحت نقطہ نہ آئے بغیر نقطہ یہ حرف نہ پڑھا جا سکتا ہے اور نہ کوئی مفہوم و مطلب ادا کر سکتا ہے۔ اس بائے کو شرف اس نقطے سے ہے جو اس کے نیچے ہے۔ اور وہ نقطہ ہے۔ سرتاج اولیاء علی ابن ابی طالب علیہ السلام جیسا کہ فرماتے ہیں۔

اَنَا النُّقطَۃُ تَحتَ الباءِ۔ وہ با کے نیچے والا نقطہ میں ہوں

علامہ اقبال بھی اسی عقیدہ کا اظہار فرماتے ہیں۔

معنیٔ ذبحِ عظیم آمد پسر
اللہ اللہ بائے بسم اللہ پدر

جس طرح کہ الفاظ ہیں اسماء خدا ہیں اسی طرح معانی ہیں بھی اسماء خدا ہیں وہ نفوس قدسیہ اسماء خداوندی کے مظاہر ہیں وہ ہیں چہاردہ معصومین علیہم السلام جیسا کہ ارشاد خداوند عالم ہے وَ لِلّٰہِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوْہُ بِھَا۔ اللہ کے بہت سے اچھے نام ہیں تم اس کو اس کے ان ناموں کے ذریعہ پکارو وہ اسماء حسنٰی خدا کی صفات اپنے الفاظ سے ظاہر کرتے ہیں اور چہاردہ معصومین علیہم السلام صفات خداوندی اپنے علوم و کمالات کے ذریعہ ظاہر کرتے اسماء حسنٰی الفاظ ہیں اور معصومین علیہم السلام ان کے معانی ہیں

جس طرح اسماء حسنٰی اپنے الفاظ کے ذریعہ خدا کے قریب کر دیتے ہیں اسی طرح یہ ذوات قدسیہ ان اسماء کا مظہر بن کر عبد کو معبود تک پہنچاتے ہیں۔

چنانچہ فرماتے ہیں نَحْنُ اسماءُ اللّٰہِ الحُسنٰی۔ وہ اسماء حسنٰی ہم ہیں یعنی اس کی صفات کی جھلک دوسری اشیاء کی نسبت ہم میں زیادہ ہے۔

گو اس کی مخلوق کی ہر شے اس کی ذات پاک کی آیت ہے مگر یہ آیات اللہ العظمٰی ہیں اسی واسطے انبیاء علیہم السلام نے خدا کو ان اسماء حسنٰی کا واسطہ دے کر پکارا اور ان کو وسیلہ بنایا جیسا کہ جناب آدم علیہ السلام نے توبہ کے وقت اس طرح دعا کی یا مَحمُودُ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ یا اعلیٰ بحقِ علی یا فَاطِرُ بحقِ فاطمہ یا محسن بحقِ الحسن یا قدیمَ الاحسانِ بحقِ الحسین۔

اب ہم جناب سید الشہداء خامس آل عبا کی ولادت باسعادت کا حال بیان کرتے ہیں۔

ولادت باسعادت

سردار انبیاء مکے سے بادل نخواستہ ہجرت کرنے کے بعد جب مدینہ وارد ہوئے تو مخالفت کی آندھیاں کسی قدر کم ہوئیں اور رنج و غم کے بادل کچھ دور ہوئے خداوند عزّ وعلا نے کچھ فرحت و سرور کے مواقع بہم پہنچائے بدر کے پہلے معرکے میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی حوصلہ افزائی اور مشرکین کی حوصلہ شکنی کی اور جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فتح حاصل ہوئی اور اسلام کو کفر پر غلبہ ہوا۔

ہجرت کے دوسرے سال جب مرضی خیر الانام کعبہ کو قبلہ بنایا گیا اور جناب امیر المومنین علیؑ اور جناب سیدۃ نساء بتولؑ کے عقد و ازدواج کی مسرت نصیب ہوئی۔

بحر شجاعت و سخاء و بحر عصمت و حیا کا اقتران ہوا نور کے منبع سے پھوٹنے والا دریا جب صلب جناب عبد المطلب سے دو حصوں میں تقسیم ہو کر جناب عبد اللہ اور جناب ابو طالب کی صلبوں میں جاری ہوا

مکارم اخلاق کا یہ دریا مختلف وادیوں سے گزرتا ہوا وادیٔ پاک جناب عبداللہ میں پہنچ کر بحرِ رسالت بن گیا اور ارضِ پاک ابوطالب میں داخل ہو کر بحرِ امامت کے شرف سے مشرف ہوا۔

دوسری ہجری میں یہ نور کے دریا جناب علیؑ و بتولؑ کے پیکر میں باہم متقارن ہوئے تیسری ہجری میں عصمت کے دریاؤں اور طہارت کی خلیج سے ۱۵ ماہ رمضان المبارک کو علم و سخا کا درِ آبدار برآمد ہوا۔ اور چوتھے سال ۳ یا ۵ شعبان المعظم کو صدفِ امامت کا تیسرا موتی اور خلیجِ شہادت کا لال مرجان پیدا ہوا۔

نام شعبان المعظم کی تیسری یا پانچویں تاریخ کو جمعرات یا منگل کے دن مدینہ منورہ دار العصمت میں جناب سیدۃ نساء فاطمہ الزہرا سلام اللہ علیہا کے بطنِ مبارک سے پیدا ہوئے۔ جناب رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کا نام بحکمِ ربِّ جلیل "حسین" رکھا، جو لفظِ حسن کی تصغیر ہے۔ تورات میں شبیرؑ ہے۔ چونکہ جناب علی علیہ السلام مثیلِ ہارون ہیں جس طرح کہ حضرت ہارون جناب موسیٰ کے وزیر تھے اسی طرح جناب علیؑ حضور پاکؐ کے وزیر ہیں، جناب ہارون کے صاحبزادوں کا نام شبّر و شبیر تھا جو عبرانی زبان کے الفاظ ہیں عربی میں ان کا ترجمہ حسن اور حسین ہوتا ہے۔ اسی واسطے حضور پاکؐ نے مرضیٔ خدائے پاک کے مطابق بڑے شہزادے کا نام حسن اور چھوٹے شہزادے کا نام حسین رکھا۔

یہ دونو نرالے نام ہیں اس سے پہلے ملک عرب میں یہ دو نام کسی کے نہیں تھے، ان دونو نواسوں کی ولادت سے خاندانِ ہاشمی میں خوشی ہوئی۔

جناب امام حسین علیہ السلام بطنِ مادر میں چھ ماہ رہے اسی طرح حضرت یحییٰ علیہ السلام کی مدتِ حمل بھی چھ ماہ ہے مدتِ حمل اور مظلومی میں بھی ان دونوں معصوموں میں مماثلت پائی جاتی ہے۔ جناب یحییٰ علیہ السلام ایک ظالم بادشاہ کے ظلم و جور سے بے گناہ شہید کئے گئے اور ان کی شہادت پر زمین و آسمان سے آثارِ حزن و ملال ظاہر ہوئے اسی طرح جناب امام مظلوم کی شہادت عظمیٰ پر زمین سے خون ابلا آسمان لہو کے آنسو رویا، سرخ آندھی چلی، عالمِ امکان میں اضطراب پیدا ہوا۔ دریا کھولنے لگے مچھلیاں تڑپنے لگیں، صحرائی جانور بے تابی سے اِدھر اُدھر دوڑنے لگے، پرندوں نے آشیانے چھوڑ دیئے فرزندِ فاطمہ کی مظلومی، غربت بے کسی پر ہر چیز نے اپنے اپنے رنگ میں نوحہ و ماتم کیا۔

القاب و کنیت آپ کی کنیت ابوعبداللہ اور ابوعلی ہے۔ آپ کے القاب بہت سے ہیں جن میں الشہید السعید سبطِ ثانی، التابع لمرضات اللہ، الدلیل علیٰ ذات اللہ، الامام الشہید الولی الرشید الطریدالفرید الطیب الوفی، الامام الرضی، الذبیح العطشان القتیل العریان ابو الائمہ شافع الامۃ صاحب المحنۃ الکبریٰ والواقعۃ العظمیٰ الصابر الشاکر لیکن جس لقب سے آپ کو امتیاز اور خصوصیت حاصل ہے وہ ہے "سید الشہداء"۔

حالاتِ ولادت

جناب صفیہ بنت عبدالمطلب حضور پاک کی عمہ محترمہ بیان فرماتی ہیں کہ بعد ولادت یہ مولود مسعود میری تحویل میں تھا حضور پاکؐ تشریف لائے اور فرمایا پھوپھی صاحبہ میرے بیٹے کو میرے پاس لاؤ میں نے کہا یا رسولؐ اللہ میں نے اسے ابھی غسل ولادت دے کر پاک نہیں کیا آنجناب نے فرمایا تو اسے پاک کرے گی ؟ اسے تو خداوند عالم نے پاک و پاکیزہ پیدا کیا ہے۔ بس میں نے پیش کیا تو حضورؐ نے ان کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی اور ان کے منہ میں اپنی زبان مبارک دی اور وہ چوسنے لگے۔

جناب امام حسین علیہ السلام کی غذا کا معمول یہ تھا کہ حضور پاکؐ اپنا انگوٹھا ان کے منہ میں دیتے اور جناب حسینؑ وہ انگوٹھا چوستے اسی انگشت پاک سے غذا کے چشمے جاری ہوتے اور امام پاک اسی پاک غذا سے تربیت پاتے رہے۔ اس واسطے جناب حسین علیہ السلام کا خون خونِ رسول ہے۔ ان کا گوشت گوشتِ رسول ہے۔ وہ بدنِ رسالت کا حصہ اور جسم نبوت کا جزو ہیں۔

جناب صفیہ بیان فرماتی ہیں کہ حضور پاکؐ نے اپنے پیارے نواسے کی پیشانی کا بوسہ لیا اور آنسو بہاتے ہوئے مجھے واپس کیا اور تین بار کہا کہ اے میرے پیارے بیٹے خدا اس قوم پر لعنت کرے جو تیرے ساتھ جنگ کرے گی اور تجھے قتل کرے گی جناب صفیہ نے کہا کہ میں نے دریافت کیا کہ حضور اس نازنین رسالت کو کون بدبخت قتل کرے گا جناب نے فرمایا بنی امیہ کا باغی گروہ قرآن مجید کی مکتوب ذیل آیت کے مصداق جناب حسین ابن علی ہیں۔

وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْهِ اِحْسَانًا ط حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِیْۤ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْۤ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰى وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْكَ وَاِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ،

ترجمہ: ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرنے کا حکم دیا ہے اسے اس کی ماں نے ناخوشی اور رنج کی حالت میں پیٹ میں اٹھایا اور رنج ہی کی حالت میں جنا اس کے حمل اور دودھ بڑھائی کی مدت تیس مہینے ہے یہاں تک کہ جب اپنی پوری قوت کمال کو اور چالیس برس کو پہنچتا ہے تو کہتا ہے میرے پروردگار! مجھے توفیق عطا فرما کہ تیری ان نعمتوں کا شکر ادا کر سکوں جو تو نے مجھے اور میرے ماں باپ کو عطا فرمائی ہیں

اور یہ بھی توفیق دے کہ ایسا عمل صالح بجالاؤں جو تجھے پسند ہو اور میرے لئے میری اولاد میں صلاح اور تقویٰ پیدا کر میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور یقیناً میں تیرے فرمانبرداروں میں سے ہوں۔

تفسیر اہل بیت علیہم السلام میں اس آیت کے مصداق جناب حسینؑ ابن علیؑ ہیں کیونکہ جب امام حسین بطن مادر میں تھے تو جناب رسولؐ پاک نے اپنی لختِ جگر جناب سیدہ کو خبر سنائی کہ بیٹی تیرے ہاں محبت خدا پیدا ہوگا جسے میری اُمت جھوٹا پیاسا بے جرم و بے خطا شہید کرے گی اس خبر کو سن کر معصومہؑ بہت مغموم ہوئیں اور فرمایا کہ مجھے ایسے فرزند کی کیا حاجت ہے جو مظلومی و بیکسی سے مارا جائے کاش کہ میں ایسے نہ جنوں اور جب پیدا ہوئے تو اس وقت بھی خوشی میں رنج کی لہر تھی۔ مبارک بادیں بھی تھیں اور ماتم پرسی بھی تھی تہنیت بھی تھی اور تعزیت بھی تھی چنانچہ بعد ولادت جہاں مسرت کی تقریب تھی وہاں آنسو بھی بہائے گئے مسرت و غم کے ملے جلے جذبات ظاہر ہوئے۔

اس آیت میں مدتِ حمل چھ ماہ اور مدت رضاعت دو سال قرار دی گئی ہے اور دونو کو ملا کر تیس ماہ بنتے ہیں آیت میں عموم ہے اصول و کلیات ہیں لیکن مصداق اس کے جناب حسینؑ بن علیؑ ہیں اور ان آیات کا مفہوم صرف ذات امام مظلوم پر منطبق ہوتا ہے۔ کیونکہ سوائے آپ اور حضرت یحییٰ بن زکریا علیہم السلام کے کوئی چھ ماہ کا بچہ زندہ نہیں رہا اور نہ زندہ رہتا ہے۔

محبت رسولؐ

جناب رسالت مآبؐ کو ان دو صاحبزادوں کے ساتھ بہت محبت تھی حضور کی محبت کے واقعات کتب فریقین میں مستند حوالوں کے ساتھ ملتے ہیں مثلاً عید کے روز دونو نواسوں کو کندھوں پر اٹھا کر مدینہ کی گلیوں میں پھرانا منبر پر لے جا کر امت کے سامنے اظہار محبت فرمانا اور حضور کی محبت صرف اس وجہ سے نہ تھی کہ لختِ جگر ہیں نواسے ہیں، پیاری بیٹی کے پیارے بیٹے ہیں۔ ایسی قربت رشتہ داری اور اولاد ہونے کی حیثیت سے صرف اپنی ذات تک محدود رکھتے کون ہے جسے اولاد اور افرادِ خانہ سے محبت نہیں؟ لیکن حضورؐ پاک نے اس محبت کو اپنے تک محدود نہیں رکھا بلکہ اپنی امت کو ان سے محبت و مودت کا تعلق قائم رکھنے کا تاکیدی حکم فرمایا ایک دفعہ نہیں بار بار فرمایا صرف فرمایا ہی نہیں پہلے خود عمل کر کے دکھایا رسول و نبی ہر حال میں ہر وقت ہر جگہ رسول و نبی ہوتا ہے۔ اگر نماز پڑھنے پڑھانے اور احکام شریعت پر عمل کرنے اور احکام پہنچانے کے وقت وہ رسول ہیں اور ان کا یہ فعل عمل رسالت حکم اسلام کی تعمیل اور ایسے حکم کی پیروی اسلامی حکم کی پیروی اور سنتِ رسول کی پیروی ہے تو کیا حسنین علیہما السلام کے ساتھ محبت کے مختلف طریقے گود میں لینا کندھوں پر اٹھانا انگلی پکڑا کر ساتھ لے چلنا خطبہ قطع کر کے منبر چھوڑ کے خود جا کر اٹھانا کیا یہ عمل رسالت اور فعل نبوت نہیں؟ یہ محبت کے اطوار

اور مودّت کا کردار زبانی تبلیغ اور عملی تاکید اس وجہ سے تھی کہ جنابِ حسنینؑ کا مرتبہ اور مقام اللہ کے نزدیک بہت بلند ہے۔ یہ خدا کے پیارے ہیں۔

گو صغیر السن ہیں مگر ہادی اور رہبر ہیں امام ہیں اور محبت خدا ہیں۔

چنانچہ جناب کی مشہور و معروف حدیث حُسین مِنّی وَ انا مِنَ الحسین اَحَبَّ اللّٰہُ من احبَّ حسیناً وَ اَبغض اللّٰہُ من اَبغض حسیناً۔ حسین مجھ سے ہیں اور میں حسین سے ہوں خدا اس سے محبت کرتا ہے جو حسین سے محبت رکھے اور خدا اسے اپنا دشمن جانتا ہے جو حسین سے بغض رکھے۔ جملہ خبریہ ہو یا دعائیہ ظاہر کرتا ہے کہ حسین سے خدا محبت کرتا ہے، بلکہ حسین کے محبوں سے بھی خدا محبت کرتا ہے۔ حسین خود محبوب خدا بلکہ محبِ حسینؑ بھی محبوب خدا ہے۔

تو یہ محبت کے واقعات صرف خونی رشتہ اور قربت کی بنا پر نہ تھے یہ صرف رسولؐ پاک کے پیارے نہ تھے بلکہ رسول کے خدا کے پیارے بھی، انبیاء و مرسلین کے محبوب، حریم کبریا کے سرمکتوم اور ملائکہ مقربین کے مخدوم ہیں۔

عزادارو! جس قدر جناب رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت کو اپنے اہل بیتؑ کے متعلق درسِ محبت دیئے اور ان کے ساتھ مودّت کے انداز سکھائے اتنا ہی مخالفت و عداوت پر امت نے کمر باندھی جناب رسولؐ پاک نے تو بحکم خدا اقرباء کے لئے مودت مانگی تھی لیکن امت نے مخالفت و عداوت کا اظہار کیا کسی مولود کی ولادت پر مجلس غم منعقد نہیں ہوئی مگر حسینؑ و زینبؑ کی ولادت نے ماں باپ کو اشکبار کر دیا ملائکہ آسمان نے مبارک کے پُر مسرت پیغام سنائے اور بے کسی غریبی اور مظلومی کی موت کی خبر بھی دی ماں کا دل کڑھتا تھا جب ظلم و ستم کے سیاہ بادلوں میں اپنے چاند کے گھر جانے کی خبر سنتی تھیں جگر پارہ پارہ ہوتا تھا جب عطشان کی آواز کانوں میں آتی تھی۔ پانی پینے کو جی نہیں چاہتا ہوگا جب بتایا جاتا ہوگا کہ تیری اولاد بہتے دریا کے کنارے پیاسی شہید کی جائے گی روتی بھی تھیں اور کہتی تھیں کہ میں ایسے فرزند کو کیا کروں قتیل عبرات ہے جو بے کسی کی موت مارا جائے گا جسے غسل و کفن بھی نہ ملے گا جس کے وارثوں کو دفن کرنے سے روکا جائے گا۔ اس وقت رسولؐ زادی "حملتہ اُمُّہٗ کُرھاً" کی تصویر تھی۔

البتہ اس غم کو دور کرنے والی دکھ کو راحت میں بدلنے والی اور بے چین دل کو تسلی دینے والی وہ حدیث تھی کہ بیٹی غم نہ کر تیرے مظلوم بیٹے کی نسل سے خدا سلسلۂ امامت تاقیام قیامت قائم رکھے گا یہ نو اماموں کا باپ ہوگا۔ اس خبر سے بہتے ہوئے آنسو تھم جاتے دل کی دھڑکنیں کم ہو جاتیں۔

اسی طرح ولادت کے بعد بھی یہ خبر غم باعثِ رنج و ملال بنی جب پوچھا بابا آپ روتے کیوں ہیں بابا جان

ریش مبارک آنسوؤں سے تر کیوں ہوگئی ہے ؟ میں قربان جاؤں روئے اقدس کا رنگ بدل کیوں گیا ہے۔ آپ کیوں غمگین ہیں فرمایا بیٹی جبریل نے مجھے مولودِ مسعود کی تہنیت کے ساتھ شہادت کی خبر بھی سنائی ہے کہ میرا بیٹا حسینؑ زمین کربلا میں ظلم و جور کے ساتھ مع اعزہ وانصار پیاسا شہید کر دیا جائے گا۔

میری اُمت میرے بیٹے کے ناحق خون سے ہاتھ رنگین کرے گی عرض کی باباجان! اس وقت آپ نہ ہوں گے ؟ فرمایا بیٹی میں اس وقت نہ ہونگا۔ گریہ کرتے ہوئے جناب سیدہؑ نے عرض کی بابا! اس وقت علیؑ نہ ہوں گے ؟ فرمایا علیؑ بھی نہ ہوں گے پھر پوچھا کیا حسنؑ بھی نہ ہوں گے ؟ فرمایا نہیں بیٹی حسنؑ بھی نہ ہوں گے ؟ آپ بھی نہ ہوں گی۔ کہا باباجان پھر میرا بیٹا غریب و مظلوم و بے کس ہو کے مارا جائے گا تو اس پر رونے والا بھی کوئی نہ ہوگا۔ اس کی لاش پر غم کے آنسو بہانے نوحہ و ماتم کرنے والا بھی کوئی نہ ہوگا۔ فرمایا اس وقت تو غریب الدیار ہو کے مارا جائے گا ورثا کو رونے کی اجازت بھی نہ ملے گی غسل وکفن اور دفن کا وارثوں کو موقع بھی نہ ملے گا۔ انہیں صفِ ماتم بچھانے کی فرصت بھی نصیب نہ ہوگی۔ مگر خدا ایک قوم کو پیدا کرے گا جو تیرے مظلوم پسر کے سوگ میں صفِ ماتم بچھا کر رویا کرے گی اور کربلا کے شہیدوں کا غم سنا کر تیری روح کو پرُسا دے گی اور تیرے دکھے ہوئے دل کو عزاداری سے تسکین دے گی یہ سن کر جناب مخدرۂ عصمت نے کہا بابا میں اس قوم کے حق میں دعا کرتی ہوں اور روزِ قیامت میں ان کو اپنے ساتھ لے کر داخل بہشت ہوں گی۔

منقول ہے کہ جناب سیدہؑ کو ایسے سوگواروں کے ساتھ اس قدر محبت ہے کہ جب کسی مومن مخلص عزادار کا بچہ انتقال کرتا ہے اور اسے وہ مومن قبر کی آغوش کے سپرد کرتا ہے تو جناب سیدہ اس کے فرزند کو اپنی گود میں لے کر پیار و محبت کرتی ہیں کہ تو میرے فرزند کے سوگوار کا لختِ جگر ہے۔

جناب سیدہؑ تو مومن بچوں کو اپنی آغوشِ شفقت میں لے کر پیار کرتی ہیں لیکن افسوس کہ جناب بتولؑ پاک کی کم سن اولاد کو امت نے کس ظلم و ستم کا نشانہ بنایا یتیموں کے سر پر دستِ شفقت کی بجائے طمانچے مارے معصوم بچوں کے سر کے بالوں کو پکڑ کر بے رحمی سے کھینچا۔ ننھے ننھے ہاتھوں میں رسیاں باندھیں پیاسا رکھا پانی کے لئے ترستے رہے جنگلوں اور ویرانوں میں ڈر کر پناہ لیتے تھے ظالموں کی جھڑکیں اور کرخت آوازیں دل ہلا دیتی تھیں پاؤں پر آبلے پھٹے ہوئے کرتے منہ پر طمانچوں کے نشان چوٹیاں کھلی ہوئی ہیں وامحمداہ واعلیاہ کی صدائیں دیتے تھے کوئی آسرا نہ تھا ہمدرد تلاش کرتے بے رحم ہاتھوں کی ایذا میں مبتلا ہوتے سایہ ڈھونڈتے مگر کوئی بیٹھنے نہ دیتا آسمان روتا زمین فریاد کرتی جنگل کے درخت آنسو بہاتے مگر ظالموں کو ترس نہ آتا۔

الا لعنۃ اللہ علی القوم الظالمین۔

دوسری مجلس

سورہ مبارکہ حمد کی تعریف

تخصیص حمد، یثرب سے سید الشہداء کا سفر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلحمد للّٰہ ربِّ العالمین ۝ الرحمٰن الرحیم ۝ ملکِ یوم الدین ۝ ایاک نعبد و ایاک نستعین ۝ اِھدنا الصراط المستقیم ۝ صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم و لا الضالین ۝

ترجمہ: سب تعریفیں اس خدا کے لئے ہیں جو بہت رحم کرنے والا اور نہایت مہربان ہے روزِ جزا کا مالک ہے۔ اے اللہ! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ ہمیں سیدھی راہ پر چلا، ان لوگوں کی راہ جن پر تیرا غضب ہوا ہے اور نہ گمراہوں کی راہ۔

فاتحہ کی قدر و عظمت اس سورہ کے کئی نام ہیں فاتحہ جس سے کسی شئی کی ابتدا ہوتی ہے اسے فاتحہ کہتے ہیں چونکہ یہ قرآن مجید کے شروع میں ہے اس واسطے اس کا نام فاتحہ ہے۔

شافیہ یہ علیلوں کو شفا دیتی ہے اس کے ذریعہ بیمار جام شفا پیتے ہیں مریض تندرست ہوتے ہیں چنانچہ اسے پڑھ کر پانی پر دم کر کے بیماروں کو پلایا جائے یا تعویذ بنا کر اپنے پاس رکھا جائے تو انہیں شفا ملتی ہے۔ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ذی شان ہے فَاتِحَۃُ الکِتَابِ شِفَاءٌ مِنْ کُلِّ دَاءٍ سورہ فاتحہ ہر بیماری کی شفا ہے۔

یہ ایسی باعظمت و سعادت سورۃ ہے کہ اس کے بغیر نماز نہیں ہو سکتی لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِفَاتِحَۃِ الکِتَابِ بغیر سورہ فاتحہ کے نماز نہیں۔ تمام سورتوں سے اس کے پڑھنے کا ثواب زیادہ ہے۔ چنانچہ کتب حدیث میں مسطور ہے کہ سورہ اخلاص کے پڑھنے سے پورے قرآن کی تہائی کا ثواب ملتا ہے اور سورہ حمد کے پڑھنے سے قرآن کے دو ثلث یعنی دو تہائیوں کا ثواب حاصل ہوتا ہے۔

غالباً یہی وجہ ہے کہ میت کی روح کو ثواب پہنچانے کے لئے اس کی صف ماتم بچھا کر سورہ فاتحہ پڑھی جاتی ہے۔ اور پُرسا دینے والے لوگ سورہ فاتحہ پڑھ کر ثواب ہدیہ کرتے ہیں عموماً لوگ کہتے ہیں کہ فاتحہ پڑھنے جا رہا ہوں۔ فاتحہ خوانی کے لئے لوگ آ رہے ہیں قبروں پر فاتحہ خوانی ہوتی ہے۔ فاتحہ پڑھنے والے حضرات اگر سورہ فاتحہ کے ساتھ سورہ توحید کی تلاوت بھی کر دیا کریں تو پورے قرآن کا ثواب مل جائے۔ لیکن یہ ہرگز نہ سمجھا جائے کہ ان ہر دو سورتوں کے پڑھ لینے سے انسان تلاوت قرآن یا اس کے معانی و مطالب کو سمجھنا دن رات اس کی تلاوت سے گھر کو مبارک بنانا اسے زندگی کا مکمل دستور العمل جان کر اس کے مطابق زندگی گزارنا ترک کر دے۔ یہ تو اس صورت میں ہے کہ مسلمان پورے قرآن پڑھنے کی قدرت نہ رکھتا ہو یا وقت میں وسعت نہ ہو مومن کو قرآن سے محبت ہو ثواب جزیل کا خواہش مند ہو سارا قرآن پڑھنے سے معذور ہو تو ان سورتوں کی تلاوت سے سارے قرآن کا ثواب ملتا ہے۔

اس سورت کو سبع مثانی بھی کہا گیا کیونکہ اس میں سات آیات ہیں اور ہر نماز میں کم از کم یہ دو مرتبہ پڑھی جاتی ہے اور منقول ہے کہ یہ دو دفعہ نازل ہوئی ایک مرتبہ مکہ میں اور دوسری بار مدینہ میں۔

اسلوبِ بیان سورہ فاتحہ اگرچہ قرآن مجید کا حصہ ہے مگر قرآن مجید سے اس کا طریق نزول جداگانہ ہے اور اس کا اسلوب بیان دوسری سورتوں سے الگ ہے یہ سورۃ مبارکہ بذریعہ الہام و القاء بر زبان بندگان نازل ہوئی ہے بندوں کو بارگاہ ایزد متعال میں مناجات کا طریقہ سکھایا گیا ہے۔

جب پہلی سورۃ "اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ" غار حرا میں نازل ہوئی حکم ہوا پڑھ اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا۔ اس حکم کی تعمیل میں جناب محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورہ الحمد پڑھی۔ آخر جب خداوند عالم نے پڑھنے کا حکم دیا تو پیغمبر نے پڑھنا تو تھا سورہ علق یعنی اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ کی ہر آیت کے جواب میں حضورِ پاک نے الحمد کی تمام آیات کی تلاوت کی۔ حکم بھی خدا کا تھا اور جواب میں پڑھنے کا ڈھنگ اور مطالب بھی خدا نے القا فرمائے اس واسطے باقی تمام قرآن بذریعہ وحی جبریل نازل ہوا اور یہ سورۃ بذریعہ القاء پیغمبر کو تعلیم کی گئی اور زبانِ پیغمبر سے جاری ہوئی۔

یہی وہ سورۃ ہے جس کی تفسیر عالم لدنی باب مدینۃ العلم حضرت علی ابن ابی طالبؑ نے عبداللہ بن عباس کے سامنے بیان فرمائی لسان اللہ کی زبان حمد کی تفسیر میں تر تھی اور جناب ابن عباس شاگرد رشید ہمہ تن گوش تھے معارف و مطالب کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر زبان کے دہانے سے تیزی کے ساتھ بہ رہا تھا اور جناب عبداللہ اپنی علمی تشنگی بجھا رہے تھے، علم کے موتی خلیج حمد کی تہ سے رول رہے تھے، سورہ حمد کی تفسیر کی وسعتیں دراز ہو رہی تھیں اور دامانِ شب سمٹ رہا تھا۔ نہ بیان کرنے والی زبان تھکی اور نہ سننے والے کان تھکے۔

البتہ رات تھک گئی رات کی تاریکی تھک گئی سپیدۂ سحر نمودار ہو گیا جناب ابن عباس نے رات کے رخصت ہونے پر آہِ سرد کھینچی اور کہا کہ کاش رات لمبی ہو جاتی اور یہ علمی صحبت ختم نہ ہوتی تفسیر باقی تھی وقت ختم تھا اس وقت جناب امیر المومنین نے فرمایا وَشِئْتُ لَاَوْقَرْتُ سَبْعِیْنَ بَعِیْرًا مِنْ تَفْسِیْرِ سُوْرَۃِ الْفَاتِحَۃِ اگر میں چاہوں تو سورہ فاتحہ کی تفسیر سے اتنی کتابیں لکھوں جنہیں ستر اونٹ اٹھا سکیں۔

اس سورۃ کو اُمّ الکتاب بھی کہتے ہیں لفظ اُمّ اصل اور بنیاد کا معنی دیتا ہے یہ سورہ قرآن مجید کی اصل اور بنیاد ہے۔ اس لحاظ سے بھی کہ ابتداء میں ہے اور اس وجہ سے بھی کہ تمام معانی و معارف قرآن کی جامع ہے۔

علاوہ ازیں اسے سورۃ الکافیہ وافیہ سورۃ الحمد سورۃ الدعا بھی کہتے ہیں۔

سورۃ الکنز بھی کہا جاتا ہے کیونکہ ایک روایت میں ہے کہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے فَاتِحَۃُ الْکِتَابِ کَنْزٌ مِنْ کُنُوْزِ عَرْشِیْ، سورہ فاتحہ میرے عرش کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔

جس طرح کہ بسم اللہ ہر کام کے آغاز کیلئے باعثِ برکت ہے اسی طرح حمدِ خدا بھی ہر ذی شان کام کے آغاز میں ضروری ہے ہر خطبے کے آغاز میں بسم اللہ کے بعد حمد باری تعالیٰ کی جاتی ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کُلُّ اَمْرٍ ذِیْ بَالٍ لَمْ یُبْدَأْ بِحَمْدِ اللّٰہِ فَھُوَ اَبْتَرُ ہر وہ کام جو شان و شرف والا ہے اگر حمدِ خدا سے اس کی ابتداء نہ کی جائے تو وہ بے برکت اور نامبارک ہوتا ہے۔

بسم اللہ کے بعد اس سورۃ کی پہلی آیت "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ" تمام تعریفیں ساری ثناؤ ستائش مخصوص ہے اللہ کے لئے جو تمام جہانوں کا کل کائنات کا پروردگار ہے۔

حمد اس تعریف کو کہتے ہیں جو بذریعہ زبان کسی کی اختیاری خوبی پر اس کو مستحقِ ثناء سمجھتے ہوئے کی جائے خواہ اس کی طرف سے نعمت و بھلائی ہو یا نہ ہو۔

اور شکر اس تعریف کو کہا جاتا ہے جو کسی بھلائی کرنے والے کسی منعم اور محسن کی بھلائی و احسان کے بدلے میں کی جائے۔ پس حمد اور شکر میں فرق یہ ہے کہ حمد اس ذات کی ذاتی خوبیوں اور استحقاق کی بناء پر کی جاتی ہے اور شکر وہ تعریفی کلمات ہیں جو نعمت و بھلائی کے معاوضہ میں ادا کئے جاتے ہیں خداوندِ عالم حمد کا بھی مستحق ہے اور شکر کا بھی۔ شکر کا اپنی لاتعداد نعمتوں کی بنا پر اور حمد کا تمام صفات و خوبیوں کا مالک ہونے کی بنا پر اسی لئے کہا جاتا ہے "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ عَلٰی کُلِّ حَالٍ"

تخصیص حمد

حمد مخصوص ہے ذات باری تعالیٰ کے لئے کہ دراصل تمام کمالات اور خوبیاں اسی ذات پاک پر جارتی ہیں اگر کوئی جاندار یا بے جان چیز کوئی خوبی اور صفت اپنے میں رکھتی ہے تو اس کی خالق اور معطی وہ خود نہیں بلکہ اس کو اس کے غیر نے عطا کی ہے پھولوں کی خوبصورتی اور خوشبو پھلوں کا

ذائقہ اور حُسن، نباتات کی تاثیر اور رنگت، جواہرات کی چمک اور خوشنمائی جڑی بوٹیوں اور معدنیات کی افادیت گران کی صفات اور اثرات و افادات ان کے اپنے ہیں اور ان خوبیوں کی بنا پر قابلِ مدح و ثناء ہیں اگر ان تمام صفات و حسنات کی خالق یہ اشیاء خود ہوتیں تو تعریف انہی تک رک جاتی اور آگے نہ بڑھتی۔
مگر جب ہم دیکھتے ہیں کہ یہ اشیاء اور ان کی صفات مخلوق و مصنوع ہیں تو بے ساختہ ان کو دیکھ کر زبان پکار اٹھتی ہے ۔۔ سبحان اللہ، پاک ہے وہ اللہ اور حمد کے لائق ہے وہ خدا جس نے ان اشیاء کو وجود بخشا اور ان خوبیوں کا حامل اور ان صفات کا موصوف بنایا کس قدر بلند اور صاحبِ کمال ہے وہ ذات جس نے ان کو گوناگوں خوبیوں سے آراستہ کرکے نوعِ انسان کی خدمت کے لیئے وقف کر دیا لہٰذا یہ اشیاء اپنے مقام پر قابلِ مدح ہیں لیکن قابلِ حمد نہیں ان کو قابلِ مدح بنا کر مستحق حمد وہ خود ہے جس نے اپنے جمال و کمال کا جلوہ ان میں ودیعت فرمایا ان کو لباسِ حُسن پہنایا خوش ذائقہ بنا کر مرغوب و محبوبِ بشر بنایا۔
اسی طرح حیوانات کی مختلف اقسام ان کی عجیب و غریب شکلیں مختلف اور پیاری رنگت ان کا حسن و جمال اور قوۃ و کمال سب کچھ قابلِ مدح ہے لیکن وہ اور ان کی جملہ خوبیاں ان کی اختیاری نہیں بلکہ ان کے خالق و صانع کی عطا ہے اس واسطے دراصل قابلِ حمد وہ ذات ہے جو ان کی خالق و صانع اور ان کو یہ خوبیاں بخشنے والی ہے۔
علیٰ ھٰذا القیاس انسان جس کو اشرف المخلوقات کا خطاب زیبا ہے۔ جو اپنی شکل و صورت اور با اختیار ہو کر منازل ارتقاء طے کرنے میں شاہکار قدرت ہے جو خلاصۂ کائنات ہے۔
جسے ترقی کے غیر محدود اختیارات و اسباب دیئے گئے اور بے حد قوتیں اس کے اندر ودیعت کی گئی ہیں اور بے شمار کمالات کا مالک ہے۔ یہ بھی مستقلاً حمد کا اہل نہیں کیونکہ جن وسائل کی بنا پر جس قوت و بازو اور عقل و ادراک کے ذریعے یہ منازلِ کمال اور مدارجِ ارتقاء طے کرتا ہے وہ اس کے اپنے پیدا کردہ نہیں وہ اپنے وجود میں محتاج عقل و شعور اس کا ذاتی نہیں بدنی قوتیں اور ذہنی طاقتیں اس کی اپنی نہیں وہ خود مخلوق ہے۔ خالق نے اس کو تمام قوتیں عنایت کیں۔
اگر قابلیت و ذہانت دل و دماغ جسمانی و دماغی قوتیں عقل و ادراک کی تیزی انسان کے بس میں ہوتی تو ہر انسان ان نعمتوں سے مالا مال ہوتا خصوصاً دولت مند آدمی یہ چیزیں دولت کے بل بوتے پر خرید لیتے۔ مگر ؎

این سعادت بزورِ بازو نیست　　　تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

تو جس قدر انسان خالق کی عطا کردہ قوتوں اور وسائل و اسباب کو حسبِ مرضی خالق اپنے تصرف

میں لاکر گوناگوں ترقی درجات طے کرتا ہے وہ اپنی محنت وکوشش میں تو قابلِ تعریف ہے مگر دراصل لائق حمد وہ ذات ہے جس نے انسان کو وجود بخشا اور غیر محدود ترقی کی قوتیں عطا فرمائیں جس نے انسان کے بدن اور ادراک کی تربیت کی اس کی کوششوں کی قدر کی جادۂ عروج میں اس کی رہنمائی کی فتوحات کے دروازے کھولے۔

اسی واسطے خدا نے بندوں کو ہدایت کی کہ کہو "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ" سب تعریفیں دراصل خدا کے لئے ہیں غرضیکہ جملہ مخلوقات اپنی ذات وصفات میں بے نیاز ذات کی مرہونِ منت ہے۔

پودوں کا نکھار چمن کی بہار پھولوں کی نزاکت پھلوں کی حلاوت، جواہرات کی چمک، تاروں کی دمک، سورج کی ضیا قمر کا نور، پرندوں کا حسن چرندوں کی زیبائی، روباہ کی ذکاوت، شیر کی شجاعت انسان کا کمال، بشر کا جمال سب قادر کریم کی قدرت کے کرشمے ہیں اور تمام کمالات اسی کی ذات پر منتہی ہوتے ہیں اور وہی بخشندۂ تمام کمالات ومعارج ہے۔ اسی بنا پر وہ لائق حمد و ستائش ہے۔

ایک اور مقام پر اس کا ارشاد ہے: "وَلَہُ الْحَمْدُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" اسی کی تعریف ہے آسمانوں اور زمین میں "وَلَہُ الْحَمْدُ فِی الْاُوْلٰی وَالْاٰخِرَۃِ" اسی کی حمد ہے دنیا میں اور آخرت میں۔

اللہ کو لائق حمد سمجھتے ہوئے اس کی حمد وثنا کرنا بہت بڑی عبادت ہے اور خاصان خدا کا یہ معمول ہے کہ ہر حال میں اس کی حمد وثنا کرتے ہیں۔ پنجتن پاکؑ نے جس قدر حمد باری تعالیٰ کی ہے اس قدر کسی نے نہیں کی چنانچہ عالم ارواح اور حجابات نور میں ان ذواتِ مقدسہ نے تسبیح وحمد کا ورد جاری رکھا چنانچہ ملائکہ مقربین نے بھی تسبیح وتقدیس کے ڈھنگ ان سے سیکھے یہ اتنا عظیم الشان عمل جسے ملائکہ نے خلافت کی تمنا کرتے ہوئے اسے بطور استحقاق پیش کیا۔ "نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ" ہم تیری حمد کے ساتھ تیری تسبیح کرتے اور تیری پاکیزگی بیان کرتے ہیں اسی کثرتِ حمد کی وجہ سے جناب رسالتمآبؐ کا نام آسمانوں میں "احمد" ہے احمد کا معنی ہے سب سے زیادہ حمد کرنے والا عالم انوار میں یہ احمد تھے عالم اجساد میں "محمد" بن کر آئے انہوں نے خدا کی تعریف کی اور خدا نے ان کو اس عالم میں محمدؐ بنا دیا جن کی ہر جگہ تعریف ہوتی ہے اور ان کا ذکر بلند کیا کہ جہاں توحید کا ذکر ہوتا ہے وہاں ان کی رسالت کا ذکر ساتھ ساتھ ہوتا ہے۔

وہ چونکہ ہر چیز کا خالق اور رب ہے اس واسطے ہر چیز اس کی تسبیح وحمد کرتی ہے اپنے اپنے

رنگ اور اپنے ڈھنگ سے ہر مخلوق فریضۂ حمد ادا کر رہی جیسا کہ ارشاد ہے وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَھُوْنَ تَسْبِیْحَھُمْ کوئی شیٔ ایسی نہیں جو اس کی حمد کی تسبیح نہ پڑھتی ہو لیکن تم ان کی تسبیح سمجھ نہیں سکتے۔

ہر شئی نے حسین علیہ السلام پر گریہ کیا

جہاں خداوند عالم نے ہر شئی کو تسبیح و حمد کرنے پر مامور کیا ہے وہاں ہر شئی کو جناب سید الشہداء پر نوحہ و بکا کرنے کی سعادت بھی بخشی ہے چنانچہ منقول ہے کہ امام مظلوم کی شہادت پر ہر شئی روئی ہے آسمان رویا زمین روئی ملائکہ روئے جن و بشر نے ماتم کیا۔ ملائکہ نے آسمان میں ماتم کیا پرندوں نے ہواؤں، چرندوں نے صحرا میں آبی جانوروں پانی میں تڑپے ریت کے ذروں زمین کے ڈھیلوں اور پہاڑوں کے سنگریزوں نے غم منایا دوست بھی روئے دشمن بھی روئے جن ہتھیاروں سے تن اقدس مجروح اور شہید ہوا وہ بھی مغموم ہوئے شمر کا خنجر رویا حرملہ کا تیر کمان رویا، خولی کا نیزہ رویا، سنان بن انس کی تلوار روئی خود ظالم اور قاتل روئے اسی لئے فرماتے ہیں انا قتیل العبرات میں تو آنسوؤں کا کشتہ ہوں۔

مدینہ سے سفر کی تیاری

عزادارو! ہمیں یہی ایک نرالا مظلوم اور ممتاز شہید نظر آتا ہے کہ جس کی ولادت سے پہلے ولادت کے وقت اور شہادت کے وقت گریہ و بکا ہوا اور قیامت تک ہوتا رہے گا اس غریب الوطن کی کونسی مصیبت دل ہلانے والی نہیں ہے مومنین کرام! وہ وقت یاد کرو جب مدینہ کی گلیاں اور یثرب کے در و دیوار امام کی جدائی پر آنسو بہا رہے تھے، سید الشہداء یثرب سے سفر کی تیاری کر رہے ہیں اور بنی ہاشم کے گھروں میں ماتم بپا ہے، قبر رسولؐ ہلا رہی ہے ضریح بتولؑ مضطرب ہے مزار حسنؑ متزلزل ہے مسجد نبوی بے رونق ہو رہی ہے گلدستہ اذان فریاد کر رہا ہے منبر رسولؐ معروف غم ہے۔ آج مدینہ اجڑ رہا ہے مدینہ کی گلیاں اداس، نازنین رسالت دل بند مرتضیٰؑ لخت دل زہراؑ مدینہ سے رخصت ہو رہا ہے

صرف حسینؑ نہیں جا رہے زہراؑ کی بیٹیاں اولاد علیؑ حسن مجتبیٰؑ کا کنبہ عقیل کا گھرانہ ابو طالبؑ کا سارا خاندان فرزند فاطمہؑ کے ہمراہ ہے۔ تو مومنین میں پوچھتا ہوں کہ محلہ بنی ہاشم میں کیا رہ گیا ہے؟ برباد نہیں ہو گیا۔ اس چمن میں خزاں نہیں چھا گئی۔

ہائے! جن گھروں میں ملائکہ کا نزول ہوتا تھا جہاں حوریں کنیزیں بن کے آتی تھیں جہاں ملائکہ چکیاں پیستے اور جھولا جھلاتے تھے جنت کی لوریاں ہوتی تھیں جنت سے کھانے اور لباس آتے تھے۔ میں قربان! آج ان گھروں کے دروازے بند ہو رہے ہیں، صحن برباد اور مکانوں کو تالے لگ رہے ہیں

سامان سمیٹا جا رہا ہے حسرت اور اُداسی چھائی ہوئی ہے۔ آج مدینہ میں یوم وفات رسولؐ تازہ ہو گیا ہے۔
منقول ہے کہ جب فرزند رسول ولید کے دربار سے مع جماعت بنی ہاشم واپس گھر آئے اور بنی امیہ کے ارادے معلوم ہوئے تو مدینہ سے کوچ کرنے کا ارادہ کر لیا تو اٹھارہ بنی ہاشم تو گھروں میں چلے گئے اور جب رات چھا گئی تو اُداسی کے عالم میں قبر رسول پر آئے پریشان زلفوں محزون دل اور غمگین چہرے کے ساتھ قبر رسول کے پاس کھڑے ہو گئے ریش مبارک آنسوؤں سے بھیگی ہوئی تھی گلوگیر لہجے میں کہتے ہیں السلام علیک یا رسول اللہ میں آپ کا نواسہ حسینؑ ہوں تیری اُمت میں تیرا خلیفہ ہوں نانا! گواہ رہنا تیری امت نے میری کوئی قدر نہیں کی میری کوئی مدد نہیں کی میرے حقوق ضائع کر دیئے۔ میرے ماں باپ قربان جائیں میں مجبوراً آپ کی قبر چھوڑ رہا ہوں بے بس آپ کے قرب سے جدا کیا جا رہا ہوں نانا! میں یزید کی بیعت کیسے کروں اس کی بیعت سے آپ کا دین کیسے برباد کروں اگر بیعت کرتا ہوں تو تیرا دین اور تیری شریعت ختم ہوتی ہے اور اگر انکار کروں تو میں قتل ہوتا ہوں۔ نانا تیرا دین زندہ رہے میں موت کو قبول کرتا ہوں اور میں مرتا ہوں تیرے دین کو زندہ رکھتا ہوں۔
پھر دوبارہ سلام پڑھ کر واپس گھر آ گئے۔
دوسری رات پھر نانا کی قبر پر گئے چند رکعت نماز پڑھی پھر دست دعا بلند کئے اور یہ مناجات کی اے اللہ یہ تیرے نبی محمد مصطفٰےؐ کی قبر ہے اور میں تیرے نبی کا بیٹا ہوں اب مجھ پر وہ کام آ پڑا ہے جسے تو جانتا ہے خدایا! میں نیکی سے محبت اور برائی سے نفرت کرتا ہوں۔ اے ذوالجلال والاکرام میں تجھ سے اس قبر اور قبر والے کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں کہ میرے لئے وہی بات اختیار کر جس میں تیری اور تیرے رسول کی رضا و خوشنودی ہو اس کے بعد قبر کے پاس بیٹھ کر روتے رہے روتے روتے قبر مبارک پر سر رکھ دیا اور نیند آ گئی حالت خواب میں دیکھا کہ جناب رسالتمآبؐ قبر سے باہر نکلے ہیں ان کے دائیں اور بائیں فرشتوں کا لشکر ہے حضورؐ پاک نے مظلوم نواسے کو اپنے سینے سے چمٹا لیا دونوں آنکھوں کے درمیان پیشانی کا بوسہ لیا اور فرمایا میرے مظلوم بیٹے! میں عنقریب تجھے خون میں غلطان دیکھتا ہوں تو مجھے پیاسا نظر آتا ہے تیرے بدن پر تیروں نیزوں اور پتھروں کے زخم ہیں زمین کربلا پہ تیری لاش بے گور و کفن پڑی اور میری امت کا ایک گروہ باغ بتولؑ کو تاراج کر رہا ہے شمر خنجر چلا رہا ہے اور زہرا جائیاں فریاد کر رہی ہیں بیٹا تیرا باپ علیؑ اور تیری ماں فاطمہؑ تیرا بھائی حسنؑ ابھی میرے پاس آئے ہیں تیری مدینے سے جدائی پر غم زدہ نظر آتے ہیں۔ بیٹا تھوڑا عرصہ باقی رہ گیا ہے گزار پھر ہمارے ساتھ مل جائے گا حسینؑ جنت میں کچھ ایسے درجات ہیں جنہیں بغیر شہادت کے تو پا نہیں سکتا۔

حسینؑ نیند کی حالت میں نانا سے کہہ رہے ہیں نانا مجھے دنیا میں واپس جانے کی حاجت نہیں ہے مجھے اپنے ساتھ قبر میں داخل کر لو نانا زمین تنگ ہو گئی ہے اُمت دشمن ہے جواب آیا واپس ضرور آنا ہے اور شہادت کا مرتبہ پانا ہے جو کام تو نے کرنا ہے وہ اور کوئی نہیں کر سکتا میرے دین کا شجر سوکھ رہا ہے تیرے خون سے سیراب ہوگا میری شریعت تیرے لہو سے سرخرو ہوگی پس صبح کے وقت حسینؑ نیند سے بیدار ہوئے بے چین اور مضطرب ہیں اپنے گھر واپس آئے ۔ دن کے وقت اپنے اہل بیتؑ کو اکٹھا کیا اور ان کے سامنے خواب کا واقعہ بیان کیا اس دن اہل بیتؑ کے گھر میں اتنا غم ہوا گویا مدینے کے در و دیوار شدت غم سے ہل رہے تھے اہل بیت رسولؐ کا گھر ماتم کدہ تھا بیان کیا جاتا ہے کہ بعد وفات جناب رسولؐ اس قدر غم اہل بیتؑ کے گھر میں نہیں ہوا ۔

یہ بھی منقول ہے کہ امام مظلوم رات کے وقت مظلومہ مغمومہ محزومہ ماں کی مزار پر وداع کرنے کے لئے گئے مہیج الاحزان کی روایت ہے کہ ماں کی قبر پر کھڑے ہو کر کہا اَلسَّلَامُ عَلَیْكِ یَا اُمَّاہُ حُسَیْنُكِ جَاءَ لِوِدَاعِكِ وَھٰذِہٖ آخِرُ زِیَارَتِہٖ اِیَّاكِ ، اماں غریب بیٹے کا سلام ہو تیرا حسینؑ تیرے وداع کے لئے آیا ہے اور اس کی یہ تیری آخری زیارت ہے قبر سے ندا آئی تجھ پر سلام ماں کے مظلوم بیٹے تجھ پر سلام ہو ماں کے شہید اور غریب بیٹے مظلوم امام کی آواز شدت گریہ سے گلوگیر ہو گئی یہاں تک کہ امام فرط گریہ سے کلام نہ کر سکے معلوم نہیں مظلوم بیٹے کی غربت بیکسی اور جدائی کا ماں کے دل پر کیا اثر ہوا زخمی پہلو والی ماں نے مسافر بیٹے کو کس طرح رخصت کیا حسینؑ ماں کی قبر پر گئے ماں گیارہویں کی رات کو ماں کربلا میں بیٹے کی لاش پر آئی اور اشکبار آنکھوں سے بیٹے کی لاش دیکھی کس طرح دیکھی کہ لاش کے اعضاء سلامت نہ تھے زخمی بدن میں سر موجود نہ تھا کوئی جگہ بوسہ کے لئے زخموں سے خالی نہ تھی ہاتھ کٹے ہوئے تھے لاش خاک و خون میں غلطاں تھی ۔

اسی طرح قبر مبارک جناب امام حسن علیہ السلام پر بھی گئے اور وہاں بھی یہی کیفیت رہی ۔

محمد بن حنفیہ سے وداع

صبح کے وقت جناب محمد بن حنفیہؒ آئے رو کر گلے ملے اور کہا آپ مجھے تمام مخلوق سے زیادہ عزیز ہیں ۔ اہل بیت رسولؐ کے اس وقت آپ ہی سردار ہیں آپ کی طاعت کا قلادہ میری گردن میں ہے آپ میرے امام ہیں میں آپ کو یہ نصیحت کرتا ہوں کہ آپ بیعت یزید سے الگ رہیں اور خطرے والے شہروں سے دور رہیں اپنے قاصد لوگوں کی طرف بھیجیں اور حالات سے ان کو مطلع کریں اور انہیں اپنی بیعت کی دعوت دیں اگر لوگ آپ کی بیعت قبول کر لیں تو اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد کریں اور اگر لوگ کسی غیر کی بیعت کر لیں تو وہ نہ آپ کے دین کو

گھٹا سکتے ہیں اور نہ آپ کی فضیلت اور آپ کے شرف کو ختم کر سکتے لیکن ایسے شہر میں جہاں آپ کے مخالف بھی ہوں گے اور موافق بھی لیکن میں ڈرتا ہوں لوگوں کی بے وفائی سے کہیں آپ ان کے نیزوں اور تیروں کا نشانہ نہ بن جائیں۔

جناب امام نے جواب میں فرمایا بھائی اب میں کہاں جاؤں زمین تنگ ہوگئی لوگ خانوادہ رسول کے دشمن ہو گئے ہیں جناب محمدؑ نے فرمایا کہ آپ مکہ چلے جائیں اگر مکہ میں سکون نصیب ہو تو بہتر ورنہ ملک یمن میں چلے جائیں وہ آپ کے نانا اور بابا کے مددگار چلے آئے ہیں وہ رحم دل نرم مزاج اور وسیع الظرف ہیں آپ کو وہاں راحت و آرام حاصل ہوگا ورنہ پہاڑوں کی گھاٹیوں ریت کے ٹیلوں میں شہر بہ شہر پھرتے رہیں آخر خدا کوئی فیصلہ کر دے گا۔

جناب محمد بن حنفیہ کی نصیحت سن کر مولا نے فرمایا بھائی خدا آپ کو جزائے خیر دے آپ نے اچھی نصیحت کی ہے میں فی الحال مکہ جانے کا ارادہ کرتا ہوں اس کے بعد جناب محمد بن حنفیہ حسینؑ کے گلے میں باہیں ڈال کر روتے رہے مولا نے فرمایا آپ مدینہ میں رہیں اور میرے خاندان کے پس ماندگان کے آپ ہی محافظ و نگران ہیں۔ میرے ساتھ میرے بھائی بھی ہیں میری بہنیں بھی ہیں میرے بیٹے بھی بھائی حسنؑ کا کنبہ عقیل کی اولاد میرے ہم سفر ہیں۔ اس کے بعد ایک وصیت نامہ لکھا اور بند کر کے اس پر مہر لگا کر جناب محمد بن حنفیہ کے سپرد کیا۔

جناب امام حسین علیہ السلام مسافر کربلا نے نانا کی مزار مبارک پر جو درد بھرے کلمات بیان کئے اور رسول پاک نے جو غم خیز جملے جواب میں ارشاد فرمائے اس جگر پاش مکالمہ کو ایک عربی شاعر نے نظم کیا۔ ہم ذاکرین و سامعین کے لئے قلم بند کرتے ہیں۔

امام مظلوم کی دلسوز صدا ہے۔

۱۔ ضُمَّنِي عِنْدَكَ يَا جَدَّاهُ فِي هٰذَا الضَّرِيحِ ۔۔۔ عَلَّنِي يَا جَدُّ مِنْ بَلْوَى زَمَانِي أَسْتَرِيحُ

نانا مجھے اپنے ساتھ اس ضریح میں اپنے سینے کے ساتھ چمٹا لیجئے اور مجھے بہلایئے کہ میں زمانے کی مصیبت سے راحت پا جاؤں۔

میرے مولا کو بچپن کا زمانہ یاد آیا کہ کبھی آغوش محبت اور کبھی دوش عظمت پر بٹھا کر پیار کرتے اب دکھوں کا دور آ گیا ہے۔ نانے کو سکھ کا زمانہ یاد دلا کر نانے کا پیار طلب کرتے ہیں۔

۲۔ ضَاقَ بِي يَا جَدُّ مِنْ رَحْبِ الْفَضَا كُلُّ فَسِيحٍ ۔۔۔ فَعَسَى طَودُ الْأَسَى يَنْدَكُّ بَيْنَ الدَّكَّتَيْنِ

نانا فضا اپنی وسعت اور زمین اپنی فراخی کے باوجود مجھ پہ تنگ ہو گئی ہے۔ راہیں بند ہیں مصیبتوں

نے گھیر لیا ہے۔ قریب ہے کہ غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑے۔

۳۔ عَدَ صَفْوُ الْعَيْشِ مِنْ بَعْدِكَ بِالْاَكْدَارِ شِيْبَ وَ اَشَابَ الْهَمُّ رَاْسِي قَبْلَ اِبَّانِ الْمَشِيْبِ

نانا زندگی کا صاف پانی دکھوں کی میل کچیل میں گدلا ہو گیا ہے۔ اور غم نے میرا سر بڑھاپے سے پہلے سفید کر دیا ہے۔ زندگی غموں اور دکھوں سے آلودہ ہو گئی ہے۔

۴۔ فَعَلَا مِنْ دَاخِلِ الْقَبْرِ بُكَاءٌ وَ نَحِيْبٌ وَ نِدَاءٌ بِافْتِجَاعٍ يَا حَبِيْبِي يَا حُسَيْن

قبر کے اندر سے رونے کی آواز بلند ہوئی اور دوسری پکار آئی اے میرے پیارے حسینؑ

اَنْتَ يَا رَيْحَانَةَ الْقَلْبِ حَقِيْقٌ بِالْبَلَا اِنَّمَا الدُّنْيَا اُعِدَّتْ لِبَلَاءِ النُّبَلَاءِ

اے میرے دل کے پھول میرے قلب کے ثمران مصیبتوں اور بلاؤں کے لئے تو ہی سزاوار ہے۔ یہ دنیا تو شرفا کی آزمائشوں اور امتحانوں کے لئے تیار کی گئی ہے۔ بیٹیا انہی امتحانوں کے لئے میں نے تیری تربیت کی ہے۔ اس سب سے بڑی آزمائش گاہ میں تیرے سوا کون اترنے والا ہے۔

لٰكِنَّ الْمَاضِيَ قَلِيْلٌ بِالَّذِي قَدْ اَقْبَلَا فَاتَّخِذْ دِرْعَيْنِ مِنْ حَزْمٍ وَ عَزْمٍ بِالْيَقِيْنِ

ماضی میں جو دکھ آئے ہیں وہ قلیل ہیں دکھ تو اب آنے والے ہیں مصیبتوں اور بلاؤں کا ہجوم اور آلام و غموم کے حملے اب ہونے والے ہیں بیٹیا ہوشیاری اور پختہ کی زرہیں ان کے مقابلے کے لئے تیار کر لے۔

سَتَذُوْقُ الْمَوْتَ ظُلْمًا ظَامِيًا فِي كَرْبَلَا وَ سَتَبْقٰى فِي ثَرَاهَا ثَاوِيًا مُنْجَدِلَا

غریب الوطن بیٹیا تو کربلا میں پیاسا ظلم کے ساتھ مارا جائے گا۔ اور کربلا کی زمین میں خاک و خون میں غلطان پڑا رہے گا تیری لاش بے گور و کفن رہے گی اور وہیں تیری قبر بنے گی۔

وَ كَاَنِّي بِلَئِيْمِ الْاَصْلِ شِمْرٌ قَدْ عَلَا صَدْرَكَ الطَّاهِرَ بِالسَّيْفِ يَحُزُّ الْوَدَجَيْنِ

میرے مظلوم بیٹے! گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ رذیل فطرت شمر کمینہ تیرے پاک سینے پر سوار ہے اور تیری گردن کی رگیں کاٹ رہا ہے۔

وَ كَاَنِّي بِالْاَيَامٰى مِنْ بَنَاتِي تَسْتَغِيْثُ نَعَبًا تَسْتَعْطِفُ الْقَوْمَ وَ قَدْ عَزَّ الْمُغِيْثُ

میری امت کے ستائے ہوئے بیٹے! گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ میری بیٹیاں کربلا میں بے وارث رہ گئی ہیں ان کا کوئی سہارا اور آسرا نہیں ہے کسی کے عالم میں عاجز و ماندہ ہو کر فریاد کر رہی ہیں، اور لوگوں سے رحم کی فریاد کر رہی ہیں لیکن ان بے کسوں کی فریاد کو پہنچنے والا کوئی نہیں۔

قَدبَرِیٰ اَجْسامَھُنَّ التَّضَرُّبُ وَالسَّیْرُ الْحَثِیثُ   بَیْنَھَا السَّجَّادُ فِی الْاَصْفَادِ مَغْلُولُ الْیَدَیْن

میں دیکھ رہا ہوں۔ ظالموں کے ظلم وستم اور اونٹوں کی تیز رفتاری نے ان کے بدن لاغر کر دیئے اور ان بے وارث غریب الوطن مظلوم بیبیوں میں سجادؑ بیمار بندھے ہوئے ہاتھوں کے ساتھ کڑیوں میں گرفتار ہے۔

متواتر سفر بھوک و پیاس کی شدت وارثوں کی موت کے صدموں اور قید وبند کی صعوبتوں نے مدینہ کی شہزادیوں کے بدن لاغر و اس قدر دبلے وکمزور کر دیئے تھے کہ ہڈیوں پر گوشت نہیں رہا تھا۔

تیسری مجلس

ذاتِ باری تعالیٰ کا ثبوت۔ رب العالمین کی شان، مدینہ سے سفر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"الحمد للہ رب العالمین"

ذاتِ باری تعالیٰ کے موجود ہونے کی علمائے متکلمین نے جو دلیلیں پیش کی ہیں ان میں سے چند ایک پیش کی جاتی ہیں تاکہ مومنین ہستی خالق کی معرفت حاصل کر کے ایمان و یقین بڑھائیں آج کل چونکہ منکرین خدا اطرافِ عالم میں پھیل رہے ہیں اس واسطے ذاتِ باری تعالیٰ کا بقدرِ امکان تعارف ضروری ہے تاکہ ملحدین کی رد ہو اور مسلمین کا ایمان مضبوط ہو۔

وجودِ باری تعالیٰ کی دلیل اہل علم اس بات کی گواہی دیں گے کہ دنیا کی ہر شئے مخلوق ہے جماد ہو یا نبات حیوان ہوں یا انسان مخلوق ہیں یہ جہان دنیا اور جو کچھ اس میں ہے مخلوق ہے قدیم نہیں کیونکہ دنیا کی ہر چیز کو تغیر و تبدل لاحق ہے ہر آن اس میں تغیرات رونما ہوتے رہتے ہیں نئی چیز پرانی ہو جاتی ہے مضبوط کمزور ہو جاتی ہے سالم میں نقص آجاتا ہے تازہ چیز کملا جاتی ہے نباتات کسی وقت نہ تھیں انہیں وجود ملا۔ بڑھیں پھلیں پھولیں بہار دکھائی پھر آہستہ آہستہ رو بزوال ہوتی گئیں آخر اگلی مٹ گئیں پھر دوسری آئیں وہ مٹ گئیں پھر اور آئیں اسی طرح نباتات کا سلسلہ چل رہا ہے حیوان ننھے پیدا ہوئے بچے ننھے جوان ہوئے پھر بوڑھے ہوئے اور صفحۂ ہستی سے معدوم ہو گئے یہی حال انسان کا ہے۔ ماں کے پیٹ میں بچہ تھا پیدا ہوا بڑھنے لگا، گھٹنیوں چلنے لگا طاقت آتی گئی دوڑنے لگا شباب آیا بھرپور طاقت لی قوتیں کامل ہو گئیں عروج پر پہنچا جوانی کی بہاریں ختم ہوئیں زوال کی خزاں آئی طاقتیں گھٹنے لگیں قویٰ مضمحل ہو گئے اعصاب کمزور اعضا میں ضعف پیدا ہو گیا آہستہ آہستہ تمام طاقتیں جواب دینے لگیں قدم لڑکھڑانے لگے کمر جھک گئی سننے کی طاقت گھٹ گئی بصارت جانے لگی زمین پر اترا کے چلنے والا غرور و پندار کے نشے میں بدمست اکڑ کے چلنے والا اپنی جوانی پر ناز کرنے والا

کپڑوں سے گرد و غبار جھاڑ کر صاف ستھرا رہنے والا قبر کی آغوش میں منوں مٹی کے نیچے ابدی نیند جا سویا۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں

ہر شی مسافر ہر چیز راہی ۔۔۔ کیا چاند تارے کیا مرغ و ماہی

ایک اور شاعر فرماتے ہیں

سکوں محال ہے قدرت کے کارخانے میں ۔۔۔ ثبات ایک تغیّر کو ہے زمانے میں

دنیا متغیر ہے ہر شی متغیّر ہے کوئی چیز ایک حالت پر برقرار نہیں اس دنیا کا تغیّر و زوال بتاتا ہے کہ یہ دنیا حادث ہے یہ جہان مخلوق ہے اسی چیز میں تغیّر و زوال رونما ہوتا ہے جو حادث ہو مخلوق ہو کوئی مقتول بغیر قاتل کے نہیں کوئی مصنوع بغیر صانع کے نہیں کوئی ایجاد بغیر موجد کے نہیں تو کوئی مخلوق بغیر خالق کے کس طرح ہو سکتی ہے۔

کوئی متحرک بغیر محرّک نہیں کوئی چلنے والا چلانے والی قوّت کے بغیر نہیں دنیا کی کوئی فیکٹری کوئی مشین کوئی مل کوئی کار کوئی لاری کوئی گاڑی کوئی جہاز بغیر چلانے والی قوّت کے متحرک نہیں تو سارے جہان کا اتنا بڑا کارخانہ زمین پر زمین میں پانی میں ہوا میں آسمانوں میں جو دن رات قدرت کے کارخانے چل رہے ہیں کیا بغیر چلانے والے کے چل رہے ہیں نہیں! ہرگز نہیں اس عالم کے عظیم کارخانے کو وجود میں لانے والی اس کو چلانے والی ایک ان دیکھی ہستی ہے ایک غائبانہ قوّت ہے جو کائنات کا نظام چلا رہی ہے جسے چہرے کی آنکھیں نہیں دیکھ سکتی دل کی آنکھیں یقین کی قوّت سے دیکھتی ہیں سائنس اسے "نیچر" کے نام سے پکارتی ہے، فلسفہ اسے "طبیعت" کہتا ہے اور اسلام کی آواز ہے وہ اللہ ہے جو رَبُّ العالمین ہے۔

دوسری دلیل خالق اور مخلوق میں مغایرت ضروری ہے یعنی خالق مخلوق کا غیر ہے دونوں ایک نہیں ہو سکتے اس کی توضیح یوں ہے کہ مثلاً زید مخلوق ہے اور اپنا خود خالق ہے، یہ محال اور باطل ہے اس واسطے کہ زید مخلوق ہے یعنی پیدا کیا گیا ہے پہلے نہ تھا کسی وقت نہ تھا اب پیدا ہوا پیدا ہونے سے پہلے معدوم تھا اس کا وجود نہ تھا کیونکہ پیدا ہونے سے پہلے موجود ہونا خلاف عقل ہے اگر موجود ہوتا تو پیدا کیوں ہوتا پیدا ہونے کا مطلب ہی یہ ہے کہ پہلے معدوم تھا موجود نہ تھا اگر اپنا خالق وہ خود ہو تو خالق کے لئے وجود کا ہونا لازمی ہے پیدا ہونے سے پہلے اس کا وجود ضروری ہے کیونکہ خالق جب خود موجود نہیں خود صاحب وجود نہیں تو دوسرے کو وجود کس طرح بخش سکتا ہے؟ کیا خود معدوم کسی دوسرے کو پیدا کر سکتا ہے؟

اگر پیدا ہونے سے پہلے اسے موجود تصوّر کیا جائے تو ثابت ہوا کہ پہلے ہی سے موجود ہے تو مخلوق کیونکر ہوا وہ تو قدیم ہوا اور معدوم یعنی غیر موجود تصوّر کیا جائے تو پھر خالق کس طرح ہو سکتا ہے کیونکہ جو تو د موجود نہیں معدوم ہے وہ دوسرے کو کیسے پیدا کر سکتا ہے۔ یہی کلیہ یہی قاعدہ و قانون ہر مخلوق جاندار یا بے جان میں جاری ہو سکتا ہے۔ تو ماننا پڑتا ہے کہ مخلوق اور ہے خالق اور ہے۔ جملہ مخلوقات اپنے وجود میں محتاج غیر ہیں اور جس کی محتاج ہیں وہ خود بے نیاز ہے اس کا وجود اپنا ذاتی ہے۔ وہ ہے اللہ جو "رب العالمین" ہے۔

ایک عربی شاعر کہتا ہے

وفی کل شیٔ لہ آیۃٌ تدلُّ علی انہٗ واحدٌ

ہر شئی میں اس کے وجود یعنی ہونے کی نشانی موجود ہے جو اپنی زبانِ حال سے پکار کے کہ رہی ہے وہ ذات واحد و یکتا ہے۔

شان ربّ العالمین رب کا معنی ہے پرورش کرنے والا پروردگار تمام جہانوں کل کائنات تمام مخلوق کا پروردگار ہے، تربیت کا معنی ہے پرورش کرنا کسی چیز کی پرورش کرنا اس طرح کہ آہستہ آہستہ اس کی ترقی کے اسباب مہیا کرنا اور اس کی بڑھوتری میں رکاوٹ پیدا کرنے والی اشیاء کو دور کرنا اور درجہ بدرجہ اس کو اس کے مناسب حال حدِ کمال تک پہنچانا۔

جس طرح باغبان زمین میں بیج بوتا ہے وہ کونپل کی صورت میں اُگتا ہے پھر پودا بنتا ہے باغبان اس پودے کی پرورش کرتا ہے اسے پانی دیتا ہے سردی گرمی سے اس کی حفاظت کرتا ہے ایسی چیزوں کو دُور کرتا ہے جو اس کی نمو اور بڑھنے میں رکاوٹ پیدا کرتی ہیں ساتھ اگنے والی جڑی بوٹیوں کو اکھاڑ پھینکتا ہے کھاد وغیرہ جو اس کی نمو میں معاون ہوں استعمال کرتا ہے۔ رفتہ رفتہ وہ نہال ایک تن آور شجر کی شکل اختیار کر جاتا ہے اس پر پھل لگتے ہیں ڈالیاں پھلوں کے وزن سے جھک جاتی ہیں باغبان دیکھ کر خوش ہوتا ہے اس کی خوشی کی انتہا نہیں رہتی ہے جب اسے اس کی محنت کا ثمر ملنے لگتا ہے۔

باغبان اس شجر کا یا ایک باغ کا پرورش کرنے والا ہے۔ اسے کہا جا سکتا ہے مُربّیِ بُستان، ربُّ البستان

اسی طرح والدین اپنے بچوں کی پرورش کرتے ہیں۔ اس کی جسمانی تربیت کرتے ہیں غذا دیتے ہیں آغاز میں بچہ غذا حاصل کرنے کے قابل نہیں ماں اس کے منہ میں غذا دیتی ہے۔ اس کا بدن صاف رکھتی ہے غسل دیتی ہے۔ اس کے بدن پر مالش کرتی ہے۔ آنکھوں میں سُرمہ لگاتی ہے۔ گرمی و سردی سے بچاؤ کا انتظام کرتی ہے۔ بیماری کی حالت میں اسے دوا دیتی ہے۔ اسے اکیلا و تنہا نہیں چھوڑتی۔ اس کی

نگرانی کرتی ہے۔ اسے بہلاتی ہے۔ لوریاں دے کر سلاتی ہے ہر طرح کا خیال رکھتی ہے۔ رفتہ رفتہ وہ اس پرورش سے ترقی کر کے حد کمال تک پہنچ جاتا ہے۔

باغبان ایک باغ کی پرورش کرتا ہے۔ والدین اپنی اولاد کی پرورش کرتے ہیں۔ پرندہ اپنے بچے کے منہ میں دانہ ڈالتا ہے۔ ہر حیوان اپنی اولاد کی حفاظت کرتا ہے۔

آفتاب کا دنیا کی بہت سی چیزوں میں تربیت کا حصہ ہے۔ خصوصاً نباتات میں وہ اپنی حرارت سے پھلوں کو پکاتا ہے اور چاند اپنی ٹھنڈی روشنی میں پھلوں میں چاشنی ولذت پیدا کرتا ہے۔ آفتاب کی گرمی د بیوست بدنوں میں حرارتِ عزیزی بلکہ بدنِ عالم میں حرارت عزیزی پیدا کرتی ہے گیلی و تر چیزوں کو سکھاتی ہے۔

عناصر اربعہ یعنی آگ، پانی، مٹی، ہوا یہ ہر جاندار کی زندگی کے بنیادی اجزا ہیں اور ہر جانور کی زندگی کی بقا بھی انہی عناصرِ اربعہ کے اتحاد و یگانگت پر قائم ہے۔ وہ فرشتے جو ان عناصر کی نگہداشت پر مامور کی ہیں وہ ان عناصر کے نگران ملائکہ ہیں۔ فلاسفہ کے مذہب میں ان کو ارواح ونفوس کہتے ہیں۔ مذہب اسلام میں ان کو اربابِ انواع کہا جاتا ہے۔

مذکور بالا تمام مربی مستقل مربی نہیں ہیں بلکہ اپنی قوتوں اور اثرات میں وہ غیر کے محتاج ہیں ان کا وجود ان میں قوتیں ان میں تاثیرات ان کی اپنی ذاتی نہیں ہیں بلکہ ایک اور طاقت نے یہ تمام امور عطا کئے ہیں۔

علاوہ ازیں ان میں سے کوئی بھی تمام جہان کی پرورش کرنے والا نہیں ہے کوئی کسی ایک فرد یا چند افراد کی تربیت کرتا ہے کوئی کسی ایک نوع کوئی چند انواع کی کوئی کسی ایک حصّہ کی کوئی کسی ایک قطعہ کی اس بنا پر یہ تمام مربی لائق حمد وثنا نہیں لائق حمد وثنا وہ ذات ہے جو ہر شئی کی خالق ہر شئی کو وجود بخشنے والی ہر ایک چیز چھوٹی ہو یا بڑی دیکھنے میں آتی ہو یا انسان کی آنکھیں اس کے دیکھنے سے قاصر و عاجز ہوں زمین کے اوپر ہو یا زمین کے اندر ہوا میں ہو فضا میں ہو پانی کے اندر ہو نالابوں نہروں میں دریاؤں میں سمندروں کی تہوں میں پہاڑوں میں پہاڑوں کی غاروں آسمانوں میں تحت الثریٰ سے عرش علیٰ تک جاندار ہو یا بے جان ادنیٰ ہو یا اعلیٰ ہر ایک کی دیکھ بھال کرنے والی ہر ایک کو اپنی ذاتی طاقت سے دیکھنے والی ہر ایک کی آواز اپنی ذاتی قوت سے سننے والی ہر ایک کے حرکت وسکون پر نظر رکھنے والی ہر ایک کی زندگی کی ضروریات کو جاننے اور ان ضروریات کو پورا کرنے والی ان کی نشو ونما ان کی بڑھوتری ان کی جسمانی ترقی کے اسباب مہیا کرنے والی اور رکاوٹوں کو دور کرنے والی وہ ذات ہے جو رَبُّ العالمین ہے وہ لائق حمد و ستائش ہے وہی لائق عبادت ہے۔ اسی واسطے بندوں کو حمد و ثنا کا ڈھنگ سکھایا ہے

کہ کہو «اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِین» کل کائنات تمام جہانوں ہر شئی میں اس کی ربوبیت کے جلوے آشکار ہیں۔ «رب العالمین» اللہ کی صفت ہے گویا «الحمد» کی علت اور سبب ہے کہ حمد خدا کے لیے خاص کیوں ہے تو اس کا یہ جواب ہے کہ وہ «رب العالمین» اور رب العالمین ہی حمد کا مستحق ہے۔

کہا جاتا ہے کہ «اَلْحَمْدُ رَأْسُ الشُّكْرِ» حمد سب سے بڑا شکر ہے۔ اور انسان پر رب العالمین کا شکر واجب ہے اس کی بے شمار نعمتوں سے انسان فائدہ اٹھاتا ہے۔ ہم لاکھ عبادت کریں لاکھ حمد و ثنا کریں اس کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کر سکتے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک عابد شب و روز عبادتِ خدا میں مشغول رہتا تھا اور وہ یہ سمجھتا تھا کہ میں نے عبادت کا حق ادا کر دیا ہے اور اس کی نعمتوں کا شکر عبادت کی صورت کر دیا ہے۔ پھر اس نے کہا کہ میں بہشت کی نعمتوں کا مستحق ہو گیا ہوں کیونکہ شکر ادا کرنے سے نعمتیں زیادہ ملتی ہیں اس کے یہ کلمات خداوند کریم کو پسند نہ آئے۔

ایک دن یہی عابد جنگل میں سے گذرا پیاس کا غلبہ ہوا تلاش سے بھی پانی نہ ملا مایوس ہو کر موت کا انتظار کرنے لگا اس اثنا میں ایک آدمی نے حاضر ہو کر اس شرط پر عابد کو پانی کا پیالہ پیش کیا کہ زندگی کی آدھی عبادت پانی کے پیالے کے عوض بخش دے پانی سے مایوس اور زندگی سے مانوس عابد نے اپنی نصف عبادت بخش دی پانی پی کر چل پڑا کچھ دیر کے بعد پھر پیاس نے غلبہ کیا پانی نہ ملا نا اُمید ہو کر بیٹھ گیا کہ اتنے میں ایک آدمی حاضر ہوا اور پانی کا پیالہ پھر کر اس شرط پر پیش کیا کہ باقی آدھی عبادت بھی اس کے عوض دیدے۔ عابد نے یہ خیال کر کے کہ جان تو بچتی ہے پھر اور عبادت کروں گا باقی آدھی عبادت بھی دیدی۔ اس کی ساری زندگی کی عبادت دو پیالوں کے بدلے فروخت ہو گئی۔ قدرت کی طرف سے آواز آئی او عبادت پہ ناز کرنے والے! تو عبادت کا حق کہاں تک ادا کیا اور میری نعمتوں کا شکر کتنا کیا۔ تیری ساری زندگی کی عبادت کا مول میرے پانی کے دو پیالے ہیں، بتا تو نے میرا کتنا پانی ساری زندگی میں استعمال کیا، تو نے خود پیا، غسل کیا، کپڑے دھوئے اس کی قیمت ادا کرنے کے لئے تیار ہو جا جب ہاتف کی آواز زاہد و عابد کے کان میں آئی تو سجدے میں گر پڑا اور عرض کرنے لگا پروردگارا! تیری بخشش و فضل کا امیدوار ہوں میں تیرا حق نہیں ادا کر سکتا اپنے فضل و کرم سے سرفراز فرما۔

بہر حال انسان کو اپنے منعمِ حقیقی کا شکر اور اپنے پروردگار کی حمد کا ورد ہر حال میں کرنا چاہیئے۔ رنج ہو یا راحت، خوشی ہو یا غمی، دکھ ہو یا سکھ ہر حال میں وہ سزاوارِ حمد ہے اور یہی خاصانِ خدا کا طریقہ ہے کہ ہر حال میں حمدِ خدا سے زبان کو تر اور دل کو روشن رکھتے ہیں بلکہ جس قدر ان پر مصیبتیں پڑتی ہیں وہ زیادہ

حمد و ثنا کرتے ہیں جناب امام حسین علیہ السلام سے زیادہ مصیبتیں کس پر آئیں ہر دکھ اور رنج کی گھڑی میں حمد و ثنا، تسبیح و تقدیس اور صبر و شکر کے کلمات ادا کیے۔

مدینے سے سفر کی تیاری

مدینۃ المعاجز میں جناب جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ جناب امام مظلومؑ نے مدینے سے مسافرت کا قصد کیا تو میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ آپ فرزندِ رسولؐ ہیں اور ان کے دو نواسوں میں سے ایک آپ ہیں میری رائے یہی ہے کہ آپ بھی یزید کے ساتھ مصالحت کر لیں جس طرح کہ آپ کے بھائی امام حسن علیہ السلام نے معاویہ کے ساتھ مصالحت کر لی تھی تو امام مظلوم نے فرمایا کہ اے جابر میرے بھائی جناب حسنؑ نے جو کچھ کیا حکم خدا اور حکم رسولؐ کے مطابق کیا اور میں بھی وہی کروں گا جیسا حکم خدا اور حکم رسولؐ ہوگا۔ کیا تو چاہتا ہے کہ اس امر میں جناب رسول اللہ امیر المومنینؑ اور حسنؑ مجتبیٰ کی گواہی ابھی تیرے سامنے پیش کروں اس کے بعد فرزندِ مصطفےٰؐ نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی۔ کیا دیکھتا ہوں کہ آسمان کا دروازہ کھل گیا ہے اور جناب رسولؐ پاک، حضرت علیؑ، امام حسنؑ، حضرت حمزہ و جناب جعفر طیار آسمان سے نازل ہوئے اور زمین مدینہ پر قرار پکڑا۔

میں گھبرا گیا اور مرعوب ہو کے رہ گیا لیکن یہ سارا منظر آنکھوں سے دیکھتا رہا جناب رسالتمآبؐ نے میری طرف رخ کیا اور فرمایا کہ اے جابر میں نے حسنؑ کا معاملہ حسینؑ سے پہلے بتا نہ دیا تھا تاکہ تو ان کے معاملات کو تسلیم کرے اور ان کے کسی فعل پر اعتراض نہ کرے۔

اے جابر کیا تو معاویہ اور اس کے بیٹے یزید کا ٹھکانہ اور میرے بیٹے حسین کا مقام دیکھنا چاہتا ہے جابر کہتا ہے میں نے کہا ہاں یا رسول اللہؐ پس جناب رسولؐ کریم نے زمین پر پاؤں مارا زمین پھٹ گئی اور ایک دریا ظاہر ہوا وہ دریا پھٹ گیا اور ایک زمین نکلی۔ پھر وہ زمین پھٹ گئی اور ایک دریا ظاہر ہوا وہ دریا پھٹ گیا اور ایک زمین نکلی پھر وہ زمین پھٹ گئی اور اس سے دریا نکلا اس طرح سات مرتبہ ہوا یعنی سات بار زمین ظاہر ہوئی اور سات بار سمندر ظاہر ہوا کیا دیکھتا ہوں کہ ان سات سمندروں اور سات زمینوں کے نیچے بہت بڑی آگ دہک رہی ہے اور اس آگ میں ولید بن مغیرہ، ابوجہل، معاویہ یزید ایک ساتھ زنجیر میں جکڑے ہوئے ہیں اور ان کے ساتھ سرکش شیاطین ہم عذاب ہیں اور جہنم والوں میں سب سے زیادہ عذاب ان پر ہو رہا ہے اس کے بعد فرمایا اے جابر اپنا سر اٹھا اور

اوپر نگاہ کر جابر بیان کرتا ہے کہ میں نے دیکھا کہ آسمان کے دروازے کھل گئے ہیں اور جنت کا نظارہ سامنے ہے جنت کے باغات اور نعمتیں سامنے دکھائی دے رہی ہیں حضور رسالتمآبؐ اپنے ساتھیوں سمیت آسمان پر چلے گئے جب ہوا میں بلند ہوئے تو پکار کر فرمایا بیٹا حسینؑ آ ہمارے ساتھ مل جا پس جناب حسین علیہ السلام بھی ان کے ساتھ مل گئے پس وہ سارے اوپر چلے گئے اور جنت میں داخل ہوئے۔ جابر کہتے ہیں کہ ابھی میں دیکھ رہا تھا کہ جناب رسالتمآبؐ کی آواز آئی اور انہوں نے جناب حسینؑ کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا فرماتے تھے جابر یہ میرا بیٹا حسین ہے جو اس جگہ میرے ساتھ ہے پس اس کا امر تسلیم کر لے اور شک نہ کر تاکہ تیرا ایمان مضبوط ہو جائے جابر کہتا ہے کہ اگر میں غلط کہوں تو میری دونو آنکھیں اندھی ہو جائیں۔ وطن سے کسے محبت نہیں ؛ اپنے گھروں اپنے شہر سے کون مانوس نہیں ؛ پرندے بھی اپنے آشیانے چھوڑنا پسند نہیں کرتے۔ کس مجبوری سے فرزند رسول مدینہ چھوڑنے پر آمادہ ہوئے، مسجد نبوی سے جدا ہونا کب گوارا تھا وہ گھر جس میں ملائکہ کا نزول ہوتا تھا، جبریل بچوں کو بہلایا کرتے تھے لوریاں دے کر جھولا جھلایا کرتے تھے جہاں پنجتن پاک علیہم السلام کی پاک محفلیں منعقد ہوا کرتی تھیں آج ان کے صحن برباد ہو رہے ہیں دروازے بند ہو رہے ہیں۔ محلہ بنی ہاشم میں کہرام بپا ہے فضا اداس ہے در و دیوار پر حسرت ٹپکتی ہے بتولؑ کا لال سفر کی تیاری کر رہا ہے۔ بحار میں کامل الزیارۃ کے حوالے سے مرقوم ہے کہ جب مولا حسینؑ نے مدینے سے سفر کا ارادہ کیا تو خاندان بنی عبدالمطلب کی تمام مستورات نوحہ و زاری کے لئے ایک جگہ اکٹھی ہو گئیں ان کے جگر خراش بینوں اور دل گداز فریادوں سے زمین لرزتی، قبر رسول کانپتی اور فضا سوگوار نظر آتی تھی یہ حالت دیکھ کر جناب حسینؑ ان مستورات میں تشریف لے گئے ان کو صبر و تحمل کی تلقین کی جناب امام کے گرد مستورات بنی ہاشم کا گھیرا تھا رونے کی صدا زیادہ بلند ہوئی سوگوار بیبیوں نے آہ و زاری کرتے ہوئے کہا کہ یہ نوحہ و بکا کس کے لئے باقی رکھیں کیا آپ کے بعد کوئی ہمارا سہارا رہ گیا ہے آپ کی مدینہ سے رحلت کوئی معمولی واقعہ نہیں۔ یہ دن غم و ماتم میں وفات رسول کے دن سے کم نہیں۔ آج ایسا ہی غم کا دن ہے جس دن علیؑ کا جنازہ اٹھا تھا۔ صدمہ میں آج کا دن بتولؑ کے یوم وفات کے برابر ہے۔ حسنؑ مسموم کے تیر بھرے جنازے کے اٹھنے کے دن سے یہ دن کم نہیں۔ اُن دنوں میں تو صرف ایک معصوم رخصت ہوا تھا۔ آج مردوں عورتوں سے پورا محلہ خالی ہو رہا ہے۔

اب آج سے بے وارث و والی ہے مدینہ　　　اور پنجتن پاک سے خالی ہے مدینہ

اُمِ ہانیؑ اُمِ ہانی جناب امام حسینؑ کی پھوپھی ہیں ضعیفی کی وجہ سے بصارت کمزور تھی گھر میں بیٹھی تھیں کہ بنی عبدالمطلب کی بیٹیاں روتی پیٹتی جناب اُمِ ہانی کے پاس آئیں اور کہا اُمِ ہانی آپ آرام سے بیٹھی ہیں اور

پنجتن پاک کی آخری یاد اہل وعیال سمیت گھر تنہا چھوڑ رہا ہے دالان اجاڑ ہو رہے ہیں صحن خالی ہو رہے ہیں جناب اُم ہانی یہ خبر سُن کر تڑپ اٹھیں ضعیفی کی وجہ سے عصا کا سہارا لیا اٹھتی بیٹھتی مولا کے پاس آئیں امام مظلوم کی نظر پڑی کہا پھوپھی! آپ کس طرح تکلیف کر کے اس حالت میں آئیں روکر کہا کیوں نہ آتی میں نے سنا ہے کہ بیواؤں کا سہارا یتیموں کا والی، پنجتن پاک کی آخری نشانی، قبر رسول کا مجاور بے بس مدینہ چھوڑ رہا ہے اس کے بعد اپنے دونو ہاتھوں سے اپنے بھائی علیؑ کی یادگار کو گلے لگایا اور اپنے باپ حضرت ابوطالبؑ کے یہ شعر پڑھے۔

وَابْیَضُ یُسْتَسْقَی الْغَمَامُ بِوَجْهِہٖ — ثِمَالُ الْیَتَامٰی عِصْمَۃٌ لِلْاَرَامِلِ
تَطُوْفُ بِہٖ الْھُلَّاکُ مِنْ اٰلِ ھَاشِمٍ — فَھُمْ عِنْدَہٗ فِیْ نِعْمَۃٍ وَفَوَاضِلِ

اس کے بعد جناب ام ہانی نے کہا بیٹا مجھے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سفر سلامتی کا سفر نہیں۔ مولا نے کہا پھوپھی جان! جو امر مقدر ہو چکا ہے وہ ہونے والا ہے اس کے بعد جناب ام ہانی آہ و بکا کرتے ہوئے روانہ ہوئیں روتی بھی جاتی تھیں اور یہ شعر پڑھتی جاتی تھیں۔

وَمَا اُمُّ ھَانِیْ وَحْدَھَا سَاءَ حَالُھَا — خُرُوْجُ حُسَیْنٍ عَنْ مَدِیْنَۃِ جَدِّہٖ
وَلٰکِنَّمَا الْقَبْرُ الشَّرِیْفُ وَمَنْ بِہٖ — وَمِنْبَرُہٗ یَبْکُوْنَ مِنْ اَجْلِ فَقْدِہٖ

اے ام ہانی حسینؑ کے مدینہ سے چلے جانے سے صرف تو بے حال نہیں ہوئی۔ قبر پاک اور روضا قبر محراب ومنبر حسینؑ کی جدائی سے رو رہے ہیں۔

اُمِّ سلمہ جناب ام سلمہ کو امام حسینؑ سے بہت زیادہ محبت تھی۔ ازواج رسول پاک صلعم میں سب سے زیادہ انس امام مظلوم سے آپ کو تھا۔ ایک تو اس وجہ سے کہ اکثر جناب رسولؐ اللہ کو حسینؑ سے مختلف انداز میں قولی اور عملی طور پر محبت کرتے دیکھتیں اور قربت خدا اور قربت رسولؐ فلاح دارین سنت رسولؐ سمجھتیں۔ علاوہ ازیں جناب امام پاک کی پرورش میں بھی جناب ام سلمہ کا کافی حصہ تھا سیرت وتاریخ کی کتابوں میں باتفاق درج ہے فَکَفَلَتْہٗ اُمُّ سَلْمہ۔ پس اُم سلمہ ان کی کفیل ہوئیں یعنی پرورش کی۔ چنانچہ امامؑ پاک کی شہادت کی پیش گوئیاں زیادہ تر اُم سلمہ کی زبان سے مروی ہیں جس طرح خداوند عالم نے اپنے پیارے رسولؐ کو ان کے پیارے نواسے کی شہادت سے پہلے آگاہ فرمادیا تھا اسی طرح جناب رسالتمآبؐ نے جناب اُم سلمہ کی محبت والفت ملاحظہ فرما کر ان کو بھی ان کی شہادت سے آگاہ کر دیا تھا اور جس طرح جناب سیدہ کو شہادت کی خبر دی تھی اسی طرح ام سلمہ کو بھی اطلاع کر دی۔

جناب سیدہ سلام اللہ علیہا ضرورت کے وقت اپنے اس پارہ جگر کو اپنی مادر مہربان سے لے

بے قراری کے عالم میں میرے گھر میں جمع ہوگئیں۔ پوچھا اُم سلمہ کیا ہے۔ میں نے کہا سر پیٹ لو، سروں کے بال کھول دو حسینؑ بن علیؑ اپنے ساتھیوں سمیت مارے گئے۔ فرزند رسولؐ ذبح کر دیئے گئے۔ بتولؑ کی بیٹیاں فریاد کرتی رہیں حسینؑ ھَلْ مِن نَاصِر کی صدا دیتے رہے۔ مگر امت بے رحم نے گلشن زہراؑ تاراج کر دیا لوگو! ابھی ابھی رسولؐ پاک آکر مجھے بتا گئے ہیں۔

دیکھو! اس شیشی میں مٹی نہیں خون کھول رہا ہے حسینؑ شہید کر دیئے گئے۔ مدینہ برباد ہوگیا محلہ بنی ہاشم ویران ہوگیا۔ لوگو! دیکھو یہ حسینؑ کے گھر اجڑ گئے۔ اب کون آئے گا۔ کون ان گھروں میں آباد ہوگا۔

عزادارو! جناب ام سلمہ اور ام البنین، ام ہانی خواہر علی، ام لقمان بنت عقیل اور دوسری خاندان بنی ہاشم اور مدینہ کی عورتیں جمع ہو کر اس قدر روئیں کہ جناب رسولؐ پاک کی وفات کے دن اور حسینؑ کے مدینے چھوڑنے کے دن کا ماتم تازہ ہوگیا، مدینے میں کہرام تھا۔ تمام عورتیں نوحہ و ماتم کرتی ہوئی قبر رسولؐ کی طرف روانہ ہوئیں۔ گریبان چاک تھے، سروں کے بال کھلے تھے۔ قبر رسولؐ پر جاکر بلند آواز سے کہا یا رسولؐ اللہ تیرے دوش کا سوار مارا گیا۔ تیری آغوش کا پالا مارا گیا۔ جس کے گلے کا بوسہ لیتے لیتے تھکتے نہ تھے اس پر خنجر چل گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا قبر کانپ رہی ہے۔ زمین تھرتھرا رہی ہے۔ فضاء مدینہ سوگوار ہے۔ ہاشمی عورتوں کے نوحہ و بین سے کلیجے پھٹ رہے ہیں۔

الا لعنۃ اللہ علی القوم الکاذبین

○

چوتھی مجلس

سامانِ سفر

اب ہم اس سامانِ سفر کا ذکر کرتے ہیں جو فرزندِ رسولؐ شاہ و شہنشاہِ حجاز شاہ دنیا و آخرت نے اپنے ساتھ لیا۔ یہ ایک طویل سفر تھا اپنا پورا کنبہ اور بنی ہاشم کا اکثر خاندان ہمراہ تھا ہر قسم کی ضروریات زندگی اور اسباب معیشت ساتھ لئے تاکہ راستے میں کسی منزل و مقام پہ غیروں کی احتیاج نہ رہے گو ان کی زندگی سادہ تھی لیکن مفلس و غریب نہ تھے۔ امیروں کے امیر اور شاہوں کے شاہ تھے۔ ان کی خیرات کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا اور محتاجوں کی ضرورتیں پوری ہوتیں۔ درہم و دینار کی تقسیم کے علاوہ غلے، کپڑے اور مویشی ریوڑوں کی صورت میں سائلین کو دیئے جاتے۔ امام حسنؑ کی امیری تو مشہور ہی ہے وہ امام حسینؑ کے بھائی تھے دونوں بھائی امیر تھے۔ آخر اس قدر خیرات، اتنی سخاوت اور اتنی بخششیں اپنے ذاتی مال میں سے کرتے۔ غیروں کے اموال سے تو خیرات نہیں کرتے۔ بے شک بہت بڑے امیر تھے اور اتنا بڑا امیر جب ایک طولانی سفر اختیار کرے تو کیا کچھ ساتھ نہ لیا ہوگا، میرے مولا نے بہت سامان ساتھ لیا۔ آپ سنتے رہتے ہیں کہ مولا کا ازار بند کتنا قیمتی تھا جس کے حصول کے لئے جمال ملعون نے لخت دل بتولؑ کے بازو قلم کئے۔ جن کا ازار بند اتنا قیمتی ہو باقی سامان ان کا کس قدر عالی شان اور کثیر ہوگا۔

صاحب معالی السبطین عالم و واعظ شیخ محمد مہدی مازندرانی لکھتے ہیں کہ میں نے بعض کتب میں دیکھا ہے کہ جب امام حسینؑ نے مدینے سے کوچ کا ارادہ کیا تو ان کے پاس ان کی اولاد، ازواج، بھائی بہنیں، ان کے قریبی عزیز، ان کے بھتیجے، بھتیجیاں، غلام کنیزیں اور خاندان بنی ہاشم کے بہت سے افراد اکٹھے ہوئے جن کی تعداد تمام زن و مرد صغیر و کبیر ملا کے ایک سو سے زیادہ بنتی ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو مولا کے ساتھ مدینے سے مکہ اور مکہ سے عراق گئے۔

جب تیاری کا وقت آیا تو مولا نے حکم دیا کہ کثیر تعداد میں گھوڑے زینوں سمیت حاضر کئے جائیں

اور کثیر تعداد میں اونٹنیاں جب یہ پیش کئے گئے تو امر فرمایا کہ ستر ناقے مخصوص کئے جائیں خیموں کا سامان اٹھانے کے لئے بہت سی اونٹنیوں پر خیمے لادے گئے اور کئی اونٹوں پر کھانے پکانے کے چھوٹے بڑے برتن اور خوراک کا سامان وغیرہ اور کئی اونٹ مخصوص کئے گئے تھے پانی کی بھری ہوئی مشکوں کے لئے کیونکہ عرب و عراق کی زمین کا بہت بڑا حصّہ بے آب و گیاہ ہے۔ سینکڑوں میلوں تک پانی کا نشان نہیں ملتا مظلوم کے ساتھ کافی تعداد مستورات و اطفال کی تھی۔ گرمی کا موسم تھا۔ لالِ زہرا نے پانی کا سامان مکمل کر رکھا تھا۔ کئی اونٹوں پہ اخراجات کے لئے درہم و دینار (عربی سکے) زیورات، پارچات، پوشاکیں، یمنی چادریں، خوشبوئیں اور عام کپڑے لادے گئے۔

تبرکاتِ پیغمبرؐ

بہت سی اونٹنیاں، بنی ہاشم کی مستورات، خورد سال بچوں اور ان کی کنیزوں کے لئے مخصوص تھیں۔ باقی اونٹوں پر دوسرا عام سامان جس کی سفر میں عموماً ضرورت ہوتی ہے علاوہ مذکورہ سامان کے رکھا گیا تھا۔ جب یہ اشیاء جمع ہو گئیں تو اپنے لئے ایک خاص گھوڑا پیش کرنے کا حکم دیا اس گھوڑے کا نام مرتجز تھا۔ جناب رسولؐ پاک کی خاص سواری تھی اور حضورؐ پاک کا پیارا راہوار تھا وہ جناب امام حسینؑ کو نانا کی طرف سے عطا ہوا۔ یہی وہ گھوڑا تھا جس پر روزِ عاشور سوار ہو کر میدانِ کارزار میں نکلے تھے۔ صفین کی لڑائی میں جناب امیر المومنینؑ اس پر سوار ہو کر مشغول جہاد ہوئے اور کربلا میں اس پر فرزندِ رسولؐ سوار ہو کر فوجِ اشقیا کے سامنے آئے۔

اس کے بعد جدِ امجد کی خاص تلوار منگائی اور گلے میں حمائل کی۔ اس تلوار کا نام بتار تھا اور رسوب اور غضب بھی کہا جاتا ہے اس تلوار پر یہ شعر نقش تھا۔

فِی الْجُبْنِ عَارٌ وَفِی الْاِقْدَامِ مَکْرُمَۃٌ   وَالْمَرْءُ بِالْجُبْنِ لَا یَنْجُو مِنَ الْقَدَرِ

ترجمہ :- بزدلی میں عار ہے اور قدم بڑھانے میں قدر و عزت ہے۔ اور بزدلی کی وجہ سے آدمی قضاو قدر سے نہیں بچ سکتا۔ جنگِ صفین میں یہ امیر المومنینؑ کے پاس رہی اور کربلا میں فرزندِ رسولؐ نے اس کے ساتھ لاثانی جہاد کیا کہ بارہ میل تک میدانِ قتال سپاہِ اشقیاء سے خالی ہو گیا تھا۔

پھر جنابِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زرہ لانے کا امر فرمایا جسے سعدیہ، ذات الفضول اور ذات الوشاح کہا جاتا تھا اور مولائے مظلوم کو جدِ امجد سے ورثہ میں ملی تھی، یہی زرہ پہن کر امام پاک روزِ عاشور فوجِ اشقیاء کے پاس آئے ان لوگوں کو نصیحت کی اور فرمایا کہ میں تم کو خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ یہ وہ زرہ نہیں ہے جو میرے نانا رسولؐ اللہ پہنا کرتے تھے۔ ان لوگوں نے کہا ہاں بے شک!

اس کے بعد تبرکات میں سے جنابِ رسولؐ پاک کا عمامہ مبارک طلب فرمایا جس کا نام سحاب تھا یہ عمامہ حضورؐ پاک بدر وحنین کے معرکوں میں سر پر باندھے ہوئے تھے۔ وراثت امامت و خلافت میں مولائے مظلوم کو ملا۔

آخر میں وہ خاص حربہ (بھالا) جو عکازہ (ایک قسم کا عصا) کے مشابہ تھا۔ اپنے ساتھ لیا اس حربے کا نام عَنَزَہ تھا اس بھالے کو عموماً حضورؐ پاک سفروں میں اپنے ساتھ رکھتے۔ عید کے روز اور سفر میں نماز کے وقت اپنے سامنے گاڑ دیا کرتے۔ روز عاشورا اسی حربے کو گاڑ کر اس پر تکیہ کرتے لڑتے لڑتے اس کے پاس آکر سہارا لیتے اور لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم پڑھتے۔

حضرات مومنین! اس ساز وسامان کے ساتھ اور ان تبرکات کے ساتھ شاہ حجاز مدینے سے نکلے۔ کتنا بڑا سامان، کتنے تبرکات، قربان جائیں ہماری لاکھ جانیں رسول زادیوں کی غربت و بے کسی پر کہ روز عاشور بعد عصر یہی سامان اُمتِ رسولؐ لوٹ رہی ہے اور نبی زادیاں حسرت سے دیکھ رہی ہیں وہ خیمے جو ستر اونٹوں کا بار تھے جل رہے ہیں اور بتولؑ کی بیٹیاں نامحرموں سے چھپنے کے لئے کوئی جگہ تلاش کر رہی ہیں۔ خیمے اور قناتیں جل رہی ہیں اور بنو ہاشم کے بچے اور بچیاں اِدھر اُدھر دوڑ رہی ہیں، مائیں کہیں ہیں اور بچے کہیں۔ بچوں کے ہاتھوں سے ماؤں کے دامن چھوٹ گئے۔ بیبیاں بے تحاشا جنگل کی طرف نکلیں اور بچے بے قرار ہو کر کہیں بھاگے۔ بچوں کو ماؤں کی خبر نہیں اور ماؤں کو بیٹیوں کی سنبھال نہیں، امتِ رسولؐ متاعِ بتولؑ بے دریغ لوٹ رہی ہے۔ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ اس قدر قیمتی چادریں ہمراہ تھیں جو کئی اونٹوں پر لدی ہوئی تھیں مگر وقت عصر زہراؑ جائیوں کے سر عریاں اور بال ننگے تھے سر چھپانے کے لئے کوئی چادر نہ مل سکی۔

جس طرح کسی کو موقع ملا مالِ غنیمت سمجھ کر لوٹا۔ اولادِ رسولؐ کو لوٹا۔ بناتِ بتولؑ کو لوٹا۔ نساء بنی ہاشم کو لوٹا۔ شبِ عاشور تک تو سیّد زادیوں کے وارث و اقربا بھی موجود تھے اور تبرکات و پوشاکیں بھی موجود تھیں لیکن عصر عاشور کے بعد نہ وارث رہے نہ اقربا در رہے۔ نہ گھر والے رہے نہ گھر رہے اے آسمان تو کیوں نہ گر پڑا۔ اولادِ رسولؐ پیاسی کٹتی رہی اور متاعِ بتولؑ بے تحاشا لٹتی رہی اور تو دیکھتا رہا۔

مسلمانو! چادریں، پوشاکیں اور دوسرا سامان تو بے وارث سمجھ کے لوٹ لیا تھا۔ آخر ذریتِ رسول تھیں، شریف خاندان کی مستورات تھیں، صاحبِ عصمت و پردہ دار بیبیاں تھیں کانوں سے زیورات تو نہ اتارتے۔ بے کس و بے بس بے وارث جان کر ہاتھوں اور پاؤں سے ظلم وجور کے ساتھ زیورات نہ اتارتے۔ اے زمین کربلا تو کس طرح یہ منظر دیکھتی رہی کہ آگ کے شعلے نکل رہے ہیں اولادِ رسولؐ کے

گھر راکھ بن رہے ہیں۔

زہراؑ کی بیٹیاں جو کھلے سر نکل پڑیں　　　سب بیبیاں خیام سے باہر نکل پڑیں

ادھر خیمے لوٹے جلائے ۔ اہل حرم کو ستایا ۔ نبی زادیوں کو لوٹا ۔ ادھر فرزند رسولؐ کو لوٹا ۔ ہاں فرزندِ رسولؐ کی لاش کو لوٹا ۔ کسی نے زرہ آتاری ۔ کسی نے پیراہن اتارا ۔ کسی نے عمامہ لیا ۔ کسی نے انگوٹھی اتاری ۔ تبرکاتِ رسول لوٹے ۔ مواریث علی و بتول لوٹے ۔ بجائے اس کے کہ بدن پاک سے تیروں کی نوکیں نکالتے ۔ بدن میں چھپے ہوئے سنگ ریزے نکالتے ۔ لاش پر لوٹ مچادی ۔ لباس اتارا ۔ ظالم جمال نے کمر بند کی خاطر رسولؐ و بتولؑ کو بے قرار کر دیا ۔ لاش پاک کی وہ بے ادبی کی کہ زمین کانپی آسمان لرزا ۔ رسولؐ روئے ۔ علیؑ نے ماتم کیا ۔ بتولؑ نے فریاد کی ۔ امام حسنؑ نے دہائی دی ۔ اس ملعون نے پہلے دایاں ہاتھ کاٹا پھر بایاں ہاتھ کاٹا ۔ عباس کے زندگی میں دو نوں شانے تیری موت کے بعد تیرے دونوں ہاتھ کٹے ۔ بتولؑ کی بیٹی بھرا گھر ساتھ لے کے کربلا آئی اب بھائی بھتیجے بھرا گھر لٹا کر خالی ہاتھ شام کو چلی ۔

فریاد از غریبی و بے یاری حسینؑ　　　وز نالہ ہائے دمبدم و زاری حسینؑ

مسافرینِ کربلا

اب ذیل میں اس مقدس قافلہ کی فہرست درج کرتے ہیں جو مدینہ سے امام وقت خلیفۂ رسول مرکزِ شریعت جناب امام حسین بن علی علیہما السلام کی معیت میں حفاظتِ دین اور نصرتِ حق کے لئے عازم عراق ہوئے ۔ یہ نفوس قدسیہ ایک خاص مقصد کے تحت اور مقدس نصب العین کی خاطر وطن کی محبوب سرزمین پاک پیغمبرؐ کی پیاری و پاک مزار جناب سیدۃ النساء فاطمہ زہراؑ کی ضریح اقدس اور جناب حسنؑ مجتبیٰ کی قبر مطہر چھوڑنے پر مجبور ہوئے ۔ گھروں کا مانوس صحن ۔ محبوب دیواریں مالوف آب و ہوا کو محض حق کی سربلندی کے لیے خیر باد کہا ۔ اسلام کی حفاظت اور حریت کی شمع فروزاں رکھنے کے لئے دیس کی راحت کو چھوڑ کر پردیس کا رنج قبول کیا ۔

ان کے سفر کا مقصد ملک گیری نہ تھا نہ مال غنیمت ۔ بلکہ شہادت مطلوب اور شریعت مقصود تھی جب کسی کام کا مقصد نیک غرض بلند اور نصب العین اعلیٰ و ارفع ہو تو اس کے حصول میں جس قدر مشکلات پیش آئیں ایک مستقل مزاج اور پختہ ارادے والا انسان مشکلوں کو حل اور رکاوٹوں کو دور کرتے ہوئے اپنا سفر جاری رکھتا ہے اور ہمت و کوشش سے کتنی دور منزل ہو پالیتا ہے ۔ ایسے مقدس مقصد اور بلند

نصب العین کی خاطر سختیوں، تکلیفوں، مصیبتوں کو ہنسی خوشی قبول کر لیتا ہے۔

مسافرینِ مدینہ کے سامنے جو نصب العین تھا اس سے بڑھ کر کوئی نصب العین مقدس اعلیٰ پیارا اور خوشنودی پروردگار کا ذریعہ نہیں ہو سکتا۔ وہ نصب العین تھا حریت انسان حفاظت دین و شریعت نصرت حق باطل کا مقابلہ ظلم و تشدد کے خلاف جہاد، طاغوتی طاقتوں کا دفاع۔ یہ ان مسافرین جادۂ حق و صدق کی خوش قسمتی ہے کہ ان کو اس مقدس مشن میں شامل ہونے کا موقع ملا اور کاتبِ قضا نے فرزندِ رسول جناب سید الشہداء کی رفاقت میں یہ سعادت اس کاروانِ حجاز کے حصے میں لکھ دی۔

ہماری لاکھ جانیں قربان خاندانِ بنی ہاشم کے ان مردوں، عورتوں، بچوں بلکہ غلاموں اور کنیزوں پر جنہوں نے انسانیت کی روح اور حق و صداقت کی سربلندی کے لئے وطن کے میٹھے پانی ٹھنڈے سائے، حجاز و عراق کی دھوپ پر قربان کر دیئے۔

اب ہم اس کاروانِ صدق و صفا کے اسمائے گرامی تحریر کرتے ہیں یہ مسافرینِ عراق مردوں، عورتوں، بچوں اور غلاموں سمیت ایک سو سے زائد افراد پر مشتمل ہیں۔

اولادِ علی ابن ابیطالب سلام اللہ علیہم

پسرانِ علی بن ابیطالب

سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام بن امیر المومنین و ابن فاطمۃ الزہراء سیدۃ نساء العالمین قافلہ سالار

حضرت ابوالفضل عباس بن علی و ابن ام البنین فاطمہ کلابیہ سپہ سالار فوج حسینی و علمدار لشکر

حضرت عثمان بن علی و ابن ام البنین برادر جناب عباس

حضرت جعفر بن علی و ابن ام البنین برادر جناب عباس

حضرت عبداللہ بن علی و ابن ام البنین یہ چاروں جوان جناب ام البنین کے بطن مبارک سے تھے

حضرت محمد الاصغر بن علی اور ان کے بھائی جناب ابوبکر بن علی یہ دونوں بھائی لیلیٰ بنت مسعود دارمیہ کے فرزند ہیں ان کی والدہ بھی ساتھ تھیں۔

دختران علی ابن ابیطالبؑ

جناب ام المصائب ثانی زہرا شریکۃ الحسین زینب الکبریٰ بنت امیر المومنین و بنت فاطمۃ الزہرا سیدۃ النساء جناب زینب سلام اللہ علیہا کے ساتھ ان کی صاحبزادی جناب کلثوم الصغریٰ بھی شریک سفر ہو کر وارد کربلا ہوئیں۔ جناب زینب الصغریٰ بنت امیر المومنین و بنت سیدۃ النساء العالمین کنیت اُم کلثوم زوجہ محمد بن جعفر طیار۔ جناب خدیجہ ایک کنیز کے بطن مبارک سے تھیں اور جناب عبد الرحمٰن بن عقیل کی زوجہ تھیں۔ ان کے دو فرزند سعد اور عقیل بھی ان کے ہمراہ کربلا آئے۔ شہادت امام مظلوم کے بعد پیاس کی شدت اور ظالموں کے خوف اور ڈر سے اس قدر گھبرائے کہ جاں بحق ہو گئے۔

رقیۃ الکبریٰ جناب مسلم بن عقیل کی زوجہ تھیں ان کے دو بیٹے عبد اللہ بن مسلم و محمد بن مسلم ماں کے ساتھ کربلا آئے اور اپنے ماموں جناب امام حسینؑ پر جان نثار کر کے درجہ شہادت پر فائز ہوئے آپ کی ایک دختر جناب عاتکہ بنت مسلم بھی ماں کے ساتھ کربلا آئیں کربلا میں اس معصومہ کی عمر سات سال کی تھی بعد از شہادت جب خیموں پر حملہ ہوا اور سادات کے خیمے جلائے گئے تو سیدانیاں گھبرا کر خیموں سے باہر جنگل کی طرف نکلیں اور معصوم بچے گھبرا کر ادھر ادھر جا گئے تو بچوں کے ہاتھ ماؤں کے دامنوں سے چھوٹ گئے اور بے قراری اور پریشانی کے عالم میں مائیں کہیں اور اولاد کہیں تھی یہ معصومہ گھبراہٹ کے عالم میں فوج اشقیاء کے گھوڑوں کے سموں تلے پائمال ہو گئیں۔

اُم ہانی۔ ان کی ماں ایک کنیز تھیں اور جناب عبد اللہ الاکبر بن عقیل کے حبالۂ نکاح میں تھیں ان سے محمد الاوسط پیدا ہوئے

زینب الصغریٰ:۔ ان کی ماں بھی کنیز تھیں اور محمد بن عقیل کی زوجہ تھیں ان سے ایک لڑکا عبد اللہ پیدا ہوا۔

رملۃ الکبریٰ:۔ ان کی ماں کا نام اُم مسعود بنت عروۃ الثقفی ہے ان کے شوہر جناب عبد الرحمٰن الاوسط بن عقیل ہیں۔

رقیۃ الصغریٰ:۔ ان کی ماں بھی کنیز ہے۔ جناب امیر المومنینؑ کے بھتیجے سے ان کی شادی ہوئی۔

فاطمہ:۔ ان کی والدہ بھی اُم ولد ہیں اور اُن کے شوہر کا نام ابو سعید بن عقیل ہے۔ ان کی ایک دختر حمیدہ ہے۔ ان کا ایک بیٹا محمد بن ابی سعید کربلا میں اپنی ماں کے ساتھ تھا عمر ان کی سات سال تھی

جب جناب امام مظلوم میدان میں گھوڑے سے گرے اور ھَل من ناصرٍ کی آواز دی خیموں میں مستورات کی بے چینی بڑھی اور کہرام بپا ہوا تو یہ بچہ خیمے سے باہر نکلا ہاتھ میں خیمے کی چوب تھامے ہوا تھا باہر نکلا اور اس کی ماں در قنات سے یہ منظر دیکھ رہی تھی۔ بچہ گھبرا کر دائیں بائیں مڑ کے دیکھتا تھا اور کانوں میں گوشوارے حرکت کر رہے تھے۔ ایک ظالم ملعون لقیط بن ایاس جہنمی نے معصوم بچے کو شہید کر دیا یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ہانی بن ثبیت حضرمی نے تیر مارا جو اس معصوم بچے کی کمر پر لگا بچہ تاب نہ لا کر زمین پر گر پڑا اور شہید ہو گیا۔

خدیجۃ الصغریٰ :۔ جناب عبداللہ الاوسط بن عقیل کی بیوی تھیں۔

ازواج و حرمہائے علی ابن ابیطالبؑ

جناب امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ کی ازواج محترمات اور حضور کے حرمہائے مکرمات یعنی کنیزیں جو صاحب اولاد تھیں امام حسین علیہ السلام کے ہمراہ مدینہ سے کربلا آئیں اپنی اولاد کے ساتھ ان کی تعداد آٹھ ہے۔

الصہباء التغلبیہ جناب رقیۃ الکبریٰ زوجہ جناب مسلم کی والدہ تھیں۔

ام مسعود بنت عروۃ الثقفی جناب رملہ کی ماں تھیں

لیلیٰ ابنت مسعود دارمیہ

اُمّ زینب الصغریٰ، اُمّ خدیجہ، اُمّ رقیہ، اُمّ فاطمہ۔ ان میں کچھ ازواج تھیں اور باقی سب صاحب اولاد کنیزیں تھیں۔ جناب امام حسین علیہ السلام کی پھوپھی جمانہ بنت ابی طالبؑ ان کے ہمراہ کربلا آئیں اور اُم ہانی بنت ابی طالب ضعیفی کی وجہ سے مدینہ میں آ گئیں۔

اولاد جناب عقیل بن ابی طالب علیہما السلام

جناب عقیل کے فرزندوں اور پوتوں کی تعداد بارہ ہے۔ جناب مسلم بن عقیل مع دو فرزندوں کے کوفہ میں شہید ہوئے۔

جعفر بن عقیل :۔ ان کی والدہ کا نام اُمّ الثغر بقولے اُمّ الخوصاء العامریہ ہے۔

عبدالرحمٰن بن عقیل :۔ ان کی والدہ اُم ولد ہیں، عبداللہ الاصغر بن عقیل اُم ولد کے بطن سے ہیں۔

موسیٰ بن عقیل :۔ علی بن عقیل، عون بن عقیل

عبداللہ بن مسلم :۔ محمد اصغر بن مسلم حضرت مسلم بن عقیل کے چار فرزند شہید ہوئے ۔ دو کوفہ میں اور دو میدانِ کربلا میں حقِ رفاقت ادا کرتے ہوئے جامِ شہادت نوش فرما گئے۔
محمد بن ابی سعید بن عقیل :۔ یہ کل تعداد بارہ ہے۔

اولادِ جناب جعفر طیار بن ابی طالب علیہما السلام

عون و محمد یہ دونوں عبداللہ بن جعفر طیار کے صاحبزادے ہیں ان کی والدہ گرامی جناب زینب الکبریٰ بنت علیؑ و فاطمہؑ ہیں ۔ اس وجہ سے جناب جعفر طیار کے پوتے اور حضرت علیؑ کے نواسے دادا اور نانا کی شجاعت کے ورثہ دار ہیں ۔ میدانِ کربلا میں انہوں نے شجاعت کے وہ جوہر دکھائے کہ کوفی و شامی فوج کے چھکے چھڑا دیئے۔

اولاد الحسین علیہم السلام

حضرت علی بن الحسین زین العابدین ان کی والدہ گرامی شاہ زنان یا شہر بانو امام زین العابدین علیہ السلام کی ولادت کے چند روز بعد مدینہ میں انتقال فرما گئیں۔
جناب علی اکبر یا علی اوسط ان کی ماں کا اسم گرامی لیلیٰ بنت ابی مرہ بن عروہ بن مسعود

جناب علی اصغر

ان کی والدہ جناب رباب بنت امرء القیس ہیں ۔
یہ تینوں حضرات کربلا میں آئے ، جناب امام حسینؑ کے فرزند جناب جعفر بن حسین ہیں ۔ ان کا مدینہ میں انتقال ہو گیا تھا ۔
بعض مورخین نے جناب حسین علیہ السلام کا ایک فرزند عبداللہ بھی بیان کیا ہے جو کربلا میں شہید ہوا بعض جناب علی اصغر ہی کو عبداللہ خیال کرتے ہیں۔

دختران امام

فاطمہ بنت حسین ان کی ماں کا نام اُمِ اسحٰق بنت طلحہ بن عبداللہ تیمی ہے ۔
سکینہ بنت حسین ان کی والدہ جناب رباب ہیں ۔

اولادِ جناب امام حسن علیہ السلام

۱۔ جناب الحسن المثنیٰ ان کی والدہ خولہ بنت منصور الغزاریہ یہ جناب کربلا میں شدید زخمی ہوئے میدانِ کربلا میں زخمی پڑے تھے کہ فوج ابن زیاد کے بعض آدمی اٹھا کر ساتھ کوفے لے گئے وہاں علاج کیا اور تندرست ہوگئے یہ جناب امام حسین علیہ السلام کے داماد تھے اور جناب فاطمہ کبریٰ کے شوہر تھے۔ جناب امام حسن علیہ السلام کی ان سے اولاد بڑھی ہے۔

(۲) عمر بن الحسن (۳) قاسم (۴) عبداللہ اکبر ان کی والدہ کا نام رملہ ہے بعض ام فروہ بھی کہتے ہیں کربلا میں موجود تھیں۔

(۵) احمد بن حسن ان کی ماں کا اسم گرامی "اُم بشر" ہے جو مسعود انصاری کی دختر ہیں یہ بھی کربلا میں موجود تھیں زید اور عبداللہ الاصغر یہ تمام رفاقت امام میں وارد کربلا ہوئے۔

(۶) ابوبکر بن حسن (۷) عبداللہ الاصغر یہ تمام رفاقت جناب امام میں وارد کربلا ہوئے

دختران امام حسن علیہ السلام

فاطمہ بنت حسن امام زین العابدین علیہم السلام کی زوجہ محترمہ اور امام محمد باقر علیہ السلام کی والدہ جناب فاطمہ اور جناب حسن اثرم اور طلحہ بن حسن کی والدہ ایک تھیں جن کا نام اُمّ اسحٰق بنت طلحہ ہے جناب اُمّ الحسن، اُمّ الحسین یہ مظلوم کم عمر بچیاں شہادت امام مظلوم کے بعد جب خیموں میں آگ لگی تو فوج اشقیاء اور گھوڑوں کی بھیڑ میں پامال ہوگئیں

اُمّ عبداللہ یا اُمّ الحسین یہ ایک کنیز کے بطن سے تھی۔

(الجواری) کنیزیں جنہیں رفاقتِ حسین کا شرف ملا

ان کی تعداد نو (۹) بیان کی جاتی ہے۔ ذیل میں ان کے اسمائے گرامی تحریر کیے جاتے ہیں۔

المتکلمۃ بالقرآن فضۃ النوبیہ | یہ حبش کی رہنے والی تھیں اور جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت کا انہیں شرف ملا۔ خدمتِ جناب رسالتمآبؐ میں رہیں، حضورؐ پاک نے یہ وفادار اور پاک سرشت کنیز اپنی لختِ جگر جناب سیدۃ النساء کو عطا فرمائی

اور بہ خدمت پاک معصومہ میں رہیں، گھر کے کام کاج میں مصروف رہتیں اور باقی وقت عبادت خدا میں صرف کرتیں۔ ایندھن لانے کا فریضہ بھی انجام دیتیں۔ انہیں ایک خاص دعا، جناب رسالتمآبؐ نے تعلیم کی تھی جسے وقت ضرورت پڑھا کرتیں۔

مروی ہے کہ ایک دفعہ جنگل سے لکڑیاں لاتے گئیں لکڑیوں کا گٹھا بھاری تھا ظاہری اور جسمانی طاقت یہ بار اٹھانے سے عاجز تھی جناب فضہ نے وہی تعلیم کردہ دعا پڑھی وہ دعا یہ ہے۔

یَا وَاحِدُ لَیْسَ کَمِثْلِهٖ اَحَدٌ تُمِیْتُ کُلَّ اَحَدٍ وَتَفْنِیْ کُلَّ اَحَدٍ وَاَنْتَ عَلٰی عَرْشِکَ وَاحِدٌ وَّ لَا تَاْخُذُکَ سِنَۃٌ وَّ لَا نَوْمٌ اس اثناء میں ایک اجنبی اعرابی آیا اور لکڑیاں اٹھا کر جناب سیدۃ بتولؑ کے دروازے پر پہنچا گیا۔

جناب سیدہؑ کی خاص کنیز تھیں انہوں نے وقت وفات جناب ثانی زہراؑ زینب سلام اللہ علیہا کے سپرد کیا یہ کبھی جناب امام حسنؑ کے گھر کبھی جناب امام حسینؑ کے گھر اور کبھی جناب شریکۃ الحسینؑ کے ان حضرات کی خدمت کی سعادت حاصل کرتیں۔ جب جناب زینب سلام اللہ علیہا نے اپنے بھائی کے ساتھ سفر عراق اختیار کیا تو ان کے ساتھ اس سفر کی سعادت فضہ نے بھی حاصل کی۔

قفیرہ انہیں ملیکہ بھی کہا جاتا ہے علقمہ بن عبداللہ بن قیس کی دختر ہیں جب جناب جعفر بن ابیطالبؑ نے حبشہ کو مومنین کے ساتھ ہجرت کی تو وہاں ان کو بطور ہدیہ یہ کنیز ملی جب مدینہ واپس آئے تو انہوں نے بطور ہدیہ جناب امیرالمومنینؑ کو بخش دی تو یہ سعادت مند خادمہ جناب علیؑ و بتولؑ کی خدمت کرتی رہی بعد وفات جناب سیدہ جناب زینب کی خدمت میں آ گئی اور ان کی خادمہ رہی جب جناب بنت علی نے سفر عراق اختیار کیا تو یہ کنیز بھی ہمراہ جناب زینبؑ کربلا آئی۔

روضہ یہ جناب رسولؐ پاک کی کنیز تھیں حضور کی خدمت کیا کرتیں آنحضرتؐ کی وفات کے بعد جناب سیدۃ النساء کی خدمت بابرکت میں آئیں بعدازاں جناب امیرالمومنینؑ کی خدمت میں رہیں جب جناب زینب سلام اللہ علیہا کی شادی ہوئی تو یہ جناب کے ساتھ گئیں اور ان کی خدمت کرتی رہیں پھر ان کے ساتھ شریک سفر عراق ہوئیں۔

اُمّ رافع ابو رافع قبطی جس کا نام ہرمز تھا جناب رسولؐ پاک کا غلام تھا یہ ان کی زوجہ تھیں ان کا نام سلمیٰ اور کنیت اُمّ رافع ہے۔ پہلے یہ جناب صفیہ بنت جناب عبدالمطلب کی کنیز تھیں بعدازاں جناب رسالتمآبؐ کی خدمت کا شرف حاصل کرتی رہیں ان کی وفات

کے بعد جناب علیؑ و بتولؑ کی خادمہ رہیں پھر جناب زینب کی خادمہ بنیں اور ان کے ساتھ عراق کے سفر میں شامل رہیں۔

یہ چاروں خادمات جناب شریکۃ الحسین حضرت زینبؑ کی ہیں۔

میمونہ:۔ عبداللہ بن یقطر کی والدہ گرامی جناب امیرالمومنینؑ کے گھر میں ان کی اولاد کی خدمت کرتی رہیں ان کی وفات کے بعد جناب امام حسین علیہ السلام کے گھر میں آئیں۔ جب جناب امام حسینؑ مدینہ سے عراق کو چلے تو یہ اپنے فرزند جناب عبداللہ یقطر کے ساتھ شریکِ سفر ہوئیں جب جنابِ امام نے مکہ سے کوچ فرمایا تو ان کے بیٹے عبداللہ بن یقطر کو جناب مسلم کے خط کا جواب دے کر کوفہ بھیجا۔ یہ حصین بن نمیر کے قبضے میں آگئے اور ابن زیاد کے پاس پہنچائے گئے ابن زیاد نے حالاتِ امام حسین علیہ السلام پوچھنے پہ اصرار کیا انہوں نے انکار کیا تو جنابِ عبداللہ بن یقطر کوفہ میں جام شہادت نوشِ فرما گئے۔ اور اُن کی والدہ میمونہ امام کے ساتھ کربلا آگئیں۔ یہ جناب امام پاک کی خادمہ تھیں۔

فاکھہ:۔ یہ جناب امام پاک کی کنیز ہیں جنابِ رباب کے گھر میں خدمات انجام دیا کرتیں ان کے شوہر عبداللہ ابن اریقط دُئلی لیثی ہیں ان سے ایک لڑکا ہوا جس کا نام قارب تھا۔

یہ سعادت مند کنیز اپنے فرزند قارب کے ساتھ قافلہ عراق میں شامل ہوئیں اور کربلا میں وارد ہوئیں۔ ان کے فرزندِ ارجمند کو مرتبہ شہادت ملا۔ زیارتِ ناحیہ میں جناب قائم آلِ محمد عجل اللہ فرجہ نے قارب پر بھی سلام بھیجا ہے "السَّلامُ علیٰ قَارب مَولیٰ الحُسَین"

حُسنیہ:۔ یہ مولا حسین علیہ السلام کی کنیز تھیں آپ نے نوفل بن حارث بن عبدالمطلب سے خریدی تھی۔

پھر اس نے ایک شخص "سہم" سے نکاح کیا اس سے ایک فرزند بنام "منجح" پیدا ہوئے حُسنیہ امام زین العابدین کے گھر کی خادمہ تھیں مع اپنے فرزند کے رفاقت امام علیہ السلام میں کربلا آئیں ان کے فرزند کو رُتبہ شہادت نصیب ہوا اور جنابِ قائم آلِ محمدؑ کے سلام کا شرف ملا۔" السَّلام علیٰ مُنجح مَولیٰ الحسین"

کبشہ:۔ مولا حسینؑ کی کنیز آپ نے ایک ہزار درہم میں اسے خریدا تھا یہ آپ کی زوجہ اُمِّ اسحاق کے گھر کی خادمہ تھیں پھر اس کے ساتھ "ابو رزین" نے شادی کی اس سے ایک لڑکا "سلیمان" پیدا ہوا۔ جنابِ کبشہ شریکِ سفر عراق رہیں اور ان کے فرزند کو شرف شہادت ملا۔ یہ اس طرح کہ بصرہ کے اشراف کے پاس یہ امام حسین علیہ السلام کا خط لے کر گئے تھے عبیداللہ

ابن زیاد کے قبضہ میں آ گئے اس نے بصرہ میں قتل کرا دیا۔

ملیکہ:۔ یہ جناب عقبہ بن سمعان کی زوجہ ہیں پہلے جناب امام حسن علیہ السلام کے گھر میں خادمہ تھیں بعد ازاں جناب امام حسین علیہ السلام کے گھر آئیں اور جناب عبداللہ بن جعفر طیار علیہما السلام کے گھر میں بھی خدمت کیا کرتیں ان کا شوہر جناب رباب بنت امرءالقیس زوجہ محترمہ جناب امام حسینؑ کا مملوک غلام تھا جب امام مظلوم نے سفر عراق اختیار کیا تو یہ اپنے شوہر کے ساتھ شریک سفر تھیں جب امام مظلوم اپنے اعزہ و انصار کے ساتھ شہید ہوئے اور باقی اسیر کئے گئے تو ابن زیاد نے عقبہ بن سمعان سے پوچھا تو کون ہے تو اس نے کہا میں مملوک غلام ہوں۔ ابن زیاد نے اسے رہا کر دیا واقعات کربلا جناب عقبہ بن سمعان کے آنکھوں دیکھے ہوئے ہیں انہوں نے یہ واقعات بیان کئے اور کتابی صورت میں جمع کئے گئے ہیں اس مجموعہ کا نام "مقتل عقبہ بن سمعان" ہے۔

"خدّام و موالی"

غلامان اور خدمت گاران کی تعداد جو عراق کے سفر میں امام مظلوم کے ہمراہ تھے دس ہیں ان میں سے آٹھ تو درجہ شہادت پر فائز ہوئے اور دو زندہ بچ گئے تھے وہ لوگ جو شہید ہوئے اُن کے اسمائے گرامی مکتوب ذیل ہیں۔

"قارب بن عبداللہ الدئلی اللیثی" (۲) منجح بن سہم (۳) سعد بن الحرث الخزاعی۔ یہ امیر المومنینؑ کا غلام تھا اور زکوٰۃ وصول کرنے پر مامور تھا بعد میں امام حسین علیہ السلام کی غلامی میں آیا (۴) النصر بن ابی نیزر۔ عجم کے بادشاہوں کی اولاد میں سے تھا اور کم سنی میں اسلام کی طرف رغبت کی اور اہلِ بیتؑ کے گھر کی خدمت کی اور شہادت کی سعادت حاصل کی۔

(۵) حرث بن نبہان:۔ یہ جناب حمزہ بن عبدالمطلب کا غلام تھا پھر امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں پہنچا۔

(۶) جون بن حری النوبی:۔ یہ جناب ابوذر غفاری کا غلام تھا اس کا رنگ سیاہ تھا۔ جنابِ امیر المومنینؑ نے فضل بن عباس بن عبدالمطلب سے ایک سو پچاس دینار میں خریدا تھا۔ جنابِ ابوذر کی خدمت کے لئے بخش دیا تھا جناب عثمان بن عفان نے ابوذر کو مدینہ سے ربذہ کی طرف جلاوطن کیا تو یہ غلام اُن کے ہمراہ تھا جناب ابوذر کی وفات کے بعد یہ مدینے واپس لوٹ آیا اور علی ابن ابی طالبؑ کی خدمت میں آ گیا۔ پھر جنابِ حسنؑ پھر جنابِ حسین علیہ السلام کے خادموں میں شامل ہو گیا۔

بہ سعادت مند غلام جناب امام زین العابدینؑ کا خادم تھا۔ سفرِ عراق میں اُن کے ہمراہ کربلا آیا وقتِ شہادت اُس کی عمر ستانوے برس تھی۔

جب امام حسین علیہ السلام جون کی لاش پر گئے تو دعا مانگی۔ پروردگارا! اس کے چہرے کو روشن کر اس کے بدن کو خوشبو دار کر اور ابرار و صالحین کے ساتھ اِسے محشور کر اور محمدؐ و آل محمدؐ اور اس کے درمیان مکمل معرفت کرا۔

امام زین العابدین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جس دن شہدائے کربلا دفن ہوئے تو جون کی لاش سے خوشبو آرہی تھی۔

(۷) اسلم بن عمر:۔ یہ امام حسین علیہ السلام کے غلاموں میں سے تھا اور مشہور یہ ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے اُسے خریدا تھا اور اپنے فرزند علی ابن الحسین کو بخش دیا تھا اس کا باپ عمرو ترکی تھا اسلم بھی مولا کے اس سفر میں ہمرکاب رہا۔ یہ سات حضرات کربلا میں امام حسین علیہ السلام کے ساتھ شہید ہوئے اور ایک غلام سلیمان بن ابورزین بصرہ میں ابن زیاد کے ہاتھوں شہید ہوئے جیسا کہ گذر چکا۔

(۹) عقبہ بن سمعان:۔ ان کے حالات گذر چکے ہیں کہ یہ زندہ بچ گئے تھے۔

(۱۰) علی بن عثمان بن الخطاب الحضرمی المغربی:۔ امیر المومنینؑ کے غلاموں اور خدام میں سے ہیں۔ خود جناب علی بن عثمان کا بیان ہے کہ میں جناب امیرؑ کی خدمت میں رہتا تھا اور اُن کے ساتھ جنگ جمل وصفین میں بھی شامل ہوا۔ ایک دفعہ میں ان کی دائیں جانب جنگ صفین میں کھڑا تھا کہ ان کا کوڑا ان کے ہاتھ سے گر پڑا پس میں نے جھک کر وہ کوڑا اٹھایا اور ان کو دے دیا۔ وہ بیان کرتا ہے کہ ان کے گھوڑے نے سر اٹھایا لوہے کی لگام تھی وہ لوہا میرے سر میں لگا۔ میری کن پٹی میں زخم ہو گیا۔ جناب امیرؑ نے میرے سر کے زخم میں تھوکا اور اوپر مٹی ڈال دی غلام کہتا ہے کہ بخدا نہ مجھے درد ہوا اور نہ تکلیف ہوئی زخم ٹھیک ہو گیا۔

بعد شہادت جناب امیرؑ اور جناب امام حسنؑ میں مولا حسینؑ کی ملازمت میں آگیا اور ان کے ہمراہ کربلا آیا وہ شہید ہو گئے اور میں بچ گیا میری قسمت میں شہادت نہ تھی بنی اُمیہ سے چھپتا رہا۔

پانچویں مجلس

ربّ کی قسمیں، شانِ ربوبیت، عالمین کی تشریح، مدینے کو کوچ

"الحمد للہ رب العالمین"

سب تعریفیں اس خدا کے لئے ہیں جو سارے جہانوں کا "پالنے والا ہے"

"العالَمین" عالَم کی جمع ہے عالَمُ ما یُعْلَمُ بِہٖ، جس سے کسی چیز کا علم ہو یعنی جو کسی شئی کی علامت ہو اسے عالَم کہتے ہیں چونکہ غیبی مخلوق اور کائنات ہے وہ خداوندِ عالم کی علامت ہے اور اس کے وجود کی نشانی اور دلیل ہے اس واسطے تمام جہانوں ساری مخلوقات اور کل کائنات جو خدائے تعالیٰ کے سوا ہے اس کو عالم کہا جاتا ہے۔

خدا پروردگار ہے اور تمام مخلوق اپنی پرورش میں اس کی محتاج ہے۔

اٹھارہ ہزار عالم بیان کئے جاتے ہیں درحقیقت اس سے زیادہ ہیں اور انسانی طاقت ان کے شمار سے عاجز ہے۔ جو کسی کی پرورش کرتا ہے اس کے لئے چند چیزیں ضروری ہیں۔

۱۔ جس کی پرورش مقصود ہے وہ پرورش کرنے والے کے قبضۂ قدرت میں ہو اگر وہ چیز اس کے تسلّط سے باہر ہو تو اس کی پرورش کس طرح کر سکتا ہے۔ پرورش کرنے والا قادر ہو۔

۲۔ پرورش پانے والے کی جملہ ضروریات زندگی کو جانتا ہو تاکہ وہ مہیا کی جائیں جو اس کی جسمانی (بدنی) روحانی ظاہری و باطنی قوتوں کی نشوونما کے لئے ضروری ہیں وہی ماں بچے کی اچھی طرح تربیت کر سکتی ہے جو عاقل و دانا ہو اور وہ خوراک اسے بہم پہنچائے جو اس کے لئے مفید ہو اور وہی غذا اسے دے جو اس کی بدنی وجسمانی بڑھوتری کے لئے فائدہ مند ہو۔

وہی مالک اپنے ریوڑ اور مویشیوں کی اچھی طرح دیکھ بھال اور تربیت کر سکتا ہے جسے علم ہے کہ ان کے لئے کونسا غلّہ کونسا چارہ اور کونسی خوراک ضروری ہے۔ ہر قسم کے حیوان

چرندوں اور پرندوں کی تربیت ان کے ماہرین تربیت کرتے ہیں۔ ماہی پروری کے محکمے بھی کام کر رہے ہیں۔ نباتات، کھیتوں اور باغوں کی پرورش کرنے والے بھی پہلے علم حاصل کرتے ہیں کہ فلاں پودے کو کس طرح پروان چڑھایا جاتا ہے۔ اور کن کیڑوں اور مضر اشیاء سے ان کی حفاظت ضروری ہے۔ اسی واسطے ہر شئی کی تربیت کا علم حاصل کرنے کے ادارے قائم ہو چکے ہیں۔

۳۔ جو جسمانی ترقی اور طولانی و عرضی پھیلاؤ میں رکاوٹ پیدا کرنے والی اشیاء ہیں ان کا بھی علم ہو تاکہ ان موانع و مضرات سے مربوب اشیاء کو محفوظ رکھا جائے۔

۴۔ پالنے والے کے دل میں جذبۂ رحم شدید ہو، ماں کے دل میں اپنے بچے کی محبت نہ ہو اور ماں کا دل رحم سے خالی ہو تو بچہ روتا رہے گا ماں دودھ نہ پلائے گی۔ مالک کو مویشیوں سے الفت نہ ہو تو مویشی ہلاک ہو جائیں گے باغبان کو اپنے باغ سے محبت نہ ہو کسان کھیت کی پرواہ نہ کرے تو کھیت اور باغ برباد ہو جائیں گے جو پرورش جذبات، رحم و محبت، علم و حکمت اور پوری طرح قدرت کے ساتھ کی جاتی ہے وہ چیز مکمل پرورش پا کر اپنی حدِ کمال کو پہنچ جاتی ہے اور پرورش کنندہ اسے حدِ کمال پر دیکھ کر اور اپنی محنت کا پھل پا کر مسرور ہوتا ہے۔

مذکورہ بالا اسباب میں سے اگر کوئی سبب رہ جائے تو پرورش صحیح طریقہ پر نہیں ہو سکتی۔ اس جہاں میں کتنی مخلوق ہے اس کی کتنی قسمیں ہیں وہ کہاں کہاں رہتی ہے۔ اس کی کیا ضروریات ہیں اسے کس قسم کی روزی درکار ہے؟ کتنی درکار ہے؟ یہ انسان کے علم اور قدرت سے باہر ہے۔

نہ انسان کو تمام مخلوقات کا علم ہے۔ اور نہ قدرت، لیکن اس کائنات کی ہر چیز تربیت پا رہی ہے۔ جاندار ہو یا بے جان، ذی عقل ہو یا بے عقل، صحرا میں رہنے والی، جنگلوں میں بسیرا کرنے والی زمین پر، زمین کے اندر ریگ کے ٹیلوں میں، مٹی کے تہ خانوں میں، پہاڑوں میں پہاڑوں کی غاروں میں، پاؤں سے چلنے والی، بغیر پاؤں زمین پر رینگنے والے کیڑے، چوپائے، حشرات الارض، فضا میں بسنے والی ہوا میں زندگی گذارنے والی پانی کی موجوں میں زمین کی سطحوں میں سمندروں کی گہرائیوں پتھروں کی چٹانوں میں فضائی کروں میں آسمانوں میں ہر شئی کی پرورش کرنے والا وہ اللہ ہے جو رب العالمین ہے۔ جماد ہو یا نبات حیوان ہو یا انسان جن ہوں یا ملائکہ زمین کی تہیں ہوں یا آسمان کے طبقات مشرق ہوں یا مغرب ہر جگہ کے مکینوں اور ہر جاندار کی اس نے روزی مقرر کر دی ہے اس کی جسمانی ساخت اس کی عمر اس کی راحت و تکلیف اس نے مقرر کر دی ہے۔

چنانچہ جب جناب موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے سامنے اپنے رب کی شان بیان کی تو

فرعون نے پوچھا "مَا رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ" ربّ العالمین کیا ہے اس کی کیا شان ہے تو حضرت موسیٰ نے جواب میں فرمایا "رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا" تمام آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان سب کا ربّ ہے۔ پھر اس کے بعد فرمایا "رَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِیْنَ" تمہارے گذشتہ آباء و اجداد کا ربّ ہے، پہلی مرتبہ خداوند عالم کی اس عام ربوبیت کا ذکر کیا جس کا تعلق جگہ کی انتہاء کے ساتھ ہے۔ یعنی ربوبیت در مکانات دوسری بار اس ربوبیت کا ذکر کیا جس کا تعلق زمانوں سے ہے یعنی کوئی مکان اور کوئی زمان اس کی ربوبیت سے خالی نہیں پھر فرمایا "رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَیْنَهُمَا" وہ مشرق و مغرب اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا پروردگار ہے۔

جس طرح ہر مصنوع (بنائی ہوئی چیز) اپنے صانع کے وجود کی دلیل، ہر مولود اپنے والد کا پتہ دیتا ہے ہر مخلوق اپنے خالق کے وجود پر دلالت کرتی ہے۔ اسی طرح ہر مربوب اپنے رب کے وجود کی شہادت دیتا ہے۔

بغیر پیدا کرنے والے کے کوئی چیز پیدا نہیں ہو سکتی تو بغیر پرورش کرنے والے کے کائنات کس طرح پرورش پا رہی ہے۔ ارشادِ ربّ العزت ہے "سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ" ہم ان کو وہ نشانیاں دکھائیں گے جو اطرافِ عالم میں پھیلی ہوئی ہیں اور وہ نشانیاں جو خود لوگوں کے بدنوں میں ہیں تاکہ انہیں یقینی طور پہ معلوم ہو جائے کہ وہ ذات باری تعالیٰ موجود ہے۔

ربّ کی دو قسمیں ہیں

ربِّ مجازی:۔ مجازی رب وہ ہے جو کسی چیز کی دیکھ بھال کرتا ہے اس کی پرورش کرتا ہے اس کو خوراک دیتا ہے اور اس کی نمو کے اسباب مہیا کرتا ہے اور اس کے جسم کو نقصان پہنچانے والی اور اس کی جسمانی ترقی میں رکاوٹ پیدا کرنے والی اشیاء سے محفوظ رکھتا ہے۔ بڑھانے والی اشیاء بہم پہنچاتا اور گھٹانے والی اشیاء کو دور رکھتا ہے۔ مثلاً والدین، استاد، بادشاہ، حاکم فارم منیجر، گڈریا، باغبان کسان وغیرہ اپنے زیر کفالت کی تربیت کرتے ہیں۔ لیکن ان کو ربِّ مجازی چند وجوہ سے کہا جاتا ہے۔

۱۔ ان کی تربیت محدود ہے۔ چند افراد یا چند چیزیں ان کے زیرِ تربیت ہیں کوئی چند افراد

کامربی ہے کوئی ایک نوع یا جنس کا بادشاہ اپنی رعایا والدین اپنی اولاد باغبان اپنے کھیت کا۔

۲۔ اسبابِ تربیت:۔ ان کے اپنے نہیں نہ ان کے پیدا کردہ ہیں، مثلاً ہوا اس کے بغیر کوئی جاندار زندہ نہیں رہ سکتا، پانی، دھوپ، روشنی، انسان ان چیزوں کا خالق نہیں ہے اُس کے قبضۂ قدرت میں نہیں ہاں ان سے نفع اٹھا سکتا ہے اور نفع حاصل کرنے کی تدبیر و طاقت خالقِ حقیقی نے عطا فرمائی ہے۔

۳۔ خوراک اور غذا جن سے جسم پرورش پاتا ہے اور اعضاء بدن بڑھتے ہیں اس کا اگانا انسان کے بس میں نہیں۔ انسان زمین میں بیج بو سکتا ہے۔ اس بیج کو اگا نہیں سکتا جیسا کہ ارشاد قادر کریم ہے اَفَرَاَیْتُم مَّا تَحْرُثُوْنَ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ (واقعہ) کیا تم اپنی کاشتکاری کو دیکھتے ہو کیا تم کھیت اگاتے ہو یا ہم اگانے والے ہیں۔ کسان ہل چلاتا ہے زمین نرم کرتا ہے اس کی آغوش میں دانہ سپرد کرتا ہے۔ لیکن دانے کو شگافتہ کرکے اس سے کونپل نکالنا کسان کا کام نہیں بلکہ رحمٰن کا کام ہے۔

پانی کے متعلق ارشاد ہے اَفَرَءَیْتُمُ الْمَآءَ الَّذِیْ تَشْرَبُوْنَ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ، کیا تم نے دیکھا وہ پانی جو پیتے ہو اسے تم نے بادل سے نازل کیا یا ہم نازل کرنے والے ہیں، اسبابِ زندگی خدا نے پیدا کئے ہیں ان کے استعمال کا شعور اور ڈھنگ خدا نے سکھایا ہے ان کو استعمال کرکے زندگی کے مختلف شعبوں میں ترقی کے مدارج طے کرکے انسان کہیں پہنچ جائے رب نہیں بن سکتا اگر عقلِ سلیم رکھتا ہے تو جوں جوں وہ مدارجِ کمال طے کرے گا اور جس قدر رازہائے قدرت اس پر منکشف ہوں گے رب العالمین کی معرفت بڑھتی جائے گی۔

ہاں خالقِ کائنات کی پیدا کی ہوئی اشیاء کو استعمال کرنا یہ بشر کا مقدور ہے خلاصہ یہ کہ کسی چیز کو عدمِ محض یعنی نیست سے پیدا کرنا، نفع حاصل کرنے کے اسباب اور ان پر قدرت دینا اور پرورش پانے میں رکاوٹوں کو دور کرنے پر قابو دینا یہ خالق کا کام ہے جو رب العالمین ہے خود تربیت دینے اور پرورش کرنے والے اصحاب اسباب ہیں بلکہ خود اپنی تربیت میں محتاج باری تعالیٰ ہیں۔ درحقیقت ربوبیت اسی کی شان ہے اور ربوبیت مطلقہ اسی کو زیبا ہے۔ اس واسطے اسلامی اصطلاح میں اگر صرف لفظ رب کہا جائے تو اس سے ذاتِ احدیت مراد ہوتی ہے غیر اللہ کے لئے تنہا لفظ رب استعمال نہیں ہوتا بلکہ وہ مضاف کی صورت میں ہوتا ہے جیسے رَبُّ الْبَیْت گھر کا مالک۔

اہلِ ایمان عقائد تلقین کرتے وقت یہی تعلیم دیتے ہیں اَللّٰہُ جَلَّ جَلَالُہٗ رَبِّی، جب قبر میں میت کو اتار کر تلقین پڑھتے ہیں اور عقائد کی تعلیم دیتے ہیں کہ نکیرین جب عقائد کے بارے سوال کریں اور کہیں کہ مَنْ رَّبُّکَ ؟ تیرا رب کون ہے ؟ تو جواب میں بتا کہ اَللّٰہُ جَلَّ جَلَالُہٗ رَبِّی، اللہ بزرگ شان والا میرا رب ہے ۔

رب حقیقی تو وہ "رب العالمین" ہے جس نے مخلوقات کو عدم محض سے پیدا کیا، ہر جاندار کو زندگی بسر کرنے کا شعور بخشا، زندگی کے اسباب پیدا و مہیا کئے انہیں اپنے تصرف میں لانے اور ان سے فائدہ اٹھانے کی ہدایت کی ہر ذی روح کو افزائش نسل کی ہدایت کی اور اپنی اولاد کی تربیت کے طریقے سکھائے، یہ دنیا چونکہ عالم اسباب ہے اس واسطے ہر شی کی پیدائش بھی اسباب کے تحت ہے، اور پرورش بھی اسباب کے تحت ۔

اشرف المخلوقات کی پیدائش

اشرف المخلوقات کا تاج انسان کو عطا ہوا شکل وصورت کے لحاظ اور عقل ودانش کی وجہ سے یہ شاہکار قدرت ہے، اس خالق حقیقی نے انسان کی پیدائش پر فخر کیا. جیسا کہ ارشاد ہے وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَۃٍ مِّنْ طِیْنٍ ثُمَّ جَعَلْنٰہُ نُطْفَۃً فِیْ قَرَارٍ مَّکِیْنٍ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَۃَ عَلَقَۃً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَۃَ مُضْغَۃً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَۃَ عِظٰمًا فَکَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰہُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَکَ اللّٰہُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ ٥ (سورۃ مومنون)

بے شک ہم نے انسان کو کیچڑا مٹی اور پانی کی مخلوط شکل) کے خلاصہ سے پیدا کیا پھر اس کو بطور نطفہ ایک محفوظ قرار گاہ میں رکھا پھر اس نطفے کو جما ہوا خون بنایا پھر اس منجمد کو گوشت کا لوتھڑا بنایا اور اسی گوشت کے لوتھڑے میں ہڈیاں پیدا کیں ان ہڈیوں کو پھر گوشت کا لباس پہنایا (جب پیدائش کے تمام درجات مکمل ہو گئے اور شکم مادر میں ایک مکمل انسانی شکل بن گئی) تو ہم نے اسے دوسری خلقت عطا کی یعنی اس میں روح ڈالی اور اس بت میں زندگی پیدا ہوئی پس برکت والا ہے وہ خدا جو بہترین خالق ہے ۔

ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہے۔ اَلَّذِیْ اَحْسَنَ کُلَّ شَیْءٍ خَلَقَہٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِیْنٍ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَہٗ مِنْ سُلٰلَۃٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّھِیْنٍ ثُمَّ سَوّٰہُ وَنَفَخَ فِیْہِ مِنْ

دُوحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۔ (سورہ سجدہ)
رب العالمین وہ ہے جس نے اپنی ہر مخلوق کو عمدہ واحسن پیدا کیا اور انسان کی پیدائش کی ابتدا مٹی سے کی پھر اس انسان کی نسل ایک ذلیل وگندے پانی سے بنائی پھر انسان کو درست ومعتدل ومناسب بناکر اس میں اپنی روح پھونکی اور تمہارے لئے کان آنکھیں اور دل بنائے مگر تم بہت کم ہی شکر ادا کرتے ہو۔

حضرات! غور فرمائیں، انسان کی پیدائش کا کارخانہ ایک ایسی جگہ واقع ہے کہ جہاں نہ انسان کا عمل دخل ہے، نہ وہاں اس کی نظر کام کرسکتی ہے۔ نہ اس کی عقل وتدبیر کوئی عمل کرسکتی ہے عالم اسباب کے تحت اس نے بیج بو یا آگے کچھ نہیں کوئی خبر نہیں کونسی اور کس طرح کیمیائی تبدیلیاں واقع ہو رہی ہیں وہاں نہ کوئی فلسفی ہے نہ کوئی سائنس دان ماں کے رحم کے اندھیرے میں تدبیر قدرت کارفرما ہے۔ انسان کا وہاں کوئی عمل دخل نہیں ایک ذلیل پانی عورت کے شکم میں شکلیں بدل رہا ہے اور مختلف درجات کو طے کرکے ایک بچے کی صورت میں مکمل ہو رہا ہے۔ بےجان نطفہ جاندار بچہ بن جاتا ہے اس کو خوراک کی ضرورت ہے بچہ پیٹ میں پرورش پا رہا ہے، اور اس کا پروردگار اسی پیٹ میں اس کو غذا دے رہا ہے۔

ایک سرکش اور ملحد انسان ہستی خدا سے لاکھ انکار کرے مگر قدرت کے اس کارخانے کا انکار ممکن نہیں اسی طرف سورہ واقعہ میں اشارہ ہے، اَفَرَءَیْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ. تمہارا کیا خیال ہے جو تم باہمی ملاپ کرتے ہو کیا تم انسان کو پیدا کرتے ہو یا ہم پیدا کرنے والے ہیں آخر وہ کون ذات ہے جو اس کارخانے کو چلا رہی ہے ہر حیوان و انسان کے پیٹ میں بچہ بنانے والا اور اس کی حفاظت ونگہداشت کرنے والا، مناسب اعضاء بخشنے والا اور غذا دینے والا کون ہے۔ یقیناً وہ "اللہ" جو "رب العالمین" ہے۔

بچہ شکم مادر میں غذا حاصل کر رہا ہے۔ ماں اس کی پرورش نہیں کر رہی۔ باپ نہیں پال رہا۔ وہاں وہ ذات اس کی پرورش کر رہی ہے جو سمجھتی ہے کہ اس کی خوراک کیا ہونی چاہیئے کس قدر ہونی چاہیئے۔ معلوم نہیں بچہ کب غذا مانگتا ہے کیونکر مانگتا ہے اور پروردگار کس طرح اسے غذا دیتا ہے۔ اتنا پتہ چلتا ہے کہ سرکش اور ناشکرا انسان پل رہا ہے اور رحیم وکریم رب اسے پال رہا ہے۔

آخر بچہ ماں کے پیٹ سے باہر آیا اس کے رحیم وکریم رب نے ماں کے دل میں رحم ومحبت کے

جذبات بھر دیئے اور اس کی غذا کے لئے ماں کے سینے میں خوراک کی دو نہریں جاری کر دیں انسان کا بچہ اپنی پرورش پر آپ قادر نہیں غذا حاصل کرنے سے عاجز ہے۔ خوراک کی نہر دن تک اس کی رسائی نہیں ماں کو خوراک بہم پہنچانے پر قدرت دی اور پرورش کے فرائض اسے سونپ دیئے۔

ایک حیوان چوپائے کا بچہ پیدا ہوتا ہے۔ جانور کی ماں اس کے منہ میں غذا نہیں دے سکتی وہ خوراک دینے میں عاجز ہے۔ گو خوراک کا ذخیرہ اس کے پاس محفوظ ہے، مگر بچے کے دہن میں منتقل کرنے سے قاصر ہے وہاں بچے کو خوراک حاصل کرنے پر قدرت دے دی اور غذا حاصل کرنے کا ڈھنگ سکھا دیا، چنانچہ چوپائے کا بچہ پیدا ہوتا ہے، ماں کے پستانوں کی طرف دوڑتا ہے، اور خود غذا حاصل کرتا ہے۔ انسان کی حالت یہ ہے کہ بچہ عاجز ہے تو ماں قادر ہے، اور حیوان کی حالت یہ ہے کہ ماں عاجز ہے تو بچہ قادر ہے

امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک سائل نے ذات باری تعالیٰ اور خالق کی ہستی کے بارے سوال کیا تو معصوم نے ایک انڈا پیش کیا اور فرمایا کہ یہ ایک مضبوط قلعہ ہے، ہر طرف سے بند ہے نہ غذا اندر جا سکتی ہے اور نہ ہوا نہ روشنی لیکن اس انڈے کے اندر بھی قدرت کا کارخانہ چل رہا ہے، بچہ بن رہا ہے جب بن جائے گا تو قلعے میں اپنی چونچ کے ذریعے دروازہ پیدا کر کے باہر آئے گا بتا یہ ساری تدبیر اور عملی حکمت اور نرالی کاریگری کس کی ہے؟ تعصب کی بنا پر فلسفہ اس کو طبیعت کہتا ہے اور ہم اسے اللہ کہتے ہیں جو "رب العالمین" ہے۔

انسان کی غذا

یہ تو انسان کی پیدائش اور رحم مادر میں اس کی تربیت کا تذکرہ تھا اب ہم انسان بلکہ جملہ حیوانوں کی غذا اور زمین سے اسباب معیشت پیدا کرنے کا قرآنی ذکر سپرد قلم کرتے ہیں کہ اس پروردگار عالمین نے تربیت اجسام و ترقی ابدان کے کیا اسباب پیدا کئے ہیں ایسی چیزیں انسانی قدرت اور بشری طاقت سے باہر ہیں ہاں ان کے اسرار و رموز کے انکشاف اور ان میں غور و فکر سے معرفت ربانی بڑھتی اور ایمان تازہ ہوتا ہے، ارشاد رب العالمین ہے۔ إِنَّا صَبَبْنَا الْمَاءَ صَبًّا ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا فَأَنْبَتْنَا فِيهَا حَبًّا وَعِنَبًا وَقَضْبًا وَزَيْتُونًا وَنَخْلًا وَحَدَائِقَ غُلْبًا وَفَاكِهَةً وَأَبًّا مَتَاعًا لَكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ (سورہ عبس) ہم نے اول پانی برسایا پھر زمین کو شگافتہ کیا اور اس سے غلے اور انگور اور سایہ دار

ستنے والے درخت زیتون، کھجوریں اور گنجان باغ اور میوے چراگاہیں اور سبزہ زار اگائے جو تمہارا اور تمہارے چوپایوں کا رزق ہیں۔

انسان کاشتکاری اور تخم ریزی کر سکتا ہے۔ زمین میں نہ دانے کو اُگا سکتا ہے۔ اور نہ پودے کو پروان چڑھا سکتا ہے۔ انسان پودے کو خوراک بہم پہنچا سکتا ہے لیکن اُس خوراک کو پودے کے ستنے شاخوں، رگوں، پتوں، پھلوں اور پھولوں میں تقسیم نہیں کر سکتا۔ زمین میں پھیلی ہوئی جڑوں کے ذریعے خوراک کو بلند چوٹی پر پہنچانے والا پودے اور درخت کے تمام حصّوں میں یہ غذا پہنچانے والا پودوں پر خوشہ اور بالیاں لگانے والا اوران کو پختہ کرنے والا پھولوں میں رنگ و بُو پیدا کرنے والا اور پھلوں میں لذّت اور حُسن پیدا کرنے والا انسان نہیں بلکہ خالقِ انسان ہے جو رب العالمین ہے۔

غذا کا انسان اور حیوان کے بدن میں تحلیل ہونا

یہ تو غذا کا بیان تھا اب غذا کھانے اور بدن میں تحلیل ہونے کا بیان سُنو۔ اُس علیم الحکیم پروردگار نے انسان کو غذا خوری کے لئے منہ دیا اُس غذا کو پیسنے کے لئے منہ میں دانت بنائے تاکہ کھانے کو چبا چبا کر آبِ دہن کے ساتھ ملا کر خمیر کرے۔ اور نگلنا آسان ہو جائے پھر حلق کے ذریعے معدہ میں چبائی ہوئی غذا کو پہنچاتا ہے۔ معدہ غذا کی آمد کا پیغام سُنتے ہی تیار ہو جاتا ہے اور اپنی غدود سے کیمیائی رس خارج کرنے لگتا ہے۔ وہ ہاضم رطوبتیں کھانے کو مزید ہضم کرتی ہیں۔ معدہ کی حرارت غذا کو پکاتی ہے رطوبتیں اور معدہ کی حرکتیں غذا کو گلاتی ہیں۔ پانی کی آمیزش سے ایک سیّال مادّہ بن جاتا ہے۔ اندرونِ بدن کارخانۂ قدرت حرکت میں آجاتا ہے۔ جگر، تلی، پتہ، آنتیں اپنا اپنا کام شروع کر دیتی ہیں اور غذا کیمیائی مرحلے طے کرتی ہوئی دو حصوں میں تقسیم ہو جاتی ہے کارآمد حصّہ خون میں شامل ہو کر بدن کے ہر حصّے میں پہنچ کر جزو بدن بن جاتا ہے اور فضول اور بے کار حصّہ فضلہ بن کر خارج ہو جاتا ہے۔

غذا کو تحلیل کرنے اور جزو بدن بنا کر بدن کی پرورش اور ترقی دینے کا کام کون کرتا ہے؟ اے متمرّد و سرکش انسان! اے غافل و جاہل بشر! اے ملحد و منکرِ ذاتِ خدا! ذرا سوچ تو سہی تیرے بدن کے اندر یہ کارخانۂ تربیت کون چلا رہا ہے؟ پیدا ہونے والے بچے کو جو ابھی بیٹھنے سے عاجز ہے دیکھنے سننے سے معذور ہے۔ بولنے پکڑنے سے قاصر ہے ایک کڑیل جوان طاقتور پہلوان بنانے والا بھرپور شباب کی منزل میں پہنچانے والا کون ہے؟ ذرا غور و فکر کر دل کی آنکھوں سے دیکھ عقل و دانش

سے پہچان۔ یقیناً وہ ایک ہستی ہے جو حی قیوّم، علیم و خبیر ہے۔ سمیع البصیر مدرک و قدیر ہے۔ آسمان کا وسیع شامیانہ، چوڑی چکلی زمین۔ آنے جانے والے لیل و نہار، سورج کی تیز روشنی وحرارت، چاند کی خوشگوار ضیاء، تہ بہ تہ بادل، ابلتے ہوئے چشمے، تاروں کی تابانی، دریاؤں کی روانی، چھم چھم برستا مینہہ، سرد و گرم ہوائیں، پہاڑوں کی بلند و بالا چوٹیاں، صحراؤں کے لانبے لانبے مضبوط اور پھیلے ہوئے تناور درخت۔ درختوں کے گھٹتے بڑھتے سائے، خوشنما و عجیب و غریب چوپائے، جیبی و جیبل پرندے، خطرناک و مہیب درندے، سبزے کی لہک، پھولوں کی مہک، غنچوں کی چٹک، پرندوں کی چہک، رب العالمین کی عظمت و صنعت، تربیت کی گواہی دے رہے ہیں۔

فَذَالِکَ اللّٰہُ رَبُّ الْعَالَمِیْن

لفظ رب ایسا پیارا لفظ ہے کہ ہر پیغمبر نے اپنی دعا میں لفظ ''رب'' استعمال کیا ہے۔ قرآن مجید میں انبیاء و مرسلین علیہم السلام کی جتنی دعائیں اور پکاریں ہیں سب لفظ ''رب'' سے شروع ہوتی ہیں، خاصان خدا کی ہر مناجات اور ہر دعا میں ابتدائی لفظ ربنا یا رب آیا ہے، اگر ذکر کریں تو بہت طول ہو جائے گا خواہشمند اصحاب خود قرآن مجید کا مطالعہ کریں تلاوت کلام کا ثواب اور مناجات و دعا کی لذت اور رب کی معرفت حاصل کریں۔

یوں تو ہر پیغمبر نے مناجات اور دعا کی ہے۔ مگر قرآن مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعائیں کثیر ہیں اور ہر دعا میں لفظ رب سے پکارا ہے۔ چنانچہ جب مصر سے فرعونیوں کے ڈر سے بھاگے ہیں ڈرتے گھبراتے ہوئے مصر سے ہجرت کی ہے، خداوند عالم نے ان کی ہجرت اور دعا کا ذکر کیا ہے۔ ''فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا يَتَرَقَّبُ وَقَالَ رَبِّ نَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ''

یہی قرآن مجید کی آیت ہے جو یثرب کے مسافر مولائے مظلوم نے مدینہ سے نکلتے وقت تلاوت فرمائی۔ اٹھائیسویں رجب کی رات کا آخری حصہ تھا کہ علیؑ و بتولؑ کی اولاد نے اشکبار آنکھوں اور بے قرار دل سے مدینہ سے کوچ کیا۔ امام حسین علیہ السلام کی تیاری اور مسافرت کوئی خفیہ نہ تھی کئی روز تیاری میں لگ گئے۔ مدینہ کے ہر شخص کو روانگی کا علم تھا۔ البتہ سفر رات کے اندھیرے میں کیا، عام طور پر کہا جاتا ہے کہ فرزند رسولؐ کی زندگی میں شب عاشور سخت تھی: کیونکہ اس رات میں آپ اپنے اہل بیتؑ و اصحاب کے ساتھ ایک لق و دق اور بے آب صحرا میں نرغۂ اعداء

ہیں گھرے ہوئے تھے ہر چہار طرف سے دشمنوں کا ہجوم تھا پیاس کا غلبہ تھا۔ راہیں مسدود تھیں، زندگی کی آخری رات خیال کی جاتی تھی۔ مستورات سراسیمہ تھیں بچے سہمے ہوئے تھے مگر جس رات کی صبح کو بتولؑ کے بیٹے نے مدینہ سے سفر کیا ہے۔ اس رات کی پریشانی بے چینی اور گریہ و بکا کی صدائیں کچھ کم نہ تھیں۔

جن گھروں میں زندگی بسر کی ہو جس شہر میں شہزادگی اور فرزند رسول کی حیثیت سے عمر گذاری ہو جس شہر میں نانا ماں اور بزرگوں کی مزاریں ہوں اس کو چھوڑنا اور ہمیشہ کے لئے چھوڑنا معمولی بات نہیں۔ پھر مستقبل ہولناک نظر آرہا ہو، راستے پُرخطر ہوں، دشمنوں کا ہر وقت خوف ہو۔ ان بیبیوں سے پوچھیے جو اپنے ہاتھوں سے گھروں کے دروازے بند کرکے تالے لگا رہی ہیں کس دل سے گھروں سے باہر آئی ہوں گی۔ محلے کی عورتیں ملنے آئی ہوں گی۔ کس طرح گلے مل کر روئی ہوں گی۔ جناب زینبؑ و اُمّ کلثومؑ نے کس طرح نانا کے مزار اور ماںؑ کی قبر بھائی حسنؑ کی لحد سے وداع کیا ہوگا۔ پھر پُرآشوب دور ہے۔ امن نہیں، چین نہیں۔ سفر خطرناک ہے۔ زندہ واپسی کا یقین نہیں۔ گرمی کا موسم ہے۔ چھوٹے چھوٹے بچے ساتھ ہیں۔ وہ سفر کی رات کس طرح رنج و الم میں گذری ہوگی۔ یہ خوشی کا سفر تو نہیں تھا مصیبت و غم کا سفر تھا۔ موت کا سفر تھا آبادی کا نہیں بربادی کا، بسنے کا نہیں اُجڑنے کا، امن کا نہیں خوف کا، راحت کا نہیں رنج کا سفر۔ ہر منزل اور ہر موڑ پر خوف و خطر استقبال کرتے۔ ہاں مدینے سے نکلیں تو پردے محفوظ تھے کیونکہ باپردہ محمل اپنے ساتھ تھے جو ہر منزل پر باعزت و احترام محملوں سے اتارتے اور سوار کرتے۔ پانی کی ضرورت ہوتی مشکیں بھری ہمراہ تھیں۔ جوانان بنی ہاشم کے پہرہ میں زہراؑ جائیاں باپردہ عماریوں میں سفر کر رہی ہیں۔ بچوں سے دل بہلا رہی ہیں۔ جھولیاں آباد ہیں۔ اکبرؑ کی جوانی، قاسمؑ کا شباب، عباسؑ دلاور کی کمر یہ باعثِ راحت و سکون ہیں۔ کچھ گھبراہٹ ہوتی تو تسلیاں دیتے اقربا، ورثاء جوانان بنی ہاشم ساتھ ہیں۔ جن عورتوں کے ساتھ اپنے مرد سفر میں ہوں انہیں پریشانی اور خوف نہیں رہتا لیکن قربان جائیں سیدانیوں کی بے کسی اور اس غربت پر اور اس بے چارگی و حسرت پر جب کربلا سے شام کو چلیں گودیں خالی ہو چکی ہیں۔ سہاگ اُجڑ گئے۔ سہارے جاتے رہے جھولے جل گئے جھولوں میں سونے والے تہہ خاک سو گئے۔

بچوں کے سروں پر باپ کا سایہ نہ رہا ماؤں کے سروں پر چادریں نہ رہیں۔ اب نہ پردے رہے نہ محمل رہے، نہ وارث رہے، سفر طویل ہے۔ اجنبی ملک ہے، اپنا کوئی ساتھ نہیں۔

غیروں کے پہرے ہیں۔ جناب امامِ مظلوم کے اس سفرِ ہجرت کی جنابِ موسیٰؑ کی ہجرت کے ساتھ مثال دی جاتی ہے۔ لیکن مومنین ان کی ہجرت اور مولائے مظلومؑ کی ہجرت میں بہت بڑا فرق ہے۔ بیشک جنابِ موسیٰؑ فرعونیوں کے خوف سے پیادہ پا بھاگے تھے۔ بے تحاشا دوڑے جان کا خطرہ تھا لیکن مدین میں پہنچے تو سہارا مل گیا، خوف جاتا رہا۔ امن نصیب ہوا۔ چین سے رہنے لگے۔ لیکن مولائے مظلومؑ کے سفر کی ہر منزل دردو آشوب کی منزل تھی۔ ہر گھڑی دکھ کی گھڑی تھی۔ جوں جوں سفر بڑھتا جاتا مصیبت و پریشانی بڑھتی جاتی۔

جنابِ موسیٰؑ وطن سے نکلے تھے تو اکیلے نکلے تھے خالی ہاتھ نکلے تھے۔ لیکن جب واپس آئے تو عیال کے ساتھ واپس آئے۔ بھرا کنبہ ساتھ لائے۔ میرے مولاؑ پورے خاندان کو لے کر نکلے تھے۔ مگر واپس نہ آئے نہ خود آئے نہ اقربا آئے بنی ہاشم کے اٹھارہ فرزند آئے ماؤں کے ساتھ بچے نہ آئے۔ گئی تھیں تو جھولیاں بچوں سے بھری ہوئی تھیں۔ آئیں تو گودیں خالی تھیں۔ سہاگ اجڑے ہوئے تھے۔ بھائی، بیٹے شوہر مرا کر آئیں گھر بار لٹا کر آئیں۔

اٹھائیسویں رجب ۶۰ھ کی رات ختم نہ ہوئی تھی کہ محلہ بنی ہاشم سنسان ہو گیا کیونکہ گلیوں میں چلنے والے مرد نہ رہے گھروں میں عورتیں نہ رہیں۔ آوازیں دینے والے بچے نہ رہے۔ پورا بھرا ہوا محلہ خالی ہو گیا۔ گلیاں اجاڑ ہیں۔ مسجد و منبر اداس ہیں۔ جنت البقیع سوگوار ہے۔ قبرِ رسولؐ بے چراغ ہے کہ اس کا نورِ دیدہ صحرائے غربت میں گامزن ہے۔ مدینہ کی صبح آج بے رونق ہے اس لئے کہ اس کا آفتابِ حقیقی اس کی آنکھوں سے اوجھل ہو چکا ہے۔ منبرِ رسولؐ اشکبار ہے کہ اس کا صحیح جانشین رنجِ مسافرت میں ہے۔ ہر مسافر واپس آنے کی آس رکھتا ہے مدینے سے نکلتے وقت بچے ماؤں سے پوچھتے ہوں گے اماں! ہم کب واپس آئیں گے مدینے کی عورتیں ملنے کے لئے آئی ہوں گی اور انہوں نے پوچھا ہو گا شہزادیاں! کب واپس آؤ گی، لیکن دردِ ستائیاں کیا جواب دیتی ہوں گی؟ تقدیر کیا سن رہی ہو گی۔ اور کیا کہہ رہی ہو گی؟ موسیٰؑ وطن واپس آ گئے، یعقوبؑ کو یوسفؑ مل گیا مگر آلِ محمدؐ کے بچھڑے ایسے بچھڑے کہ واپس وطن آنا نصیب نہ ہوا، اجڑے گھر آباد نہ ہو سکے۔ اور بنی ہاشم کے اٹھارہ تارے یوں آسمانِ مدینہ سے ٹوٹے کہ زمینِ کربلا میں مدفون ہو کے رہ گئے۔

الا لعنۃ اللہ علی القوم الظٰلمین

چھٹی مجلس

سفیرِ حسینؑ شہیدِ کوفہ

بنی ہاشم کا پہلا شہید

اٹھائیسویں رجب کو مدینہ سے ہجرت کی اور تین شعبان کو وارد مکہ معظمہ ہوئے جب مکہ میں آئے تو یہ آیت حضورؑ تلاوت فرما رہے تھے جو جناب موسیٰ علیہ السلام کے مدین جانے کا حال بیان کرتی ہے "فلمّا توجّہ تلقاء مدین قال عسیٰ ربّی ان یّھدینی سواء السّبیل" جب جناب موسیٰ مدین کی طرف متوجہ ہوئے تو کہا عنقریب میرا ربّ مجھے سیدھے راستے کی رہنمائی فرمائے گا۔

مکہ چونکہ حرم اور جائے امن ہے جہاں کسی جانور کا مارنا بھی جائز نہیں اس واسطے خائف امام اور پریشان حال اُمّت کے ستائے ہوئے شہزادے نے مکہ میں قیام فرمایا کوئی معمولی شخصیت نہ تھی فرزندِ رسولؐ امامِ زمانہ اور وارثِ دین تھے لوگوں کو معلوم ہوا تو صبح وشام اور شب و روز لوگ خدمت جناب میں حاضر ہوتے۔ عبداللہ بن زبیر مکہ میں اپنی حکومت قائم کرنے کی فکر میں تھے اور لوگوں سے بیعت لینے کا قصد رکھتے تھے۔ امام مظلوم مکہ میں پناہ گزین کی حیثیت سے آئے تھے نہ سلطنت قائم کرنے کا ارادہ تھا اور نہ فوجی طاقت بڑھانے اور اسلحہ جمع کرنے کی غرض تھی اور نہ لڑائی کا قصد تھا اگر لڑنے کا ارادہ ہوتا تو ملائکہ اور جنوں کی پیشکش قبول فرما لیتے یہ وہ طاقت تھی کہ جس کا مقابلہ تمام روئے زمین کے انسان بھی مل کر نہ کر سکتے۔

منقول ہے کہ مدینہ و مکہ کے درمیان میں راہ میں فرشتوں کے گروہ جنت کی اونٹنیوں پہ سوار ہاتھوں میں خنجر لئے خدمت امام پاکؑ میں حاضر ہوئے اور بعد سلام عرض کیا۔ یا حُجّۃَ اللّٰہِ علیٰ خلقہٖ بعد

جَدِّہٖ وَاَبِیْہِ وَاَخِیْہِ اِنَّ اللّٰہَ سُبْحَانَہٗ اَمَدَّ جَدَّکَ بِنَا فِیْ مَوَاطِنَ کَثِیْرَۃٍ وَاِنَّ اللّٰہَ اَمَدَّکَ بِنَا. اے اللہ کی مخلوق پر اللہ کی حجت اپنے جد امجد اور اپنے باپ و برادر کے بعد خداوند عالم نے ہمارے ذریعے آپ کے جد امجد کی بہت سے مقامات پر امداد فرمائی اب خدا ہمارے ذریعے آپ کی مدد کرنا چاہتا ہے کیا آپ ہماری مدد قبول فرمائیں گے۔ امام عالیمقام نے فرمایا اَلْمَوْعِدُ حُفْرَتِیْ وَبُقْعَتِیَ الَّتِیْ اُسْتَشْهَدُ فِیْهَا وَهِیَ کَرْبَلَا فَاِذَا وَرَدْتُهَا فَاْتُوْنِیْ۔ تمہاری اور میری وعدہ گاہ اور میرا مقام شہادت کربلا ہے جب میں وہاں پہنچ جاؤں تو وہاں میرے پاس آجانا۔ ملائکہ نے عرض کی یَا حُجَّةَ اللّٰهِ مُرْنَا نَسْمَعْ وَنُطِعْ فَهَلْ تَخْشٰی مِنْ عَدُوٍّ یَلْقَاكَ فَنَكُوْنَ مَعَكَ، اے حجت خدا ہمیں حکم دیجئے ہم حکم مانیں گے۔ اگر دشمن سے خوف ہو تو ہم آپ کے ساتھ رہیں؟ آپ نے فرمایا لَا سَبِیْلَ لَهُمْ عَلَیَّ وَلَا یَلْقُوْنِیْ بِكَرِیْهَةٍ اَوْ اَصِلَ اِلٰی بُقْعَتِیْ۔ جب تک میں سرزمین کربلا تک نہ پہنچ جاؤں یہ لوگ مجھے کوئی اذیت نہیں پہنچا سکتے۔

اس کے بعد مسلمان جنوں کے چند گروہ حاضر خدمت ہوئے اور بعد سلام عرض کی یَا سَیِّدَنَا نَحْنُ شِیْعَتُكَ وَاَنْصَارُكَ فَمُرْنَا بِاَمْرِكَ بِمَا تَشَاءُ فَلَوْ اَمَرْتَنَا بِقَتْلِ كُلِّ عَدُوٍّ لَكَ وَاَنْتَ بِمَكَانِكَ فَكَفَیْنَاكَ اے ہمارے آقا ہم آپ کے شیعہ اور مددگار ہیں آپ جو حکم دیں ہم مانیں گے اگر آپ ہمیں حکم دیں کہ آپ کے تمام دشمن تہ تیغ کر دیں تو آپ اپنی جگہ رہیں ہم آپ کے تمام دشمنوں کا صفایا کر دیں گے۔

مولا نے ان کو جزائے خیر کی دعا دی اور فرمایا کہ خدا نے قرآن میں جو میرے جد امجد پر نازل ہوا فرمایا ہے یُدْرِكْكُمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَةٍ۔ موت تمہیں ہر حال میں قابو کرلے گی اگرچہ تم مضبوط قلعوں میں بند ہو۔

اس کے بعد فرمایا اگر میں یہیں رہ جاؤں تو پھر اس بدبخت مخلوق کا امتحان کس ذریعے لیا جائیگا اور کربلا میں میری قبر میں آرام کون کرے گا جسے خدا نے اس روز سے میرے لئے منتخب کر رکھا ہے جس روز سے فرش زمین بچھایا ہے اور اسے ہمارے شیعوں کے لئے جائے پناہ اور دنیا و آخرت میں امن وامان کی جگہ قرار دیا ہے۔

البتہ تم عاشور کے دن کربلا حاضر ہونا جس کے آخر میں میں شہید کر دیا جاؤں گا اور میرے خانداں میں سے کوئی ایسا شخص باقی نہ رہ جائے گا جسے قتل کرنے کے لئے طلب کیا جائے اور میرا سر یزید ملعون کے پاس بھیجا گیا۔ جنوں نے عرض کیا خدا کے پیارے اور محبوب خدا کے فرزند اگر آپ کی اطاعت لازم اور مخالفت حرام نہ ہوتی تو ہم آپ کے تمام دشمنوں کو آپ کو اذیت پہنچانے سے پہلے ہلاک کر دیتے

آپ نے فرمایا ہم آپ سے زیادہ ان دشمنوں پر قدرت رکھتے ہیں لیکن اس میں مصلحت ہے کہ جو ہلاک ہو وہ حجت اور دلیل سے ہلاک ہو اور جو زندہ رہے وہ دلیل سے زندہ رہے۔

جناب مسلم بن عقیل کو لشکر جمع کرنے کے لئے نہیں بلکہ امور دین اور حفاظت شریعت کے لئے کوفہ روانہ کیا تھا جس غرض کے لئے مدینہ سے رخصت ہوئے جناب مسلم کے بھیجنے کے اسباب ہم نے "تاریخ الشیعہ" میں تفصیل سے تحریر کئے ہیں جو ان اسباب کی تفصیل چاہے وہاں ملاحظہ فرمائے یہاں ہم جناب مسلم کی شہادت کے واقعات قلمبند کرتے ہیں یا عینُ جُودی لمسلم بن عقیل۔ رسول الحسین سبط الرسول لشھید بین الاعادی لقتیل لنصی خبز فتیل۔ اے آنکھ کھول کر آنسو بہا مسلم بن عقیل کے واسطے جو سبط رسول کا قاصد ہے۔ دشمنوں میں اکیلا شہید ہے۔ جو بہترین شہید قتل کیا گیا۔

کوفہ کے صحیح حالات کا جائزہ لینے اور بہ صورت حالات کی اطلاع دینے کے لئے امامؑ پاک نے جناب مسلم بن عقیل کا انتخاب کیا اور کوفے والوں کو لکھا "انی باعثٌ الیکم اخی وابن عمی و ثقتی من اھلبیتی"

الغرض جناب مسلم آپ سے رخصت ہو کر مدینہ رسول پہنچے کیونکہ مدینہ مکہ سے عراق جاتے ہوئے راستے پر آتا ہے مسجد نبوی میں چند رکعت نماز پڑھی جو افراد بنی ہاشم مدینہ میں رہ گئے تھے ان سے وداع کیا اور جانب کوفہ متوجہ ہوئے۔

کوفہ میں داخلہ

جناب مسلم منازل سفر طے کرتے ہوئے پانچ شوال کو کوفہ میں پہنچے اور جناب مختار بن عبیدہ ثقفی کے گھر میں نزول فرمایا۔ جناب مسلم کے کوفہ آنے کی خبر شہر بھر میں مشہور ہوگئی اور اہل کوفہ گروہ در گروہ ملاقات اور زیارت کے لئے حاضر خدمت ہونے لگے۔ بظاہر لوگوں کا اشتیاق شدید تھا جب کافی مجمع ہوگیا تو سفیر امام نے حضرت سید الشہداءؑ کا اہل کوفہ کے نام مکتوب گرامی پڑھ کر سنایا لوگوں نے بڑا اچھا اثر لیا اور بعض لوگ تو شدت تاثر اور فرط محبت سے رونے لگے اور اسی جوش وخروش کے عالم میں بعض حضرات نے اپنے قلبی تاثرات کا اظہار بھی کیا چنانچہ عابس بن شبیب شاکری نے حمد وثناء خدا کے بعد مجمع عام میں اٹھ کر کہا میں دوسرے لوگوں کے متعلق کچھ نہیں کہتا اور نہ ہی مجھے یہ معلوم ہے کہ ان کے دلوں میں کیا ہے بس تو آپ کو صرف وہ بات بتاتا ہوں جس کا میں نے پکا ارادہ کر رکھا ہے اور وہ یہ ہے کہ خدا کی قسم آپ جب بھی مجھے بلائیں گے تو میں لبیک کہتا ہوا حاضر ہو جاؤں گا اور آپ کے دشمنوں سے لڑوں گا یہاں تک آپ کے ہمراہ شمشیر زنی

کرتا ہوا بارگاہِ الٰہی میں پہنچ جاؤں اور اس سے میرا مقصد صرف خوشنودیٔ خدا حاصل کرنا ہے اس کے بعد جناب حبیب ابنِ مظاہر نے کھڑے ہو کر عابس کو داد دیتے ہوئے کہا خدا تم پر رحم کرے تم نے بہت مختصر اور عمدہ الفاظ میں اپنے دل کی بات بیان کی ہے پھر فرمایا اُس خدا کی قسم جس کے بغیر کوئی معبود نہیں میرا بھی یہی نظریہ ہے اس کے بعد عبداللہ بن سعید حنفی نے ایسے ہی پاکیزہ خیالات کا اظہار کیا ان تقریروں کے بعد بیعت کا سلسلہ شروع ہوا اور چند دنوں میں اٹھارہ ہزار کوفیوں نے جناب مسلم کے ہاتھ پر امام حسین علیہ السلام کے لئے بیعت کی۔

جناب مسلم کا خط خدمت حسین علیہ السلام کے نام

جب جناب مسلم نے اٹھارہ ہزار اور بروایتے پچیس ہزار آدمیوں کے بیعت کرنے اور ان کے اشتیاق محبت کے جذبات دیکھے اور حالات اور فضا سازگار نظر آئی تو جناب سید الشہداء کی خدمت میں خط تحریر کیا جس کا مضمون تھا بعد حمد و ثنائے خدا کے پیش رو کبھی میں اپنے اہل و عیال سے جھوٹ نہیں بولتا تمام اہل کوفہ آپ کے ساتھ ہیں اٹھارہ ہزار افراد نے میرے ہاتھ پر آپ کی بیعت کر لی ہے یہ خط پڑھتے ہی آپ جلد تشریف لے آئیں والسلام وعلیک رحمۃ اللہ وبرکاتہ' یہ خط جناب مسلم نے عابس بن ابی شبیب شاکری اور قیس بن مسہر صیداوی کے ہاتھ روانہ کیا حضرت مسلم کی شہادت سے ستائیس روز قبل کا یہ واقعہ ہے۔

عبیداللہ ابن زیاد کی کوفہ میں آمد

اہلِ کوفہ کا میلان دیکھ کر بنی اُمیہ کے ہوا خواہوں نے یزید کو خط لکھا کہ کوفہ کے موجودہ گورنر کو تبدیل کر کے کوئی طاقتور سخت گیر اور جابر آدمی مقرر کرو یزید نے نعمان بن بشیر کو معزول کر کے عبیداللہ بن زیاد کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا عبیداللہ بن زیاد بصرہ میں تھا حکم نامہ پہنچتے ہی پانچ سو آدمیوں کے ہمراہ منازل سفر طے کرتا ہوا اور حالات سفر کو مخفی رکھتا ہوا رات کے وقت کوفہ شہر میں داخل ہوا ابن زیاد کے آنے کے بعد کوفہ کی فضا بدل گئی لوگوں میں خوف و ہراس کی لہر دوڑ گئی کیونکہ پورے بیس سال عبیداللہ اور اس کے باپ زیاد کے ظلم و جور کی چکی میں لوگ پس چکے تھے عام لوگوں میں پریشانی اور خوف کے آثار نمودار ہونے لگے۔

ابنِ زیاد نے صبح ہوتے ہی لوگوں کو کوفہ کی جامع مسجد میں حاضر ہونے کا حکم دیا جب لوگ جمع ہو گئے تو ابنِ زیاد بد نہاد نے لوگوں کو ڈرایا دھمکایا اور حکومتِ وقت کی اطاعت کرنے کی ترغیب دی حکومت کا ساتھ دینے والوں کو انعام واکرام کا لالچ دیا اور مخالفت کرنے والوں کو سخت دھمکیاں دیں اُس نے جاسوس مقرر کیے جو حکومت کے مخالف لوگوں کی فہرستیں تیار کرائیں اس تقریر سے لوگ بے حد خائف و ہراساں ہو گئے اور اُن کے لئے کسی جگہ اکٹھا بیٹھ کر تبادلۂ خیالات کرنا بھی مشکل ہو گیا۔

اب تک جناب مسلم مختار کے گھر میں قیام فرما تھے ابنِ زیاد کی اس سخت گیری اور ظلم و تشدد کا حال سن کر آپ ہانی بن عروہ کے گھر منتقل ہو گئے کیونکہ مختار کے پاس رہنے کا ہر خاص و عام کو علم ہو چکا تھا۔

ابنِ زیاد نے خفیہ طریقوں اور جاسوسوں کے ذریعہ ہانی کے گھر میں جنابِ مسلم کا پتہ لگا لیا اور ہانی کو گرفتار کر کے بہت تشدد کیا اور جنابِ مسلم کو حاضر دربار کرنے پر اصرار کیا۔ جناب ہانی صاحب وجاہت وجلالت قدر تھے قبیلۂ مراد و مدحج کے سردار تھے جب کسی مہم کے لئے نکلتے تو چار ہزار زرہ پوش سوار اور آٹھ ہزار پیادے ہمراہ ہوتے جناب امیر المومنینؑ کے خاص اصحاب میں سے تھے محب اہل بیتؑ اور غیور و جسور مومن تھے کس طرح معزز مہمان اور سفیر حسین علیہ السلام کو ایک ظالم وسفاک حکمران کے پیش کر دیتے ضرب تازیانہ سہتے رہے، بدن زخمی ہو گیا اور قید خانے میں بھیج دیئے گئے دروازہ پر پہرہ بٹھا دیا گیا جناب مختار ابنِ زیاد کی قید میں تھے اب جنابِ ہانی بھی گرفتار ہو گئے۔

حالات یکسر بدل گئے تھے مخلص و باوفا مومن اسیرِ زنداں ہو چکے تھے ہانی کے گھر میں جو مومن خفیہ آتے ہانی کی گرفتاری کے بعد وہ بھی روپوش ہو گئے آہستہ آہستہ ساتھیوں کی تعداد گھٹتی گئی۔

کوفیوں کی بے وفائی اور جنابِ مسلمؑ کی تنہائی

اب کوفہ بالکل بدل چکا تھا اقبال نے منہ پھیر لیا اور ادبار کی گھٹائیں چھا گئیں مشتاقانِ زیارت منحرف ہو گئے حلقۂ یاراں نے بیعت کا قلادہ توڑ دیا سیم و زر کے سکوں نے لوگوں کے ضمیر خرید لئے اور جابر و ظالم حاکم کی تشدد آمیز دھمکیوں نے کوفیوں کو گھروں میں محبوس کر دیا۔ بیعت کرنے والوں نے ساتھ چھوڑ دیا کوفہ کی فضا اس قدر بدل گئی۔ کہ مائیں اپنے بچوں کے ہاتھ پکڑ کر گھر میں لے جاتیں، بہنیں بھائیوں سے کہتیں بھائی! شام سے لشکر آ رہا ہے۔ وہ کوفہ کو مسمار کر دے گا تمہارا کیا واسطہ چلو دوسرے لوگ کافی ہیں عورتیں اپنے شوہروں کو باہر نکلنے سے روکتیں اور مرد اپنے بیٹوں کے بازو پکڑ کے گھر لے آتے۔

مومنین! اب فرزندِ عقیل تنہا ہیں۔ آٹھویں ذوالحجہ کو داماد علیؑ نے نمازِ مغرب پڑھی تو کل تیس آدمی ساتھ تھے اور جب مسجد کے دروازے سے نکلے تو دس آدمی ہمراہ رہ گئے تھے۔ بنی کندہ کے دروازے کا قصد کیا جب دروازے سے برآمد ہوئے تو تنہا رہ گئے مڑکے دیکھا تو تنہائی نظر آئی۔ رات کا وقت بیکسی کی حالت تنہائی کا عالم۔ کہاں جائیں کوئی راہ بتانے والا نہیں کوئی پناہ دینے والا نہیں، کوئی مونس و غمگسار نہیں عقیل کا چاند مصیبت کے بادلوں میں گھر گیا ہے۔ پریشانی اور گھبراہٹ نے سفیرِ حسین کے قدم روک دیئے ہیں۔ غربت برس رہی ہے۔ موت سر پر منڈلا رہی ہے۔ کوفے کی گلیاں ہیں اور آوارۂ وطن پردیسی گلیاں سنسان ہیں دروازے بند ہیں۔ مدینے کا بلایا ہوا مہمان دائیں بائیں حسرت کی نظر سے دیکھتا ہے کہ کوئی جائے پناہ نہیں ملتی۔ اسی اداسی کے عالم میں چلتے چلتے ایک دروازے پر لڑکھڑاتے ہوئے قدم رُک گئے کیا دیکھا کہ خلافِ اُمید گھر کا دروازہ کھلا ہے اور ضعیفہ در پر کھڑی اپنے بیٹے کا انتظار کر رہی ہے۔ جنابِ مسلم نے سلام دیا۔ ضعیفہ نے سلام کا جواب دیا۔ امید بھری نگاہوں سے ضعیفہ (جس کا نام "طوعہ" تھا) سے پانی مانگا، میں پیاسا ہوں اے اللہ کی کنیز مجھے پانی پلا دے طوعہ نے پانی کا پیالہ پیش کیا یثرب کے پیاسے مسافر نے پانی پیا، مسلم وہیں بیٹھ گئے طوعہ پانی دے کر اندر چلی گئی باہر آئی تو پیاسے مسافر کو دروازے پر بیٹھا دیکھ کر کہا اے عبدِ خدا آپ نے پانی نہیں پیا جواب دیا پی لیا ہے طوعہ بولی تو آپ اپنے گھر چلے جائیں۔ جنابِ مسلم خاموش ہو رہے۔ کوئی جواب ہوتا تو دیتے۔ طوعہ نے پھر وہی فقرہ دہرایا پریشان حال مسافر پھر بھی خاموش رہا بے آس اور بے سہارا کیا جواب دیتا سر جھکایا حسرت کی نظر سے زمین کو دیکھا۔ ضعیفہ کی آواز بلند ہوئی عبدِ خدا اپنے بال بچوں کے پاس چلے جاؤ خدا تمہیں عافیت دے یہاں بیٹھنا ٹھیک نہیں اور نہ میں اجازت دیتی ہوں حکومت کی کڑی نگرانی ہے۔ عزادارو! جب مسلم نے یہ الفاظ سنے۔ بے چارگی کے عالم میں اُٹھ کھڑے ہوئے بتایئے اب مسلم سے زیادہ بھی کوئی غریب ہے۔ سردار کوفہ امیر المومنینؑ کا داماد یثرب کا مسافر بلایا ہوا مہمان، لیکن اب کہنا پڑتا ہے۔ بے چارہ مسلم۔ بے بس مسلم۔ اگر لفظ بے چارہ، بے بس اور غریب کے مصداق دنیا میں ہیں تو ان لفظوں کا مصداق آٹھویں ذوالحجہ کی رات کو طوعہ کے دروازہ پر مسلم سے بڑھ کر کوئی نہیں اس پریشانی کی حالت میں جواب دیا کنیز خدا! میرا اس شہر میں کوئی نہیں نہ گھر ہے نہ کنبہ ہے۔ بلایا ہوا مہمان ہوں۔ پہلے تو ہزاروں میزبان تھے اب سب نے جواب دے دیا ہے۔ کہاں جاؤں غرض مند ہوں۔ اگر آج رات آپ مجھے ٹھہرنے دیں تو شاید آج کے دن کے بعد اس کا نیک بدلہ دوں گا۔ طوعہ نے کہا کہ اے بندۂ خدا تو کون ہے اور یہ کیا پریشانی ہے۔ جواب دیا کہ میں مسلم بن عقیل ہوں۔

مجھے اس قوم نے بلایا اور بلا کر دھوکا دیا۔ آج میں پردیسی ہوں، کوئی ٹھکانہ نہیں۔ اُس عورت نے کہا کیا تو ہی مسلم ہے جواب دیا کہ میں ہی مسلم ہوں۔ طوعہ نے گھر میں داخل ہونے کی اجازت دی جناب مسلم گھر میں داخل ہوئے اور ایک کمرے میں اُن کے لئے فرش بچھایا اور رات کا کھانا پیش کیا لیکن بے قرار مسافر کھانا نہ کھا سکا۔ اِس اثناء میں اُس کا بیٹا بلال نامی گھر میں آیا اور اپنی ماں کا آنا جانا جو اُس کمرے میں دیکھا اُس کی دریافت کی پہلے تو ماں نے بتانے سے انکار کر دیا پھر بیٹے نے جب بار بار پوچھا تو اُس سے سخت قسمیں لیں کہ اس خبر کو ظاہر نہ کرے اُس وقت تو وہ لعین خاموش ہو رہا۔ جناب مسلم نے وہ رات جناب طوعہ کے گھر میں گریہ وزاری عبادت ومناجات اور تلاوت قرآن میں گذاری ادھر صبح سویرے اُس کے بیٹے نے ابن زیاد کو جا کر بتا دیا کہ مسلم تو میرے گھر میں ہے جناب مسلم کی رات جس طرح گذری سو گذری طلوع فجر کے وقت طوعہ نے وضو کے لئے پانی پیش کیا اور عرض کی کہ مولا میں نے دیکھا کہ ساری رات آپ سوئے نہیں جناب مسلم نے فرمایا کہ بے چین مسافر زمانہ جس کا دشمن ہو موت اس کا تعاقب کر رہی ہو۔ ظلم وجور کے بادل چھائے ہوئے ہوں اُسے کس طرح نیند آسکتی ہے؟ رات کو تھوڑی دیر کے لئے جب میں سویا تو عالم خواب میں اپنے چچا امیر المومنینؑ کو دیکھا وہ مجھے فرما رہے ہیں کہ بیٹا جلدی آ ہم تیرے مشتاق ہیں میں یہی سمجھا کہ زندگی کی یہ آخری رات ہے۔

جناب مسلم نے وضو کیا اور صبح کی نماز پڑھی ابھی دعا میں مشغول تھے کہ باہر سے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز اور لوگوں کا شور سُنا جناب مسلم سمجھ گئے کہ یہ مجھے گرفتار کرنے کے لئے آئے ہیں۔ جلدی سے دعا ختم کی زرہ پہنی ہتھیار لئے اور اپنے آپ سے کہا اے نفس موت کی تیاری کر جس سے فرار نہیں۔ ضعیفہ نے کہا میرے سردار میں کیا دیکھتی ہوں کہ آپ تو موت کی تیاری کر رہے ہیں۔ فرمایا ہاں موت ضروری ہے تو نے نیکی اور بھلائی کا حق ادا کر دیا اور جناب رسولؐ کی شفاعت کی حقدار ہو گئی۔ اسی اثناء میں تین سو سپاہیوں نے گھر کا محاصرہ کر لیا جناب مسلم تلوار لے کر باہر نکلے اور اُن کے حملے کا دفاع کرنے لگے ابن زیاد کے فوجیوں اور جناب مسلم میں لڑائی شروع ہو گئی۔

جناب مسلم بن عقیل کی شجاعت

ایک طرف سینکڑوں مسلح افراد اور مقابلے میں تنہا مظلوم مسافر ستایا ہوا مہمان پریشان مجاہد مگر شجاعت ہاشم کا وارث دار اس دلیری سے لڑا کہ اکتالیس اور بروایتے ایک سو اسی سواروں کو موت کے

گھاٹ اتار دیا۔ باوجود اس بے کسی کے طاقت کا یہ حال تھا کہ ایک مرد کو ہاتھ سے پکڑتے اور مکان کی چھت پر پھینک دیتے۔ بنی ہاشم کا شیر تلوار کھینچ کر نعرۂ تکبیر لگا کر جب دشمنوں پر حملہ کرتا تو بزدل فوج بھاگتی نظر آتی ایسا معلوم ہوتا کہ بھیڑ بکریوں کے ریوڑ میں شیر گھس آیا محمد بن اشعث جو اس دستے کا سالار تھا اپنے آدمیوں کو کٹتے دیکھ کر فوراً ابن زیاد سے کمک کا طالب ہوتا ہے ابن زیاد کہلا بھیجتا ہے "ثکلتك امك وعدمك قومك" تیری ماں تیرے ماتم میں بیٹھے اور تیری قوم تجھے نیست و نابود کرے ایک مرد اتنا عظیم قتال کر رہا ہے وہ پردیسی مسافر ہے اس سے تو عاجز آگیا ہے۔ تو حسین ابن علی سے کس طرح لڑ سکے گا ابن اشعث نے لکھ بھیجا تو کیا سمجھتا ہے کہ مجھے کس کے مقابلے میں بھیجا ہے کیا وہ کوفہ کا سبزی فروش ہے

وہ تو ایک بہادر جوان شیر دلیر شجاعت کا پیکر ہے بنی ہاشم کا مانا ہوا بہادر جرنیل ہے پھر ابن زیاد نے مزید فوج بھیجی اور کہا کہ اسے امان کا فریب دے کر اس پر قابو پاؤ۔ چنانچہ ابن اشعث نے جناب مسلم کو امان کا وعدہ دے کر لڑائی روکنا چاہی لیکن جناب مسلم نے ان کی جھوٹی امان پر بھروسہ نہ کیا اور جنگ جاری رکھی لڑائی کا نقشہ یہ تھا کہ گلیاں خالی تھیں سامنے آنے کی کوئی جرأت نہ کرتا تھا کوٹھوں کی چھتوں پر چڑھ کر شیاطین پتھر برساتے اور عقیل کا لال پتھروں کی برسات میں زخمی ہو رہا تھا کچھ لوگ آگ روشن کر کے ہاشمی جوان پر پھینک رہے تھے اس لڑائی میں جناب مسلم کا بالائی ہونٹ کٹ گیا نچلے ہونٹ کو بھی زخم پہنچا اور اگلے دو دانت اکھڑ گئے آخر سفیر حسین لڑتے لڑتے تھک گیا اور ایک دیوار کا سہارا لے کر کھڑے ہو گئے لیکن اس حالت میں بھی ظالم برابر تیر اور پتھر مار رہے تھے اور جناب مسلم کہہ رہے کہ ظالمو! میں خاندان رسالت کا فرد ہوں تم اس طرح پتھر مار رہے ہو جس طرح کفار کو مارے جاتے ہیں۔

ہاشمی شیر گرفتار ہو گیا

آخر کار پھر اصرار کر کے قسمیں کھا کر امان کا وعدہ دیا ان کی قسموں اور امان کے وعدہ پر جناب مسلم نے لڑائی سے ہاتھ کھینچ لیا۔ تلوار نیام میں ڈال دی اور اپنے آپ کو ان ظالموں کے سپرد کیا۔ فوج اشقیاء ایک سواری پر سوار کر کے دار الامارہ لے چلی اور تلوار چھین لی جناب مسلم نے فرمایا کہ یہ تمہاری قسمیں کھانے کے بعد پہلی غداری اور پہلا دھوکہ ہے۔

جناب مسلم نے "انا للہ و انا الیہ راجعون" پڑھا اور پھر رونے لگے عبید اللہ بن عباس سلمی

تے کہا تم ایسا شخص جو ایسے کام کے لئے کھڑا ہوا اور جب ایسے حالات درپیش ہوں تو اسے رونا نہیں چاہیئے۔ جناب مسلم نے فرمایا نہ میں اپنی جان کے لئے رو رہا ہوں اور نہ ہی قتل سے ڈرتا ہوں میں تو اس لئے رو رہا ہوں کہ فرزند رسولؐ اور ان کے اہل و عیال اس طرف آرہے ہیں ان کے ساتھ کیا سلوک ہوگا۔ کاش کوئی جا کر فرزند رسولؐ سے کہتا مولا کوفہ کا رُخ نہ کرنا تیرا سفیر گرفتار ہوگیا ہے جب مسلم گرفتار ہوکر دارالامارہ میں پہنچے چونکہ شدت پیاس اور زخموں کی کثرت سے نڈھال تھے۔ پانی طلب کیا مسلم بن عمرو باہلی نے یہ گستاخانہ جواب دیا دیکھتے ہو کیسا ٹھنڈا پانی ہے۔ لیکن بخدا تم اس کا ایک قطرہ بھی نہیں چکھ سکتے یہ کیفیت دیکھ کے عمرو بن حریث نے اپنے غلام کو حکم دیا وہ پانی کی صراحی اٹھا کر لایا جس پر رومال ڈالا ہوا تھا۔ پیالہ بھی ساتھ تھا۔ اس نے پیالہ بھر کر جناب مسلم کی خدمت میں پیش کیا جونہی آپ نے پینے کا ارادہ کیا دہن سے خون جاری تھا پیالہ خون سے رنگین ہوگیا۔ جناب نے وہ پیالہ انڈیل دیا دوسرا پیالہ پینا چاہا پھر بھی ایسا ہوا اس بار خون کے ساتھ دو دانت بھی ٹوٹ کر پیالے میں گر گئے یہ حال دیکھ کر جناب مسلم نے فرمایا۔ ہر حال میں خدا کی حمد ہے۔ اب زندگی میں پانی میرے نصیب میں نہیں رہا اور پیالہ ہاتھ سے رکھ دیا۔

فرزندِ عقیل ابنِ زیاد کے دربار میں

اب تک یہ اسیر کوفہ دارالامارہ کے باہر گرفتار کھڑے تھے اب اندر لانے کا حکم ہوا ہاشمی غیرت کے پیکر نے ابنِ زیاد بدنہاد کو سلام نہ کیا۔ ساتھ والے سپاہیوں نے کہا آپ امیر کو سلام کیوں نہیں کرتے۔ ہاشمی مجاہد نے جواب دیا ”مالی امیرٌ سوی الحسینِ“ سوائے فرزندِ رسول حسینؑ کے کوئی میرا امیر نہیں۔ دربار ابن زیاد لوگوں کے ہجوم سے بھرا ہوا ہے۔ دارالامارہ کے آس پاس خلقِ خدا جمع ہے۔ بنو ہاشم کا پہلا مجاہد گرفتار ہوکر دربار میں پہنچتا ہے۔ جس شہر میں امیرالمومنینؑ کی حکومت تھی۔ جس شہر کے علیؑ سردار تھے اسی شہر میں اس سردار کا داماد کڑیوں میں جکڑا ایک مجرم کی حیثیت سے ابن زیاد کے روبرو پیش ہوتا ہے۔ چہرہ لہولہان ہے۔ بدن زخموں سے چور ہے۔ اہل و عیال سے دُور ہے۔

لوگ چہ میگوئیاں کر رہے ہیں اب مسلم کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا؟ کوئی کہتا ہے دمشق یزید کے پاس بھیجا جائے گا۔ کوئی کہتا ہے، یہیں دربار میں قتل کیا جائے گا کوئی کہتا ہے یزید کو

لکھا جائے گا وہاں سے حکم آنے تک زندان میں قید رہے گا۔ اسی اثنار میں حاکم کوفہ کی طرف سے سزائے موت کا امر صادر ہوتا ہے۔ جناب مسلم ابنِ عقیل نے کہا اگر تو مجھے قتل کرنا چاہتا ہے تو اتنی مہلت دے کہ میں کچھ وصیتیں کر لوں۔

دربار میں عمر بن سعد بیٹھا ہوا تھا۔ جناب مسلم نے اس کو بلایا اور علیحدہ لے گئے۔ جہاں ابنِ زیاد بھی ان کو دیکھتا تھا فرمایا

۱۔ جب سے میں کوفہ وارد ہوا ہوں میں سات سو درہم کا مقروض ہو چکا ہوں میری زرہ اور تلوار بیچ کر میرا قرضہ ادا کر دینا۔

۲۔ جب میں قتل ہو جاؤں تو میری لاش ابنِ زیاد سے لیکر دفن کر دینا۔

۳۔ امام حسینؑ کی طرف کوئی آدمی بھیجنا جو ان کو کوفہ آنے سے روکے کیونکہ جب میں کوفہ آیا تھا تو ان کا استقبال اور سلوک دیکھ کر میں نے ان کو خط لکھا تھا کہ مولا اہل کوفہ آپ کے بے حد مشتاق ہیں۔ جلد تشریف لے آویں میرے لکھنے کے مطابق وہ آ رہے ہوں گے۔ حالانکہ ان کا آنا مناسب نہیں۔ ان کے ساتھ چھوٹے چھوٹے بچے اور اہلِ پردہ مستورات ہیں کوفے کی فضا بدل چکی ہے ان کو روک دیں مولا کوفہ ہرگز نہ آئیں۔

عمر بن سعد نے اپنی کمینگی کا ثبوت دیتے ہوئے وصیتیں بتا دیں اس کے بعد جناب مسلم اور ابن زیاد میں کچھ سلسلہ کلام جاری رہا۔ سوال وجواب ہوتے رہے۔ جناب مسلم کے حقیقت پسندانہ اور جرأت مندانہ جوابات سے ابنِ زیاد کو مزید سوال وجواب کی تاب نہ رہی۔ ایک ظالم کو حکم دیا کہ دارالامارہ کی چھت پر لے جا کر شہید کرو۔

عزادارو! بنی ہاشم کے پہلے شہید کی یہ نرالی موت ہے۔ زنجیروں میں گرفتار مسلم کو محل کی چھت پر لے جایا گیا۔ اس وقت سفیرِ حسین کی زبان پر تسبیح و تکبیر اور استغفار وصلوٰت جاری تھے اور یہ بھی کہتے جاتے تھے "اللّٰھُمَّ اُحکُمْ بَینَنَا وَبَینَ قَوْمٍ غَرُّونَا وَکَذَّبُونَا وَخَذَلُونَا" خدایا ہمارے اور اس قوم کے درمیان فیصلہ کر جس نے ہمیں دھوکا دیا اور جھٹلایا اور کوئی مدد نہ کی۔ زخمی زبان پر یہ الفاظ جاری تھے کہ سر بدن سے قلم کیا گیا اور زخمی بدن محل کی بلندی سے فرشِ زمین پر گرایا گیا، بدن کا کوئی جوڑ سلامت نہ رہا۔ عربی شاعر نے جناب مسلم کی موت کا مرثیہ لکھا ہے۔

بَکَتْکَ دَمًا یَا ابْنَ عَمِّ الْحُسَیْنِ   مَدَا مِعُ شِیعَتِکَ السَّافِحَة

وَلَا بَرِحَتْ ھَاطِلَاتُ الْغَمَامِ   تُحَیِّیکَ غَادِیَةً رَائِحَة

اے حسینؑ کے چچازاد تجھ پر تیرے شیعہ خون کے آنسو روئیں۔ اور ہمیشہ صبح و شام کے بادل موسلا دھار بارش بطور ہدیہ پیش کریں۔

لانّك لم تروَ من شربةٍ — تناياكَ فيها غدرتْ طائحه
تقضي ولم تبلك اليايات — اما لك في المصر من نائحه

کیونکہ آپ کے اگلے دانت ٹوٹ گئے اور پانی کا پیالہ خون آمیز ہوگیا۔ آپ پانی نہ پی سکے اور پیاسے رخصت ہوگئے۔ ارمان ہے کہ آپ پردیس میں مارے گئے اور آپ کی لاش پہ کوئی گریہ نہ کر سکا۔ کیا کوفہ کے بھرے شہر میں کوئی نوحہ کرنے والی نہ تھی۔

رموك من القصر اذ وثقوك — فهل سلمت فيك من جارحة
وبالحبل في السوق جرّا سحبت — الست اميرهم البارحة

قربان جاؤں آپ کو باندھ کر محل کے اوپر سے فرش زمین پر گرا دیا گیا آپ کا کوئی عضو سلامت رہ گیا؟ آپ کی لاش کو کوفہ کے بازار میں پھرایا گیا اس سے پہلے آپ کو امیر نہیں مان لیا گیا تھا۔

ایک اور شاعر نے کہا ہے۔

قصر الامارة لا بنيت وليتما — نسفتك غاشية تغدت مهيلاً

ظالم حکومت کے محل تیری بنیاد نہ پڑتی اور تجھے حوادث گرا کر ایک ٹیلہ بنا دیتے

فبمسلم اذخرّ منك لوجهه — خرّ الحسين عن الجواد قتيلاً

جناب مسلم دارالامارہ سے منہ کے بل گرے اسی وجہ سے حسینؑ گھوڑے سے مجروح ہو کر رخسار کے بل گرے۔

ولبعد ما سحبوه في اسواقهم — سحبوا على ابن المسبي عليلاً

جناب مسلم تیری بلندی سے منہ کے بل فرش زمین پر گرائے گئے۔ اسی طرح جناب مظلوم امام سید الشہداء زخمی ہو کر رخسار کے بل خاک کربلا پر گھوڑے سے گرے

جب آپ کو کوفہ کے بازاروں میں تشہیر و توہین کے لئے پھرایا تو جناب سید سجاد کو قیدی بنا کے اسی کوفہ کے بازاروں میں تشہیر کیا گیا۔ فرق اتنا ہے کہ آپ کے ساتھ جناب ہانی بن عروہ تھے اور سید سجاد کے ہمراہ ان کی پھوپھیاں مائیں اور بہنیں تھیں۔

جناب ہانی بن عروہ کی شہادت

فان كنت ما تدرين ما الموت فانظري — الى هاني في السوق وابن عقيل

اگر تمہیں پتہ نہیں کہ موت کیا چیز ہے تو جناب ہانی و مسلم بن عقیل کی طرف بازار میں نظر کرو۔

الی بطل قد هشم السیف وجهه　　و آخر یهوی من طمار قتیل

دیکھ ایک بہادر دلیر کو تلوار نے جس کی ہڈیاں توڑ دی تھیں اور دوسرے شہید کو قتل کرنے کے بعد بلندی سے گرایا گیا ہے۔

اصابهما فرخ البغی فاصبحا　　احادیث من یسری بکل سبیل

ایک فاحشہ کے بیٹے نے ان کو بے دردی سے قتل کیا۔ اور اب ان کی موت کا افسانہ ہر راہ چلنے والے مسافر کی زبان پر ہے۔

تری جسدا قد غیر الموت لونه　　و نضح دم قد سال کل مسیل

تو دیکھے گا ایسے جسم کو کہ موت نے اس کا رنگ بدل دیا ہے اور اس بدن پر خون کی دھاریں بہتی رہیں۔

جناب ہانی بن عروہ اشراف کوفہ اور بزرگان شیعہ میں سے تھے قبیلہ بنی مراد کے سردار تھے۔ روایت کی گئی ہے کہ جناب رسالت مآب کی صحبت کا شرف بھی حاصل کیا۔ جنگ جمل میں امیر المومنینؑ کے ساتھ تھے اٹھانوے سال زندگی بسر کی۔ سعادت مند اور صالح تھے۔ جب حسین علیہ السلام کو مسلم اور ہانی کی شہادت کی خبر پہنچی تو انہوں نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور کئی مرتبہ رحمۃ اللہ علیہما فرمایا جب لوگوں کے سامنے رقعہ نکالا اور انہیں پڑھ کر سنایا اس کے بعد بیان فرمایا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اما بعد فقد اتانا خبر فظیع قتل مسلم ابن عقیل و ھانی بن عروہ و عبد اللہ بن یقطر ثم دعا علیہ السلام لہم بقول اللھم اجعل لنا و لشیعتنا منزلا کریما و اجمع بیننا و بینھم فی مستقر رحمتک انک علی کل شیئ قدیر۔

بعد حمد و صلوٰۃ کے ہمارے پاس ایک دردناک خبر آئی ہے مسلم بن عقیل ہانی بن عروہ اور عبد اللہ بن یقطر شہید کر دیئے گئے ہیں پھر ان کے لئے یہ دعا فرمائی۔

اے اللہ ہمارے اور ہمارے شیعوں کے واسطے کریم منزل بنا۔ اور ان کو ہمارے ساتھ اپنی رحمت کی قرار گاہ میں جمع کر بے شک تو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

جناب ہانی کے شرف و فضل اور بلند رتبے میں یہی بات کافی ہے کہ انہوں نے جناب مسلم کو اپنے گھر میں پناہ دی اور اپنی مددان کے پیش کی۔ آدمی اور ہتھیار ان کے لئے مہیا کئے اور ابن زیاد کے سپرد کرنے سے انکار کر دیا۔ ظلم و تشدد اور عذاب زندان منظور کر لیا۔ لیکن اپنے مہمان کو ایک ظالم کے

سپرد کرنا گوارہ نہ کیا۔ بے شک جناب ہانی شہداء میں سے ہیں

قبل ازیں جنابِ ہانی کی گرفتاری اور دارالامارہ کے زندان میں اُن کی قید بیان کی جا چکی ہے۔ جب ہانی پر ابنِ زیاد نے دباؤ ڈالا کہ مسلم کو پیش کرو ورنہ تیری گردن ماردی جائے گی۔ اُس وقت جناب ہانی نے جواب دیا پھر کثرت سے تلواریں تیرے آس پاس چمکیں گی۔ ابنِ زیاد نے کہا تو مجھے تلواروں سے ڈراتا ہے۔ میرے قریب ہو جب قریب گئے تو ابنِ زیاد نے اُن کے چہرے پر اس قدر چھڑی کی ضربیں ماریں کہ اُن کے ناک کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ پیشانی اور رخسار زخمی ہو گئے چہرہ لہولہان ہو گیا کپڑے خون سے تر ہو گئے اور پیشانی اور رخساروں کا گوشت ان کی ریش پر گرنے لگا چھڑی ٹوٹ گئی۔ جناب ہانی نے ایک سپاہی کی تلوار کے قبضے پر ہاتھ مارا۔

پس ابنِ زیاد چلایا اور کہا ارے جلدی پکڑ لو لوگوں نے اسے پکڑا اور کھینچ کر ایک کمرے میں بند کر دیا عمر ابن حجاج کو خبر پہنچی کہ ہانی قتل ہو گئے ہیں عمر ابن حجاج کی ہانی کی زوجہ تھی اُس نے مذحج قبیلہ کے لوگ اکٹھے کئے اور ابنِ زیاد کے محل کا محاصرہ کر لیا اور عمر ابن حجاج نے پکار کر کہا یہ مذحج کے سوار اور سردار ہیں اور ہمیں یہ خبر ملی ہے کہ ہمارا ساتھی ہانی قتل کر دیا گیا ہے جب عبداللہ بن زیاد کو اُن کا اجتماع اور ان کی باتیں معلوم ہوئیں اس نے فوراً قاضی شریح کو بلایا اور حکم دیا کہ تو ہانی کے پاس جا اُسے دیکھ اور اُس کی قوم کو اس کی صحت اور سلامتی کی خبر دے۔ قاضی شریح نے محل پر چڑھ کر ہانی کے قبیلے کو اطلاع دی کہ ہانی زندہ ہیں اور صحیح وسلامت ہیں۔

قاضی شریح نے نہایت غلط بیانی سے کام لیا اور حکومت وقت کی خوشامد، چاپلوسی میں ہانی کے صحیح حالات نہ بتائے جس طرح کے ہانی کے قبیلے کے ہزاروں افراد مسلح ہو کر آئے تھے اور بھرے ہوئے شیر کی طرح حملہ کرنے پر تیار تھے اگر قاضی شریح جھوٹ نہ بولتا تو دارالامارہ کی اینٹ سے اینٹ بج جاتی اور سپاہِ ابن زیاد گاجر مولی کی طرح کٹتی نظر آتی۔ کوفہ کی گلیاں خون سے لالہ زار بن جاتیں اور واقعہ کربلا کا نقشہ ہی بدل جاتا نہ ابنِ زیاد رہتا اور نہ اس کی ظالم فوج کوفہ مسمار ہو جاتا اور آلِ محمد کو یہ دکھ نہ دیکھنے پڑتے۔ قاضی شریح کی بددیانتی اور کذب بیانی سے ہانی کی قوم منتشر ہو گئی ابن زیاد اور اس کا محل بچ گیا

جنابِ ہانی امیر مسلم کی شہادت تک زندان میں رہے اور اُن کی شہادت کے بعد ابنِ زیاد نے حکم دیا کہ ہانی کو بھرے بازار میں لے جا کر قتل کر دو پس ہانی کو اُس جگہ لے گئے جہاں بھیڑ بکریاں فروخت کی جاتی ہیں جنابِ ہانی کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے اور وہ یہی کہتے جا رہے تھے وامذحجاہ لاے مبرا

قبیلہ مذحج آج کہاں ہو۔ اگر دس آدمی بھی قبیلہ مذحج کے آجاتے تو مجھے چھڑا کے لے جاتے۔ جب دیکھا کہ اب کوئی مددگار نہیں ہے۔ اپنا ہاتھ کھینچا اور رسیوں سے جدا کر لیا، پھر کہا مجھے کوئی لاٹھی دے دو۔ کیا کوئی چھری نہیں، کوئی پتھر نہیں، کوئی ہڈی نہیں۔ باوجود ضعیفی کے شجاعت اور رعب وجلال کا یہ عالم تھا کہ لوگ دور ہو گئے تھے۔ سب نے مل کر اُسے پکڑا اور مضبوطی سے اُس کے ہاتھ باندھے پھر ہانی سے کہا اپنی گردن دراز کر۔ جناب ہانی نے اُنہیں قابو نہ دیا۔ عبیداللہ کا ایک ترکی غلام تھا جسے رشید کہتے تھے اُس نے باندھے ہوئے ضعیف اور مظلوم ہانی پر تلوار کا وار کیا لیکن یہ وار بے اثر گیا۔ جناب ہانی کی زبان پر یہ الفاظ تھے الی اللّٰہِ المعاد اللّٰھم الی رحمتک و رضوانک۔ پھر اس لعین نے دوسرا وار کیا۔ جناب ہانی کا سر کٹ گیا۔ ابن زیاد نے جناب مسلم اور ہانی کے سروں کو دمشق بھیج دیا اور یزید نے دونوں سروں کو دمشق کے ایک بازار میں لٹکا دیا پھر ابن زیاد ملعون نے جناب مسلم اور ہانی کے پاؤں میں رسیاں باندھیں اور کوفے کے بازاروں میں ان دونوں شہیدوں کی لاشوں کو پھرایا گیا۔ جب بنی مذحج کو اُن کے قتل اور لاش کی بے حرمتی کی خبر پہنچی تو وہ ہتھیار لگا کر گھوڑوں پر سوار ہو کر آئے اور لڑائی کے بعد مسلم اور ہانی کی لاشوں کو اُن سے لے لیا اور غسل وکفن کے بعد دفن کر دیا۔

یتیمانِ مسلم

جنابِ مسلم بن عقیل کے دو شہزادے کوفہ میں نہایت بے دردی و بے رحمی سے شہید ہوئے ان کی شہادت کا دردناک واقعہ کتبِ تاریخ و مقاتل میں مذکور ہے۔ زندان میں قید ہونا اور حارث کے ہاتھوں فرات کے کنارے شہید ہونا باتفاق مورخین منقول ہے لیکن کس طرح گرفتار ہوئے اور کس طرح ابنِ زیاد کے قبضہ میں آئے اس میں اختلاف ہے۔

تاریخ اعثم کوفی اور ناسخ التواریخ وغیرہ میں مکتوب ہے کہ مکہ سے جناب مسلم بن عقیل علیہما السلام کی روانگی کے وقت یہ کمسن شہزادے باپ کے ہمراہ تھے اور والد بزرگوار کے ساتھ وارد کوفہ ہوئے۔ اور شیخ صدوق علیہ الرحمہ نے امالی میں اور دیگر مورخین نے نقل کیا ہے کہ بعد شہادت حسین علیہ السلام جب خیموں کو آگ لگائی گئی اور اہل بیت کے بچے گھبرا کر صحرا میں نکل گئے۔ مائیں اپنا پردہ بچاتے ہوئے جنگل میں دوڑیں۔ سہارا تلاش کرتی تھیں مگر منہ چھپانے کو جگہ نہ ملتی تھی۔ مائیں بچوں سے غافل

اور بچے ماؤں سے غافل بے تحاشا صحرا کی جانب بھاگے آخر یہ دو نوکمسن صاحبزادے لشکر ابن زیاد کے کسی سردار کے ہاتھ میں آئے اس نے اسیر کرکے کوفہ میں ابن زیاد کے پاس پہنچا دیا۔ ابن زیاد نے دارغہ قید خانہ کو بلایا۔ ان دونوں بچوں کو اس کے حوالہ کیا اور حکم دیا کہ انہیں قید خانہ میں رکھنا نہ ٹھنڈا پانی دینا نہ اچھی غذا اور نہ ان پر رحم کرنا۔

ناسخ التواریخ کے مطابق یہ دونو بچے باپ کے ہمراہ کوفہ میں آئے تھے جب جناب ہانی میزبان جناب مسلم گرفتار ہوگئے اور جناب مسلم نے حضرت ہانی کا گھر چھوڑ دیا تو اپنے دونوں بچوں کو قاضی شریح کے سپرد کر دیا یہ دونو صاحبزادے قاضی شریح کے پاس اس کے گھر میں رہے جب حضرت مسلم شہید ہوگئے اور جناب ہانی بھی مرتبہ شہادت پا گئے اور عبداللہ بن زیاد کو خبر مل چکی تھی کہ مسلم کے ہمراہ ان کے صاحبزادے بھی تھے اس ملعون نے شہزادوں کی خبر دینے کا اعلان کرایا۔ قاضی شریح نے بیٹے کو ہدایت کی تھی کہ ان بچوں کو اس قافلہ کے ہمراہ کر دے جو مدینہ جانے والا ہے۔ قاضی کے فرزند جس کا نام اسد تھا۔ ان بچوں کو رات کے وقت کوفہ سے باہر نکالا اور قافلہ اس سے پہلے روانہ ہو چکا تھا۔ بہر حال وہ بچے رات بھر پھرتے رہے لیکن راہ نہ چل سکے اور کوفہ سے باہر سفر نہ کر سکے۔ آس پاس رہے کوفہ کے کچھ آدمیوں نے انہیں ابن زیاد کے پاس پہنچا دیا اور ابن زیاد نے قید کر دیا۔ اور داروغہ زندان کو سختی کرنے کا حکم دیا۔

بہر حال ہر دو روایتوں کے مطابق یہ کمسن یتیم شہزادے وطن سے مہجور محزون و رنجوار، ماں باپ سے دور اپنے نانا کے دارالخلافہ کوفہ میں محبوس زندان ہیں۔ داروغہ حکم ابن زیاد کے مطابق سختی کرتا ہے، صرف ایک کوزہ پانی اور آٹھویں پہر دو روٹیاں ان یتیموں کے پیش کرتا۔ قید کی مدت طویل ہوتی گئی اور بچے ماں باپ عزیزوں کی جدائی وطن سے فراق کے صدمہ میں شب و روز مصروف گریہ و بکا رہتے، مدینہ کی طرف رخ کرکے کبھی جد امجد کو پکارتے اور اماں اماں کرکے روتے رہتے۔ کبھی ماموں حسینؑ اور کبھی ماموں عباسؑ کو یاد کرتے۔ پردیس میں طاقت ور جوان بھی کمزور ہو جاتا ہے یہ تو کمسن بچے تھے۔ پہلا اتفاق تھا کہ گھر سے نکلے اور یہ ایسا سوء اتفاق تھا کہ پھر گھر جانا ماں کو اور عزیزوں کو دیکھنا نصیب نہ ہوا۔ پردیس اور مسافرت بھی ایک دکھ ہے اور قید ایک مزید مصیبت ہے۔ شہزادوں کا دستور تھا کہ ایک دوسرے کے گلے میں باہیں ڈال کر سوتے جب چھوٹا شہزادہ بے قرار ہوتا اور غمگین ہو کر ماں کو یاد کرتا تو بڑا شہزادہ تسلیاں اور دلاسے دیتا اس کے سوا کوئی اور چارۂ کار بھی نہ تھا۔ ایک دن شہزادوں نے یہ مشورہ کیا کہ کب تک قید کی صعوبتیں اور زندان کی گرمی برداشت کریں گے داروغہ کو اپنے نسب اور جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ قرابت کا ذکر کر دیں شاید ہمارے ساتھ کچھ رحمدلانہ سلوک کرے۔ اور ہم اس تنگی سے نجات

پا جائیں۔ حسبِ معمول داروغہ جس کا نام مشکور بیان کیا جاتا ہے، شام کے وقت دو روٹیاں اور ایک کوزہ پانی کا لایا اور شہزادوں کو دیا چھوٹے شہزادے جناب ابراہیم نے گلوگیر آواز میں مشکور سے کہا یا شیخ اَتَعرِفُ مُحَمَّدَنِ المُصطَفٰے کیا تو محمد مصطفےٰ کو پہچانتا ہے۔ اس نے کہا کہ کیوں نہیں پہچانتا وہ تو میرے نبی ہیں میں ان کا کلمہ پڑھتا ہوں۔ پھر شہزادے نے پوچھا قَالَ اَفتَعرِفُ جَعفَرَ بنَ ابیطالب۔ کیا تو جناب جعفر کو پہچانتا ہے۔ داروغہ نے کہا ہاں پہچانتا ہوں، خدا نے ان کو دو پر بازوؤں کے بدلے عطا فرمائے ہیں جن کے ساتھ وہ جنت میں ملائکہ کے ساتھ پرواز کرتے ہیں۔ بعد ازاں شہزادے نے دریافت کیا۔ اَفتَعرِفُ عَلِیَّ ابنَ ابیطالب کیا تو علی بن ابیطالب کو جانتا ہے۔ اس نے کہا کیوں نہیں وہ ہمارے پیغمبر کے بھائی ان کے وصی اور میرے امام ہیں۔ اس کے بعد شہزادوں کے آنسو اُبل پڑے اور کہا شیخ جس پیغمبر کا تُو کلمہ پڑھتا ہے ہم اس کے اہلِ بیت سے ہیں جس علی کو تو امام مانتا ہے ہم اس کے نواسے ہیں ہم مسلم بن عقیل کے شہزادے ہیں۔ غریب الوطن یتیم سیّد ہیں۔ مشکور تو بھی صاحبِ اولاد ہوگا تیرے دل میں اولاد کی محبت ہوگی تو دروازے سے ہم کو کھانا اور پانی پہنچاتا ہے۔ گرمی کی وجہ سے تو زندان میں داخل نہیں ہوتا۔

آخر ہم بھی کسی کی اولاد ہیں۔ ہم بھی کسی ماں کے لختِ جگر اور کسی باپ کے نورِ نظر ہیں۔ اتنا عرصہ ہو گیا ہے تیرے زندان میں اسیر جفا ہیں کسی یتیم اور پردیسی پر اتنی سختی جائز ہے جتنی تو نے اولادِ رسول پہ روا رکھی ہے۔ یتیم پر تو رحم کرنے کا حکم ہے۔ تو ستم کرتا ہے۔ ہم آلِ محمد کے یتیم ہیں اور اہلِ کوفہ کے بلائے ہوئے مہمان کے فرزند ہیں۔ داروغہ زندان نے جب یتیم شہزادے کی فریاد سُنی اندرونی طور پر وہ محب خاندانِ رسول تھا جب اسے معلوم ہوا کہ قیدی جنابِ مسلم کے یتیم اور علیؑ کے نواسے ہیں۔ اس کا رنگ بدل گیا۔ شہزادوں کے قدموں پر گر پڑا قدموں کے بوسے لیے آنکھیں ملیں ہاتھ جوڑ کر گذشتہ غلطیوں کی معافی مانگی بہت رویا کہا آقازادے مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ فرزندانِ جنابِ مسلم ہیں حسینؑ کے بھانجے اور علیؑ کے نواسے ہیں شہزادے یہ زندان کا دروازہ کھلا ہے۔ جس طرف چاہیں آپ نکل جائیں۔ میرا ضمیر مجھے کوس رہا ہے۔ میری ایمانی غیرت مجھے ملامت کر رہی ہے۔ آپ آزاد ہیں آپ باہر چلے جائیں آپ کے رہا کرنے میں ابن زیاد کی سختیوں کو میں کھلے دل سے قبول کرتا ہوں اور مصیبتوں کو خندہ پیشانی سے منظور کروں گا۔ میری جان آپ کی حفاظت کے لئے قربان ہو جائے تو میرے لئے سعادت ہے۔ خدا مجھے توفیق نہ دے کہ سادات کے بچوں کے ہاتھوں میں رسیاں باندھوں اور اہلِ بیتِ رسولؐ کے بچوں کا داروغہ زندان بنوں۔ معصوم شہزادے تو زندان سے آزاد ہو کر چلے گئے۔ رات بھر پھرتے رہے مدینہ کا راستہ نہ پایا۔

معصوم شہزادے سفر سے ناآشنا تھے نہ راستے چلنے کے عادی تھے رات بھر چلتے رہے مگر کوفہ سے باہر نہ جا سکے۔ دن کو سفر خطرہ سے خالی نہ تھا اسی خوف سے دن کو سفر نہ کر سکے اور ایک باغ میں چھپنے پر مجبور ہو گئے۔ دن کے وقت چھپ رہے۔

بنا بر روایت ناسخ التواریخ ایک باغ میں چھپ رہے۔ جس میں ایک تالاب تھا کوفہ کی ایک کنیز عورت اس تالاب میں پانی بھرنے کے لئے آئی یہ معصوم شہزادے ایک درخت پر چڑھ گئے وہ حبشی کنیز جب پانی بھرنے لگی تو صاف پانی میں دو حسین و جمیل شکلیں نظر آئیں۔ ننھے شہزادوں کے نورانی چہروں کا عکس تالاب کا شفاف پانی لے رہا تھا۔ عورتیں عموماً نرم دل ہوتی ہیں جب پردیسی بچے اور بے وارث یتیم انہیں نظر آتے ہیں تو ان کی خستہ حالی پر انہیں رحم آجاتا ہے اور ہر ممکن مدد کرتی ہے۔ چنانچہ جب اس کنیز نے ان معصوم شہزادوں کو دیکھا تو نہایت نرمی کے ساتھ ان سے حالات دریافت کیے۔ معصوم شہزادوں نے کنیز کے سامنے اپنی کیفیت بیان کر دی اس عورت نے کہا کہ میری مالکہ خاندانِ رسالت کے ساتھ بہت محبت رکھتی ہے۔ امید ہے کہ وہ تمہارے ساتھ بہت اچھا سلوک کرے گی اور تم غریب الوطن مظلوموں کو پناہ دے گی۔ شہزادے اس کنیز کے دلاسا دینے پر اس کے ساتھ اس کی مالکہ کے گھر میں آئے۔ کنیز نے ان یتیموں کی سرگزشت بیان کی۔ اس صاحبِ خانہ عورت نے بچوں کو گلے لگایا ان کے بوسے لئے۔ ان کی عزت و تکریم کی کھانا پیش کیا اور اپنی کنیز کے اس حسنِ عمل پر بہت خوش ہوئی۔ بچوں کو کھانا کھلا کر اس نے گھر میں چھپا دیا اور کنیز کو اس بات کے چھپانے کی تاکید کی کیونکہ اس گھر کی مالکہ کا شوہر سنگدل ظالم تھا۔

جنابِ مشکور کی شہادت

جب ابنِ زیاد کو مشکور کے ان شہزادوں کو رہا کرنے کی خبر ملی اس نے مشکور کو دربار میں طلب کیا اور رہا کرنے کی وجہ دریافت کی تو مشکور نے جواب دیا کہ میں نے قرابتِ رسولؐ کا پاس کیا اور ان یتیموں کو قید میں رکھنے کی ہمت نہ رکھ سکا ابنِ زیاد نے کہا کیا تو نے میرے غضب کی کوئی پرواہ نہ کی اور میرے حکم کی نافرمانی کی مشکور نے جواب دیا میں تیرے غضب سے تو نہ ڈرا بلکہ قہر الٰہی سے خوف کھایا تو نے ان کے باپ کو قتل کیا اور اب ان یتیموں کو بھی قتل کرتا ہے۔ کیا تجھے ان کی کم سنی پر رحم نہیں آتا۔ یہ جواب سن کر ابنِ زیاد غضب ناک ہو گیا اور جلاد کو حکم دیا کہ مشکور کو پانچ سو کوڑے مارے جائیں اور اس کا سر تن سے جدا کر دیا جائے۔ مشکور نے جب اپنی سزا کا حکم سنا

تسبیح و تقدیس جناب باری تعالیٰ بجالایا۔ جناب مشکور کے یہ الفاظ تھے "هذا فی الله و فی حُبِّ اهل بیتِ رسول الله قلیلٌ" اللہ اور رسول اللہ کے اہل بیت کی محبت میں یہ سزا بہت کم ہے۔

پھر اس نے یہ دعا پڑھی " اَللّٰهُمَّ اَستَعِینُ بِکَ وَ اَطلُبُ مِنکَ الفَرَجَ وَالرَّوحَ وَالقَبرَ فَاِنِّی قُتِلتُ فِی حُبِّ اَهلِ بیتِ نَبِیِّکَ اَللّٰهُمَّ اَلحِقنِی بِنَبِیِّکَ وَآلِه"

اس کے بعد یہ محب یتیمانِ مسلم خاموش ہو گیا، اس سرشارِ محبت خاندانِ رسالت اور طالب شہادت کا بدن تھا اور کوڑوں کی ضربیں تھیں۔ جب پانچ سو کوڑے اس سعادت مند فدائی کا جسم کھا چکا تو اس نے نہایت کمزور آواز کے ساتھ پانی طلب کیا مگر ابن زیاد نے پانی دینے سے روک دیا اور حکم دیا کہ اسے پیاسا ہی قتل کر دو۔ عمرو بن حارث آگے بڑھا اس کے حق میں سفارش کی اور گھر اٹھا کر لے گیا تاکہ دوا دارو کرے لیکن بدن صحت پانے کے قابل نہ رہا۔ مشکور نے آنکھ کھول کر کہا اب مجھے پانی کی ضرورت نہیں رہی ساقی کوثر نے مجھے آبِ کوثر سے سیراب کر دیا اس کے بعد یتیمانِ مسلم کے حال پہ رحم کرنے والا حق خاندانِ رسالت پہچاننے والے اور اپنی جان یتیمانِ آلِ محمد پہ قربان کرنے والا سعادت پاکر شہادت کا مرتبہ حاصل کر گیا اور جوارِ رحمت صحبت جناب سرکار رسالت میں پہنچ گیا۔

جنابِ مشکور کی شہادت کے بعد ہم یتیمانِ جناب مسلم کی شہادت لکھتے ہیں۔

شہزادے دن بھر تو مکان میں چھپے رہے۔ جب رات چھا گئی۔ تو اس عورت کا شوہر جس کا نام حارث تھا یا بروایت اس کا داماد تھکا ماندہ۔ غصے اور پریشانی کی حالت میں گھر لوٹا۔ اس کی زوجہ نے رات گئے باہر رہنے اور پریشانی اور تھکاوٹ کی وجہ پوچھی تو اس نے جواب دیا کہ مشکور داروغۂ زندان نے مسلم کے صغیر السن بچے قید سے رہا کر دیئے تھے وہ کہیں چلے گئے۔ ابن زیاد نے ان کی گرفتاری کی منادی کرائی تھی اور پکڑ کر لانے والے کے لئے خلعت اور بہت سے انعام کا اعلان کیا تھا میں اس خلعت اور انعام کی لالچ میں ان کی تلاش میں سرگرداں پھرتا رہا تمام راہیں چھان ماریں تمام گلیاں اور سڑکیں دیکھیں لیکن ان کا سراغ نہ پا سکا۔ پریشان حال اور تھکا ماندہ ناکام ہو کر واپس آیا ہوں۔ تمنا تھی اگر وہ یتیم مل جاتے تو ان کی گرفتاری پہ انعام حاصل کرتا۔ اس کی نیک دل زوجہ نے اسے ملامت کی کہ چند سکوں کے عوض آلِ رسولؐ کے یتیموں کے قتل کے درپے ہوتا۔ جس رسول کا کلمہ پڑھتا ہے اس کی اہل بیت کے یتیموں معصوم بے گناہوں کے ناحق خون میں ہاتھ رنگین کیوں کرتا ہے۔ اس کی زوجہ کی نیک نصیحت کا اس بدشعار اور سنگدل جفاکار پہ کوئی اثر نہ ہوا۔

اس مومنہ نے منافق شوہر کے سامنے کھانا رکھا کھا کر وہ شقی نابکار بستر پر دراز ہو گیا۔ یتیم شہزادے

ایک دوسرے کے گلے میں باہیں ڈال کر خوفِ حاکم سے سہمے ہوئے سو رہے تھے۔ بڑے شہزادے کا نام محمد ہے چھوٹے کا ابراہیم۔ بڑا شہزادہ عالمِ خواب سے گھبرایا ہوا بیدار ہوا۔ چھوٹے بھائی سے کہتا ہے اماں جایا! موت ہمارے سروں پر منڈلا رہی ہے۔ ہماری زندگی کے ایام ختم ہونے ہیں اس نے ننھے بھائی کو گلے لگایا بے وطن شہزادوں کے آنسو بہنے لگے۔ اپنے چھوٹے بھائی کو بڑا شہزادہ خواب سُنا رہا ہے۔

میرے بھائی! میں نے خواب میں دیکھا ہے۔ جدِ امجد جناب محمد مصطفٰے۔ نانا علی مرتضیٰ، جناب فاطمۃ الزہراء ماموں حسنِ مجتبیٰ اور بابا مسلم کو جنت میں دیکھا ہے۔ جدِ امجد جناب محمد مصطفٰے بابا مسلم کو فرما رہے ہیں مسلم! تو نے معصوم یتیموں کو کس طرح بے وارث کر کے دشمنوں میں چھوڑ دیا ہے۔ بابا مسلم نے عرض کی یارسول اللہ! وہ کل ہمارے پاس پہنچ جائیں گے۔ معلوم ہوتا ہے کل صبح ہم اپنے بابا کو جا ملیں گے۔ چھوٹے شہزادے نے جواب دیا۔ اماں جایا! میں نے بھی یہی خواب دیکھا ہے۔

آ بھائی! میرے گلے لگ جا مجھے گلے لگا لے دونوں بھائی دبی آواز میں ایک دوسرے کو گلے لگا کر رو رہے تھے کہ سنگدل ملعون نے بچوں کی آہستہ آہستہ آوازیں سنیں، اس نے جان لیا کہ میرے گھر میں کچھ غیر آدمی ہیں۔ اپنی بیوی سے اس نے دریافت کیا اس نیک دل مومنہ نے تو کوئی جواب نہ دیا۔ یہ ملعون خود بستر سے اٹھا رات کی تاریکی میں لڑکھڑاتا چلا دیواریں پکڑ کر آنے والی مدھم آوازوں کی جانب لپکا۔ معصوم شہزادوں کو اس سنگدل کی آمد اور حال کا پتہ نہ تھا اور نہ یہ جانتے تھے کہ قاتل کے گھر میں پوشیدہ ہیں اور یہی قاتل ہماری تلاش میں سارا دن سرگرداں رہا۔ وہ ملعون لڑکھڑاتا ہوا اس جگہ پہنچا جہاں یتیم بے قرار بیٹھے تھے بے رحم کا ہاتھ معصوم کی چوٹی پر پڑا۔ صغیر شہزادے کے بالوں کو پکڑ کر کہا مَنْ اَنْتُمَا؟ وَمَا تَصْنَعَانِ فِیْ ھٰذَا الْمَکَانِ؟ تم دونو کون ہو۔ اور اس جگہ کیا کام ہے؟ کیوں آئے ہو؟ یتیموں نے جواب دیا نَحْنُ اَضْیَافُکَ؟ وَمِنْ عِتْرَۃِ نَبِیِّکَ وَوَلَدَا مُسْلِمِ بْنِ عَقِیْلٍ۔ ہم تیرے مہمان ہیں اور تیرے پیغمبر کی عترت و اہل بیتؑ سے ہیں اور مسلم بن عقیل کے فرزند ہیں۔

اس ملعون نے کہا تمہاری ہی تلاش میں میں نے اپنے آپ کو اور اپنے گھوڑے کو خراب و تباہ کیا اور سارا دن سرگرداں رہا اور تم میرے گھر میں ہو۔

وہ ملعون غریب الوطن شہزادوں کو طمانچے مارنے لگا اور معصوم شہزادے دہائی دینے لگے اس کے بعد اس نے ان یتیموں کے ہاتھ باندھ دیئے بعض روایت میں ہے کہ ایک ستون کے ساتھ باندھ دیئے خود تو اپنے بستر پر آرام کرنے کے لئے لیٹ گیا اور یہ شہزادے ساری رات بندھے رہے اور بابا اور ماموں کو یاد کر کے روتے رہے۔ کس قدر مصیبت کی گھڑی اور درد و الم کی رات تھی کہ عالمِ غربت

میں بیکسی کی حالت میں فریاد کرتے تھے اور کوئی ناصر و مددگار نہ تھا شدتِ درد سے چلاتے تھے مگر کوئی ہمدرد نہ تھا۔ بندھے ہوئے ہاتھوں کی وجہ سے باہم گلے مل نہ سکتے۔ پردیس میں جوان آدمی کا دل بھی گھبرا جاتا ہے۔ اور یہ صغیر السن بچے اپنے دکھوں، مصیبتوں اور زندگی کی آخری رات میں کبھی نانا کو پکارتے کبھی بابا کو اور کبھی ماموں حسینؑ اور ماموں عباسؑ کو یاد کرتے بار بار اماں اماں کہتے مگر نہ وہاں نانا نہ باپ نہ ماں نہ ماموں کس حالت میں وہ رات انہوں نے گزاری اس کو یتیموں کے دل یا حارث کی زوجہ سے پوچھیئے وہ نیک دل عورت اور تو کچھ نہ کر سکتی تھی ان کے قریب آکر ان کے دست و پا کو بوسے دینے لگی۔ اس عورت کا پیار دیکھ کر ان معصوموں کو ماں کا پیار یاد آگیا۔ ماں کی طرف دھیان پھر گیا اماں اماں کہتے لیکن ماں سے دور ماں کی جدائی ان کی مصیبت بڑھا رہی تھی۔

عزادارو! جب کسی ماں کا لختِ جگر گم ہو جائے تو اس ماں کو چین نہیں آتا کھانا نہیں کھا سکتی نیند نہیں آتی بستر پر سو نہیں سکتی بار بار اُٹھ کر نورِ نظر کو پکار کر فریاد کرتی ہے۔ نہ معلوم کیا حال ہوا ہوگا اُجڑی رقیہ کا جب مسلم کی شہادت کی خبر سُن کر یتیموں کے گم ہو جانے کی خبر سُنی ہو گی۔ مگر کس سے فریاد کرے کسے یاد کرے۔ یہاں تو بھری گودیں اُجڑ رہی تھیں اور کئی نورِ نظر آنکھوں سے غائب ہو رہے تھے۔ اور بچہ جب گم ہو جاتا ہے تو کس قدر بے قرار ہو جاتا ہے۔ وطن کو یاد کرتا ہے۔ ماں باپ کو یاد کرتا ہے عزیزوں کو یاد کرتا ہے کیا اس کے آنسو تھم جاتے ہیں کیا اس کے دل کی دھڑکنیں رُک سکتی ہیں۔ کیا اسے چین نصیب ہوتا ہے۔ اور جب بچھڑے ہوئے لال ماں کو مل جاتے ہیں تو کون آنسو ضبط کر سکتا ہے۔ مگر یہ فراق ایسا تھا جو ملاپ سے بے نصیب رہا۔ ماں کو پتہ نہیں میرے لال کہاں ہیں۔ اور بچوں کو خبر نہیں ماں کہاں ہے۔ بہر حال یہ دُکھ بھری رات درد ماری رقیہ کی جوڑی نے آہوں اور سسکیوں کے ساتھ گزار دی۔

جب سحر نمودار ہوئی اور صبح کی سفیدی شہزادوں کے خون کا پیام لائی وہ شقی بالیکار بستر سے اٹھا ہتھیار لگائے۔ بچوں کو پکڑا نہایت سنگدلی کے ساتھ معصوموں کی چوٹیوں میں ہاتھ ڈالا۔ بچے شدت درد اور ظالم کی مہیب صورت سے چلا اٹھے بچے روتے تھے لیکن ظالم کو ترس نہ آتا تھا بے رحمی کے ساتھ بچوں کو کھینچتا تھا۔

حارث بچوں کو دریائے فرات کے کنارے ذبح کرنے کے لئے لے گیا اور اس کی بیوی اس کے پیچھے دہائی دے رہی تھی یہ بچے یتیم ہیں بے قصور ہیں ہمارے مہمان ہیں کمسن ہیں عترتِ رسولؐ ہیں۔ چند سکوں عوض انہیں قتل نہ کر مگر اس پاک دل مومنہ کی فریاد پر اس نے توجہ نہ کی غلام کو حکم دیا کہ

ان بچوں کے سر قلم کرے۔ غلام نے انکار کر دیا کہ میں عترت رسول کے ناحق خون میں ہاتھ رنگین نہیں کرنا ایک روایت میں ہے کہ غلام نے تلوار پکڑی تو بچوں نے کہا اے غلام تو شکل میں بلال مؤذن رسول کے کس قدر مشابہ ہے۔ ہم عترتِ رسولؐ اور ذریت علیؑ ہیں۔ ہمارے قتل سے کنارا کر غلام نے تبیان عترت پیغمبر کے دست و پا چومے تلوار ہاتھ سے پھینک دی۔ ایک روایت میں ہے کہ وہ غلام اپنے مالک حارث ملعون کے ہاتھوں قتل ہو گیا تھا اور ایک روایت بتاتی ہے کہ وہ دریا میں کود پڑا اور تیر کر دوسرے کنارے جا لگا اس طرح وہ سنگدل مالک کی عقوبت سے بچ گیا۔ پھر اس نے اپنے لڑکے سے کہا کہ یہ تمام دنیا و دولت زر و مال جائز و ناجائز طریقے سے تیرے ہی لئے جمع کر رہا ہوں تلوار لے اور ان کمزور غریب ناتوان بچوں کے سر جدا کر۔ اس کے بیٹے نے بھی اس عظیم جرم کے ارتکاب سے انکار کر دیا آخر اس بے رحم بدبخت دنیا نے کہا کہ یہ کام سوائے میرے کوئی اور نہیں کر سکتا۔ تلوار خود پکڑی بچوں نے سمجھ لیا کہ یہی ہمارا قاتل ہے اور یہ درگزر نہ کرے گا اس واسطے احتجاجاً" کہا یا شیخ! ہمیں قتل نہ کر ہمیں غلام بنا کر بازار میں بیچ دے تجھے انعام کے برابر مال مل جائے گا۔ روزِ محشر محمدؐ مصطفٰےؐ کو ہمارے خون کا مدعی نہ بنا۔ حارث نہ مانا۔ بچوں نے کہا ہمارے ماموں تجھے تیرے متوقع انعام سے زیادہ مال دیں گے ہمیں قتل نہ کر ہماری ماں کی امنگیں برباد نہ کر ہماری بہنوں کو سوگوار نہ کر حارث نہ مانا۔ بچوں نے کہا ہمیں زندہ ابن زیاد کے پاس لے چل وہ خود ہی فیصلہ کر لے گا۔ چونکہ اس ملعون پر بدبختی چھا چکی تھی شقاوت غالب آچکی تھی اس واسطے اس نے کمسن مظلوموں کی التجاؤں کو ٹھکرا دیا۔ اس نے کہا کہ میں تمہارے قتل سے ابن زیاد کا تقرب اور تمہارے سروں سے انعام و خلعت حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ شہزادوں نے کہا اگر تو ہمارے قتل سے باز نہیں آتا اور ضرور ہمیں ذبح کرنا چاہتا ہے۔ تو ہمیں اتنی مہلت دے کہ زندگی کے آخری لمحوں میں چند رکعات نافلہ ادا کر لیں۔ حارث نے مہلت دی۔ بچوں نے چار رکعت نماز پڑھی۔

پھر دست دعا جانب آسمان اٹھائے رو رو کر قاضی الحاجات کی بارگاہ میں ٹوٹے ہوئے دل لرزتے ہوئے ہاتھوں اور اشکبار آنکھوں کے ساتھ دعا کی یا حَیُّ یا عَلِیمُ یا اَحْکَمَ الحاکِمِین اُحْکُمْ بَیْنَنَا وَ بَیْنَہٗ بالحق۔ بعد نماز بڑا شہزادہ محمد اٹھا ملعون نے تلوار ماری، سر جدا ہو گیا۔ چھوٹے شہزادے نے بڑے بھائیؑ کا خون منہ پر مل لیا۔ سر اس نے ایک تھیلے میں رکھا اور لاش دریا میں پھینک دی۔ لاش پانی پر تیرتی رہی اور اپنے چھوٹے بھائیؑ کا انتظار کرتی رہی۔ اس کے بعد اس نے چھوٹے شہزادے کا سر قلم کیا سر تھیلے میں رکھا اور لاش دریا میں پھینک دی۔ سر اس نے ابنِ زیاد کے پاس لے جانے کیلئے

اپنے پاس محیلے میں رکھ لئے تھے اور لاشیں دریا کے سپرد کر دیں۔ جب دوسری لاش اس نے دریا میں پھینکی پہلی لاش انتظار میں تھی دونوں لاشیں باہم بغلگیر ہو گئیں اور دونوں زیر آب چلی گئیں۔

اس جُرمِ عظیم کا مرتکب ہو کر زمین تھرا کر عرش لرزا کر قبرِ رسولؐ ہلا کر علیؑ و بتولؑ کو رُلا کر مقدس سروں کو وہ تھیلے میں لے کر سوئے دربارِ ابنِ زیاد انعام کے لالچ میں چلا۔ "قصر امارہ" میں پہنچتے ہی اس نے سر نکال کر ابنِ مرجانہ کے پیش کر دیئے۔ ابنِ زیاد نے پوچھا یہ کن کے سر ہیں؟ حارث نے جواب دیا یتیمانِ مسلم کے سر ہیں۔ چاند سی صورتیں خاک و خون میں غلطاں تھیں کس ماں کے لختِ جگر اور کس باپ کے نورِ نظر تھے سیاہ زلفیں دو ننھے ننھے مہ پاروں پر لہرا رہی تھیں۔ اہلِ دربار کتنے ہی سنگدل تھے مگر معصوم و مظلوم چہروں کو دیکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ خاندانی وجاہت اور ہاشمی شباہت دعوت نظارہ دینے لگی۔ خون کے قطرے اور خاک بھری زلفیں ظالم سنگدل کی بے رحمی و شقاوت کا نقشہ پیش کر رہی تھیں کٹی ہوئی گردنوں سے لہو کی بوندیں اور مسلم کے دو ننھے ننھے چاندوں پر طمانچوں کے داغ خود ابنِ زیاد ایسے شقی القلب کو رونے پر مجبور کر رہے تھے ابنِ زیاد کتنا ہی سنگدل تھا مگر معصوم و مظلوم چہروں کو دیکھتے ہی بے قرار ہو گیا۔ وہ ظالم کرسی پر بیٹھا تھا تین بار اٹھا اور بیٹھا اور اس نے حکم دیا کہ ان سروں کو نہلا دھلا کر طشت میں لے آؤ۔ شہزادوں کے سروں کو دھویا گیا۔ زمین کوفہ کی گرد بالوں میں جمی ہوئی تھی صاف کیا گیا معلوم نہیں کب شہزادوں نے غسل کیا تھا اور کتنا عرصہ کتنی خاک سروں میں پڑی رہی۔ اے ننگے سر عزادارو! تم سر دھونے اور خاک نکالنے کے لئے کتنی جلدی کرتے ہو مگر مسلم و رقیہ کے یتیموں سے پوچھو کتنی مدت خاک سروں میں رہی مرنے کے بعد سر دھلائے گئے آخر ایک طشت میں رکھ کر ابنِ زیاد کے سامنے رکھے گئے تو یہ ملعون خود بھی آبدیدہ ہو گیا اور بھری کچہری آنسو بہانے لگی۔ حارث ملعون ابنِ زیاد سے انعام و خلعت طلب کر رہا تھا اور لوگوں کی نفرت بھری نگاہیں لعنت ملامت کر رہی تھیں۔ رقیہ کے لال ابنِ زیاد کے دربار میں زبانِ حال سے اپنی شہادت کا مرثیہ پڑھ رہے تھے۔ فضا سوگوار تھی۔ ہر دل غمگسار اور ہر آنکھ اشکبار تھی۔ آنسو تھے کہ تھمتے نہ تھے آہیں تھیں کہ رکتی نہ تھیں۔

ابنِ زیاد نے حارث ملعون سے یہ قصہ درد بیان کرنے کو کہا۔ ابنِ زیاد دریافت کرتا ہے اور حارث جواب دیتا ہے۔

ابنِ زیاد! تو نے انہیں کہاں پایا؟

حارث! میری عورت نے انہیں گھر میں مہمان رکھا۔

ابنِ زیاد! تو نے پھر حقِ مہمانی کا کچھ پاس نہ کیا۔ عرب غیرت کے مطابق تو نے انہیں پناہ نہ دی۔

حارث! میں نے آپ کے حکم کی تعمیل کی اور انعام حاصل کرنے کی کوشش کی۔
ابن زیاد! میں نے تو زندہ پکڑ لانے کو کہا تھا کیونکہ میں نے یزید کو ان دونوں بچوں کے حال سے آگاہ کر دیا تھا اگر وہ مجھ سے ان کو طلب کرے تو میرے پاس کیا جواب ہے؟
حارث! میں زندہ پکڑ کے اس لئے نہیں لایا کہ کوفہ میں دبے دبے شیعہ ہیں ہو سکتا کہ کوئی گروہ یا چند آدمی مجھ سے چھین لیتے اور میں تیرے تقرب و انعام سے محروم رہ جاتا۔
ابن زیاد! جب تو انہیں قتل کرنے لگا کچھ کہتے بھی تھے؟
حارث! یہ کہتے تھے ہمیں بازار میں بیچ کر اپنی دنیا کی لالچ پوری کر لے ہمیں قتل نہ کر
ابن زیاد! تو نے کیا کہا۔
حارث! میں نے کہا کہ میں تمہیں بیچتا نہیں میں تمہیں قتل کر کے تمہارے سر پیش کروں گا۔
ابن زیاد! اور کیا کہا
حارث! انہوں نے کہا کہ ہمیں زندہ ابن زیاد کے پاس لے چل وہ خود جو چاہے فیصلہ کرے گا
ابن زیاد! اگر تو زندہ پیش کرتا تو تجھے دوگنا انعام دیتا۔ پھر اور کیا کہا۔
حارث! انہوں نے قرابت رسول کا واسطہ دیا، اپنی صغر سنی کا واسطہ دیا۔
ابن زیاد! پھر تو نے کچھ رحم نہ کیا؟
حارث! میں ان کے خون بہانے پر تیار ہو چکا تھا ان التجاؤں نے میرے دل پر کوئی اثر نہ کیا اور نہ میرے دل میں رحم آیا۔
ابن زیاد! دیکھ کیسے حسین و جمیل شہزادے ہیں کیسی چاند سی شکلیں ہیں بتا تو سہی کہ ان کی زلفوں کے بال ٹوٹے ہوئے کیوں ہیں اور ان چاند سے رخساروں پر نیلے داغ کیسے ہیں؟
حارث! جب میں انہیں قتل کرنے کے لئے دریائے فرات کی طرف لے چلا یہ التجائیں کرتے اور رحم طلب نظروں سے دیکھتے میں ان کے بالوں کو پکڑ کر گھسیٹتا تھا جس کی وجہ سے ان کے سروں کے بال ٹوٹ کر میرے ہاتھ میں رہ جاتے۔ اور جب یہ حسرت بھری نگاہوں سے مجھ سے رحم کی اپیل کرتے میں انہیں طمانچے مارتا اور یہ نیلگوں داغ میرے طمانچوں کے نشان ہیں۔
حارث سمجھتا تھا کہ ابن زیاد خود سنگدل اور شقی ہے میں جس قدر ظلم کی داستان سناؤں گا وہ خوش ہو کر مجھے قریبی بنائے گا اور میرا خلعت و انعام بڑھائے گا۔
مگر اس ملعون کو خبر نہ تھی کہ مظلوموں کا ناحق خون فوراً رنگ لائے گا اور یتیم کی آہ و زاریاں ان کے

نالے اوران کے سروں سے گرتے ہوئے قطرے عرش خدا کو لرزا رہے ہیں اور قہار وجبار خدا کو غضبناک کررہے ہیں۔ معصوموں کے ننھے ہاتھوں کا دعا کے لئے جانب آسمان اٹھنا فضا کو غضب آلود کر دے گا۔ اشکبار آنکھوں درد بھری آہوں اور جگر فگار سسکیوں کے ساتھ ننھی ننھی زبانوں سے غریب الوطن مظلوم یتیموں کی حسرت بھرے دل سے نکلی ہوئی دعا آسمانوں سے گذرتی ہوئی عرش کو ہلاتی ہوئی فوراً باب اجابت سے جا ٹکرائی اور قہر وغضب خدا نے اس ظالم دشمن کو سنگدل قاتل سے انتقام لینے پر مجبور کر دیا۔

ابن زیاد نے پھر پوچھا آخری بار انہوں نے کیا کہا۔

حارث! انہوں نے نماز کے لئے مہلت مانگی میں نے اجازت دے دی۔ فراغت نماز کے بعد انہوں نے دعا مانگی "یا حیُّ یا عَلِیمُ یا احکم الحاکمین احکُم بَینَنا و بَینَہُ بالحق" اے زندہ، اے سب کچھ جاننے والے اے تمام حاکموں کے حاکم اعلیٰ ہمارے درمیان اور اس ظالم کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرما۔

اس وقت ابن زیاد نے غضب ناک ہو کر کہا خدا نے فیصلہ کر دیا ہے جو میں تجھے سناتا ہوں۔ پھر کہا کون ہے؟ جو اس مردود کو اسی جگہ لے جا کر قتل کرے۔

ایک مرد شامی اٹھا اس نے کہا میں حاضر ہوں۔

ایک روایت میں ہے کہ اس کا نام مقاتل تھا اور وہ در پردہ محب اہل بیت تھا۔ ابن زیاد نے حکم دیا کہ اس مردود کو اس مقام پر لے جا کر قتل کر جہاں اس نے ان بچوں کو قتل کیا ہے لیکن خیال رکھنا کہ جہاں ان بچوں کا خون گرا ہے وہاں اس نجس و ناپاک کا خون نہ گرے اور اس کا خون ان کے خون میں مخلوط نہ ہو۔

اس مرد نے حارث ملعون کی مشکیں باندھیں۔ اور کشاں کشاں جانب فرات لے چلا وہ شخص مقاتل کہتا ہے کہ اگر مجھے روئے زمین کی سلطنت مل جاتی تو میں اتنا خوش نہ ہوتا جتنا یتیموں کے قاتل کے قتل کرنے سے خوشی ہوئی۔ جس گلی اور بازار سے یہ حارث ملعون گذرتا لوگ اسے پتھر مارتے اور لعنت وملامت کرتے۔ آخر وہ شخص اسے لب فرات لے گیا اور عذاب دے کر اسے قتل کیا پھر اس کی لاش دریا میں پھینکی مگر دریا کی لہروں نے اسے نجس میت کو قبول نہ کیا ساحل سے باہر پھینک دیا۔ دوسری بار اس نے اس کی لاش کے ساتھ بھاری پتھر باندھے مگر فرات کے پانی نفرت کرتے ہوئے اسے باہر پھینک دیا تین مرتبہ ایسا ہوا۔ گڑھا کھود کر اسے مٹی میں چھپانے کی کوشش کی مگر اس کے منحوس مردہ کو زمین نے بھی قبول نہ کیا۔ آخر اس کی لاش جلائی گئی اس کے بعد ابن زیاد نے حکم دیا کہ ان سروں کو دریا میں اس جگہ ڈال دو جہاں ان کی لاشیں ڈالی گئیں۔ چنانچہ جب ان پاک سروں کو اس جگہ دریا کے پانی میں ڈالا گیا تو لاشیں سطح آب پر ابھر آئیں اور ہر سر اپنی لاش کے ساتھ مل گیا اور یہ دونوں شہزادوں کی لاشیں سروں کو ملا کر پانی کے اندر چلی گئیں۔ الا لعنة اللہ علی القوم الظالمین۔

ساتویں مجلس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بہت رحم کرنے والا بے حد مہربان

حضرات مومنین اس مجلس میں اللہ کے دو بزرگ ناموں کی تشریح کی جاتی ہے۔

ان دو ناموں کی عظمت اس بات سے ظاہر ہوتی ہے کہ بسم اللہ میں ذاتی نام اللہؔ بعد کے جزنام اسمار حسنیٰ میں سے کلام پاک میں وارد ہیں وہ "الرحمٰن الرحیم" ہیں جو اللہ کی صنعت سے بنتے ہیں یعنی اوصاف خدا میں رحمٰن اور رحیم پہلی صفت ہیں۔ اسم ذات نے جو مخلوق پر اپنی شان کی جلوہ گری کی وہ رحمت کی تجلّی ہے۔ مصدرِ فیض سے مخلوق کے لئے رحمت کا چشمہ جاری ہوا رحمت کو عذاب پر سبقت حاصل ہے۔ چنانچہ مروی ہے کہ جب جسد جنابِ آدم علیہ السلام میں روح پھونکی گئی۔ دماغ میں روح مبارک کا دخول ہوا تو جناب آدمؑ کو چھینک آئی انھوں نے پڑھا اَلْحَمدُ لِلّٰہِ عبد کے اس جملے کے جواب میں معبود نے کہا "یَرحَمُکَ اللّٰہُ" پھر آواز قادر کریم آئی۔ سَبَقَتْ رَحْمَتِیْ غَضَبِیْ "میری رحمت میرے غضب سے بڑھ گئی"، اسی وجہ سے یہ عادت سنّت میں داخل ہے کہ جب کسی آدمی کو چھینک آئے کو کہے "اَلْحَمدُ لِلّٰہِ" ساتھ بیٹھا ہوا آدمی کہے یَرْحَمُکَ اللّٰہ۔

علمی تشریح "رحمٰن اور رحیم" یہ دونو اسم "رحمت" سے نکلے ہیں، یہ دونوں اسم مشتق ہیں ان کا مصدر "رَحْمَۃٌ" ہے، اسم فاعل کے معنیٰ میں مبالغہ کے صیغے ہیں جن کا مفہوم ہے بہت رحم کرنے والا۔ ان سے پہلے "رَبِّ الْعَالَمِیْنَ" کا ذکر ہے رَبّ وہ ہے جو رحیم ہے بغیر جذبۂ رحم کے تربیت ہو ہی نہیں سکتی جن کی تربیت مقصود ہے۔ از قسم انسان ہوں یا حیوان یا نبات وجماد تربیت جسمانی ہو یا روحانی علمی ہو یا عملی بغیر رحم ومحبّت کے کوئی مربی تربیت دے نہیں سکتا اس واسطے "ربّ العالمین" نے ماں کے دل میں محبت اولاد اور رحم وپیار کے جذبات بھر دیئے ہیں تاکہ اولاد کی تربیت کا ہر دم خیال رکھے۔ بچے کی بے قراری ماں سے دیکھی نہیں جاتی، جانوروں کو دیکھو پرندوں کو دیکھو کس قدر اولاد سے محبت رکھتے ہیں جس قدر ماں کو اولاد سے محبت ہے اس سے بڑھ کر خدا کو اپنی مخلوق سے محبّت ہے۔

ماں کے اس پیار سے جو اولاد سے ہے خدا کا پیار مخلوق پر زیادہ ہے۔ خدا نہیں چاہتا کہ میرا بندہ عذاب میں گرفتار ہو۔ بے شک اس نے جہنم بنائی ہے لیکن وہ بندوں کا جہنم میں داخلہ پسند نہیں کرتا جنّت کے دروازے کھلے ہیں داخلے کے لئے بھی صلائے عام ہے۔ لیکن کیا کہیئے کہ یار لوگ جہنم کا داخلہ پسند کرتے ہیں اور ہر قیمت پر پسند کرتے ہیں۔

رحمت کی اقسام

رحمت کی تعریف عام طور پر اُردو زبان میں مہربانی نرس پیار کو رحمت کہتے ہیں اس کی اصطلاحی تعریف ہے۔ ایصال خیر و دفع شر، خیر پہنچانا اور شر ہٹانا، خیر سے محظوظ اور شر سے محفوظ رکھنا جو چیز خیر کے مفہوم میں داخل ہے وہ عطا کرنا اور جو شر کے مفہوم میں ہے اس سے بچانا۔ یہ ہے رحمت کی تعریف۔

رحمت کی دو قسمیں ہیں۔ وہ رحمت کہ جس کا تعلق دورانِ پرورش ہے کہ مرّبی کے جذباتِ رحم پرورش کا تقاضا پورا کرتے ہیں ضروریات مہیا کرنا اور تربیت کے موانع دور کرنا اس قسم کی رحمت کا تعلق اسم "رحمٰن" کے ساتھ ہے۔ یہ رحمت معاشی کہلاتی ہے۔ رحمت کی دوسری قسم یہ ہے کہ پرورش پانے والی چیز کو اس کے درجہ کمال تک پہنچا کے اس سے انجام اور اس کے پھل کا حاصل کرنا یعنی تربیت کا مقصد اور غرض کا حصول کیونکہ کسی چیز کی بے مقصد تربیت اور بے غرض پرورش لہو و لعب میں شمار ہوتی ہے اور خلاقِ عالم ربّ العالمین نے کوئی چیز بے فائدہ اور بے مقصد نہیں پیدا کی۔ اس واسطے پروردہ چیز سے فائدہ حاصل کرنا یہ پرورش کا مقصد ہوتا ہے۔ چونکہ خداوند عالم غنیّ عنِ العالمین ہے اس واسطے کسی مخلوق کا فائدہ اس کی ذات حاصل نہیں کرتی۔ مخلوق کا فائدہ مخلوق ہی میں گردش کرتا ہے۔ لیکن اس کا انجام ضروری ہوتا ہے اس رحمت کا تعلق کسی چیز کے معاد سے ہے اور اس کا مظہر اسم رحیم ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ معاش عالم سے جس رحمت کا تعلق ہے وہ اسم رحمٰن کے ساتھ متعلق ہے اور جس رحمت کا تعلق معاد انجام غایت اور آخرت سے ہے وہ اسم رحیم سے متعلق ہے۔ اسی واسطے کہا جاتا ہے۔

یا رحمٰنَ الدُّنیا و رحیمَ الاٰخِرۃ "

جو رحمت کی بارش اس دنیوی عالم اور اس مادّی گلشن کو سیراب کرتی ہے۔ اس کے فاعل کو لفظ رحمٰن سے تعبیر کرتے ہیں اور آخرت کے گلزاروں کی جس رحمت سے آبیاری ہوتی ہے۔ اس کے فاعل کو "رحیم" سے موسوم کیا جاتا ہے۔ فاعل ایک ہے اور نام الگ الگ ہیں۔

اس رحمٰن کی گھٹا سے جو مینہ برستا ہے اس سے ہر شخص ادنیٰ و اعلیٰ، نیک و بد، مومن و مشرک

مسلم و منافق، موحّد و ملحد پاک و نجس اور ہر چیز اچھی و بُری پاک و پلید مُضر و مفید خوبصورت و بدصورت سیراب ہوتی ہے غذا حاصل کرتی اور پرورش پاتی ہے۔

لیکن اسم رحیم کے بادل سے جو بارش ہوتی ہے۔ اس سے خاص اہلِ ایمان اہلِ توحید مومنین رسالت اور صاحبانِ ولاء آئمہ علیہم السلام نیکوکار متقی اور اصحاب جنّت بہرہ مند ہوتے ہیں۔ رحیمی رحمت کے خزانے مومنین کے لئے اور اصحاب جنّت کے لئے مخصوص ہیں جب رحمانی رحمت کے انعام عالم مادی کے ہر باشندہ کے لئے عام ہیں۔

رحمتِ خدا کی وسعت

اس کی رحمت کا دریا بہت وسیع ہے تمام عالمِ امکان اس کے گھیرے میں ہے اگر کوئی شخص گناہوں کے زنجیروں میں گرفتار چلنے سے معذور ہو کر لبِ دریا پہنچنے کی طاقت نہیں رکھتا مگر اپنے جرم پر پشیمان ہوا اور نگاہ سوئے لطفِ رحمٰن ہو تو رحمت کا بحرِ ذخار جوش زن ہو کر اپنی موجوں میں بندۂ گنہگار کو لپیٹ لیتا ہے بندے کا احساسِ ندامت رحمت کے ریلے کو دعوت دیتا ہے اس کے بندھن کُھل جاتے ہیں اور رحمت کا پانی اس کے عصیان کی میل کچیل دور کر دیتا ہے۔ کس کمال مہربانی سے فرماتا ہے قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ۝ اے پیغمبر! میرے ان بندوں سے کہہ دو جنہوں نے میری نافرمانی میں اپنے نفسوں پر بہت زیادتیاں کی ہیں اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔ یقیناً خدا تمہارے تمام گناہ بخش دے گا بے شک وہ بہت بخشنے والا مہربان ہے۔

یہ اس کی رحمت ہے کہ بندہ برائی کرے تو ایک برائی کے بدلے میں ایک ہی برائی کی سزا پائے گا لیکن اگر نیکی کرے تو صرف ایک نیکی نہ بلکہ دس نیکیوں کی جزا پائے گا۔

اگر نیکی کرے تو اس کی نیکی لکھنے والے فرشتوں کو حکم ہوتا ہے کہ اس کی نیکی فوراً اس کے نامۂ اعمال میں لکھ دو لیکن اس کی بدی جلدی نہیں لکھی جاتی بلکہ وقفہ رکھا جاتا ہے۔ شاید اسے احساسِ ندامت دامنگیر ہو اور توبہ کرے تاکہ اس کا اعمال نامہ برائیوں سے داغدار نہ ہو۔

اس کی رحمت ہمارے قریب آتی ہے لیکن ہم خواہشات کے پجاری اور نفس پرست اس کی رحمت سے خود دور بھاگتے ہیں کِرَامًا کَاتِبِیْنَ ۝ تو ہمارے ساتھ بحکم خدا رعایت کرتے ہیں ہمیں توبہ کی مہلت دیتے ہیں لیکن ہم ہیں کہ انہیں ہمہ وقت لکھنے میں مصروف رکھتے ہیں نیکیاں لکھتے

میں نہ نیکیوں والے فرشتے تو عموماً فارغ رہتے ہیں بدیاں لکھنے ہیں برائی نویس فرشتے ہر وقت مشغول ہم نافرمان بندے انہیں فرصت ہی نہیں دیتے۔

مگر غفور رحیم خالق بندے کا جہنم میں جانا گوارا نہیں کرتا اگر بندے کا دل سلیم ہوا اپنے کیے پر پچھتایا کہ خوف خدا سے روئے تو اس کے آنسوؤں کے قطرے نامۂ اعمال کی تمام برائیوں کو دھو دیتے ہیں

بلکہ علامہ اقبال فرماتے ہیں۔ موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چن لئے
قطرے جو تھے مرے عرقِ انفعال کے۔

جناب میر انیس اعلیٰ اللہ مقامہٗ کی رباعیاں نہایت مناسب مقام میں فرماتے ہیں

ممکن نہیں عبد سے عبادت تیری | خلق و کرم و جود ہے عادت تیری
گو صحرا صحرا ہیں عصیاں میرے | پر دریا دریا ہے رحمت تیری

لفظِ رحمٰن اللہ کے لئے مخصوص ہے خدا کے سوا کسی کو رحمٰن نہیں کہہ سکتے لیکن لفظ رحیم خدا کے سوا استعمال ہو سکتا ہے قرآن مجید میں جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رؤف و رحیم کہا گیا ہے جیسا کہ ارشاد ہے لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ. ترجمہ، تمہارے پاس تمہارے نفسوں سے رسول آیا ہے تمہارا رنج اور محنت اُسے گوارا نہیں تم پر اُسے حرص ہے ایمان کے متعلق مومنین پر ترس کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ذکر قرآن مجید میں جا بجا موجود ہے اُس کی رحمت کے آثار اطرافِ عالم میں بکھرے ہوئے ہیں ہر چیز اپنی قابلیت کے مطابق رحمت کا حصہ پا رہی ہے اُس کے پاس رحمت کا بے کنار سمندر ہے دینے والا بخیل نہیں کریم ہے لینے والے میں لینے کی اہلیت ہونی چاہیئے۔ اُس کی رحمت کے چند واقعات جو قرآن مجید میں مذکور ہیں۔ قارئین کی بصیرت کیلئے ہم درج کرتے ہیں۔

۱۔ كٓهيٰعٓصٓ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهُ زَكَرِيَّا، تیرے رب کی رحمت کا ذکر جو اُس نے اپنے بندے زکریا کو عطا فرمائی، یعنی جناب یحییٰ علیہ السلام ایسا بیٹا عطا فرمایا۔

۲۔ جناب ایوب علیہ السلام کے متعلق رحمت کا ذکر یہ ہے۔ وَأَيُّوبَ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَأَنتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ۝ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فَكَشَفْنَا مَا بِهِ مِن ضُرٍّ وَآتَيْنَاهُ أَهْلَهُ وَمِثْلَهُم مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِندِنَا وَذِكْرَىٰ لِلْعَابِدِينَ ۝ اور ایوب کو یاد کرو جب انہوں نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھے بیماری اور مصیبت لاحق ہو گئی ہے اور تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم

کرنے والا ہے پس ہم نے اس کی دعا قبول کر لی اور اُن کا دُکھ اور تکلیف اُن سے دُور کر دی اور اُن کے اہل و عیال زندہ کر دیئے اور اتنے ہی اور ساتھ دیئے۔ یہ ہمارے پاس سے رحمت کے سبب اور عبادت گذاروں کی یادداشت کے لئے تھا ایک مقام پر ارشاد ہے اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ o بے شک اللہ کی رحمت نیک عمل کرنے والوں کے قریب ہے جناب عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ذکر ہے۔ وَلِنَجْعَلَهٗ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا۔ تاکہ ہم اس کو لوگوں کے لئے خاص نشانی اور اپنی رحمت بنائیں اور نیک لوگوں اور صبر کرنے والوں کی رحمت کا ذکر ہے۔

اَلَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ o اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ o جن لوگوں پر کوئی مصیبت پڑی اور انہوں نے کہا ہم خدا ہی کے ہیں اور خدا ہی کی طرف واپس جانے والے ہیں تو اُن پر اُن کے رب کی طرف صلوٰۃ اور رحمت ہے اور وہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔ ہر شخص نے ہر نبی نے ہر ولی نے اپنی قابلیت کے مطابق رحمت کا حصہ پایا مگر مخلوق اوّل سردارِ کائنات مجسّم رحمت بن کر آئے اور ایک شہر ایک علاقہ ایک خطہ ایک ملک کے لئے نہیں بلکہ تمام جہانوں کے لئے مجسمۂ فیض اور پیکرِ رحمت بن کر آئے جیسا کہ ارشاد ہے وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ o اے پیغمبر ہم نے تمہیں عالمین کے لئے رحمت بنا کر بھیجا۔ جناب کا وجود ذی جود ہر شے ہر شخص اور ہر قسم کی مخلوق کے لئے رحمت ہے۔

ان کا وجود منبع فیض معدنِ رحمت اور باعثِ خلقتِ کائنات ہے۔ ان کے اور ان کی معصوم اولاد کے ذریعہ مخلوق میں رحمت تقسیم ہوتی ہے۔ عالم ان سے رحمت حاصل کرتا ہے۔ ان ہی کے ذریعہ تمام جہان وجود میں آئے ان کا وجود بنیادِ عالم ہے انہی ذواتِ مقدسہ انوارِ ربانیہ کے وجود کی برکت سے ہر شئی کو وجود ملا۔ انہی کے ذریعہ بقائے عالم ہے۔ انہی کے ساتھ دنیا کی انتہا ہے۔ یہ اصل زمانہ اور زمانہ ان کی فرع ہے۔

درخت کی مثال

درخت میں دو چیزیں ہوتی ہیں، اصل یعنی جڑ فرع شاخیں

جو چیز پہلے پیدا ہوتی ہے وہ اصل کہلاتی ہے۔ اور جو بعد میں پیدا ہو وہ فرع ہے۔ جو زمانہ سے پہلے پیدا ہوئے وہ اصل زمانہ اور جو زمانہ ان کے بعد بنا وہ فرع ہے۔ جو زمانہ سے پہلے بنے وہ صاحبِ زمانہ اور جو زمانہ کے بعد بنے وہ محکومِ زمانہ۔ پہلے بننے والے حاکم اور بعد میں

چنانچہ یہی فقرات جناب امام حسین علیہ السلام نے ولید بن عتبہ کے جواب میں ارشاد فرمائے۔ اَیُّھا الامیر اِنّا اَھلُ بَیتِ النُّبُوَّۃِ وَمَعدِنُ الرِّسالَۃِ وَمُختَلَفُ المَلائکَۃِ بِنا فَتَحَ اللّٰہُ وَبِنا خَتَمَ آہ اے حاکم مدینہ ہم اہلِ بیت نبوت اور معدنِ رسالت ہیں ہمارے گھر میں فرشتے آتے جاتے ہیں ہم ہی سے خدا نے عالم کا آغاز کیا اور ہمارے ساتھ ہی اس دنیا کا خاتمہ ہوگا۔ آہ فرزندِ رسول محمد مصطفےٰ کے تیسرے جانشین محمد کے حصے تیسرے محمد نے وطن چھوڑ کر کھلے میدان میں قربانیاں پیش کرنے کا دستور العمل بنایا۔

مکّہ میں قیام اور مکّہ سے رخصت

امام مظلوم نے ۲۸ رجب نصف رات کے بعد مدینہ سے کوچ فرمایا اور ۳ شعبان کو مکّہ میں نزول فرمایا تین شعبان سے آٹھ ذوالحجہ تک مکّہ میں قیام پذیر رہے کوفیوں کے خطوط اور قاصدین کے اصرار پر جناب مسلم ماہِ رمضان المبارک کو مکّہ سے کوفہ روانہ ہوئے۔ شعبان رمضان شوال ذی قعد آپ نے مکّہ میں گزارے ذوالحجہ کا چاند طلوع ہوا مختلف شہروں سے لوگ حج کے لئے مکّہ میں وارد ہونے لگے۔

آپ نے حرم خدا مکّہ کیوں چھوڑا

مکّہ کو حرم خدا اور جائے امن سمجھ کر وارد ہوئے اُمت جدّ کے ستائے ہوئے امام امن و سکون کی تلاش میں مکّہ آئے لیکن یہاں سُکھ نہ ملا۔ حرم خدا میں جہاں معمولی جانور کا مارنا حرام ہے۔ فرزند رسولؐ کو جان کا خطرہ پڑ گیا کیونکہ یزیدؔ نے حاجیوں کے لباس میں بنی اُمیّہ کے چنے ہوئے بدکردار اس مقصد کے لئے بھیجے کہ فرزند رسول کو مکّہ میں حج کے دوران قتل کر دیا جائے۔

یزیدؔ کی سیاست اس میں یہ تھی کہ حسینؑ تو قتل ہو جائیں گے اور اس قتل کا الزام میں عبداللہ بن زبیر پر لگا کر اس کو قتل کے بدلے قتل کرا دوں گا۔ کیونکہ عبداللہ بن زبیر یزیدؔ کا مخالف تھا اس نے یزیدؔ کی بیعت سے انکار کر دیا تھا اور خود مکّہ میں اپنی حکومت قائم کرنے کی تمنا میں لوگوں سے بیعت لینے کا ارادہ رکھتا تھا اسی بنا پر تیس آدمی اسی مقصد کے لئے حاجیوں کے لباس میں مکّہ بھیجے اور انہیں تاکید کی کہ ہر حال میں حسینؑ بن علیؑ کو قتل کر دیا جائے۔

یہ خبر پاکر فرزندِ رسولؐ نے مکّہ میں مزید قیام مناسب نہ سمجھا کہ اس طرح میری موت غیر مؤثر ہو جائے گی۔ میرا قاتل مخفی ہو جائے گا یزیدؔ کی سیاست کارگر ہو جائے گی میں مارا جاؤں گا۔ لیکن یزیدؔ بدنام نہ

ہوگا۔ میری وجہ سے کعبہ کی حرمت زائل ہو جائے گی۔ حق و باطل میں فرق نہ ظاہر ہوگا۔ میں تو کھلے میدان میں قربانیاں پیش کروں گا میری قربانیاں بے مقصد نہیں ہوں گی میری موت کا مقصد کربلا میں واضح ہوگا۔ حق و باطل میں امتیاز ظاہر ہوگا اور شہیدوں کا لہو حق کے خاکے میں رنگ بھرے گا اور غازہ بن کر دینِ اسلام کو سرخرو کرے گا۔

آٹھویں ذوالحجہ کو سبطِ نبیؐ امام امت نے حج کو عمرہ سے بدل کر احرام کھول دیئے لوگ چاروں طرف سے کعبہ کی زیارت کو آرہے ہیں اور حسینؑ مجبوراً کعبہ سے جُدا ہو رہے ہیں۔ خیال ہے کہ وقتِ وداع کعبہ کی دیواروں کو مل کر روئے ہوں گے اور کعبہ بھی بتول کے لال کی غربت و بیکسی پر ضرور رو دیا ہوگا۔ صرف کعبہ نہیں حجر اسود بھی رو دیا ہوگا۔ صفا اور مروہ بھی روئے ہوں گے مشعر و منیٰ نے بھی جدائی شبیرؑ میں گریہ کیا ہوگا۔ کیونکہ یہ تمام قدیمی حاجی سے مانوس تھے۔ ۲۵ حج فرزند رسولؐ نے پیادہ پا کئے تھے اب یہ آخری حج تھا آخری زیارت تھی فضاء مکہ سوگوار زمین حرم بے قرار اور دیوار کعبہ اشکبار تھی کہ اولاد رسولؐ بنات بتولؑ پناہ لینے آئیں اور میں پناہ نہ دے سکی۔

حرم خدا سے روانگی کے وقت چونکہ تمام سربرآوردہ شخصیتیں حج کے لئے مکہ میں موجود تھیں عین ایام حج میں فرزند رسولؐ کی تیاری سن کر سب حیران رہ گئے اور روانگی کی وجہ دریافت کرنے اور مشورہ دینے کے لئے حاضر خدمت ہوئے۔ ان میں عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن زبیر، ابوبکر بن حارث بن ہشام، محمد بن حنفیہ، عبداللہ بن جعفر طیار۔

ان تمام حضرات نے اپنی اپنی عقل و دانش کے مطابق مشورے دیئے ان میں تمام کی قریب قریب یہی رائے تھی کہ آپ عراق نہ جائیں اور حرم خدا میں رہیں ان کے جواب میں مولا حسینؑ نے کئی باتیں ارشاد فرمائیں۔

۱۔ بنو امیہ مجھے حرم خدا میں فریب و مکاری سے قتل کرنا چاہتے ہیں مجھے مکہ میں قتل ہونا پسند نہیں اس طرح میرا قاتل چھپ جائے گا حرم خدا کی حرمت ضائع ہو گی۔

۲۔ اگر میں مکہ سے جلدی نہ نکلوں تو گرفتار کیا جاؤں۔

۳۔ عبداللہ بن عمر کے جواب میں فرمایا کہ بنو امیہ میرے خون کے پیاسے ہیں مجھے خانۂ خدا میں نہ بیٹھنے دیں گے اور اگر میں کسی نامعلوم جگہ چلا جاؤں تو بھی یہ مجھے ڈھونڈ نکالیں گے اور بیعت یزید لعین کے لئے مجبور کریں گے اور انکار کی صورت میں مجھے قتل کریں گے بہرحال انہیں میرا قتل مقصود ہے پھر ابن عمر سے یہ بھی فرمایا کہ بنی اسرائیل پو پھٹنے سے سورج نکلنے تک ستر پیغمبروں کو قتل کیا اور اس کے بعد باطمینان بازاروں میں جا بیٹھے تھے اور اپنے لین دین میں مصروف ہو گئے گویا انہوں نے کچھ کیا ہی نہیں خدا

نے ان کے اتنے بڑے گناہ کی سزا دینے میں جلدی نہیں فرمائی خدا حلیم ہے مگر انجام کار ان کو پکڑ لیا اور سخت سزا دی خدا ہی سب سے بہتر بدلہ لینے والا ہے۔

ابن عمر کے جواب میں کیا بہترین اور مناسب جواب دیا ہے۔ ان صاحب نے جناب امام کو یزید کی بیعت کر لینے کا مشورہ دیا تھا جس کے جواب میں حضور نے بنو امیہ کے ظلم و ستم اور شرارتوں کو بنی اسرائیل (یہودیوں) کے ساتھ مشابہت اور اپنی اور اپنے رفقاء کی شہادت و مظلومی کو پیغمبران بنی اسرائیل کی شہادت اور فی سبیل اللہ موت کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ یعنی پیغمبران ماسلف نے فریضہ ہدایت اور وظیفہ تبلیغ کے سلسلے میں موت گوارا کر لی لیکن بنو اسرائیل کی ہاں میں ہاں ملانے ان کے بد کردار کی تصدیق کرنے اور ان کو حکمران مان لینے سے صاف انکار کر دیا انہی پیغمبران ماسلف کے طریقہ کو اشرف الانبیاء کے صحیح جانشین نے اپنایا۔ بہتر سا تھیوں سمیت موت گوارا کر لی مگر بنو اسرائیل کے ہم مثل بنو امیہ کے آگے جھکنا گوارا نہ کیا۔

عبداللہ بن زبیر درحقیقت جناب امام کے مکہ سے خروج پر راضی تھا اس کی حکومت کے قیام میں جو مانع تھا وہ حسینؑ بن علیؑ تھے چونکہ ابن زبیر مکہ میں اپنی حکومت قائم کرنے اور لوگوں سے بیعت لینے کی تیاری میں تھا اور حسینؑ بن علیؑ کی موجودگی میں لوگوں کا میلان کسی صورت میں عبداللہ بن زبیر کی طرف ہو نہیں سکتا تھا لہذا وہ دل سے چاہتا تھا کہ حسینؑ یہاں سے چلے جائیں لیکن بظاہر اس نے نہ جانے کی صلاح دی اور قیام کا مشورہ دیا جس کے جواب میں وہی فرمایا جو پہلے ۱۷ پر درج ہو چکا ہے۔

محمد بن حنفیہ اور جناب عبداللہ بن جعفر طیار کے مشورہ کے جواب میں فرمایا کہ مجھے نانا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم ہے اور عالم خواب میں انہوں نے سب کچھ فرما دیا ہے۔ اس واسطے میں وہی کچھ کروں گا جو انہوں نے فرمایا ہے۔ اس واسطے اب تو جو ارادہ کر چکا ہوں عراق جاتا ہوں جو خدا کو منظور ہوگا ہو کے رہے گا۔

جناب عبداللہ بن عباس نے جب دیکھا کہ حسینؑ نے سفر عراق کا پختہ ارادہ کر لیا ہے۔ تو عرض کیا مولا! اگر سفر عراق ضروری ہے تو ایسے سفر میں اہل و عیال کو ساتھ نہ لے جائیں حضرت نے فرمایا میں ان کو کس طرح چھوڑ سکتا ہوں جب کہ میرے نانا نے ان کو اپنے ساتھ رکھنے کی ہدایت فرمائی ہے میں ان کو کس کے سپرد کروں یہ میرے نانا کی امانت ہیں اور میرے مقصد میں شریک کار ہیں اور یہ خود میرے ساتھ اس قدر مانوس ہیں کہ میری جدائی گوارا نہ کر سکیں گی یا ابن عباس اللہ تعالیٰ مجھے مقتول دیکھنا میرے نانا کی ان امانتوں کو اسیر دیکھنا چاہتا ہے میری گردن پر تلوار اور ان کے ہاتھوں میں رسیاں دیکھنا چاہتا ہے۔ میری لاش بے گور و کفن اور انہیں عریاں مجھے صحرائے کربلا میں بے وارث اور انہیں کوفہ و شام کے بازاروں میں قیدی دیکھنا چاہتا ہے۔

گو میرا سفر رنج و بلا کی گھٹاؤں میں گھرا ہوا ہے۔ فضا مکدر ہے۔ زمانہ دشمن ہے سفر پرخطر ہے۔ لیکن میں ان کے بغیر اور یہ میرے بغیر نہیں رہ سکتے۔ جناب عباس کہتے ہیں میرا امام مظلومؑ کے ساتھ یہ مکالمہ ہو رہا تھا کہ اسی اثنا میں پردے کے پیچھے سے آواز آئی اے عبداللہ یہ مشورہ مناسب نہیں۔ اب سوائے حسینؑ کے ہمارا کون رہ گیا ہے۔ پتہ کرنے پر معلوم ہوا کہ جس مخدرہ کی آواز تھی وہ دکھیاری بہن اُم المصائب شریکۃ الحسینؑ جناب زینب تھیں۔

عزادارو! جناب زینب صحیح فرماتی تھیں کیونکہ جناب رسولؐ خدا کے انتقال کے بعد جناب امیر المومنینؑ جناب سیدہؑ اور جناب حسنینؑ تھے ان کا سہارا تھا جناب امیر المومنینؑ کی شہادت کے بعد جناب حسنینؑ کا سہارا تھا جناب امام حسنؑ کے بعد پیارے بھائی حسینؑ کی ذات تھی لیکن جناب حسینؑ کے بعد ان دکھیاری بہنوں کو کس کا سہارا تھا کس کے آسرے مدینہ میں رہتیں کیا حسینؑ کے بعد مدینہ رہنے کے لائق تھا؟ ان اجڑے گھروں میں بغیر حسینؑ و عباسؑ کے رہ سکتیں۔ آخر مظلوم مسافر مکہ چھوڑنے پر مجبور ہو گیا۔

مکہ پر رونق ہے۔ چہار طرف سے لوگ مکہ میں حج کے لئے داخل ہو رہے ہیں لیکن مکہ کا وارث مکہ سے باہر جا رہا ہے آج شہنشاہ حجاز کو کہیں پناہ نہیں مل رہی دنیا جن کے سائے میں پناہ لیتی تھی آج ان پر زمین تنگ ہو رہی ہے۔ جہاں پرندے تک امان میں رہتے تھے آج فرزند رسولؐ کو وہاں امان نہیں اُمت جد کا ستایا ہوا مسافر اطراف عالم پر نظر ڈالتا ہے، مگر ہر طرف سے موت کی صدا استقبال کرتی ہے۔ ایک شاعر نے مناسب حال کہا ہے۔

وہ دن ہیں جن دنوں کوئی کرتا نہیں سفر — صحرا کے جانور بھی نہیں چھوڑتے ہیں گھر
رنج و مسافرت میں ہیں سلطان بحر و بر — لب برگِ گل سے خشک ہیں چہرہ عرق میں تر

آتی ہے خاک اڑ کے یمین و یسار سے
گیسوئے مشک بار اٹے ہیں غبار سے

آٹھویں مجلس

مقصدِ سفر
اور مکّہ سے کربلا تک منازلِ سفر کے اہم واقعات

مسافرِ کربلا جناب امام مظلوم نے حرمِ رسولؐ اور حرمِ خدا با دلِ ناخواستہ چھوڑا اور سفرِ عراق اختیار کیا۔ جب کہ مدینہ اور مکّہ میں حجاز کی اہم شخصیتیں اور اقربائے بنی ہاشم یہ سفر نہ کرنے کا مشورہ دے رہے تھے ان لوگوں کے سامنے اہلِ عراق کی بے وفائی تھی اور کوفہ والوں کی غدّاری۔ وہ آزما چکے تھے جس بنا پر وہ امام مظلوم کو اہل کوفہ پر اعتماد نہ کرنے کی نصیحتیں کر رہے تھے۔ جناب امام کے پیش نظر لشکر یا اسلحہ کی فراہمی نہ تھی اور نہ اس سفر کا مقصد لڑائی تھا۔ اس سفر کے دو مقصد تھے۔

۱۔ حفاظتِ جان اور با امن زندگی

اس واسطے حرم خدا مکّہ میں پناہ لی اور جب تک خطرہ لاحق نہیں ہوا اور مکّہ کی فضا پُرامن رہی مکّہ نہیں چھوڑا۔

کوفہ کا رُخ اس غرض سے نہیں کیا کہ وہاں سے لشکر فراہم کرکے چڑھائی کروں گا اور ملک گیری کے لئے حملہ کروں گا۔ بلکہ ان کے آمدہ خطوط کے پیشِ نظر کہ ہدایتِ اسلام و تبلیغ دین کی خاطر انہیں امامِ حق مطلوب ہے۔ اور جنابِ حسینؑ کے زیرِ سایہ وہ اسلامی و شرعی زندگی بسر کر سکیں گے۔ جناب امامؑ نے کوفہ کا قصد کیا کہ ان پر حجت تمام ہو جائے اور یہ امتحان باعثِ ہدایت قرار پائے۔ اتنی تعداد مجھے مل جائے کہ میں بنو امیہ کے حملہ سے محفوظ رہوں اور ان کی زیادتیاں و مظالم ان تک نہ پہنچ سکیں۔ تبلیغ اسلام کا فریضہ ادا کرتے ہوئے پُرسکون زندگی بسر کر سکوں۔ آخر حفاظت جان و عزت کے لئے بھی کچھ سامان و تعداد

کی ضرورت ہوتی ہے جب زمانہ دشمن ہو جائے۔ ہر طرف خوف وخطر کے بادل منڈلا رہے ہوں، اور قبل ازیں بنو اُمیہ کی سفاکیاں اور خوں ریزیاں منظرِ عام پر آ چکی ہوں اور شیعیانِ علیؑ کے خون سے اموی تلواریں سیراب ہو چکی ہوں پھر یزید کے نامہ طلبِ بیعت میں اس کے مذموم ارادے آشکار ہو گئے ہوں تو ان حالات میں اپنی اور اپنے اہل وعیال کی حفاظت کے لئے جو قدم اٹھایا جائے وہ مبنی بر حق اور تقاضائے دانش ہوتا ہے۔ اسے خروج یا فوج کشی پر محمول نہیں کیا جاتا بلکہ حفاظت خود اختیاری یا دفاعی انتظام کہا جاتا ہے۔ اور یہ نہ مدینہ میں حاصل تھی نہ مکہ میں۔ چنانچہ اسی چیز کی تصدیق کرتے ہوئے علامہ اقبال فرماتے ہیں ؎

مدعائش سلطنت بودے اگر — خود نہ کردے باچنیں ساماں سفر

اگر آپ کا مقصد سلطنت حاصل کرنا ہوتا تو اس طرح بال بچوں اور پردہ سرا بیبیوں کو ساتھ لے کر سفر نہ کرتے۔

۲۔ حفاظتِ اسلام

جان سے زیادہ اسلام کی حفاظت پیشِ نظر تھی، کیونکہ جو طاغوتی طاقتیں برسرِ اقتدار آ چکی تھیں وہ آلِ پیغمبرؐ کی بھی دشمن تھیں اور دینِ پیغمبرؐ کی بھی بلکہ آلِ پیغمبرؐ کی دشمن بھی اسی وجہ سے تھیں وہ دین کے رہبر اور اسلام کے ہادی اور شریعت کے مبلغ تھے۔ اگر صحیح دین ملتا تھا تو انہی کے پاس۔ شریعت کے درس انہی سے ملتے تھے اسلامی تعلیمات اور ہدایاتِ پیغمبرؐ اگر صحیح حالت میں تلاش کرنا ہو تو اسی خانوادہ کے پاس یہ سرمایہ محفوظ تھا۔

یزید چاہتا تھا کہ دینِ پیغمبرؐ کو بھی ختم کر دوں اور آلِ پیغمبرؐ کو بھی ایک تو پرانے قتلوں کا انتقام لے لوں گا اور پرانی خاندانی عداوت کے ارمان نکالوں گا۔ اس چیز کی طرف جناب سبطِ رسولؐ نے ایک مقام پر ایک مشورہ کے جواب میں اشارہ فرمایا کہ اگر میں کسی سوراخ میں بھی چھپ جاؤں تو بنو اُمیہ مجھے وہاں سے برآمد کر کے اپنی انتقامی پیاس بجھائیں گے۔

دوسرا یہ کہ ہادئ اسلام اور جانشینِ رسولؐ کے خاتمہ کے ساتھ دین بھی ختم ہو جائے گا کیونکہ جب تک دینِ پیغمبرؐ زندہ رہے گا آلِ پیغمبرؐ معزز اور باوقار رہے گا جب دین ہی نہ رہے گا تو آلِ پیغمبرؐ کی توقیر بھی ختم ہو جائے گی۔

فرزندِ رسولؐ کو جہاں اپنی جان پیاری نہ تھی دین پیارا تھا اسلام جان سے عزیز تھا۔ تعلیماتِ پیغمبرؐ

سابقہ حکومتوں نے متغیّر کر دیئے تھے۔ سلطان جور اولی الامر اور غاصب حکمران امیر المومنین بن گئے تھے۔ "النّاسُ عَلیٰ دِینِ مُلُوکِہِم" کے مصداق لوگ سیم و زر کے پرستار بن کر فاسق حکمرانوں کی ہاں میں ہاں ملانے لگے۔ کلمۃ الحق اور قولِ صدق سینوں میں دب کے رہ گئے زبانیں ضمیروں کے خلاف تھیں حکومتیں مضبوط تھیں دین کمزور تھا اسلامی معاشرہ بگڑ چکا تھا ظلم و جور اور فسق و فجور کا دور دورہ تھا۔

ایسے میں اسلام کو ایک غمخوار کی ضرورت تھی گلشنِ اسلام فسق و فجور کی خزاں کے جھونکے سے مرجھا چکا تھا وہ خون سے سیرابی مانگتا تھا وہ شادابی کے لئے قربانی چاہتا تھا اور قربانی بھی معمولی نہیں عظیم قربانی۔ بے شک امام حسین علیہ السلام اسلام کے لئے قربانیاں دینا چاہتے تھے قربانیاں دینے کا جو طریق کار آپ نے بنایا تھا اس کے لئے مدینہ و مکّہ مناسب نہ تھے اس کے لئے ایک کھلے میدان کی ضرورت تھی جہاں حق و باطل میں فیصلہ کن لڑائی ہو سکے حق جدا ہو جائے اور باطل الگ۔

ظاہر بین نگاہیں مدینہ و مکّہ میں قیام کا مشورہ دیتی تھیں لیکن امورِ باطنیہ سے واقف امام اور اسرارِ نہانی سے مطلع ولی اپنی شہادت کو رائیگاں نہیں کرنا چاہتا تھا جنابِ مظلوم کے سامنے دو باتیں تھیں تشہیر رسالت اور مقصدِ شہادت کا پرچار ان دونوں مقصدوں کے لئے دانائے زمانہ امام نے صحیح افراد منتخب کر لئے تھے۔

امام علیہ السلام کے مقصدِ سفر پر یعنی یہ کہ حفاظتِ اسلام ان کا بنیادی مقصد تھا وہ وصیّت نامہ کافی روشنی ڈالتا ہے جو رخصتِ مدینہ کے وقت برادرِ عزیز جناب محمد بن حنفیہ کو لکھ کر دیا تھا۔

وصیّت نامہ

آپ نے جناب محمد بن حنفیہ کو مکتوب ذیل وصیّت نامہ تحریر فرما کر مہر لگا کر دیا تھا۔

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم۔ ھٰذا مَا اَوصیٰ بہ الحسینُ بن علی بن ابی طالب الیٰ اخیہ المعروف بابن الحنفیۃ اَنَّ الحسینَ یشھدُ ان لا الٰہ الّا اللّٰہ وحدہ لا شریکَ لہٗ وان محمداً صلّی اللّٰہ علیہ وآلہ عبدہٗ ورسولہٗ جَاءَ بِالحق من عند الحق وانَّ الجنّۃَ والنّار حقٌّ وانّ السّاعۃَ اٰتیۃٌ لا ریبَ فیھا وانّ اللّٰہَ یبعث من فی القبور وانّی لم اخرج اشراً ولا بطراً ولا مفسداً ولا ظالماً وانما خرجتُ لِطلب الاصلاح فی اُمّۃِ جدّی صلّی اللّٰہ علیہ وآلہ اُریدُ ان امر بالمعروف وانھیٰ عن المنکر واسیرُ بِسیرۃ جدّی وابی علی بن ابیطالب علیہ السلام فمن قبلنی بقبول الحق فاللّٰہُ اولیٰ بالحق ومن ردّ علیّ ھٰذا اصبرُ حتّی یقضی اللّٰہُ بینی وبین القوم بالحق وھو خیر الحاکمین وھٰذہ وصیّتی یا اخی الیکَ وما توفیقی الّا باللّٰہ علیہ توکلت والیہ اُنیب ٥

ترجمہ:۔ یہ وہ وصیت نامہ ہے جو حسینؑ بن علیؑ نے اپنے بھائی محمد بن الحنفیہ کے نام لکھا ہے۔ حسینؑ گواہی دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے خاص بندے اور رسول ہیں جو حق کے ساتھ من جانب اللہ مبعوث ہوئے اور بے شک جنت اور دوزخ حق ہیں اور بے شک قیامت آنے والی ہے اور اللہ تعالیٰ مردوں کو قبروں میں سے زندہ کر کے اٹھائے گا۔ اس کے بعد واضح ہو کہ میں کسی قسم کا فساد پھیلانے یا غرور و تکبر کی خاطر یا ظلم وستم کے لئے نہیں نکلا بلکہ میں تو اپنے جدِ امجد کی امت کی اصلاح کے لئے نکل رہا ہوں میں یہ چاہتا ہوں کہ نیکی کی تبلیغ کروں اور برائی سے روکوں اور اپنے جدِ امجد اور پدرِ بزرگوار کی سیرت پر چلوں پس جو شخص مجھے برحق سمجھ کر قبول کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے حق کو قبول کرنے کا زیادہ سزاوار ہے اور جس نے میرا قول رد کر دیا تو میں صبر کروں گا یہاں تک کہ خدا میرے اور قوم کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کرے گا اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔ اے بھائی! یہ میرا وصیت نامہ ہے۔ خدا ہی کے قبضہ میں میری توفیق ہے۔ اسی پر میں نے بھروسہ کیا ہے اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

اس وصیت نامہ اور دوسرے خطبوں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ امام حسین علیہ السلام کے اس اقدام سے حفاظتِ دین اور اصلاحِ اُمت کا کام نہایت ہی اہم اور بہت ہی مشکل ہوتا ہے۔ تاریخ دان حضرات جانتے ہیں کہ بگڑے ہوئے معاشرہ کو درست کرنا کتنا دشوار ہے انبیاء علیہم السلام جو مصلحینِ مخلوق تھے کتنے مصائب و آلام میں گھر کر اصلاح کا فریضہ انجام دیتے رہے اور کتنی قربانیاں انہیں دینی پڑیں۔

فساد پیدا کرنا آسان ہے اور اصلاح بہت دشوار ہے۔ لائقِ صد تحسین ہیں وہ مقدس افراد جو ظلم و تشدد اور قید و بند کی صعوبتوں کو گلے لگا کر اصلاحِ خلق کا فریضہ ادا کرتے رہتے ہیں قابلِ داد ہیں ان کے حوصلے جو اس مقدس فرض کی ادائیگی کے لئے قدم میں لغزش زبان میں سکوت ارادوں میں کمزوری اور پیش قدمی میں رکاوٹ نہیں پیدا ہونے دیتے وہ عظیم نصب العین اور مقدس مقصد کی خاطر ہر مصیبت کا خندہ پیشانی کے ساتھ استقبال کرتے ہیں وہ پتھروں کے مینہ تیروں کی بارش نیزوں کی نوک اور تلوار کے سائے زندان کی تاریک و تنگ کوٹھڑیوں میں کلمہ حق کی آواز بلند کرتے ہیں۔ تلواروں کی باڑھیں کند تیروں کی نوکیں ٹوٹ جاتی ہیں نگران کے حوصلے پست نہیں ہوتے ان کی گردنیں کٹ جاتی ہیں مگر باطل کے سامنے ان کے سر نہیں جھکتے خوف و خطر کی گھٹائیں ان کے ارادے ماند نہیں پڑنے اور ظلم وجور کی آندھیوں سے ان کے قدم ڈگمگاتے نہیں دراصل ایسے ہی محسن قوم افراد کی بدولت حق

زندہ رہتا ہے اور انہی کے دم قدم سے اسلام کا پیغام باقی ہے۔
اسی کا بے مثال عملی درس اور لازوال کارنامہ فرزند رسولؐ نے کربلا کے کھلے میدان میں انجام دیا، اسی عظیم الشان قربانی کے لئے نہ حرم رسول ساز گار تھا نہ حرم خدا یہ شرف ارض کربلا کے حق میں کاتب تقدیر نے تحریر کر دیا تھا۔ جو بہتر منتخب افراد کے پاک خون کی رہین تھی۔ قارئین کرام اور سامعین عظام کے لئے مقصد سفر مختصر بیان میں ہم نے واضح کر دیا ہے۔ اب مکہ اور کربلا معلیٰ کی درمیانی منزلوں کے اہم واقعات قلمبند کرتے ہیں۔

واقعاتِ منزل

ملک حجاز کے جغرافیہ دان اور حدود اربعہ سے واقف حضرات جانتے ہیں کہ مکہ مدینہ سے جنوب کی طرف واقع ہے اور عراق مدینہ سے شمال جانب جب امام حسین علیہ السلام مکہ سے عازم عراق ہوئے تو مکہ سے جانب شمال سفر کیا اور مدینہ بھی مکہ سے شمال میں ہے اس واسطے مدینہ کے قریب سے گذرنا ہوا گو بعض کتب میں دوبارہ داخل مدینہ ہو کر مزارت مقدسہ سے وداع کے واقعات ملتے ہیں مگر اکثر کتب سے دوبارہ دخول مدینہ ثابت نہیں ہوتا البتہ اس راہ سے مدینہ قریب پڑتا ہے جس راہ سے جناب مسافر کربلا مکہ سے واپس ہوتے ہوئے عراق گئے۔
جناب مسلم بن عقیل کو حضور نے جب کوفہ روانہ فرمایا تو جناب مسلم مکہ سے واپس مدینہ آئے اور مدینہ سے جانب کوفہ روانہ ہوئے۔ مسجد نبوی میں نماز بھی پڑھی۔
بہر حال جناب امام مکہ سے روانہ ہوئے اور سب سے پہلی منزل پر تنعیم ہے جو مکہ سے چند فرسخ پر واقع ہے۔ جناب عبداللہ بن جعفر طیار کے دونوں فرزند جناب عون و محمد اپنے والد ماجد کا خط لے کر خدمت امام میں حاضر ہوئے۔ اس خط کا مضمون یہ تھا۔ اما بعد فانی اسئلک باللّٰہ لما انصرفت حین تقرأ کتابی فانی مشفق علیک من ھذا الوجہ ان یکون فیہ ھلاکک واستیصال اھل بیتک ان ھلکت الیوم طفی نور الارض فانک علم المھتدین و رجاء المومنین فلا تعجل بالمسیر فانی فی اثر کتابی والسلام۔ بعد حمد و صلوٰۃ کے خدارا جب میرا خط پڑھیں تو اس سفر سے واپس لوٹ آئیں کیونکہ مجھے اس سفر سے آپ کی اور آپ کے اہل بیت کی موت کا اندیشہ ہے اگر آپ کی موت واقع ہو گئی تو زمین کا نور بجھ جائے گا کیونکہ آپ ہدایت پانے والوں کے نشان راہ اور مومنین کی امید گاہ ہیں آپ چلنے میں جلدی نہ کریں کیونکہ میں خود بھی اس مکتوب کے بعد آرہا ہوں۔

جناب عبداللہ اس منزل پہ جناب امام سے ملے اور اس سفر سے روکنے کی کوشش کی لیکن مولاؑ نے وہی جواب دیا کہ میرے نانا کا یہی حکم ہے۔ اور یہ سفر ضروری ہے۔ جناب عبداللہ تو کچھ مجبوریوں کی بنا پہ نہ جا سکے مگر اپنے دونوں فرزندوں کو جناب حسین علیہ السلام کے ہمراہ روانہ کر دیا اور تاکید کی کہ ہر وقت خدمتِ امام میں موجود رہیں اور وقتِ جہاد اپنی جانیں امام مظلوم پر قربان کر دیں۔

مسلم بن عقیل کی شہادت

۸ ذوالحجہ کو جناب حسین علیہ السلام مکہ سے روانہ ہوئے اور ۹ ذوالحجہ کو جناب مسلم بن عقیل کوفہ میں شہید ہوئے۔ ۱۵ ماہ رمضان کو جناب مسلم بن عقیل مکہ سے سفیرِ حسینؑ بن کر کوفہ کو روانہ ہوئے اور صعوبت کے ساتھ یہ سفر طے کرتے ہوئے ۵ شوال کو کوفہ پہنچے حالات کی سازگاری اور اہل کوفہ کا میلان دیکھ کر جناب مسلم نے ۱۲ ذیقعدہ کو جناب امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں خط تحریر کیا جس میں کوفہ کے پہلے حالات اور اہلِ کوفہ کا اشتیاق ذکر کرنے کے بعد جناب سے کوفہ میں تشریف لانے کی استدعا کی۔ یہ خط جناب مسلم نے عابس بن ابی شبیب شاکری اور قیس بن مسہر صیداوی کے ہاتھ روانہ کیا۔ درمیانی منزلوں میں ایک منزل وادی رُمّہ جسے حاجزہ بھی کہتے ہیں وہاں پہنچ کر آپ نے اہلِ کوفہ کو ایک خط تحریر کیا۔ چونکہ جنابِ مسلم کے پہلے خط سے مطلع ہو کر امام علیہ السلام نے کوفہ کا قصد کیا مگر دل میں قلق تھا، پریشانی تھی، بے قراری تھی۔ اس خط کے بعد کوئی خط جناب مسلم کی جانب سے نہیں آیا بدلی ہوئی فضا اور پُرآشوب حالات کی بنا پہ کوفہ کی طرف سے مطمئن نہ تھے۔ نگاہیں کوفہ کی جانب ہی رہتی تھیں۔

اس مقام پہ پہنچ کر جناب نے اہلِ کوفہ کو ایک خط تحریر کیا جس کا مضمون یہ تھا۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یہ خط ہے حسینؑ ابن علیؑ کا اپنے دینی بھائیوں کے نام حمد خدا اور سلام مسنون کے بعد مسلم بن عقیل کے خط سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہارے حالات درست ہیں اور تمہارے درمیان ہماری نصرت اور طلبِ حق پر اتفاق پایا جاتا ہے، میں نے بارگاہِ ایزدی میں دعا کی ہے کہ وہ انجام بخیر کرے اور تمہیں اجرِ عظیم عطا فرمائے۔ میں مکہ سے آٹھویں ذوالحجہ کو تمہاری طرف روانہ ہو چکا ہوں، جب میرا قاصد پہنچے تو تم جلدی اپنے انتظامات مکمل کر لو کیونکہ میں انہی دنوں تمہارے ہاں پہنچنے والا ہوں۔ یہ خط جناب عبداللہ بن یقطر کے ہاتھ روانہ فرمایا۔

ادھر یہ حالات ہیں اُدھر جب ابنِ زیاد ملعون جناب مسلم بن عقیل اور ہانی بن عروہ کے شہید کر دینے کے بعد کوفہ پر مکمل طور پہ قابض ہو گیا اور کوفہ پر اس نے خوف و لالچ سے پورا تسلط کر لیا تو امام حسینؑ کے سدِ راہ ہونے کی اس نے فکر شروع کر دی ان سامانوں سے اس کی اصل غرض یہی تھی کہ جناب امام حسینؑ

کوفہ پہنچنے سے پہلے راہ ہی میں گرفتار کر لئے جائیں یا کم سے کم اس راہ کے سوا جس کو وہ مکہ سے اختیار فرما چکے ہیں کوئی اور دوسری راہ اختیار نہ کر سکیں اور کسی قوم اور قبیلہ کے لوگ ان سے مل نہ سکیں۔ کیونکہ مدینہ کے گورنر نے اور اموی جاسوسوں نے ابنِ زیاد کو امام حسین علیہ السلام کے مکہ چھوڑنے اور عازم عراق ہونے کی خبریں پہنچا دی تھیں۔ اس واسطے ابنِ زیاد ملعون نے حصین بن نمیر کو کافی تعداد پر مشتمل ایک جماعت دے کر راستہ کی حفاظت اور حراست کے تمام ضروری انتظام سپرد کر دیئے۔ اور قادسیہ سے خفان اور خفان سے قطقطانہ تک عراق سے واقصہ اور وہاں سے بصرہ کے راستہ تک ناکہ بندی کر کے وہاں وہاں اپنی پولیس متعین کر دی۔

عبداللہ بن یقطر کی شہادت

جناب عبداللہ بن یقطر بعض روایات کے مطابق قیس بن مسہر صیداوی جناب امام کے قاصد بن کر کوفہ جاتے ہوئے قادسیہ پہنچے تو حصین بن نمیر ملعون نے انہیں گرفتار کر لیا۔ جب حصین نے جناب عبداللہ کی تلاشی لینا چاہی تو جناب عبداللہ نے راز کو مخفی رکھنے کے لئے وہ خط پھاڑ ڈالا۔ حصین نے انہیں گرفتار کر کے ابنِ زیاد کے پاس بھیج دیا۔ جناب عبداللہ ابن زیاد کے سامنے پیش ہوئے تو مکتوب ذیل مکالمہ ہوا۔

ابن زیاد! تو نے خط کیوں پھاڑا؟ عبداللہ بن یقطر! اس واسطے کہ تو اس کے مندرجات پر مطلع نہ ہو سکے۔

ابن زیاد! بتاؤ اس میں کیا لکھا تھا اور کن کن اشخاص کے نام مکتوب تھا۔

عبداللہ بن یقطر! میں نہیں بتاتا۔ ابن زیاد نے بہت اصرار کیا مگر قاصد حسینی نے صاف انکار کر دیا۔

ابن زیاد! منبر پر چڑھ کر حسینؑ بن علیؑ پر تبرا کرو! عبداللہ نے اس موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے آمادگی ظاہر کی۔

جناب عبداللہ بن یقطر منبر پر آئے خدا کی حمد و ثنا اور پیغمبر اسلام پر درود و سلام بھیجنے کے بعد کہا لوگو! حسینؑ ابن علیؑ اس وقت تمام مخلوق سے بہتر اور دختر رسولؐ جناب فاطمۃ الزہراؑ کے فرزند ہیں میں ان کا قاصد ہوں تم پر لازم ہے کہ ان کی آواز پر لبیک کہو اس کے بعد جناب امیر علیہ السلام پر درود سلام بھیجا اور ابن زیاد اور اس کے باپ پر لعنت کی۔

ابن زیاد غصہ سے آگ بگولہ ہو چکا تھا اس نے حکم دیا کہ عبداللہ بن یقطر کو فوراً منبر سے اتار دو اور محل پر سے جا کر نیچے گرا دو چنانچہ سپاہ ابن زیاد نے جناب عبداللہ بن یقطر کو منبر سے نیچے اتارا اور ان

کے ہاتھ پس پشت باندھ کر محل کی بلندی سے نیچے گرا دیا گیا نیچے گرتے ہی جناب عبداللہ بن یقطر کے بدن کے تمام اعضا اور جوڑ جوڑ چور چور ہو گئے ابھی جان بدن میں باقی تھی کہ عبدالملک بن عمیر ملعون نے آگے بڑھ کر سر کاٹ لیا اِنّا للہ و اِنّا الیہ راجعون ٥

بعض روایات میں جناب قیس بن مسہر صیداوی اور عبداللہ بن یقطر دونوں کی نامہ بری کے جرم میں شہادت درج ہے۔ اس طرح کوفہ میں شہادت پانے والوں کی تعداد چار ہو جاتی ہے۔

جناب زہیر بن قین کی ملاقات

مسافر کربلا صعوبت اور دکھ کی منزلیں طے کرتے ہوئے جب منزل واقصیہ یا زرود پر پہنچے تو شہداء کربلا کی فہرست میں مکتب ایک شخص زہیر بن قین خوش قسمتی سے سیّدالشہداء علیہ السلام کے جانثاروں میں شامل ہو گیا خلیج کے اس انمول موتی کو تقدیر نے اس مقام پر سلکِ شہادت میں پرو دیا اور امام کی نگاہِ انتخاب نے جناب زہیر کو اپنے باوفا اصحاب اور معتمد ساتھیوں میں ملا لیا۔ اس واقعہ کی تفصیل مورخین نے اس طرح لکھی ہے کہ جناب زہیر بن قین مکّہ سے جناب امام حسین علیہ السلام کے ساتھ شریکِ سفر تھے مگر وہ اپنا خیمہ جناب حسینؑ کے خیموں سے دور نصب کرتے تھے مگر منزل واقصیہ پر پہنچ کر چشمہ آب کے قریب ہونے کی وجہ سے اپنا خیمہ امام کے خیام کے قریب لگایا۔ امام کی چشم بصیرت نے جوہر قابل کو پہچان لیا۔ امام پاک نے زہیر کو بلانے کے لئے اپنا قاصد بھیجا، زہیر اس وقت اپنے ہمراہیوں کے ساتھ دسترخوان پر بیٹھے ہوئے تھے قاصد نے پیام امام سنایا، جناب امام کی طلبی کا پیغام سن کر بنی اُمیّہ کے خوف سے تمام مجمع میں سخت انتشار پیدا ہو گیا اور وہ سوچ و بچار میں گرفتار ہو گئے، جماعت کی جماعت نے تشویش کی وجہ سے اپنے سر زانوؤں پر جھکائے اور کانّھم علیٰ رؤسھم الطیر کے مصداق بن گئے اسی غور و فکر اور پس و پیش کی حالتوں میں دیلم بنت عمر زہیر بن قین کی زوجہ اُٹھ کھڑی ہوئیں اور اپنے شوہر کو مخاطب کر کے کہنے لگیں، سبحان اللہ! فرزندِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا خاص آدمی تیرے پاس بھیجیں اور تجھے شرفِ حضوری سے سرفراز فرمانا چاہیں اور تو اُن کی دعوت کو قبول نہ کرے استغفر اللہ ربی، عورت کی تنبیہ نے شوہر کے بدن میں غیرت کا خون گرما دیا۔ زہیر بے اختیار ہو کر اٹھے اور امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دیر تک امام وقت قافلہ سالارِ عشق کے ساتھ باتیں کرتے رہے۔ گفتگوئے امام زہیر کے خانۂ دل میں اتر گئی اور محبت کے مقناطیس نے قلب زہیر اپنی جانب کھینچ لیا جب اپنے خیمے میں واپس آئے تو مطمئن، مسرور اور فرحاں تھے۔ آتے ہی حکم دیا کہ ہمارے خیمے اور باربرداری کے تمام سامان جناب امام پاکؑ کے خیام کے متصل قائم کئے جائیں۔

اس کے بعد وہ اپنی خوش عقیدہ زوجہ کے پاس گیا اور کہا کہ میں نے تجھے طلاق دے دی اور تجھے اجازت ہے کہ اپنے میکے چلی جائے میں نہیں چاہتا کہ میری موت کے بعد تو گرفتار ہو جائے اور لوٹے جانے کی مصیبت میں تو گرفتار ہو. میں نے تو اب دامن امام مضبوطی سے پکڑ لیا ہے کہ قیامت تک ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے۔

یہ کہہ کر جناب زہیر نے اپنا مال اسباب اپنے قریبی رشتہ داروں کے سپرد کر دیا اور اپنی نیک بخت بیوی کو بھی ان کے ساتھ کر دیا کہ اسے اس کے میکے پہنچا دیں. اس کی نیک طینت بیوی یہ حال دیکھ کر بہت روئی بہتے ہوئے آنسوؤں اور قلب فگار کے ساتھ جناب زہیر کو الوداع کہا اور یہ دعا کرتے ہوئے کَانَ اللّٰہُ عَوناً وَّمُعِیناً وَّخَارَ اللّٰہُ لَکَ ، اللہ تیرا ناصر و مددگار ہو اور تیرے نصیب میں خیر عطا فرمائے۔ اَسْئَلُکَ اَنْ تَذْکُرُنِیْ فِی الْقِیٰمَةِ عِنْدَ جَدِّ الْحُسَیْنِ. میری تم سے یہی التجا ہے کہ روزِ قیامت جناب حسینؑ کے جدِ امجد کے پاس مجھے یاد کر لینا. بعض کتب میں مرقوم ہے جیسا کہ احمد اعثم کوفی کی فتوحات میں اور مقام میں بھی یہ روایت ہے کہ دیلم زوجہ زہیر بن قین نے شوہر کی یہ تقریر سُن کر جواب دیا کہ تم تو فرزند مصطفٰے علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رکاب میں حاضر رہ کر اپنی جانبازی کے جوہر دکھاؤ تو پھر میں کیوں نہ دختران محمدؐ کی خدمت میں رہ کر سعادت ابدی حاصل کروں. اپنی خالص الایمان اور کامل الاعتقاد بی بی کا ایسا پُر اثر جواب سُن کر زہیر کو سوائے سکوت کے اور کچھ جواب نہ بن پڑا چنانچہ کربلا میں جناب زہیر کی زوجہ ہمراہ زہیر تھی۔

منزلِ ثعلبیہ

جناب مسلم بن عقیل و ہانی بن عروہ کی شہادت کی خبر

یہ وہ منزل ہے جس میں خیام اہل بیتؑ میں کہرام ماتم بپا ہوا اسی منزل پر قافلہ بنی ہاشم کے جوانوں کو مسلم بن عقیل و ہانی بن عروہ کی موت کی خبر پہنچی. مکہ سے رخصت ہونے کے بعد جو آنسو تھم گئے تھے منزلِ ثعلبیہ میں یکبار بہنے لگے. مسافروں کے دل سینوں میں بیٹھنے لگے اور چہرے اشکبار ہو گئے. بنی اسد کے دو شخص ہیں عبداللہ بن سلیمان اور منذر بن مشمعل جب یہ فریضۂ حج سے فارغ ہوئے تو تیزی سے چلے ان کا مقصد یہ تھا کہ جلد ہی حسینؑ بن علیؑ کے ساتھ مل جائیں اور حقیقت حالات سے آگاہی حاصل کریں. چنانچہ یہ بڑی سرعت کے ساتھ منازلِ سفر طے کرتے ہوئے منزل خزیمیہ پر امام علیہ السلام کے ساتھ مل گئے. اسی اثنا میں ایک آدمی کوفہ سے آتا ہوا دکھائی دیا اسے دیکھتے ہی امامؑ رک گئے. چاہتے تھے کہ اس سے کوفہ کے کچھ حالات

معلوم کریں۔ مگر اس شخص نے امام پاکؑ کی طرف کچھ توجہ نہ کی اور راستہ چھوڑ کر دوسری طرف کا رُخ اختیار کیا۔ امامؑ تو آگے نکل گئے یہ دونوں شخص بیان کرتے ہیں کہ ہم نے باہم مشورہ کیا کہ اس شخص سے ضرور کوفہ کے حالات معلوم کریں۔ چنانچہ ان دونوں ساتھیوں نے اپنے ناقے اس کے پیچھے دوڑا دیئے اور اس کے پاس بہت جلد پہنچ گئے۔ انہوں نے سلام دیا۔ اس نے سلام کا جواب دیا۔ یہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے اس کا نام و نسب پوچھا۔ اس نے بتایا کہ میں قبیلۂ بنی اسد سے ہوں، میرا نام بکر ہے، ہم نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ ہم بھی بنی اسد قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ پھر اس سے کوفہ کی تازہ صورت حال دریافت کی۔ اس نے کہا، جناب مسلم و ہانی بے دردی کے ساتھ قتل کر دیئے گئے ہیں اور میں اس وقت تک کوفہ سے باہر نہیں نکلا جب تک اپنی آنکھوں کے ساتھ یہ دردناک منظر نہیں دیکھا۔ جناب مسلم و ہانی کے پاؤں میں رسیاں بندھی ہوئی تھیں کوفہ کے بازار تھے اور ان دونوں کی لاشیں تھیں۔ ظالم بے حرمتی کے ساتھ ان لاشوں کی تشہیر کر رہے تھے۔

یہ خبر موت سُن کر ہم واپس آ کر قافلۂ امام میں شامل ہو گئے۔ دوسرے روز جب امام پاکؑ نے منزل ثعلبیہ میں قیام فرمایا تو ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت کچھ خاص اصحاب بھی وہاں موجود تھے۔ ہم نے سلام عرض کیا امام نے سلام کا جواب دیا۔ ہم نے عرض کیا کہ ہم ایک خبر گوش گذار کرنا چاہتے ہیں۔ اگر حکم دیں تو سب کے رُو برُو ورنہ تنہائی میں عرض کریں یہ سُن کر امام عالی مقام نے ایک نظر ہم پر ڈالی اور ایک نظر سے حاضرین کو دیکھا پھر فرمایا ان سے رازداری کی کوئی ضرورت نہیں۔ اُس وقت ہم نے عرض کیا کہ کل شام کوفہ سے آنے والے آدمی کو آپ نے دیکھا تھا اور آپ اُس سے حالات معلوم کرنا چاہتے تھے ہم نے اُس سے حالات معلوم کر لئے ہیں وہ ہمارے قبیلے کا آدمی ہے اور بڑا سچا اور بڑا عقلمند ہے۔ اُس نے ہمیں بتایا ہے کہ جناب مسلم و ہانی شہید کر دیئے گئے ہیں اور اُس نے یہ بھی بتایا ہے کہ وہ اُس وقت تک کوفہ سے باہر نہیں نکلا جب تک اُس نے اپنی آنکھوں سے یہ پُردرد منظر نہیں دیکھا کہ اُن کے پاؤں میں رسّی باندھ کر بازاروں میں گھسیٹا جا رہا تھا۔ یہ وحشت اثر خبر سُن کر امام علیہ السلام نے کئی بار فرمایا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ رَحْمَتُ اللّٰہِ عَلَیْہِمَا۔

یہ غم ناک خبر سُنی تو دِل دھڑک گیا، آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، اولادِ عقیلؑ کے دل بے قرار ہو گئے، خون کھولنے لگا، جب امام علیہ السلام نے پوچھا کہ اب تمہاری کیا رائے ہے، انہوں نے عرض کی جب تک مسلم کے خون کا بدلہ نہ لے لیں واپس نہیں پلٹیں گے یا ہم سب ہی قتل ہو جائیں گے۔ مولاؑ نے فرمایا بے شک مسلم کے بعد اب زندگی میں لُطف نہیں رہا۔

عزادارو۔ پردیس میں مسافروں کے دِل گھبرائے ہوئے ہوتے ہیں وطن کی جدائی کا صدمہ سفر کی

تکلیف اور بچھڑے ہوؤں کی یاد ہر وقت ستاتی ہے، اس عالمِ غربت اور ہولناک ماحول میں رنج والم کی منزل میں جب جناب مسلم کی موت کی خبر اہلبیتؑ نے سُنی ہوگی تو اُن کے دلوں پر کیا گزری ہوگی، فرزندِ رسولؐ جن کی نگاہ بار بار کوفہ کی جانب اُٹھتی تھی اور عادت کے منتظر رہتے تھے یہ دہشتناک خبر سُن کر اُن کا کیا حال ہوا ہوگا، مایوسی کی گھٹائیں بن صحابیوں کو دیکھا، بنی ہاشم کے جوانوں کو دیکھا، آنکھوں سے اشکوں کی برسات جاری ہوگئی، کلیجے پارہ پارہ ہوگئے اور آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھاگیا۔ تاریخ اعثم کوفی اور دوسری مقاتل کی کتب میں مرقوم ہے کہ فرزندِ رسول نہایت حزن و ملال کے ساتھ خیمہ میں داخل ہوئے اور جناب مسلم بن عقیل کی ایک دختر تھیں جن کا نام عاتکہ ہے ساٹھ سال کی عمر تھی اُسے اپنے پاس بلا کر اُس کے سر پر شفقت کا ہاتھ پھیرا، پیار کیا اور معمول سے زیادہ محبت کا اظہار کیا چونکہ اولادِ مسلم اپنے بابا کی خبر کی منتظر رہتی تھی اور خصوصاً یہ بچی ہر وقت بابا کو یاد کرتی رہتی تھی، اس نرالے پیار کو دیکھ کر گلوگیر آواز میں کہنے لگی، ماموں جان آج زیادہ پیار کیوں کر رہے ہیں آپ تو میرے سر پر اس طرح ہاتھ پھیر رہے ہیں جس طرح یتیموں پر شفقت کی جاتی ہے۔ ماموں جان کیا میرے بابا کی کوئی خبر آئی ہے؟ میں یتیم تو نہیں ہوگئی؟ یہ سُننا تھا کہ مولائے مظلوم کی آنکھیں بادل کی طرح برس پڑیں اور فرمایا کہ ہاں بیٹی تو یتیم ہوگئی ہے تیرا بابا کوفہ میں مارا گیا ہے، آج کے بعد مجھے باپ سمجھنا، خیام اہلبیت میں صفِ ماتم بچھ گئی، ہائے مسلم کی آوازیں بلند ہوئیں، بیبیوں نے سر پیٹ لئے، اولادِ مسلم نے سروں سے عمامے اتار دیئے اور ماتم کا کہرام برپا ہوگیا یقیناً زہراؑ کی بیٹیاں اور مستوراتِ بنی ہاشم تڑپ گئی ہوں گی جب سُنا ہوگا کہ کوفہ کے بازاروں میں لاش کی بے حرمتی کی گئی ہے۔ آہ سیدانیوں کو عالمِ غربت میں مدینہ یاد آیا ہوگا، گھروں کا خیال کیا ہوگا اور بنی ہاشم کے پہلے شہید کی دردناک موت کا حال سُن کر کس قدر بے چینی اور بے قراری ہوئی ہوگی۔ یہ صرف جناب مسلم کی شہادت کی خبر نہیں تھی بلکہ بنی ہاشم اور آلِ رسولؐ کی تباہی کا پیش خیمہ تھا، اس غریب الوطن کی موت بنی ہاشم کی موت کی خبر دے رہی تھی اور زوجۂ مسلم کی بیوگی اور اولادِ مسلم کی یتیمی تمام سیدانیوں کے لیے وارث ہونے اور تمام بنی ہاشم کے یتیم ہونے کا وقت قریب کر رہی تھی لکھا ہے کہ جناب مسلم کی وہی یتیم بچی بعد روزِ عاشور بعد شہادت حسینؑ جب سادات کے گھروں میں آگ لگی اور مستورات کے سروں سے چادریں اتار لی گئیں تو چھوٹے چھوٹے بچے روتے ہوئے فریادیں کرتے ہوئے جنگل کی طرف بھاگے، مائیں بچوں کو نہ سنبھال سکیں اور بچوں کے

ہاتھ سے ماؤں کے دامن چھوٹ گئے۔ فوجوں کی گھمسان تھی، بے تحاشہ گھوڑے دوڑ رہے تھے، گھبراہٹ کا عالم تھا۔ جنابِ مسلم کی یہ یتیم بچی دوڑتے ہوئے گھوڑوں کی زد میں آکر زندہ پامال ہوگئی اور دکھیاری ماں بچی کو سنبھال نہ سکی ہاں لاش دیکھی جس پر گھوڑوں کے سُموں کے نشان تھے۔

الا لعنۃ اللّٰہ علی القوم الظالمین

نویں مجلس

قیامت کا عقلی ثبوت، انبیاء کی تبلیغ، لواء الحمد اور اہلِ بیتؑ کا کربلا میں داخلہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ۔ جزا (قیامت) کے دن کا مالک ہے جس دن تمام بندوں کا حساب کتاب ہوگا، بندے اپنے خالق و مالک کے رُوبرُو پیش ہوں گے اور اپنے اعمال کی جزا و سزا پائیں گے۔

اَلدِّین۔ دین کا معنی "جزا" ہے۔ عمل کا بدلہ، دین مذہب کو بھی کہتے ہیں جس میں کچھ نظریات (عقائد) ہوتے ہیں اور کچھ ہدایات (احکام)، نظریات اصول کہلاتے ہیں اور ہدایات واحکام فروع، "اِنَّ الدِّینَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسلام" بے شک خدا کے نزدیک قابلِ قبول دین اسلام ہے۔ بندہ جس مذہب کا پیرو بن کر عمل کرے گا اور اس مذہب کے مطابق زندگی بسر کرے گا جزا کی خاطر خدا سے معاوضہ وصول کرنے کے لئے تو وہ مذہب صرف اسلام ہے۔ اسی واسطے اسے "دین" کہا گیا ہے کہ قابلِ جزا لائق معاوضہ ہے۔

یَوْمُ الدِّین۔ ضروری ہے، قیامت یقینی ہے، حشر و نشر لازمی ہے۔ ہم عقل کی روشنی میں قیامت کو ثابت کرتے ہیں۔ اسے ہم تین مرحلوں میں بیان کریں گے۔

عقلی استدلال

پہلا مرحلہ۔ جب ہم نے اس کائنات اور اشرف المخلوقات انسان کا ایک خالق تسلیم کر لیا جس نے مختلف قسم کے انسان پیدا کئے طاقتور بھی، کمزور بھی، شریف بھی، شریر بھی، قناعت کرنے والے اور حریص و لالچی بھی، ظالم بھی اور صابر بھی۔ انسان ایک ایسی مخلوق ہے جسے مِل جُل کر رہنا پڑتا ہے۔ جسے مدنی الطبع کہتے ہیں یعنی ہر بشر اپنی زندگی میں دوسروں کا محتاج ہے۔ غذا میں معاشرے کو مل جل کر کام کرنا

پڑتا ہے، کسان ہل چلانے اور بیج بونے میں لوہار بڑھئی اور دوسرے لوگوں کا محتاج، لباس میں غیروں کا لباس مکان بنانے میں یعنی روٹی، کپڑا اور مکان حاصل کرنے میں کتنے افرادِ معاشرہ کا محتاج ہے، بیماری میں صحت میں حتیٰ کہ مرنے کے بعد غسل وکفن اور لحد میں اتارنے میں بھی غیروں کا محتاج ہے۔

جب زندگی گزارنے میں انسان کو مل جل کر رہنا ضروری ہے اور انسان مختلف طبیعتیں، مختلف مزاج اور مختلف جذبات کا مالک ہے۔ اسی معاشرہ میں ظالم بھی ہیں مظلوم بھی، قوی بھی ہیں ضعیف بھی، قناعت پسند بھی ہیں اور حریص ولالچی بھی، صابر بھی ہیں غاصب بھی۔ غرضیکہ مختلف مزاجوں اور جذبوں والے ہیں اور مل جل کر رہنا بھی ضروری ہے۔ تو ایسے قوانین اور دستور العمل کی ضرورت ہے جو معاشرہ کے ہر فرد کی حفظ وامان کی ضمانت دے کر عدل وانصاف قائم کر کے پُرامن اور باوقار زندگی بسر کرنے کے ساتھ ترقی منازل کی رہنمائی کرے۔

انسان ان قوانین اور ہدایات کی پابندی کر کے باعزّت زندگی گزارے، کوئی کسی پہ زیادتی نہ کرے، کسی کا جانی اور مالی نقصان نہ کرے، کسی کی ہتک عزّت کا جرم نہ کرے، کسی کی حق تلفی نہ کرے، بغیر کسی کو نقصان پہنچائے مادّی وروحانی زندگی کے مدارج طے کرے، ایسے قوانین ہوں جو معاشرہ کو دُکھ سے دور رکھ کر سُکھ سے ہمکنار کریں، رنج والم سے نجات دے کر راحت و آرام کا سایہ مہیا کریں۔

کوئی عقلمند، کوئی فلسفی، کوئی سیاست دان ایسے آئین اور ایسے قوانین کی ضرورت سے انکار نہیں کر سکتا، اگر اس قسم کا دستور اور ایسے قوانین نہ ہوں تو معاشرہ اپنے ہاتھوں خون کی ندیوں میں ڈوب کر ختم ہو جائے اور انسانیت کی ناؤ قتل وغارت کے منجدھار میں غرق ہو جائے۔

دو چیزیں قوموں کی تباہی وبربادی کا باعث بنتی ہیں، دستور وقانون کا نہ ہونا۔ آئین وقانون تو ہوں مگر ان پر عمل نہ ہو۔

دوسرا مرحلہ، جب ثابت ہو چکا کہ بنی نوع انسان کے لئے دستور العمل کی ضرورت ہے تو دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ یہ دستور العمل انسان خود بنائے اور اپنی کامیاب زندگی کے لئے معاشرہ خود قوانین وضع کرے، یا خالق ومالک یعنی خداوند عالم اپنی اشرف المخلوقات انسان کو باامن وباوقار زندگی گزارنے کے لئے خود دستور العمل بنا کے دے اور اس کی مادّی وروحانی زندگی کے ارتقاء کے لئے خود قوانین وہدایات اور احکام وضع کرے۔

عقلِ سلیم بتاتی ہے کہ جس نے انسان کو پیدا کیا اور جس نے انسان کو معاشرتی وتمدّنی زندگی دی اسی کا حق ہے کہ کامیاب زندگی گزارنے کے لئے اسے دستور العمل بنا دے اور اپنی جانب سے انسانی سوسائٹی کو

ہدایات و احکامات جاری کرے۔

انسان خود ناقص ہے اسے ظاہر کا علم ضرور ہے مگر باطن کا نہیں، حال جانتا ہے لیکن مستقبل سے ناواقف ہے۔ آج کوئی قانون بناتا ہے کل اسی کی خامی ظاہر ہو جاتی ہے اور وہ قانون واپس لے لیتا ہے۔ فرد واحد بنائے یا کوئی انجمن و کمیٹی یا کوئی اسمبلی اپنے بنائے ہوئے قوانین و آئین کو مکمل نہیں کہہ سکتی، اپنی غلطی کے احساس پر اور معاشرے کے احتجاج پر اپنا بنایا ہوا دستور واپس لے لیتی ہے یا اس میں ترمیم کرتی ہے۔

لیکن خداوند عالم علیم و خبیر ہے وہ انسان کے ظاہر کو بھی جانتا ہے اور باطن کو بھی، ماضی، حال اور مستقبل سے بھی واقف ہے۔ وہ انسان کی نفسیات اور روحانی و مادی، انفرادی و اجتماعی تقاضوں کو خوب جانتا ہے۔ جس نے خود انسان میں جذبات و محرکات پیدا کیے، خواہشات اور ارادے پیدا کیے، گوشت و پوست بنایا، خون و ہڈیاں بنائیں، دل و دماغ بنایا وہ اس کے تقاضوں کو بھی خوب جانتا ہے۔ اور اس کے لئے اس کے زمانے کے حالات کے مطابق دستور العمل وضع کرتا ہے۔

لہذا اس کے دستور العمل اور قوانین حیات مکمل مطابق تقاضائے بشری اور دونوں جہان کی کامیاب زندگی کے ضامن ہوتے ہیں۔

اگر انسان قانون بنائے تو وہ خود غرض ہے، قانون بناتے وقت اس کی ذاتی اغراض قانون کے خلوص کو مکدر کر دیتی ہیں اور قانون تمام و عام معاشرے کے مفاد کی بجائے چند اشخاص کے مفاد کی کڑیوں میں پابند ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ خالق و مالک کو انسان سے اس کی زندگی سے اور اس کی زندگی کے قانون سے کوئی غرض، مطلب یا طمع نہیں اس کی ذات اس قسم کے اغراض و مفادات سے بے نیاز و مستغنی ہے، اس دستور اور ان قوانین سے صرف انسانی معاشرہ کا مفاد اور انسانی سوسائٹی کی بہبود مقصود ہے۔ اور وہ جو قانون و ہدایات جاری فرمائے گا اس میں کسی فرد واحد یا کسی خاص قوم کی بہبودی و بھلائی مقصود نہیں ہو گی بلکہ جملہ افراد انسانی کا مفاد و شرف انسانیت کا ارتقاء دونوں جہانوں کے لئے ملحوظ ہو گا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اجتماعی و انفرادی زندگی کے لئے ہدایات و احکام جاری فرمائے جس کا نام شریعت ہے۔ یہ صحیفوں اور کتابوں کی صورت میں آئے اور اپنی طرف سے حکام بھی بھیجے جو ان قوانین و دستور یعنی احکام و ہدایات کو اپنی امتوں میں نافذ کریں اور خود عمل کر کے دکھائیں۔ ان حکام کو نبی، رسول اور امام کہتے ہیں۔

خدا کی جانب سے نازل کردہ دستور العمل و احکام کا نام اسلام ہے۔ جو دین ہے اور اس کے تحت احکام و قوانین (رولز) کو شریعت کہتے ہیں۔

تیسرا مرحلہ۔ جب ثابت ہو چکا کہ خداوند عالم نے اپنی اشرف مخلوق کو خود دستور العمل اور قوانین بنا کے اپنے خاص نائبوں (انبیاء و رسل اور آئمہ) کے ذریعہ بھیجے ہیں تاکہ ہر زمانے کا انسان ان قوانین کے مطابق زندگی گزارے اور ان احکام کی پابندی کرے تاکہ کوئی کسی کی حق تلفی نہ کرے کوئی حدود سے تجاوز نہ کرے، اپنے خالق کے حقوق پہچانے اور بندوں کے حقوق پہچان کر انہیں ادا کرے۔ یہ قوانین و احکام دونوں جہان کی کامیاب زندگی کے ضامن ہیں۔

یہ تمام قوانین و احکام بے کار ہو جاتے ہیں، جب تک ان پر عمل نہ کرایا جائے اور ان ہدایات کی خلاف ورزی پر سزا نہ دی جائے۔

جب کسی ملک کی کوئی قانون ساز کمیٹی قانون وضع کرتی ہے تو اس پر عمل کرانے کی کوشش بھی کرتی ہے اور قانون بنا کر اس ملک کے حکام کے ذریعہ ان قوانین کو ملک کے اندر نافذ کراتی ہے۔ اور قانون کی خلاف ورزی کی صورت میں مختلف قسم کی سزائیں مقرر کرتی ہے۔ کیونکہ جب تک خلاف ورزی کرنے والوں کو احکام کو قبول نہ کرنے والوں اور مجرموں کو سزائیں نہ دی جائیں قانون بے اثر ہو جاتا ہے اور معاشرہ بگڑ جاتا ہے امن و سکون ختم اور قتل و غارت عام اور ملک تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔ قانون بنانے والے قانون کی خلاف ورزی کرنے والوں کی خود سزا تجویز کرتے ہیں اور اپنے نمائندوں، نائبین اور کارندوں کے ذریعہ سزا دلواتے ہیں۔ خداوند عالم نے انسان کو ہر زمانے میں دستور العمل اور ہدایات عطا فرمائے اور تعمیل احکام کی صورت میں نیک بدلہ جزا اور بد عملی نافرمانی احکام کی خلاف ورزی کی صورت میں سزا کا وعدہ فرمایا ہے۔ اور ہر زمانے کے انسان کے لئے حسن عمل کی صورت میں ثواب اور نافرمانی اور بد عملی کے بدلہ میں عذاب کے لئے ایک دن مقرر فرمایا ہے جس کا نام ہے "یَوْمُ الدِّین" روز جزا یعنی قیامت اس لئے فرمایا ہے "مٰلِكِ يَوْمِ الدِّين" روزِ جزا کا مالک ہے۔

اثبات قیامت کی دوسری عقلی دلیل

ہم دیکھتے ہیں کہ اس دار دنیا میں کئی ظالم اشخاص اپنے ظلم کی سزا نہیں پاتے چور، ڈاکو، قاتل اور بندوں پر ظلم کرنے والے، فساد برپا کرنے والے، قوانین الٰہیہ کی خلاف ورزی کرنے والے بے گناہ افراد کو بے دریغ قتل کرتے والے، امنِ عالم کو تباہ کرنے والے، دنیوی عدالتوں سے بری ہو جاتے ہیں اور انہیں اپنے کئے کی سزا نہیں ملتی، ظالم اور سفاک بادشاہ ہوسِ ملک گیری اور کثرت فتوحات کی حرص میں ملکوں کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں، ہزارہا عورتوں کے سہاگ لٹ جاتے ہیں۔ ہزاروں بچے یتیم ہو جاتے

ہیں ان کے اموال لوٹ لئے جاتے ہیں اور بستیوں کی بستیاں ویران ہوجاتی ہیں لیکن ان خونریز اور سفاک حکمرانوں کو دنیا میں کوئی سزا نہیں ملتی، اگر خداوندِ عالم مالک الملک ان کو سزا نہ دے تو اسے عادل نہیں کہہ سکتے اور اس کا مطلب یہ لیا جاسکتا ہے کہ خدا نے ان ظالموں کو کھلی چھٹی دے رکھی ہے۔ اگر ان کا مواخذہ نہ کرے تو مطلب یہ ہے کہ خدا (معاذ اللہ) ان کے ظلم، قتل و غارت اور خونریزی پر راضی ہے۔ العیاذ باللہ اس صورت میں خدا ظالم کہلاتا ہے۔ حالانکہ خدا عادل ہے اس نے عدل کا حکم دیا ہے، وہ عدل کو پسند کرتا ہے تو عدل کا تقاضا ہے کہ ظالم کو ظلم کی سزا دے اور مظلوم کی بے گناہی اور اس کے صبر پر اس کو نیک جزا دے لیکن اس دنیا میں اکثر ایسا نہیں ہوتا تو ماننا پڑتا ہے کہ خدائے قادر و قہار نے ایک دن مقرر کیا ہے۔ جس دن ظالم و مظلوم، قاتل و مقتول، بدکار و نیکوکار کو اس دن اکٹھا کرکے عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرے گا اور مجرموں کو سزا دے گا اسی دن کو "یوم الدین" کہا گیا ہے۔

جو احکام اس نے تعمیل کیلئے اپنے انبیاء و مرسلین کے ذریعہ بندوں تک پہنچائے ان احکام کی نافرمانی میں بہت کم اس دنیا میں سزا دی ہے۔ چونکہ تعمیل ہدایات کی صورت میں نیک جزا اور خلاف ورزی کی صورت میں عذاب کی سزا ضروری ہے ورنہ ہدایات و احکام کا بھیجنا فضول اور بے کار ثابت ہوتا ہے۔ لہٰذا ایک ایسے دن پر ایمان لانا پڑتا ہے کہ اس دن "احکم الحاکمین" بندوں کو اکٹھا کرکے ان سے باز پرس کرے گا اور ان کے اعمال کے بدلہ ثواب و عقاب دے گا اور وہ "یوم الدین" جزا اور قیامت کا دن ہے۔

یہ دنیا "دار الاعمال" ہے اور اگلا جہان "دار الجزاء" ہے اس نے دو جہان بنائے۔ ایک جہان کارکردگی کا اور دوسرا جہان اس دنیا کی کارکردگی کے صلے کا۔ اسی واسطے کہا گیا ہے "اَلدُّنیا مُزرعۃُ الآخرۃ" یہ دنیا اگلے جہان کی کھیتی ہے۔ جو اس دنیا میں اعمال کی زمین میں بوؤگے اسی کا پھل اگلے جہان جزا کی صورت میں حاصل کروگے۔

ع از مکافاتِ عمل غافل مشو — گندم از گندم بروید جَو ز جَو

اے انسان اپنے عمل کے بدلے سے غافل نہ ہو گندم بونے سے گندم اور جَو کاشت کرنے سے جَو کاٹے گا۔ جو ہی بوئے گا اسی کا پھل کاٹے گا نیکی کاشت کرے گا تو نیکی کا میٹھا پھل پائے گا بدی بوئے گا تو بدی کا تلخ ثمر حاصل کرے گا۔

ایک اہم سوال اور اس کا تسلّی بخش جواب

عام طور پر کہا جاتا ہے کہ اگر انسان کو نیکی کرنے کے بعد فوراً نیک اجر مل جاتا تو نیکی عام ہو جاتی اور نیک بدلے کے طمع میں اسے نیکی کرنے کا شوق اور بھلائی کی عادت ہو جاتی اور اس فوری جزا کی صورت میں پورا معاشرہ نیکیوں کی طرف سبقت کرتا۔

اسی طرح برائی کرنے کی صورت میں آدمی کو جب فوراً سزا مل جاتی تو فوری سزا کے خوف سے کوئی برائی نہ کرتا اس طرح برائیاں ختم ہو جاتیں اور معاشرہ نیکیوں سے بھر جاتا۔ اور یہ دنیا امن و سلامتی کا گہوارہ بن جاتی۔

بے شک یہ سوال اہم ہے۔ اب اس کا اہم اور معقول جواب بھی ملاحظہ فرمائیں۔

اگر دنیا دار الجزاء بھی بن جائے کہ نیکیوں کو ان کی نیکی کے بدلہ دولت و مال، صحت و نعمتوں کی صورت میں ملنے لگے تو لوگ نیکیوں کو کاروبار کی حیثیت سے اختیار کر جائیں گے۔ از روئے ایمان اور حکم الٰہی امر مولا سمجھ کر نہ کریں گے اور اعمال صالحہ کی روحانی قدر تقربِ خدا کا ذریعہ ہونے کی حیثیت ختم ہو جائے گی اب جتنی عبادات ہیں ان کی نیت میں "قُربۃً اِلَی اللہ" کے الفاظ آتے ہیں۔

جب دنیوی نعمات کے حصول کا ذریعہ سمجھ کر عبادات بجا لائی جائے گی تو "قُربۃً اِلَی اللہ" کی نیّت ختم ہو جائے گی اس طرح لوگ نیکی کرنے پر مجبور ہو جاتے جس طرح پیٹ پالنے اور کسبِ دہر کی خاطر مجبور ہو جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ بغیر کاروبار کے گزارہ نہیں ہوتا اسی طرح نیک امور، عبادات اور اعمال صالحہ بجالانے میں بااختیار نہ رہتے بلکہ دنیوی نعمتوں کی لالچ میں بطور کاروبار کے یہ اختیار کرتے، اس طرح یہ اُمور عبادت نہ قرار پاتے اور نیکیوں کو احکام خداوندی نہ سمجھا جاتا۔ خدا کی عظمت دلوں میں نہ رہتی اور روحانی اقدار ختم ہو جاتیں اور عبد و معبود کے درمیان واسطہ اور تعلق پیدا نہ ہوتا۔

اسی طرح برائیوں کو حکم الٰہی سمجھ کر ان سے پرہیز نہ کیا جائے بلکہ فوری سزا کے خوف سے ان سے دور رہا جائے تو یہ اپنی ذاتی حفاظت کا سامان ہو گا جس طرح انسان خطرناک چیزوں سے ڈر کر کنارہ کش رہتا ہے۔ سانپ، بچھو، درندوں، موذی جانوروں اور مضر صحت و جان اشیاء سے پرہیز کرتا ہے۔ تو جسمانی صحت و حفاظت کے لئے یہ سب کچھ ہو گا۔ ایمان، خوفِ خدا، عظمتِ خالق، روحانی ترقی اور تقربِ خدا کا سلسلہ ختم ہو جائے گا۔

اوامر و نواہی کو خدائی ہدایات نہ سمجھا جاتا اور تکلیف ختم ہو جاتی اور اعمال صالحہ اور معاصی دنیوی اُمور

اور دنیوی زندگانی کا ایک حصہ بن جاتے۔

طاعت اور عمل صالحہ تو یہ ہے کہ حکم خدا اور خوشنودی خالق کا ذریعہ سمجھ کر کیا جائے اور اس کے بجالانے سے خدا کی رضا مقصود ہو۔ اسی طرح بدی سے بچنے کا بھی یہی مقصد ہونا چاہیئے۔

اسی لئے خالق کائنات نے روزِ جزا کو روزِ عمل سے الگ بنایا ہے۔ بدلے کا دن کام کے دن سے جُدا ہے، اور پھل پانے کا وقت کاشت کرنے کے وقت سے علیحدہ ہے۔ اس نے دو جہان بنائے یہ جہان عمل کا، محنت و مشقت کا اور کوشش و ہمّت کا ہے۔ اگلا جہان اس محنت و عمل کے ثمر کا ہے کوشش کے نتیجہ کا ہے۔ کام کی جزا ہے۔ تاکہ اس دنیا میں کرنے کی باتیں امر خدا سمجھ کر کی جائیں اور نہ کرنے کی باتیں نہی سمجھ کر ان سے پرہیز کیا جائے۔

ان دونوں جہانوں کو "دو دارین" کہا گیا ہے دارِ دنیا یہ جہان اور دارِ آخرت اگلا جہان۔

انبیاء و مرسلین

مذکورہ بالا عقلی دلیلوں سے جب قیامت کا حق ہونا ثابت ہو گیا تو ہمیں چاہیئے کہ وہ امور تلاش کریں جن کے بجالانے سے خالق خوش ہوتا ہے۔ اور اگلے جہان میں نیک بدلہ دے گا اور ایسے امور کی پہچان کریں جن سے رکنا ضروری ہے اور ان کے کرنے سے خدا ناراض ہوتا ہے اور ان کے ارتکاب پر خدا بروزِ قیامت سزا دے گا۔

کچھ اُمور تو ایسے ہیں جن کی اچھائی و برائی عقل و دانش معلوم کر لیتی ہے مثلاً سچ بولنا، بھلائی کرنا، والدین کی خدمت کرنا، کسی کو تکلیف نہ دینا، دھوکہ نہ دینا، ظلم نہ کرنا، کمزوروں کی مدد کرنا، غریبوں اور بیماروں کے ساتھ ہمدردی کرنا، بیماروں کی عیادت کرنا، کسی کی بُرائی نہ کرنا، مسافروں کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا، مہمانوں کی عزّت کرنا، کسی کی جان و عزّت پر حملہ نہ کرنا، کسی کا ناحق مال نہ چھیننا وغیرہا ایسے امور ہیں جنہیں معاشرہ عقلِ سلیم کی روشنی میں اچھا یا بُرا کہتا ہے۔ اور اس کے لئے ایک بہترین معیار ہے۔

جو اپنے لئے پسند کرتا ہے دوسروں کے لئے بھی پسند کر اور جو اپنے لئے پسند نہیں کرتا وہ دوسروں کے لئے بھی پسند نہ کر۔

یہ ایک ایسا عمدہ ضابطہ ہے جس پر عمل کرنے سے دنیا امن و سلامتی کا گہوارہ بن سکتی ہے لیکن اسلام چونکہ ایک روحانی مذہب ہے مادی مسلک نہیں، ہم خدا کو خالق و مالک جانتے ہیں۔ اس

واسطے خالق و مخلوق اور عبد و معبود کا تعلق بھی قائم ہے۔ اس واسطے اگلے جہان کی آبادی اور روحانی ترقی کے لئے خدا سے پوچھ سکتے ہیں خدایا! تونے ہمیں کیوں پیدا کیا؟ ہمارے پیدا کرنے سے تیرا کیا مقصد ہے؟ تو ہم سے کیا چاہتا ہے اور کیا نہیں چاہتا۔ جب تونے دو جہان بنائے ہیں یہ جہان عمل کا اور دوسرا جہان بدلے کا، تو ہم کیسے عمل کریں جس سے اگلے جہان کو آباد کریں یہ امور ایسے ہیں جہاں ہماری عقلیں کند ہو جاتی ہیں، دانش ساتھ چھوڑ دیتی ہے، سمجھ کچھ کام نہیں کرتی، اس واسطے خالق نے ہی ہمارے اس صحیح و فطری سوال کا جواب خداوند عالم نے سوال سے پہلے ہی دے دیا۔ انہی باتوں کو بتلانے اور پہنچانے کے لئے خداوند عالم نے ہم میں اپنے نمائندے بھیجے جو ہیں تو انسان لیکن نمائندگی خدا کی کرتے ہیں، رہتے ہم میں ہیں لیکن نیابت خالق کی کرتے ہیں۔

ہم مادی کثافت میں آلودگی کی وجہ سے اس قابل نہیں کہ اس سے براہِ راست پوچھ سکیں اور وہ انتہائے تجرّد کی بنا پر ہم سے بات نہیں کرتا، اس واسطے ہمارے اور اس کے درمیان ایسے وسائط اور وسائل ہیں جو ہم سے بھی تعلق رکھتے ہیں اور اس سے بھی، ہم سے بھی مانوس ہیں اور اس کے بھی محبوب ہیں، ہم سے ہیں لیکن ہم ایسے نہیں، اس سے ہیں لیکن اس جیسے نہیں، نورانی و روحانی پہلو بھی رکھتے ہیں اور مادی و بشری پہلو بھی رکھتے ہیں، اگر روحانی و نورانی پہلو نہ ہو تو اس سے احکام و ہدایات لے نہیں سکتے اور اگر مادی و بشری پہلو نہ ہو تو ہمیں ہدایات دے نہیں سکتے۔

ان دونوں جنبوں کے مالک وسائط کو اصطلاح اسلام میں انبیاء و مرسلین کہا جاتا ہے۔ خدا کی طرف سے خبریں دیتے ہیں، اس واسطے ان کو نبی کہتے ہیں، خدا کے بھیجے ہوتے ہیں اس واسطے ان کو رسول کہا جاتا ہے۔ جو کرنے کی باتیں ہمیں بتاتے ہیں ان کو اوامر امر کی جمع بمعنی حکم اور جو نہ کرنے کی ہیں ان کو نواہی کہتے ہیں۔ یعنی خدا کی جانب سے وہ اوامر و نواہی لاتے ہیں جو خدا کی خوشنودی کی خاطر اس کے احکام کی تعمیل کرتے ہیں ان کو یوم الدین میں نیک بدلے کی بشارت اور خوشخبری دیتے ہیں اس واسطے ان کو "مبشرین" کہا گیا ہے۔ اور جو لوگ خدا کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں اور اس کے نافرمان بندے ہیں ان کو "یوم الدین" عذاب سے ڈراتے ہیں۔ اس واسطے ان کو منذرین کہا جاتا ہے۔ كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ وَأَنزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ۔

جب ہمیں قیامت کے واقع ہونے کا یقین ہو گیا، جزا و سزا کے دن کی آمد یقینی ثابت ہو گئی، ان امور کا پتہ بھی چل گیا جن کی تعمیل ہمیں جنت میں لے جائے گی، ان باتوں کا علم بھی ہو گیا جو ہمیں دوزخ میں لے

جائیں گی تو آپ اس دنیا میں ان اعمال صالحہ کو بجالانا ضروری ہے تاکہ روزِ قیامت جب ہم خدا کے رُو برُو پیش ہوں تو وہ راضی ہو تاکہ اپنے جوارِ رحمت جنّت میں جگہ دے اور ایسی باتوں سے پرہیز کریں جو خالق اور مالک یوم الدین کی ناراضگی کا باعث ہیں تاکہ ہم اس کے غضب سے بچیں اور سزا کے مقام دوزخ میں نہ جائیں۔ فَمَن ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَّاضِيَةٍ وَأَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُمُّهُ هَاوِيَةٌ جس کا نیکیوں والا پلڑا بھاری ہوگا وہ پسندیدہ اور عیش وآرام کی زندگی میں ہوگا اور جس کا نیکیوں والا پلڑا ہلکا ہوگا اس کا ٹھکانہ "ہاویہ" ہوگا۔

لواء الحمد

قیامت کا منظر سخت ہولناک ہوگا اور ایسے ہول وخطرہ کے موقع پر سہارا ڈھونڈا جاتا ہے۔ سورج کی دھوپ سخت گرمی شدید ہوگی لوگ پسینے میں ڈوبے ہوئے ہوں گے۔ دھوپ سے بچنے کا سہارا سایہ ہوتا ہے۔ روزِ محشر سایہ کی تلاش ہوگی۔ ہاں سایہ دستیاب ہوگا مگر جن کے ہاں سایہ ہوگا اگر دنیا میں ان سے عداوت رہی، ان کے حقوق نہ پہنچانے اور پہچان کرا دانہ گئے تو اس سایہ کی ٹھنڈک سے محروم نصیب ہوگا۔ اے مسلمان اگر جزا کے دن سورج کی گرمی سے بچنے کے لئے سایہ کا خواہش مند ہے تو آ تجھے سائے کا پتہ دیتا ہوں مگر اس سایہ تک پہنچنے کے لئے بھی سایہ داروں کی معرفت کرلے، ان کی محبّت کے سائے تلے آجا اور ان کو پہچان لے۔ آ تجھے پہچان بھی کرادوں۔ سایہ ایک علم کے پھریرے کا ہوگا، اس علم کا نام "لِواء الحمد" ہے۔ روزِ قیامت اس علم کا اٹھانے والا وہی گا جو زمانہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں تمام جنگوں میں علمبردار اسلام رہا جس کے ہاتھ میں ہر جنگ میں اسلام کا علم رہا اور اس نے علم کی لاج رکھی جو میدان جنگ میں بلند کئے رہا اور اس وقت تک میدان سے واپس نہ پلٹا جب تک جنگ کو فتح نہ کر لیا، جو دنیا میں رسولؐ پاک کا علمدار رہا، آخرت میں بھی وہی صاحب علم ہوگا۔

یاد رکھ اس علم سے وہ قیامت کا علم بھاری ہوگا جو اس دنیا میں علم کو نہ سنبھال سکے وہ قیامت کے روز کس طرح اتنے بڑے علم کو اٹھاسکیں گے، علم ہر ہاتھ میں نہیں سجتا، علم اٹھانے کیلئے بھی ہاتھ چاہئیں، وہ ہاتھ یدُ اللّٰہی ہیں، وہ ہاتھ ہیں فاتح خیبر، قاتل مرحب وعنتر، ابوطالبؑ کے دلبر، رسول کے برادر، زہرا کے شوہر، والد شبیر وشبر شیعوں کے رہبر علیؑ ابن ابی طالبؑ کے جیسا کہ کنز العمال، معجم کبیر طبرانی، فردوس الاخبار دیلمی اور مناقب خوارزمی میں ہے۔ عن ابن عباس۔ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یعلیؑ انت امامی یوم القیامۃ فیندفع الیّ لواء الحمد فادفعہ الیک وانت

تَزودُ النّاسَ عَن حوضی ۔

جناب ابن عباس سے مروی ہے کہ جناب سرورِ دوعالم صلعم نے فرمایا کہ یا علی تم قیامت کے روز میرے آگے آگے ہوگے، مجھ کو لواء الحمد دیا جائے گا اور میں تمہیں دے دوں گا اور تم ہمارے حوضِ کوثر سے لوگوں کو ہٹاؤ گے۔

عن جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ، قالوا یا رَسُولَ اللّٰہِ مَن یحمل رایتک یَومَ القیامۃ قال من یحسن ان یحملھا الا من حملھا فی الدنیا علی ابن ابی طالب ۔ جابر بن سمرہ سے روایت ہے کہ اصحاب نے عرض کیا یا رسول اللہ قیامت کے روز آپ کا لواء (علم) کون اٹھائے گا۔ آپ نے فرمایا اس کے سوا کوئی نہ اٹھائے گا جو دنیا میں اٹھاتا رہا اور وہ علیؑ بن ابیطالبؑ ہے۔

عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعلیّ انت تغسل جثتی و تُودّی دینی وتُواریبی فی حفرتی وتفی بذمّتی وانت صاحب لوائی فی الدنیا والآخرۃ ۔

جناب ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا یا علیؑ تو مجھے مرنے کے بعد غسل دے گا اور تو ہی میرا قرضہ ادا کرے گا اور تو ہی مجھے قبر میں دفن کرے گا تو ہی میری ذمہ داری کو پورا کرے گا اور تو ہی میرے جھنڈے کو دنیا و آخرت میں اٹھائے گا۔

اس لواء الحمد میں اتنی وسعت ہوگی کہ جتنے سچے حب دار ہوں گے سب اس کے سائے میں پناہ لے سکیں گے۔ اس واسطے مسلمانو! علی کا حق پہچانو جس مرتبے کا مالک ہے اس کے مرتبہ کے مطابق مانو سایہ علیؑ اس کو نصیب ہوگا جس کے ہاتھ میں ان کا دامن ہوگا جس کی زبان پر ان کا ذکر ہوگا جس کے دل میں ان کی محبت ہوگی جن کے قدم ان کے نقشِ قدم پر چلیں گے۔

بے شک یوم جزا کا مالک خدا ہے۔ لیکن اس کی بارگاہ میں شفاعت کرنے والے، سیّد الانبیاء، امام الاتقیاء، سیدۃ النساء، حسن مجتبیٰ، سیّد الشہداء، خمسہ نجباء، کشتیٔ نجات کے ناخدا اور شیعوں کے رہنما ہیں۔

جنہوں نے دنیا کی تکلیفوں میں ان کا ساتھ دیا، دُکھ سُکھ میں ان کے ساتھ رہے، سفر و حضر میں ان کے خدمت گزار رہے اور محشر میں بھی ان کے ساتھ رہیں گے۔

حضرات مومنین! آپ نے زہیر بن قین کا حال تو سُنا ہے۔ جب صحرائے غربت میں شمع امامت کو روشن دیکھا تو پروانہ وار آکر گرد گھومنے لگے۔ اسی طرح اس سفر پُرخطر کی منزلوں میں سچے حبدار شامل ہوتے گئے جو مالِ غنیمت اور دنیوی لالچ میں شامل ہوئے تھے وہ ساتھ چھوڑتے گئے اور جو

سچے فدائی اور کھرے شیدائی تھے وہ گرد جمع ہونے لگے۔

حُر کی ملاقات

قارئین کرام! آپ پڑھ چکے ہیں کہ ابنِ زیاد نے امام حسین علیہ السلام کو محصور کرنے کے لئے ہر طرف سے ناکہ بندی کر دی تھی، ہر طرف سے راہیں بند تھیں۔ آپ منزل "شراف" میں پہنچے تو حر بن یزید ریاحی ایک ہزار سواروں کے ساتھ آپ کے مقابل آیا، دوپہر کا وقت تھا، سخت گرمی تھی۔ شدت پیاس سے گھوڑوں کی زبانیں باہر نکلی ہوئی تھیں اور سوار بدحواس تھے، ساقیِ کوثر کے فرزند، کریم ابنِ کریم نے جب اُن کی بدحالی دیکھی تو غلاموں کو حکم دیا کہ پانی کی مشکیں جو ہمراہ ہیں ان کے دہانے کھول دو اور اس لشکر اور اِن کے گھوڑوں کو سیراب کر دو، حُکمِ امام ملتے ہی تعمیل شروع ہو گئی، سواروں اور گھوڑوں نے سیر ہو کر پانی پیا، ساقیِ کوثر کے فرزند کی اخلاقی فیض رسانیوں سے حُر کا تمام لشکر سیراب ہو گیا اور پیاس سے ان کے جلتے ہوئے دلوں اور دہکتے ہوئے کلیجوں کی آگ بالکل ٹھنڈی پڑ گئی، اس اثناء میں ظہر کی نماز کا وقت آ گیا، امام پاک نے نماز پڑھائی اور حُر نے بھی امام پاک کی اقتدا میں نماز پڑھی، بعد نماز حُر نے کہا کہ ہمیں حکم ملا ہے کہ آپ کو گھیر کر ابنِ زیاد کے سامنے لے جا کر پیش کریں جنابِ امام حسینؓ نے اس طرح جانے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ اہلِ کوفہ کی دعوت پر میں نے کوفے کا قصد کیا ہے اگر تمہیں میرا آنا پسند نہیں تو میں جہاں سے آیا ہوں واپس چلا جاتا ہوں، اس کے بعد آپ نے اپنے آدمیوں کو حُکم دیا کہ سوار ہو جاؤ، چنانچہ جب قافلہ تیار ہو گیا اور مستورات بھی سوار ہو گئیں تو آپ نے حکم دیا کہ واپس چلو جب واپس مڑنے لگے تو حُر اپنی سپاہ کے ساتھ راستے میں حائل ہو گیا اور واپس جانے سے روکنے لگا، امام نے حُر سے فرمایا ثَکِلَتْکَ اُمُّکَ ما تریدُ! تیری ماں تیرے ماتم میں بیٹھے تو کیا چاہتا ہے؟ حُر نے جواب میں کہا کہ اگر آپ کے علاوہ کوئی اور شخص یہ کلمہ مجھے کہتا تو بھی ضرور اُسے ویسا ہی جواب دیتا مگر آپ کی والدہ ماجدہ کا خیر و خوبی کے سوا ذکر نہیں کیا جا سکتا، امام نے فرمایا کہ آخر تو چاہتا کیا ہے حُر نے کہا میں چاہتا ہوں کہ آپ کو امیر عبید اللہ بن زیاد کے پاس لے جاؤں، امام نے فرمایا خدا کی قسم میں اس طرح تیری بات نہیں مانوں گا حُر نے کہا خدا کی قسم میں بھی آپ کو ہرگز نہ چھوڑوں گا، اسی طرح ہر دو جانب سے تین بار یہی خیالات ظاہر کئے گئے۔ اس کے بعد حُر نے کہا مجھے آپ سے لڑنے کا حُکم نہیں دیا گیا مجھے تو صرف یہی حکم ملا ہے کہ جب آپ مل جائیں تو جب تک آپ کو کوفہ نہ پہنچا لوں آپ سے جُدا نہ ہوں لیکن آپ ایسا نہیں کرتے تو پھر ایک اور طریقہ یہ ہے کہ آپ کوئی ایسا راستہ اختیار کریں

جو نہ کوفہ کو جاتا ہو اور نہ ہی مدینہ کو، اس کے بعد میں ابنِ زیاد کو صورتِ حال لکھوں گا۔ شاید خدا مجھے آپ کے ساتھ جنگ کرنے سے بچالے، امام عالی مقام نے حُر کی اس تجویز سے اتفاق کرتے ہوئے عذیب وقادسیہ کی راہ سے ہٹ کر بائیں طرف مڑ کر سفر شروع کیا، حُر بھی تھوڑے فاصلے پر ساتھ ساتھ چلتا رہا، آپ جب منزل "عذیب الہجانات" پر پہنچے آپ نے قیام فرمایا اور تھوڑے فاصلے پر حُر نے بھی اپنے سپاہیوں سمیت قیام کیا، اسی منزل پر کوفہ سے چار آدمی اپنی اپنی سواریوں پر سوار وارد ہوئے یہ چار شخص عمر بن خالد صیداوی اُس کا غلام سعد مجمع بن عبداللہ مذحجی اور نافع بن ہلال تھے اور پانچویں بزرگ ان کے راستے بتانے والے طرماح بن عدی تھے۔ یہ لوگ قافلۂ امام میں شامل ہو گئے، حُر نے انہیں گرفتار کرنا چاہا تو امام نے فرمایا اب چونکہ یہ لوگ میرے پاس پہنچ گئے ہیں لہذا یہ میرے پہلے ساتھیوں کی طرح میری حفاظت میں ہیں، یہ سُن کر حُر خاموش ہو گیا، جب امام پاک سرزمین نینوا کے قریب پہنچے اور حر بھی اپنی سپاہ سمیت ساتھ ساتھ تھا تو کوفہ کی طرف سے ایک مسلح ناقہ آتا ہوا نظر آیا اُسے دیکھ کر سب رُک گئے، جب قریب آیا تو اُس نے حُر اور اُس کے ساتھیوں کو سلام دیا اور امام حسین علیہ السلام اور اُن کے اصحاب کو سلام نہ کیا اُس نے حُر کو ابن زیاد کا خط دیا جس میں لکھا تھا جب تمہیں میرا خط ملے تو وہاں حسینؑ کو روک لو اور اُن کو ایسی جگہ پر اترنے کے لئے مجبور کرو جہاں پانی اور سبزہ نہ ہو، میں نے اپنے قاصد کو کہہ دیا ہے کہ تعمیلِ حکم کے لئے تمہارے ساتھ ساتھ رہے۔

حُر نے امام عالی مقام کو خط کے مضمون سے آگاہ کیا اور تعمیلِ حکم کے لئے اپنی مجبوری ظاہر کی، امام نے فرمایا مجھے غاضریہ، نینوا یا شفیہ میں اُترنے کی اجازت دو، حُر نے کہا مجھے تو حکم ہے کہ آپ کو ایسی جگہ اتاروں جہاں پانی اور سبزہ نہ ہو لہذا میں ایسا نہیں کر سکتا اس کے بعد امام نے حُر سے فرمایا ہمیں تھوڑا سا آگے چلنے دو۔ تھوڑا آگے ہی چلے تھے کہ امام حسینؑ کی سواری کا گھوڑا چلتے چلتے رُک گیا۔ ہر چند آپ نے راہوار آگے بڑھانے کی کوشش کی مگر اس نے ایک قدم بھی آگے نہ بڑھایا۔ اکثر تاریخوں سے یہ بھی مستفاد ہوتا ہے کہ آپ نے متعدد سواریاں بدلیں مگر کسی نے بھی اپنے مقام سے آگے حرکت نہ کی۔ تب امام عالی مقام نے دریافت فرمایا کہ اس جگہ کا کیا نام ہے۔ لوگوں نے کہا کہ اس زمین کو کربلا کہتے ہیں۔ اس وقت امام نے فرمایا خدا کی قسم یہی زمین رنج و مصیبت کی ہے۔ یہیں ہماری سواریاں بٹھائی جائیں گی۔ یہاں ہمارے مردوں کے خون بہائے جائیں گے۔ ہماری مستورات یہاں سے قید کی جائیں گی۔ اسی مقام پر ہماری قبریں بنیں گی اور اسی جگہ سے ہم قیامت کے دن اٹھائے جائیں گے۔ ان تمام باتوں کی خبر مجھے جدِ بزرگوار نے فرما دی ہے۔ یہ فرما کر آپ گھوڑے سے اُتر پڑے۔ یہ دوسری محرم اور پنجشنبہ کا دن اور ۶۱ھ کا واقعہ ہے امام ابواسحاق اسفرائنی کا بیان ہے کہ سواری کے رُک جانے کے بعد آپ نے اس زمین سے ایک مشتِ خاک اٹھائی اور

اس کو سونگھا۔ پھر آپ نے جیب سے خاک نکالی اس کو بھی سونگھا اُن دونوں خاکوں کو ملایا۔ ان کا رنگ بھی ایک جیسا تھا اور خوشبو بھی ایک جیسی تھی۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ وہ مٹی ہے جو حضرت جبرائیلؑ نے میرے نانا محمدؐ مصطفٰے کو دی تھی۔ جنابِ امام نے قرینے سے معلوم کر لیا کہ اس مٹی کی خوشبو میری موت کا پیام ہے۔ اور اپنی وعدہ گاہ کو پہچان گئے۔ ایک آہ سرد کھینچی اور فرمایا کہ میرے قتل کا اور زینبؑ و اُم کلثومؑ کی قید کا مقام آگیا ہے۔ بخدا میں اپنی وعدہ گاہ پہ پہنچ گیا ہوں، یہیں ہماری قبریں بنیں گی۔ یہاں ہمارے گھر جلائے جائیں گے۔ بتولؑ زادیوں کے زیورات لوٹے جائیں گے۔ آلِ رسولؐ کو قید کیا جائے گا۔ میرے گلے کی شہ رگ کاٹی جائے گی۔ اور میری ڈاڑھی خون سے خضاب کی جائے گی، اسی زمین کربلا پہ میرے نانا اور میرے ماں باپ کو آسمان کے فرشتے ہماری موت کا پرسا دیں گے۔ اس مقام کا پروردگارِ عالم نے میرے نانا سے وعدہ فرمایا ہے یہ فرما کر آپ ساتھیوں سمیت اتر پڑے۔ اور اسی جگہ مستقل قیام فرمایا۔

بہر حال حُرؔ نے ابن زیاد کے حکم کی تعمیل میں فرزند رسولؐ اور اولاد بتولؑ کو پانی کے قریب قیام نہ کرنے دیا اور دریا و نہر علقمہ سے دور خیام لگانے پہ مجبور کر دیا۔ حالانکہ امام پاک نے ہر چند کہا کہ بستی نینوا، غاضریہ، شفیہ میں کسی آبادی میں قیام کرنے دیا جائے تاکہ مستورات اور اطفال خورد سال کو پانی میسر آسکے اور جنگل کی وحشت اور پانی کی تکلیف سے محفوظ رہیں۔ بالآخر فرمان امام پاک کے مطابق ایک غیر آباد اور سنسان جگہ پہ خیمے نصب کئے گئے۔

ارضِ مقدّس کربلا

کوفہ سے کچھ فرسخ دور دریائے فرات کے کنارے ایک غیر آباد ریگستان ہے، جسے "کربلا" کہتے ہیں اس ریگستان سے ملحق چند بستیاں آباد تھیں جن میں مختلف عرب قبائل بستے تھے ان میں زیادہ تر قوم بنی اسد رہتی تھی ان بستیوں کے نام نینویٰ، غاضریہ، شفیہ، ماریہ ہیں ان میں سب سے بڑی بستی "غاضریہ" تھی۔ ارضِ کربلا کے بھی مختلف نام تھے، ارضِ الطف، شطُ الفرات۔

ے اے خاکِ کربلا تو اس احسان کو نہ بھول
تڑپی ہے تجھ پہ لاش جگر گوشۂ بتولؑ

اے زمین کربلا! تیرے شرف میں کوئی قطعہ زمین شریک نہیں، تیری آغوش میں بنت سیّد الانبیاءؐ کی گود کے پالے آرام فرما ہیں، تیری خاک میں اولاد بتولؑ کا خون شامل ہے، تیری ریت پہ ذریت رسولؐ

چند روز مہمان رہی، اے زمینِ کربلا! کیسے شریف مہمان تجھ پر آکر اُترے، کن مقدس ہستیوں نے تجھ پہ ڈیرہ ڈالا لیکن تو نے مہمان نوازی نہیں کی۔ ذریت رسول تیری خاک پہ بھوکی پیاسی تڑپتی رہی لیکن تیری گود میں نہرِ علقمہ بہتی رہی اور معصوم بچے بوند پانی کے لئے ترستے رہے، تو کس جگر کے ساتھ زہرا کی بیٹیوں کو لٹتا دیکھتی رہی، تیری گرم خاک پر اٹھارہ بنی ہاشم کی لاشیں بے گوروکفن تڑپتی رہیں۔

اے خاک تو نے ان کی کوئی مہمانی نہیں کی لیکن بتولؑ کے لال نے تیری قدر بڑھا دی، تو ایک چٹیل میدان تھی، غیر آباد ریگستان تھی لیکن فرزندِ رسول نے اپنے اور اپنے اقرباء کے خون کی تجھ میں آمیزش کی تیرا اتنا شرف بڑھایا کہ ملائکہ، انبیاء اور مرسلین تجھ پہ نزول فرماتے ہیں۔ تجھ سے کسی کا گزرنے کو جی نہ چاہتا تھا آنے والے آتے تھے اور گھبرا کر چلے جاتے تھے لیکن بتولؑ کے لال نے تیری مٹی کو تربتِ مقدسہ اور خاکِ شفا بنا دیا۔ تیرے وحشت ناک خطہ کو بقعۂ نور بنا دیا اور تیرے ٹیلوں کو رشکِ طور بنا دیا۔

ارضِ کربلا ایک پرہول اور درد خیز خطہ ہے اس سرزمین سے کئی انبیاء و اوصیا گذرے مگر کوئی آرام و سکون کے ساتھ نہیں گذرا ہر ایک کو کچھ صدمہ لاحق ہوا کسی کو چوٹ لگی اور کسی کا دل غمناک ہوا ہر ایک ذبحِ عظیم کے مصداق جناب سید الشہداءؑ کی عظیم الشان قربانی اور دردناک شہادت سے مطلع ہو کر فرزندِ رسولؐ کی مصیبت میں چشم گریاں اور ان کے قاتلین پر لعنت کرتے ہوئے رخصت ہوا۔ واقعۂ شہادت سے سالہا سال قبل زمینِ کربلا پر شہید ہونے والوں کی جگر پاش داستان اولین کو رُلاتی رہی اور واقعہ کے بعد یوم قیامت تک ہر سننے والا آنسو بہاتا رہے گا اس واسطے کربلا کی خونچکاں کہانی نے اولین و آخرین کو اشکبار کیا۔

طوالت کے خوف سے ہر بزرگ کا جو اس سرزمین پر وارد ہوا واقعہ نہیں لکھتے صرف والد جناب حسین علیہما السلام حضرت امیرؑ کے ورود کربلا کا واقعہ اور جناب مظلوم کربلا کے بابا کا غم خیز قصہ تحریر کرتے ہیں بہت سی معتبر اور مستند تاریخوں میں یہ واقعہ درج ہے۔

جنگِ صفین کے سفر کے دوران جناب امیر المومنین علیہ السلام اپنے ہمراہیوں کے ساتھ کوفہ کی پل عبور فرما کر مسجد ابوسبرہ میں داخل ہوئے وہاں نماز پڑھی اور سُبحانَ مَن یُولِجُ اللَّیلَ فِی النَّھارِ وَیُولِجُ النَّھارَ فِی اللَّیلِ کی تسبیح پڑھ کر آگے روانہ ہوئے۔ اور منزلیں طے کرنے کے بعد بابل کی زمین میں داخل ہوئے تو راہوار کو تیز کیا اور لشکر کو بھی تیز چلنے کا حکم دیا کہ بہت تیزی کے ساتھ اس زمین سے گزر جائیں کیونکہ خطرہ ہے کہ زندہ آدمی اس منحوس زمین میں نہ دھنس جائیں۔ اہلِ لشکر بسرعت تمام اس مقام سے گزر گئے جب آپ خطۂ کربلا میں پہنچے تو دریائے فرات کے کنارے جہاں کھجور کے درخت تھے تشریف لے گئے اور عبداللہ بن عباس سے فرمایا تم کچھ واقف ہو کہ یہ کونسا مقام ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ وہ اس جگہ کو نہیں جانتے جناب امیر علیہ السلام نے

فرمایا اے عبداللہ اگر تم کو معلوم ہو جائے کہ یہ کون سی اور کیسی سرزمین ہے تو بے اختیار رونے لگ جاؤ یہ فرما کر جناب امیر اتنا روئے کہ روتے روتے ریش مبارک آنسوؤں سے تر ہو گئی اور فرمایا کہ میرے ساتھ آلِ ابوسفیان نے کیسی عداوت اختیار کی اس کے بعد جناب امام حسین علیہ السلام کو طلب فرمایا اور ارشاد کیا کہ اے فرزند صبر اختیار کرو اور دیکھو کہ تمہارا باپ آج کے دن آلِ ابوسفیان کے ہاتھوں کیسے کیسے رنج اٹھا رہا ہے کل تمہیں بھی ان ظالموں کے ظلم برداشت کرتے ہوں گے، اس گفتگو کے بعد جناب امیر المومنینؑ نے وضو کیا اور چند رکعت نماز پڑھ کر سو رہے جب بیدار ہوئے تو حضرت عبداللہ بن عباس کو طلب فرما کر کہا کہ اے ابن عباس میں نے ایک عجیب خواب دیکھا ہے کیا دیکھتا ہوں کہ ایک گروہ مردان نورانی چہرہ کا نزول ہوا جن میں سب لوگ شمشیریں حمائل کئے ہوئے سفید علم ہاتھوں میں لئے ہوئے ہیں۔ انہوں نے اس سرزمین کے ارد گرد خط کھینچا اس وقت ان خرما کے درختوں کی یہ حالت دیکھی کہ اپنی شاخیں زمین پر ٹیک رہے ہیں اور ایک تازہ خون کی نہر بھری ہوئی ہے حسینؑ فریاد کر رہے ہیں لیکن کوئی ان کی فریاد کو نہیں پہنچتا اور وہ مردانِ سفید رو ندا کر رہے ہیں کہ اے آلِ رسولؐ صبر اختیار کرو اور آگاہ رہو کہ تم بدترین خلائق کے ہاتھوں سے قتل ہو رہے ہو اور اے حسینؑ تم کو بشارت ہو کہ بہشت تمہارے قدموں کی مشتاق ہے۔ وہ سب میرے پاس آئے اور رسمِ تعزیت بجا لائے۔ یہاں تک خواب دیکھ کر میں بیدار ہو گیا اے عبداللہ قسم بخدائے کریم کہ حضرت رسولؐ پاک نے مجھے مطلع فرما دیا تھا کہ میں ہنگام سفر زمین کربلا پر یہ خواب دیکھوں گا۔

آگے یہ بھی لکھا ہے کہ جناب امیر المومنین علیہ السلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا گزر اس زمین پہ بیان کیا اور نواسۂ رسولؐ کی شہادت کا واقعہ وہ بھی یاد کر کے روئے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ جناب امیرؑ اپنی اولاد کا مقتل یاد کر کے اتنا روئے کہ غشی کی کیفیت طاری ہو گئی مظلوم کا بابا روتا بھی جاتا تھا اور اپنے پاس قریب بیٹھے ہوئے مظلوم بیٹے کے سر پر شفقت کا ہاتھ پھیر کر صبر کی تلقین بھی کرتا جاتا۔

عزادارو! مظلوم کا بابا اپنی اولاد کا قتل اور اپنی بیٹیوں کا اسیر ہونا کس طرح برداشت کر سکتے غالباً عاشور کا منظر آپ کی آنکھوں کے سامنے ہو گا کہ مظلوم بیٹا خون کے دریا میں تیر رہا ہے "ھَلْ مِنْ مُغِیثٍ یُغِیثُنَا" کی آواز بلند کر رہا ہے۔ کوئی ناصر و مددگار نہیں زمین کربلا پر قرآنِ ناطق کے بکھرے ہوئے اور بچھڑے ہوئے پارے۔ زینبؑ کے بابا نے کس حال میں دیکھے ہوں گے، لیکن عاشور کی عصر کا منظر بھی دیکھا ہو گا۔ کہ خیموں میں آگ لگی ہوئی ہے۔ اور زینبؑ و امِ کلثومؑ سر چھپانے کے لئے سہارا ڈھونڈ رہی ہیں۔

جمعرات کا دن ہے، محرم کی دوسری تاریخ مدینے کے مسافر اپنی صحیح وعدہ گاہ پہ پہنچ گئے، یثرب کے مسافر نے مستورات اور بچوں کے ساتھ بہت سفر کیا، اب مستقل قیام کا قصد ہے۔ حر کی نگرانی ہے، ابن زیاد کا حکم ہے کہ ایسی جگہ پر امام پاک کو اتارو جہاں سے پانی دور ہو اور آبادی قریب نہ ہو۔ بعض سائقیوں کے تیور بدلے سپاہ بے حیا کی ان گستاخانہ حرکات پر اصحاب باوفا کا خون رگوں میں تیزی سے دوڑنے لگا۔ جانثاروں نے لڑائیوں کا مشورہ دے دیا مگر صابر امام نے یہ فرما کر ان کو روک دیا کہ میں لڑائی میں پہل نہیں کرنا چاہتا، چار و ناچار پانی سے دور خیمے نصب فرمانے کا حکم دے دیا۔ تابع فرمان اصحاب نے فوراً تعمیل حکم کی اور اس چٹیل میدان میں اس ترتیب سے اپنے اپنے خیمے اور سراپچے لگائے۔

سب سے پہلے جناب امام حسین علیہ السلام اور ان کے اہل بیتؑ کرام کے خیام نصب کئے گئے اور ان سے ملحق جناب کے اعزہ واقرباء نے اپنے خیمے لگائے اور ان کے بعد آپ کے اصحاب جانثار نے اپنی اپنی فرودگاہیں درست کیں، ان کے بعد راحلے اور دوسری سفر کی ضروریات کے لئے خادموں وغلاموں نے اپنے اپنے پڑاؤ ڈال دیئے۔ خیمے اس قرینے سے یکے بعد دیگرے متصل لگائے گئے تھے کہ ایک خیمہ سے دوسرے خیمے میں آسانی سے آ جا سکتے تھے اور ضرورت کے وقت ایک دوسرے کے ساتھ آسانی سے ملاقات ہو سکتی تھی، دوسری محرم سے دس محرم تک جب تک ظلم ونفاق کے بھڑکتے ہوئے شعلوں نے ان کو خاک سیاہ نہ کر ڈالا، اس وقت تک ان میں باہمی آمد ورفت اسی طرح قائم رہی اور تمام اعزہ واقرباء اہل بیتؑ کی زیارت سے مشرف ہوتے رہے اور اسی طرح اصحاب وانصار کی عورتیں بھی مخدرات عظمٰی کی زیارت سے باریاب ہوا کرتی تھیں۔

پردہ سرا مخدرات طہارت کو جناب مسافر کربلا نے خاص عزت واحترام سے محملوں سے اتار کر خیام میں پہنچایا، ناقے بٹھائے گئے اور خاندان جناب ابو طالب کی شہزادیاں با پردہ واحترام اپنے اپنے خیموں میں جاگزیں ہوئیں۔

سکونت تبدیل کرنے والے حضرات جانتے ہیں کہ نئے شہر اور نئے مکان میں داخل ہونے کے بعد پہلا گھر اور وطن یاد آتا ہے، نیا گھر مانوس نہیں ہوتا بلکہ وحشت ٹپکتی ہے۔ میں آپ حضرات سے پوچھتا ہوں مخدرات عصمت مدینہ ایسے مانوس وطن سے بچھڑی ہوئی بی بیاں، سفر کی تھکی ماندی، بے آرام اور بے قرار شہزادیاں قدم قدم پر گھروں کی بربادی کی خبریں سننے والی موت اقرباء کی سہمی ہوئی زہرا زادیاں کس طرح خیموں میں داخل ہوئی ہوں گی، اجنبی ملک، وحشتناک جنگل مسلح دشمنوں کے ہجوم اور پھر اپنے بھائی کے خطبوں میں مرنے اور اجڑنے کی خبریں، میرا خیال ہے صرف خیال نہیں حقیقت حال ہوگی۔ کہ ہر خیمہ میں مستورات پریشان حال اپنے بھائیوں اور بچوں

کو گلے لگائے، اس طرح لائی ہوں گی جس طرح مدینہ سے نکلتے وقت رو رہی تھیں لیکن لاکھ جانیں قربان ہو جائیں ان کی اطاعت امام پاکؑ برادران کی وفا اور صبر رجا پر کہ اتنے بڑے سفر، اتنی بڑی منزلوں، اس قدر شدائد اور صعوبتوں گھبراہٹوں اور پریشانیوں میں بھی کبھی اپنی تکلیف و گھبراہٹ بھوک و پیاس کی پریشانی و تھکاوٹ کی امام پاکؑ کے آگے شکایت نہیں کی جس خلوص اور جذبۂ ایمان کے تحت رفاقت امام عالی مقامؑ اختیار کی تھی اس پر آنچ نہیں آنے دی۔ جب خیمے نصب ہو چکے تو سرکار سید الشہداءؑ نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اپنے تمام اقرباء اور اعزہ کو ایک جگہ اکٹھا کیا، جن میں حضور کے بھائی، اولاد، بھتیجے، بھانجے اور تمام مستورات شامل تھیں۔ جب سب جمع ہو گئے تو میرے مظلوم و مسافر آقا نے حسرت بھری نظر سے سب کو دیکھا، باغِ بتولؑ کے نہال سلامت ہیں، چمنِ زہراؑ ابھی تازہ ہے۔ لیکن بادِ خزاں کے بگولے اٹھنے والے ہیں۔ کوئی بات مظلوم کربلا کو یاد آئی۔ زہراؑ کے لال کی آنکھیں ساون کے بادل کی مانند برسنے لگیں، کوئی ایک بات تو نہ تھی، کئی باتیں تھیں۔ عباسؑ کے بھرپور شباب کو دیکھا، اکبرؑ کی نوجوانی کو دیکھا، حسنؑ مجتبیٰ کے صحن کی آبادی دیکھی، جعفر طیار کے پوتوں کے ولولے دیکھے، اولادِ عقیل کے تیور ملاحظہ فرمائے پھر یاد کیا ہو گا کہ یہ جوانیاں یہ شباب چند روز کے بعد خاک کربلا میں مل جائیں گی خیموں کی ترتیب دیکھی ہو گی اور ہر خیمہ میں ایک ایسا دروازہ تھا کہ بیبیاں ایک خیمہ سے دوسرے خیمے میں آسانی داخل ہو سکیں گی، خیمہ کا نقشہ دیکھ کر عاشور کی عصر یاد آ گئی ہو گی اور واقعی بیبیاں ایک خیمہ جلنے کے بعد دوسرے خیمے میں جاتی تھیں لیکن خیموں نے ساتھ نہ دیا سب بیبیوں کو جنگل کی طرف رخ کرنا پڑا۔ پھر اپنے اہل بیتؑ پر ایک نظر فرمائی روئے اور بارگاہِ قدرت میں عرض کیا۔

اے اللہ ہم تیرے نبی محمد مصطفٰےؐ کی عترت ہیں، ہمیں زبردستی اپنے ناناؐ کے حرم سے نکالا گیا غالباً مدینہ اور ناناؐ کا حرم یاد آیا ہو گا۔ بنی اُمیہ نے ہم پر ظلم و ستم کیا ہمیں ہمارا حق لے دے اور ظالموں پر ہماری مدد فرما۔

مجلس دہم

تیسری محرم سے نہم محرم تک کے حالات، فوجوں کا کربلا میں داخلہ نامہ و پیام، بندشِ آب، اہلِ بیتؑ کی پیاس

دوسری محرم کو جب جناب امام حسین علیہ السلام نے اپنے خیمے زمینِ کربلا میں نصب فرمائے اور مستقل قیام فرمایا اور حُر بن یزید الریاحی کو امام پاکؑ کے قیام کا اطمینان ہو گیا اور اپنے طور پر حُر نے ابن زیاد کے حکم کی تعمیل کر دی اور اپنے مقام پر حُر نے کامیابی حاصل کر لی تو اس مضمون کا خط حُر نے کربلا سے ابن زیاد کو تحریر کیا۔

میں امام حسینؑ اور اُن کے ساتھیوں کو کوفہ کی راہ سے پھیر کر کربلا تک پہنچا چکا ہوں اور اُن کو بے آب و گیاہ میدان میں اُتار چکا ہوں۔ اب امام حسین علیہ السلام مکمل طور پر محاصرہ میں ہیں اب وہ یہاں سے کسی طرح آگے نہیں جا سکیں گے۔"

حُر کی یہ اطلاع ملتے ہی ابنِ زیاد جناب امام کی پابندی پر مطمئن ہو گیا اور یزید کی سلطنت کو مضبوط کرنے اور امامؑ پاک کو قتل کرنے کا اہتمام کرنے لگا۔ چنانچہ اس نے عمر بن سعد بن ابی وقاص کو فوجوں کی قیادت سنبھالنے اور فرزندِ رسولؐ کو قتل کرنے کے لئے بلایا قبل ازیں ابن زیاد نے ایران کے علاقہ قزوین کے مضافات میں دیلمیوں پر فوج کشی کے لئے عمر بن سعد کو مامور کیا تھا کیونکہ دیلمیوں نے سرحدی علاقہ دستبیٰ پر قبضہ کر لیا تھا، جب امام پاکؑ کی کربلا میں ورود کی خبر پہنچی تو اس نے وہ مہم اس وقت ترک کر دی اور کربلا کی طرف پوری طرح متوجہ ہوا۔ ابنِ سعد نے پہلے تو معذرت کی اور اس مہم سے گلو خلاصی چاہی چونکہ ابنِ زیاد نے عمر بن سعد کو "رے" کی جاگیر کا پروانہ لکھ دیا تھا یہ ایک آباد علاقہ، زرخیز خطہ اور پانی کے چشموں سے سیراب ہونے والی زمین تھی۔ ابن زیاد غضب ناک ہوا اور "رے" کا پروانہ واپس لینے کی دھمکی دی۔ عمر بن سعد نے ایک رات کی مہلت طلب کی۔ گھر آ کر اس نے اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں سے اس امر میں صلاح و مشورہ

کیا وہ دو باتوں کے درمیان متردد و مضطرب تھا ایک طرف سرسبز و لہلہاتے کھیت، بہتے ہوئے چشمے، وسیع رقبۂ زمین کی آمدنی اور دوسری طرف فرزندِ رسولؐ دلبندِ بتولؑ کا ناحق قتل، خانۂ بتولؑ کی ویرانی اور کشتِ اسلام کی بربادی، عز یزوں نے مشورہ دیا عمر! اس کام کے قریب مت جانا، خبردار دنیا کے لالچ میں نواسۂ رسولؐ کے خون سے ہاتھ رنگین نہ کر، جاگیر کے طمع میں باغِ بتولؑ تاراج نہ کر، ابنِ سعد کے بھانجے ''حمزہ بن مغیرہ'' نے تو یہاں تک کہا کہ اگر تمہیں بادشاہی مل جائے تو ایسی بادشاہت سے دستبردار رہنا کیا مناسب ہے کہ تو فرزندِ رسولؐ کا قاتل بنے۔

ابنِ سعد نے رات بے چینی سے بستر پر کروٹیں بدلتے بسر کی، ہر دو پہلوؤں کو سوچتا، دل میں کہتا آج ''رے'' کی جاگیر مل رہی ہے، قیمتی جاگیر ہے۔ پھر کہتا اولادِ رسولؐ کو بے گناہ قتل کرنا ناقابلِ مغفرت گناہ ہے آخر اس پر شقاوت غالب آئی بدبختی نے ''رے کی جاگیر'' کو ایک حسین خیال میں پیش کیا اس کے نفسِ امارہ نے اس خیال کو اس پر مسلط کر دیا ''رے کی جاگیر'' نقد ہے جنت ادھار نقد کو چھوڑ کر ادھار پر کیوں بھروسہ کرنا ہے بالآخر اس نے کربلا جانے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ صبح اس نے جا کر ابن زیاد کے سامنے رضامندی ظاہر کر دی اور ابنِ زیاد نے چار ہزار کا لشکر دے کر اسے کربلا کی مہم پر روانہ کر دیا چنانچہ ابنِ سعد چار یا چھ ہزار کا لشکر لے کر تیسری محرم کو کربلا پہنچ گیا۔

کوفہ کے حالات

ابنِ زیاد نے لوگوں کو کوفہ کی جامع مسجد میں بلایا اور مندرجہ ذیل تقریر کی۔

لوگو! تم نے آلِ ابوسفیان کو پورے طور پر آزمایا ہے، وہ تمہارے امتحانوں میں ٹھیک اترے اور تم نے یزید کو بھی پہچان لیا ہے، وہ تمہاری بھلائی اور آسائش کے متعلق ہمیشہ کوشاں رہتا ہے، وہ سخی ہے اس کی عادات شائستہ اور رعایا کا خیر خواہ ہے اور اس کا دورِ سلطنت نہایت امن و امان کا ہے، وہ اپنی زیرِ حکومت رعایا کے ساتھ اسی طرح سلوک کر رہا ہے، جس طرح اس کا باپ معاویہ تم لوگوں کے ساتھ کرتا تھا، یزید اسی معاویہ کا بیٹا ہے اس نے عوام الناس کے ساتھ اچھے سلوک قائم کر رکھے ہیں اور لوگوں کو مختلف طور سے اموال عنایت کر کے غنی اور مالدار بنا دیا ہے، اس نے تمہارے عطیوں اور انعاموں میں اضافہ کر دیا ہے۔ اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہارے لئے مقرر عطیات میں مزید اضافہ کر دوں اور تمہیں حسینؑ بن علیؑ سے لڑنے کے لئے جو یزید کا جانی دشمن ہے روانہ کر دوں پس تم ان احکام کو سنو اور اس کی تعمیل کرو۔ یہ ابنِ زیاد کی ترغیب و تحریص تھی، اس نے لوگوں کو مال و جائداد کا لالچ دیا، اس نے قتلِ حسینؑ کے لئے بھاری معاوضے مقرر کئے، مؤرخین کا

بیان ہے کہ اس نے خزانوں کے منہ کھول دیئے اور مال و دولت کی تقسیم شروع کر دی۔ پھر کیا تھا دنیا پرست دین فروش لوگوں کا ہجوم ہوگیا ہر شخص نے اپنی لیاقت کے مطابق انعام پایا اور حریص ولالچی سگانِ دنیا امامؑ کے خونِ ناحق کا بیڑہ اٹھا کر بلا کی طرف روانگی پر کمر بستہ ہوگئے۔

گو ابنِ زیاد کی حرص ولالچ دلانے والی تقریر کام کر گئی اور جاہ پسند حرص و ہوا کی اسیر طبیعتیں دامِ دنیا میں گرفتار ہوگئیں تاہم کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو حرص کے جال میں پھنسنے سے کتراتے تھے اور کربلا جانا ہرگز پسند نہ کرتے تھے ایسے افراد کے لئے ابنِ زیاد نے تشدّد اور سخت گیری کا انتظام کیا اور کربلا روانہ ہونے میں پس و پیش کرنے والوں کے لئے اس نے بہت سخت بندوبست کیا۔ لالچ کے ساتھ اس نے خوف بھی دلایا اور انعام کے ساتھ اس نے ظلم کا کوڑا بھی اٹھایا۔

ابنِ زیاد کی سخت گیری اور خوفناک دھمکیاں

ایک طرف تو کوفہ کے گورنر شقی ازلی معذب ابدی عبیداللہ بن زیاد بدنہاد نے لوگوں کے ضمیر وایمان خریدنے کے لئے مال و دولت کے خزانوں کے دہانے کھول دیئے۔ دوسری طرف اس لعین نے دستِ استبداد بڑھایا وہ جانتا تھا کہ کچھ لوگ اس خونین معرکہ میں شرکت سے گریز کریں گے، اس واسطے اس نے قتلِ امامؑ کے لئے ایک لشکرِ عظیم فراہم کرنے کے لئے جبری بھرتی شروع کر دی، اس کا منصوبہ تھا کہ کوفہ میں کوئی مرد رہ نہ جائے اور سب لوگ یزید کے ہواخواہ بن کر اس کے لشکر میں شامل ہو جائیں تاکہ اتنے بڑے لشکر کے مقابلہ کی تاب نہ لا کر امام پاکؑ یزید کی بیعت کرنے پر مجبور ہو جائیں یا مقابلہ کی صورت میں یہ فوجِ عظیم ان کا صفایا کر دے۔

ابنِ زیاد کی سخت گیری اور خوفِ ہلاکت سے لوگ دھڑا دھڑ کوفہ سے نکل کر جمعیتِ قاتلانِ حسینؑ میں شامل ہونے لگے۔ بعض لوگ ڈر کے مارے کوفہ سے تو نکلتے لیکن راستے سے واپس مڑ آتے، ابنِ زیاد نے ایسے لوگوں کے لئے جاسوس مقرر کر دیئے جو واپس مڑتا ہوا ہاتھ آتا اسے تہ تیغ کر دیا جاتا۔ چنانچہ سعد بن عبدالرحمٰن کو اس کام پر مامور کیا کہ وہ جستجو کرے اگر اسے کوئی ایسا شخص ملے تو اسے پکڑ کر دربار میں پیش کیا جائے چنانچہ سعد مذکور نے ایک شامی سپاہی کو جو کسی کام کے لئے لشکر سے واپس کوفہ آیا تھا پکڑ کر ابنِ زیاد کے رُوبرُو پیش کیا، اس نے اس کے قتل کا حکم صادر کیا، اس کے قتل کے بعد لوگوں میں سخت خوف وہراس پیدا ہوگیا اور پھر کسی شخص کو لشکر سے واپس آنے کی جرأت نہ ہوئی،

ابنِ زیاد کے تحریصانہ اور تخویفانہ اقدام سے ایک بہت بڑا لشکر اولادِ رسولؐ کا خون بہانے کیلئے

تیار ہوگیا۔ کم از کم اس لشکر کی تعداد تیس ہزار لکھی ہے۔

کوفہ کے بے دین و بے وفا سرداروں کو انعام و اکرام کا لالچ دے کر پہلے ہی اس نے قابو میں کر لیا تھا چنانچہ مندرجہ ذیل لوگوں کو فوج کا افسر بنا کر ان کی ماتحتی میں درج ذیل فوج دے کر کربلا روانہ کیا۔

۱۔ شیث بن ربعی ایک ہزار ۲۔ کعب بن طلحہ ایک ہزار ۳۔ حجاز بن ابجر ایک ہزار ۴۔ محمد بن اشعث ایک ہزار ۵۔ یزید بن رکاب کلبی دو ہزار، ۶۔ مضایر بن رہنیہ مازنی تین ہزار، ۷۔ نصر بن خرشہ تین ہزار، ۸۔ عمر بن سعد چار ہزار یا پانچ ہزار سواروں اور پیادوں پر مشتمل لشکر، ۹۔ عروہ بن قیس چار ہزار، ۱۰۔ سنان بن انس چار ہزار ۱۱۔ شمر بن ذوالجوشن چار ہزار ۱۲۔ حصین بن نمیر چار ہزار، ۱۳۔ محلی بن اصبحی کو بھی ایک جداگانہ علم آراستہ کر کے دیا اور کئی ہزار سوار اس کی ماتحتی میں دیئے۔

اس کے بعد بھی ابن زیاد مختلف افسروں کی ماتحتی میں برابر لشکر پر لشکر بھیجتا رہا گو لشکر اعداء کی تعداد کے تعین میں مورخین نے بہت کچھ اختلاف لکھا ہے تاہم تیس ہزار سے کم جمعیت کسی نے نہیں لکھی اس سے زیادہ تعداد بھی بیان کی گئی ہے۔

افواج ابن زیاد کی کثرت اس طرح بیان کی جاتی ہے کہ قادسیہ سے کربلا تک فوجوں سے کل میدان بھرا ہوا نظر آتا تھا، جہاں تک نظر کام کرتی تھی سپاہ ہی سپاہ نظر آتی تھی۔

عمر بن سعد تیسری محرم کو کربلا پہنچا، اس کے بعد مختلف افسر اپنی فوج کے ساتھ ابن سعد کے ساتھ شامل ہوتے گئے، اس کثرت لشکر کی بنا پر ابن زیاد نے عمر بن سعد کو خط لکھا کہ سواروں اور پیادوں کی کثرت کے معاملہ میں میں نے تیرے لئے کوئی عذر نہیں چھوڑا اب صبح و شام اپنی کارکردگی کی اطلاع مجھے پہنچاتا رہ۔

لشکر کی جمع و ترتیب کے بعد اب ہم میدان کربلا کا حال درج کرتے ہیں۔

نامہ و پیام

جب ابن زیاد لعین کو حر کی اطلاع پہنچی تو اس نے امام حسین علیہ السلام کو درج ذیل خط لکھا۔

اما بعدُ، فقد بلغنی یاحسین نزولکَ بکربلا وقد کتب الیّ امیرالمومنین یزید ان لا اتوسد الوثیر ولا اشبع من الخمیر او الحقکَ باللطیف الخبیر او ترجع الی حکمی وحکم یزید۔

اے حسین کربلا میں آپ کے ورود کی خبر مجھے پہنچی اور مجھے امیرالمومنین یزید نے لکھا ہے کہ میں اس وقت تک نرم تکیہ پر سر نہ رکھوں اور نہ سیر ہو کر عمدہ غذا کھاؤں جب تک آپ کو خدا کے پاس

نہ پہنچادوں یعنی قتل کر دوں یا آپ میرا اور میرے امیر یزید کا حکم تسلیم نہ کرلیں یعنی بیعت کرلیں۔
جناب امامؑ پاک نے یہ خط پڑھ کر پھینک دیا اور فرمایا لَا اَفْلَحَ قَوْمٌ اشْتَرَوْا مَرْضَاتَ الْمَخْلُوْقِ بِسَخَطِ الْخَالِقِ۔
وہ قوم کبھی فلاح نہیں پاسکتی جو خالق کو ناراض کر کے مخلوق کی رضاجوئی کرے۔
جب قاصد نے جواب کا تقاضا کیا تو فرمایا مَالَهٗ عِنْدِیْ جَوَابٌ فَقَدْ حَقَّتْ عَلَیْهِ کَلِمَةُ الْعَذَابِ
میرے پاس اس کا کوئی جواب نہیں وہ خدا کے عذاب کا حقدار بن چکا ہے۔

عمر بن سعد اور امام حسین علیہ السلام کے درمیان بات چیت

عمر بن سعد جب نصب خیام اور فرودگاہ کے ضروری انتظام سے فارغ ہوا تو اس نے عمرہ بن قیس خمسی کو بلا کر خدمتِ امامؑ میں بھیجنا چاہا مگر اس نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ میرے سوا کسی اور کو بھیجا جائے۔ چونکہ تمام اشراف کوفہ نے امام حسین علیہ السلام کو دعوتی خطوط بھیج کر اپنی وفاداری کا یقین دلایا تھا اس واسطے وہ بے حیا مارے شرم کے امام پاک کے پاس جانا نہیں چاہتے تھے یہ روسیاہ اپنا منہ چھپاتے تھے، آخر بمشکل کثیر بن عبداللہ شعبی تیار ہوا، یہ بدترین خلائق نہایت جسور، گستاخ اور خونریز آدمی تھا کہنے لگا میں جاتا ہوں اگر حکم ہو تو ان کا سر بھی لے آؤں۔ بہر حال کثیر خدمتِ امام میں چلا، جناب ابو ثمامہ صیداوی نے اس کو آتے دیکھ کر امامؑ عالیمقام سے عرض کیا اَصْلَحَكَ اللّٰهُ یَا اَبَا عَبْدِاللّٰهِ کثیر بن عبداللہ جو تمام کوفیوں میں سب سے زیادہ مفسد اور بنیاد ظلم و جور ہے آپ کی خدمت میں آنا چاہتا ہے۔ یہ کہہ کر جناب ابو ثمامہ باہر چلے آئے اور کثیر کو روک کر کہنے لگے اگر تیرا ارادہ خدمت جناب امام پاک میں جانے کا ہے تو ہتھیار کھول کر رکھ دے اس نے ہتھیار کھولنے سے انکار کرتے ہوئے کہا کہ میں عمر بن سعد کا پیغام لے کر آیا ہوں اگر وہ سنیں گے تو عرض کر دوں گا ورنہ واپس چلا آؤں گا۔

جناب ابو ثمامہ نے کہا کہ اپنی تلوار مجھے دے دے اور بغیر تلوار لئے اپنا پیغام پیش کر، کیونکہ جس طبیعت کا تو آدمی ہے ہم خوب سمجھتے ہیں، دیر تک کثیر کج بحثی کرتا رہا مگر ابو ثمامہ نے اسے بغیر ہتھیار جانے نہ دیا آخر کار کثیر مجبور ہو کر واپس چلا گیا۔

کثیر کے واپس جانے کے بعد عمر بن سعد نے قرہ بن قیس حنظلی کو خدمت امامؑ میں روانہ کیا جب وہ خیمہ مقدس کے قریب پہنچا اور جناب امام حسین علیہ السلام کی نظر پڑی تو فرمایا تم میں کوئی اس کو پہچانتا ہے۔ جناب حبیب بن مظاہر نے کہا حضور یہ شخص بنی حنظلہ سے ہے اور قرابت میں میرا بھانجا ہے اور اس وقت

تک وہ ہمارے ساتھ خلوص اور حسن عقیدت سے پیش آتا ہے۔

جب بالکل قریب آگیا تو جناب زہیر بن قین نے اسے روک کر پوچھا تیرے آنے کی کیا غرض ہے۔ اس نے نہایت نرمی سے جواب دیا کہ عمر بن سعد کی طرف سے کچھ پیام لے کر امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں اگر حضوری کا شرف مجھے مل گیا تو عرضِ خدمت کر دوں گا۔

زہیر بن قین نے فرمایا اچھا ہتھیار کھول کر یہاں رکھ دو، قرہ بن قیس نے اسی وقت "حبًّا و کرامۃً" کہہ کر ہتھیار رکھ دیئے اور خدمتِ امامؑ پاک میں حاضر ہو کر نہایت عجز و انکسار کے ساتھ آداب بجا لایا، امام حسین علیہ السلام نے جوابِ سلام دے کر اسے اپنے قریب بٹھایا اور اس کے آنے کی وجہ دریافت کی، اس نے کہا کہ عمر بن سعد نے مجھے آپ کے پاس اس لئے بھیجا ہے کہ آپ کے یہاں آنے کی غرض پوچھوں جناب امامؑ پاک نے فرمایا میں یہاں اس لئے آیا ہوں کہ سردارانِ کوفہ اور اشراف و عمائد نے مجھے دعوتی خطوط بھیجے ہیں میں نے ان کی دعوت قبول کی اور چلا آیا۔ اب اگر میرے آنے سے ان کی رائے بدل گئی ہے اور میرے آنے کو وہ اچھا نہیں سمجھتے تو میں جہاں سے آیا ہوں واپس چلا جاؤں گا قاصد امام حسین علیہ السلام کا مصلحانہ جواب لے کر واپس ابن سعد کے پاس چلا گیا۔ ابن سعد یہ جواب سن کر کسی قدر خوش ہوا کہ اس طرح امام حسین علیہ السلام کو جانے کی اجازت مل جائے گی اور میں امام حسین علیہ السلام کے ساتھ جنگ کرنے سے بچ جاؤں گا۔

عمر بن سعد کا ابنِ زیاد کے نام خط

عمر بن سعد نے اسی وقت گورنر کوفہ ابنِ زیاد بدنہاد کو اس مضمون کا خط تحریر کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اما بعد فانّی حیث نزلت بالحسین بعثت الیہ رسولی فسئلتہٗ عمّا اقدمہ و ماذا تطلبُ فقال کتب الی اھل ھذا البلاد و اتتنی رسلھم فسئلونی القدوم فامّا اذا کرھتمونی و بدا لھم غیر ما اتتنی بہٖ کتبھم فانا منصرف عنھم۔

میں جس وقت وارد کربلا ہوا میں نے امام حسینؑ کی خدمت میں قاصد بھیج کر ان سے یہاں آنے کی وجہ پوچھی انہوں نے جواب میں کہلا بھیجا کہ اہل کوفہ کے میرے پاس بہت سے خطوط آئے اور یکے بعد دیگرے انہوں نے میرے پاس قاصد بھیجے اور مجھے کوفہ آنے کی دعوت دی، میں ان کے بلانے پر چلا آیا۔ اگر وہ اپنے قول سے پھر گئے ہیں اور میرا آنا اچھا نہیں سمجھتے تو میں واپس چلا جاتا ہوں۔ حسّان بن قائد عبسی بیان کرتا ہے کہ جس وقت قاصد ابن سعد کا یہ مکتوب لے کر ابنِ زیاد کے پاس آیا تو اس وقت میں ابن زیاد کے پاس

دربار میں موجود تھا، جب ابنِ زیاد نے ابنِ سعد کا خط پڑھا تو متکبرانہ انداز اور کافرانہ آواز میں یہ شعر پڑھا۔

اَلْآنَ اِذْ عَلِقَتْ مَخَالِبُنَا بِہٖ   یَرْجُو النَّجَاۃَ وَلَاتَ حِیْنَ مَنَاصٍ

اب جب کہ حسینؑ ہمارے مضبوط پنجوں میں پھنس گئے ہیں رہائی کی امید رکھتے ہیں اب چھٹکارے کا کوئی وقت نہیں رہا۔

ابنِ زیاد کا عمر بن سعد کے خط کا جواب

اس کے جواب میں ابنِ زیاد نے عمر بن سعد کو مکتوب ذیل مضمون کا خط لکھا۔

اما بعد فقد بلغنی کتابك وفھمت ما ذکرت فاعرض علی الحسین ان یبایع یزید بن معاویہ ھو وجمیع اصحابہ فاذا فعل ذالك رأینا رأینا۔ تمہارا خط مجھے ملا، اور اس میں جو کچھ ذکر تھا میں نے سمجھ لیا ہے۔ تم امام حسینؑ پر یہ بات پیش کرو کہ پہلے وہ خود اور ان کے تمام ساتھی بیعت یزید قبول کر لیں پھر اس کے بعد جو ہماری رائے ہوگی دیکھی جائے گی۔

عمر بن سعد کو ابن زیاد کا یہ مفسدانہ جواب ملا۔ تو وہ بہت پریشان ہوا اور کہا مجھے پہلے ہی اندیشہ تھا کہ ابن زیاد مصلحانہ بات قبول نہ کرے گا۔ عمر بن سعد نے ابن زیاد کا نامہ امام حسین علیہ السلام کے سامنے پیش کرنے کی اس بنا پر جسارت نہ کی کہ امام پاک ابن زیاد کے اس ناروا مطالبہ کو منظور نہ کریں گے۔

تیسری تاریخ کو عمر بن سعد داخلِ کربلا ہوا اور چوتھی تاریخ کو دوسرے افسر اپنی ماتحتی میں ہزاروں کا لشکر ساتھ لے کر میدانِ کربلا میں داخل ہونے لگے اور میدانِ کربلا افواجِ اشقیاء سے بھر گیا، خود ابنِ زیاد کوفہ سے باہر مقام "نخیلہ" میں قیام کر کے فوجیں بھیجنے اور جنگی امور کی دیکھ بھال کرنے لگا۔

عمر بن سعد کی دوبارہ مصالحانہ کوشش

گو ابنِ زیاد کی طرف سے جنگ کرنے میں کوئی تاخیر نہ تھی مگر افواج ابن زیاد کا سربراہ جنگ ٹالنے کی کوشش کرتا رہا، ابنِ سعد چاہتا تھا کہ "رے" کی جاگیر بھی ہاتھ سے نہ جانے پائے اور نواسۂ رسولؐ کے ساتھ جنگ سے بھی چھٹکارا مل جائے، اس واسطے اس نے دوبارہ امام پاکؑ کے ساتھ مصالحانہ کوششیں شروع کر دیں، لکھا ہے کہ ایک بائیں راتوں کو دونوں لشکروں کے درمیان امام پاکؑ اور ابن سعد کے مابین گفتگو ہوتی رہی ایک رات کا واقعہ ہم ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔

عمر بن سعد نے جناب امام پاکؑ سے مصالحانہ گفتگو کی استدعا کی جسے امام پاکؑ نے قبول فرمایا،

ابنِ سعد وقت مقررہ پر بیس سواروں کے ساتھ مقررہ جگہ پر پہنچ گیا، ادھر امام پاکؑ بھی اپنے اتنے ساتھیوں کے ہمراہ اس جگہ پر پہنچ گئے، قریب پہنچ کر امام پاکؑ نے ہمراہیوں کو الگ کر دیا سوائے جناب عباس علمدار اور شہزادہ علی اکبر کے اور ابن سعد نے بھی سوائے اپنے غلام اور اپنے بیٹے حفص کے ساتھیوں کو جدا کر دیا، اس طرح شب کے وقت عالم تنہائی میں جناب حسین علیہ السلام اور افواج اشقیاء کے انچارج ابن سعد کے درمیان رات گئے تک سلسلہ کلام جاری رہا۔

امام علیہ السلام: وَيْلَكَ يَا ابْنَ سَعْدٍ! أَمَا تَتَّقِي اللهَ الَّذِي إِلَيْهِ مَعَادُكَ؟ وَتُقَاتِلُنِي وَأَنَا ابْنُ مَنْ عَلِمْتَ. ذَرْ هٰؤُلَاءِ الْقَوْمَ وَكُنْ مَعِي فَإِنَّهُ أَقْرَبُ لَكَ إِلَى اللهِ

افسوس ہے ابن سعد! جس خدا کی بارگاہ میں تجھے حاضر ہونا ہے اس سے نہیں ڈرتا تو میرے ساتھ جنگ کرتا ہے باوجودیکہ تو جانتا ہے کہ میں کس کا فرزند ہوں، ان لوگوں کو چھوڑ کر میرے ساتھ ہو جا یہ بات تیرے لئے خدا کی خوشنودی کے زیادہ قریب ہے۔

عمر بن سعد: أَخَافُ أَنْ يُهْدَمَ دَارِي. مجھے خوف ہے کہ میرا گھر گرا دیا جائے گا۔

امام علیہ السلام! أَنَا أَبْنِيهَا لَكَ: تو اس صورت میں میں تجھے گھر بنا دوں گا۔

عمر بن سعد: أَخَافُ أَنْ تُؤْخَذَ ضَيْعَتِي. مجھے خطرہ ہے کہ میری جائداد چھین لی جائے گی۔

امام علیہ السلام: أَنَا أُخْلِفُ عَلَيْكَ خَيْرًا مِنْ مَالِي بِالْحِجَازِ. میں اپنے حجاز کے مال سے اس سے بہتر تجھے جائداد بنا دوں گا۔

عمر بن سعد: إِنَّ عِيَالِي وَأَخَافُ عَلَيْهِمْ: میرے اہل و عیال ہیں ان کی تباہی و بربادی کا مجھے ڈر ہے۔ اس کے بعد ابن سعد نے مکمل خاموشی اختیار کر لی۔

امام علیہ السلام: مَا لَكَ ذَبَحَكَ اللهُ عَلَى فِرَاشِكَ عَاجِلًا وَلَا غَفَرَ لَكَ يَوْمَ حَشْرِكَ فَوَاللهِ إِنِّي لَأَرْجُو أَنْ لَا تَأْكُلَ مِنْ بُرِّ الْعِرَاقِ إِلَّا يَسِيرًا۔

جلد خدا تجھے بستر خواب پر قتل کرے اور روز حشر تیری ہرگز بخشش نہ کرے خدا کی قسم میں امید کرتا ہوں کہ تو زیادہ دیر تک عراق کا گندم نہ کھائے گا۔

عمر بن سعد: فِي الشَّعِيرِ كِفَايَةٌ مِنَ الْبُرِّ قَالَهُ مُسْتَهْزِءًا۔ تمسخر کے طور پر کہنے لگا کہ گندم نہ ملی تو جَو پر کفایت کر لوں گا۔

خولی کی ابن سعد کے خلاف شکایت

خولی بن یزید اصبحی عداوت خاندانِ رسالت میں سب سے آگے تھا، وہ ابن سعد اور جناب امام پاکؑ کی مصالحانہ گفتگو کو پسند نہ کرتا تھا، وہ چاہتا تھا کہ ہر حال میں میدانِ کارزار گرم ہو اور جنگ کے شعلے بھڑکیں، وہ اولادِ رسولؐ کے ساتھ ہر حال میں لڑائی چاہتا تھا، چنانچہ اس نے ابن سعد کی ان ملاقاتوں کی شکایت ایک خط میں لکھ کر ابن زیاد کے پاس بھیج دی۔ اس کے خط کا مضمون یہ ہے۔

امّا بعدُ اَیّھا الامیرانّ عمرِبن سعدٍ یخرجُ کلّ لیلۃ ویبسُط بساطاً و یدعوالحسین و یتحدثان حتی یمضی من اللیل شطرہ وقد ادرکتہ علی الحسین الرّافۃ والرحمۃ فامُرہ ان ینزلَ عن حُکمکَ وبصیر الحکم لی و انا اکفیکَ اَمرہٗ۔ اے امیر عمر سعد ہر رات لشکر سے باہر نکلتا ہے اور فرش بچھا کر حسین علیہ السلام کو بلاتا ہے اور دونوں مل کر باہم باتیں کرتے ہیں یہاں تک کہ رات کا ایک حصہ ان باتوں میں گذر جاتا ہے، ابنِ سعد کو میں دیکھتا ہوں کہ جناب حسین علیہ السلام کے ساتھ نہایت شفقت و نرمی کے ساتھ پیش آتا ہے پس اس کو آپ لکھ بھیجیں کہ وہ اس خدمت سے علیحدہ ہو جائے اور اس معاملہ کی باگ ڈور میرے ہاتھوں میں دی جائے میں اس کام کو خوب انجام دوں گا۔

خولی کا یہ شکایت نامہ جب ابنِ زیاد کے پاس پہنچا تو وہ سخت برہم ہوا اور اسی وقت اس نے ابنِ سعد کو اس مضمون کا خط لکھا

اما بعد فقد بلغنی یا بن سعد انّکَ تخرجُ فی کلّ لیلۃٍ وتبسطُ بساطاً تدعُوالحسین وتتحدّث معہٗ حتّی یمضی اللیل شطرہٗ فاذا قراٴت کتابی ھذا فامُرہ ان ینزلَ علی حکمی فان اَطاعَ ادلی والّا امنعہُ مِن الماء فانّی حللتہٗ علی الیھُودِ والنّصاری وحرمتہٗ علیہ وعلی اھل بیتہٖ فحل بین الحسین واصحابہ وبین الماءِ فلایذوقوا منہ قطرۃ کما صنع بالتّقی النّقی عثمان امیرالمومنین المظلوم۔

اے پسرِ سعد مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم ہر رات لشکر سے باہر فرش بچھا کر حسینؑ کو بلاتے ہو اور ان کے ساتھ رات گئے تک محوِ گفتگو رہتے ہو پس جب تم میرا یہ خط پڑھو تو انہیں حکم دو کہ یہ ہماری اطاعت کر لیں اور ہمارا حکم مان لیں تو بہتر ورنہ آبِ فرات ان پر بند کر دو کیونکہ فرات کا پانی میں نے یہود و نصاریٰ وغیرہ پر تو حلال کیا ہے اور حسینؑ اور ان کے اہل بیت و اصحاب پر حرام کر دیا ہے۔ پس پوری نگرانی کرنا کہ حسینؑ اور ان کے ساتھی پانی تک نہ پہنچ سکیں اور پانی کا ایک قطرہ بھی ان کے خیموں تک نہ جا سکے جس طرح

کہ مظلوم و متقی امیر المومنین عثمان کے ساتھ کیا گیا۔

دسویں مجلس، ساتویں محرم، بندش آب اور فرات کی نگرانی

ابنِ زیاد کا یہ حکم نامہ پہنچتے ہی ساتویں محرم سے جناب امام حسین علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں پہ پانی بند ہو گیا، اولادِ رسولؐ اور ذرّیت بتولؑ کو پیاسا ساتھ پانے کا امت نے زبردست انتظام کر لیا ابن سعد مصالحانہ کوشش سے تاحال دست بردار نہیں ہوا لیکن اس کی شکایت دربار ابنِ زیاد میں پہنچنے سے اور ابن زیاد کی خوفناک دھمکیوں سے مرعوب ہو کر اس نے دریائے فرات پر مکمل پہرہ بٹھا دیا۔ عمرو بن حجاج کی سرکردگی میں پانچ سو سوار دریا کے گھاٹ پر نگرانی کے لئے بٹھا دیئے تاکہ خیام آلِ رسولؐ میں پانی نہ جانے پائے۔

لکھا ہے کہ عمر بن سعد نے پھر ایک بار جناب امام پاکؑ کے ساتھ مصالحانہ گفتگو کر کے ابنِ زیاد کو خط لکھا اور اپنی طرف سے ابنِ زیاد پر مصالحت کے لئے بہت کچھ زور دیا اور اپنے آپ کو ابن زیاد کا خیر خواہ ظاہر کیا۔ جب ابنِ سعد کا یہ خط ابنِ زیاد کے دربار میں پہنچا، شمر بن ذوالجوشن بھی دربار میں موجود تھا، اس نے ابنِ زیاد کو وہی مشورہ دیا جو مروان بن حکم لعین نے مدینہ میں ولید بن عقبہ کو دیا تھا۔ اس شقی ازلی ملعون ابدی نے ابن زیاد کو جنگ پر بھڑکایا، فرزندِ رسولؐ کو فوراً قتل کر دینے کا مشورہ دیا اور عمر بن سعد کی شکایت کی اور کہا اس کی نرمی و ڈھیل جنگ کرنے میں تاخیر کا سبب ہیں اور اب حسینؑ تیرے محاصرے اور قابو میں ہیں اگر یہاں سے نکل گئے تو تُو کمزور ہو جائے گا اور وہ طاقت پکڑ جائیں گے ابن زیاد خود بھی یہی چاہتا تھا اور اسے اس ایسے بدفطرت و بدذات ساتھی کی رائے مل گئی چنانچہ اس نے اسی وقت غیظ و غضب میں لوٹتے ہوئے آئندہ خط و کتابت کا سلسلہ بند کرتے ہوئے آخری حکم نامہ خود شمر لعین کے ہاتھ روانہ کیا۔ اس کا مضمون یہ تھا۔ ترجمہ پہ اکتفاء کی جاتی ہے۔

اے پسر سعد میں نے تجھے اس واسطے نہیں بھیجا ہے کہ تو وہاں بیٹھ کر لڑائی سے اپنی جان بچائے نہ اس واسطے کہ تو سستی اختیار کر کے حسینؑ کو سلامتی اور بقا کی اُمید دلائے اور نہ اس لئے کہ ان کی نسبت مجھ سے عذر خواہی کرے اور مجھ سے ان کی سفارشیں کرے پس یہ جان لے کہ اگر حسینؑ اور ان کے ساتھی میرا حکم مانیں اور ہماری اطاعت اختیار کریں تو ان کو صحیح و سلامت میرے پاس بھیج دو اور اگر وہ اس سے انکار کریں تو پے در پے حملے کر کے ان کو قتل کر دے اور ان کو قتل کر دینے کے بعد انکی لاشوں کے ٹکڑے

ٹکڑے ٹکڑے کر دینا کیونکہ یہ سب میرے نزدیک اسی کے لائق ہیں اور لاش حسینؑ کو قتل کے بعد گھوڑوں کے سموں تلے پائمال کر دیں، اگرچہ میں جانتا ہوں کہ مرنے کے بعد لاشوں کے ساتھ یہ باتیں کرنے سے کوئی نقصان نہیں ہوتا لیکن میرے منہ سے نکلی ہوئی بات کو پورا کرتا۔

اے ابن سعد اگر تو نے میرے ان تمام احکامات کی بے چون وچرا تعمیل کی تو ہم تم کو ضرور انعام سے سرفراز کریں گے اور اگر تجھے ان باتوں سے انکار ہے تو ہماری فوجوں کی سرداری چھوڑ دے اور اس کام سے علیحدہ ہو جا اور تمام فوجوں اور جنگ کا کام شمر بن ذی الجوشن کے سپرد کر دے ہم نے اسے مناسب احکام دے دیئے ہیں۔

مورخین کا بیان ہے کہ جب شمر لعین ابن زیاد بدنہاد کا یہ مکتوب ابن سعد کے پاس لے کر پہنچا تو وہ بھانپ گیا کہ مصالحت میں رکاوٹ کا باعث ابن زیاد کی شقاوت کے ساتھ اس بدبخت کی منحوس سازش بھی ہے۔ چنانچہ ابن سعد نے شمر کو قہر آلود نگاہوں سے دیکھ کر کہا وَیلکَ لاقرب اللہ دارکَ وقبح اللہ مَا قدمت بہ علی واللہ انی لاظنّکَ انکَ نہیتہٗ ان یقبل ما کتبت بہ الیہ۔ وائے ہو تم پر اور خدا تجھے تیرے گھر کے قریب نہ کرے خدا برا کرے تیرے اس خط کا بخدا میں گمان کرتا ہوں کہ ابن زیاد کو تو ہی نے میرا مشورہ قبول کرنے سے روکا ہے۔

شمر نے کہا ان باتوں کو چھوڑیئے آپ ان احکام کی تعمیل کریں گے؟ ورنہ جنگ کی ذمہ داری اور فوجوں کی قیادت میرے ہاتھ میں دیجئے، ابن سعد رے کی جاگیر کب چھوڑنے والا تھا اور اب اس عہدہ سے برطرفی اس کی شیطانی رہیں، کو ٹھیس پہنچاتی تھی، آخر اس نے آخرت کو دنیا کے ساتھ فروخت کر دیا رے کا نقد سودا پسند کرتے ہوئے، قتل حسینؑ پر کمر بستہ ہو گیا، بدبختی نے اس پر غلبہ پالیا اور حرص وہوا کے پیچھے میں گرفتار ہو کر اپنے یزیدی منصب پر برقرار رہ کر فرزند رسولؐ کے ساتھ جنگ کرنے پر آمادہ ہو گیا۔

اب اس نے جناب امام حسین علیہ السلام کے امور میں نہایت سختی اور ظلم سے کام لینا شروع کر دیا۔

بندش آب پر کڑی نگرانی اور آل رسولؐ کی تشنہ دہانی

ساتویں محرم سے آل جناب ابی طالبؑ فرزند رسولؐ اور اولاد بتولؑ اصحاب حسینؑ اور ان کے راہواروں پر پانی بند کر دیا گیا۔ حر نے تو ابتدا سے ہی دریا کے قریب ڈیرہ ڈالا تھا۔ اہل بیت رسولؐ دریا سے دور تھے اور سپاہ بدنہاد دریا کے نزدیک، چھٹی محرم تک تو اصحاب وخادمان حسینؑ دریا سے پانی لاتے رہے۔

اب ساتویں سے گھاٹ پر پہرہ لگا دیا گیا اور پانچ سو سوار عمرو بن حجاج کی قیادت میں فرات کے کنارے نگران مقرر کر دیئے جنہیں تاکیدی حکم تھا کہ حسینؑ ان کے اقرباء، مستورات، بنی ہاشم اور اطفالِ خورد سال پیاس سے گرم ریت پر تڑپتے رہیں مگر ایک قطرہ پانی کا ان کے خیام میں نہ جانے پائے۔

ایک طرف ساقی کوثر کی اولاد گرم ملک اور گرم موسم میں پانی سے محروم ہے اور پاک خیموں سے "العطش" کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں اور دوسری طرف سنگدل اور بے رحم اشقیاء سیر ہو کے دکھا دکھا کے پانی پی رہے ہیں اور دشمنانِ دین نے اس پر بس نہیں کی طنزیہ فقرے اور شماتت آمیز باتیں کر کے پیاسوں کا دل دکھا رہے ہیں چنانچہ عمرو بن حجاج ملعون نے بلند آواز سے مظلوم کربلا کا دل دکھاتے ہوئے یہ گستاخانہ کلمات کہے یا حسین هٰذا الْمَاءُ تَلَغُ فِيهِ الْكِلَابُ وَتَشْرَبُ مِنْهُ الْخَنَازِيرُ وَاهلُ السَّوَادِ وَالْحُمُرِ وَالذِّئَابُ وماتذوق منهُ الْمَاءُ وَاللهِ قَطرةً حتّٰى تذُوقَ الْحَمِيمَ فِي نَارِ الْجَحِيم"

اے حسین! یہ فرات کا ٹھنڈا اور میٹھا پانی کس شان سے بہہ رہا ہے، کتے اور خنزیر اس سے پانی پی رہے ہیں، جنگل کے جانور سور، بھیڑیئے اور گدھے سب سیراب ہو رہے ہیں لیکن حسین! تم اس سے ایک قطرہ بھی نہیں پی سکتے یہاں تک (معاذاللہ) تم جہنم میں دوزخ کا گرم پانی پیو۔

ملعون کے اس کلام نے فرزندِ رسولؐ کا دل زخمی کر دیا، بندشِ آب سے اس کا کلام زیادہ اذیت رساں تھا۔ اسی طرح ایک اور کمینے بدفطرت عبداللہ بن حصین ازدی نے قلبِ اطہر پر طنزیہ زبان درازی کا تیر چلاتے ہوئے کہا یا حسین الا تنظرون الی الماءِ کانهٗ کبدالسّماءِ واللهِ لاتذوقون منهُ قطرةً واحدةً حتی تموتوا عطشانًا فقال الحسین علیه السلام اللّٰهُم اقتُلهُ عطشا ولا تغفرلَه ابدا۔ حسین کیا آپ فرات کو نہیں دیکھتے گویا آسمان کا جگر ہے بخدا تم اس سے ایک قطرہ پانی کا بھی نہیں پی سکتے یہاں تک کہ شدتِ پیاس سے مر جاؤ گے جنابِ حسین علیہ السلام نے اسے بددعا دی اور کہا خدایا اسے پیاسا ہلاک کر اور اسے کبھی نہ بخش۔

اس ملعون کی زبان درازی سے قلبِ امامؑ زخمی ہو گیا اور اس قدر اذیت پہنچی کہ صابر امامؑ بددعا کرنے پر مجبور ہو گئے اور بارگاہِ خداوندی میں التجا کی خدا اس کو پیاسا ہلاک کر، مظلوم امامؑ کے دکھی دل سے نکلی ہوئی آواز قبول ہوئی، حمید بن مسلم بیان کرتا ہے کہ میں نے اس ملعون کو دیکھا کہ شدتِ پیاس سے فریاد کرتا تھا لوگ اسے پانی پلاتے تھے اور وہ فوراً قے کر دیتا تھا اور اس کی پیاس ویسی کی ویسی ہی تھی۔ فریاد کرتا پانی پیتا مگر فوراً قے کر دیتا اس کی پیاس نہ بجھتی یہاں تک کہ اسی حالت میں واصلِ جہنم ہو گیا۔

فرات کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا بہنا اور سادات بنی ہاشم کی تشنہ لبی پر ایک عربی شاعر نے اپنے درد بھرے جذبات کا اظہار کیا ہے جسے ہم درج کرتے ہیں۔

ے ویلُ الفُراتِ اَبادُ اللهُ غامِرهٗ وبِہِ دَّوارِدہٗ بالرغم ظمآنا

ہائے افسوس ہے فرات پہ خدا اس کی گہرائی کو تباہ کر دے اور اس کے گھاٹ پہ وارد ہونے والے ظالموں کو سدا پیاسا رکھے۔

کَم یُطِفُ حَرّغَلیلِ السِّبطِ بَارِدہٗ حتیٰ قضیٰ فی سبیلِ اللهِ عطشانا

فرات کے ٹھنڈے پانی نے سبطِ رسولؐ کی پیاس نہ بجھائی یہاں تک کہ وہ مظلوم راہِ خدا میں پیاسا مارا گیا۔

فَعَزّاَن تَتلظّیٰ بَینَہُم عَطَشاً والماءُ یَصدرُ عنہُ الوحشُ رَیّانا

کس قدر گراں اور سخت بات ہے کہ فرزندِ رسولؐ کا جگر پیاس کے مارے کباب ہوا اور جنگلی جانور اس کے گھاٹ سے سیراب ہو کر لوٹیں۔

ایک اور عربی شاعر نے کہا ہے۔

بِنَفسی شَفَاھاً ذابلاتٍ مِنَ الظّمَاءِ ولمُ تَحظِ مِن ماءِ الفُراتِ بِقَطرۃٍ

قربان جائیں ہماری جانیں پیاس سے کملائے ہوئے ہونٹوں پر جنہیں فرات کے پانی سے ایک قطرہ بھی نصیب نہ ہوا۔

بِنَفسی عُیوناً غَائراتٍ سَواھِراً اِلیٰ الماءِ مِنھا نَظرۃٌ بعدَ نَظرۃٍ

قربان جائیں ہم ان آنکھوں پر جو بھوک و پیاس کی وجہ سے دھنس چکی تھیں اور بیدار رہ کر دوتی رہتی تھیں اور پانی کی طرف لگاتار اٹھتی رہتی تھیں۔ معصوم بچے ہاتھوں میں کوزے لئے خیام کے دروازے پر پانی کے منتظر رہتے تھے۔

اسی طرح ایک اور شاعر نے اہلِ بیت علیہم السلام کی تشنہ دہانی سے متاثر ہو کر لکھا ہے

بِاَبیِ الامامُ المُستَظامُ بکربلا یدعُو ولیسَ لما یَقولُ مُجیب

میرا باپ قربان ہو اس امام پر جو کربلا میں پیاسا رہا، مدد کے لئے پکارتا تھا لیکن کوئی جواب دینے والا نہ تھا۔

بَاَبِی الوحیدُ ومَا لہٗ مِن راحِمٍ یَشکُوالظّمَاءَ وَالماءُ مِنہُ قَریبٌ

میرا باپ قربان جائے اس یکہ و تنہا مظلوم پر جس کی غریبی اور مظلومی پہ کوئی رحم کرنے والا نہ تھا۔ وہ پیاس کی شکایت کرتا تھا حالانکہ پانی اس کے قریب بہہ رہا تھا۔

بِاَبِی الحَبیبُ اِلیٰ النّبیِّ محمّدٍ ومُحمدٌ عِندَالالہٖ حَبیبُ

میرا باپ قربان ہو اس نبی محمد مصطفےٰؐ کے پیارے پر اور محمدؐ خدا کے پیارے نبی ہیں۔

یاکربلا اُفیکَ یُقتَلُ جَھرۃً ، سِبطُ المطھّرِ اِنّ ذا لَعَجیبُ

اے کربلا تیری زمین پر ہزاروں کے سامنے بر ملا پاک رسولؐ کا فرزند قتل ہو رہا ہے، اور تمام لوگ جانتے ہیں کہ فرزندِ رسولؐ دلبندِ بتولؑ ہے۔ کتنے تعجب اور حیرت کی بات ہے۔

مَا اَنْتِ اِلَّا کَرْبَۃٌ وَبَلِیَّۃٌ ۔ کُلٌّ الاِمام بِھَوْلِھَا مَکْرُوب

اے کربلا تو مصیبت ہی مصیبت اور دُکھ ہی دُکھ ہے۔ تمام دنیا تیری ہونا کی سے غم زدہ ہے۔

یَا مَنْ اِذَا ذُکِرَتْ لَدَیْہِ کَرْبَلَا ۔ لَکُمُ الْخُدُوْدُ وَدَمْعُہٗ قَدْ اَھْمَلَا
مَھْمَا تَمُرُّ عَلَی الْفُرَاتِ فَقُلْ اَلَا ۔ بُعْدًا لِشَطِّکَ یَا فُرَاتُ فَمُرَّ لَا
تَحْلُو فَاِنَّکَ لَا ھَنِیٌّ وَلَا مَرِیٌ

اے عزادارو! جس کسی کے پاس کربلا کا واقعہ بیان کیا جائے تو وہ رخسار پیٹ کر آنسو بہاتا ہے جب تیرا گذر فرات کے پاس سے ہو تو فرات سے مخاطب ہو کر کہنا اے فرات تجھے دوری ہو تو کڑوا ہو اور تیرا پانی میٹھا نہ ہو اور نہ مبارک و خوشگوار ہو۔

اَیَذَادُ نَسْلُ الطَّاھِرِیْنَ اَبًا وَجَدْ ۔ عَنْ وِرْدِ مَاءٍ قَدْ اُبِیْحَ لِمَنْ وَرَدْ
وَلَئِنْ یَا مَاءَ الْفُرَاتِ مِنَ الشَّھْدِ ۔ اَیَسُوْغُ لِیْ مِنْکَ الْوُرُوْدُ وَعَنْکَ قَدْ
صُدَّ الْاِمَامُ سَلِیْلُ سَاقِی الْکَوْثَرِ

فرات کا پانی ہر شخص کے لئے جو گھاٹ پر پہنچے مباح تھا لیکن جو ماں باپ کی طرف سے طاہر نسل تھے انہیں پینے سے روکا گیا۔ اے فرات تیرا پانی اگر شہد بھی بن جائے تو مجھے پینا خوشگوار نہیں کیونکہ ساقی کوثر کی اولاد تجھ سے روکی گئی۔

پانی بند ہو جانے سے آلِ رسولؐ و اصحاب حسینؑ پر جب پیاس کا غلبہ ہوا تو حضور کے اصحاب میں سے یزید بن حصین ہمدانی یا بریر بن خضیر ہمدانی نے خدمت امام پاک میں عرض کی، فرزندِ رسولؐ! اگر اجازت ہو تو میں حصولِ آب کے لئے عمر بن سعد سے کچھ گفتگو کروں، شاید اس کی سنگدلی پر کچھ اثر ہو جائے۔ امام پاکؑ نے اجازت دی، وہ گھوڑے پر سوار ہو کر عمر کے پاس گیا، لیکن ابن سعد کو سلام نہ کیا، ابن سعد نے کہا اے ہمدانی کیا تو مجھے مسلمان نہیں سمجھتا، کیا میں خدا اور رسول کو نہیں پہچانتا کہ تو نے مجھے سلام نہیں کیا، جناب ہمدانی نے جواب دیا اگر تو مسلمان ہوتا اور تجھے خدا و رسولؐ کی معرفت ہوتی تو عترت رسولؐ کے قتل کے ارادے سے کربلا میں نہ آتا۔ اس کے بعد اپنے آنے کا مقصد بیان کرتے ہوئے کہا اے پسر سعد! تجھے شرم نہیں آتی فَھٰذَا مَاءُ الْفُرَاتِ یَشْرَبُ کِلَابُ السَّوَادِ وَخَنَازِیْرُھَا وَھٰذَا الْحُسَیْنُ بْنُ عَلِیٍّ عَلَیْہِ السَّلَامُ وَاِخْوَانُہٗ وَنِسَاءُہٗ وَاَھْلُ بَیْتِہٖ یَمُوْتُوْنَ عَطْشًا قَدْ حُلْتَ بَیْنَھُمْ وَبَیْنَ مَاءِ الْفُرَاتِ اَنْ

یشربُوہُ دنوعمُ اَنَکَ تعرفُ اللہَ و رسولہٗ

یہ فرات کا پانی بہہ رہا ہے، صحرا کے کتے اور خنزیر اس سے سیراب ہو رہے ہیں اور ادھر حسینؑ بن علیؑ ان کے بھائی، مستورات اہل بیتؑ شدّتِ پیاس سے مر رہے ہیں تو نے ان کے لئے فرات کا پانی بند کر رکھا ہے اس کے باوجود تو گمان کرتا ہے کہ خدا اور رسولؐ کو پہچانتا ہے۔

شرم کے مارے ابن سعد نے سر جھکا لیا، اس کے بعد بولا کہ بے شک ان کی عزت و حرمت جانتا ہوں لیکن میرا نفس مجھے رے کی جاگیر ترک کرنے کی اجازت نہیں دیتا، حسینؑ کے لئے میں رے کی جاگیر کیوں ترک کر دوں، ابن سعد پر اس مخلص و وفادار صحابی کے کلام کا کوئی اثر نہ ہوا بلکہ اس نے فرات پر مزید فوج بھیج کر سخت پہرہ لگا دیا، اس نے چار ہزار آدمی غاضر یہ کے گھاٹ کی حفاظت کے لئے مقرر کر دیئے کیونکہ یہی گھاٹ اس وقت تک خالی تھا جس کی طرف سے لشکر گاہِ حسینی میں پانی پہنچنے کی اُمید تھی، شیبث بن ربعی کو بھی ایک ہزار سوار کے ساتھ ان چار ہزار آدمیوں کا نگران بنایا اور سخت تاکید کی کہ خیام اہلِ بیت حسینؑ میں بوند بھر پانی بھی نہ جانے پائے۔

ظلم و ستم کے اس مضبوط انتظام سے جاں نثاران حسینی کو جو اضطراب و پریشانی لاحق ہوئی بیان سے باہر ہے، ہر شخص اپنی اور اہل و عیال کی جانوں سے قطعی مایوس ہو گیا تھا۔

ایک تو مکمل طور پر فوج اشقیاء میں گھر گئے تھے، چاروں طرف سے ناکہ بندی تھی اور پیاس کی شدت دن بدن بڑھتی جاتی تھی، کسی طرف سے غذائی رسد بھی ممکن نہ تھی، صرف پانی بند نہ تھا غذائی خوراک کی بھی قلت تھی، امام پاک اور ان کے ساتھی صرف پیاسے نہ تھے بلکہ بھوکے بھی تھے اس واسطے بھوک اور پیاس دونوں کی شدت تھی ان کے ساتھ ان کی سواری کے جانوروں کا بھی یہی حال تھا۔

اعجازِ امامت

ساتویں محرم کو جب امام پاک اور ان کے ساتھیوں پر نہر فرات سے پانی حاصل کرنے کی پابندی عائد کر دی گئی اور شدّتِ پیاس سے اہل بیت و اصحاب، بچوں، جوانوں اور بوڑھوں کی حالتیں بدل گئیں اور تشنگی کی وجہ سے نڈھال ہو گئے تو امام پاک نے اپنی شانِ امامت اور اعجاز ولایت سے معرفت کرانے کے لئے اصحاب باوفا بلکہ فوجِ اشقیاء کو بھی دکھا دیا کہ تم نے تو پانی بند کر دیا ہے، میں حسینؑ اس وقت امتحان میں ہوں، میں چاہوں تو پاؤں کی ٹھوکر سے ہزاروں چشمے پانی کے پیدا کر سکتا ہوں چنانچہ آپ نے اعجازی طاقت دکھاتے ہوئے اپنے خیام سے انیس قدم کے فاصلہ پر جانب قبلہ

بیلچہ سے تھوڑی سی زمین کو کھودا، پانی کا ٹھنڈا میٹھا چشمہ ظاہر ہوا آنجناب اور آپ کے تمام ہمراہیوں نے پانی پیا۔ اس کے بعد وہ چشمہ بے نام ونشان ہوگیا۔ یہ ایک معجزہ تھا جو وقتی طور پر ظاہر کیا گیا ورنہ زمینِ کربلا میں اس وقت کنواں کھودنے سے بھی پانی نہیں نکلتا تھا۔ یہ چشمہ کیا تھا صحرائے کربلا میں اعجازِ امامت اور مرتبۂ ولایت کا ظہور تھا۔

اصحابِ باوفا کو اپنی شان دکھانا مقصود تھا تاکہ ان کے درجاتِ یقین اور مراتبِ عرفان میں اضافہ ہو، وہ سمجھیں کہ جس کی رفاقت میں جانیں قربان کرنے کے لئے آئے ہیں، وہ اس شان کا مالک ہے۔ اعداءِ اشقیا جان لیں کہ جس کے ساتھ لڑنے کے لئے جمع ہوئے ہیں وہ اس قدر اعجازی وروحانی طاقت کا مالک ہے کہ ایک ٹھوکر سے چشمۂ آب جاری کر سکتا ہے جس کے باپ اور نانا نے کفار ومنافقین کو اپنی اعجازی طاقتیں دکھائی تھیں اور اپنی نبوت وامامت کے اعجازی ثبوت پیش کئے تھے اسی طرح فرزندِ رسول اور جانشین ساقیٔ کوثر نے عالمِ غربت میں صحرائے کربلا میں اپنے آپ کو نمائندۂ خدا، محافظِ دین وپاسبانِ شریعت امامِ حق ثابت کرنے کیلئے کئی اعجاز دکھائے تاکہ پوری طرح پہچان کر لڑیں اور عذابِ ابدی میں گرفتار ہوں۔

صرف ایک بار یہ اعجاز دکھایا کیونکہ یہ امتحان تھا اور بحیثیت ایک انسان کامل کے اس امتحان کا بار اٹھایا، اس واسطے دنیوی اسباب اور بشری تقاضوں کے مطابق امتحان دیا اگر اس طرح بار بار اعجازی شان سے خورد ونوش کرتے تو ان کا کمال اور کامیابی نہ قرار پاتی اور نہ ان کا کارنامہ عالمِ انسانیت میں بطور نمونہ پیش کیا جاتا اگر آج دنیائے انسانیت کو ان کے اس بے مثال اور لازوال کارنامے پر فخر ہے تو انسان کامل کی حیثیت سے۔

اس کے بعد چشمہ تو ختم ہوگیا اور گھاٹ پر سخت پہرے تھے پیاس کی شدت، آٹھویں تاریخ سے مزید بڑھ گئی تھی۔ نویں محرم سے تو یہ حال تھا کہ خیام حسینی میں العطش العطش کی جگر گداز آوازیں بلند ہورہی تھیں، اور امام اور ان کے تمام اقرباء وانصار قطرۂ آب کے لئے ترس رہے تھے، کہ نویں تاریخ محرم سے تو شدتِ پیاس کی وجہ سے اطفالِ خوردسال مرنے کے قریب ہوگئے تھے۔ خیام میں قحطِ آب تھا سب برتن خالی تھے، اہلِ بیت علیہم السلام کے کم وبیش بیس کم سن بچے تھے، سب پیاس سے بے حال تھے، گرم ریت پر شدتِ پیاس سے تڑپتے تڑپتے جب بے ہوشی کی حالت طاری ہوتی تو دکھیاری مائیں بچوں کی نبضوں پر ہاتھ رکھ کر دیکھتیں کہ پیاس کی شدت سے میرا لال مر تو نہیں گیا چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے ؎

پھولوں پر بے ہوش بچے پڑے تھے
ہم ہاتھ رکھ رکھ کے دم دیکھتے تھے

دستور ہے کہ گرمی کے موسم میں جب کوئی کم سن بچہ سو کر اٹھتا ہے تو پیاسا اٹھتا ہے، پانی مانگتا ہے، ماں بچے کی منتظر رہتی ہے کہ اٹھے تو فوراً پانی پیش کروں، وہ خوش نصیب مائیں ہیں جنہیں ٹھنڈا پانی میسر آتا ہے اور بچوں کو پانی سے سیراب کر کے بچوں کے تر و تازہ چہرے اور ہنستا ہوا دیکھ کر خوش ہوتی ہیں، دل بہلاتی ہیں، لوریاں دیتی ہیں، لیکن حاضرین کربلا میں بیس کمسن بچے تھے، ان کی ماؤں کا کیا حال ہو گا، جب کھلی ہوئی چوٹیاں، میلے کرتے، پیاس سے مرجھائے ہوئے چہرے، سوکھے ہوئے ہونٹ اور خشک گلا دیکھتی ہوں گی، العطش العطش کی جگہ پانی صدائیں سنتی ہوں گی تو ان کے دلوں پہ کیا اثر ہوتا ہو گا۔ بچے اُمید کی نگاہیں ماؤں کے چہرے پر ڈالتے ہوں گے، لیکن مائیں حسرت و یاس کی نظر سے اپنے کملائے ہوئے پھولوں کو دیکھتی ہوں گی معصوم بہنیں کیا جواب دیتی ہوں گی کسطرح تسلیاں دیتی ہونگی اس سلسلہ میں جناب سکینہ بنت حسین سلام اللہ علیہا کی زبان سے ایک روایت قلمبند کرتے ہیں۔

جناب سکینہؑ بیان فرماتی ہیں کہ نویں محرم سے اطفال اہل بیتؑ مرنے کے قریب ہو گئے تھے ہنسلیں سوکھ گئی تھیں اور چمڑے میں جو رطوبت ہوتی ہے وہ بھی خشک ہو گئی تھی، میں اور میرے ساتھ چند بچے پیاس سے بے تاب تھے، میں پھوپھی زینبؑ کے خیمے میں اس خیال سے گئی کہ شاید کچھ پانی مل جائے، میرے ہاتھ میں پیالہ تھا، میں پھوپھی کے خیمہ میں داخل ہوئی، بنی ہاشم کے دوسرے بچے بھی میرے ساتھ شامل ہو گئے، کہ سکینہؑ سردار کی بیٹی ہے اسے پانی مل جائے گا اور اس کی وجہ سے شاید ہم بھی پیاس بجھالیں۔

جناب سکینہؑ کا بیان ہے کہ جب میں خیمہ میں داخل ہوئی تو دیکھا کہ میری پھوپھی خیمہ میں تھیں اور ان کی گود میں میرا چھوٹا بھائی علی اصغر تھا، وہ پیاس سے اس قدر بے چین تھا کہ میری پھوپھی کبھی بیٹھ جاتی تھیں اور کبھی کھڑی ہو جاتی تھیں، اصغر مچھلی بے آب کی طرح تڑپتا تھا اور چلا چلا کر روتا تھا، پھوپھی کہتی تھیں بیٹا اصغر ٹھہر جا اور چپ ہو، بھلا تجھ سے کیسے ٹھہرا جائے جب کہ تو ایسی سخت حالت میں گرفتار ہے، تیری پھوپھی پر سخت ناگوار ہے، تیرا چلا کر رونا آہ جناب زینبؑ پر کتنی غربت چھائی ہوئی تھی اور کس قدر دلگیر تھی کہ ساقی کوثر کی دختر آج اپنے شش ماہے بھتیجے کو پانی پلانے سے مجبور تھی، جناب سکینہ کہتی ہیں کہ یہ حالت دیکھ کر میں رونے لگ گئی اور پانی مانگنے کی جرأت نہ کر سکی، پھوپھی نے میرے رونے کی آواز سنی تو زیادہ بے تاب ہو گئیں، میں نے کہا کہ پھوپھی اماں آپ کسی کو انصار کے خیمے میں بھیج دیں، شاید وہاں سے پانی مل جائے، میری پھوپھی اٹھ کھڑی ہوئیں، علی اصغر کو ہاتھوں پہ لیا، اور دوسری پھوپھیوں کے خیموں میں گئیں، مگر پانی وہاں بھی نہ ملا۔ آپ ذریت جناب امام حسین علیہ السلام کے پاس بیٹھ گئیں اور انصار کے ہاں آدمی بھیجا مگر وہاں بھی قحط آب تھا۔ جب پانی سے مایوس ہو گئیں تو اپنے خیمے میں پلٹ گئیں، اس

واسطے بنی ہاشم کے بیس بچے ہاتھوں میں کاسے لئے موجود تھے، مگر پانی نہ ملنے سے یہ معصوم بچے حسرت و یاس کے ساتھ اپنے خیموں میں لوٹ گئے، ادھر اہل بیتؑ کے بچوں کی تشنہ دہانی کا یہ حال تھا، ادھر سنگدل ظالم دکھا دکھا کے پانی پیتے تھے اور العطش کی دل پگھلا دینے والی آوازیں سُن کر ہنستے تھے۔

شیعو! خدا تمہیں کبھی پیاسا نہ رکھے، سدا ٹھنڈا پانی پیتے رہو، لیکن جب ٹھنڈا پانی پینا تو کربلا والوں کی پیاس کو بھول نہ جانا، تمہارے امام نے تمہیں تاکید کی ہے۔

شِیْعَتِیَ مَا اِنْ شَرِبْتُم مَاءَ عَذْبٍ فَاذْکُرُونِی: میرے شیعہ جب ٹھنڈا پانی پینا تو میری پیاس کو یاد کر لینا۔

الا لعنۃ اللہ علی القوم الظالمین

گیارہویں مجلس

قابلِ جزا اعمال مرضی خالق کے مطابق عمل۔ آئمہ ضلال و آئمہ ھدیٰ

نویں محرم اور شبِ عاشور کے واقعات

مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْن

جزا کے دن کا مالک ہے۔ انبیاء و مرسلین کے ذریعہ جو احکام اس نے بندوں کو عمل کرنے کیلئے دیئے ہیں اور جن چیزوں سے دنیا میں بندوں کو روکا ہے، ان کے حساب و کتاب، باز پرس، جزا و سزا کیلئے اس نے ایک دن مقرر فرمایا ہے، اس دن کا نام "یوم الدین" ہے اور وہ اس دن کا واحد مالک ہے، اس کی ملکیت میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ تمام دنوں میں جزا کا دن اہم اور سخت ہے، ویسے وہ ہر چیز کا مالک ہے، لیکن یہ دن ثواب و عذاب، حساب و کتاب کا ہے، جس میں ہر ادنیٰ و اعلیٰ، نیک و بد، مطیع و عاصی جواب دہی کے لئے اور جو کام اچھے یا بُرے دنیا میں کئے ہیں ان کی جزا و سزا کے لئے خالق و مالک کے روبرو حاضر ہوں گے، اس واسطے اس دن کی خصوصیت کا ذکر فرمایا ہے۔

وہ اس دن کا مالک بھی ہے اور بادشاہ مطلق بھی ہے چنانچہ روزِ قیامت آواز آئے گی "لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ" آج کس کی بادشاہی ہے۔ جواب آئے گا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّار اللہ تعالیٰ کی بادشاہی ہے۔ جو ہر چیز پر غالب ہے۔

روزِ جزا (قیامت) کے ثابت کرنے کے بعد ہم اس دن ہونے والے واقعات کا تذکرہ کرتے ہیں۔

کن اعمال کی جزا ملے گی

عادلِ حقیقی رحم آمیز عدالت کرے گا اور ان اعمال کی جزا دے گا جو بندوں نے حکم خدا سمجھ کر اور مرضی خالق کے مطابق عمل کئے لہذا اس دنیا میں عمل کرتے وقت انسان کو نہایت غور و فکر کرنا چاہیئے کہ واقعی خالق کا حکم

ایسا ہی ہے۔ اور اس نے اس طرح اس کے بجالانے کا حکم دیا ہے۔ اور اس کے بھیجے ہوئے انبیاء و آئمہ علیہم السلام کی ہدایات کے مطابق نہیں، تو وہ اس عمل کی جزا کا حقدار نہیں، جیسا کہ ارشادِ مالک ہے
قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا
آپ کہہ دیں کہ کیا ہم تمہیں وہ لوگ بتائیں جن کے اعمال خسارے میں ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کی محنت و کوشش دنیا میں ضائع ہوگئی، اکارت گئی اور وہ گمان کرتے ہیں کہ وہ اچھے کام کر رہے ہیں۔

لوگ اپنی نظروں میں اپنی آراء اور سمجھ کے مطابق انہیں اچھا سمجھ کر کرتے رہے، لیکن خدا کے نزدیک وہ سب ضائع اور بیکار گئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ احکام شریعت اور اعمال دین بندوں کی مرضی کے مطابق بلکہ قابلِ جزا وہ اعمال ہیں جو واقعی احکام خدا ہیں اور اس کے بھیجے ہوئے ہادیوں اور رہبروں کے ذریعہ بندوں تک پہنچے ہیں۔

پس اے مسلمان ذرا سوچ کہ جو عمل تو کر رہا ہے کیا وہ قابلِ قبول بھی ہے؟ کیا اسلام کے رہنماؤں کی ہدایت کے مطابق ہے؟ پس جو نماز تو پڑھ رہا ہے۔ ہادی اسلام کے فرمان اور طریقہ کے مطابق ہے۔ اگر تو نے اپنی سمجھ اور اپنی رائے کے مطابق نماز پڑھی تو اس کی جزا تو اپنے آپ سے لے گا، خدا سے اس کی جزا لینے کا حقدار نہ ہوگا، اسی طرح جو عمل بھی کرے گا، اس میں تیری رائے کا کوئی دخل نہ ہو، اپنی طرف سے احکام شریعت میں تجھے کمی و بیشی کرنے کا کوئی حق نہیں، جس طرح خالق نے حکم دیا اور ہادی نے پہنچایا اس کے مطابق ہی تو نیک بدلے کا مستحق ہوگا۔

عموماً لوگ کہہ دیا کرتے ہیں کہ میری سمجھ کے مطابق نہیں، میرے عقل میں یہ بات نہیں آتی میں تو اسے اس طرح صحیح سمجھتا ہوں، اے بندۂ خدا احکام شریعت تیری سمجھ کے پابند نہیں، تیری رائے کے مطابق نہیں، شریعت تیرے دماغ کی تابع نہیں، تو اپنی رائے احکام اسلام کے تابع کر، اسلام کو اپنا ہم خیال نہ بنا، اپنے خیال کو اسلام کے موافق بنا، ہاں اسلام کو سمجھنے میں ضرور غور و فکر کر، لیکن یہ خیال کر کہ تیری عقل کامل نہیں، تیرا خیال ہر حال میں صحیح نہیں اور ہر شئی تیری سمجھ میں آنے والی نہیں، ہاں اتنا سمجھ کہ یہ حکم اسلام ہے، اور پیغمبر کا فرمان ہے۔ اس کے آگے سر تسلیم خم کر جا گو تیرے دل پہ گراں گذرے، اسی چیز کا نام ہے "تسلیم" اور حکم اسلام سے اتفاق نہ کرنے کا نام ہے "بغاوت"

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے "صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي" اس طرح نماز پڑھو جس طرح مجھے نماز پڑھتے دیکھتے ہو، کیا پیغمبر نے ایک طریقہ سے نماز پڑھی، یا چار طریقوں سے؟ یہ چار طریقے اس وقت وجود میں آئے جب لوگوں نے اپنی رائے اور قیاس کو دین میں داخل کر دیا۔ چونکہ

روزِ قیامت اعمال میں سب سے پہلے پرسش ہوگی، اس واسطے اگر نماز قبول
بھی قبول اور اگر نماز ردّ کر دی گئی تو دوسرے اعمال بھی ردّی کے ٹوکرے میں ڈال دیے
میں نہیں کہتا کہ اس طرح نماز پڑھو، میں تو یہ کہوں گا کہ اس طرح نماز پڑھو جس طرح امیر
المومنین علیؑ کے بھائی اہل بیت کے بزرگ جناب زہرا سلام اللہ علیہا کے بابا اور جناب حسنینؑ کے نانا نے نماز پڑھی اور ان حضرات کی نماز بھی انہی کی طرح ہے لہذا اس طرح نماز پڑھو جس طرح بعد رسولؐ رسولؐ کے اہل بیت اور رسولؐ کی آل نے پڑھی۔ اِنْ قُبِلَتْ قُبِلَ مَا سِوَاهَا وَ اِنْ رُدَّتْ رُدَّ مَا سِوَاهَا اسی طرح ہر عقیدہ اور ہر عمل بانیِ اسلام کے مطابق فرمان ہو۔
قیامت کے روز سب سے بڑا مفلس اور بے سرمایہ وہ شخص ہوگا جو دنیا میں عمل کرتے کرتے تھک گیا لیکن جزا سے محروم ہوگا۔ عَامِلَةٌ نَاصِبَةٌ تَصْلٰی نَارًا حَامِيَة ،،

مریض کی مثال

(۱) مریض کوشش کرتا ہے کہ صحیح اور لائق طبیب سے علاج کراؤں، اس کے لئے دو چیزیں ضروری ہیں، ایک تو لائق اور ماہر طبیب کی پہچان اور دوسری اس کی ہدایات پر عمل، مریض اگر اپنی رائے اور اپنی ناقص و گھٹیا سمجھ پر بھروسہ کر کے طبیب کی طرف رجوع نہ کرے تو اس کا مرض بڑھتا جائے گا اور ہلاک ہو جائے گا کیونکہ مریض ہوتے ہوئے اس نے طبیب کا دامن نہ پکڑا اور اس کے دروازے پر نہ گیا اگر غلط طبیب کے دروازے پر گیا جو طبیب تو نہ تھا طبابت کا لباس پہن رکھا تھا، بورڈ لگا رکھا تھا، حکیم نہ تھا مگر حکیم کی مسند پر بیٹھ گیا، ایسے خود ساختہ طبیب کی چوکھٹ پر جانے سے بھی مریض شفا نہ پا سکے گا بلکہ اس کا مرض سخت ہو جائے گا، غلط طبیب کے علاج سے بیماری پیچیدہ ہو جائے گی۔

(۲) طبیب کی پہچان تو اس نے کر لی، اس کی خوش قسمتی کہ لائق اور ماہر طبیب کے دروازے پہنچ گیا، مرض تشخیص کرا لیا، نسخہ بھی لکھوا لیا اور ہدایات بھی لے لیں مگر بدقسمتی سے اس نے طبیب کے کہنے کے مطابق دوا استعمال نہیں کی، اپنی رائے اور سمجھ کے مطابق استعمال کرنے لگا مثلاً طبیب نے کونین وغیرہ ایسی دوا کھانے کے کچھ دیر بعد استعمال کرنے کو کہا اس نے خالی پیٹ لے لی، حکیم کے کہنے کے مطابق اس نے پرہیز نہ کیا تو ایسا مریض اپنی سمجھ کے موافق ہزار بار دوا استعمال کرے صحت یاب نہ ہو سکے گا بلکہ "مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی" کا مصداق ہو کر رہ جائے گا۔

وہی مریض صحت یاب ہوگا اور تندرستی کا لطف وہی اٹھائے گا جو طبیب کی کڑوی دوا

رے گی اور اس کی طبیعت پر بوجھ بھی ہو گا مگر فطرت سلیمہ
ی ہدایت کے آگے سرنگوں ہو گیا، منزل تسلیم میں آ کے اس سنتے
ھت سے مالامال ہو گیا۔
ہے جس میں بغاوت کا مادہ پایا جائے، بجائے تعمیل کے الٹا طبیب
نے کے برعکس طبیب کو یادہ گوئی اور ہذیان کا طعنہ دے، وہ نسخہ
ہذیان کی نسبت دے۔ جناب مولانا حالی مرحوم نے ایسے مریض کے متعلق

کیا عمدہ کہا ہے

کسی نے یہ بقراط سے جا کے پوچھا　　　مرض تیرے نزدیک مہلک ہے کیا

عمل مرضیٔ خالق کے مطابق ہو

بہرحال انسان کو جب علم ہو جائے کہ خدا و رسول کا حکم ہے اور اس طرح حکم ہے۔ تو اس حکم کا مقابلہ نہ کرنا چاہیئے بلکہ سر تسلیم خم کر دینا چاہیئے۔

اسی طرح ایک عمل خیر ہے لیکن اس کے بجالانے کا طریقہ غلط ہے، مثلاً نماز ہے کوئی شخص صبح کے دو فرضوں کی جگہ چار فرض پڑھ لے یا رکوع و سجود نہ کرے، صرف تصور کے ساتھ کچھ پڑھتا رہے، وضو نہ کرے اسی طرح روزہ سورج نکلنے سے شروع کرے اور نصف رات تک لے جائے، روزہ کی مدت میں کمی نہیں مگر مرضی خدا کے مطابق نہیں، حج ہے اس کے مناسک ادا کرنے میں تبدیلی کر دے، زکوٰۃ ہے مقررہ حصہ نکالتا ہے لیکن یار دوستوں کو دیتا ہے وہ امیر ہیں یا عیاشی میں زکوٰۃ کا روپیہ خرچ کرتے ہیں اس طرح وہ نیک عمل تو کرتا ہے لیکن ضائع کر دیتا ہے۔ مرضی خدا و رسول و آئمہ اطہار علیہم السلام کے مطابق نہیں کرتا۔ باوجود ان نیک کاموں کی ادائیگی کے "یوم الجزا" کے دن وہ ثواب سے محروم ہے، اسی طرح مجالس اور مراسم عزا اسی طرح بجالانے چاہئیں جس طرح جناب امام حسین علیہ السلام اور آئمہ معصومینؑ کی مرضی ہو اور اس طریقہ پر خوش ہوں اور مجالس کا وہی طریقہ کار ہو جو ان کی مرضی کے مطابق ہو۔

مجالس منعقد کرنے سے پہلے یہ سوچ سمجھ لے کہ جس طرح مجالس کرتا ہوں میرا جو طریق کار ہے کیا وہ معصوم علیہ السلام کو پسند ہے؟ کیا دین و شریعت کے کسی حکم کی خلاف ورزی تو نہیں ہوتی؟ اس طرح امام پاکؑ ناراض تو نہ ہوں گے؟ کہ ہزاروں روپے خرچ بھی کرے اور ثواب سے محروم رہ کر الٹا ان کی ناراضگی بھی مول لے۔

اسی طرح ذکر امام علیہ السلام کرنے والے وہ بیان کریں جو خوشنودیٔ خدا عزوجل و رسول و آئمہ طاہرین علیہم الصلوٰۃ والسلام کا باعث ہو نہ تیرے بیان سے وہ خوش ہوں، ایسا نہ ہو کہ تو اپنی کامیابی اور دنیوی لالچ میں ایسا ویسا بیان کرے اور ان کی روحیں نفرین کر رہی ہوں تو مستی اور وجد میں مصروف مجلس ہو اور وہ "دُھر دُھر" کر رہے ہوں۔

اسی طرح سُننے والے حضرات احکام دین، قرآن و حدیث، مسائل شریعت، تذکرۂ معصومین صلوٰۃ اللہ علیہم سُن کر مجلس کو مدرسہ دین اور درس ہدایات آلِ محمدؐ جان کر سُن لذتِ نفس اور شغلہ طرب بنا کر نہ سُن، سامعین یہ معمولی بات نہیں، نہایت صدمہ کی بات ہے کہ جب تک آواز اور لہجہ کی لذت رہے تو سُننے میں مگن رہے۔ اور جب سادہ آواز میں قرآن اور معصومؑ کا فرمان آئے تو ان کو پشت کر کے منہ پھیر کے حقیر جان کر نفرت کر کے چلا جائے تو کیا قرآن اور معصومین تجھ پر راضی ہوں گے۔ کیا تیرے اس سننے کے طریق پر معصومین علیہم السلام راضی ہیں؟ مجلس کرنے والے، مجلس پڑھنے والے اور مجلس سننے والے حضرات غور فرمائیں۔

صحیح ہادی کی پہچان اور سچے رہنما کی پیروی

دنیا میں انسان جو عمل کرتا رہا اسی کی جزا روزِ جزا پائے گا۔ دنیا کی کھیتی میں جس قسم کا بیج بویا، اسی کا پھل روزِ قیامت پائے گا، جن احکام کی تعمیل کرے گا انہی احکام کا بدلہ حاصل کرے گا اس واسطے یہ معرفت اور علم ضروری ہے کہ واقعی یہ احکام خداوندی ہیں؟ واقعی یہ اسلام کے احکام ہیں؟ یہی پسندیدہ دین کی ہدایات ہیں۔

یہ احکام لینے والے عمل کرنے والے مکلف کی معرفت پر منحصر ہے اگر سچے امام اور سچے ہادی اسلام سے احکام دین لئے تو سچے اور قابلِ جزا اور اگر جھوٹے امام، نقلی رہنما جعلی پیشوا کی اطاعت کر کے غلط رہنمائی حاصل کی تو محنت ضائع، عمل بیکار، کوشش اکارت اور بجائے ثواب کے اُلٹا مستحق عذاب ہوا۔

اُمت نبی سے بنتی ہے اور فرقہ امام سے بنتا ہے۔ نبی ایک، اُمت بھی ایک لیکن بعد نبی امام کئی، فرقے بھی کئی کیونکہ فرقے باہمی فرق سے پیدا ہوتے ہیں، جب دین اور شریعت میں تفریق کر دی جائے تو وہ تقسیم ہو جاتی ہے۔ اور مختلف قسم کے فرقے پیدا ہو جاتے ہیں۔ تقسیم اور تفریق پیدا کرنے والے جھوٹے رہنما اور جھوٹے امام ہوتے ہیں۔

اگر اُمت فرقوں میں تقسیم نہ ہوتی اور بعد رسول پاکؐ اُمت کے کئی غلط رہنما نہ پیدا ہوتے، تو پھر

احکام صحیح تھے، ہدایات صحیح تھیں، رہبر بھی سچے تھے، صرف پیروی نہ کرنے والوں اور صحیح راہ پر نہ چلنے والوں کی غلطی تھی۔ اب جب رہنما غلط ہوں، امام جھوٹے ہوں تو ان کے احکام کس طرح صحیح اور قابلِ جزا ہو سکتے ہیں؟ ایسے غلط رہنماؤں کی ہزار پیروی کی جائے اور ان کے غلط احکام کی لاکھ تعمیل کی جائے، روزِ قیامت جزا سے محرومی اور بدنصیبی کے سوا کیا ملے گا۔ "عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ تَصْلَىٰ نَارًا حَامِيَةً"، سورہ غاشیہ پ ۳۰۔ بہت سے عمل کرتے والے نفوس مشقت اٹھانے والے دہکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے، "محنت و کوشش برباد، جہنم لازم" یہ سچی معرفت سے محرومی اور سچے امام کی پہچان نہ ہونے کا نتیجہ ہے

آدمی روزِ محشر قبر سے تو تنہا اُٹھے گا لیکن تنہا نہ پکارا جائے گا، اسے ایک زُمرہ میں شامل ہونا پڑے گا، ہر زمرہ کا ایک لیڈر ہو گا جو دنیا میں اس زُمرے کا پیشوا تھا جیسا کہ ارشاد مالک یوم الدین ہے۔ "یَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ" پ ۱۵ سورہ بنی اسرائیل۔ روزِ جزا ہم ہر شخص کو اس کے امام کے ساتھ بلائیں گے۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔ "المرء مع من احبہ" آدمی قیامت کے دن اسی کے ساتھ محشور ہو گا جسے وہ دنیا میں دوست رکھتا تھا۔

سچے امام کی معرفت ضروری ہے۔ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ، مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَعْرِفْ إِمَامَ زَمَانِهِ مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً. حضور نبی پاک صلعم نے فرمایا کہ جو شخص مر گیا اور اس نے سچے امام زمانہ کو نہ پہچانا وہ جہالت کی موت مرا۔ حقیقت یہ ہے کہ سچے امام کی معرفت کے بغیر خدا و رسول کی بھی صحیح معرفت نہیں ہو سکتی، رسول پاک کے سچے دین، ان کی صحیح تعلیمات، صحیح احکامِ شریعت، سچے امام اور سچے نائب رسول کے پاس صحیح و اصلی حالت میں محفوظ رہتے ہیں غلط جانشین کے پاس دین و شریعت میں تغیر پیدا ہو جاتا ہے اور اسلام کی تعلیمات اصلی صورت میں نہیں رہتیں ذاتی اغراض اور جانشین کی جہالت کے باعث تعلیماتِ دین بگڑ جاتی ہیں اور ان کا عامل جزا کا حقدار نہیں رہتا۔

امام حق و امام باطل

"وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا" ہم نے ان کو ایسا امام بنایا جو ہمارے حکم کے مطابق لوگوں کی رہنمائی کرتے ہیں جب کہ وہ صابر ہیں۔

"وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ" ہم نے ان کو ایسا امام بنایا جو لوگوں کو جہنم میں پہنچاتے ہیں۔

معرفت کا معیار

امام حق کی معرفت بھی ضروری اور امام حق کے ساتھ امام باطل بھی ہیں اور روز حشر زمرۂ امام میں داخلہ بھی ضروری ہے۔ اگر حلقۂ امام حق میں داخلہ ملا تو کامیابی اور جنّت ٹھکانا اور اگر امام باطل کی جماعت میں داخلہ ہوا تو ناکامی، ذلّت اور جہنم میں رسائی، لہٰذا بعد از رسول اُمت کے لئے۔

امام حق اور امام باطل کی معرفت کا کوئی معیار بھی تو ہو ان دونوں میں تمیز کرنے کے لئے کوئی کسوٹی بھی ہونی چاہیئے۔ اس کی تفصیل ہم "الصراط المستقیم" کی تفسیر میں لکھیں گے۔ اس وقت "یوم الدین" کے واقعات کا تذکرہ کرتے ہیں۔

دنیا میں اپنے پیشواؤں پر اعتماد کر کے جن لوگوں نے ان کا اتباع کیا تھا آخرت میں ان سے نفع اور فیض و ثواب کے امیدوار ہوں گے۔ اور نجات کی اُمید پر ان سے وابستہ ہوئے تھے، ان سے نجات دلانے کی خواہش کریں گے۔ چنانچہ ان پیروں، مریدوں، رہنماؤں اور پیروکاروں کی حالت یوم قیامت ہم قرآن کی زبانی بیان کرتے ہیں۔ پارہ ۲ سورہ بقرہ رکوع ۴

اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِیْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ○ وَقَالَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا كَذٰلِكَ یُرِیْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَیْهِمْ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِیْنَ مِنَ النَّارِ ○

جب پیشوا لوگ اپنے پیروکاروں سے تبرا یعنی بیزاری کر جائیں گے اور عذاب کو دیکھیں گے (بچشم خود) اور ان کے باہمی تعلقات پیری مریدی والے پیشوائی اور پیروکاری والے ختم ہو جائیں گے جب پیشوا اپنا حشر دیکھ کر عذاب سے بچنے کی کوئی تدبیر نہ کر سکیں گے تو پیروکاروں کو کہاں بچا سکیں گے ہاں اپنے ساتھ رکھ سکیں گے۔

پیروکار جب اپنے چھوٹے رہنماؤں کو قطع تعلق دیکھیں گے تو کہیں گے اگر ہم دنیا میں پلٹ کر جائیں اور ایسا ایک بار موقع ملے تو ہم بھی (ان نامرادوں) سے ایسی ہی بیزاری کریں جیسی اب انہوں نے ہم سے عین وقت پر بیزاری اختیار کی ہے۔ یونہی خدا ان لوگوں کو ان کے اعمال حسرت اور نااُمیدی کی صورت میں دکھائے گا اور یہ کم بخت آگ سے نہ نکل سکیں گے۔ یہ ان آئمہ ضلال اور پیشوایان باطل کا ذکر ہے، جو خود جہنم میں جائیں گے اور نجات نہ پاسکیں گے بھلا وہ اپنے پیروکاروں کو کس طرح جہنم سے بچا سکیں گے۔

اس واسطے مسلمانو! ایسے آئمہ ہدیٰ کی پیروی کرو اور ان کے زمرہ میں داخل ہو جو "قسیم النار والجنۃ" ہیں جن کی تعلیمات بعینہا تعلیمات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جو صحیح وارثانِ رسول پاکؐ ہیں۔

ہم یہاں صرف ایک معیارِ معرفت پیش کرتے ہیں کہ خدا وہ ہے جو خدائی کے کام کرے صرف دعویٰ خدائی کرنے سے کوئی شخص خدا نہیں بن سکتا جب تک خدائی والے کام نہ کرے اسی طرح کوئی شخص نبوت کا دعویٰ کرنے سے نبی نہیں بن سکتا جب تک نبوت کے فرائض نہ ادا کرے وہ شخص خلافت و امامت کا منصب نہیں سنبھال سکتا جب تک مسندِ امامت پر بیٹھ کر امورِ امامت نہ سرانجام دے اور امام والے کام کر کے نہ دکھائے۔

حضرات غور فرمائیں کہ زبانی دعویٰ کرنے والے اگر عملی ثبوت نہ دیں تو جھوٹے ہیں خدائی کا زبانی دعویٰ کرنے والے خدائی کام نہ کر سکیں تو وہ خدا جھوٹے۔

نبوت کا دعویٰ کرنے والے: والے کام کر کے نہ دکھائیں تو .تو وہ نبی جھوٹے۔

امامت کا دعویٰ کرنے والے امامت کے کام نہ کریں تو وہ امام جھوٹے اسی طرح شیعہ اور مولائی ہونے کا دعویٰ کرنے والے اگر شیعوں اور مولائیوں والے کام کر کے نہ دکھائیں تو وہ جھوٹے شیعہ ہیں۔ سچے شیعہ وہ ہیں جن کے عمل سے ان کا شیعہ ہونا ثابت ہو۔ جو نشانیاں اور اوصاف شیعوں کے معصوم علیہ السلام نے فرمائے ہیں اگر وہ ان میں پائے جائیں تو سچے شیعہ اور اگر نہ پائے جائیں تو وہ جھوٹے شیعہ ہیں جس طرح زبانی دعویٰ کرنے سے کوئی نبی و امام نہیں بن سکتا اسی طرح زبانی دعویٰ کرنے سے کوئی شخص شیعہ بھی نہیں ہو سکتا عملی ثبوت چاہیئے۔

ایک شخص مدرس والے مقام پر بیٹھ تو جاتا ہے لیکن تدریسی اُمور سرانجام نہیں دے سکتا وہ مدرس نہیں طبیب کے مقام پر بیٹھنے والا تشخیص مرض اور اس کے علاج سے قاصر ہے وہ طبیب نہیں کہلا سکتا تو جو شخص مسندِ امامت و خلافت پر بیٹھ کر شانِ امامت کے مطابق علمی مسائل حل نہیں کر سکتا، قرآن کے اسرار و رموز فقہ کے مسائل نہیں سمجھ سکتا، مشکل سوالوں کے جواب نہیں دے سکتا، مقدمات کا فیصلہ قرآن اور سنت کی روشنی میں نہیں کر سکتا، اُمت کے عُقدے حل نہیں کر سکتا، اسے کون سچا امام کہہ سکتا ہے۔ سچا امام تو وہ ہے جو مسندِ رسولؐ پر بیٹھ کر جن و انس کے مسائل حل کرے، آنِ واحد میں ان کے سوالوں کے جواب دے جو انسانوں کو انسانوں کی زبان میں اور جنوں کو جنوں کی زبان میں سمجھا سکے۔ یہودیوں کو تورات کے حوالے سے، عیسائیوں کو انجیل اور مسلمانوں کو قرآن سے جواب دے سکے جو کسی مقام پر اہلِ اسلام اور غیر مسلموں کے جواب سے عاجز نہ ہو بلکہ

"سلونی قبل ان تفقدونی" کے اعلان سے اقوام عالم کو ہر چیز پوچھنے کی دعوتِ عام دے، اب خود سمجھ لو کہ اس معیار پر اترنے والا کون ہے۔ کیا کوئی قریش کا فرد ہے، کسی قبیلہ کا بزرگ ہے؟ مسلمانو! کوئی نہیں سوائے رسولؐ کے برادر، جناب زہراؑ کے شوہر، حسنینؑ کے پدر اور ابو طالبؑ کے لختِ جگر امیرالمومنین علیؑ کے سوا کوئی نہیں کوئی نہیں۔

پس لوگو! باطل کے اماموں سے منہ موڑو، آئمہ حق کے ساتھ تعلق جوڑو، غیروں کا واسطہ چھوڑو اور آلِ محمدؐ کی طرف دوڑو۔

ساقی حوض

روزِ قیامت شدت کی گرمی ہوگی، گھبراہٹ کا عالم ہوگا، ایسی سخت گرمی اور دھوپ میں عموماً دو چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ دھوپ سے بچنے کے لئے سایہ کی اور پیاس کی شدت میں پانی کی، قیامت میں دھوپ بھی ہوگی اور پیاس بھی، تو اے مسلمان! ایسے امام کا دامن پکڑ جو دھوپ سے بچا کر سایہ میں پناہ دے سکے اور پیاس بجھانے کے لئے کسی حوض کے کنارے پانی پلا سکے، پچھلی مجلس میں ہم ثابت کر چکے ہیں کہ "لواء الحمد" جناب امیر علیہ السلام کے ہاتھ میں ہوگا، جو دنیا میں علمبردارِ رسولؐ رہے، ایسی گرمی میں پیاس ضرور لگے گی، پانی کہاں ملے گا حوض کس کے قبضہ میں ہوگا، پیالہ کس کے ہاتھ ہوگا اور ساقی کون ہوگا۔

سن اور پیغمبر اسلام جناب محمد مصطفےٰ صلعم کی زبان سے سن

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی علی خمسۃ امور احب الیّ من الدنیا وما فیہا اما واحدۃ فھو تکائی بین یدی عزوجل حتی یفرغ من الحساب اما الثانیۃ فلواء الحمد بیدہ آدم ومن ولدہ تحتہ، اما الثالثۃ فواقف عقب حوضی یسقی من عرف من امتی، اما الرابعۃ فساتر عورتی ومسلمی الی ربی عزوجل اما الخامسۃ فلست اخشی علیہ ان یرجع زانیا بعد احصان ولا کافرا بعد ایمان "مناقب احمد بحوالہ ارجح المطالب، حضرت ابی سعید خدری سے روایت ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا میرے بھائی علیؑ میں پانچ باتیں ایسی ہیں جو مجھے دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہیں، پہلی وہ خدا کے حضور مجھ پر تکیہ لگائے رہے گا، یہاں تک کہ حساب سے فارغ ہو جائے گا۔ دوسری "لواء الحمد" اس کے ہاتھ میں ہوگا آدم اور اس کی اولاد اسکے سایہ میں جمع ہوگی تیسری میرے حوض کے پیچھے کھڑا رہے گا اور جسکو میری امت سے پہچانتا ہوگا اسے سیراب کریگا چوتھی مجھے کفن پہنانے والا اور اللہ کے سپرد کرنیوالا ہوگا پانچویں مجھے اسکی نسبت یہ خوف ہرگز نہیں کہ

پاکدامنی کے بعد کوئی غلط کام کرے گا اور نہ ایمان کے بعد کفر کی طرف رجوع کرے گا۔

تو مسلمانو! پیاس کا مسئلہ بھی حل ہو گیا جس کے پاس سایہ ڈھونڈا اسی کے ہاتھ میں پیالہ ہو گا۔ ایسے ہولناک مقام پر ٹھنڈا سایہ بھی مل جائے اور ٹھنڈا میٹھا شربت بھی مل جائے تو رسول عظیم سے بحث تو ہو گی مگر یہ امام شیعوں کا ہے۔

یہ نہیں کہ سب اس حوض پہ وارد ہو کر سب ہی سیراب ہوں گے۔ نہیں حقدار سیراب ہوں گے، کچھ ایسے بغض رکھنے والے، دل میں عداوت و کینہ رکھنے والے بھگائے بھی جائیں گے۔ جہاں موالی سیراب ہوں گے، وہاں سے دشمن لاٹھی کے ساتھ ہٹائے بھی جائیں گے۔

عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ صلعم یا علی معک یوم القیٰمۃ عصا من عصی الجنۃ تذود بھا المنافقین عن الحوض (معجم طبرانی بحوالہ ارجح المطالب)

ابو سعید خدری بیان کرتے ہیں کہ جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا اے علیؑ تیرے پاس جنت کی لاٹھیوں میں سے ایک لاٹھی ہو گی جس کے ساتھ تو منافقوں کو حوض سے ہانکے گا۔

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعلیؑ انت امامی یوم القیامۃ فیدفع الیّ لواء الحمد فادفعہ الیک وانت تذود الناس عن حوضی (کنز العمال)

عن علی قال لاذودن بیدی ھاتین القصیرتین عن حوض رسول اللہ رایات الکفار والمنافقین کما یذاد الابل الغریبۃ عن حیاضھا۔ جناب امیر فرماتے ہیں کہ میں ان دو ننھے ننھے ہاتھوں سے کفار اور منافقین کے علموں کو ہانک دوں گا جس طرح پرایا اونٹ اپنے حوض سے ہانکا جاتا ہے۔

ان حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ لواء الحمد بھی مولا امیر علیہ السلام کے ہاتھوں میں ہو گا اور حوض رسول پاکؐ کے مختار اور ساقی بھی جناب امیرؑ ہوں گے۔ جو امام روز قیامت اپنے پیروکاروں کو فائدہ نہ پہنچا سکے وہ لوگ کتنے بدنصیب ہیں اور کتنے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کو علیؑ ایسا امام ملا ہے۔ لیکن یاد رہے کہ علیؑ ہر امام المتقین ہیں جو ان کے نقش قدم پر نہ چلے، جو ان کی پیروی عملاً نہ کرے، ان کی بتائی ہوئی راہ پہ نہ چلے، نہ وہ پیروکار ہے اور نہ علیؑ اس کے امام ہیں۔ جس طرح زبانی دعویٰ امامت کرنے سے کوئی امام نہیں بن سکتا جب تک شیعہ والے عمل کر کے نہ دکھائے اسی طرح زبانی شیعہ کہلانے والا پیروکار اور شیعہ علی نہیں بن سکتا جب تک شیعہ والے عمل کر کے نہ دکھلائے علیؑ ساقی ہیں، موالیوں کو سیراب کریں گے، کتنے پینے والے ہوں گے اور پیالے کتنے ہوں گے، اتنی پیاسی دنیا ایک پیالہ ہو تو باری کب آئے گی اور انتظار میں تو ان کی جان بھی نکل جائے گی۔

لواء الحمد کا طول و عرض اتنا ہوگا کہ ماپ کا شمار نہیں اور حوض کا طول و عرض ہزاروں میلوں میں ہوگا پیالے کتنے ہوں گے حضور رسالتمآبؐ کی زبانی سنیئے

فردوس الاخبار دیلمی میں ہے حضورؐ فرماتے ہیں کہ اس حوض پر آسمان کے تاروں کے برابر پیالے ہوں گے جن سے حسینؑ و زینبؑ کا بابا پیاسی اُمت کو سیراب کرے گا، کون سیراب کرے گا، جس کی اولاد فرات کے کنارے پیاسی قتل ہوئی، جس کی بیٹیاں لب فرات پیاس سے بے حال رہیں، جس کے معصوم بچے ہاتھوں میں پیالے لئے خیموں کے دروازوں پر مشکوں کے منتظر رہتے اور سنگدل کوفی مٹی اور شیشوں کے برتنوں میں دکھا دکھا کے سیراب ہوتے ہے

رو کے ہوئے تھی نہر کو اُمت رسولؐ کی
سبزہ ہرا تھا خشک تھی کھیتی بتولؑ کی،

عزادارو! ماہ محرم کو زہرا کا لال ابن زیاد کی فوجوں میں گھر گیا، فوجوں کی تعداد کتنی تھی، تیس ہزار سے لے کر دو لاکھ تک لکھی گئی ہے، ان میں تیس ہزار والی روایت پر زیادہ اعتماد کیا گیا ہے کیونکہ امام معصوم علیہ السلام سے تیس ہزار مروی ہے ویسے ناسخ التواریخ میں پچاس ہزار سے اوپر مذکور ہے کوفہ بالکل خالی ہو گیا۔ حاکم کا حکم تھا کہ کوفہ میں کوئی جوان مرد نہ رہ جائے۔ بیان کیا گیا ہے کہ کوفہ کے بازاروں میں تین محرم سے چھ محرم تک ہتھیار فروخت کرنے والی دکانوں پر بڑی بھیڑ رہی اور ہتھیار خریدنے والوں سے بازار بھر گیا تھا۔

کوئی تلوار خرید رہا ہے، کوئی نیزہ، کوئی تیر کمان، کچھ نئے خرید رہے ہیں اور کچھ پرانے ہتھیاروں کو تیز کرا رہے ہیں، کہیں خنجر کی دھار تیز کی جا رہی ہے، کہیں نیزے کی انی درست ہو رہی ہے، کہیں تیروں کی نوکیں تیز ہو رہی ہیں، تیر بھی مختلف قسم کے تھے، کسی کی ایک نوک اور کسی کی تین نوکیں تھیں اور نوکیں اس قدر تیز تھیں کہ بدن کی ایک طرف سے جو پیوست ہوتا دوسری طرف نوک نکل جاتی اور بدن سے نکالنے کے لئے ایک ہاتھ سے نکلتے قربان جاؤں میرے مظلوم امام نے بعض تیر نکالنے میں دونوں ہاتھوں کا زور لگایا ہے۔

عزادارو! یہ تمام ہتھیار کس کے لئے اکٹھے کئے جا رہے ہیں، کن کے لئے یہ دھاریں اور نوکیں تیز کی جا رہی ہیں۔ ذریت رسولؐ کے لئے، اولاد علیؑ و بتولؑ کے واسطے، آل ابی طالب کے واسطے بنی ہاشم کی جن پاک مستورات نے محبت و شفقت سے پالا تھا انہیں نیزوں اور تیروں کا نشانہ بنانے کے لئے یہ سارا سامان کیا جا رہا ہے۔ برسرگاہِ رسولؐ کو، نازِ پروردۂ بتولؑ کو، اُم البنین کے لاڈلے شیروں کو، عقیل

کے گھر اُنے کو برباد کرنے کے لئے، ابوطالبؑ کا چراغ بجھانے کے لئے، رسول کی امت ہتھیار جمع کر رہی ہے۔ لیلیٰ کی اٹھارہ برس کی کمائی خاک و خون میں غلطاں کرنے کے لئے، اُم رباب کی گود خالی کرنے کے لئے، حسن مجتبیٰؑ کا صحن سنسان کرنے کے واسطے، اقربائے حسین اور اصحاب و انصار کو پیاسا ظلم و جور سے شہید کرنے کے لئے، ہتھیار والوں کی بازاروں میں بھیڑ ہے۔ اے کوفہ تیرے ان بازاروں پر لعنت، جن میں خاندانِ رسولؐ کو قتل کرنے کے لئے ہتھیار فروخت ہو رہے ہیں خدا تیرے ان بازاروں کو تباہ کرے، جن میں بتولؑ زادیاں ننگے سر چرائی گئیں اے کوفہ! کاش تو آباد نہ ہوتا تو کھنڈروں میں بدل جاتا تا مسلم و ہانی کی لاشیں اور مستورات ہاشمی کو رسیوں میں برہنہ سر نہ دیکھتا۔

نہم محرّم

شیعو! یہ کوفہ کے بازاروں میں ہتھیاروں کا ذکر تھا۔ اب میدانِ کربلا کا حال سنو، لشکر خونخوار سے میدان کربلا پٹ گیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اگر کوئی شخص بلند ٹیلے پر چڑھ کے دیکھے تو آدمی ہی آدمی نظر آتے یا آسمان دکھائی دیتا اور جہاں تک نظر کام کرتی گھوڑے سوار فوج، پیادہ فوج اور نیزے و تلواریں نظر آتیں، ایسے ہی لشکر کو ٹڈی دل اور سیلِ رواں سے تشبیہہ دی جاتی ہے۔ زمینِ کربلا باوجود کشادگی کے تنگ نظر آتی تھی چونکہ ہر دستۂ فوج کا اپنا الگ علم تھا اس واسطے آسمان کے کنارے جھنڈوں کی قطاروں اور خیموں کی کثرت کی وجہ سے نظر نہ آتے تھے۔

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ نویں محرم کو جناب حسینؑ اور ان کے ساتھی سپاہ ابن زیاد کے مکمل محاصرہ میں آ گئے تھے، ابن زیاد اور ابنِ سعد فوجوں کی کثرت سے خوش تھے، انہیں توقع بلکہ یقین تھا کہ اب حسینؑ کی مدد کو نہ کوئی آسکتا ہے اور نہ خود حسینؑ یہاں سے نکل کر کہیں جا سکتے انہیں اپنی موت کا یقین ہو گیا تھا سعد بن عبیدہ کا بیان ہے کہ شدید گرمی کی وجہ سے ہم پانی میں گھسے ہوئے تھے کہ ابنِ زیاد کا پیغام آیا کہ اب جب تمام انتظامات مکمل ہو گئے ہیں، لڑائی میں دیر کیسی؟ چنانچہ اسی وقت ابن سعد گھوڑے پر سوار ہوا اور لشکر میں منادی کرادی کہ گھوڑے سوار سوار ہو کر جنگ کی تیاری کریں چنانچہ عمر بن سعد اپنے نائب شمر لعین کے ساتھ ایک دستہ فوج کے ہمراہ خیام حسینی کی طرف بڑھا۔

ادھر فرزند رسولؐ، بتولؑ زادیوں کا واحد سہارا، یثرب کا مسافر، مایوسی کے عالم میں تلوار کا سہارا لئے گھٹنوں پر سر جھکائے، خیمے سے باہر غمگین بیٹھا ہے۔ غالباً فرزندِ رسولؐ پر غنودگی طاری ہو گئی تھی کہ گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز اور ہتھیاروں کی جھنکار کی صدا زہراؑ کی بیٹیوں نے خیموں میں سُنی، تڑپ کے اُٹھیں،

اور دروازۂ خیمہ کے پاس آکر کہا اماں جایا! لشکر تو قریب آگیا ہے، کیا گھوڑوں کی آواز آپ نے نہیں سنی، بھائی دیکھو تو سہی یہ دشمن تیار ہو کے قریب آگیا ہے حسینؑ نے سر زانو سے اٹھایا اور بہن کی طرف آبدیدہ ہو کر کہا اماں جائی! ابھی ابھی میری آنکھ لگی تھی، میں نے نانا کو دیکھا فرماتے ہیں بیٹا تم عنقریب میرے پاس آنے والے ہو، تمہارا باپ علیؑ اور ماں زہراؑ، بھائی حسنؑ تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔

اماں جائی! معلوم ہوتا ہے۔ کہ حسینؑ کا سفر ختم ہونے والا ہے، یہ سننا تھا کہ جناب زینبؑ کو تاب نہ رہی، حبیب بھائی کی زبانی اس دنیا سے رخصت ہونے کی خبر سنی، سر پیٹ لیا اور کہا ہمارا کون ہوگا نہ وطن نہ گھر پردیس یہ حالت تھی کہ بتولؑ کی بیٹی منہ پیٹ رہی تھی اور آنے والے دکھوں پر بے ساختہ آنسو بہا رہی تھی، میرے مظلوم آقا اٹھے بار دیگر اچھے ہیں لے گئے اور کہا کہ اماں جائی! دشمن قریب آگیا، طعنہ دے گا کہ زینب بچا لے بھائی کو! میں ان کے سامنے تیری گریہ و زاری دیکھ نہیں سکتا۔

حسینؑ خیمہ سے باہر آئے، جناب عباسؑ نے عرض کیا مولا لوگ تو آگئے ہیں حسینؑ اٹھے اور فرمایا عباس آپ ان کے پاس جاکر کہیں کہ تم کیوں آئے ہو اور تمہارے دلوں میں کیا ہے؟ اور اس طرح تمہارے آنے کی غرض کیا ہے؟

جناب عباسؑ راہوار پر سوار ہوئے اور ان کے ساتھ تقریباً بیس سوار ہوئے، جن میں زہیر بن قین اور حبیب بن مظاہر بھی تھے جناب عباس علیہ السلام نے ان سے آنے کا مطلب پوچھا انہوں نے جواب دیا کہ عبیداللہ بن زیاد اب دیر نہیں چاہتا، آج پھر اس کا حکم آیا ہے کہ حسینؑ یا تو ہمارا حکم مان کر ہماری اطاعت کرے اور اس صورت میں اسے کوفہ میرے پاس پہنچا دو نہیں تو جلدی فیصلہ کن جنگ کی جائے۔ جناب عباس نے فرمایا میں جاکر جناب امام پاک سے یہ واقعہ عرض کرتا ہوں اور اس کا جواب فوراً تمہیں پہنچاتا ہوں۔ جناب عباس علیہ السلام گھوڑا دوڑاتے ہوئے واپس حاضر خدمت امام ہوئے اور دشمنانِ دین کا ماجرا پیش کیا، جناب عباس تو خدمت امام میں پیغام لے کر آئے۔

ادھر جناب حبیب اور زہیر نے گروہ اشقیاء کو ناصحانہ خطاب کیا اور جنگ سے باز رکھنے اور امام معصوم اور ان کے ہمراہیوں سے قتال کرنے سے ڈرایا۔ لیکن سیاہ دلوں پر ضلالت و شقاوت کی مہریں لگ چکی تھیں، وہ کب ماننے والے تھے۔ اسی اثنا میں عزرہ بن قیس نے جناب زہیر سے کہا آپ اپنے نفس کو پاک بنا رہے ہیں جناب زہیر نے فرمایا میرے نفس کو خدا نے پاک بنایا ہے اور اسے ہدایت کی ہے۔ تو خدا سے ڈر میں تجھے نصیحت کرتا ہوں ان لوگوں کا مددگار نہ بن جو پاک نفسوں، تہجد گذاروں، کثرت سے خدا کا ذکر کرنے والوں اور اپنے پیغمبرؐ کی ذریت و عترت کا ناحق خون بہانے پر آمادہ ہیں اس

اثنا میں عزرہ بن قیس نے کہا یا زُہیر ماکُنتَ عِندَنا مِن شِیعَۃِ اَھلِ ھٰذَا البَیتِ اِنّما کُنتَ عُثمانیاً، اے زہیر تجھے ہم اس خاندان کا شیعہ نہیں سمجھتے تھے تُو تو عثمانی تھا جناب زہیر نے جواب دیا۔ اَفَلَستَ تَستَدِلُّ بِمَوقِفِی ھٰذَا اَنِّی مِنھُم، کیا میرے اس جگہ کھڑے ہونے سے تم نہیں سمجھ سکتے کہ میں انہی میں سے ہوں۔

یہ تو جناب حبیب اور زہیر کا ان سے مکالمہ تھا۔ ادھر جناب عباس نے ان بے دینوں کا پیغام خدمت امام میں پہنچایا۔ امام پاک علیہ السلام نے جناب عباس سے فرمایا کہ تم واپس ان کے پاس جا کر کہو کہ حسینؑ ایک رات کی مہلت طلب کرتے ہیں تاکہ ہم آج رات دل کھول کر خدا کی عبادت کریں کیونکہ میں کثرت دعا، نماز، تلاوت قرآن اور استغفار کو دوست رکھتا ہوں جناب عباس نے واپس آکر عمر بن سعد سے یہ ذکر کیا، ابن سعد تو خاموش ہو رہا، شمر نے انکار کیا لیکن عمرو بن الحجاج زبیدی نے کہا کہ اگر ترک و دیلم کے لوگ بھی یہ سوال کرتے تو ہم مان لیتے یہ تو آلِ محمدؐ ہیں تم انہیں ایک رات کی مہلت نہیں دے سکتے عمر بن سعد شرمندہ ہوا تو ایک شب کی تاخیر پر رضامند ہو گیا جناب عباس کے ساتھ اس نے اپنا ایک قاصد بھی بھیجا اس نے اس مقام پر کھڑے ہو کر کہا، جہاں سے اس کی آواز جناب امام پاکؑ سن سکتے تھے کہ ہم نے تمہیں کل صبح تک مہلت دے دی ہے اگر آپ نے ہماری بات مان لی ہے تو ہم آپ کو ابن زیاد کے سپرد کر دیں گے ورنہ کل ہم تم سے ضرور جنگ کریں گے اور ہرگز نہ چھوڑیں گے یہ کہہ کر قاصد واپس چلا گیا۔

جناب امام حسین علیہ السلام نے اصحابِ باوفا کو حکم دیا کہ خیام ایک دوسرے کے ساتھ بالکل ملا دیں ہر خیمہ کی طنابیں دوسرے کے ساتھ باندھ دی جائیں تاکہ دشمنوں کا مقابلہ ایک طرف اور ایک رُخ سے کیا جا سکے اور خیام کی پشت کی جانب اور دائیں بائیں خندق کھود دی گئی جو لکڑیوں سے بھر دی گئی۔

شبِ عاشور کے واقعات

یہ رات بیداری کی ہے، عبادت، دعا، تلاوت قرآن اور استغفار کی ہے، مومنین کو چاہیئے کہ بیدار ہو کر یہ رات عبادت، تلاوت، استغفار اور شہداء کربلا علیہم السلام کی یاد تازہ کر کے گریہ وزاری میں گذاریں، یہ شب جناب مظلوم کربلاؑ اور ان کے اصحاب و اقربا کی زندگی کی آخری شب ہے کیونکہ ان سب کو یقین ہو گیا تھا کہ کل صبح جنگ کے شعلے بھڑکیں گے اور مظلوم کربلا اور ان کے ساتھی سفر کی صعوبتوں اور دنیا کی تکلیفوں، پیاس اور بھوک کی سختیوں سے ہمیشہ کے لئے نجات پا جائیں گے۔

سیدانیوں اور مستورات کو بھی اپنے ورثاء کے باقی رہنے کی امید نہ تھی، اس واسطے ہر بی بی اپنے

شوہر، برادر، پسر اور قریبی رشتہ دار کو جی بھر کر شب بھر دیکھتی رہی ہوگی اور غالباً ان کی تمنا بھی ہوگی کہ یہ رات لمبی ہو جائے تاکہ وہ ان کا منہ دیکھتی رہے، یہ آخری رات جو تھی آج تو سب زندہ ہیں، بہن کا بھائی زندہ ہے، حرموں کے شوہر زندہ ہیں، ماں کے فرزند زندہ ہیں، گودیں آباد ہیں گو غنچے مرجھائے ہوئے ہیں، کلیاں کملائی ہوئی ہیں، مایوسی و اداسی چھائی ہوئی ہے۔ ؎

عاشور کی شب کا سناٹا جب اشکوں کی برسات رہی
لیلیٰ نے نظر کی اکبر پر جب کچھ کچھ باقی رات رہی

شیعو! یہ حسینؑ مظلوم اور ان کے ساتھیوں کی آخری رات ہے، ہاں آخری رات ہے، کل حسینؑ نہ ہوں گے، زینب بے بھائی ہو جائے گی۔ ؎

کل گنج شہیداں سج جائے گی ہمشیر جدا ہو جائے گی

عباس نہ رہے گا، فضل یتیم ہو جائے گا، ام کلثوم کا مان ٹوٹ جائے گا، اکبر نہ رہے گا، لیلیٰ کا واحد سہارا ختم ہو جائے گا۔ رباب کی گود برباد ہو جائے گی۔ ہاں جھولا خالی ہو جائے گا، سہاگ اجڑ جائیں گے اور بنی ہاشم کا بھرا خاندان کربلا کی ریت میں ویران ہو جائے گا۔ آگے بیان کرنے کی جرأت نہیں، کیا کیا ہوگا۔

اس رات کو خیام حسینی میں ذکر، تلاوت، صلوٰۃ اور استغفار کی آواز تھی، جس طرح شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی آواز آتی ہے۔ کوئی رکوع میں ہے تو کوئی سجدہ میں، کوئی قیام میں ہے تو کوئی دعا مانگ رہا ہے، کوئی تسبیح پڑھ رہا ہے تو کوئی تلاوت قرآن میں مشغول ہے۔

جیسا کہ میر انیس اعلیٰ اللہ مقامہٗ فرماتے ہیں۔

یا حیُّ یا قیوّم کی تھی ہر طرف پکار
تسبیح تھی کہیں کہیں تہلیل کردگار

جناب سید الشہداء علیہ السلام کا خطبہ

اس رات کا وہ مشہور خطبہ جو سید الشہداءؑ نے اقرباء و اصحاب باوفا میں پڑھا ہے ہم ذکر کرتے ہیں جس میں اپنے اہل بیتؑ اور اصحاب خیر کا فخر و مباہات کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔

اُثْنِي عَلَى اللّٰهِ اَحْسَنَ الثَّنَاءِ وَاَحْمَدُهٗ عَلَى السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَحْمَدُكَ عَلٰى اَنْ اَكْرَمْتَنَا بِالنُّبُوَّةِ وَعَلَّمْتَنَا الْقُرْآنَ وَفَقَّهْتَنَا فِي الدِّيْنِ وَجَعَلْتَ لَنَا اَسْمَاعًا وَّاَبْصَارًا وَّاَفْئِدَةً

فَاجْعَلْنَا مِنَ الشَّاکِرِیْنَ اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّیْ لَا اَعْلَمُ اَصْحَاباً اَوْفٰی وَلَا خَیْراً مِنْ اَصْحَابِیْ وَلَا اَهْلَ بَیْتٍ اَبَرَّ وَلَا اَوْصَلَ وَلَا اَفْضَلَ مِنْ اَهْلِ بَیْتِیْ فَجَزَاکُمُ اللّٰهُ عَنِّیْ خَیْراً فَلَقَدْ بَرَرْتُمْ وَعَاوَنْتُمْ اَلَا وَ اِنِّیْ لَا اَظُنُّ یَوْماً لَنَا مِنْ هٰؤُلَاءِ الْاَعْدَاءِ اِلَّا غَداً اَلَا وَاِنِّیْ قَدْ اَذِنْتُ لَکُمْ فَانْطَلِقُوْا جَمِیْعاً فِیْ حِلٍّ مِنْ بَیْعَتِیْ لَیْسَ عَلَیْکُمْ مِنِّیْ حَرَجٌ وَلَا ذِمَامٌ وَهٰذَا اللَّیْلُ قَدْ غَشِیَکُمْ فَاتَّخِذُوْهُ جَمَلاً وَلْیَاْخُذْ کُلُّ رَجُلٍ مِنْکُمْ بِیَدِ رَجُلٍ مِنْ اَهْلِ بَیْتِیْ وَتَفَرَّقُوْا فِیْ سَوَادِ هٰذَا اللَّیْلِ وَذَرُوْنِیْ وَهٰؤُلَاءِ فَاِنَّهُمْ لَا یُرِیْدُوْنَ غَیْرِیْ"

میں اللہ تعالیٰ کی بہترین ثنا کرتا ہوں، خوشی اور غمی میں اُس کی حمد کرتا ہوں، خدایا میں تیری حمد کرتا ہوں کہ تو نے ہمارے خاندان کو نبوت کے ساتھ سرفراز فرمایا، تو نے ہمیں قرآن کا علم اور دین کی معرفت فرمائی، تو نے ہمیں سننے والے کان، دیکھنے والی آنکھیں اور سمجھنے والے دل عطا فرمائے پس ہمیں شکر گزاروں میں سے کر۔ اما بعد میں اپنے اصحاب سے زیادہ وفادار اور بہتر کسی کے اصحاب نہیں جانتا اور نہ کوئی ایسے اہل بیت جانتا ہوں جو میرے اہل بیت سے بہتر، صلہ رحمی کرنے والے اور نہ فضیلت والے دیکھتا ہوں پس تم سب کو اللہ تعالیٰ میری طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے، بے شک تم نے بھلائی کی اور مدد کی، آگاہ رہو میں گمان کرتا ہوں کہ کل ان اعداء سے جنگ ضرور ہوگی، میں تمہیں راضی ہو کر اجازت دیتا ہوں کہ تم سب جا سکتے ہو، میں اپنی بیعت کا قلادہ تمہاری گردنوں سے اتار لیتا ہوں، میری طرف سے تم پر کوئی پابندی نہیں بلکہ آزاد ہو۔ یہ رات کا پردہ چھا گیا ہے اسے سواری بنا کر چلے جاؤ اور تم میں سے ہر شخص میرے اہل بیت میں سے ایک ایک کا ہاتھ پکڑ کر چلا جائے اور اس رات کی تاریکی میں منتشر ہو جاؤ، مجھے ان لوگوں کے پاس چھوڑ دو کیونکہ انہیں صرف مجھ سے غرض ہے اور وہ صرف میرے خون کے پیاسے ہیں۔

مولائے مظلوم کا یہ خطبہ اور دلسوز کلام سن کر آپؑ کے اقرباء بے قرار ہو گئے اور خلوص واستقلال کے ساتھ اٹھ کر کہا مولا! یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ ہم آپ کو نرغۂ اعداء میں تنہا چھوڑ کر چلے جائیں، خدا ہمیں آپ کے بعد کبھی باقی نہ رکھے۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ سب سے پہلا کلام جناب ابوالفضل عباسؑ کا تھا، اس شیر نری کے سینے میں ارمان مچل رہے تھے، ان کے بعد جناب کے دوسرے اقرباء بھائیوں، بیٹوں، بھتیجوں اور بھانجوں نے بھی ایسا ہی ایمان افروز دردمندانہ اور مخلصانہ جواب دیا، اس خلوص ومحبت کے جذبات نے ہاشمی جوانوں کی رگوں میں دوران خون تیز کر دیا۔

اس کے بعد جناب مظلوم کربلا نے اولادِ عقیلؑ کی طرف حسرت بھری نظر سے دیکھ کر فرمایا تمہارے

لیے تو مسلم کی غریب الوطنی کی مُدت کافی ہے، مَیں نہیں اجازت دیتا ہوں، تم چلے جاؤ، جناب عقیل کے فرزندوں اور جناب مُسلم کے صاحبزادوں نے تڑپ کر جواب دیا یا ابنِ رسولؐ اللہ لوگ ہمیں کیا کہیں گے اور ہم اُنہیں کیا جواب دیں گے کہ ہم نے اپنے سردار اور بزرگ امام عالی مقام فرزندِ رسولؐ کو دشمنوں کے گھیرے میں تنہا چھوڑ دیا مولا ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا ہم آپ سے ہرگز جُدا نہ ہوں گے بلکہ اپنی جانیں، اپنے مال اور اپنے اہل و عیال سب آپ پر قربان کر دیں گے اور آپ کے ہمراہ ہو کر لڑیں گے جو آپ کا انجام ہو گا وہی ہمارا بھی ہو گا، خدا بُرا کرے اُس زندگی کا جو آپ کے بعد ہو۔

یہ تو بنی ہاشم کے جوانوں کی وفاداری، غمگساری اور عزمِ شہادت اور ولولہ جہاد کا اظہار تھا اس کے بعد اصحاب و انصار نے یکے بعد دیگرے امام عالی مقام کو جراٴت مندانہ اور والہانہ انداز میں اپنی نصرت اور فرمانبرداری کا یقین دلایا، سب سے پہلے جناب مسلم بن عوسجہ کھڑے ہوئے اور اپنے ہمدردانہ جذبات کا ان لفظوں میں اظہار کیا، فرزندِ رسولؐ اب آپ جب کہ دشمنوں میں گھر چکے ہیں اور ظلم و جور سے فضا بھر چکی ہے، آپ کو اکیلا چھوڑ دیں اور اپنی جانیں بچا کر چلے جائیں، نہیں ہرگز نہیں، خدا کی قسم ہرگز نہیں، خدا مجھے آپ کے بغیر کبھی زندہ نہ رکھے مولا ایں تو آپ کے ساتھ ہو کر لڑوں گا اور اپنی قوت کو اس جہاد میں خرچ کروں گا میں ان دشمنانِ دین کے سینوں میں اپنے نیزے توڑ دوں گا اور جب تک میرا ہاتھ قبضۂ تلوار پر رہے گا، دشمنوں کی گردنوں پر چلاتا رہوں گا اور اگر میرے پاس ہتھیار نہ رہے تو پتھروں سے اعدائے دین پر حملہ کروں گا، جب تک کہ آپ کی رفاقت میں شہادت نہ پالوں گا آپ سے جُدا نہ ہوں گا۔

جناب مسلم کی جوشیلی اور محبت بھری تقریر کے بعد جناب سعید بن عبداللہ حنفی کھڑے ہوئے اور کہا یا بنِ رسول اللہؐ ہم آپ کو ہرگز نہ چھوڑیں گے، جب تک بارگاہِ خداوندی میں یہ نہ ثابت کر دیں کہ ہم نے وصیتِ رسولؐ کی حفاظت کی ہے اور اُس کے غائبانہ حق کی پاسداری کی ہے، اگر مجھے اس بات کا علم ہو کہ میں آپ کی رفاقت میں ہونے کے بعد دوبارہ زندہ ہوں گا پھر مجھے زندہ جلا کر میری راکھ کو ہوا میں اڑا دیا جائے اور ستر مرتبہ میرے ساتھ یہی سلوک کیا جائے تب بھی میں آپؑ کا ساتھ نہ چھوڑوں اور اب جب کہ مجھے یقین ہے کہ ایک ہی مرتبہ قتل ہونا ہے، اس کے بعد دائمی عزت و کرامت حاصل ہو گی جو کبھی ختم ہونے والی نہیں، بھلا میں کیوں کر چھوڑ سکتا ہوں۔

اس کے بعد جناب زہیر بن قین نے کھڑے ہو کر کہا خدا کی قسم، مَیں تو اس بات کو دوست رکھتا ہوں کہ مجھے قتل کرنے کے بعد زندہ کیا جائے اور پھر قتل کیا جائے اور ہزار مرتبہ میں اسی طرح قتل ہوتا

رہوں اور خداوندِ عالم میرے اس قتل سے آپؑ کی اور آپ کے اہلِ بیتؑ کے جوانوں کی جانیں بچالے، اس کے بعد باقی اصحاب نے اپنی جانثاریوں اور ہمدردیوں کا ذکر کیا اصحاب اہلِ بیت کرام اور اصحابِ باوفا کی حوصلہ افزا اور تسلی بخش باتیں سن کر دعا دیتے ہوئے اپنے خیمہ میں تشریف لائے۔

بعض کتب میں منقول ہے کہ شبِ عاشور فخر المخدرات شریکۃ الحسین جناب زینب سلام اللہ علیہا بیان فرماتی ہیں کہ اپنے خیمہ سے باہر نکلی، اپنے بھائی حسین مظلومؑ اور ان کے اقرباء کے حالات دریافت کرنے کے لئے کیا دیکھتی ہوں کہ حسینؑ اپنے ایک علیحدہ خیمہ میں مناجات اور تلاوت قرآن میں تنہا مشغول ہیں، میں نے دل میں خیال کیا ہے کہ ایسی ہول بھری رات میں حسینؑ تنہا بیٹھے ہیں، جب کہ ظالموں کا وہی مقصود و مطلوب ہیں، ایسا نہ ہو کہ کوئی شقی اچانک حملہ کر دے، میں اپنے بھائیوں اور بھتیجوں کے پاس جاکر انہیں حسینؑ کے پاس رہنے کی تاکید کروں، میں اپنے دل کے سہارا، عباس کے خیمے میں گئی، جب میں خیمۂ برادر عباس کے قریب گئی تو کانوں میں کچھ آوازیں آئیں کیا دیکھتی ہوں کہ جوانانِ بنی ہاشم حلقہ بنائے بیٹھے ہیں اور درمیان میں جناب عباس اس طرح ہیں جس طرح ستاروں میں چاند ہوتا ہے، وہ مثلِ شیر گھٹنے ٹیک کر بیٹھے ہوئے ہیں اور اپنے جوانوں سے خطاب فرما رہے ہیں کہ جب کل صبح میدانِ کارزار گرم ہو تو اصحاب سے پہلے تم لڑائی کی طرف سبقت کرنا اور پہلے اپنی قربانیاں پیش کرنا تاکہ لوگ یہ نہ کہیں کہ بنو ہاشم نے اصحاب کو آگے کر دیا اور خود جانیں بچانے کے لئے رک گئے، یہ سننا تھا کہ جب جنابِ عباس کے رو برو جوانانِ بنی ہاشم نے اپنی تلواریں برہنہ کر لیں، ہاشمی خون جوانوں کی رگوں میں دوڑنے لگا، اور کہنے لگے ہم آپ کے فرمان کے مطابق ایسا ہی کریں گے، جناب زینبؑ نے جب ہاشمی جوانوں کے یہ ولولے اور یہ جذبات دیکھے ایک گونہ سکون ہوا اور بنتِ زہراؑ کے دل سے ان جوانوں کے لئے دعائیہ کلمات نکلے،

ثانی زہراؑ بیان کرتی ہیں کہ واپسی پر میں انصار و اصحاب کے خیام کے پاس سے گذری تو حبیب بن مظاہر کے خیمہ سے ہمہمہ و دمدمہ کی صدا آرہی تھی، میں خیمہ کی پشت میں کھڑی ہو گئی، میں نے سنا کہ جنابِ حبیب حلقۂ اصحاب میں بیٹھے فرما رہے ہیں، اے اصحابِ باوفا کل لڑائی ضرور ہوگی، تلواریں چمکیں گی، نیزے لہرائیں گے، گردنیں کٹیں گی، تم لوگ جنابِ بتولؑ کے غریب و مظلوم فرزند کی حمایت کے لئے اکٹھے ہوئے ہو اس میں شک نہیں کہ تم قربانیاں ضرور دو گے مگر میں چاہتا ہوں کہ بحرِ شہادت کے سب سے پہلے شناور تم ہو، بنی ہاشم سے پہلے جہاد کے لئے تم بڑھو، ایسا نہ ہو کہ ہم سلامت رہیں اور بنی ہاشم خون میں غلطاں تڑپتے نظر آئیں۔

بنو ہاشم کا بہتا ہوا خون اور تڑپتی لاشیں ہم آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے، لوگ کیا کہیں گے کہ اچھے مددگار تھے، ابوطالب کا خاندان کٹتا رہا اور اصحاب اپنی جانوں کی حفاظت کرتے۔

جناب حبیبؓ کا کلام سن کر اصحاب کا خون کھول اٹھا۔ مثل بنو ہاشم اصحاب نے بھی تلواریں برہنہ کر لیں اور جناب حبیب کو میدانِ قتال میں سبقت کرنے کا یقین دلایا۔

جناب شریکۃ الحسینؑ ثانی زہراؑ کے دل پر ان دونوں اجتماعوں کا بہت بڑا اثر ہوا، بتولؑ کی بیٹی بے قرار دل کو ایک گونہ تسلی ہوئی اور اقرباء و اصحاب کے ایثار بھرے بیانات سے علیؑ کی بیٹیؑ کے دل کی دھڑکنیں قدرے کم ہوئیں اور چہرے پر سکون و اطمینان کے آثار ظاہر ہوئے، جنابِ زینبؑ فرماتی ہیں کہ میں ان واقعات کا ذکر کرنے بھائی حسینؑ کے پاس گئی اور بنو ہاشم اور اصحاب کے عزائم اور پیشکشوں کا ذکر کیا، جنابِ حسینؑ نے فرمایا بہن زینب! یہ عالم ذر سے میرے صحابی ہیں اور عالم ارواح کے میرے رفیق ہیں،

امام پاکؑ کا اصحاب کو جنت میں اُن کے مکان دکھانا،

انہی کی رفاقت و ہمراہی کا میرے نانا رسولؐ پاک نے مجھ سے وعدہ کیا ہوا ہے۔ اماں جائی! کیا آپ چاہتی ہیں کہ ان کی ثابت قدمی اور پختہ ارادوں کا آپ کو منظر دکھاؤں، میں نے اثبات میں جواب دیا پھر فرمایا کہ بہن آپ خیمہ کی پشت پر چلی جائیں، میں خیمہ کے پیچھے چلی گئی، مولا نے اپنے اعزہ و اقربا کو بلایا، سب حاضر ہو گئے انہیں بیٹھ جانے کا حکم دیا، پھر اصحاب کو بلایا، وہ بھی سب حاضر خدمت ہو گئے، امام پاکؑ نے مثل سابق ایک بلیغ خطبہ پڑھ کے دوبارہ انہیں رخصت دی اور چلے جانے کو کہا انہوں نے بھی مثل سابق وفادارانہ اور مخلصانہ جوابات دیئے اور شہادت کے خون سے سرخروئی کا پختہ ارادہ ظاہر کیا۔ امام عالی مقامؑ نے جب ان کا پختہ عہد، پختہ قول اور عزم شہادت دیکھا تو معجز نما امام اور وارث جنت نے از راہ اعجاز فرمایا اپنے سر اوپر اٹھاؤ، آسمان کی جانب نظر کرو اور جنت میں اپنی منازل و مراتب دیکھو، پردے ہٹائے گئے، اعزہ و اصحاب کی آنکھیں تھیں اور جنت کی منزلیں ہر صحابی جنت میں اپنا مکان دیکھ رہا تھا اور ساکنین خلد اور حور و غلمان کی محبت بھری صدائیں استقبال کر رہی تھیں، کربلا کے پیاسوں کے لیئے کوثر کی لہریں چھلک کر بے تاب ہو رہی تھیں جنت خوش آمدید کہنے کے لیئے محوِ انتظار تھی اور کوثر و تسنیم کے ساغر وفور شوق میں اچھل رہے تھے۔ معتبر روایات میں آیا ہے کہ جناب امام مظلومؑ نے مطمئن ہو کر فرمایا کہ بیشک میں کل قتل کیا جاؤں گا اور تم بھی سب کے سب

میرے ساتھ قتل کیے جاؤ گے، جب شہادت کی بشارت اقرباء و انصار نے سنی تو جناب حسن مجتبیٰؑ کے تیرہ سالہ شہزادے جناب قاسمؑ نے شوقِ شہادت کا اظہار کرتے ہوئے عرض کیا، کیا میرا نام بھی شہیدوں کی فہرست میں ہے، مولاؑ نے ازراہِ شفقت و امتحان پوچھا، بیٹا موت کو کیا سمجھتے ہو؟ جانثار شہزادے نے جواب دیا، چچا جان! میں موت کو شہد سے بھی زیادہ میٹھا سمجھتا ہوں، فرمایا بیٹا تو بھی شہیدوں میں ہے اور میرا ننھا بیٹا اصغر بھی جامِ شہادت پیئے گا۔ جب جناب اصغر کی موت کا ذکر غیور شہزادے نے سنا، تڑپ کر کہا ائے چچا جان ہمارے خیمے بھی ظالموں کے ظلم سے محفوظ نہ رہیں گے کیا ظالم ہمارے پردوں میں گھس آئیں گے؟ مولاؑ نے فرمایا بیٹا تیرا بھائی اصغرؑ پیاس سے بہت بے تاب ہوگا، خیموں میں پانی نہ ہوگا، یہ معصوم کلی پیاس سے مرجھا جائے گی، میں پانی پلانے کے لیے اپنی امت سے سوالِ آب کرنے کے لیے میدان میں لاؤں گا، میرے نانا کی امت بے زبان شیر خوار کو تیر کا آب پلائے گی، جس کی نوکوں سے معصوم کا گلا چھد جائے گا اور بچہ میرے ہاتھوں پر تڑپ کر شاملِ شہداء ہو جائے گا۔

بعض روایات سے مستفاد ہوتا ہے کہ شبِ عاشور جو ضعیف الایمان اور طمع زندگانی رکھتے تھے امام علیہ السلام کو چھوڑ کر چلے گئے تھے، صرف مخلص اور وفادار و جانثار باقی رہ گئے، چنانچہ ایک شب کی مہلت طلب کرنے کی مصلحتوں میں سے ایک مصلحت یہ بھی تھی کہ کھوٹے کھرے الگ ہو جائیں اور میں اپنے انصار و اصحاب کا امتحان لے لوں اور حقیقتِ حال سے آگاہ کر دوں تاکہ کوئی صحابی کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ رہ جائے اور جو شہادت پائے بصیرت حاصل کر کے اور سوچ سمجھ کر یہ مرتبہ پائے اور جو جانا چاہے انتہائی سوجھ بوجھ سے قدم اٹھائے، جیسا کہ ایقاد القلوب میں بروایت کتاب نور العین یہ روایت ہے جسے صاحب معالی السبطین نے وقائع لیلۃ عاشورا میں ذکر کیا ہے۔ جناب سکینہ بنت الحسینؑ بیان فرماتی ہیں کہ میں اس چاندنی رات میں اپنے خیمہ میں بیٹھی ہوئی تھی، میں نے خیمے کے پیچھے سے رونے کی آواز سنی، میں خاموشی سے اپنے خیمہ سے نکلی اور اس پریشانی میں مجھے خبر نظر نہیں آتی تھی میں گھبرا گئی میں بابا کے خیمے کے قریب گئی، کیا دیکھتی ہوں، میرا مظلوم بابا خیمہ میں گریاں و پریشاں بیٹھے ہیں، اور اصحاب آپ کے گرداگرد جمع ہیں، میرے بابا اصحاب سے یہ خطاب فرما رہے تھے

لوگو! جان لو! تم میرے ہمراہ آئے ہو اس وجہ سے کہ میں ایک ایسی قوم کے پاس جا رہا ہوں جنہوں نے زبان و دل سے میری بیعت کر لی ہے۔ اور اس خیال سے تم میرے ساتھ آئے تھے کہ وہ قوم میری حمایت کرے گی اور بظاہر مجھے کامیابی ہو گی لیکن معاملہ برعکس ہے، حالات بدل گئے ہیں،

جنہوں نے بلایا اور بیعت کی تھی، وہ شیطان کے غلبہ میں آگئے ہیں، دنیا کے پرستار بن کر خدا کو بھول گئے ہیں، آخرت کو چھوڑ کر ان لوگوں نے دنیا پسند کر لی ہے، میں تمہیں حقیقت حال ظاہر کئے دیتا ہوں اب ان لوگوں کا قصد میرے اور میرے ساتھیوں کے قتل کے سوا کچھ نہیں، میری شہادت کے بعد یہ میرے اہل حرم کو قید بھی کریں گے۔ ہمارے خیموں کو لوٹ لینے کے بعد جلائیں گے، وہ ہر قسم کا ظلم و ستم کریں گے۔ میں تمہیں آگاہ کر رہا ہوں، تم جانتے ہو یا نہیں جانتے اور اگر جانتے ہو اور حیا و شرم کی وجہ سے مجبور ہو کر رُکے ہوئے ہو تو میں تمہیں کسی دھوکہ میں نہیں رکھنا چاہتا، صاف بتائے دیتا ہوں اور حالات کو پردہ میں مخفی نہیں رکھتا، کل یہ نہ کہنا کہ ہم حسینؑ کے ساتھ دھوکہ میں آ کر مارے گئے، جو ہمارے ساتھ رہنا چاہے، ان حالات کو سامنے رکھ کر رہے اور جو جانا چاہے، رات کا پردہ ہے، راستہ صاف ہے اور وقت بھی ہے، چلا جائے۔

بعض روایات میں ہے کہ چراغ جل رہا تھا، مولا نے چراغ بجھانے کا حکم دیا، کہ روشنی میں جانے سے شرم کریں گے تاریکی میں جانے سے کوئی ہچکچاہٹ نہ رہے گی۔

روایت میں ہے کہ ادھر کلام امام ختم ہوا، ادھر دس دس اور بیس بیس افراد کا گروہ تاریکی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے نکلنے لگا، صرف وہی باقی رہ گئے کہ جو وفا کے پیکر، ایمان کے پختہ اور عزم کے پہاڑ تھے۔ جناب سکینہؑ بیان کرتی ہیں کہ میں نے بابا کو دیکھا کہ سر کو جھکائے، اُمت کی بے وفائی اور اپنی بے کسی و مظلومی اور ہماری غریبی و تشنہ دہانی پر آنسو بہا رہے تھے، میں نے بابا سے تو کچھ نہ کہا کہ اس دکھ درد کے عالم میں بابا مجھے دیکھ کر زیادہ بے تاب ہو جائے گا۔ ہاں میں نے آسمان کی طرف نظر کی تاروں کو دیکھا، عبرت گلوگیر ہوئی، اتنا کہا الٰہی! ان لوگوں نے ہمیں بلا کر پردیس میں بے مدد چھوڑ دیا اور دشمنوں کے حوالہ کر دیا، ہر طرف سے راستے بند کر دیئے، ہم نرغۂ اعداء میں گھر گئے ہیں، نہ گھر جا سکتے ہیں اور نہ یہاں کوئی مددگار پاتے ہیں۔

خدایا جس طرح ان لوگوں نے ہماری مدد سے ہاتھ کھینچ لیا تو بھی ان کی مدد نہ کرنا، ان کی دعا نہ سننا اور زمین میں انہیں سکھ کی تادیر سکونت بھی نہ دینا، ان پر فقر و فاقہ مسلط کر دے، جس دنیوی لالچ پر انہوں نے یہ اقدام کیا ہے، اس سے ان کو محروم رکھ اور میرے جدِ امجد کی شفاعت روزِ قیامت انہیں نصیب نہ کر۔

بعض روایات میں وارد ہے کہ جب امام عالی مقامؑ نے اصحاب کا امتحان لے لیا، بدنصیب جانے والے جا چکے اور کامیاب ہونے والے خوش نصیب کامیاب ہو گئے تو امامؑ خیام میں

تشریف لے گئے، جناب زینبؑ عالیہ نے دریافت کیا بھائی جان آپ نے باقی ماندہ اصحاب کو اچھی طرح پرکھ لیا ہے ایسا نہ ہو کہ یہ وقت پر ہمیں چھوڑ کر چلے جائیں، امام پاکؑ نے دکھی بہن کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ میں نے اپنے بچے ساتھیوں کا اچھی طرح جائزہ لے لیا ہے، وہ حق کی حمایت میں میرے پوری طرح جانثار ہیں اور موت سے اس طرح مانوس ہیں، جس طرح بچہ ماں کے دودھ کے ساتھ مانوس ہوتا ہے، جناب نافع بن ہلال ورخیمہ پر بہن بھائی کی یہ گفتگو سن رہے تھے، انہوں نے اصحاب باوفا کے پاس جاکر کہا کہ اٹھو اور رسولؐ زادیوں کو اپنی قربانیوں اور وفاداریوں کا یقین دلاؤ تاکہ تمہارے پُر خلوص اور پختہ ارادوں کو جان کر بتولؑ کی بیٹیاں خیموں میں مطمئن ہوجائیں، یہ سن کر حبیب ابن مظاہر اور دوسرے اصحاب باصفا خیمہ کے دروازے پر حاضر ہوئے اور مخلصانہ جذبات مضبوط ارادوں اور جانثاریوں کا پُر زور الفاظ میں یقین دلایا، بیبیوں نے روتے ہوئے اور دعا دیتے ہوئے فرمایا اے پاکیزہ نفس صحابیو اولاد نبیؐ اور ذریت علیؑ کی خوب حمایت کرو۔

اصحاب حسینؑ کی قدر و منزلت

جناب آدمؑ سے لے کر آخر زمانہ تک ہر دور میں انبیاؑ و مرسلینؑ اور اوصیائے مقربینؑ کے صحابی گزرے ہیں لیکن امام حسینؑ کے اصحاب اپنے عزم و یقین اور خلوص و وفا میں سب سے ممتاز ہیں، تعداد میں تو قلیل تھے، لیکن صدق و صفا اور ایمان و عمل میں یہ سب پر فوقیت رکھتے تھے، ایمان و یقین ان کی رگ و پے میں سرایت کر گیا تھا، حق کی حمایت اور نصرت دین میں انہوں نے زندگی سے تعلق ختم کر لیا تھا، موت کی تمنا میں اور شوق شہادت میں رات بیقراری کے ساتھ کاٹی، ایک بوڑھے صحابی کا ذکر ہے کہ ضعیفی کی وجہ سے اُس کی آنکھوں کی پلکیں بڑھ آئی تھیں، جب دیکھنا ہوتا تو پلکیں اٹھا کر دیکھتے، لیکن عزم و ہمت میں وہ منزل شباب پر تھے، جسمانی طور سے ضعیف تھے لیکن حوصلے کے لحاظ سے جوان تھے چنانچہ وہ صحابی شب عاشورہ اپنی تلوار کو تیز بھی کر رہے ہیں اور دوسرے ساتھی سے پوچھتے ہیں، صبح کب ہوگی، رات کتنی باقی رہ گئی ہے، میری تلوار میرے ہاتھ میں ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہی ہے چنانچہ روز عاشور جب کہ میدان کربلا میں گھوڑوں اور پیادوں کی دوڑ سے غبار بلند ہوا، نیزے ہوا میں لہرانے لگے، تیر کمانوں میں رکھے گئے، تلواریں نیام سے باہر آگئیں، تو یہ لوگ مردانہ وار فرزند رسولؐ پر جانیں قربان کرنے کے لئے ایک دوسرے پر سبقت کرتے تھے اور میدان کارزار میں اس شوق سے داخل ہوتے تھے جس طرح مچھلی پانی میں جاتی ہے اور لشکر اعداء

پر اس دلیری کے ساتھ حملہ کرتے تھے، جس طرح شیر شکار پر جھپٹتا ہے، رفاقتِ امامؑ کے مزے میں انہیں دنیا کی تلخیاں اور شہادت کے شوق میں زخموں کے درد محسوس نہ ہوتے تھے، جب تیر آتے تو گریبان کھول کر برہنہ سینوں کے ساتھ اُن کا استقبال کرتے، نیزوں کے وار دوڑ کر اپنے بدنوں پہ لیتے، تلواروں کی تیز دھاریں اور تیروں کی نوکیں اُنہیں شہد سے زیادہ شیریں لگتیں۔ یہ بحرِ شہادت کے شناور تھے جو کامیابی کے ساتھ اس کو عبور کر کے جنت کے کنارے جا لگے اُنہوں نے خون کی مہندی لگا کر عروسِ موت کو گلے لگایا، آلام و مصائب کی چٹانوں کے ساتھ ٹکرا کر اُنہیں پاش پاش کر دیا۔ رنج و غم کی آندھیوں کے ساتھ ان کی ہمت کا چراغ کڑک کر دیتا رہا۔ تاریخ شاہد ہے کہ جب تک ایک صحابی بھی زندہ رہا، اہلِ بیتؑ کے کسی فرد پر آنچ نہیں آنے دی، یہ لوگ آسمانِ صدق و صفا کے تارے اور معدنِ خلوص و وفا کے آبدار موتی تھے، میدانِ کارزار کے سرفروش مجاہد، بیشۂ شجاعت کے شیرِ دلیر اور عزم و ہمت کے پہاڑ تھے، اسی لئے تو جنابِ سیدالشہداءؑ ان کی بے مثال وفاؤں اور بے نظیر قربانیوں پر فخر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جیسے میرے اصحاب ہیں ایسے کسی کے اصحاب نہیں اور جنابِ حجت علیہ السلام اِن لفظوں میں انہیں خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں بِاَبِی اَنْتُم وَ اُمِّی طِبْتُم وَ طَابَتِ الاَرْضُ الَّتِی فِیْهَا دُفِنْتُم وَ فُزْتُم وَاللهِ فَوْزًا عَظِیْمًا۔

میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں تم خود بھی پاک ہو گئے اور وہ زمین بھی پاک ہو گئی جس میں تم دفن کئے گئے بخدا تم نے بہت بڑی کامیابی حاصل کی ہے۔

شبِ عاشور کا ایک خاص واقعہ

گو بعض مؤرخین مثلاً صاحب لہوف وغیرہ نے اس واقعہ کو جناب امام پاکؑ کے ورودِ کربلا کے بعد کسی دن کا واقعہ تحریر کیا ہے مگر اکثر مؤرخین نے شبِ عاشور کے واقعات میں درج کیا ہے ہم انہی کے مطابق اسے اس شب کے واقعات میں درج کرتے ہیں۔

جنابِ سیدِ سجادؑ بیان کرتے ہیں کہ میں دسویں کی رات اپنے بسترِ علالت پر بیٹھا تھا اور میری پھوپھی جنابِ زینبؑ میری تیمارداری کر رہی تھیں، اس اثنا میں میرے والدِ بزرگوار ایک علیحدہ خیمہ میں تشریف لے گئے جو میرے خیمہ کے نزدیک تھا، اس وقت جنابِ ابوذر غفاری کا غلام جون جناب کی خدمت میں موجود تھا جو آپ کی تلوار کو صیقل کر رہا تھا بعض روایات کے مطابق حضورؑ اپنی تلوار کو درست کر رہے تھے، اس وقت زمانہ کی بے وفائیوں اور انقلابِ دہر کا شکوہ فرماتے ہوئے یہ اشعار پڑھ رہے تھے۔

یا دھرُ اُفٍّ لکَ مِنْ خلیلِ　　　کم لکَ بِالاشراق و الاصیلِ

بطور مجاز زمانہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ اے بے وفا زمانہ تیری دوستی پر تف ہے تو وفادار ساتھی نہیں ہے۔ تجھ پر بھروسہ نہیں صبح و شام تیرے ہاتھوں کتنے

مِنْ طالبٍ وصاحبٍ قتیلِ ،　　　والدھرُ لا یقنعُ بالبدیلِ

طالب حق اور ساتھی قتل کئے جاتے ہیں اور زمانہ مطلوب ہی کو قتل کرتا ہے اس کے بدل پر قناعت نہیں کرتا

کُلُّ حیٍّ سالکُ سبیلِ　　　ما اقربُ الوعدُ مِنْ رحیلِ

ہر زندہ موت کی راہ پر چلنے والا ہے۔ اُسے ایک دن مرنا ہے۔ ہاں دنیا سے کوچ کرنے کا وعدہ کس قدر قریب ہے

وانما الامر الی الجلیلِ ۔　　　تمام معاملات تو رب جلیل کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔

جب والد ماجد نے یہ اشعار بار بار پڑھے تو میں سمجھ گیا کہ بابا جان اب زندگی سے قطعاً مایوس ہو چکے ہیں اور مصیبت نازل ہو چکی ہے۔ اور ہمارے گھر کی بربادی اب یقینی ہو چکی ہے، کیونکہ اشعار کا مطلب یہ تھا کہ زمانہ بدل گیا ہے۔ اور اس نے مصیبتوں کا رخ ہماری طرف پھیر دیا ہے۔

بستر بیماری پر دردناک حالات اور آنے والے واقعات میری آنکھوں کے سامنے پھرنے لگے: تاہم میں نے ضبط کر لیا، آنکھوں کو قابو میں کرکے آنسوؤں کو روک لیا، مگر میری پھوپھی مخدرۂ عصمت یہ اشعار سن کر تاب ضبط نہ لا سکیں، عورتیں رقیق القلب ہوتی ہیں۔ بھائی کے دردناک اشعار سن کر بہن کا دل بھر آیا، وہ میری تیمارداری بھول گئیں اور بے قرار ہو کر اٹھیں اور اس طرح بے تاب ہو کر اٹھیں کہ چادر کے کونے زمین پر خط دے رہے تھے، اپنے بھائی کے خیمے میں جا کر بھائی کے گلے میں باہیں ڈال کہا، اماں جایا! ایسی بات تو وہ کرتا ہے جو زندگی سے مایوس ہو چکا ہو، بھائی کیا موت کا یقین ہو چکا ہے۔ اماں جایا! آپ کے اس کلام نے بہن کو دلگیر کر دیا ہے۔ امامؑ نے پوچھا۔ نعم یا اُختاہ، ہاں بہن تیرا سہارا ختم ہونے والا ہے، تیرا بھائی زندگی سے بے آس ہو چکا ہے۔ مظلوم بھائی اور مایوس برادر کا یہ کلام سن کر زہراؑ جائی زیادہ بے قرار ہو گئی اور کہا۔ واثکلاہ لیتَ الموتُ اعدمنی الحیٰوۃَ الیومَ ماتت اُمّی فاطمۃُ وابی علیٌّ واخی الحسنُ یا خلیفۃَ الماضین وثمال الباقین۔ ہائے افسوس! کاش موت میری زندگی آپ سے پہلے ختم کر دیتی، اے وفات پانے والوں

کے جانشین اور باقی زندوں کے سہارے ہیں تو تجھی کہ آج میری ماں زہراؑ اس دنیا سے اٹھی ہیں بابا علیؑ بھی آج ہی رخصت ہو گئے ہیں، بھائی حسنؑ نے آج ہی شہادت پائی ہے، کیونکہ ان کی وفات کے بعد آپ سہارا تھے، اماں بابا جب میں آپ کو دیکھتی تو ان کی وفات کا صدمہ کم ہو جاتا اور تیری زندگی سے ان کی موت کا غم ہلکا ہو گیا تھا، مگر جب آپ بھی ہمیں بے آسرا بیگانے ملک، جنگل بیابان اور بے رحم دشمنوں میں چھوڑ کر نانا بابا، اماں اور بھائی کے پاس جا رہے ہیں اور ہم بے آسرا رہ گئے ہیں تو اب ان کی موت کا صدمہ بھی تازہ ہو گیا ہے۔ اور ان کی جدائی بھی اب یاد آگئی ہے میرے نزدیک تو ان سب پاکؑ کی موت اب واقع ہو رہی ہے۔ امام پاکؑ نے جب بہن کی اس درجہ بے تابی دیکھی۔ شفقت بھرے لہجے میں تسلی دی مگر خود بھی کس قدر رہے قابو ہو گئے اور آنکھیں مثل ابر آنسو برسانے لگیں۔ بہن بھی رو رہی تھی اور بھائی بھی رو رہا تھا، بھرائی ہوئی آواز میں فرمایا اماں جائی! ہر زندہ کو ایک دن مرنا ہے، آپ ایسا صبر کریں کہ قیامت تک آپ کے صبر کی مثال نہ پیش ہو سکے۔

جناب سجادؑ فرماتے ہیں کہ یہ سن کر پھوپھی اماں نے پوچھا یا ویلتاہ اَفَتَغْصِبُ نَفْسُكَ اغْتِصَاباً فَذَالِكَ اَقْرَحُ لِقَلْبِي وَاشَدُّ عَلٰى نَفْسِي۔ ہائے افسوس! کیا آپ ہم سے چھین لئے جائیں گے؟ یہ بات تو میرے دل کو مجروح کرنے والی ہے، اور مجھ پر سخت گراں ہے۔

بہن بھائی کی یہ غمناک باتیں، زندگی کی آخری رات میں موت کی باتیں، سارے خاندان کی تباہی، سارے گھروں کی بربادی کا منظر اور مستقبل کا بھیانک تصور چاہنے والی بہن کی آنکھوں کے سامنے پھر گیا۔ یہ صرف حسینؑ کی موت کا تصور نہ تھا بلکہ بنی ہاشم اور آلِ محمدؐ کی بربادی کا نقشہ سامنے تھا صرف کربلا کا خاکہ نہ تھا بلکہ کوفہ اور شام کے بازاروں اور درباروں کی بھیانک تصویریں سامنے تھیں، پڑھنے والے پڑھ دیتے ہیں اور سننے والے سن لیتے ہیں، لکھنے والے لکھ جاتے ہیں، لیکن اصل حقیقت تو بہن بھائی ہی سمجھتے ہیں، بھائی بہن کو اپنی موت کی یقینی خبر سنا رہا ہے اور ساتھ صبر کی تلقین بھی کر رہا ہے۔ بتولؑ کی بیٹی شیر دل بیٹی تھی، ماں کی طرح صابرہ تھی، مگر بات معمولی نہ تھی، ہزار ضبط کیا، لیکن اب تاب ضبط نہ تھی، سر سے چادر گر پڑی، منہ پیٹ لیا اور زہراؑ کی پیاری غش کھا کر گر پڑی۔ جناب زینبؑ کا بے ہوش ہو کر گرنا تھا، سجاد کا بابا بھی بے تاب ہو گیا، طبیعت بے چین ہو گئی، سجاد نے اٹھنے کی کوشش کی مگر بیماری نے بستر سے اٹھنے نہ دیا، مولا نے انا فہ میں لانے کی بہت کوشش کی تھا بابا یہ پہلا موقع تھا کہ علیؑ کی شیر دل بیٹی سنبھل نہ سکی اور غش کھا گئی، آخر کچھ دیر کے بعد طبیعت سنبھلی، مولا نے یہ تو نہیں فرمایا کہ میں زندہ رہوں گا، کیونکہ یہ تو یقینی بات تھی ہاں

تسلیاں دینے کی مولانا نے پوری کوشش کی، شفقت اور پیار کے لہجے میں پاؤں کی تلیاں بھی مل رہے ہیں اور ان لفظوں سے تسلیاں بھی دے رہے ہیں۔

یا اُختاہ تعزّی بعزاء اللہ واعلمی انّ اھل الارض یموتون وانّ اھل السماء لا یبقون وانّ کلّ شیئٍ ھالکٌ الّا وجہ اللہ الذی خلق الخلق بقدرتہٖ ویبعث الخلق ویعیدھم وھو فردٌ وحدہ، جدّی خیرٌ منّی، وابی خیرٌ منّی واخی خیرٌ منّی ولکلّ مسلم برسول اللہ اسوۃٌ الخ بہن! اللہ کی رضا پر راضی رہ کر صبر و ضبط سے کام لو اور جان لو کہ تمام اہل زمین مر جائیں گے اور آسمان والے بھی باقی نہ رہیں گے، ہر شئی فنا ہونے والی ہے سوائے ذاتِ خدا کے جس نے مخلوق کو اپنی قدرت کاملہ کے ساتھ پیدا کیا اور پھر وہی مخلوق کو دوبارہ زندہ کر کے قبروں سے اٹھائے گا وہ اکیلا لاشریک ہے اماں جانیؑ! میرے نانا، میرے بابا اور بھائی مجھ سے بہتر تھے وہ سب چلے گئے میں بھی چلا جاؤں گا اور ہر مسلمان کو جناب رسولؐ اللہ کی سیرت کو اپنانا چاہیئے۔

بارھویں مجلس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم مٰالکِ یَومِ الدّین

احوالِ قیامت، روز عاشور، امام پاکؑ کا خطبہ، جنگ کا آغاز

شہادت حضرت حُر رضوان اللہ علیہ

روزِ جزا کا مالک ہے روزِ جزا کیا ہے؟ اس کی اہمیت کے متعلق سورہ انفطار میں ہے وَمَا اَدْرٰکَ مَا یَومُ الدّین ثُمَّ مَا اَدْرٰکَ مَا یَومُ الدّین۔

اے مخاطب تو کیا جانے کہ یوم الدین کیا ہے، پھر تجھے کیا خبر کہ یوم الدین کیا ہے، کسی چیز کی عظمت، اہمیت اور شان ظاہر کرنے کے لئے قرآن پاک کا اسلوب بیان ہے کہ اس سے پہلے مَا اَدْرٰکَ کا جملہ استعمال کیا جاتا ہے جیسا کہ مَا اَدْرٰکَ مَا لَیلَۃُ الْقَدر، تو کیا جانے کہ لیلۃ القدر کیا ہے۔ وَمَا اَدْرٰکَ مَا الطَّارِق۔ وَمَا اَدْرٰکَ مَا عِلّیُّون، وَمَا اَدْرٰکَ مَا الْقَارِعَۃ۔

خداوند عالم یوم الدین کی اہمیت وعظمت بیان کر رہا ہے۔ اور اس دن سے بڑھ کر کونسا دن ہو گا کہ تمام لوگ حضرت اسرافیل کے دوبارہ صور پھونکنے سے قبروں سے اُٹھ کھڑے ہوں گے، یَومَئِذٍ یَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا لِّیُرَوا اَعْمَالَھُم۔ اس دن لوگ قبروں سے میدان حشر میں مختلف صورتوں میں بکھرے ہوئے نکلیں گے تاکہ ان کو ان کے اعمال دکھائے جائیں، فَمَن یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ خَیرًا یَّرَہ وَمَن یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہ۔ پس جو شخص ذرہ بھر بھی نیکی کرے گا، اسے دیکھ لے گا اور جو شخص ذرہ بھر بدی کرے گا دیکھ لے گا۔ ہر شخص کی نیکیاں اور بدیاں اس کے سامنے ہوں گی۔ اس وقت انسان حسرت سے کہے گا کاش میں زیادہ نیکیاں کرتا اور برائیاں نہ کرتا

مگر اس وقت پچھتانے سے کیا ہوگا، عمل کا وقت تو گذر چکا وہ تو بدلے کا وقت ہوگا۔ انسان ابھی دنیا عمل کا وقت ہے۔ خوابِ غفلت سے ہوشیار ہو تیرے دنیا کے عملوں کا ریکارڈ سرکارِ احدیت میں محفوظ ہے۔ اور سرکارِ وحدانیت کے اہل کاروں نے تیرے کردار کا دفتر تیار کر رکھا ہے جو قبر سے اٹھنے کے وقت تیرے ہاتھ میں دیا جائے گا۔ سورہ اسراء پ ۱۵ میں ہے وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ؕ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ۝ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ۝ ہم نے ہر انسان کی گردن میں اس کا طائر (نامہ اعمال) لازم کر دیا ہے۔ ملا دیا ہے اور روزِ قیامت ہم اس کے نامۂ اعمال کو نکالیں گے ایک کتاب کی صورت میں جسے وہ کھلا ہوا دیکھے گا، لے پڑھ لے اپنے لکھے ہوئے اعمال کو آج تیرا نفس ہی تیرے لئے حساب کرنے والا کافی ہے۔ یعنی تیری دنیوی زندگی کی کارگزاری تیرے سامنے ہے اب سمجھ لے کہ تو کس قسم کے بدلے کا مستحق ہے، اسی واسطے حدیث شریف میں حاسبوا قبل ان تحاسبوا۔ تمہارا حساب لئے جانے سے پہلے تم خود اپنا حساب لے لو۔

احوالِ قیامت کو ایک شاعر نے بہترین نظم میں پیش کیا ہے۔ اور آیاتِ قیامت کا شعروں میں بہترین ترجمہ کیا ہے۔ ؎

پھونکے گا جب کہ صور سرافیل نامدار — اس وقت اے محبّو قیامت ہو آشکار
زندہ کوئی رہے گا نہ باقی جہان میں — ہر شخص کو فنا ہے بجز ذاتِ کردگار
لرزہ ہوا اس زمین کو ایسا کہ الحذر — اور یوں اڑیں پہاڑ کہ جیسے اُڑے غبار
شمس و قمر سیاہ ہوں اور گر پڑیں نجوم — اور آسماں کے ٹکڑے ہوں پھٹ کر کئی ہزار
یہ ذکر پہلے صور کا ہے تم نے جو سنا — شدّت سے جس کی زیر و زبر ہو گئیں کوہسار
اور بعد اس کے صور وہ پھونکے گا دوسرا — مرنے کے بعد زندہ ہو ہر ایک جاندار
وہ دن ہے پُر تپش اور نہایت اُداس ہے — ہوں سے اور سختیوں سے پُر ہے وہ نہار
ہوگی خبر کسی کو کسی کی نہ ہول سے ئو — کام آئے گا کسی کے نہ اس دن عزیز و یار
بھاگے گا بھائی بھائی سے اور باپ سے پسر — زوجہ سے اور پسر سے کرے گا ہر اک فرار
اس دن کی سختیوں سے بہت خوف ہے مجھے — کیا جانیئے کہ کیسی مصیبت میں ہو گذار

صدقہ رسولِ پاک کی عترت کا اے خدا
اس دن مجھے علیؑ کے محبّوں میں کر شمار

لکھا ہے کہ اس روز لوگ قبروں سے مختلف ٹولوں اور مختلف شکلوں میں نمودار ہوں گے۔ ایک روز

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابو ایوب انصاری کے گھر تشریف فرما تھے، معاذ بن جبل صحابی نے حضور پاکؐ سے اس آیت (اِنَّ یَوۡمَ الۡفَصۡلِ کَانَ مِیۡقَاتًاۙ یَوۡمَ یُنۡفَخُ فِی الصُّوۡرِ فَتَاۡتُوۡنَ اَفۡوَاجًاۙ تحقیق وہ فیصلہ کرنے اور خلائق کو اعمال کی جزا دینے کا دن ہے، خدا کے نزدیک مقرر ہے۔ جس دن صور پھونکا جائے گا اس دن تم گروہ گروہ بن کر آؤ گے) کی تفسیر پوچھی، حضور نے فرمایا اے معاذ تو نے "امر عظیم" کے متعلق دریافت کیا ہے، اس کے بعد حضور آبدیدہ ہوئے اور فرمایا کہ میری امت میں سے دس قسم کے آدمیوں کو مومنین سے جدا کر کے میدان حشر میں پیش کیا جائے گا۔ (۱) بندروں کی صورت میں ہوں گے (۲) خنزیروں کی صورت میں ہوں گے (۳) الٹے سر کر کے بل چلتے ہوں گے (۴) اندھے ہوں گے (۵) گونگے اور بہرے ہوں گے (۶) ایک گروہ ہوگا جو اپنی زبانوں کو چباتا ہوگا، ان کی زبانیں سینوں تک بڑھ آئی ہوں گی اور ان سے گندہ پانی اور پیپ جاری ہوگی کہ قیامت کے لوگ اس کی بدبو سے اذیت پائیں گے (۷) ہاتھ اور پاؤں کٹے ہوئے ہوں گے (۸) آگ کی سولی پر لٹکتے ہوں گے (۹) ایک گروہ اس قسم کا ہوگا کہ ان کے بدنوں سے مردار کی بو آئے گی (۱۰) قطران ایک گندہ روغن ہے جس کے جبّے (ایک قسم کورٹ) پہنے ہوں گے اور وہ جبّے ان کے بدنوں میں چپکے ہوں گے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر ان گروہوں کی تفصیل بتائی (۱) جو لوگ سخن چین اور چغلیاں کھاتے تھے وہ بندروں کی شکل میں آئیں گے (۲) اور سوروں کی شکل میں وہ لوگ ہوں گے جو دنیا میں حرام کھاتے تھے، حلال و حرام کے درمیان تمیز نہیں کرتے اور حرام کھاتے ہیں، حرام ذریعہ سے کماتے والے اور حرام کی کمائی کھانے والے (۳) الٹے چلنے والے وہ لوگ ہوں گے جو سود خوار ہوں گے سود حرام ہے اور سود کھانے والے روز محشر سر کے بل چل کر آئیں گے (۴) ظالم اور ظلم کے حکم دینے والے اندھے محشور ہوں گے (۵) اپنے اعمال پر ناز کرنے والے اور ریاکار لوگ گونگوں اور بہروں کی شکل میں ہوں گے (۶) جو گروہ زبانیں چبانے والا ہوگا وہ قاضی فیصلہ کرنے والے جو جان بوجھ کر طمع دنیا یا جانبداری کا پاس کرتے ہوئے غلط فیصلہ کریں گے اور وہ علماء واعظین اور مجمع عام میں بیان کرنے والے لوگ جن کا عمل ان کے قول کے خلاف ہے لوگوں کو نیکی کرنے کی ترغیب دیتے ہیں اور خود نیکی نہیں کرتے (۷) ہاتھ اور پاؤں ان لوگوں کے کٹے ہوں گے جو ہمسایہ اور پڑوس میں رہنے والوں کو ناحق اذیت دیتے تھے (۸) آگ کی سولی پر وہ لوگ ہوں گے جو بادشاہوں، امیروں اور حاکموں کے پاس نیک اور دیانت دار شریفوں کی شکایت کرتے تھے اور امراء و رؤسا کی خوشامد میں حق کو چھپا کر اور حق والوں کے خلاف باتیں کرتے تھے (۹) جن

لوگوں کے بدنوں سے مردار سے زیادہ بو آئے گی وہ، وہ لوگ ہوں گے جو خواہشات نفسانیہ کی پیروی کرتے تھے اپنے نفس کو خوش کرنے کے لئے، نفسانی لذت کے واسطے ناجائز باتیں کرتے تھے اور حقوق خدا کو ادا نہ کرتے تھے (۱۰) قطران کا لباس پہننے والے مغرور و متکبر ہوں گے۔ علاوہ ازیں احادیث مبارکہ میں اس قسم کے اور گروہوں کا ذکر بھی ہے۔ جن میں مختلف قسم کی بدکاریاں پائی جاتی ہیں اور جنہوں نے دنیا میں ہر قسم کا فسق و فجور کیا حقوق خدا ضائع کئے، حقوق بندگان پائمال کئے یہ لوگ کافر اور مشرک نہیں، اُمت رسولؐ کے بدکار آدمی ہوں گے جو اعمال کی سزا بھگتنے کے لئے قبروں سے اُٹھیں گے اور ان شکلوں میں نمودار ہوں گے۔

ایک معقول سوال اور اُس کا معقول جواب

عام طور پر سوال کیا جاتا ہے کہ جو لوگ قبروں میں دفن ہوئے وہ تو روز قیامت قبروں سے اٹھائے جائیں گے لیکن جن لوگوں کو قبریں نصیب نہیں ہوئیں مثلاً دریا میں غرق ہوئے اور آبی جانوروں کی غذا بنے یا درندوں نے انہیں چیر پھاڑ کر کھایا اور وہ درندوں کے پیٹ میں چلے گئے یا جو زندہ یا مردہ آگ میں جلائے گئے اور جس طرح کہ کفار اپنی رسموں کے مطابق اپنے مردوں کو آگ میں جلاتے ہیں اور اُن کی قبریں نہیں ہوتیں وہ کہاں سے محشور کئے جائیں گے؟

اس کا جواب قدرے تفصیل سے ہم نذر قارئین و سامعین کرتے ہیں۔

انسان تین چیزوں سے مرکب ہے۔ بدن، نفس ناطقہ اور روح بعض کے نزدیک روح ہی نفس ناطقہ ہے، اس طرح انسان دو چیزوں "روح اور بدن" سے مرکب ہے، گو ثواب و عقاب کی مورد روح ہے مگر تنہا نہیں، اسلامی نظریہ کے مطابق روح خالی از بدن جزا و سزا کی مستوجب نہیں بلکہ روح مع جسم مورد ثواب و عقاب ہے، اس لئے بدن انسانی کو زندہ کر کے روح اس میں داخل کر کے اسے ثواب یا عذاب دیا جائے گا۔

انسان قبر میں دفن ہونے کے بعد قبر میں بھی صحیح و سالم نہیں رہتا بلکہ گل سڑ کر مٹی ہو جاتا ہے اور مٹی میں مل جاتا ہے اور اس کے بدن کے اجزاء منتشر ہو جاتے ہیں لیکن وہ اجزاء اجزاء کی صورت میں باقی رہتے ہیں شکلیں معدوم ہو جاتی ہیں، صورتیں مٹ جاتی ہیں، انسان اربعہ عناصر سے مرکب ہے، خاکی اجزاء خاک میں، ہوائی اجزاء ہوا میں، آبی آب میں اور ناری نار میں مل جاتے ہیں، اس طرح آدمی قبر میں دفن ہو جائے یا جل جائے یا کسی جانور کے پیٹ میں چلا جائے تو اس کا بدن

گھُل مِل جائے گا ترکیب ختم ہو جائے گی مواد تحلیل ہو جائے گا مگر اس کے ذرات عنصری اجزاء کی حالت میں باقی رہ جائے گی اور جسم انسان کے اجزاء اصلیہ جوں کے توں اس دنیا میں باقی رہ جائیں گے اور روز قیامت خالق علیم وحکیم انہی اجزاء اصلیہ کو وہ جہاں بھی ہوں گے اکٹھا کر کے وہی سابق اور اصلی بدن بنا کر اس کی روح اس میں داخل کر کے زندہ کرے گا اور میدان محشر میں اسے لائے گا خداوند عالم قادر ہے، اسے طاقت ہے کہ ان اجزاء کو وہ کہیں بھی ہوں، جمع کر کے وہی سابق بدن بنائے جس ذات قادر وعلیم وحکیم نے انسان کو عدم محض یعنی بالکل نیست سے پیدا کیا، کیا وہ اجزاء کو اکٹھا کر کے وہی سابق بدن نہیں بنا سکتا، قبر میں بھی تو انسان کا بدن سالم نہیں رہتا، وہ بھی مٹی میں گھل مل جاتا ہے اسی طرح دریا بُرد، جانوروں کا نوالہ آگ میں جلا ہوا بدن ختم ہو جاتا ہے، اجزاء اصلیہ تو باقی رہتے ہیں، اس کا علم وسیع ہے اُسے علم ہے کہ فلاں آدمی ڈوب جانے والے، جانوروں کے پیٹ میں چلے جانے والے، آگ میں جل کر راکھ ہو جانے والے اجزاء کہاں ہیں، اپنے علم اور قدرت سے ان کو اکٹھا کر کے بدن کی شکل میں جوڑ کے ان کی روحیں ان میں داخل کر کے مبعوث فرمائے گا اور حساب وکتاب کے لئے عرصات محشر میں لا کھڑا کرے گا " وھُوَ علیٰ کُلِّ شَیٍٔ قدیرٌ"

جو ذات پاک تمام جہانوں کو پیدا کر سکتی ہے اور اس میں ہر قسم کی مخلوق کی پرورش کر سکتی ہے جب کہ سارے جہان اور جو کچھ ان میں ہے اس کے قبضۂ قدرت و وسعت علم میں ہیں اور جو قیامت قائم کر سکتی ہے وہ ہر قسم کے مردہ کو زندہ نہیں کر سکتی۔

جناب عزیر علیہ السلام کا ایک مردہ بستی کے پاس سے گزرنا اور حیران ہو کر کہنا کہ بارخدایا ان پرانی گلی سڑی ہڈیوں کو کیونکر زندہ کرے گا اور وہیں جناب عزیر علیہ السلام کو سو سال تک مردہ رکھ کر دوبارہ زندہ کرنا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پرندوں کے ذبح کرنے کا حکم دے کر ان کے گوشت کا قیمہ کر کے جدا جدا پہاڑوں پر رکھنا پھر حضرت خلیل علیہ السلام کا ان کو بلانا اور ان کے اجزاء کا باہم مل کر پرندوں کی صورت اختیار کر کے دوڑ کے بحکم جلیل حضرت خلیل کے پاس جانا اس کی قدرت کی واضح نشانیاں ہیں۔ اس کی قدرت سے کونسی چیز باہر ہے۔

تبارکَ الذی بیدہِ الملکُ وھُوَ علیٰ کلِّ شَیٍٔ قدیرٌ، شکم مادر میں رحم کی تاریکیوں میں نطفۂ انسانی داخل ہوتا ہے وہ ایک نطفہ ہے، لیکن اس میں پورا انسان پوشیدہ ہے، کس حکمت وقدرت سے رحم مادر کے اندھیروں میں جسم انسانی تیار ہوتا ہے اسی پانی کے اجزاء مرحلہ وار ارتقائی درجات طے کرتے ہوئے بازو والے اجزاء بازوؤں میں، پاؤں والے پاؤں، دل والے دل میں،

جگر والے جگر میں، ناک والے ناک میں، کان والے کان میں، آنکھ والے آنکھ میں، دماغ والے دماغ میں چلے جاتے ہیں اور کچھ عرصہ کے بعد رحم مادر کے قدرتی کارخانے میں کیمیائی تبدیلیوں کے بعد ایک صحیح تندرست سالم بچہ بن کر شکم سے باہر آجاتا ہے، اسی طرح روز جزا اس کے بکھرے ہوئے اجزاء قادر وحکیم کی قدرت وحکمت سے اپنے اپنے صحیح مقام پر پہنچ کر بدن انسانی کی سابق صحیح شکل اختیار کر لیں گے۔

اے معترض انسان اگر تو اپنی پیدائش پر غور وفکر کرے تو معاد جسمانی تیری سمجھ میں بآسانی آجائے گا جیسا کہ اس کا ارشاد گرامی ہے: كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ تم مردہ تھے، پیدائش سے قبل بھی تم مردہ تھے، کونسی قبر میں تھے، کس جانور کے پیٹ میں تھے، کہاں جلائے گئے تھے، صرف اجزاء تھے پس تمہیں زندہ کیا (اکٹھا کر کے بدن بنا کے اس میں روح ڈالی) وہ پھر تمہیں مارے گا۔ پھر دوبارہ زندگی دے گا پھر حساب کتاب کے لئے اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

"کما بدأکم تعودون" جس طرح تم کو پیدا کیا، اسی طرح مرنے کے بعد تمہارا اعادہ بھی ہو گا۔ جس بدن کے ساتھ دنیا میں روح نے گناہوں کی لذت حاصل کی اسی بدن کے ساتھ دوزخ میں سزا کا درد بھی محسوس کرے گی اور جس بدن کے ساتھ روح نے طاعت اور عبادت خدا کی مشقت ومحنت اٹھائی، اسی بدن کے ساتھ جنت میں اجر وثواب کا لطف بھی حاصل کرے گی۔

"مالک یوم الدین" روز جزا کا وہ واحد مالک ہے، اس کی ملکیت میں کوئی اس کا شریک نہیں، يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاءُ، جسے چاہے بخش دے، جسے چاہے عذاب دے، کوئی اسے روکنے والا نہیں، نہ کسی کی مجال ہو گی کہ چوں چرا کر سکے اور اس کے حکم وفیصلہ میں مداخلت کر سکے۔ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا وَّالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ (انفطار) جس دن کوئی نفس کسی نفس کا مالک نہ ہو گا، نہ کسی کو کچھ نفع پہنچا سکے گا اور نہ نقصان، اور حکم اس روز خدا ہی کا ہو گا، تمام امور اسی کے قبضۂ قدرت میں ہوں گے۔ بے شک اس کی عدالت رحم آمیز ہو گی، تخت عدالت سے قادر وکریم آقا کے احکام وفیصلے جاری ہوں گے۔ کسی پر ذرہ برابر ظلم نہ ہو گا، نیکوں کو ان کی نیکیوں کا پورا اجر ملے گا، برائیوں کی معافی کا امکان ہو گا۔

اعمال کا وزن

چونکہ وہ رحیم عادل ہے، اس واسطے کسی کی نیکی کو ضائع نہ کرے گا۔ ”اِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْن“، بے شک اللہ تعالیٰ نیک عمل کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ البتہ بدوں کی بعض بدیاں معاف کرنے میں مالک کلی ہے۔ جن لوگوں نے حقوق العباد کی رعایت نہیں کی وہ قابل مغفرت نہیں اور جن لوگوں نے حقوقِ خدا ضائع کئے چونکہ اس کے اپنے حقوق ہیں ان میں سے کسی میں بھی درگذر کر سکتا ہے اس میں اس کی اپنی طرف سے معافی ہے، کسی کی حق تلفی نہیں، لہٰذا اس کی عدالت اور رحیمی پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔

لوگوں کے اعمال گنے نہیں بلکہ تولے جائیں گے کہ ان کے اعمال میں وزن کتنا ہو گا۔

”فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُہٗ فَھُوَ فِیْ عِیْشَۃٍ رَّاضِیَۃٍ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُہٗ فَاُمُّہٗ ھَاوِیَہ“ پ ع

سو جس کا نیکیوں والا پلڑا بھاری ہو گا وہ پسندیدہ زندگی یعنی جنّت میں ہو گا اور جس کا نیکیوں والا پلڑا ہلکا ہو گا اس کا ٹھکانہ ہاویہ ہو گا۔ ”ہاویہ“ کیا ہے دہکتی ہوئی آگ۔

علاوہ نامۂ اعمال کے خود بدکاروں اور کفّار کے اعضاء بدن ان کے کفر اور بدعملوں کی گواہی دیں گے جیسا کہ ارشاد ہے ”وَیَوْمَ یُحْشَرُ اَعْدَاءُ اللّٰہِ فَھُمْ یُوْزَعُوْنَ حَتّٰی اِذَا مَا جَاءُوْھَا شَھِدَ عَلَیْھِمْ سَمْعُھُمْ وَاَبْصَارُھُمْ وَجُلُوْدُھُمْ بِمَا کَانُوْا یَعْمَلُوْن“۔ جس دن دشمنانِ خدا، اکٹھے کئے جائیں گے۔ یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس آئیں گے تو ان کے کان، آنکھیں اور ان کی کھالیں اُن کے خلاف گواہی دیں گے جو کچھ کہ وہ دنیا میں بُرے عمل کرتے رہے وہ اپنے اعضاء سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی تو وہ اعضاء کہیں گے کہ ہم کو تو اس خدا نے بولنے کی طاقت دی ہے جس نے ہر چیز کو قوّتِ گویائی عطا فرمائی ہے۔ ”وَوُفِّیَتْ کُلُّ نَفْسٍ الخ“ پ ع

اور ہر نفس کو اس کا بھرپور بدلہ دیا جائے گا اور ان پر کسی قسم کا ظلم نہیں کیا جائے گا بہر حال مالک اور عادلِ حقیقی ہر انسان کو اس کے تمام اعمال اچھے و بُرے دکھا کے فیصلہ کرے گا۔

حق شفاعت

ہاں شفاعت کی گنجائش ضرور ہے، مُقرّبانِ خدا، انبیاء مرسلین اور آئمہ معصومین صلوٰۃ اللہ وسلام علیہم اجمعین

کا اذن عطا ہوگا، اس کے بعد وہ گنہگار مومنین کے حق میں شفاعت فرمائیں گے جیسا کہ قرآن مجید کی متعدد آیات میں اس کا ذکر ہے۔ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗٓ اِلَّا بِاِذْنِہٖ کون ہے جو اس کے اذن کے بغیر شفاعت کر سکے، لَا یَمْلِکُوْنَ الشَّفَاعَۃَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَھْدًا۔ کوئی شفاعت کا مالک نہیں مگر وہ جس نے خدا کے ہاں شفاعت کا عہد لے لیا ہے۔ مَا مِنْ شَفِیْعٍ اِلَّا مِنْ بَعْدِ اِذْنِہٖ کوئی شفاعت کرنے والا نہیں مگر اس کے اذن کے بعد یَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَۃُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَہُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِیَ لَہٗ قَوْلًا اس دن کسی کی کوئی شفاعت فائدہ نہ پہنچائے گی مگر اس کی جسے رحمٰن نے اذن دیا ہے اور اس کی بات کو پسند کر لیا ہے۔

جب انسان کسی ورطۂ حیرت میں مبتلا ہو تو اس سے نجات حاصل کرنے کا چارہ تلاش کرتا ہے کسی مصیبت میں اور سختی میں گرفتار ہو کسی قصور اور جرم میں ماخوذ ہو تو اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کا وسیلہ ڈھونڈتا ہے قیامت سے بڑھ کر کوئی ہولناک دن نہیں اور مجرموں کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی شدت و پریشانی نہیں، نامۂ اعمال اور اعضاء بدن گواہی دے چکے ہیں۔ اعمال بھی سامنے ہیں اور ان کی سزا بھی سامنے ہے۔ اس وقت انسان کو سفارش کرنے والے کی کتنی ضرورت ہوگی اور کس قدر وہ محتاج شفیع ہوگا۔ لیکن اسی پر سفارش کی امید ہوتی ہے جس کے ساتھ کوئی واسطہ و تعلق ہو اور کبھی اس کی خوشنودی حاصل کی ہو۔

شفیع کیلئے دو پہلو ضروری ہیں

شفیع (سفارش کرنے والے) کے لئے دو پہلو ضروری ہیں ایک تو اس حاکم کا مقرب ہو جس کے پاس سفارش کرنی ہے تاکہ اس کی بات مانی جائے، اس کی قدر و منزلت حاکم کے پاس اتنی ہو کہ اس کی سفارش مقبول ہو جائے۔

اگر وہ خود بے چارہ ہو، اس کی کوئی وجاہت نہ ہو اور بارگاہِ حاکم تک اس کی رسائی نہ ہو، نہ اسے حاکم کا قرب حاصل ہو تو وہ سفارش کیا کر سکے گا لہٰذا مسلمانو! روزِ قیامت تمہیں شفاعت کی ضرورت ضرور ہوگی سمجھو اور پہچان لو کہ کون شفاعت کر سکے گا دیکھ لو کون وسیلہ بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

شفیع کا یہ پہلو تو خداوند عالم کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔

دوسرا پہلو بندۂ گنہگار کے ساتھ ہے۔ آیا بندۂ گنہگار اس قابل ہے کہ اس کے پاس جا سکے،

اپنا دُکھ اُسے سنا سکے کوئی تعلق اس کے ساتھ رکھا ہے ؟ اس کا کوئی کام کیا ہے ؟ اس کی خوشنودی حاصل کرنے کا کوئی عمل بھی کیا ہے ؟ اس کا دامن پکڑا ہے ؟ کیا وہ اس کے گروہ میں اس کا شمار ہے، کیا شفیع اس بندۂ گنہگار کو اپنا سمجھتا ہے اگر یہ دونوں باتیں حاصل ہو جائیں تو وہ بندہ کامیاب ہے اور اگر ان میں سے کوئی ایک بات یا دونوں حاصل نہیں تو خسران مبین اور بدبختی کے سوا کیا ملے گا۔

"اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ" آدمی اسی کے ساتھ محشور ہوگا جسے وہ دنیا میں دوست رکھتا ہوگا، اے مسلمان خیال کر، اسی سے محبت کر، جس کی محبت تجھے روزِ قیامت فائدہ پہنچائے۔ قبل ازیں بیان ہو چکا ہے کہ روزِ قیامت لوگوں کے کئی پیشوا ایسے ہوں گے، جب وہ دردناک ماحول میں جائیں گے تو اپنے پیروکاروں سے بیزاری اور قطع تعلق کر جائیں گے پیروکار دامن پکڑیں گے لیکن وہ دامن چھڑائیں گے،

ایسے امام بنا، جو اپنے پیروکاروں کو ان کی علامتوں سے پہچان کر اپنے سایہ میں پناہ دیں، ایسے شفیع بنا، جن کے پاک منہ سے شفاعت کے نکلے ہوئے لفظوں کا باب اجابت استقبال کرے، ایسے کریم اور شفیق سرداروں کی رعایا ہو، جن کی نگاہیں اپنے ماننے والوں کو تلاش کریں جو اپنے محبوں کو سنبھال کر اپنے ہمراہ لے چلیں، ان کا دامن پکڑ جن کے بدنوں پر جنت کا لباس ہو، ایسے کریم اور بندہ نواز آقاؤں کی اطاعت کر، جو جنت کے دروازے پر پہنچ کر کہے میں اس وقت تک جنت میں قدم نہ رکھوں گی جب تک میرے مظلوم و غریب بیٹے حسین کے سوگوار جنت میں داخل نہ ہوں۔

اپنے مریدوں، معتقدوں اور پیروکاروں سے وہ بھاگیں گے جو تہی دامن ہوں، جن کے پاس کچھ نہ ہو، بارگاہِ احدیت میں رسائی نہ ہو، وہاں کچھ قدر و منزلت نہ ہو، روزِ محشر جنہیں خداوند عالم کی طرف سے کچھ اختیار نہ ملے، گو عرصاتِ محشر سے تو بھاگیں گے مگر دوزخ میں پھر اکٹھے ہو جائیں گے، پیر و مرید ایک ہی مقام میں ہوں گے، ہاں پیروں اور جھوٹے پیشواؤں کو دوزخ میں مریدوں سے اونچا مقام ملے گا اور جہنم سے زیادہ حصہ ملے گا، پیشوا جو تھے۔

محبتِ اہل بیتؑ کا افادہ

مگر جن کے دامن اختیارات سے مالا مال ہوں گے، جن کا مرتبہ خداوندِ عالم کے ہاں اتنا بلند ہوگا کہ انبیاء و مرسلین بھی رشک کریں گے، جنہیں "قسیم النار و الجنۃ" کا عہدہ تفویض ہوگا جنہیں

اُلْقِیَا فِی جَھَنَّمَ کُلَّ کَفَّارٍ عَنِیدٍ کا امر ملے گا، جن کے معصوم ہاتھوں پر کوثر و تسنیم کے ساغر چھلکتے دکھائی دیں گے، نہر کوثر کی لہریں جن کے استقبال میں بے تاب ہوں گی، جنت جن کے قدوم کی منتظر ہو گی، پل صراط پر جن کو پروانہ راہداری عطا کرنے کا من جانب خدا اختیار مل چکا ہو گا، شفاعت کا عہدہ جنہیں عطا ہو گا، وہ اپنوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کے اپنے ساتھ رکھیں گے، نیک تو قبروں سے اٹھتے ہی ان کے ہمراہ ہوں گے اور گنہگاروں کو دوزخ سے یوں اٹھائیں گے جس طرح مرغ مٹی میں سے دانہ چن لیتا ہے۔

آؤ مسلمانو! میں اپنے رہنماؤں کی کرم فرمائیاں گنواؤں، کہاں کہاں کام آئیں گے، ادھر سے دنیا کا تعلق ختم ہو گا۔ زندگی کے آخری لمحات ہوں گے اور ہمارے معصوم آقا ہماری خبر گیری، ہماری دیکھ بھال، ہماری دستگیری اور سنبھال کے ذمہ دار ہو جائیں گے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

فردوس الاخبار دیلمی میں مذکور ہے کہ اہل بیت علیہم السلام کی محبت سات جگہ کام آئے گی۔

عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حُبُّ اَھْلِ بَیْتِی نَافِعٌ فِی سَبْعِ مَوَاطِنَ اھوالھن عظیمۃ عِنْدَ الْوَفَاتِ. عِنْدَ الْقَبْرِ وَعِنْدَ النُّشُوْرِ وَعِنْدَ الْکِتَابِ وَعِنْدَ الْحِسَابِ وَعِنْدَ الصِّرَاطِ. حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ جناب رسول پاک صلعم نے فرمایا میرے اہل بیت کی محبت سات مقامات پر فائدہ دے گی یہ سات مقامات بہت پرہول پرخطر ڈرانے اور وحشت ناک ہیں اور ایسے ہی مقامات پر تسلی، امداد اور شفقت و مہربانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ سات مقامات یہ ہیں۔ وفات کے وقت جانکنی کے ہنگام دنیا سے منہ موڑنے اور آخرت کی طرف منہ پھیرنے کا وقت ہوتا ہے۔ قبر کی تنگ کوٹھڑی اور تاریک لحد میں جہاں کوئی مونس و غمگسار نہ ہو گا، قبروں سے اٹھنے اور میدان محشر میں جمع ہونے کے وقت، نامۂ اعمال ہاتھ میں دینے کے وقت، نیکیوں اور بدیوں کا حساب لینے کے وقت، اعمال تولنے اور پرکھنے کے وقت اور آخری منزل پل صراط عبور کرنے کے وقت، یہ محبت اہل بیت دنیا سے رخصت ہونے کے وقت بندۂ مومن کو اپنی آغوش میں لے لیگی اور پل صراط سے پار کر کے منزل مقصود جنت کے دروازے پر پہنچا آئے گی۔

اب ذرا تفصیلاً بھی سن لیں۔ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب ہمارا کوئی دوست مرتا ہے تو اس کے مرنے کے وقت اس کے پاس جناب رسول خدا، امیر المومنین و حسنین علیہم الصلوٰۃ والسلام تشریف لاتے ہیں، مشکل کے وقت تنگی کے دوران اور گھبراہٹ کے ہنگام ایسا دوست مل جائے اور ایسا مہربان پہنچ جائے جو مشکل کشا اور ہمدرد ہو تو تمام تلخیاں کافور ہو جاتی ہیں۔

گھبراہٹ سکون وراحت سے بدل جاتی ہے، ہنگام نزع جناب معصومین علیہم السلام کی اشباح کا آنا متعدد احادیث میں موجود ہے۔ اور جناب امیر المومنینؑ کا یہ شعر بھی اس کی دلیل ہے۔

یَا حارُ ھمدان مَنْ یَمُتْ یَرَنی   مومناً اَو منا فقاً قبلا

اے حارث ہمدانی جو کوئی مومن یا منافق مرتا ہے وہ مرنے سے پہلے مجھے دیکھتا ہے۔

اسی طرح قبر کی وحشت ناک تنہائیں، اور اندھیری و تنگ کوٹھڑی میں، جب کہ مونس واقرباء لحد کے سپرد کر کے چلے جائیں گے اور منکر ونکیر سوال وجواب کے لئے قبر میں آئیں گے تو توحید ونبوت اور دوسرے عقائد کے علاوہ امامت کے متعلق بھی سوال کیا جائے گا مَنْ اِمَامُكَ تیرا امام کون ہے؟ جس امام کے ماننے والا ہوگا اسی کا نام بتائے گا لیکن قبر میں سوائے علی بن ابی طالبؑ ان کا غیر کوئی فائدہ نہ پہنچا سکے گا ہاں ابو تراب کا نام سنتے ہی قبر کی دیواریں وسیع ہو جائیں گی، قبر کی تراب سے ارض جنت کی خوشبو آئے گی، تاریک لحد ایمان کی روشنی سے جگمگا اٹھے گی، اور درج علیین میں ہوگی۔ نسیم جنت کے جھونکوں سے مرد مومن محظوظ ہوگا۔

قبر سے اٹھنے کے وقت محبوں کی زبان پر نعرۂ حیدری ہوگا۔ زمرۂ آئمہ معصومین میں شامل ہوں گے لواء الحمد کا سایہ نصیب ہوگا "یَوْمَ نَدْعُوْ كُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِهِمْ" کے مطابق صحیح اور باعمل شیعہ اپنے امام کے پیچھے قطاروں میں شامل ہوں گے۔

حساب وکتاب کے وقت اور میزان کے وقت ان کے اعمال مقبول ہوں گے جن میں ولاء علی کا وزن اور محبت اہل بیت کی خوشبو آئے گی۔ کتنی ہی نیکیاں اور کتنے ہی عمل رائگان ہو جائیں گے کیونکہ وہ صحیح جانشینان رسول کی ہدایات کے مطابق نہ ہوں گے۔ وارثان رسالت محافظان شریعت کے اقوال واعمال کے خلاف کوئی عمل بھی قابل قبول نہ ہوگا اور نہ ان اعمال کی بندے جزا پائیں گے جو نمائندگان خدا کے احکام کے مطابق نہ ہوں چنانچہ "فردوس الاخبار" دیلمی میں معاذ بن جبل سے روایت ہے عن معاذ بن جبل قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حُبُّ علی بن ابیطالب حَسَنَةٌ لاتَضُرُّ مَعَهَا سَيِّئَةٌ و بُغْضُهُ سَيِّئَةٌ لاَيَنْفَعُ مَعَهَا حَسَنَةٌ۔ جناب معاذ بن جبل روایت کرتے ہیں کہ جناب رسالتمآب نے فرمایا علی کی محبت ایسی نیکی ہے جس کی موجودگی میں کوئی برائی نقصان نہیں پہنچاتی اور ان کی عداوت ایسی برائی ہے جس کی موجودگی میں کوئی نیکی فائدہ نہیں دیتی۔

اسی طرح اسی کتاب میں ہے کہ اگر بندہ حضرت نوح علیہ السلام کی زندگی کے برابر عبادت کرے، اور پہاڑ کے برابر سونا راہ خدا میں خیرات کرے، ہزاروں حج پیادہ پا کرے، صفا اور مروہ

کے درمیان ظلم و جور سے قتل کیا جائے اگر اس کے دل کے خانہ میں ولائے علی کا ٹھکانہ نہیں تو وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگھ سکے گا۔

حُبِ علیؑ کی مئے نہیں جس گل کے جام میں جنت کی بو نہ آئے گی اس کے مشام میں

چنانچہ حساب و کتاب کے وقت خصوصیت کے ساتھ ولایت علی ابن ابی طالبؑ کا سوال کیا جائے گا۔

چنانچہ آیہ مبارکہ وَقِفُوهُمْ إِنَّهُم مَّسْئُولُونَ ان کو روک لو ان سے ابھی پوچھا جائے گا۔ (پ۲۳ سورہ صافات)

اس کی آیت کی تفسیر میں ابو سعید خدری اور سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ ولایت علی بن ابی طالبؑ کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ تفسیر واحدی، فردوس الاخبار دیلمی،

آخری مرحلہ اور سخت مرحلہ "پل صراط" کا ہے اسے عبور کر کے جنت میں داخل ہونا ہے، کہا جاتا ہے کہ بال سے باریک اور تلوار سے تیز جلا کیونکر عبور کیا جائے۔ اور کوئی راہ جنت میں جانے کی ہے نہیں لازماً ہر شخص کو وہاں سے گذرنا ہے۔ وَإِن مِّنكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا" سورہ مریم پارہ ۱۶) تم میں سے کوئی نہیں مگر یہ کہ وہ جہنم کی پل صراط سے ضرور گذرے گا اور یہ تیرے رب کا لازمی و یقینی فیصلہ ہے۔

لیکن حساب و کتاب سے فراغت کے بعد ہر شخص کو اس پل پر سے گزرنے کی اجازت نہیں ہو گی بلکہ وہاں "قسیم الجنۃ والنار" سے پروانہ لینا پڑے گا۔

عن علیؑ قال قال رسول اللہ اذا جمع اللہ الاولین والآخرین یوم القیمۃ ونصب الصراط علی جفیر جہنم ما جازھا احد حتی کانت معہ براۃ بولایۃ علی بن ابی طالب حضرت علی سے روایت ہے کہ فرمایا جناب رسول خدا نے کہ اللہ تعالیٰ جب روز قیامت اولین و آخرین کو جمع کرے گا اور جہنم پر پل صراط قائم کرے گا تو اس پر سے کوئی شخص نہ گزر سکے گا جب تک اس کے پاس ولایت علی کا پروانہ راہداری نہ ہو۔

قیس بن حازم سے روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابوبکر جناب امیر علیہ السلام سے ملے اور جناب امیر کو دیکھ کر مسکرانے لگے، جناب امیر علیہ السلام نے مسکرانے کی وجہ دریافت فرمائی تو کہا کہ میں نے جناب سرور کائنات صلعم کو فرماتے ہوئے سنا کہ قیامت کے دن علیؑ کے پروانہ راہداری اور "پاس" کے بغیر کوئی شخص پل صراط عبور نہ کر سکے گا، اسی قسم کی کافی حدیثیں صواعق محرقہ اور مناقب خوارزمی وغیرہ میں موجود ہیں مگر جن کے پاس ولایت علیؑ کا پروانہ نہ ہو گا، وہ کس طرح آئیں گے

...سے یعنی تفسیر در منثور
...علی تیرے شیعہ روزِ قیامت
...بلند درجات پر فائز ہوں گے۔ اس
...م فرمائیں، ہاں شیعہ خوشحال ہوں گے
...ی لڑیاں ہوں گی، محبتِ علیؑ بھی ہوگی اور
...والے اور غمِ امام مظلوم میں آنسو بہانے و...
...رنے والے، کوثر سے سیراب ہوں گے، جنابِ ... مظلوم
...کے لئے سفارش کریں گی، جنہوں نے ہمیشہ دنیا میں یادِ امام تازہ رکھی اور
...لق بنایا، جنہوں نے واقعاتِ کربلا سن کر ماتم کیا، دسویں کے دن مظلومِ کربلا
...کی تشنہ لبی، خاندانِ رسالت کی تباہی اور اہلِ بیت کی تاراجی کا ذکر سنا اور
...ادارو! آج روزِ عاشور کے واقعات سن لو کس طرح اہلِ بیت پر دسویں کا

روزِ عاشور

...ن ہے جدال و قتال کا　　ہاں خوں بہے گا آج محمدؐ کی آلؑ کا
...سرخ ہے زہراؑ کے لال کا　　گزری شبِ فراق دن آیا وصال کا

ہم وہ ہیں غم کریں گے ملک جن کے واسطے
راتیں تڑپ کے کاٹی ہیں اس دن کے واسطے

...عبادت اذکار اور قلق و اضطراب کے ساتھ ختم ہوئی۔ مشرقی افق پر سپیدۂ سحر
...امام پاک اور ان کے باوفا و خلوص ساتھیوں کو عرش کے پیچھے سے ندا آئی یا خیلؐ
...کے سوار و گھوڑوں پر سوار ہو جاؤ"، امام پاک نے اصحاب کو نماز کے لئے آواز دی
...مت مولا مظلوم نے ساتھیوں کو نمازِ صبح پڑھائی۔
...ہدیٰ نے کس خشوع و خضوع کے ساتھ فریضۂ سحری ادا کیا، سبحان اللہ کائنات کے
...غازیوں اور ممتاز غازیوں نے صفیں باندھیں، ان کی تکبیر و تسبیح و تہلیل و حمد و ثنا پر
...عبادتیں نثار، ساکنانِ عرش ان صحرائی عبادت گذاروں پہ قربان ہو رہے تھے جن کا

ں ملعون کو دُنیا ہی میں آگ کا مزہ چکھا۔ اِس اثنار میں اس کا گھوڑا بدکا، اور وہ گھوڑے
ا کہ اس کا ایک پاؤں رکاب میں الجھا رہا اور گھوڑا اس کو گھسیٹے ہوئے خندق کے کنارے
ں خندق میں گر کر لقمۂ آتش بن گیا۔ اور امام کی بد دُعا کا مستوجب ہو کر آگ میں جل کر مر گیا۔

روزِ عاشور اتمامِ حجت کیلئے امام علیہ السلام کا خطبہ

عمر بن سعد نے شبِ عاشور سردارانِ لشکر کو بلایا اور صبح طریقِ جنگ پر غور و خوض کیا۔ تمام سردار مع ابنِ سعد اس بات پر متفق ہوئے کہ دن کو یک لخت حسینؑ اُن کے اصحاب اور خیام پہ حملہ کر کے ان کو قتل کر دیا جائے اور ان کے اہل حرم اور مخدراتِ عصمت کو قید کر لیا جائے۔

چنانچہ صبح کے بعد یہ اشقیاء گھوڑوں پر سوار خیامِ مقدسہ کی جانب اس ارادے سے بڑھے لیکن تینوں جانب خندق اور اس میں بھڑکتی ہوئی آگ کی وجہ سے حملہ نہ کر سکے اور اِس ارادے میں وہ ناکام ہوئے۔ اب عمر بن سعد بالکل آمادۂ جنگ ہو گیا تھا۔ لشکر منظم ہو چکا تھا۔ اس وقت جناب امام حسینؑ سے پہلے بریر بن خضیر ہمدانی نے قومِ اشقیاء سے خطاب کیا۔ جس کا خلاصہ یہ ہے:

"اے گروہِ مردم! اللہ تعالیٰ سے ڈرو، فرزندِ رسولِ ثقلین تمہارے سامنے ہے۔ ان کی ہمراہی میں اس کی اولاد، عترت اور حرمِ محترم ہیں۔ ان کے بارے میں رسولِ خدا کی وصیت یاد کرو۔ اب وضاحت سے بیان کرو کہ تم ان کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہتے ہو"۔ ان لوگوں نے جواب دیا کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ حسینؑ کو عبید اللہ بن زیاد کے قابو میں دے دیں۔ اس کی جو رائے ہوگی، وہ سلوک کرے گا۔ جناب بریر نے کہا کہ "تم اس بات کو قبول نہیں کرتے کہ یہ جہاں سے آئے ہیں، واپس وہاں سلامتی کے ساتھ لوٹ جائیں، اے اہلِ کوفہ! تم پر سخت افسوس ہے۔ کیا تم اپنے خطوط بھول گئے ہو، اور تم نے وہ عہد توڑ دیئے ہیں، جن پر تم نے خداوند تعالیٰ کو گواہ بنایا تھا، تم پہ افسوس ہے کہ تم نے اہلِ بیتِ رسول کو بلایا۔ اور تمہارا گمان تھا کہ ہم اہلِ بیتِ رسول کی حفاظت میں جانیں قربان کر دیں گے جب وہ تمہارے پاس آپہنچے تو تم ان کو ابنِ زیاد کے پاس پہنچانے کی باتیں کرتے ہو، اور تم نے ان پہ فرات کا پانی بند کر دیا۔ واقعی تم اپنے رسولؐ کی بدترین امت ہو، ان کی ذریت کے

ساتھ تم ایسا سلوک کرتے ہو، خدا تمہیں روز قیامت کبھی سیراب نہ کرے، تم بدترین قوم ہو۔"

جناب بریر کا یہ کلام سن کر چند لوگوں نے جواب دیا "ہم نہیں سمجھتے آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ جناب بریر نے جواب دیا۔" الحمد للہ! خدا نے تمہارے مقابلے میں بصیرت عطا فرمائی ہے، خدایا! میں اس قوم کے افعال سے بیزار ہوں، پروردگار! اس شقی جماعت کو آپس میں ٹکرا۔ اور اس حالت میں تیرے پاس آئیں جبکہ تو ان پر سخت غضب میں ہو۔"

کہا جاتا ہے کہ اس کا جواب کوفیوں نے تیروں کے ساتھ دیا۔ جب امام علیہ السلام نے یہ دیکھا کہ بریر کا کلام ان پر اثر انداز نہیں ہوا، تو امام پاک نے سواری منگوائی، ناقہ پر سوار ہوئے، جناب رسول پاک کا عمامہ مبارک سر پہ رکھا، آپؐ کی چادر زیب تن کی، اور آپکی تلوار پہلو میں لٹکائی، عصا کے مشابہ جناب رسول پاکؐ کا حربہ ( ) ہاتھ میں لیا۔ عموماً جناب رسول پاکؐ سفروں میں اور روز عید ساتھ رکھتے، یہ تبرکات لے کر ناقہ پر سوار ہوئے، بعض روایات میں گھوڑے پر سواری لکھی ہے۔ لیکن بعض مورخین ناقہ پر سواری لکھتے ہیں۔ اور اس میں یہ مصلحت تحریر کرتے ہیں کہ گھوڑے کی نسبت اونٹ بلند ہوتا ہے۔ اور ہر شخص دیکھ سکتا ہے۔ چونکہ یہ لشکر عظیم تھا۔ اس واسطے بجائے گھوڑے کے ناقہ پر سوار ہوئے، تاکہ ہر شخص کانوں سے میرا کلام سن لے، اور اپنی آنکھوں سے مجھے دیکھ کر پہچان لے، تاکہ روز قیامت کوئی عذر نہ کر سکے، اور ہر شخص تک میرا کلام پہنچ سکے۔

"یا ایھا الناس اسمعوا قولی ولا تعجلوا حتیٰ اعظکم بما یحق لکم علیّ و حتیٰ اعذر الیکم فان من مقدمی الیکم اعطیتمونی النصف کنتم بذالک اسعد وان لم تعطونی النصف من انفسکم فاجمعوا رایکم ثم لا یکن امرکم علیکم غمۃ ثم اقضوا علی ولا تنظرون ان ولی اللہ الذی نزل الکتٰب وھو یتولی الصالحین۔

لوگو! میری بات سنو اور جلدی نہ کرو، تاکہ وعظ و نصیحت کا جو حق میرے ذمہ ہے، اسے پورا کر لوں، اور اپنے آنے کی وجہ وضاحت سے بیان کر دوں، پس اگر تم نے انصاف سے کام لیا۔ تو سعادت مند ہو جاؤ گے، اور اگر تم نے میری بات

ان کے متعلق بھی زبانِ رسالت سے سنئے تفسیر درمنثور، مناقب خوارزمی اور صواعق محرقہ وغیرہ میں ہے جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا اے علیؑ تیرے شیعہ روزِ قیامت راضی وخوش ہوں گے، ان کے چہرے نورانی ہوں گے اور جنّت کے بلند درجات پر فائز ہوں گے۔ اس قسم کی حدیثیں ہم نے "تاریخ الشیعہ" میں کافی درج کی ہیں، وہاں ملاحظہ فرمائیں۔ ہاں شیعہ خوشحال ہوں گے۔ ان کے ہاتھوں میں ولایت علیؑ کا پروانہ ہوگا، اور موتیوں کی لڑیاں ہوں گی، محبّت علیؑ بھی ہوگی اور عزائے حسینؑ بھی علیؑ کے فضائل بیان کرنے اور سننے والے اور غم امام مظلوم میں آنسو بہانے والے روزِ قیامت کامیاب ہوں گے۔ پیاسوں کا تذکرہ کرنے والے، کوثر سے سیراب ہوں گے، جناب زہراؑ اپنے مظلوم بیٹے کے غم میں رونے والوں کے لئے سفارش کریں گی، جنہوں نے ہمیشہ دنیا میں یادِ امام تازہ رکھی اور ذکرِ امام سے مجلسوں کو بارونق بنایا۔ جنہوں نے واقعاتِ کربلا سن کر ماتم کیا، دسویں کے دن مظلومِ کربلا کی غربت وبیکسی اور اہلِ بیت کی تشنہ لبی، خاندانِ رسالت کی تباہی اور اہلِ بیت کی تاراجی کا ذکر سنا اور برہنہ سر ہو کر ماتم بپا کیا عزادارو! آج روزِ عاشور کے واقعات سن لو۔ کس طرح اہل بیت پر دسویں کا دن طلوع ہوا

روزِ عاشور

ہاں غازیو! یہ دن ہے جدال وقتال کا ۔۔۔ یاں خوں بہے گا آج محمدؐ کی آلؑ کا
چہرہ خوشی سے سُرخ ہے زہراؑ کے لال کا ۔۔۔ گذری شبِ فراق دن آیا وصال کا
ہم وہ ہیں غم کریں گے ملک جن کے واسطے
راتیں تڑپ کے کاٹی ہیں اس دن کے واسطے

شبِ عاشور عبادت اذکار اور قلق واضطراب کے ساتھ ختم ہوئی، مشرقی اُفق پر سپیدہ سحر نمودار ہوا، جناب امام پاکؑ اور ان کے باوفا وخلوص ساتھیوں کو عرش کے پیچھے سے ندا آئی یا خیل اللہ اِرکبی، "خدا کے سوارو گھوڑوں پر سوار ہو جاؤ"، امام پاکؑ نے اصحاب کو نماز کے لئے آواز دی بعد اذان واقامت مولا مظلومؑ نے ساتھیوں کو نمازِ صبح پڑھائی۔

نرالے مجاہدین نے کس خشوع وخضوع کے ساتھ فریضۂ سحری ادا کیا، سبحان اللہ کائنات کے ان برگزیدہ غازیوں اور ممتاز غازیوں نے صفیں باندھیں، ان کی تکبیر وتسبیح وتہلیل وحمد وثنا پر ملائکہ کی لاکھ عبادتیں نثار، ساکنانِ عرش ان صحرائی عبادت گذاروں پہ قربان ہو رہے تھے جن کا

خشوع وخضوع یادگار رضا اور خلوص وعرفان میں ڈوبی ہوئی تسبیح وتقدیس کی آوازیں صحرا میں گونج رہی تھیں۔ اس نماز میں ان رشک قدسیوں کے امام مولا حسین علیہ السلام نے بعد حمد سورہ مبارکہ "صف" کی تلاوت فرمائی جس میں مجاہدین کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِہٖ صَفًّا کَاَنَّھُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ بے شک خدا ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کی راہ (جہاد) میں یوں پرا باندھ کر لڑتے ہیں۔ جیسے وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔

بعد از فراغت نماز مولائے مظلوم نے ہاتھ اٹھا کر یہ دعا مانگی اَللّٰھُمَّ اَنْتَ ثِقَتِیْ فِیْ کُلِّ کَرْبٍ وَاَنْتَ رَجَائِیْ فِیْ کُلِّ شِدَّۃٍ وَاَنْتَ لِیْ فِیْ کُلِّ اَمْرٍ نَزَلَ بِیْ ثِقَۃٌ وَعُدَّۃٌ کَمْ مِنْ کَرْبٍ یُضْعِفُ فِیْہِ الْفُؤَادُ وَتَقِلُّ فِیْہِ الْحِیْلَۃُ وَیَخْذُلُ فِیْہِ الصَّدِیْقُ وَیَشْمُتُ فِیْہِ الْعَدُوُّ اَنْزَلْتُہٗ بِکَ وَشَکَوْتُہٗ اِلَیْکَ رَغْبَۃً مِنِّیْ اِلَیْکَ عَمَّنْ سِوَاکَ فَفَرَّجْتَہٗ عَنِّیْ وَکَشَفْتَہٗ فَاَنْتَ وَلِیُّ کُلِّ نِعْمَۃٍ وَصَاحِبُ کُلِّ حَسَنَۃٍ وَمُنْتَہٰی کُلِّ رَغْبَۃٍ۔ اے اللہ تو ہر مصیبت میں میرا بھروسا اور ہر شدت میں میری امید گاہ ہے اور ہر اس مصیبت و پریشانی میں جو مجھے لاحق ہو مجھے تجھ ہی پر بھروسہ و اعتماد ہے۔ بہت سی ایسی مصیبتیں ہیں جن میں دل بیٹھ جاتا ہے، تدبیر ناکام ہو جاتی ہے، دوست چھوڑ جاتے ہیں، دشمن خوش ہوتے ہیں، میں نے تیری طرف رجوع کیا اور تیری بارگاہ میں ان کی شکایت کی کیونکہ میں نے تیرے غیر سے تعلق نہیں رکھا صرف تجھ ہی سے لگا رکھا، تو نے اپنے فضل وکرم سے ان مصیبتوں کو ٹال دیا اور دکھ دور کر دیئے تو ہی ہر نعمت کا ولی، ہر نیکی کا مالک اور ہر رغبت و امید کا مرجع ہے۔

خیام مطہرہ کے تینوں طرف جو خندق کھودی گئی تھی اور لکڑیاں اس میں بھر دی گئی تھیں، ان میں آگ جلائی گئی تاکہ دشمن ان تین طرفوں سے خیام مقدسہ پر حملہ نہ کر سکیں اور لڑائی کا رخ ایک طرف رہے، شمر ملعون ہتھیار اپنے ناپاک بدن پر سجا کر ادھر سے گذرا اور جلتی ہوئی آگ دیکھ کر بے ادب زبان دراز بلند آواز سے امام پاک علیہ السلام کو مخاطب کر کے کہنے لگا یا حسین تَعَجَّلْتَ بِالنَّارِ قَبْلَ یَوْمِ الْقِیَامَۃِ حسین! آپ نے قیامت قائم ہونے سے پہلے آگ روشن کرنے میں جلدی کی ہے۔ امام پاک نے اس لعین کا کلام سن کر فرمایا مَنْ ھٰذَا کَانَّہٗ شِمْرُ بْنُ ذِی الْجَوْشَنِ یہ کون ہے؟ غالباً شمر بن ذوالجوشن ہے۔

اصحاب نے عرض کی ہاں وہی ہے۔ مولا نے فرمایا او بکریاں چرانے والی عورت کے بیٹے

تو آگ کا مزہ چکھنے کا سب سے زیادہ حقدار ہے۔ جناب مسلم بن عوسجہ نے اسے تیر کا نشانہ بنانا چاہا، مگر امام پاک نے روک دیا۔ جناب مسلم بن عوسجہ نے عرض کی مولا! یہ دشمنِ خدا بڑا فاسق اور جابر و سرکش ہے اور اس وقت وہ میرے تیر کی زد میں ہے، میں اسے اسی وقت انجام کو پہنچا دوں۔ چونکہ اس وقت ابھی لڑائی شروع نہ ہوئی تھی۔ اس واسطے امام نے یہ فرما کر "فَاِنِّیْ اَکْرَہُ اَنْ اَبْدَءَ ہُمْ بِالْقِتَالِ" میں پسند نہیں کرتا کہ جنگ کی ابتدا اپنی طرف سے کروں۔ جناب مسلم کو منع کر دیا۔

ہر دو جانب سے لشکروں کی ترتیب

عمر بن سعد نے اپنے لشکروں کو اس طرح مرتب کیا کہ میمنہ (دائیں) پر عمرو بن حجاج زبیدی کو اور میسرہ (بائیں) پر شمر بن الجوشن کو، سواروں پر عزرہ بن قیس اور پیادوں پر شبیث بن ربعی کو افسر مقرر کیا اور اس لشکر کا علم اپنے غلام "درید" کے سپرد کیا۔ عمر بن سعد کا تو لشکر تھا لشکرِ جرّار جسے مؤرخین نے تیس ہزار سے دو لاکھ تک تحریر کیا ہے۔ روایات متواترہ تیس تیس ہزار اور پچاس پچاس ہزار سے اوپر تک کی ہیں۔

اس کے مقابلے میں امامِ مظلوم جناب سیّد الشہداء علیہ السّلام کی تعداد بہتّر (۷۲) سے لے کر ایک سو پینتالیس (۱۴۵) تک ہے۔ کم از کم بہتّر اور زیادہ سے زیادہ ایک سو پینتالیس۔

جنابِ آقائے مظلوم نے اپنی مختصر سی جماعت کو اس طرح منظم کیا کہ میمنہ (دائیں جانب) پر زہیر بن قین اور میسرہ پر (بائیں جانب) حبیب بن مظاہر کو افسر مقرر فرمایا۔ اور اس قدسی صفات جماعت کا علمبردار جناب ابوالفضل العباس کو قرار دیا۔

ایک اور شقی کی بے ادبی اور امام علیہ السلام کی بددعا

ایک بد باطن شقی جس کا نام جویرہ مزنی تھا۔ گھوڑے پر سوار خندق کے قریب آیا اور اس طرح اپنی شقاوت کا اظہار کرنے لگا: "یَا حُسَیْنُ وَیَا اَصْحَابَ الْحُسَیْن! اَبْشِرُوْا بِالنَّارِ فَقَدْ تَعَجَّلْتُمُوْہَا فِی الدُّنْیَا"۔ اے حسین اور اے اصحابِ حسین! تمہیں آتشِ جہنم کی خوش خبری ہو کہ تم نے دنیا ہی میں اس کے حاصل کرنے میں جلدی کی ہے۔ جناب امام پاک نے فرمایا یہ کون ہے؟ بتایا گیا کہ یہ ابنِ ابی جویرہ ہے۔ آپ نے اس دریدہ دہن گستاخ کے جواب میں فرمایا: "اَتُبَشِّرُنِیْ بِالنَّارِ وَاَنَا قَادِمٌ عَلٰی رَبٍّ کَرِیْمٍ" کیا تو مجھے آگ کا طعنہ دیتا ہے۔ حالانکہ میں ربّ کریم کے پاس جانے والا ہوں۔ اس کے بعد آپ نے یوں بددعا دی: "اَللّٰہُمَّ اَذِقْہُ عَذَابَ النَّارِ"

فِی الدُّنیا" خدایا! اس ملعون کو دُنیا ہی میں آگ کا مزہ چکھا۔ اِس اثناء میں اس کا گھوڑا بدکا اور وہ گھوڑے کی پشت سے اِس طرح گرا کہ اس کا ایک پاؤں رکاب میں الجھا رہا اور گھوڑا اس کو گھسیٹے ہوئے خندق کے کنارے لے آیا۔ اور وہ ملعون اِس خندق میں گر کر لقمۂ آتش بن گیا۔ اور امام کی بددعا کا مستوجب ہو کر آگ میں جل کر مر گیا۔

روزِ عاشور اتمامِ حجت کیلئے امام علیہ السلام کا خطبہ

عمر بن سعد نے شبِ عاشور سردارانِ لشکر کو بُلایا اور صبح طریقِ جنگ پر غور و خوض کیا۔ تمام سردار مع ابنِ سعد اس بات پر متفق ہوئے کہ دن کو یک لخت حسینؑ، اُن کے اصحاب اور خیام پہ حملہ کر کے ان کو قتل کر دیا جائے اور ان کے اہلِ حرم اور مخدراتِ عصمت کو قید کر لیا جائے۔

چنانچہ صبح کے بعد یہ اشقیاء گھوڑوں پر سوار خیامِ مقدسہ کی جانب اس ارادے سے بڑھے لیکن تینوں جانب خندق اور اس میں بھڑکتی ہوئی آگ کی وجہ سے حملہ نہ کر سکے اور اِس ارادے میں وہ ناکام ہوئے۔ اب عمر بن سعد بالکل آمادۂ جنگ ہو گیا تھا۔ لشکر منظم ہو چکا تھا۔ اس وقت جناب امام حسینؑ سے پہلے بریر بن خضیر ہمدانی نے قومِ اشقیاء سے خطاب کیا۔ جس کا خلاصہ یہ ہے:

"اے گروہِ مردم! اللہ تعالیٰ سے ڈرو، فرزندِ رسولِ ثقلین تمہارے سامنے ہے۔ ان کی ہمراہی میں اس کی اولاد، عترت اور حرمِ محترم ہیں۔ ان کے بارے میں رسولِ خُدا کی وصیّت یاد کرو۔ اب وضاحت سے بیان کرو کہ تم ان کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہتے ہو"۔ ان لوگوں نے جواب دیا کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ حسینؑ کو عبداللہ بن زیاد کے قابو میں دے دیں۔ اس کی جو رائے ہوگی وہ سلوک کرے گا۔ جناب بریر نے کہا کہ "تم اس بات کو قبول نہیں کرتے کہ یہ جہاں سے آئے ہیں، واپس وہاں سلامتی کے ساتھ لوٹ جائیں، اے اہلِ کوفہ! تم پر سخت افسوس ہے۔ کیا تم اپنے خطوط بھول گئے ہو؟ اور تم نے وہ عہد توڑ دیئے ہیں، جن پر تم نے خداوند تعالیٰ کو گواہ بنایا تھا، تم پر افسوس ہے کہ تم نے اہلِ بیتِ رسول کو بلایا۔ اور تمہارا گمان تھا کہ ہم اہلِ بیتِ رسول کی حفاظت میں جانیں قربان کر دیں گے جب وہ تمہارے پاس آپہنچے تو تم ان کو ابنِ زیاد کے پاس پہنچانے کی باتیں کرتے ہو، اور تم نے ان پہ فرات کا پانی بند کر دیا۔ واقعی تم اپنے رسولؐ کی بدترین امّت ہو، ان کی ذریّت کے

ساتھ تم ایسا سلوک کرتے ہو، خدا تمہیں روز قیامت کبھی سیراب نہ کرے، تم بدترین قوم ہو۔

جناب بریر کا یہ کلام سن کر چند لوگوں نے جواب دیا "ہم نہیں سمجھتے آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ جناب بریر نے جواب دیا۔" الحمد للہ! خدا نے تمہارے مقابلے میں بصیرت عطافرمائی ہے، خدایا! میں اس قوم کے افعال سے بیزار ہوں، پروردگار! اس شقی جماعت کو آپس میں ٹکرا۔ اور اس حالت میں تیرے پاس آئیں جبکہ تو ان پر سخت غضب میں ہو"

کہا جاتا ہے کہ اس کا جواب کوفیوں نے تیروں کے ساتھ دیا۔ جب امام علیہ السلام نے یہ دیکھا کہ بریر کا کلام ان پر اثر انداز نہیں ہوا، تو امام پاک نے سواری منگوائی، ناقہ پر سوار ہوئے، جناب رسولِ پاک کا عمامہ مبارک سر پہ رکھا، آپؐ کی چادر زیب تن کی، اور آپکی تلوار پہلو میں لٹکائی، عصا کے مشابہ جناب رسولِ پاکؐ کا حربہ (   ) ہاتھ میں لیا۔ عموماً جناب رسولِ پاکؐ سفروں میں اور روزِ عید ساتھ رکھتے، یہ تبرکات لے کر ناقہ پر سوار ہوئے، بعض روایات میں گھوڑے پر سواری لکھی ہے۔ لیکن بعض مورخین ناقہ پر سواری لکھتے ہیں۔ اور اس میں یہ مصلحت تحریر کرتے ہیں کہ گھوڑے کی نسبت اونٹ بلند ہوتا ہے۔ اور ہر شخص دیکھ سکتا ہے۔ چونکہ یہ لشکر عظیم تھا۔ اس واسطے بجائے گھوڑے کے ناقہ پر سوار ہوئے، تاکہ ہر شخص کانوں سے میرا کلام سن لے، اور اپنی آنکھوں سے مجھے دیکھ کر پہچان لے، تاکہ روزِ قیامت کوئی عذر نہ کر سکے، اور ہر شخص تک میرا کلام پہنچ سکے۔

"یا ایھا الناس اسمعوا قولی ولا تعجلوا حتیٰ اعظکم بما یحق لکم علیّ و حتیٰ اعذر الیکم فان من مقدمی الیکم اعطیتمونی النصف کنتم بذالک اسعد وان لم تعطونی النصف من انفسکم فاجمعوا رایکم ثم لا یکن امرکم علیکم غمۃً ثمّ اقضوالی ولا تنظرون انّ ولیّ اللہ الذی نزل الکتٰب وھو یتولی الصالحین۔

لوگو! میری بات سنو اور جلدی نہ کرو، تاکہ وعظ و نصیحت کا جو حق میرے ذمہ ہے، اسے پورا کر لوں، اور اپنے آنے کی وجہ وضاحت سے بیان کر دوں۔ پس اگر تم نے انصاف سے کام لیا۔ تو سعادت مند ہو جاؤ گے، اور اگر تم نے میری بات

نہ مانی اور انصاف نہ کرو گے تو پھر اپنی قوت کو جمع کر لو اور مجھے ہرگز مہلت نہ دو۔ تاکہ تم پر تمہارا کام اور اس کی حقیقت پوشیدہ نہ رہ جائے' میرا نگران وہ اللہ ہے۔ جس نے کتاب نازل فرمائی' اور وہ نیک لوگوں کو دوست رکھتا ہے"۔ اس کے بعد آپ نے حمد و ثنائے خدا بیان کی' خدا کا ان اوصاف کے ساتھ ذکر کیا' جن کا وہ مستحق ہے۔ بعد ازاں پاک پیغمبرؐ' ان کی آل' ملائکہ مقربین اور انبیاء مرسلین پر درود بھیجا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ اس سے زیادہ فصیح و بلیغ خطبہ ان سے پہلے اور ان کے بعد کسی سے نہیں سُنا گیا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا:

اما بعد! یا اهل الکوفة، فانسبونی وانظروا من انا! ثم ارجعوا الیٰ انفسکم وعاتبوها فانظروا هل یصلح لکم قتلی وانتهاک حرمتی الستُ ابنَ نبیکم وابن وصیه وابن عمّه واول المومنین المصدق لرسول الله صلی الله علیه واله وسلم بما جاء به من عند ربّه اولیس حمزة سیّد الشهداء عمّ ابی اولیس جعفرا لطیار فی الجنة بجناحین عمّی اولم یبلغکم ما قال رسول الله صلی الله علیه واله وسلم لی ولاخی هذان سیّدا شباب اهل الجنة فان صدقتمونی بما اقول وهو الحق والله ما تعمدت کذباً منذ علمت انّ الله یمقت علیه اهله وان کذبتمونی فانّ فیکم من ان سئلتموه عن ذالک اخبرکم سلوا جابر بن عبدالله انصاری وابا سعید الخدری وسهل ابن سعد الساعدی وزید بن ارقم وانس بن مالك یخبروکم انهم سمعوا هذه المقالة من رسول الله صلی الله علیه وسلم لی ولاخی اما فی هذا حاجز لکم عن سفك دمی۔

" اے اہل کوفہ! میرے نسب پر غور کرو' اور دیکھو میں کون ہوں' پھر اپنے آپ کی طرف خیال کرو' یعنی مجھے کہ میں کون ہوں' اور اپنے آپ کو دیکھو کہ تم کون ہو۔ پھر اپنی آپ ملامت کرو۔ کیا میرا قتل اور میری ہتک حرمت تمہیں روا ہے؟ کیا میں تمہارے پیغمبر کا فرزند نہیں؟ کیا اس کے وصی اور چچا زاد

بھائی کا بیٹا نہیں؟ کیا میں اس کا فرزند نہیں جو سب سے پہلے رسول اللہ پر ایمان لایا۔ اور جو کچھ رسول پاک خدا کی طرف سے لائے، اس کی تصدیق کی، کیا جناب حمزہ جو اپنے زمانے کے سید الشہداء ہیں۔ میرے باپ کے چچا نہیں، کیا جعفر طیار جو کہ جنت میں اپنے دونوں پروں کے ساتھ پرواز کرتے ہیں۔ میرے چچا نہیں؟ کیا تمہارے کانوں میں جناب رسول اللہؐ کی یہ حدیث نہیں پہنچی۔ جو انہوں نے میرے اور میرے بھائی حسن کے حق میں فرمائی تھی، کہ یہ دونوں جنت کے جوانوں کے سردار ہیں۔ اگر تم اس کی تصدیق کرتے ہو، جو کچھ میں کہہ رہا ہوں، جبکہ وہ بالکل حق ہے اور میں نے کبھی بھی دروغ گوئی نہیں کی، اور اگر تم مجھے ان باتوں میں سچا نہیں سمجھتے، تو ابھی وہ لوگ موجود ہیں اور زندہ ہیں۔ وہ تمہیں بتا دیں گے، اور میرے قول کی تصدیق کریں گے، جنہوں نے خود رسول اللہؐ سے یہ باتیں سُنی ہیں۔ مثلاً جابر بن عبداللہ انصاری، ابوسعید خدری، سہل بن سعد ساعدی، زید بن ارقم، اور انس بن مالک، ان سے دریافت کرو، وہ تمہیں بتائیں گے کہ انہوں نے یہ حدیث جناب رسول اللہؐ سے سُنی ہے، جو انہوں نے میرے اور میرے بھائی کے حق میں ارشاد فرمائی، کیا اس میں میرے خون بہانے سے روکنے والی کوئی چیز نہیں ہے؟ ان کے باوجود تم میرا قتل جائز جانتے ہو؟

"یا قوم فان کنتم فی شکٍ مِنْ ذالکَ أفتشکّونَ إنّی ابْنُ بنتِ نبیّکُمْ فواللہ مَا بینَ المشرقِ والمغربِ ابْنُ بنتِ نبیٍّ غیری فیکم ولا فی غیرکم وَ یحکم أتطالبونِی بقتیلٍ منکم قتلتُہُ أوْ مالٍ إستملکتُہُ أوْ بقصاصٍ مِنْ جرحٍ فَاَخَذُوا الا یکلمونَہُ"

"اے لوگو! اگر تمہیں میری ان فضیلتوں میں شک ہے۔ تو اس بارے میں تو کوئی شک نہیں کہ میں تمہارے پیغمبرؐ کی دختر کا بیٹا ہوں۔ خدا کی قسم! اس وقت مشرق و مغرب میں یعنی سارے جہان میں سوائے میرے کوئی سبطِ نبی نہیں ہے، نہایت افسوس ہے، کیا میں نے تمہارا کوئی آدمی قتل کیا ہے۔ یا کوئی مال غصب کیا ہے۔ جس کا مجھ سے مطالبہ کرتے ہو۔ یا کسی کو زخمی کیا ہے، جس کا مجھ سے قصاص طلب کرتے ہو؟"

جب امام پاک خطبہ پڑھ رہے تھے تو فوجِ اشقیاد پر سناٹا چھایا ہوا تھا۔ اور لوگ ہمہ تن گوش ہو کر محوِ سماعت تھے۔ امام پاک نے قرآن مجید کھول کر سامنے رکھا ہوا تھا۔ ادھر تو خاموشی طاری تھی، لیکن خیام میں کہرام مچا ہوا تھا۔ کیونکہ امام پاک کا احتجاج اس قسم کا تھا، جس سے صاف معلوم ہوتا تھا کہ امام پاک اب قتل سے بچتے نہیں۔ کیونکہ اس قدر دلائل و ثبوت پیش کئے اور ایسا احتجاج کیا کہ اگر پتھر بھی کان اور دل رکھتے تو یہ کلام سن کر پانی ہو جاتے۔ یہود و نصاریٰ بھی ہوتے تو وہ بھی اس فعلِ شنیع سے باز آجاتے، لیکن یہ شام و عراق کے مسلمان ہی تھے جو بے رحمی اور سنگ دلی میں بے مثال تھے۔ عاشور کا دن شہیدوں کی موت کا پیغام لا چکا تھا۔ اور ہر بی بی اپنے وارث، بھائی، بیٹے، بھتیجے اور بھانجے کی شکل دیکھ کر اور بھیانک مستقبل دیکھ کر آنسو بہا رہی تھی، جناب حسینؑ نے قمر بنی ہاشم اور شہزادہ علی اکبرؓ کو خیموں میں مخدراتِ عصمت کو تسکین دینے کے لئے بھیجا، چونکہ ایک عظیم قلق اور شدید اضطراب تھا، امام پاک نے اِن دونوں کو اس واسطے بھیجا کہ ان کی شکل دیکھنے سے بی بیوں کے بے چین دِل سکون میں آجاتے تھے، دراصل مختصر فوج میں یہی دو جوان ان کے اضطراب کا سہارا تھے۔ اِن کی امنگوں کے مرکز اور حفاظت، عزت و ناموس کا اعتماد تھے، علاوہ ازیں ایک صورت پیغمبرؐ کی شبیہہ تھی۔ دوسرا ہم شکلِ علیؑ تھا ان دونوں کی صورتیں خیام میں مخدرات کی تسکین کا باعث تھیں۔ یہ دونوں جوان گئے، فرمانِ امام پہنچایا کہ ابھی رونے کا وقت بہت پڑا ہے۔ خاموشی اور سکون اختیار کرو، یہ سنتے ہی سب پر خاموشی ہو گئیں اور امام علیہ السلام نے نے خطبہ جاری رکھا۔

لطف کی بات یہ ہے کہ پیاسے کی زبان اور بھوک کے حلقوم سے اس طرح بارعب الفاظ نکل رہے ہیں کہ ہزاروں کے مجمع میں ہر شخص امام کا کلام سُن رہا ہے۔ اور سمجھ رہا ہے۔

امام پاک یہ خطبہ دونوں صفوں کے درمیان فوجِ اشقیار کی طرف رُخ کر کے بیان کر رہے تھے۔ جب امام پاک نے دیکھا کہ یہ لوگ کسی صورت میں بھی میرے قتل سے باز نہیں آتے، یہ دین فروخت کر کے دنیا خرید چکے ہیں۔ زر و دولت، اور طمعِ جاگیر میں میرے خون بہانے پر مصر ہیں۔ تو امام پاک نے قرآن مجید کھول کر ان کے سامنے کیا، اور فرمایا :-

میرے اور تمہارے درمیان یہ کتابِ خدا ہے، تم میں اس کے پڑھنے والے موجود ہیں

قرآن کی کس آیت سے میرا قتل روا سمجھتے ہو"۔

اس مقام پر شمر لعین نے کچھ نازیبا الفاظ کہے۔ جس کا جواب مولا نے کچھ نہ دیا۔ البتہ حبیب بن مظاہر نے کہا کہ تو بڑا مکار و عیار ہے۔ تیرے دل و دماغ پر نفاق و ضلالت کی مہر لگ چکی ہے، تو امام علیہ السلام کا کلام سن رہا ہے لیکن سمجھنا نہیں چاہتا۔

جناب امام علیہ السلام نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے چند اشقیاء کو نام لے کر پکارا :۔

"یا شبث بن ربعی یا حجار بن ابجر یا قیس ابن الاشعث و یا یزید بن الحارث

الم تکتبوا الی ان قد اینعت الثمار و اخضر الجنان و انما تقدم

علی جند لک مجند فاقبل"۔

اے شبث بن ربعی، اے حجار بن ابجر، اے قیس بن اشعث، اے یزید بن حارث !

کیا تم نے مجھے متواتر یہ خطوط نہ لکھے تھے کہ پھل پک چکے ہیں۔ اور باغات سرسبز ہیں۔

آپ جلد تشریف لاویں، آپ کی حمایت کے لئے لشکر تیار ہو چکے ہیں"۔ شبث بن

ربعی نے جواب دیا کہ "میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں"۔

تاریخیں بیان کرتی ہیں کہ ان عہد شکن اور بے وفا کوفیوں نے نہایت ڈھٹائی سے کہا کہ ہم نے ایسے خطوط نہیں لکھے۔ شبث بن ربعی نے یہ بھی کہا کہ آپ یزید بن معاویہ کی اطاعت کیوں قبول نہیں کر لیتے، اس کے جواب میں مولا نے فرمایا : لا واللہ لا اعطیکم بیدی اعطاء الذلیل و لا اقر لکم اقرار العبید"۔ (خدا کی قسم ! میں اپنا ہاتھ کسی کے ہاتھ میں ذلیل ہو کر (بطور بیعت) ہرگز نہ رکھوں گا اور نہ ہی غلاموں کی طرح اقرار کرنے کی عار گوارا کروں گا)

اس کے بعد جناب امام علیہ السلام نے پکار کر فرمایا :۔

"یا عباد اللہ انی عذت بربی و ربکم ان ترجمون و اعوذ بربی و

ربکم من کل متکبر لا یؤمن بیوم الحساب"۔ (میں نے اپنے

رب اور تمہارے رب کی پناہ مانگی ہے کہ تم مجھے پتھروں کا نشانہ بناؤ، اور اپنے

اور تمہارے رب کی پناہ میں آتا ہوں، ایسے متکبر کی شر سے جو روز قیامت پر ایمان

نہیں رکھتا)

اتنا فرما کر آپ نے عقبہ بن سمعان کو بلایا۔ اور ناقہ بٹھا کر مہار اس کے ہاتھ میں دے دی۔ اور اس کو باندھ دینے کا حکم دیا۔ اور آپ اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے، جس کا نام مرتجز ہے۔ اور

ذوالجناح مشہور ہے۔

اس کے بعد جناب زہیر بن قین نے بھی خطبہ پڑھا۔ اور اس میں کافی وعظ و نصیحت کی، مگر ان ازلی بدبختوں اور خبیث روحوں پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اور فوجیں جنگ پر آمادہ ہوگئیں، ہاں اثر ہوا تو اس سعید رُوح پر جو فوج ابن سعد میں جنت و دوزخ کے درمیان کھڑا کانپ رہا تھا اور دین یا دنیا میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کی سوچ رہا تھا، آخرکار اس کا ستارۂ اقبال چمکا۔ اور سعادت نے اسے نصرتِ امام پر آمادہ کر لیا۔

جناب حُر رحؒ کا خدمتِ امام پاکؑ میں حضور

اب ابن سعد نے دیکھا کہ زیادہ تاخیر کرنے سے فوج کے بگڑنے کا احتمال ہے۔ ایسا نہ ہو کہ فرزندِ رسول کی تقریر سے کچھ افراد متاثر ہو کر ہمیں چھوڑ جائیں۔ چنانچہ اُس نے بلند آواز سے پکار کر اپنی فوج کو حملہ کرنے کا حکم دے دیا۔ حُر پر لشکر کی تنظیم آمادگیٔ قتال دیکھ چکا تھا۔ اور خود بھی ایک دستہ کا افسر مقرر ہو چکا تھا۔ چنانچہ بریر و زہیر اور امام پاک کے خطبے اور دیکھ چکا تھا کہ ان مصالحانہ کوششوں اور ناصحانہ باتوں کا جواب، طعنوں، گالیوں اور تیروں سے دیا جا رہا ہے" اور اب حسینی جماعت پر حملہ کی پوری تیاری ہو چکی ہے۔ زیادہ ضبط نہ کر سکا۔ عمر بن سعد کے پاس جا کر پوچھنے لگا: " اُمُقَاتِلٌ اَنْتَ هٰذَا الرَّجُلَ؟ (کیا واقعی تم ان سے جنگ کرنا چاہتے ہو"۔ عمر نے بڑے اطمینان کے ساتھ جواب دیا۔" اِیْ وَاللهِ قِتَالاً اَیْسَرُہٗ اَنْ تَسْقُطَ الرُّؤُسُ وَتَطِیْحَ الْاَیْدِیْ"۔ (ہاں، خدا کی قسم ضرور لڑوں گا اور ایسا لڑوں گا کہ سر کٹ کٹ کر گر پڑیں گے، اور ہاتھ بدنوں سے جُدا ہو جائیں گے) اس کے بعد حُر واپس آ گیا۔ اور اُس نے دوزخ کو چھوڑ کر جنت میں جانے، باطل سے علیحدہ ہونے، حق کی رفاقت، ظلم سے کنارہ کر کے مظلوم کی نصرت کا اِس نے پختہ ارادہ کر لیا۔ اس کی سعید رُوح اُسے مکمل فیصلہ سُنا چکی تھی، اور اسی فیصلہ پر عمل کرنے کی تدبیر سوچنے لگا۔ اُس نے دل میں خیال کیا۔ کہ اگر اسی وقت، اسی جگہ اپنے فیصلہ کا اظہار کر دوں تو ہو سکتا ہے کہ یہ لوگ مجھے یہیں سے گرفتار کر لیں۔ اور میں نصرتِ امام اور رتبۂ شہادت سے محروم رہ جاؤں، اس اثناء میں اُس کے قبیلہ کا ایک آدمی قُرّہ بن قیس اس کے قریب گیا۔ حُر نے اس سے کہا کہ تُو نے گھوڑے کو پانی نہیں پلایا؟ اِس نے کہا نہیں، حُر نے کہا کہ کیا پانی پلانے کا ارادہ نہیں ہے؟ قُرّہ یہ سمجھ گیا کہ حُر کو میرا قریب رہنا گوارا نہیں، وہ ہٹ گیا۔ حُر نے اپنا گھوڑا الگ کر لیا۔ قرّہ نے سمجھا کہ شاید پانی کے لئے جا رہا ہے۔

مہاجر بن اوس فوجِ ابنِ سعد کا ایک آدمی ہے ، اس کا بیان ہے کہ میں نے دیکھا ، حُر کا بدن کانپ رہا تھا۔ میں نے خیال کیا کہ جنگ کا نقشہ دیکھ کر حر ڈر گیا ہے۔ اس لئے میں نے اس سے پوچھا حُر! خلافِ معمول آج میں تمہاری کیا حالت دیکھ رہا ہوں تم تو شجاعانِ عرب کے سرمایۂ ناز اور دلیرانِ عراق کے مایۂ اعزاز ہو کئی لڑائیوں میں آپ کے ساتھ شامل رہا۔ مگر کسی معرکہ میں آپ کی ایسی حالت میں نے نہیں دیکھی۔ جیسی آج دیکھ رہا ہوں، حُر کچھ آگے بڑھ گئے اور وہیں سے جواب دیا۔ کہ میرے قلبی انتشار اور ذہنی اضطراب کی وجہ یہ ہے کہ میں حق و باطل اور جنّت و دوزخ اختیار کرنے میں متردّد تھا۔ اب میں نے حق کی حمایت اور نصرتِ امام پاک کا فیصلہ کر لیا ہے۔ دوزخ کا کنارہ چھوڑ کر جنّت کی طرف جا رہا ہوں، ظالموں سے الگ ہو کر مظلوموں کی صف میں مل رہا ہوں، یہ فرما کر حُر آگے بڑھ کر رفیقانِ امام میں شامل ہو گئے۔ ملّاح کو انتظار تھا، اب کشتیٔ نجات کا آخری سوار شامل ہو گیا۔ جناب حُر بارگاہِ امام کی طرف جا رہے تھے۔ انہیں اپنی بے اعتدالیاں یاد آ رہی تھیں، جو جو زیادتیاں اس نے امام علیہ السلام پہ ابنِ زیاد کے خوف سے کی تھیں۔ ان پر پشیمان ہو رہے تھے۔ چنانچہ گھوڑے پر سوار جا رہے تھے، سر پہ ہاتھ رکھا ہوا ہے۔ اور یہ الفاظ ان کی زبان پہ جاری ہیں:

" اَللّٰھُمَّ اِلَیْکَ اَنَبْتُ فَتُبْ عَلَیَّ فَقَدْ اَرْعَبْتُ قُلُوْبَ اَوْلِیَاءِکَ وَاَوْلَادِ بِنْتِ نَبِیِّکَ " (خدایا! میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں، میری توبہ قبول فرما کیونکہ میں نے تیرے اولیاء کے دل، اور تیرے پیغمبر کی عترت کے دل ڈرائے ہیں، سپاہِ حسینی کے قریب پہنچ کر حُر نے ڈھال بدل دی، جو اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ وہ جنگ کے ارادے سے نہیں آ رہا۔ چنانچہ کسی نے رکاوٹ نہیں کی،

جب حُر امام حسین علیہ السلام کے بالکل قریب پہنچ گیا تو گھوڑے سے اُتر کر امام پاک کے قدموں پر گر پڑا۔ اور عرض کی، "مولا! معافی کا طالب ہوں۔ میں نے آپ کے ساتھ بہت زیادتیاں کی ہیں۔ آپ کریم ابنِ کریم ہیں، میں سچے دل سے اپنے مظالم کی معافی کا طالب ہوں۔ کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ مولا نے بکمالِ شفقت و رحمت فرمایا: مَنْ تَکُوْنُ اِرْفَعْ رَاْسَکَ؟ (تو کون ہے؟ اپنا سر تو اُٹھا) حُر نے سر اٹھایا۔ آستانِ مقدس کے بوسے لئے، اور عرض کی، "فرزندِ رسول! میں آپ پر قربان ہو جاؤں، میں وہی حُر ہوں جس نے آپ کا راستہ روکا، اور آپ کو واپس نہ جانے دیا۔ حُر سر کو جھکائے ہوئے اپنی غلطیاں بھی شمار کر رہا تھا۔ اور زار و قطار رو بھی رہا تھا۔ اپنے جرموں پر

پشیمان ہو کر کہہ رہا ہے کہ مولا آپ کی شانِ کریمی یہ ہے کہ آپ نے مجھے میرے لشکر اور میرے گھوڑوں سمیت پانی سے سیراب کیا۔ لیکن میری گستاخی یہ ہے کہ میں نے آپ کو دریا کے نزدیک نہ اُترنے دیا۔ جس کی وجہ سے آلِ رسول پیاس سے بے تاب ہے۔ میں نے آپ کو گھیر کر کربلا کے چٹیل میدان میں آتارا۔ میں نے بتول زادیوں کے دل ڈرائے، بنی ہاشم کی مستورات اور کم سن بچوں کو جنگل میں اتارا۔ میری وجہ سے ان کے دل گھبرائے۔ اگر میں آپ کا راستہ نہ روکتا تو اولادِ رسول بیابانوں میں پریشان حال اور پیاسی نہ رہتی۔ مولا! آپ میری وجہ سے دشمنوں میں گھر گئے ہیں۔ میں اپنے جرموں کا اقرار کرتا ہوں۔ مولا! میں اس لائق نہیں کہ آپ کو دیکھ سکوں، میرا خیال تھا کہ لڑائی تک نوبت نہ آئے گی۔ اور مصالحانہ تجویزیں کامیاب ہو جائیں گی۔ مولا! کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے۔ مولا نے فرمایا۔ "نَعَمْ يَتُوبُ اللهُ عَلَيْكَ" ہاں خدا تیری توبہ قبول فرمائے گا۔

مُثِیرُ الاَحزان کی روایت ہے کہ حُرّ نے خدمتِ امام میں، یہ بھی عرض کیا کہ فرزندِ رسول جس روز عبداللہ بن زیاد نے مجھے آپ کی طرف روانہ کیا اور میں اس کے محل سے باہر نکلا، تو میرے پیچھے سے آواز آئی، اے حُرّ! تجھے خیر و خوبی کی خوش خبری ہو۔ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو کسی کو نہ پایا۔ میں حیران ہوا کہ یہ خوش خبری کیسی، میں تو فرزندِ رسول کے ساتھ لڑنے جا رہا ہوں۔ اور اس وقت آپ کی اطاعت اور نصرت کا کوئی خیال نہ تھا۔ لیکن اب اس خوشخبری کی تصدیق ہو گئی ہے۔ میرے اقدام کا آغاز بُرا تھا لیکن انجام اچھا نکلا۔ امام عالی مقام نے فرمایا۔ لَقَدْ اَصَبْتَ اَجْرًا وَّخَيْرًا۔ یقیناً تُو نے اجر اور بھلائی کو حاصل کر لیا ہے۔ کسی شاعر نے جنابِ حُرّ کے متعلق کہا ہے:۔

نار سے نوری ہوئے اللہ رے واہ نصیب حُرّ
خوبیٔ قسمت کو اکسیرِ طلا ملتا نہیں

حر کا فوجِ یزید کو نصیحت کرنا

حُرّ نے خطائیں معاف کرانے کے بعد جناب امام حسین علیہ السلام سے اِذنِ جہاد طلب کیا اور عرض کیا کہ مولا! سب سے پہلے میں نے آپ کا مقابلہ کر کے راستہ روکا ہے۔ اب

چاہتا ہوں کہ سب سے پہلے میں ہی آپ پر جان قربان کروں، مولانے اجازت فرمائی، حُرّ لشکرِ ابنِ سعد کی طرف بڑھے، اور اہلِ کوفہ کو یوں خطاب کیا۔" اے اہلِ کوفہ! تمہاری مائیں تمہارے سوگ میں بیٹھیں۔ اور تم پر روئیں۔ تم نے اِس عبدِ صالح کو بلایا۔ جب وہ تمہارے پاس آگئے تو تم نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اور اس کے دشمنوں کے مددگار ہوگئے۔ حالانکہ تم نے وعدہ کیا تھا کہ اُن کے ساتھ مل کر جہاد کروگے، اب وہ تمہارے ہاتھوں اسیر ہیں، اور تم نے ان کے تمام اہلِ بیت اور ساتھیوں کو فرات کے بہتے ہوئے پانی سے روک دیا ہے۔ جس سے تمام یہود و نصاریٰ اور مجوس سیراب ہو رہے ہیں۔ یہاں تک کہ کتے اور سؤر بھی اس کا پانی پیتے ہیں۔ اور ایک آلِ محمدؐ غریب ہیں کہ پیاس کے صدموں سے گرے پڑتے ہیں۔ تم نے جنابِ رسولؐ کے بعد ان کی اولاد سے بہت بُرا سلوک کیا ہے۔ خدا تمہیں قیامت کے پیاس والے دن سیراب نہ کرے"

عمر ابنِ سعد کی طرف سے جنگ کا آغاز اور افواج حسین پر پہلا حملہ

جب حُرّ کا پہلا کلام ختم ہوا تو لوگوں نے جواب میں تیر چلائے، یہ حالت دیکھ کر حُرّ نے تقریر بند کر دی اور واپس آکر خدمتِ امام میں کھڑے ہوگئے۔ سورج کافی بلند ہو چکا تھا، دھوپ چڑھ چکی تھی، عمر ابنِ سعد جنگ چھیڑنے میں جلدی کرنا چاہتا تھا۔ جنابِ حُرّ کی پُر جوش تقریر سُن کر اُس نے اپنے غلام دُرید کو حکم دیا۔ یَا دُرَیْدُ! اَدْنِ رَايَتَكَ۔ اے دُرید! لشکر کا علم قریب لاؤ، اُس نے عَلَم قریب کیا۔ پھر پسرِ سعد نے اپنا تیر کمان کے چلّہ پر چڑھایا۔ اور زور سے اصحابِ حسینؑ کی طرف پھینکا۔ اور ساتھ ہی اپنی فوج کو کہا۔: " اِشْهَدُوا اِنِّيْ اَوَّلُ مَنْ رَمٰى" تم گواہ رہنا کہ سب سے پہلے تیر میں نے مارا ہے۔ عمر ابنِ سعد کا تیر پھینکنا تھا کہ سینکڑوں کمانیں کڑکیں۔ ہزاروں تیر چلّوں پر چڑھے اور تیروں کی بارش ہونے لگی، یہ پہلا حملہ تھا جس کا آغاز عمر ابنِ سعد نے تیر چلا کر کیا۔

امام حسین علیہ السلام نے اپنے اصحابِ باصفا سے فرمایا: قُوْمُوْا رَحِمَكُمُ اللّٰهُ اِلَى الْمَوْتِ الَّذِيْ لَا بُدَّ مِنْهُ فَاِنَّ هٰذِهِ السِّهَامُ رُسُلُ الْقَوْمِ اِلَيْكُمْ " خدا تم پر رحم

کرنے، موت کی طرف بڑھو، موت سے کوئی چارہ نہیں۔ یہ تیر درحقیقت قومِ اشقیاء کے قاصد ہیں۔ جو تمہاری طرف موت کا پیغام لاتے ہیں۔ تیروں کی اس برسات کا اصحابِ حسینی نے سینہ تان کر مقابلہ کیا اور اذنِ جہاد ملتے ہی تیروں کا جواب تیروں سے دیا۔ ایک گھنٹہ تک یہ جنگ جاری رہی۔ انصارِ حسینی کی تعداد تھوڑی تھی، اور اس طرف سے ہزاروں کمانیں تیر برسا رہی تھیں۔ جب یہ جنگ کا پہلا حملہ ختم ہوا اور غبارِ جنگ چھٹا تو معلوم ہوا کہ پچاس کے قریب اصحابِ حسینؑ جامِ شہادت پی چکے ہیں۔ یہ کیفیت دیکھ کر سرکارِ سیّدالشہداء نے اپنی ریشِ مقدس پر ہاتھ رکھ کر فرمایا۔ خدا کا غضب یہودیوں پر اس وقت سخت ہوا جبکہ انہوں نے حضرت عزیزؑ کو خدا کا بیٹا بنایا۔ اور نصرانیوں پر جب انہوں نے تین خدا بنائے، اور خدا کو تیسرا قرار دیا۔ اور مجوسیوں پر اس کا قہر شدید ہوا جبکہ انہوں نے خدا کو چھوڑ کر سورج اور چاند کی عبادت کی۔ اور خدا کا قہر و غضب اس قوم پر سخت ہوا جس نے اپنے نبیؐ کے بیٹے کو قتل کرنے پر اتفاق کر لیا۔ خدا کی قسم! جو بات یہ لوگ چاہتے ہیں، میں ہرگز قبول نہ کروں گا۔ یہاں تک کہ اپنے بالوں کو خون کا خضاب لگا کر بارگاہِ خدا میں حاضر ہوں۔

مبارز طلبی کی جنگ

عبداللہ بن عمیر کلبی

حملۂ اولیٰ ختم ہو گیا۔ اس کے بعد باقاعدہ مبارز طلبی ہوتی رہی اور ایک ایک کا مقابلہ ہوتا رہا۔ سپاہِ ابن سعد سے سب سے پہلا جوان جو میدانِ کارزار میں مبارز طلب ہو کر نکلا وہ یسار زیاد بن ابی (عبیداللہ کے باپ کا نام) کا غلام تھا۔ وہ میدان میں آکر للکارنے لگا۔ اس کے جواب میں حسینی جماعت سے جناب عبداللہ بن عمیر اس کے مقابلہ کے لئے امام پاک سے اذنِ جہاد لے کر روانہ ہوئے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جناب عبداللہ بن عمیر کے مختصر حالات قارئین کے اضافۂ معلومات کے لئے درج کر دیئے جائیں۔

اس پاک طینت صحابی کا نام عبداللہ بن عمیر ہے۔ خاندان کے لحاظ سے کلبی کہلاتے ہیں۔ کنیّت ان کی ابو وہب ہے۔ کوفہ میں محلہ بنی ہمدان کے قریب رہائش تھی، ایک روز کوفہ سے باہر مقامِ نخیلہ پر لوگوں کو جمع ہوتے دیکھا۔ اس نے دریافت کیا کہ اس قدر کثیر تعداد میں لوگوں کے

اجتماع کا کیا مقصد ہے۔ کیا کوئی معرکہ آرائی ہے۔ جواب ملا، ہاں ایک جنگ کی مہم درپیش ہے۔ اس کے لئے ایک لشکرِ جرار اکٹھا کیا جارہا ہے۔ عبداللہ نے دریافت کیا، کس کے خلاف اور کس کے مقابلہ کے لئے۔ جواب ملا کہ دخترِ رسول جناب فاطمۃ الزہراؑ کے فرزند حسین بن علی کربلا میں گھر گئے ہیں۔ ان کے مقابلہ کے واسطے' اولادِ رسول کو قتل کرنے اور باغِ بتول تاراج کرنے کیلئے۔ عبداللہ بن عمیر جناب امیرالمومنین کے مخلص صحابی تھے۔ اور پہلے بھی ان کے ساتھ لڑائیوں میں رفاقت کا شرف حاصل کرچکے تھے۔ یہ سُن کر دم بخود رہ گئے۔ قرار نہ رہا اور بے چین ہوکر گھر کی طرف پلٹے۔ خاندانِ رسالت کا یہ شیدائی' اور امیرالمومنین کا فدائی دل میں خیال کرتا ہے کہ سعادت نے یہ موقع بخشا ہے اور خوش نصیبی نے یہ دن دکھایا ہے۔ آج فرزندِ رسول کی حمایت اور آلِ بتول کی نصرت میں جان پیاری نہ کرے۔

گھر آئے' اور اپنی نیک بخت بیوی اُمِ وہب سے اپنے خیال کو ظاہر کیا۔ اس سعادت مند زوجہ نے اس کے ارادے کی تائید کی' اور اس کے نیک اقدام کو سراہتے ہوئے' اپنی ہمراہی کی بھی خواہش کی' کہ حسین تنہا نہیں' مخدراتِ طہارت بھی ان کے ہمراہ ہیں۔ اس واسطے تو حسین علیہ السلام پر جان قربان کر اور میں بتول زادیوں کی خدمت کا شرف حاصل کروں گی' چنانچہ جناب عبداللہ اپنی نیک شعار بیوی کو ہمراہ لے کر آٹھویں محرم کی شب کو امام حسین علیہ السّلام کی خدمتِ مبارک میں پہنچ گیا۔

زیاد کے غلام یسار نے جب سپاہِ حسینی کو للکارا اور مقابلہ کے لئے مقابل طلب کیا' تو اس کے مقابلہ میں جناب امام پاک سے اذنِ جہاد لے کر یہ مقابلہ میں نکلے' یسار نے ابنِ عمیر سے حسب و نسب دریافت کرکے غرور و نخوت کے نشہ میں کہا۔ میں تم کو نہیں پہچانتا' تم چلے جاؤ اور اپنی جگہ زہیر بن قین یا حبیب بن مظاہر کو بھیجو۔ عبداللہ بن عمیر نے کہا۔ او پسرِ زانیہ کے غلام" سالم" نے جب یہ حال دیکھا تو یسار کی مدد کے لئے آگے بڑھا اتنے میں جناب امامِ پاک کے صحابیوں نے جناب عبداللہ کو آواز دی کہ حریف تیرے پیچھے سے آتا ہے' ہوشیار ہوجا۔

سالم جوں ہی قریب آیا۔ جناب عبداللہ بن عمیر پر حملہ کرکے اُنکی اُنگلیاں کاٹ دیں۔ جناب عبداللہ نے پلٹ کر زخمی حالت میں سالم پر ایسا وار کیا۔ کہ وہ ملعون مقتول ہوکر زمین پر آرہا۔

جب یہ دونوں نابکار غلام ایک باپ کا یعنی زیاد کا اور دوسرا عبداللہ بن زیاد کا راہی جہنم ہوئے تو جناب عبداللہ رجزیہ اشعار پڑھنے لگے۔ عبداللہ کی زوجہ گرامی یہ اشعار سن کر گرز ہاتھ میں لے کر یہ کہتی ہوئی نکلی، فداکَ اُمّی وَاُمّی قاتِل دُونَ الطیبتین ذُرِّیَۃِ مُحَمَّد۔ میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں ذریت محمدؐ کے لئے خوب لڑو۔ جب ان کی زوجہ میدان جنگ میں آئی تو عبداللہ نے ہرچند اسے واپس کرنا چاہا۔ مگر وہ نہ مانی۔ اور جوشِ قربانی میں یہ کہا کہ تیرے ساتھ میں بھی جامِ شہادت نوش کروں گی۔

مگر جناب امامِ پاک کے سمجھانے سے وہ پاک باز مومنہ واپس خیمے میں لوٹ آئی

جناب عبداللہ کے مقابلے میں جب کوئی مبارز نہ نکلا تو عبداللہ بھی واپس خدمتِ امام میں آگیا۔

تھوڑی دیر کے بعد شمر بن الجوشن نے فوج کے میسرہ سے سپاہِ حسینی پر حملہ کیا۔ جس کا مقابلہ اصحابِ امام نے نہایت دلیری اور جوانمردی سے کیا۔ اس جنگِ مغلوبہ میں جناب عبداللہ بن عمیر نے پھر خوب دادِ شجاعت دی۔ دشمنِ بے دین کے دو سپاہیوں کو واصلِ جہنم کیا۔ اور خود ہانی بن ثبیت حضرمی اور بکر بن حی تیمی کے ہاتھوں درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

جنابِ حُرّ بن یزید الرّیاحی کی جنگ اور شہادت

جناب حرؓ امام پاک سے اذنِ جہاد لے کر میدانِ کارزار میں جہاد کے لئے نکلے، چونکہ دستور تھا کہ جو بہادر میدانِ جنگ میں نکلتا تھا، اپنی شجاعت اور خاندان پر فخر کرتا ہوا رجزیہ اشعار پڑھتا تھا۔ حضرت حرؓ اس وقت یہ اشعار پڑھ رہے تھے۔

اِنّی اَنَا الحُرُّ وماویٰ الضَّیفِ — اَضرِبُ فِی اَعناقِکُم بِالسَّیفِ

عَنْ خیرِ مَنْ حَلَّ بِاَرضِ الخَیفِ — اَضرِبُکُم وَلَا اَریٰ مِنْ حَیفٍ

"میں ہی حرؓ ہوں، اور مہمان کی پناہ گاہ ہوں۔ تمہاری گردنوں پہ تلوار چلاؤں گا، اور پوری طرح دفاع کروں گا۔ اس سے جو خوفناک زمین پر اترا ہوا ہے، میں تمہیں تلوار کی ضرب لگاؤں گا، اور کوئی خوف محسوس نہ کروں گا۔"

جناب حُرؔ نرغۂ اعداء میں تنہا جہاد کر رہے ہیں۔ گھوڑا زخموں سے چُور ہو چکا ہے۔ اس وقت یہ شعر پڑھتے جاتے تھے۔ ؎

مَا زِلْتُ اَرْمِیْهِمْ بِثُغْرَةِ نَحْرِهٖ وَلَبَانِهٖ حَتّٰی تَسَرْبَلَ بِالدَّمِ

"میں دشمنوں کو اپنے گھوڑے کی گردن اور سینے سے برابر تیر مارتا رہا۔ یہاں تک کہ گھوڑا خون سے لال ہو گیا۔"

جناب حُرؔ نے قریباً چالیس ناریوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ حصین بن تمیم نے یزید بن ابو سُفیان تمیمی سے کہا۔ یہی حُرؔ ہے جس کے قتل کی تم آرزو رکھتے ہو۔ یہ سُن کر یزید حُرؔ کے مقابلہ کو نکلا، یزید نے از راہِ غرور و تکبّر جناب حُرؔ سے کہا۔ "کیا تم میرے ساتھ مقابلہ کرو گے؟ جناب حُرؔ نے کہا ہاں کروں گا،" اِس کے بعد حُرؔ نے ایسا وار کیا کہ یزید اپنے خون میں لوٹنے لگا، حصین بن تمیم کا بیان ہے کہ یزید کو موت ہانک کر حُرؔ کے سامنے لائی تھی، جب کافی دیر تک حُرؔ کے مقابلے کے لئے کوئی میدان میں نہ آیا تو حُرؔ واپس آئے، اور اصحابِ حُسین کی صف میں کھڑے ہو گئے، عمر بن سعد نے حصین بن تمیم کو آواز دی، اور اس کی مدد کے لئے پانچسو تیرانداز روانہ کئے، وہ جماعتِ حسینی کی طرف بڑھے، اور تیر برسانے شروع کر دیئے۔ اصحابِ حسین نے بھی کمانیں سنبھال لیں، اور گھٹنے ٹیک کر تیروں کا رُخ سیدھا دشمنوں کے گھوڑوں کی طرف کر دیا۔ اور ان شیرانِ بیشۂ شجاعت نے وہ تیراندازی کی، کہ دشمنوں کے گھوڑے آگے نہ بڑھ سکے۔

جنابِ حُرؔ دوبارہ جذبۂ شہادت سے سرشار ہو کر میدانِ جہاد میں نکلے۔ اس وقت تک جناب حُرؔ چالیس اور ایک روایت کے مطابق اسّی آدمیوں کو واصلِ جہنّم کر چکے تھے۔ ایوب بن مشرح خیوانی نے آگے بڑھ کے حُرؔ کے گھوڑے کی کونچیں کاٹ دیں۔ جناب حُرؔ بپھرے ہوئے شیر کی مانند جست لگا کر گھوڑے سے کود پڑے، اور پیادہ پا لڑنے لگے۔ کچھ دیر تک لڑائی ہوتی رہی۔ جناب حُرؔ کی شجاعت اور فنِ حرب کا منظر دیکھ کر عمر بن سعد کے ہوش اُڑ گئے، اس نے فوراً کمانداروں کے دستے بلائے، اور وہ اشقیاء برابر حضرت حُرؔ پر تیر چلانے لگے، حضرت حُرؔ نرغۂ اعداء میں گھر گئے، تیروں کی برسات میں حضرت حُرؔ کا بدن زخموں سے چُور ہو گیا۔ تمام بدن لہولہان ہو گیا تھا۔ آخر یہ مردِ غازی بے تاب ہو کر زمین پر گر پڑا۔ اصحابِ امام یہ منظر دیکھ کر حُرؔ کی جانب دوڑ پڑے، دیکھا کہ خاک و خون میں غلطاں امام کا یہ فدائی زندگی کی آخری منزل میں ہے۔ اصحابِ امام حُرؔ کو اٹھا کر جناب آقائے مظلوم کی خدمت میں لے آئے، ابھی جان باقی تھی،

امامِ مظلوم اپنے خاص مہمان کے چہرے کو رومال سے صاف کر رہے ہیں۔ اور روتے ہوئے فرماتے ہیں۔" حُرّ تیری ماں نے تیرا نام صحیح رکھا۔ وَاللّٰہِ مَا اَخْطَأَتْ اُمُّكَ حَيْثُ سَمَّتْكَ حُرًّا وَ اللّٰہِ اِنَّكَ حُرٌّ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَہ ۔ حُرّ تیری ماں نے تیرا نام حُرّ رکھنے میں غلطی نہیں کی، تو دنیا و آخرت میں حُرّ ہے۔ تو نارِ جہنّم سے آزاد ہے۔ یہ تائب اور لحظے کا ساتھی اپنی جان قربان کر کے راہیٔ جنّت ہوا۔

جناب وہب بن حباب الکلبی

بعض مؤرخین نے وہب بن عبد اللہ الکلبی تحریر کیا ہے۔ مگر اکثر مؤرخین نے ان کے والد کا نام حباب لکھا ہے۔ یہ میدانِ کربلا میں انصارِ جناب امام حسین علیہ السلام میں موجود تھے۔ ان کے ساتھ ان کی والدہ اور زوجہ بھی تھیں۔ ان کی شادی کو صرف سترہ دِن ہوئے تھے، کہ یہ سعادت مندجوان ناصرانِ امام پاک میں شریک ہوگیا۔ یہ جان نثار جب نصرتِ امامِ پاک کے لئے آمادۂ قتال ہوا تو ان کی زوجہ دامن گیر ہوئیں۔ اور کہا کہ جب تو میدانِ جنگ میں جاں نثاری کے لئے آمادہ ہے تو میں کہاں جاؤں گی؟ اس نے کہا تو موت کے منہ میں نہ جا۔ اور مجھے بے وارث نہ کر، مگر وہب کی ماں ولاءِ اہل بیت سے سرشار تھی، اور محبّتِ اولادِ علی میں اپنے بیٹے کی قربانی پیش کرنے میں سُرخروئی حاصل کرنا چاہتی تھی۔ اسے تلقین کر رہی تھی، کہ بیٹا خبردار! عورت کی باتوں میں نہ آجانا۔ ایسا زرّیں موقع کسی خوش نصیب کو حاصل ہوتا ہے۔ بیٹا! دیکھ رہے ہو کہ شدّتِ پیاس اور اعداد کے ہجوم سے آلِ رسول کا کیا حال ہو رہا ہے۔ ہمارے آقا اس وقت سخت مصیبت میں مبتلا ہیں۔ یہ جان چرانے کا وقت نہیں، جان قربان کرنے کا وقت ہے۔ بہرحال وہب کی ماں اِسے جان قربان کرنے کی نصیحت کر رہی تھی۔ اور زوجہ اس کی زندگی کی آرزومند تھی۔ آخرکار جناب وہب نے مادرِ مہربان کی نصیحت پر عمل کیا۔ اور رتبۂ شہادت حاصل کرنے کے لئے آمادہ ہوگیا۔ اس کی زوجہ نے جب اپنے شوہر کے عزم بالجزم کو دیکھا تو اس کا دامن پکڑ کے کہا مجھے یقین ہے کہ تو نصرتِ امام میں شہید ہوجائے گا۔ اور میرا سہاگ اُجڑ جائے گا۔ تو راہیٔ جنّت ہوگا مگر میں بے وارث رہ جاؤں گی۔ اس واسطے تو خدمتِ امامِ پاک میں چل کر

دو باتوں کا مجھ سے وعدہ کر۔ چنانچہ اس کی بیوی وہب کو لے کر خدمتِ امامِ پاک میں حاضر ہوئی، اور امام پاک سے عرض کی، حضور میں دو باتیں چاہتی ہوں۔ ایک تو یہ کہ میرا شوہر عنقریب مجھے داغِ مفارقت دے جائے گا۔ یہ تو بحرِ شہادت عبور کر کے سیدھا جنت میں چلا جائے گا۔ نیزوں اور تلواروں کے زخم کھا کر خدمتِ رسولؐ میں پہنچ جائے گا۔ مگر میرا اس غریب الوطنی میں کون مونس وغمگسار ہوگا۔ اِس واسطے حضور مجھے اہل حرم کی کنیزی کا شرف بخشیں، میں ان کی خدمت میں رہ کر ان کی رفاقت کی سعادت حاصل کروں گی۔ دوسری بات یہ ہے کہ میرا شہید شوہر داخلِ بہشت ہو کر حورانِ جنت کی صحبت میں مجھ کو بھول جائے گا۔ اس سے یہ اقرار لیا جائے کہ یہ مجھے بہشت میں فراموش نہ کرے۔ جب مولا نے اس بی بی کی تقریر سنی تو آنسو جاری ہوگئے۔ اور فرمایا اے نیک بی بی تیری یہ دونوں باتیں پوری ہوں گی۔ ماں پہلے ہی آمادۂ جہاد کر چکی تھی۔ اور بیوی کی طرف سے بھی رضامندی ظاہر ہوئی، اس سے قول وقرار کر کے یہ تازہ شادی شدہ جوان ابھی بہاروں سے سیر نہ ہوا تھا کہ عروسِ موت کو گلے لگانے کے لئے ہتھیار بدن پر سجا کر اذنِ امام لے کر میدانِ کارزار کی طرف بڑھا۔

میدانِ کارزار میں ان کا یہ رجز تھا۔

ان تنکرونی فانا بن الکلب = سوف ترونی و ترون ضربی

وَحملتی و صولتی فی الحرب = اَدرِكُ ثاری بعد ثار صحبی

یہ اشعار پڑھ کر وہب نے فوجِ اشقیا پر اپنی تلوار سے حملہ کیا۔ اور بہت سے ملاعین کو فی النّار کیا۔ اس کامیاب لڑائی کے بعد اپنی مہربان ماں کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا۔ اماں! میری ان خدمتوں سے آپ راضی ہیں؟ میری اس لڑائی پر آپ خوش ہیں؟ خوش عقیدہ اور محبِّ اہل بیت ماں نے جواب دیا۔ مَا رَضِیتُ اَوْتُقْتَلُ بَیْنَ یَدِی الْحُسَیْنِ عَلَیْهِ السَّلَام۔ بٹیا! میرا مقصد یہ تو نہیں تھا کہ تو چند ملعونوں کو مار کر پھر زندہ واپس آئے، بٹیا! میں تو اس وقت خوش ہوں گی کہ تو لڑتے لڑتے امام پاک پر اپنی جان قربان کر دے۔ بٹیا! میری آنکھیں تو اس وقت ٹھنڈی ہوں گی جب خون آلود لاش دیکھوں گی۔ اور میں شہید کی ماں کہلاؤں گی۔

جناب وہب دوبارہ میدانِ جنگ میں رجز پڑھتے ہوئے داخل ہوئے اور دائیں و بائیں پُر زور حملہ کرنے لگے۔ اصحابِ حسین علیہ السّلام اس شان سے میدانِ قتال میں جہاد کرتے تھے

کہ بڑے بڑوں دلیروں کے چھکّے چھوٹ جاتے تھے۔ بھوک اور پیاس کی شدّت کے باوجود اس طرح فوجِ اشقیاء پر حملہ کرتے جس طرح گرسنہ شیر شکار پر جھپٹتا ہے۔ یہی حال جناب وھب کا تھا۔ گو بدن متواتر بھوک و پیاس سے کم زور تھا۔ مگر دل طاقتور تھا، حوصلہ بلند تھا۔ ارادہ مضبوط تھا۔ دَم کے دم میں بارہ پیادوں اور تیس سواروں کو بے دم کر دیا۔ اسی اثنا میں ایک دشمن نے وھب کا دایاں ہاتھ قلم کر ڈالا۔ جناب نے بائیں ہاتھ میں تلوار سنبھال کر حملہ کر دیا۔ اور استقلال سے یہ مردِ مجاہد دادِ شجاعت دیتا رہا۔ اس دوران ایک ظالم نے وھب کا دوسرا ہاتھ بھی کاٹ دیا۔ اور وھب دونوں ہاتھوں سے محروم ہو گئے۔

زوجہ وھب اپنے شوہر نامدار کی لڑائی دیکھ رہی تھی، جوں ہی اس نے وھب کو دونوں بازوؤں سے محروم دیکھا، اور وھب کی بے بسی اور خونین منظر پہ نگاہ کی، جوشِ محبّت اور شوہر مجاہد کی نصرت میں خیمہ کی چوب لے کر نکلی، اپنے سرتاج کا حوصلہ بڑھاتی جاتی، اور کہتی جاتی، جس قدر ہو سکے نصرتِ امام کئے جاؤ، اور ان ظالموں کو اہلِ بیتِ پیغمبر کے نزدیک نہ آنے دو۔ سبحان اللہ! کیا حق رفاقت اور جذبۂ محبّت موجزن ہے کہ ایک وقت تو میدان میں جانے سے روکتی ہے اور اب جہاد پر ابھار رہی ہے۔ چنانچہ وھب نے یہی کہا۔ اس اطاعت شعار بی بی نے جواب دیا کہ میں نے آلِ رسول کی غربت اور مظلومی دیکھی، میرا دل بیٹھا جاتا ہے۔ امامِ مظلوم کا استغاثہ، خورد سال بچّوں کی پیاس، اہلِ حرم کے پریشان بال اور غمناک سورتیں دیکھیں۔ تو زندہ رہنے کو جی نہیں چاہتا۔ میں بھی یہی چاہتی ہوں نصرتِ اہلِ بیت میں لڑ کر شہید ہو جاؤں۔ میں بھی تیرے ساتھ اس خاک و خون میں لوٹوں گی جناب وھب نے غیرت کے مارے بی بی کو واپس خیمہ میں جانے کو کہا کہ تجھے لڑائی کی اجازت نہیں جب وھب نے بی بی کا اصرار دیکھا تو جناب حسین علیہ السّلام کو آواز دی، مظلوم آقا نے زوجۂ وھب کو بلایا۔ اور فرمایا: جُزِیْتُمْ مِنْ اَھْلِ بَیْتٍ خَیْرَ الْجَزَاءِ اِرْجِعِیْ اِلَی النِّسَاءِ بَارَکَ اللّٰہُ فِیْکِ فَاِنَّہٗ لَیْسَ عَلَیْکُنَّ قِتَالٌ ۔ "تمہیں اہلِ بیت کی طرف سے نیک جزا حاصل ہو، اللہ تعالیٰ تجھے برکت عطا فرمائے۔ تو زنانِ اہلِ بیت کی طرف لوٹ جا۔ اور انہیں میں جا بیٹھ۔ کیونکہ عورتوں پر جہاد نہیں۔ آخرکار کافی پند و نصیحت کے بعد اس کے جذبات کم ہوئے۔ اور شہادت کی آرزو مند خاتون واپس ہوئی، لیکن اس بے قرار بی بی کی نگاہ میدان کی طرف رہی۔ جب اپنے شوہر کو خاک و خون میں لوٹتے اور اپنا سہاگ اجڑتے

دیکھا۔ خیمہ میں ٹھہر نہ سکی۔ بے تاب ہوکر سراپردہ سے باہر نکلی۔ اور شوہر کی لاش پر پہنچ کر نئے دولہا کا سر آغوش میں لیا۔ جس چہرے پر کبھی پھولوں کی بہار تھی، اب خاک و خون میں غلطاں تھا۔ پریشان بال خاک آلودہ تھے۔ سترہ روز کی بیاہی دلہن نے کس دل سے شوہر کی لاش دیکھی ہوگی۔ اپنے ارمانوں کا خون کس طرح برداشت کیا ہوگا۔ ہاں نصرت امام، حمایتِ خانوادۂ رسول اور شہادت کی موت وجۂ تسکین تھی۔ زوجۂ وہب اپنے شہید دولہا کے چہرے سے خاک و خون صاف کر رہی تھی کہ ناگاہ شمر لعین کا غلام آگے بڑھا۔ اور مصروف نوحہ و بکا زوجۂ وہب کے سر پر ایک ایسا آہنی گرز مارا کہ وہب کی رفیقۂ حیات کی زندگی ختم ہوگئی۔ اور یہ لو بیاہتا جوڑا خونِ شہادت سے سرفراز ہوکر ایک ساتھ راہیٔ ملکِ بقا ہوگیا۔ زوجۂ وہب کے مچلتے ارمان پورے ہوگئے۔ اور رفاقتِ جنت کی خواہش مند زوجہ شوہر کے ہمراہ جنت میں خدمتِ پیغمبر میں پہنچ گئی۔

مورخین کا اتفاق ہے کہ نصرتِ امام علیہ السلام اور حمایتِ آلِ رسول میں یہ پہلی عورت ہے جو اپنے شہید شوہر کی لاش پر قتل کی گئی۔ حضرت وہب کا سر لاش سے کاٹ کر عمر بن سعد کے پاس لے جایا گیا تو اُس نے جناب وہب کے سر کی طرف مخاطب ہوکر "مَا اَشَدَّ صَوْلَتَكَ" تیرا حملہ کس قدر شدید تھا۔ پھر کوفیوں نے اس سر کو امام حسین علیہ السلام کی طرف پھینک دیا وہب کی ستم رسیدہ ماں قریب ہی کھڑی تھی۔ دوڑ کر بیٹے کے سر پہ گر پڑی اور فرزندِ ارجمند کے کٹے ہوئے خون آلود سر کو سینے سے لگایا۔ محبتِ مادری نے ماں کے ارمان پورے کرنے والے اور حق نصرت ادا کرنے والے شہید فرزند کے سر کو چوما اور کہا۔ "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ بَيَّضَ وَجْهِيْ بِشَهَادَتِكَ بَيْنَ يَدَيْ اَبِيْ عَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ ثُمَّ قَالَتِ الْحُكْمُ لِلّٰهِ يَا اُمَّةَ السُّوْءِ اَشْهَدُ اَنَّ النَّصَارٰى فِيْ بِيَعِهَا وَالْمَجُوْسَ فِيْ كَنَائِسِهَا خَيْرٌ مِّنْكُمْ" حمد اور شکر ہے اس خدا کا جس نے جناب امام حسین علیہ السلام کے روبرو تیری شہادت سے میرے منہ کو روشن کیا، اے بدکردار اور روسیاہ اُمت فیصلہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔ میں گواہی دیتی ہوں کہ نصرانی اپنے گرجوں میں اور مجوسی اپنے عبادت خانوں میں تم سے بہتر ہیں۔ یہ کہہ کر وہ جذبۂ عقیدت و محبت سے سرشار عورت نے اپنے فرزند وہب کا سر اعداءِ دین کی طرف پھینکا۔ بیان کیا جاتا ہے وہ سر اس زور سے اُس دشمنِ خدا قاتلِ وہب کو لگا کہ وہ ملعون اُسی

وقت اپنے کیفرِ کردار کو پہنچ گیا۔ قاتلِ لعین مقتول کے سر لگنے سے واصلِ جہنم ہوگیا۔ اس کے بعد مادرِ وہب خیمہ کی چوب لے کر میدان میں نکلی اور فوجِ مخالف پر حملہ کر دیا۔ اور اس چوبِ خیمہ سے دو ملعونوں کو جہنم پہنچایا۔ اس قدر اس زنِ مومنہ کا جوش و خروش تھا کہ امام علیہ السلام نے بمشکل اس کو سمجھایا اور فرمایا: یَا اُمَّةَ اللّٰہِ اِجْلِسِیْ فَقَدْ وُضِعَ الْجِہَادُ مِنَ النِّسَآءِ فَاِنَّکِ وَ ابْنُکِ مَعَ جَدِّیْ مُحَمَّدِ نِ الْمُصْطَفٰی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَ سَلَّمَ فِی الْجَنَّةِ۔ " اے کنیزِ خدا گھر میں جا بیٹھ، کیونکہ جہاد سے عورتوں کو روکا گیا ہے۔ بے شک تو اور تیرا فرزند میرے نانے محمد مصطفیٰ صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ جنّت میں رہوگے۔ جناب وہب کی ماں نے جب فرزندِ رسول سے جنّت کی بشارت سُنی تو کہا: "اِلٰھِیْ لَا تُقْطَعُ رَجَائِیْ" بارِ الٰہا! میری اُمّید منقطع نہ فرمائیو" جناب امام نے فرمایا۔ "لَا یَقْطَعُ رَجَاکِ یَا اُمَّ وَھَبٍ" اے مادرِ وہب حق تعالیٰ تیری اُمّید کبھی قطع نہ کرے گا۔

دوسری جنگِ مغلوبہ

روزِ عاشور میدانِ کربلا میں "اصحابِ حُسینی" اور افواجِ کوفہ کے درمیان دو قسم کی جنگیں ہوئی ہیں۔ ایک یکبارگی حملہ کرنے سے فوجوں کا دستوں اور گروہوں کی صورت میں اصحابِ حسینؑ پر حملہ کرنا، جس طرح عمر بن سعد کے تیر پھینکنے سے جنگ کا آغاز ہوا اور عمر بن سعد کی تیراندازی کے بعد ہزاروں تیر کمانوں سے نکلے، یہ جنگ گروہی حملہ کی صورت میں تھی۔ اس جنگ کو جنگ مغلوبہ کہا جاتا ہے۔

مبارزطلبی کی جنگ

یہ وہ جنگ ہے جس میں افواجِ کوفہ و شام سے ایک ایک مرد باہر نکلتا تھا۔ میدان میں مقابل کو للکارتا تھا۔ اور اس کے مقابلے میں جماعتِ امام پاک سے ایک ایک مجاہد میدانِ کارزار میں مقابلہ کرتا، اُسے "مبارزطلبی" کی جنگ کہتے ہیں۔

روزِ عاشور جب سُورج کافی بلند ہوچکا تھا، عمر بن سعد کی طرف سے "حملۂ اولیٰ" ہوا اور جنگِ مغلوبہ کا آغاز ہوا۔ اس کے بعد مبارزطلبی کی لڑائی شروع ہوئی، جس کا

آغاز عمر بن سعد کی طرف سے "زیاد بن ابیہ" کے غلام یسار اور عبید اللہ بن زیاد کے غلام سالم نے کیا۔ اور انصار جناب امام پاک کی طرف سے عبد اللہ بن عمیر اور حضرت حُر اس جنگ میں "مبارزطلبی" کے سلسلے میں میدانِ قتال میں اُترے، اِس انفرادی جنگ میں اصحابِ باوفا میں سے جناب عبد اللہ بن عمیر، حضرتِ حُر، حضرت بریر بن خضیر، حضرت وہب، عمر بن خالد الازدی، خالد بن عمر، سعد بن حنظلہ، عمیر بن عبد اللہ مذحجی، مسلم بن عوسجہ، جناب مسلم بن عوسجہ کے فرزند، ہلال بن نافع، باری باری فقیرانہ طور پر جہاد کرتے، دادِ شجاعت دیتے ہوئے جامِ شہادت نوش فرماگئے۔

اصحابِ باوفا کی حیرت انگیز شجاعت اور افواجِ کوفہ کی تباہی

اِن نیک طینت وپاک سرشت اصحاب کی تعداد تو بالکل قلیل تھی، مگر ایمان، ثابت قدمی، خلوص ویقین، عزم وہمت، اور شوقِ شہادت کے جذبات کا اِن پاک بدنوں میں وزن بہت زیادہ تھا۔ ان میں کا ایک ایک مقابل کے سینکڑوں افراد پر بھاری تھا۔ چنانچہ ان میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا، جس نے تنہا سپاہِ شام بدانجام کے بیسوں اور سینکڑوں فی النار نہ کئے ہوں ؎

پیدا نہ کئے مالکِ تقدیر نے ایسے ؏ دیکھے نہ جواں پھر فلکِ پیر نے ایسے

ان میں سے بہت سے بزرگ ضعیف تھے لیکن پیرانہ سالی کے باوجود ان کے حوصلے عین شباب پر تھے۔ بدن لاغر تھے لیکن دل قوی اور اعصاب مضبوط تھے۔ رُوحانی طاقت درجۂ کمال پر تھی۔ میدانِ جنگ میں ان کے قدم زمین پر پہاڑ کی مانند گڑ جاتے تھے۔ آگے بڑھتے تھے پیچھے نہ ہٹتے تھے۔ جبکہ افواجِ اشقیاء میدان چھوڑ کر یوں بھاگتی تھی جس طرح بھیڑ بکریاں جنگل کے شیر سے بھاگتی ہیں۔ بعض اوقات مجاہدِ حسینی جنگ میں مقابل کا منتظر رہتا اور میدان خالی رہتا۔ ڈر کے مارے کوئی شخص مقابلہ کے لئے نہ نکلتا۔

یہ بھوکے پیاسے تھے۔ گرسنگی اور تشنگی نے اِن کے جسموں کو کمزور کر رکھا تھا۔ جبکہ سپاہِ کوفہ وشام کھانے سے سیر اور ہر وقت سیراب رہتی تھی۔ ان کے پاس سامانِ حرب کی کمی تھی۔

جبکہ کوفیوں کے پاس ہر قسم کے ہتھیار تھے۔ لیکن ان مادی وسائل کی کمی اور کمزوریوں کے باوجود یہ روحانی طاقتوں کے مالک اور قدسی قوتوں کے حامل مقدس نفوس اس طرح جان توڑ کر لڑے کہ کوفی پہلوانوں کے پتّے پانی پانی ہو گئے۔ اور اس طرح جوش و خروش سے دشمنوں کی صفوں میں گھس جاتے کہ اچھے اچھے دلیروں کے چھکے چھوٹ جاتے تھے۔

انہیں حق پر ہونے اور جناب امام حسین علیہ السلام کی امامت، حقانیت اور صداقت پر حق الیقین تھا اس واسطے جذبۂ شہادت سے سرشار ہو کر میدانِ قتال میں یوں بے جگری سے لڑتے کہ فوج کی کثرت کا ذرہ بھر خیال نہ کرتے۔ انہوں نے جی بھر کے دادِ شجاعت دی۔ اور حق یہ ہے کہ دل کے ارمان خوب نکالے۔ بہت سے ناریوں کو واصلِ جہنم کرنے کے بعد مسکرا کر موت کو گلے لگایا اور اس طرح مرنے کا انہیں کوئی افسوس نہ رہا۔ ؎

فولاد کے سینے تھے تو شیروں کے جگر تھے
خود تیغ تھے اور سبطِ پیمبرؐ کی سپر تھے

اس مبارز طلبی کی لڑائی میں عمرو بن حجاج جو فوجِ عمر بن سعد کا ایک تجربہ کار افسر تھا اور دریائے فرات کے گھاٹ پر اسی کا پہرہ تھا۔ اس نے چلا کر اپنی فوج کو آواز دی کہ اس طرح لڑ کر تم اس مہم کو سر نہیں کر سکتے۔ اس نے کہا۔ ان شیرانِ بیشۂ شجاعت اور یکتایانِ عزم و ہمت سے مبارز طلبی کی صورت میں تم کامیاب نہیں ہو سکتے۔ اس نے رائے دی کہ تمام لشکر یکبارگی ان پر حملہ کر دے۔ اور چاروں طرف سے گھیر کر ان کا خاتمہ کیا جائے۔

حسینی جماعت پر لشکرِ ابن سعد کا حملہ

عمر بن سعد کو عمرو بن حجاج کو یہ تجویز پسند آئی۔ اس نے تمام لشکر کو مل کر حملہ کرنے کا حکم دے دیا۔ چنانچہ عمرو بن حجاج نے اصحابِ امام کے بائیں حصّہ پر حملہ کر دیا۔ اور اس کی امداد کے لئے شمر لعین بھی اپنی فوج لے کر آگے بڑھا۔ خود عمر بن سعد نے اپنی جمعیت کے ساتھ خیامِ حسینی کو آگ لگانے کی نیت کی۔ مگر خیموں کے تینوں طرف خندق میں آگ روشن تھی۔ صرف ایک طرف سے مقابلہ ہو سکتا تھا۔ اس واسطے شیث بن ربعی کے منع کرنے پر ابن سعد اس ناپاک ارادے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ لیکن تمام لشکرِ اشقیاء اکٹھا ہو کر جناب امام کی قلیل

جماعت پر ٹوٹ پڑا۔ لیکن قربان جائیں اصحابِ امام کی ہمت پر اور ہزار ہزار آفرین و تحسین ہے ان مجاہدین پر جنہوں نے اس پامردی اور بے جگری سے اس لشکرِ کثیر کا مقابلہ کیا۔ کہ مادرِ گیتی ان کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ جانبین سے تلواریں چلنے لگیں۔ گھمسان کا رَن پڑا۔ زمینِ کربلا خون سے لالہ زار بن گئی۔ تلواریں بجلی کی طرح افواجِ شام پر گرنے لگیں۔ مقتولوں کے خون کا دریا بہنے لگا۔ اور بہادرانِ سپاہِ ابنِ سعد کے سر مثلِ حبابِ دریائے خوں میں اُبھرنے اور ڈوبنے لگے۔ یہ ایسا ہولناک و قیامت خیز منظر تھا کہ بڑے بڑے دلیر و جنگجو لوگوں کے بدنوں میں تھرتھری پیدا ہو گئی۔ سُبحان اللّٰہ! مجاہدینِ حق جذبۂ شہادت میں اس طرح سرشار و محوِ قتال تھے کہ تلواروں کی تیز دھاروں اور نیزوں کی انیوں سے زخموں کا درد محسوس نہ ہوتا تھا۔ اس قلیل جماعت نے لشکرِ کثیر کو ناکام کر دیا۔ اور اہلِ بیت کے خیام تک ان جفا شعاروں کو پہنچنے نہ دیا۔

جب عمر بن سعد نے اپنی ناکامی دیکھی تو اس نے اپنی فوج کے میمنہ اور میسرہ کے سواروں کو حملہ کرنے کا حکم دیا۔ اِدھر سے جناب امام پاک کے بتیس سواروں نے ان ہزاروں سواروں کے مُنہ موڑ دیئے اور عذرا بن قیس نے تھک ہار کر ابنِ سعد سے کہا: آپ دیکھ رہے ہیں جو اس مختصر جماعت نے میرے سواروں کو بدحواس کر دیا ہے۔ اس واسطے پیادہ سپاہ اور تیر اندازوں کو میری کمک کے لئے بھیج۔ عمر بن سعد نے مزید پیادہ فوج اور حصین بن نمیر کو پانچ سو ماہر تیر اندازوں کے ساتھ عزرہ بن قیس کے لئے بھیجا۔ اب تیروں کی برسات شروع ہو گئی۔ اور تیروں کی اس موسلا دھار بارش میں اصحابِ باوفا نے اپنے آپ کو تو کسی حد تک بچا لیا لیکن ان کے راہوار تیروں کی زد سے محفوظ نہ رہ سکے۔ اور ان کے گھوڑے سب کے سب زخموں سے چُور ہو گئے۔ آخر ان ہمّت کے پہاڑوں نے پیدل ہو کر معرکۂ قتال جاری رکھا۔ چونکہ یہ مقدس افراد تعداد میں کم تھے۔ اگر ان میں کوئی ایک بھی شہید ہوتا تو کمی محسوس ہوتی' اور فوجِ اشقیاء میں سینکڑوں بھی مارے جاتے تو کوئی فرق نہ نظر آتا۔

اِس جنگ میں جماعتِ حُسینی کے پندرہ سوار اور پندرہ پیادے درجۂ شہادت پر فائز ہو گئے۔ اِدھر عمر بن سعد نے خیامِ امام پاک کی طرف رُخ کیا۔ تو بیس غلاموں نے پُوری ہمّت سے مقابلہ کیا۔ یہ غلامانِ اہلِ بیت اس طرح جان توڑ کر لڑے، کہ عمر بن سعد کو خیام

پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوسکی۔ یہ جاں نثار دفاع کرتے کرتے خود جامِ شہادت پی گئے۔ مگر خیام کو اپنے بدنوں کو سپر بنا کر محفوظ رکھا۔
اِس جنگِ مغلوبہ میں جاں نثارانِ جناب سیّد الشہداء نے حقِ نصرتِ امام ادا کر دیا۔

حق ان کا طرفدار تھا وہ جانبِ حق تھے
سب مصحفِ ناطق کے صحیفے کے ورق تھے

تیروں کی بوچھاڑ میں سرکار سیّد الشہداء کا قصدِ نماز

اِسی اثناء میں عاشور کا سورج ڈھل گیا۔ حضرت کے اصحابِ پاک میں سے ایک صحابی جس کا نام عمر بن عبداللہ اور کنیت اُن کی ابو ثمامہ صیداوی ہے۔ خدمتِ امامِ پاک میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوا: "یَا اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ نَفْسِی لِنَفْسِکَ فِدَاءٌ هٰؤُلَاءِ اقْتَرَبُوْا مِنْکَ لَا وَاللّٰهِ لَا تُقْتَلُ دُوْنَکَ اُحِبُّ اَنْ اَلْقَی اللّٰهَ رَبِّیْ وَقَدْ صَلَّیْتُ هٰذِهِ الصَّلٰوةَ دَنَا وَقْتُهَا یَا اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ۔" مولا! آپ پر قربان جاؤں یہ ظالم آپ کے قریب پہنچ چکے ہیں۔ خدا کی قسم! جب تک میں قتل نہ ہو جاؤں آپ کو یہ قتل نہیں کر سکتے۔ اور نہ میری زندگی میں آپ تک پہنچ سکتے ہیں۔ مگر میں چاہتا ہوں کہ یہ نماز جس کا وقت ہو چکا ہے آپ کی اقتداء میں پڑھ کر خُدا کی بارگاہ میں حاضر ہوں۔" سُبحان اللہ! یہ غازی بھی نرالے تھے اور نمازی بھی نرالے۔ ابو ثمامہ کی یہ درخواست سُن کر مولا نے جانبِ آسمان نگاہ کی۔ اور فرمایا۔ ذَکَرْتَ الصَّلٰوةَ جَعَلَکَ اللّٰهُ مِنَ الْمُصَلِّیْنَ نَعَمْ هٰذَا اَوَّلُ وَقْتِهَا۔ "تُو نے (ایسے شدید حالات میں) نماز یاد کی ہے۔ خُدا تجھے روزِ قیامت نماز گزاروں میں اُٹھائے، ہاں یہ اوّل وقتِ نماز ہے۔" اس کے بعد مولا نے فرمایا۔ کہ اِن جفا کاروں سے سوال کرو کہ ہمیں نماز کی مہلت دیں۔ اور اُس وقت تک جنگ روک لیں۔ مولا کے صحابیوں نے استفسار سے یہ درخواست کی تو حصین بن نمیر نے جواب دیا۔ تمہاری یہ نماز قبول نہیں۔ اِس دریدہ دہن کا یہ گستاخانہ کلام جناب حبیب بن مظاہر سے نہ سُنا گیا۔ اور اس ملعون کو ڈانٹ کر کہا۔ لَا تُقْبَلُ الصَّلٰوةُ مِنْ اٰلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَاَنْصَارِهِمْ وَتُقْبَلُ مِنْکَ یَا خَمَّارُ۔" اے شراب خور!

تیرا کیا گمان ہے کہ فرزندِ رسُول اور اُن کے انصار کی نماز قبول نہیں۔ اور تیری نماز قبول ہے؟ اتنا سُننا تھا کہ حصین بن نمیر نے جب حبیب پر حملہ کرنا چاہا' اس وقت جناب امام حُسین حضرت حبیب کے آگے کھڑے تھے۔ اور نماز ظہر کی تیاری کر رہے تھے۔ حصین بن نمیر کو تیزی سے آتے دیکھ کر جناب حبیب نے باقاعدہ مقابلہ کی تیاری کر لی۔ اور حصین بن نمیر کے گھوڑے کے مُنہ پر زور سے "تلوار ماری' گھوڑا بدکا۔ اور وہ ملعون گھوڑے سے نیچے گر پڑا۔ اُس کے ساتھیوں نے دوڑ کر اُسے اُٹھالیا۔ جناب حبیب نے جہاد شروع کر دیا۔

جناب حبیب بن مظاہر کے مختصر حالات

قبل اس کے کہ ہم جناب حبیب کی مجاہدانہ وجانثارانہ کارروائی کا ذکر کریں۔ جناب حبیب کے مختصر حالات قلمبند کرتے ہیں۔

نام ونسب:۔ حبیب بن مُظاہر یا مُظَہّر۔ اسدی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کی کنیّت ابوالقاسم ہے اور جناب رسالتماب صلّی اللّٰہ علیہ و آلہ وسلّم کے اصحاب میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ بعض حضرات انہیں تابعی قرار دیتے ہیں۔ جناب امیر المومنین کے مخلص اور باوفا صحابی ہیں۔ جنگِ جمل' صفین اور نہروان میں جناب امیر علیہ السّلام کے ساتھی رہے ہیں۔ اور آپ کے علوم و آثار کے حامل ہیں۔

ایک مرتبہ جناب میثم تمار اور حضرت حبیب گھوڑوں پر سوار دونوں مخالف سمتوں سے آرہے تھے۔ کہ ایک مقام مجلسِ بنی اسد کے پاس دونوں کی ملاقات ہوگئی۔ دونوں باہم اس قدر قریب تھے کہ دونوں کے راہواروں کی گردنیں ایک دوسرے سے ملی ہوئی تھیں۔ جناب حبیب نے حضرت میثم کو دیکھ کر کہا گویا میں ایسے بزرگ کو دیکھ رہا ہوں کہ اس کے سَر کے اگلے حصّہ پر بال نہیں اور وہ محبّتِ اہلِ بیت علیہم السّلام کے جُرم میں سُولی پہ لٹکایا جائیگا۔ ان کا اشارہ جناب میثم اور اُن کی موت کی طرف تھا۔ اس کے جواب میں حضرت میثم نے کہا۔ میں بھی ایسے شخص کو دیکھ رہا ہوں جس کا رنگ سفید و سُرخ ہے۔ اس کے سَر پہ دو گیسو ہیں' وہ اپنے رسولِ پاکؐ کے نواسہ کی نصرت میں جامِ شہادت پئے گا۔ اور قتل کے بعد اس کا سَر کوفہ کے بازاروں میں پھرایا جائیگا۔ وہ ہر دو یہ گفتگو کر کے چلے گئے۔ لیکن سُننے والے لوگ ان کی اس پیش گوئی پہ اظہار تعجب کر رہے تھے۔ اس کے بعد جناب رشید ہجری ان دونوں کو تلاش کرتے ہوئے ادھر سے گزرے۔ اور ان دونوں

کے متعلق لوگوں سے معلوم کیا۔ انہوں نے بتایا کہ وہ ابھی یہاں سے چلے گئے ہیں۔ اور ان دونوں بزرگوں کا مکالمہ بیان کیا۔ رشید ہجری نے یہ سُن کر کہا کہ جناب میثم یہ بات کہنا بھول گئے ہیں کہ اس ناصرِ عترتِ رسول کا سر دربار میں پیش کرنے والے کو دوسروں سے ایک سو درہم زیادہ انعام دیا جائے گا۔ لوگوں نے انہیں جھوٹا قرار دیا مگر حاملِ اسرارِ امیرالمومنینؑ کی پیش گوئیاں کب صداقت سے خالی ہیں۔ تھوڑی سی مدت نہ گزری کہ کوفہ میں عمرو بن حریث کے دروازہ پر جناب میثم کو سُولی پر لٹکا کر شہید کیا گیا، اور جناب حبیب کا سر کوفہ کے بازاروں میں پھرتے انہی لوگوں نے دیکھا۔ جناب مُسلم جب کوفہ میں تشریف لائے تو جناب مُسلم بن عوسجہ اور حضرت حبیب اُن کے سرگرم کارکن تھے۔ اور سرکار سیّد الشہداء کی بیعت لینے میں پیش پیش تھے۔

جناب حبیب کا خدمتِ امامِ پاک میں حضور

جناب حبیب کس طرح، کس وقت اور کس جگہ" ناصرانِ امام پاکؑ میں شامل ہوئے" اس کے متعلق" معالی السبطین" میں ایک روایت لکھی ہے اور عام طور پر مشہور بھی ہے۔ اور کتبِ مقاتل میں پائی جاتی ہے۔

جناب حبیب کوفہ کے بازار میں ایک دکاندار سے مہندی ریش خضاب کرنے کے لئے خرید رہے تھے کہ جناب مُسلم بن عوسجہ کا وہاں سے گزر ہوا۔ جناب حبیب نے ان کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ بھائی مسلم! میں دیکھ رہا ہوں کہ اہل کوفہ گھوڑے اور مختلف قسم کے ہتھیار اکٹھے کر رہے ہیں۔ جناب مُسلم نے آب دیدہ ہو کر کہا کہ کوفیوں نے فرزندِ رسول کے قتل کا پختہ ارادہ کر لیا ہے۔ اور وہ اولاد رسول کا خون بہانے پر تیار ہو گئے ہیں۔ یہ سُن کر حبیب نے مہندی بازار میں پھینک دی۔ اور کہا کہ اب میری یہ ریش اس خضاب سے نہیں بلکہ میرے اس خون سے رنگین ہوگی جو فرزندِ رسُول کی نصرت میں بہایا جائے گا۔ یہ کہہ کر جناب حبیب گھر آ گئے۔ جناب امامِ مظلوم نے جب مُسلم بن عقیل کی شہادت کی خبر سُنی اور افواجِ کوفہ کی تیاری کی خبر پہنچی تو ایک منزل سے جناب حبیب کو اس مضمون کا خط تحریر کیا۔

مِنَ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ اِلَى الرَّجُلِ الْفَقِيْهِ حَبِيْبِ بْنِ مُظَاهِرٍ
اَمَّا بعد يَا حَبِيْبُ فَاَنْتَ تَعْلَمُ قَرَابَتَنَا مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَاَنْتَ
اَعْرَفُ بِنَا مِنْ غَيْرِكَ وَاَنْتَ ذُوْ شِيْمَةٍ وَغَيْرَةٍ فَلَا
تَبْخَلْ عَلَيْنَا بِنَفْسِكَ يُجَازِيْكَ جَدِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ"

"حسین بن علی کی طرف سے مردِ فقیہہ حبیب بن مظاہر کے نام۔ امّا بعد!
اے حبیب! جنابِ رسولِ خدا سے ہماری قرابتداری تمہارے علم میں ہے۔
اور دوسروں کی نسبت تمہیں ہماری معرفت زیادہ ہے۔ آپ صاحب غیرت و
حمیّت زیادہ ہیں۔ پس ہماری مدد میں جان کی بازی دینے سے دریغ نہ کیجیو
آپ کو اس کی جزا میرے جدّامجد روزِ قیامت دیں گے"۔

قاصد یہ خط لے کر جناب حبیب کے پاس پہنچا۔ اس وقت اپنی زوجہ کے پاس بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ اتفاقاً کھانا کھاتے ہوئے ان کی زوجہ کے گلے میں لقمہ اٹک گیا۔ ان کی بیوی نے کہا "اللہ اکبر" حبیب! معلوم ہوتا ہے کہ کسی مردِ کریم کا کریم خط آیا چاہتا ہے، اس اثنا میں "دقّ الباب" ہوا۔ حبیب باہر نکلے، پوچھا کون ہے؟ جواب ملا کہ میں حسین بن علیؑ کا قاصد ہوں۔ حبیب نے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ اور کہا۔ کہ جو کچھ اس کی بیوی نے کہا اس کی تصدیق ہوگئی۔ جب خط لے کر گھر میں داخل ہوئے، کھولا، پڑھا۔ نیک بخت زوجہ نے دریافت کیا۔ حبیب نے خط کے مضمون سے اسے آگاہ کیا۔ سعادت مند بیوی نے جب غربتِ حسینؑ اور آلِ رسولؐ کے صحراؤں کا سفر اور بیچارگی سنی، بے اختیار رونے لگی، آخر کیوں نہ روتی، آلِ محمدؐ کی محبدار تھی۔ اور محبّت کی یہی علامت ہے کہ ان کے دکھوں کا حال سن کر محبّ محزون ہو جاتا ہے۔ جب اس نے سنا ہوگا کہ مدینہ کی شہزادیاں" علیؑ و بتولؑ کی بیٹیاں، عراق کے سفروں اور صحراؤں کے ریگزاروں میں پریشان ہیں اور فرزندِ رسولؐ دشمنوں میں گھر گئے ہیں۔ اور نصرت طلبی کے خطوط آ رہے ہیں۔ مولا کی فوج قلیل ہے، دشمن کثیر ہے، بیچاری کے دل پر صدمہ ہوا اور رو کر کہنے لگی، حبیب! میں تجھے خدا کا واسطہ دے کر کہتی ہوں، کہ فرزندِ رسولؐ کی مدد سے جی نہ چرانا۔ دیکھو تو سہی کس پیار اور مظلومی سے تمہیں بلا رہے ہیں۔ یہ تیری خوش قسمتی ہے۔ جا فرزندِ رسولؐ پر جان قربان کر۔

حبیب نے اپنی زوجہ کا امتحان لینے کے لئے۔ کچھ لیس و پیش کی اور کہا کہ میں مارا جاؤں گا۔ تو بیوہ ہو جائے گی، بچے یتیم ہو جائیں گے۔ زنِ مومنہ نے جواب دیا جب میں بیوہ ہو گئی تو کیا آلِ محمدؐ کی مستورات بھی تو بیوہ ہو جائیں گی، ان کے سر تاج بھی تو اُن سے رخصت ہو جائیں گے۔ آلِ محمدؐ کے بچے بھی تو یتیم ہو جائیں گے۔ حبیب! پھر بھی ہم تو وطن میں ہیں۔ ہمارا قبیلہ ہمارا معاون ہے۔ بنو ہاشم کی مخدرات پردیس میں بیوہ ہو جائیں گی۔ ان کے بچے صحرائے غربت میں یتیم ہو جائیں گے۔ کون ہے ان کا مددگار، انہیں کون وطن پہنچائے گا، ان کی کون خبر لے گا؟ میرے لئے تو فخر ہے کہ ان کی بیوگی میں میں بھی ان کے ساتھ شامل ہو جاؤں گی، اور میرے بچے اُن کے یتیموں کی معیت میں یتیم ہو جائیں گے روزِ قیامت ہم جناب رسولِ پاکؐ اور جناب بتولؑ کے روبرو کس قدر سرخرو ہوں گے۔ حبیب! یہ سوچنے کا وقت نہیں۔ تاخیر نہ کرو، فرزندِ رسولؐ تیرے انتظار میں ہوں گے۔ جس کے ساتھی تھوڑے ہوں اُسے ایک ایک کی ضرورت ہوتی ہے۔ تیرے جانے سے فرزندِ رسولؐ اور اولادِ بتولؑ کے دل تسلی میں آ جائیں گے۔ تو ہماری فکر نہ کر اور جانصرتِ حسینؑ کا شرف حاصل کر، حبیب پہلے بھی آمادہ تھے، سعادت مند رفیقہ کی نیک گفتار نے ان کا خون گرما دیا۔ غلام سے کہا کہ یہ میرا گھوڑا ہے۔ اسے لے جا کر فلاں جگہ میرا انتظار کرنا۔ حبیب علانیہ نہ جا سکتے تھے۔ انہوں نے اپنے اس ارادہ کو مخفی رکھا اور غلام سے کہا کسی کو خبر نہ کرنا۔ غلام گھوڑا لے کر چلا گیا۔ زوجہ اور اولاد سے رخصت ہوا۔ وقتِ وداع اس کی بیوی نے گریہ و زاری کرتے ہوئے کہا، کہ جب خدمتِ پاک امام میں حاضر ہونا تو میری طرف سے دستِ امام کے بوسے لے لینا۔ اور کہنا مولا! کنیز سلام کہتی تھی۔ الغرض جناب حبیب گھر سے چھپتے چھپاتے روانہ ہوئے، غلام مقام معین پر گھوڑے کے پاس کھڑا اپنے آقا کے انتظار میں تھا۔ کچھ دیر جو ہوئی، غلام گھوڑے کی گردن میں بانہیں ڈال کر کہہ رہا ہے۔ راہوار! تیرا سوار نہ آیا تو تیری زین خالی نہ رہے گی۔ میں تیری پشت پر سوار ہو کر آقا حسین کی نصرت کو جاؤں گا۔ فرزندِ رسول کے قدموں میں جان قربان کروں گا۔ جناب حبیب بھی اتنے میں قریب پہنچ گئے۔ غلام کا والہانہ کلام سن کر کہنے لگے۔ فرزندِ رسول! قربان جاؤں، غلاموں کی محبت کے یہ انداز ہیں۔ وہ نصرتِ امامِ مظلوم کے لئے بے چین ہیں۔ تو آزاد مردوں کا حق تو

ان سے بھی زیادہ ہے۔ بہرحال حبیب نصرتِ امام کے ارادہ سے کربلا میں پہنچ گئے۔

دستور ہے کہ مشکل کے وقت اگر کوئی مخلص دوست ساتھ آ ملتا ہے تو غم ہلکا ہو جاتا ہے۔ کوفت کم ہو جاتی ہے اور دل کو یک گونہ راحت ملتی ہے۔ حبیب آئے۔ گھوڑے سے اترے۔ دست و پائے امام پاک کے بوسے لئے۔ اپنی زوجہ کے سلامِ عقیدت پہنچائے مولا نے قدیمی حبیب کو گلے لگایا۔ بے کسی کے آنسو بہائے۔ انصارِ امام پاک کے حوصلے بلند ہوئے، مخدراتِ عصمت نے جب حبیب کی آمد سنی ہوگی یقیناً ان کے بہتے ہوئے آنسو تھمے ہوں گے۔ تڑپتے ہوئے دلوں کو قدرے سکون نصیب ہوا ہوگا۔ اور بتولؑ کی بیٹیوں کے دُکھے ہوئے دلوں سے کیا کیا دعائیہ جملے نکلے ہوں گے۔

جناب حبیب اگرچہ سن رسیدہ پیر مرد تھے۔ لیکن دل جواں، حوصلہ بلند، ارادہ قوی، اعصاب مضبوط۔ اور مثلِ شیر دلیر تھے۔ چنانچہ صبحِ عاشور جب مولائے مظلوم نے اپنے لشکر کی صفیں مرتب کی ہیں تو میسرہ (بائیں حصہ) پر جناب حبیب کو متعین کیا۔

اصحاب کے الوداعی سلام کا طریقہ

اصحابِ باوفا میں سے جب کوئی موت کے بازار میں جاتا، آقائے مظلوم سے اذنِ جہاد مانگتا۔ مولا اسے اجازت دیتے۔ تو جاتے وقت اس طرح سلام کرتا۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا بْنَ رَسُوْلِ اللّٰہِ۔ "فرزندِ رسول! میرا آخری سلام ہو"۔ مولا جواب میں فرماتے۔ وَعَلَیْکَ السَّلَامُ وَنَحْنُ خَلْفَکَ۔ "میرا تجھ پر سلام ہو، ہم بھی تمہارے پیچھے ہیں۔ اور جب کوئی مجاہد شہید ہوتا وہ مولا کو آواز دیتا۔ جناب مظلوم کربلا اپنے صحابی کی لاش پر جاتے۔ گریہ و زاری کرتے۔ دعا دیتے اور یہ آیت تلاوت فرماتے۔

فَمِنْهُمْ مَنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا پ ۲۱ ع ۱۹

"بعض وہ ہیں جو اپنا وعدہ پورا کر گئے۔ اور منزل کو جا لئے اور کچھ انتظار میں ہیں۔ اور انہوں نے عہدِ وفا میں کوئی تبدیلی نہ کی۔

جب جناب مسلم بن عوسجہ اسدی کی لاش پر امام مظلوم پہنچے، حضرت حبیب ان کے ہمراہ تھے۔ آپ اسیرِ شہید کی لاش پر آئے، اور فرمایا: "رَحِمَكَ اللّٰہُ یَا مُسْلِمُ" اور آیت مذکورہ کی تلاوت فرمائی۔ حضرت مسلم بن عوسجہ میں قدرے زندگی باقی تھی۔ حبیب ان کے قریب گئے۔ لاش پر بیٹھ کر گرد و غبار صاف کرتے جاتے ہیں، اپنے

برادر کی لاش پر فرزدق کے آنسو بہا کر کہتے ہیں: اِبْشِرْ یَا مُسْلِمُ بِالْجَنَّۃِ مسلم تمہیں جنّت کی خوشخبری ہو۔ جناب مُسلم کی لاش سے ہلکی سی آواز آئی بھائی حبیب خدا تمہیں بھلائی کی بشارت دے۔ پھر جناب مُسلم کے مُنہ کے قریب اپنا مُنہ کر کے جناب حبیب کہتے ہیں کہ اگر مجھے تمہارے بعد زندہ رہنا ہوتا تو ضرور کسی وصیّت کی آرزو کرتا مگر میں جانتا ہوں کہ آپ کے بہت جلد بعد آپ کے پاس میں بھی آنے والا ہوں۔ اس واسطے میں وصیت پوری نہ کر سکوں گا۔ جناب مسلم بن عوسجہ نے عالمِ نزع میں فرزندِ رسول کی طرف اشارہ کیا۔ اور کہا کہ فرزندِ رسُول کی نصرت میں اپنی جان قربان کر دینا حبیب نے کہا اس بات کا غم نہ کر۔ یہ وصیّت جلد پُوری ہوگی۔

جناب حبیب کی شجاعت و شہادت

جناب حبیب امام پاک سے اذنِ جہاد لے کر میدانِ قتال کی طرف رجز پڑھتے ہوئے روانہ ہوئے۔ حصین بن نمیر کے جواب میں حضرت حبیب نے تلوار کا وار کیا۔ ان کی ضرب سے حصین کو معمولی سا زخم لگا۔ لیکن وہ بزدل نابکار اس کا بھی متحمل نہ ہو سکا اور میدانِ جنگ سے ہٹ گیا۔ اس کے بعد اس سن رسیدہ بزرگ نے اپنی شجاعت کے وہ جوہر دکھائے کہ جو سامنے آتا بچ کر نہ جاتا۔ اس ضعیف العمر شیر دلیر نے فوج مخالف پر پے در پے حملے کئے اور باسٹھ بے دینوں کو واصلِ جہنّم کیا۔ آخر بنی تمیم کے ایک مرد نے کمین گاہ سے ایسا نیزہ مارا کہ جناب حبیب زمین پر گر پڑے۔ اُٹھنا چاہتے تھے مگر حصین بن نمیر نے حبیب کے سر پر تلوار ماری، حبیب نڈھال ہو کر مُنہ کے بل گر پڑے۔ پھر بدیل بن حریم نے گھوڑے سے اُتر کر امام پاک کے اس بوڑھے نبیّ کا سر قلم کر دیا۔

جناب امامِ مظلوم اپنے باوفا ساتھی کی شہادت کی خبر سُن کر فوراً اس کی لاش پر آئے اور فرمایا "عِنْدَ اللہِ اَحْتَسِبُ نَفْسِیْ وَ حُمَاۃَ اَصْحَابِیْ" میں اپنے نفس اور اپنے مددگار صحابیوں کی جزا کا بارگاہِ خداوندی سے امیدّوار ہوں۔ اور کئی بار مولائے مظلوم نے اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھا اس مختصر قافلہ کا قافلہ سالار اپنے ساتھیوں کے ایک ایک فرد کی کمی محسوس کرتا۔ میرے مولا کی تھوڑی فوج کا ایک ایک مجاہد باری باری رخصت ہو رہا تھا اور تعداد گھٹتی جا رہی تھی۔

جناب حبیب کی موت سے مولائے مظلوم کا دل ٹوٹ گیا۔ اور چہرۂ مبارک پر مایوسی کے آثار نمایاں ہو گئے۔ پہلے جب کسی شہید کی لاش پر جاتے تو یہ بوڑھا صحابی ہمراہ ہوتا۔ اب وہ ہمراہی بھی ساتھ چھوڑ گیا۔

عزادارو! مظلوم آقا کے دل پر کیا گزر رہی ہوگی۔ جب حبیب کو خاک و خون میں غلطاں دیکھا ہوگا۔ عموماً قافلہ سالار آگے ہوتا ہے اور قافلہ پیچھے ہوتا ہے۔ مگر یہ قافلہ پہلے سوئے جنت سدھارا اور سالار سب سے آخر میں پہنچا۔ قربان جاؤں سالار تو قافلہ کے ہر فرد کی لاش پر پہنچا مگر قافلہ سالار کی لاش اکیلی پڑی رہی کوئی جا کر لاش سنبھالنے والا نہ تھا۔ کوئی باقی ہوتا تو لاش پر جاتا۔

جناب نے حبیب کی لاش پر درد بھرے دل اور خشک زبان سے یہ آخری جملے کہے۔ لِلّٰہِ دَرُّکَ یَا حَبِیْبُ لَقَدْ کُنْتَ فَاضِلاً تَخْتِمُ الْقُرْاٰنَ فِیْ لَیْلَۃٍ وَّاحِدَۃٍ۔ بھائی حبیب! بخدا کیا خوبی تھی تمہاری کہ ایک رات میں پورا قرآن ختم کر لیا کرتے تھے۔

عین لڑائی میں نمازِ عشق

نہ مسجد میں نہ بیت اللہ کی دیواروں کے سائے میں
نمازِ عشق ادا ہوتی ہے تلواروں کے سائے میں

جناب حبیب تو عہدِ وفا کر کے اور بحرِ شہادت عبور کر کے حوضِ کوثر کے کنارے پہنچ گئے۔ اب مولائے مظلوم نے نمازِ ظہر ادا کرنے کا قصد فرمایا۔ اعداء و اشقیاء نے جنگ تو نہ روکی اور نہ امن کے ساتھ نماز پڑھنے کی مہلت دی۔ لیکن جہاں یہ نرالے غازی تھے یہ نرالے نمازی بھی تھے۔ جو عشق شہادت سے تھا، وہی عشق عبادت سے بھی تھا۔ بہر حال ان مجاہد نمازیوں نے تلواروں کے سائے، تیروں کی بوچھاڑ میں گرم زمین پر عین گرمی کی حدت اور بھوک و پیاس کی شدت میں امامِ انس و جان کے پیچھے صفیں درست کیں۔ یکایک ان خلوص کی خشک زبانوں سے "اللہ اکبر" کی صدائیں نکلیں۔ آسمانوں میں ملائکہ کی قطاریں ان نمازیوں کی صفوں پر نثار جاتی تھیں۔ اور کرّو بیین کی لاکھ تسبیحیں ان کی تسبیحوں پر قربان تھیں۔ ان کی سجدہ گاہوں پر بیت المعمور کو رشک تھا۔ اور ان نمازیوں کی زخمی

جبینوں پر ملائکہ کے سجدے فدا تھے۔ عرشِ معلّٰی پر اور سماوی طبقات میں رکوع اور سجدے وہ شان نہیں رکھتے جو فرشِ کربلا اور ریت کے مصلوں پر اِن پیکرانِ صدق و صفا اور ابدانِ عشق و وفا نے برستے تیروں اور لچکتے نیزوں میں خون آلود جبینوں کیساتھ سجدے کئے۔ ملائکہ کے لاکھوں سجدے ان کی ایک تسبیح و تہلیل کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ مولائے مظلوم نے اپنے چند مجاہدوں کے ساتھ نمازِ خوف ادا کی ؎

کیا نماز شاہ تھی ارکانِ ایمانی کے ساتھ
دل بھی جھک جاتا تھا ہر سجدے میں پیشانی کیساتھ

جب صفیں درست ہو چکیں، نمازیوں نے تیمم کر لئے تو امام مظلوم نے جناب سعید بن عبداللہ اور حضرت زہیر بن القین کو حکم دیا کہ تم ہمارے آگے کھڑے ہو جاؤ۔ تیروں اور نیزوں کو روکنا، یہ باوفا جانثار ستمگروں کے تیروں کی زد میں کھڑے ہو گئے۔ اور سینے تان کر تیروں اور نیزوں کو روکنے لگے، جو تیر آتا دوڑ کر اپنے سینوں اور بازوؤں پر روک لیتے۔ اور نمازیوں کی سپر بن کر ان کی محافظت کرتے رہے۔ ان بے دینوں نے ہنگامِ نماز بھی لڑائی سے ہاتھ نہ اٹھایا۔ بلکہ برابر کمانیں کڑکتی رہیں اور تیروں کا مینہ برستا رہا۔ ان دونوں جانثاروں کی یہی کوشش رہی کہ کوئی تیر ہم سے بڑھ کر نمازیوں تک نہ جائے۔ ادھر امام پاک نے نماز تمام کی، ادھر جناب سعید بن عبداللہ زخموں سے چور ہو کر زمین پر گر پڑے۔ زمین پر گرتے وقت اس مجاہد شہید کی زبان پر یہ الفاظ تھے۔ اَللّٰھُمَّ اَلْعَنْھُمْ لَعْنَ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ۔ اَللّٰھُمَّ اَبْلِغْ نَبِیَّکَ عَنِّی السَّلَامَ وَ اَبْلِغْہُ مَا لَقِیْتُ مِنَ الْمِ الْجِرَاحِ فَاِنِّیْ اَرَدْتُّ نُصْرَۃَ ذُرِّیَّۃِ نَبِیِّکَ ــــــ

اے اللہ! اس قومِ اشقیاء پر مثلِ قومِ عاد و ثمود لعنت بھیج۔ اور میرا سلام اپنے پیغمبر کو پہنچا۔ اور جو کچھ زخموں کا درد مجھے پہنچا ہے، اس سے اپنے پیغمبر کو باخبر کر کیونکہ میں نے تیرے پیغمبر کی نصرت کے قصد سے یہ سب کچھ کیا ہے۔

مؤرخین بیان کرتے ہیں کہ جناب سعید شہید کے بدن پر علاوہ تلواروں اور نیزوں کے زخموں کے تیرہ تیر ان کے جسمِ مقدس میں پیوست تھے۔ جناب امامِ مظلوم اپنے رفیق سعید کی لاش پر گریہ و زاری بھی کر رہے ہیں۔ لاش پر بیٹھ کر زخمی بدن سے تیر بھی نکال رہے ہیں۔ قربان جاؤں مولا! آپ سے سعید کی لاش پر تیر دیکھے نہ گئے۔ لیکن

اس سے کہیں زیادہ تیر آپ کے جسمِ اطہر پر تھے۔ زخم بھی زیادہ۔ لیکن کون تھا جو آپ کی لاش پر جاکر تیر نکالتا۔

جب سعید نے امام پاک کو اپنی لاش پر دیکھا تو نحیف آواز میں کہا۔ یابنَ رسُولِ اللہِ اَوْفَیْتُ؟ فرزندِ رسُول کیا میں نے عہدِ وفا پورا کر دیا ہے؟

امامِ مظلوم نے فرمایا۔ نَعَمْ! ہاں۔ وَ اَنْتَ اَمَامِیْ فِی الْجَنَّۃِ۔ تو جنّت میں میرے آگے ہے۔ اس کے بعد اس کی سعید رُوح پرواز کر گئی اور مظلوم آقا کی جمعیّت گھٹتی گئی۔ اَلَا لَعْنَۃُ اللہِ عَلَی الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۔

تیرھویں مجلس

عبادت کی تعریف، عبادت کی اقسام

ذکرِ علی عبادت ہے۔

معرفت و اخلاص، شہادتِ شہزادہ علی اکبرؑ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ○

ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے
مدد مانگتے ہیں۔

ماسوا اللہ را مسلماں بندہ نیست
پیشِ فرعونے سرش افگندہ نیست

قواعدِ عربی کے لحاظ سے مفعول فاعل اور فعل کے بعد آتا ہے۔ مگر جہاں مفعول فاعل سے پہلے آئے وہاں عربی گرامر کے لحاظ سے فعل مفعول میں منحصر ہوتا ہے۔ عربی مقولہ ہے: تَقْدِیْمُ مَاحَقُّہٗ التَّاخِیْرُ یُفِیْدُ الْحَصْرَ۔ جس کا حق پیچھے آنے کا ہے اُسے پہلے لانا مفید حصر ہوتا ہے۔ یعنی فعل اس مفعول کے ساتھ مخصوص ہو جاتا ہے۔ اس مقام پر چونکہ مفعول فاعل اور فعل سے پہلے آیا ہے اس واسطے عبادت اور استعانت ذاتِ خدا کے ساتھ مخصوص ہوگئی ہیں۔ یعنی اے اللہ! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ یعنی نہ تیرے غیر کی عبادت کرتے ہیں اور نہ تیرے غیر سے مدد مانگتے ہیں۔

غائب سے مخاطب کی طرف رجوع

اِس آیت سے پہلی آیات میں صیغہ غائب سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا گیا ہے۔ دستور ہے کہ غائب کا بار بار ذکر کرنے سے وہ ذہن کے خانوں میں جب سما جائے تو حاضر کا مقام حاصل کر لیتا ہے۔ قاری جب ذکرِ خدا کرتا ہے تو اس کا پورا ذہن خداوند عالم کی طرف پھر جاتا ہے۔ جب قاری "مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ" تک پہنچتا ہے تو وہ ذاتِ باری تعالیٰ کی طرف اس طرح متوجہ ہوا کہ خدا کے حضور میں پہنچ چکا ہے۔ اور بار بار ذکر کرنے سے وہ ذاتِ پاک اب غائب کے پردوں میں پنہاں نہیں رہی۔ اور نمازی کے قلب و ذہن کو جِلا ہوئی۔ حجاب غائب دور ہوا۔ قرب کی منزل حاصل ہوئی۔ خیال نے پلٹا کھایا۔ نَحْنُ اَقْرَبُ کا نقشہ سامنے آگیا۔ چونکہ سابقہ صفات کا موصوف سوائے خدا کے کوئی نظر نہ آیا۔ عرفان کی وادی میں ذاتِ ذوالجلال کو لَا شَرِيْكَ دیکھا۔ اخلاص کے مقام کا وصال ہوا۔ ہدایتِ ربّانی نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ مقامِ عبادت میں معرفت کا نورِ القاء ہوا۔ پکار کے کہتا ہے: اِيَّاكَ نَعْبُدُ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ تیرے غیر کی عبادت سے بیزار ہیں۔ اس طرح اسلام کے بنیادی کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے قول کو حالتِ نماز میں عملی صورت میں دکھا رہا ہے۔ یہی کلمہ دین کی اساس ہے۔ اور ہر پیغمبر کی اسلامی تعلیم کی بنیاد ہے۔ اور اسی بنیاد پر عمارتِ اسلام استوار ہے۔

عبادت کی تعریف

"اللہ تعالیٰ کی عظمت کا اقرار کرتے ہوئے اپنے آپ کو اس کے سامنے تذلّل کی اِس صورت میں پیش کرنا جو سوائے خدا کے کسی کے سامنے وہ صورت روا نہ ہو۔ دوسرے معنی میں" انتہائے تعظیم تعظیم کی آخری صورت کہ اس سے بڑھ کر تعظیم ہو نہیں سکتی۔ اور عبد کی ذلّت کی وہ شکل کہ اس سے بڑھ کر ذلّت اور انکسار کی اور شکل ناممکن ہو۔

تعظیم اور عبادت میں فرق

تعظیم کا معنی ہے کسی کی عظمت کا قولی وعملی صورت میں اظہار کرنا۔ اور "تکریم" کا معنی ہے کسی بزرگ اور قابلِ احترام ہستی کی عزّت کرنا۔ یہ دونوں "غیر اللہ" کے لئے جائز ہیں۔ اور یہی تعظیم و تکریم جب اپنی آخری صورت اور اپنی انتہا کو پہنچتی ہیں تو وہ عبادت بن جاتی ہیں۔ وہ پھر خداوندِ عالم کے لئے مخصوص ہو جاتی ہیں۔ قرآنِ پاک میں آیا ہے: وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ (سورۂ حج: پ ۱۷) جو شخص شعائر اللہ کی تعظیم کرتا ہے بے شک یہ دلوں کی پرہیزگاری سے ہے۔ انسان جب کسی قابلِ قدر اور لائقِ تعظیم انسان کو دیکھتا ہے تو از راہ کھڑا ہو جاتا ہے۔ اور جب اس کے سامنے

بیٹھتا ہے تو احتراماً دوزانو ہوکر بیٹھتا ہے۔ اور جب اس سے ملتا ہے تو تعظیماً سر جھکا لیتا ہے۔ یہ تمام احترام اور تعظیم کی صورتیں ہیں یعنی قیام' بدن کا کسی قدر جھکانا' اور دوزانو بیٹھنا۔ یہ صورتیں غیرِ خدا اور قابلِ قدر انسان کے لئے روا ہیں۔ لیکن تعظیم کی انتہائی صورت رکوع اور سجود ہے۔ یہ صرف ذاتِ پاک باری تعالیٰ کے لئے مخصوص ہے۔

عبادت کی صورت

نمازی نماز میں تعظیم کی تمام صورتیں اختیار کرتا ہے۔ "تکبیرۃ الاحرام" کے بعد دنیا و مافیہا سے منقطع ہوکر اپنے آپ کو بارگاہِ احدیت میں حاضر جان کر کھڑا ہوجاتا ہے۔ حالتِ قیام میں اس کی تعظیم کی پہلی منزل ہے۔ اس کے بعد تعظیم کی دوسری صورت "رکوع" کرتا ہے۔ اور پھر تعظیم کی تیسری اور آخری صورت سجود کی شکل میں ظاہر کرتا ہے۔ چونکہ تعظیم کی یہ تمام صورتیں وہ خدا کے لئے ظاہر کرتا ہے اس واسطے ان تینوں منزلوں میں ذکرِ خدا ہی کرتا ہے۔ پھر سجدوں سے فراغت کے بعد تشہد اور سلام کی حالت میں دوزانو ہوکر بیٹھتا ہے۔ یہ ہے اسلامی عبادت' اور شرعی بندگی۔ نماز میں اس کی تعظیم کی جملہ صورتیں اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہوتی ہیں۔ وہ زبان سے ذکرِ خدا کرتا ہے۔ عمل سے آدابِ عبادت بجالاتا ہے۔ اور دل اس کی یاد میں محو ہوجاتا ہے۔ یہ اس معبودِ حقیقی کی تعظیم ہے کہ میری عبادت اس طرح کرو۔ اس سے بڑھ کر عبد کے "تذلل اور خداوندِ عالم کی انتہائے عظمت کے اقرار کا طریقہ کوئی نہیں۔ گو ہر مذہب میں اور ہر ملت میں اس کی بندگی اور عبادت کے طریقے رائج ہیں۔ مگر اسلام نے اس کی عبادت کا جو طریقہ سکھایا ہے وہ لاثانی اور بے نظیر ہے جب انسان اسلام کی اس تعلیم کے مطابق آدابِ عبادت بجالاتا ہے تو وہ عبد اس وقت بارگاہِ خدا میں حاضر ہوکر اس کے ذکر کی چاشنی سے زبان تر کرکے لذتِ وصال کے مزے لوٹتا ہے۔ جس انسان کی "اَحْکَمُ الْحَاکِمِیْنَ" کی بارگاہ میں مقبول رسائی ہوجائے' اس کا رتبہ بلند ہوجاتا ہے۔ اس واسطے حدیث شریف میں آیا ہے: "اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِ" نماز مومن کیلئے معراج ہے۔

عبادت کی اقسام

گو عبادت کی جامع و اکمل اور افضل صورت نماز ہے۔ مگر پھر بھی عبادت کی کئی قسمیں ہیں۔ عبادت ظاہر ارکان کے ساتھ' زبان کے ساتھ ذکرِ خدا کرنا۔ تسبیح' تہلیل' حمد و ثنا' دعائیں مانگنا۔ دعاؤں کا پڑھنا۔ مقربین' معصومین' انبیاء و مرسلین اور ائمہ طاہرین صلوۃ اللہ وسلامہ

علیہم کا ذکرِ خیر کرنا۔ کان کی عبادت۔ قرآن کا سُننا' ذکرِ خُدا سننا۔ ذکرِ انبیاء و ائمہ معصومین سننا۔ آنکھ کی عبادت، قرآنِ مجید کا دیکھنا' کعبہ مقدسہ' انبیاء و مرسلین' ائمہ مقربین علیہم السلام کو دیکھنا۔ مشاہد مقدسہ' شعائرُ اللہ وغیرہا کی طرف نظر کرنا۔

دست و پا کی عبادت

شعائرِ اللہ' مقدس مقامات' قرآنِ مجید کو مَس کرنا' مسجد کی طرف چل کر جانا' بیت اللہ کی طرف حج کے لئے چلنا۔ مقاماتِ مقدسہ' مزاراتِ مطہرہ کی طرف جتنے قدم چلیں گے' عبادت میں شمار ہوں گے۔

دِل کی عبادت

محبتِ خُدا اور محبتِ محبوبانِ خُدا' و بغضِ مبغوضانِ خُدا یعنی خُدا کے دشمنوں کے ساتھ بغض رکھنا بھی عبادت ہے۔

عقل کی عبادت

آیاتِ خداوندی اور اس کی مخلوقات میں غور و فکر کرنا' اس کے مظاہر قدرت کا مطالعہ کرنا' اور اس کی عجیب و غریب مخلوقات میں غور و فکر کرنا' جس سے بندۂ مومن کا ایمان بڑھے۔ بلکہ یہ تمام عبادتوں سے افضل عبادت ہے۔ عبادت کی یہ اقسام شاہ عبد العزیز دہلوی نے اپنی تفسیر عزیزی میں ذکر کی ہیں۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب

مشہور و مسلّمہ حدیث ہے کہ "ذِکْرُ عَلِیٍّ عِبَادَۃٌ" علی علیہ السّلام کا ذکر عبادت ہے"

"اَلنَّظَرُ اِلٰی وَجْہِ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ عِبَادَۃٌ" علی بن ابی طالب کے چہرے کو دیکھنا عبادت ہے"۔

یہ مشہور حدیثیں ہیں جو کتبِ احادیث کے اوراق کی زینت بھی ہیں اور منبر کے واعظین اور سٹیج کے ذاکرین کے بیان کا نمایاں حصّہ بھی۔ بعض مخالف حضرات اعتراض کرتے ہیں کہ جب ذکرِ علی عبادت ہے تو علی معبود ٹھہرے۔ اسی طرح نظر کرنا' عبادت تو بھی علی معبود قرار پائے' جس کا ذکر عبادت ہو وہ معبود ہوتا ہے۔ جیساکہ ذکرِ خُدا عبادت تو خدا معبود۔ اسی طرح ذکرِ علی عبادت تو علی معبود' جب علی معبود بن گئے تو دینِ اسلام کی بنیاد کلمہ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ (خدا کے سوا کوئی معبود نہیں) ختم ہوگیا۔ بنیاد گر گئی' اور جملہ اہلِ اسلام کا اتفاق ہے کہ "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" خُدا کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ مگر شیعوں نے اس کی تردید کردی۔ اساسِ اسلام پہ ضرب کاری لگادی اور "اِیَّاکَ نَعْبُدُ" کی تردید کردی' حالانکہ یہ کلمہ شیعہ بھی پڑھتے ہیں۔ اور اقرار کرتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ مگر یہ حدیثیں اس کی سخت تردید کرتی ہیں کیونکہ

یہ دونوں حدیثیں علی کو معبود قرار دیتی ہیں۔

ناظرین کرام! یہ اعتراض ہم نے مفصل تحریر کردیا ہے۔ اب اس کا جواب بھی مفصل سُنیں۔

الجواب بالصواب

اس میں شک نہیں کہ ذکر خدا عبادت ہے۔ ذکرِ خُدا دو طرح کا ہے۔ ایک بلا واسطہ اور دوسرا بالواسطہ۔ بلا واسطہ تسبیح، تحمید تہلیل و تکبیر، مثلاً سُبحَانَ اللّٰہ اَلحَمدُ لِلّٰہِ۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اَللّٰہُ اَکبَرُ۔ وغیرہ

ذکر

اور بالواسطہ اس کے مقربین خاص مثلاً انبیاء اوصیاء اور اس کے اولیاء کا ذکر چونکہ انبیاء اس کے بھیجے ہوئے ہیں، اولیاء اس کے اولیاء ہیں۔ اوصیاء اس کے انبیاء و رُسل کے وصی ہیں۔ ان سب کا خُدا کے ساتھ تعلق ہے اور اُسی کے نمائندہ ہیں اسی کے برگزیدہ ہیں۔ اسی کے پیغام رساں اور اسی کے احکام و ہدایت کے مُبلّغ ہیں۔ اس واسطے اس حیثیت سے ان کا ذکر ذکرِ خدا ہے۔ اگر یہ نفوسِ قدسیہ اس کے نمائندے نہ ہوتے اس کے پیغام بر نہ ہوتے، اس کے دین کے مبلّغ نہ ہوتے تو ہم اپنی مجالس و محافل میں ہرگز ان کا ذکر نہ کرتے، ہم اِسی لئے ان کے ذکر سے اپنی مجالس کو زینت دیتے ہیں کہ یہ اسی کے ہیں۔ اور اُن کے ذکر سے اسی کی یاد تازہ ہوتی ہے۔ اور ان کا ذکر منتہی ہوتا ہے ذکرِ خدا پر، اور ان کے واسطہ سے ان کا ذِکر ذکرِ خُدا تک پہنچتا ہے۔ اس واسطے ان کا ذِکر عین ذکرِ خُدا ہے۔

جس طرح کہ ان کے فرمودات فرمودات خدا ہیں، ان کے احکام احکام خدا ہیں، ان کے اقوال اقوالِ خُدا ہیں، اِسی طرح ان کا ذکر ذکرِ خُدا ہے۔

یہ یاد رہے کہ ان مقدّس و پاک افراد کا ذکر ان کی عبادت نہیں بلکہ عبادتِ خدا ہے ذِکر ان کا ہے لیکن ان کا ذکر عبادتِ خدا ہے۔ اس واسطے یہ معبود نہیں قرار پاتے۔

اِسی طرح سرتاجِ اوصیاء سرخیلِ اولیاء حضرت علی بن ابیطالب علیہما السّلام کا ذکر عبادتِ خدا ہے۔ کیونکہ جناب امیر علیہ السّلام برگزیدۂ خُدا، ولی اللّٰہ وصیِ رسولؐ اور اس کے خلیفہ بلافصل ہیں۔ اس واسطے جناب امیر علیہ السّلام کا ذکر بحیثیت وصی و خلیفہ کے ذکرِ خدا ہے۔ اور بلحاظِ امامِ معصوم اور ولیِ خاص ذکرِ خدا ہے۔ چنانچہ اس مطلب کی وضاحت خود جناب پیغمبر اسلام صلّی اللّٰہ علیہ و آلہ وسلّم کی حدیث میں ہے۔ حضور فرماتے ہیں: زَیِّنُوا مَجَالِسَکُم بِذِکرِ عَلِیِّ ابنِ اَبِی طَالِب فَاِنَّ ذِکرَہٗ ذِکرِی وَ ذِکرِی ذِکرُ اللّٰہِ وَ ذِکرُ اللّٰہِ عِبَادَۃٌ۔

ذکرِ علیؑ عبادتِ علیؑ نہیں بلکہ عبادتِ خدا ہے

اپنی مجلسوں کو علی بن ابی طالب کے ذکر سے زینت دو کیونکہ اس کا ذکر میرا ذکر ہے۔ اور میرا ذکر خدا کا ذکر ہے۔ اور خُدا کا ذکر عبادت ہے۔

پس ذکرِ علی عین ذکر خدا ٹھہرا، اور ذکرِ خدا عبادت ہے۔ پس ذکرِ علی عبادت ہے۔ تو جناب امیر علیہ السّلام کے ذکر سے علی معبود نہیں قرار پاتے، بلکہ خدا معبود قرار پاتا ہے۔ اس طرح نہ متعدد معبود بنتے ہیں نہ کلمۂ توحید پر زد پڑتی ہے۔ اور نہ "اِیَّاكَ نَعْبُدُ" کی تکذیب ہوتی ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور اس کی حسین وجمیل صنعتوں میں غور و فکر عبادت ہے کہ ان کے دیکھنے سے خدا کے وجود کا تعیّن ہو جاتا ہے۔ اس کی عجیب و غریب خلقت سے اس کی کمالِ قدرت کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ آسمان و زمین کی پیدائش سے خالقِ کریم کا پتہ چلتا ہے اور غور و فکر کرنے والا پکار اٹھتا ہے: "مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا" تو نے اُن کو بے فائدہ نہیں پیدا کیا۔ وہ خود اپنی آیات میں غور و فکر کی دعوت دیتا ہے۔ کیونکہ آیاتِ خداوندی میں غور و فکر کرنے سے ایمان و یقین میں زیادتی ہوتی ہے: "اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ" کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ اونٹ کیونکہ پیدا کیا گیا ہے۔ زمین کس طرح بچھائی گئی ہے۔ آسمان کس طرح بلند کیا گیا ہے۔ پہاڑ کس طرح گاڑے گئے ہیں۔ یہ سب آیاتِ الٰہی ہیں۔ جب ان میں غور و فکر اور اس لحاظ سے ان کا ذکر عبادت ٹھہرا تو امیر المومنین علیہ السّلام تو "آیتِ کُبریٰ" ہیں۔ انسان شناہکارِ قدرت ہے۔

علیؑ کی طرف محبت سے نظر کرنا عبادتِ خُدا ہے

جنابِ رسالتمآبؐ، امیر المومنین اور ائمہ معصومین علیہم الصلوٰۃ والسّلام، آیاتِ عظمیٰ، اسماءِ حسنیٰ اور مظاہرِ قدرت ہیں۔ اور فخرِ بنی نوعِ انسان ہیں۔ اور تمام کائنات و مخلوقات سے افضل ہیں۔ تو ان کا ذکر کیوں نہ عبادتِ خدا ٹھہرا۔ جس طرح کہ خانۂ کعبہ کی طرف دیکھنا، اور قرآن مجید پر نظر کرنا عبادت ہے کہ وہ اللہ کا خاص گھر اور اللہ کا خاص کلام ہے۔ تو یہ اللہ کے خاص بندے، اس کے مقربینِ بارگاہ، اور اس کے خاص اور اشرف نمائندے ہیں۔ تو ان کی طرف اس لحاظ سے دیکھنا کیوں نہ عبادتِ خُدا قرار پائے۔

پس ان کا ذکرِ خیر اور ان کی طرف پرخلوص ایمانی نگاہ عبادتِ خُدا ہے۔ ان کی عبادت نہیں، خدا کی عبادت ہے۔ خدا معبود ہے، یہ حضرات معبود نہیں، لہٰذا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ بھی صحیح اور

اِیَّاکَ نَعۡبُدُ بھی دُرست، اور ان کا ذکرِ خیر بھی باعثِ اضافۂ ایمان، زیادتیٔ یقین، بالیدگیٔ رُوح، جلاء قلب اور روشنیٔ چشم بنتا ہے۔ اور اسی کا خلاصہ اور اسی مطلب پر جناب شاہ عبدالعزیز دہلوی نے اپنی تفسیر عزیزی میں زیرِ آیت : "اِیَّاکَ نَعۡبُدُ" روشنی ڈالی ہے۔ خواہشمند حضرات ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

دستور ہے کہ جب انسان کسی شئے سے محبّت کرتا ہے تو زبان پر اکثر اس کا ذکر رہتا ہے اور خیال میں محبوب سمایا رہتا ہے۔ ہم چونکہ ان سے محبّت رکھتے ہیں، اس واسطے ہماری زبانیں ان کے ذکرِ پاک سے تر رہتی ہیں۔ خیال میں یہ بستے ہیں۔ اور دِلوں کے خانے ان کی یاد سے معمور رہتے ہیں۔ ان سے بڑھ کر کوئی محبوبِ خدا نہیں، لہٰذا جس طرح ان کا ذکر ذکرِ خُدا ہے، ان سے محبّت بھی عین محبّتِ خدا ہے۔ اسی لئے ان کی مُودّت کا حکم صادر فرمایا ہے۔ کہ ان کی مُودّت سے مُودّتِ خُدا دلوں میں جاگزیں ہوتی ہے۔ بلکہ ان کی محبّت کے بغیر محبّتِ خُدا ہو ہی نہیں سکتی، ان کی محبّت، محبّتِ خدا، اور اُن سے بُغض بغضِ خدا ہے۔ اسی واسطے حضورِ پاک نے فرمایا۔ "یَا عَلِیُّ حُبُّكَ اِیْمَانٌ وَ بُغْضُكَ نِفَاقٌ" "اے علی! تیری محبّت ایمان ہے اور تجھ سے بُغض منافقت ہے"۔ صرف علی سے محبّت رکھنا ہی عبادت نہیں بلکہ علی کے دشمن سے نفرت و بیزاری کرنا بھی عبادت ہے۔

معرفت و اخلاص

عبادت میں دو چیزیں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں، اور اگر وہ نہ ہوں، تو عبادت محض بیکار محنت اور بے فائدہ مشقّت رہ جاتی ہے۔ بلکہ بعض اوقات عابد بجائے ثواب کے عقاب کا مستحق ہو جاتا ہے۔ وہ بے چارہ بے حد مفلس اور بے مایہ ہے کہ عبادت کرتا ہے۔ محنت و مشقت سے تھک جاتا ہے لیکن صلہ سے محروم رہتا ہے۔

معرفتِ معبود

انسان کی فطرت میں عبادت کا جذبہ پایا جاتا ہے۔ اور انسان مختلف زمانوں میں مختلف صورتوں سے متعدد چیزوں کے سامنے سر کو جھکاتا رہا ہے۔ سورج، چاند تارے، آگ، اور درخت، مٹی اور پتھر کے بنے ہوئے بُت کئی زمانوں میں انسان کے معبود رہے ہیں۔ فطری کشش نے انسان کو پرستش پر مجبور کیا۔ لیکن باطنی ہادی "عقل" اور ظاہری ہادی "نبی" کی ہدایت سے محروم رہنے کی وجہ سے پرستش کرنیوالا انسان عبادت کی محنت کا ثمرہ نہ پا سکا۔ عبادت تو کرتا رہا۔ مگر جن کی عبادت کی وہ صحیح معبود اور عبادت کے لائق نہ تھے جب وہ نفع و نقصان کے مالک نہ تھے، وہ کیا صلہ دیتے۔

اس واسطے اَے عزیز انسان! عبادت سے پہلے معبود کو پہچان "اَوَّلُ الدِّیْنِ مَعْرِفَتُهٗ"

دین کی پہلی بات اس کی پہچان ہے۔ سورج، چاند، تارے، درخت اور آگ، انسان، بت وغیرہ خود مخلوق ہیں۔ زوال پذیر ہیں۔ اگر ان میں خوبیاں ہیں تو ان خوبیوں کی بنا پر قابلِ مدح تو ہو سکتے ہیں قابلِ عبادت نہیں، قابلِ عبادت وہ ہے جس نے ان کو وجود بخشا۔ ان کو چمک دمک، روشنی اور نور عطا کیا۔ انسان مخلوق کے کمالات کو دیکھ کر بھٹک گیا۔ اور ان کو کمال کی وجہ سے معبود بنا بیٹھا اور آگے نہ بڑھا۔ آگے بڑھتا تو کمال بخشنے والے خالق تک پہنچتا۔ اور صحیح معبود کا پتہ حاصل کر لیتا۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ یہ سورج اور چاند کا سجدہ مت کرو، اس اللہ کا سجدہ کرو، جس نے ان کو پیدا کیا ہے۔ اگر تم خاص اسی کی عبادت کرنا چاہتے ہو۔ "تحقیقت" تو معلوم ہو گیا کہ صحیح معبود کی معرفت کے بغیر عبادت باطل، اسی طرح صحیح ہادی کی معرفت کے بغیر اطاعت باطل۔ کیونکہ جس معبود کی تو عبادت کر رہا ہے اگر نااہل ہے تو عبادت باطل ہے۔ اور جس امام کی تو اطاعت کر رہا ہے اگر غلط ہے تو اطاعت بے کار، اس واسطے عبادت و اطاعت سے پہلے معبود اور مطاعؑ کی پہچان لازمی ہے۔ جب عرفان حاصل ہو جائے تو عبادت میں عابد کو مزہ حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح صحیح امام کی معرفت سے اطاعت کا لطف حاصل ہوتا ہے، کیونکہ عبادت و اطاعت کرنے والے کو صلہ کی امید اور ثواب کا یقین ہوتا ہے۔

اِخلاص

کمالِ معرفت اس کو واحد ماننا، اور شرک کی آمیزش سے خالص جاننا ہے، جب اس کی کسی قدر معرفت ہو جائے تو غیر کو اس جیسا نہیں مانا جا سکتا۔ کیونکہ اس کے سوا باقی تمام مخلوق ہے۔ اور مخلوق خالق کے برابر کہاں ہو سکتی ہے۔ اگر کسی اور کو اس کے برابر یا اس جیسا مان لیا تو اس کی معرفت سے بیگانہ رہا، اسی واسطے حکم ہے: اِیَّاكَ نَعْبُدُ" ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں، تیرے غیر کی عبادت نہیں کرتے، چونکہ وہ تنہا عبادت کے لائق ہے اور غیر عبادت کے لائق نہیں، اس واسطے غیر کو عبادت میں شریک کرنا نااہل کو اہل کے برابر سمجھنا ہے، اور یہ شرک ہے۔ اس طرح اہل کی عبادت بھی ضائع ہو جاتی ہے۔ جس طرح عبادت میں نااہل کو اہل کے برابر سمجھنا عبادت کو باطل کر دیتا ہے اسی طرح نااہل کی اطاعت سے اہل کی اطاعت رائیگاں جاتی ہے۔ جھوٹے نبی کو مان لینے سے سچے نبی کا ماننا بے فائدہ ہے۔ اسی طرح جھوٹے امام کو ماننے سے سچے امام کو ماننے کا کوئی فائدہ نہیں۔ توحید سے ہمیں یہی سبق ملتا ہے۔ کہ اہل کے اقرار سے پہلے نااہل کا انکار ضروری ہے۔ اسی لئے کلمۂ توحید یہ

سبق دیتا ہے کہ پہلے نا اہل کا انکار کرو پھر اہل کا اقرار کرو: "لَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ" حق میں باطل کو نہ ملاؤ، حق و باطل میں تمیز کرو۔ حق کو حق اور باطل کو باطل، سچے کو سچا اور جھوٹے کو جھوٹا سمجھو۔ حق کو حق سمجھ کر اس کی پیروی کرو اور باطل کو باطل سمجھ کر اس سے بیزاری اختیار کرو۔

عبادت میں خلوص

ہر وہ کام جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کیلیے کیا جاتا ہے اور جسکا مقصد تقرب بارگاہ خدا ہے وہ عبادت ہے عبادت کوئی اور کسطرح بھی ہو اس میں صرف اور صرف خدا کی رضا و قربت مقصود ہے اگر عبادت میں غیر خدا کی خوشنودی کا ذرا بھی خیال دل میں آیا تو خلوص جاتا رہے گا۔ ریاکاری آجائے گی اور وہ اس کا صلہ خدا سے مانگنے کا حقدار نہ رہے گا خدا سے صرف اسی صورت اجر لینے کا حقدار ہوگا۔ جب اس نے عبادت خالص رضا خدا کے لیے کی ہوگی۔

ایک عبادت ہے حصول جنت اور نعمات اخروی کے لیے یہ عبادت تاجروں کی ہے کہ تاجر حصول نفع کے شوق میں خرید و فروخت کرتا ہے اور کوئی کاروبار کرتا ہے نفع حاصل کرنے کے لیے گو یہ عبادت صحیح ہے مگر کامل نہیں۔

ایک عبادت ہے عذابِ آخرت سے بچنے کے لئے کہ اگر بندہ عبادت نہ کرے تو اُسے عذاب ملے گا۔ وہ عذاب کے ڈر سے عبادت کرتا ہے۔ یہ غلاموں اور نوکروں کی عبادت ہے کہ آقا کے غلام و نوکر فرمانبرداری تو کرتے ہیں۔ مگر آقا کی سزا سے ڈر کر کہ اگر اطاعت نہ کی جائے اور تعمیلِ حکم نہ کریں تو آقا سزا دے گا، عبادت تو صحیح ہے مگر کامل نہیں۔

تیسری عبادت یہ ہے کہ نہ تو جنّت کا لالچ ہے اور نہ دوزخ کا ڈر بندہ اس لئے عبادت کرتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ عبادت کے لائق ہے یہ آزادوں کی اور کامل عبادت اور افضل عبادت ہے۔ اسی لئے جناب امیرالمومنین علیہ السّلام فرماتے ہیں: "مَا عَبَدْتُكَ طَمَعًا لِلْجَنَّةِ وَلَا خَوْفًا مِنَ النَّارِ بَلْ وَجَدْتُكَ اَهْلًا لِلْعِبَادَةِ فَعَبَدْتُكَ" بارِ الہا! میں نے تیری عبادت جنت کے شوق میں نہیں کی، اور نہ دوزخ کے خوف سے بلکہ تجھے عبادت کے لائق پایا۔ تو تیری عبادت کی۔

جب عابد معرفتِ معبود حاصل کر لیتا ہے تو اُسے عبادت میں مزہ آتا ہے کہ وقتِ عبادت خیالِ معبود میں یوں محو ہو جاتا ہے کہ دنیا و مافیہا سے بالکل بے خبر ہو جاتا ہے۔ اس کا دنیا سے تعلق کٹ جاتا ہے اور معبود کے دھیان میں مستغرق ہو جاتا ہے۔ یہی حال جناب امیر علیہ السّلام کا حالت نماز میں ہوتا تھا کہ پاؤں سے حالتِ نماز میں تیر نکالا جاتا اور عابد عارف کو درد محسوس نہ ہوتا اور نہ ہی پتہ چلتا کہ پاؤں سے تیر نکال لیا گیا ہے۔

اور یہی حالت تھی عارفانِ حق کی میدانِ کربلا میں کہ حمایتِ حق کے خیال اور وصالِ خدا کے

شوق میں پیاس کی شدّت، بھوک کی تکلیف اور زخموں کے درد و اَلَم کا احساس تک نہ رہا۔ احساس تھا تو اہلِ بیتِ رسول کی حفاظت کا، حق کی نصرت اور فرزندِ رسولؐ کی حمایت کا، وہ موت کی طرف یوں دوڑ کے جاتے جس طرح پیاسا چشمۂ آب کی طرف دوڑتا ہے۔ انہیں نیزوں اور تیروں کے زخموں میں لذّت محسوس ہوتی تھی اور شوقِ شہادت میں ایک دوسرے پر سبقت کرتے تھے۔ جس طرح شیر خوار بچے کو ماں چھاتی سے انس ہوتا ہے۔ اس سے بڑھ کر انہیں موت کی رغبت تھی۔

نمازِ ظہر کے بعد میرے مظلوم مولا کی جمعیت گھٹ گئی، اکثر رفقاء جامِ شہادت پی کر رخصت ہو گئے۔ جو باقی رہ گئے وہ بھی باری باری اجازت لے کر راہیٔ جنّت ہونے لگے۔ جب اصحاب باوفا اور انصارِ خیر خواہ اپنا عہد وفا کر چلے اور رفاقتِ امامِ مظلوم کا حق ادا کر کے حسینؑ کے ناناؐ کے ہاں پہنچ گئے تو بنی ہاشم کی باری آئی۔ بنی ہاشم کے شہداء کی تعداد میں اختلاف ہے مشہور یہ ہے کہ وہ اٹھارہ تھے مگر اس سے زیادہ تعداد بھی کتبِ تواریخ اور مقاتل میں مرقوم ہے۔ اسی طرح بنی ہاشم کے سب سے پہلے شہید کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔ اکثر مؤرخین کی رائے یہ ہے کہ بنی ہاشم میں سب سے پہلے شہید جناب علی اکبر ہیں۔

شہادتِ حضرت علی اکبر علیہ السّلام

میر انیس اعلی اللہ مقامہٗ جوان بیٹے کے متعلق فرماتے ہیں ؎

دولت کوئی دنیا میں پسر سے نہیں بہتر ۔ راحت کوئی آرامِ جگر سے نہیں بہتر
لذّتِ کوئی پاکیزہ ثمر سے نہیں بہتر ۔ نکہت کوئی بوئے گلِ تر سے نہیں بہتر
صدموں میں علاجِ دلِ مجروح یہی ہے ۔ ریحاں یہی، رُوح یہی، رُوح یہی ہے
یا رب کوئی فرزند جُدا ہو نہ پدر سے ۔ موت آ کے نہ لے جائے یہ دولت کسی گھر سے
اٹھ جاتا ہے جینے کا مزہ مرگِ پسر سے ۔ جاتا نہیں یہ داغ موئے پر بھی جگر سے
اس غم میں کرے صبر نہیں دل یہ کسی کا ۔ ہاں سبطِ پیمبرؐ کا حسین بن علیؑ کا

نام و نسب آنجناب کا نام علی اور لقب اکبر ہے۔ چونکہ امام مظلوم کے شہید ہونے والے دو فرزند شہیدوں میں سے یہ بڑے ہیں۔ اسی لئے انہیں اکبر کہا جاتا ہے۔ گو بعض تاریخیں انہیں امام حسین علیہ السّلام کا فرزندِ اکبر قرار دیتی ہیں، اور انہیں جناب

امام علی زین العابدین علیہ السّلام سے بھی بڑا تحریر کرتی ہیں۔ مگر جناب شیخ مفید طاب ثراہ اور جناب ابن شہر آشوب مازندرانی اور جناب علامہ غلام حسنین کنتوری اعلیٰ اللہ مقامہم انہیں امام علی زین العابدین علیہ السّلام سے چھوٹا بیان کرتے ہیں۔ جناب علی اکبر کے متعلق بار بار لفظ "غلام" آیا ہے اور غلام کمسن نوجوان کو کہتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ امام سجاد سے چھوٹے تھے۔ اس لحاظ سے جناب امام حسین علیہ السلام کے فرزندوں میں علی اوسط ہیں۔ اور شہادت پانے والوں میں اکبر ہیں۔ جناب شیخ مفید طاب ثراہ کے مطابق ہم ان کے حالات قلمبند کرتے ہیں۔

جناب کے پدر بزرگوار حسین بن علی ہیں اور والدہ لیلیٰ بنت ابی مرّہ بن عروہ بن مسعود ثقفی ہیں حضرت علی اکبر، جعفر بن حسین ان کی وفات مدینہ میں ہوگئی تھی وہ کربلا میں موجود نہ تھے۔ اور حضرت علی اصغر جو باپ کے ہاتھوں پر شہید ہوئے۔

جناب لیلیٰ کے دادا طائف کے مشہور سردار عروہ بن مسعود ثقفی تھے۔ جن لوگوں نے مدینہ میں اسلام قبول کیا تھا ان میں زمانہ جاہلیت وکفر کے چار سردار تھے۔ بشر بن ہلال عبدی، عدی بن حاتم طائی، سراقہ بن مالک مُدلجی اور عروہ بن مسعود ثقفی۔ یہ عروہ بن مسعود ثقفی مقام حدیبیہ میں قریش کے سفیر بن کر آئے۔ اور صلحنامہ تیار ہوا تھا۔ سنہ ۹ ھ میں یہ مشرف بہ اسلام ہوئے۔

جناب لیلیٰ کی ماں ابو سفیان کی بیٹی میمونہ تھی۔ جس کی کنیت اُمّ شیبہ بیان کی جاتی ہے۔ اس لحاظ سے جناب لیلیٰ معاویہ کی بھانجی ہیں۔ اسی واسطے یوم عاشور وقت قتال جناب علی اکبر کو اس قرابت کی وجہ سے امان پیش کی گئی تھی۔ جس طرح جناب عباس اور ان کے بھائیوں کو امان نامہ پیش کیا گیا تھا۔ مگر جس طرح جناب عباس نے امان نامہ کو پائے استحقار سے ٹھکرا دیا تھا۔ اسی طرح حضرت علی اکبر نے بھی اس امان کو ردّ کر دیا تھا۔

حالات جناب علی اکبر علیہ السّلام

معاویہ بن ابو سفیان اکثر جناب علی اکبر علیہ السّلام کی مدح کیا کرتا تھا۔ ایک دن امیر شام نے اپنے درباریوں سے کہا کہ اس امر خلافت کا حقدار کون ہے تو درباریوں نے از راہ خوشامد کہا کہ آپ ہیں۔ مگر معاویہ نے کہا، نہیں، خلافت کے حقدار حضرت علی اکبر ہیں۔ کہ ان میں بنی ہاشم کی شجاعت، بنی امیہ کی سخاوت اور بنی ثقیف کا حسن وجمال جیسے اوصاف پائے جاتے ہیں۔ یہ تو

معاویہ کی زبان تھی۔ مگر تمام اوصافِ حمیدہ اور خصالِ جمیلہ بنی ہاشم کی میراث تھیں۔ علی اکبر جن کے ورثہ دار تھے۔

جناب علی اکبر جود و کرم اور مہمان نوازی میں ممتاز تھے۔ حسینی لنگر کے ناظم اور مہمان خانہ کے منتظم تھے۔ عرب میں مہمان نوازی نہایت عظیم الشان عادت اور قابلِ فخر صفت تصوّر کی جاتی تھی۔ جو مہمان نوازی سے کتراتا اس کی سخت مذمّت اور مہمان نواز کی بہت تعریف کی جاتی۔

جناب علی اکبر مہمانوں کی حد درجہ تواضع کرتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ جناب امام حسین کی مہمان نوازی کے لئے علی اکبر جیسا کوئی مہمان نواز نہ تھا۔ جناب علی اکبر مہمان خانہ میں اعلیٰ قسم کے کھانے پکواتے، یتیموں، بیواؤں، مسکینوں اور مہمانوں کو عزت و اکرام کے ساتھ کھلاتے، کوٹھوں پر آگ روشن کرتے، جو مہمان نوازی کی علامت اور مہمان خانہ کی رہنمائی کرتی تھی تاکہ مہمانوں کو راہ ڈھونڈنے اور مہمان خانہ تلاش کرنے میں دقّت نہ ہو۔ قربان جاؤں جس حسین نوجوان کی سخاوت اور مہمان نوازی کی یہ عادت ہو، روزِ عاشور کربلا میں ایک گھونٹ پانی مانگتا ہے مگر نصیب نہیں ہوتا۔ ہائے انقلابِ زمانہ، اور بے وفائیِ دنیا۔ ایسا سخی و کریم، خشک ہونٹوں اور سوکھے گلے کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوتا ہے۔ جناب علی اکبر علم و فضل میں اپنے بابا حسینؑ کے اور آدابِ حرب میں چچا ابوالفضل عباسؑ کے شاگرد تھے۔ اخلاق و عادات، شکل و صورت، اور رفتار و گفتار میں شبیہِ محمد مصطفیٰؐ تھے۔

مدینہ کے لوگ دیدارِ پاک پیغمبرؐ کے مشتاق ہوتے تو جناب علی اکبر کی زیارت سے وہ شوق پورا کر لیتے، جناب امام حسین علیہ السّلام کو اپنے ہم شکلِ پیغمبر فرزند سے بہت محبت تھی انہیں دیکھ دیکھ کے خوش ہوتے۔

اس پیارے نازنین اور شبیہِ رسول بیٹے کی ہر حاجت پوری کرتے خواہ اعجاز سے ہو۔ ایک مرتبہ جناب علی اکبر نے اپنے بابا سے انگوروں کی خواہش کی، انگوروں کا موسم نہ تھا۔ امام پاک نے مسجد کے ستون کو ہاتھ لگا کر اعجاز سے انگوروں کا گچھا اپنے پیارے دلبند کو عطا فرمایا۔ ان کی خواہش ردّ نہ کر سکے۔ مگر معلوم نہیں کہ روزِ عاشور جب جنگ کرنے کرتے واپس آئے تو ایک گھونٹ پانی کا مطالبہ کیا۔ مگر امام اس وقت کیوں نہ ان کی خواہش پوری کر سکے۔ اتنا کہا بیٹا! کس قدر دشوار ہے کہ تم پانی مانگو اور میں پانی نہ دے سکوں، ہاں تھوڑی دیر صبر کرو، تمہارے جدِّ امجد تمہیں کوثر سے سیراب کریں گے۔

اذنِ جہاد

انصار و اصحاب کی شہادت کے بعد جناب علی اکبر خدمتِ امام میں حاضر ہوئے اور اذنِ جہاد چاہا۔ اٹھارہ انیس سال کا سن، آغازِ شباب، حسین وجمیل جوانِ رعنا۔ عصائے پیری، مسیں بھیگی ہوئیں۔ سیاہ زلفیں لہراتی ہوئیں، نورانی چہرہ، سر پہ گیسو دراز، رُخِ انور سیاہ گیسوؤں میں یوں نظر آتا جس طرح بدرِ منیر سیاہ بادلوں میں دکھائی دیتا ہے۔ میر انیس اس مقام پر فرماتے ہیں:۔

وہ شان و شوکت و تہوّر وہ جلالت ۔ چھپتے ہیں کہیں جوہرِ شمشیر اصالت

طینت میں کرم طبع میں انصاف وعدالت ۔ اقبالِ علی شانِ شہنشاہِ رسالت

دیکھا جو رُخ عرش کے سرتاج کو دیکھا

زلفوں کو جو دیکھا شبِ معراج کو دیکھا

جناب علی اکبر کو اذنِ جہاد دینے میں تاخیر تو نہ کی، مگر دِل پہلو میں بیٹھ گیا۔ نَظَرَ اِلَیْہِ نَظَرَ آئِسٍ مِنْہُ وَاَرْخیٰ عَلَیْہِ السّلام عَیْنَیْہِ وَبَکیٰ۔ آپ نے وداع ہونے والے فرزند کو مایوسانہ نگاہ سے دیکھا، مایوسانہ اس لئے کہ جو میدانِ جہاد میں جاتا اس کے زندہ رہنے کی اُمید نہ رہتی، اپنے نوجوان فرزند کی زندگی سے مایوس ہو گئے۔ گویا عصائے پیری ہاتھ سے گرا چاہتا تھا۔ اور آنکھوں کو رونے کے لئے کُھلا چھوڑ دیا۔ صرف معمولی نہیں روئے، آنکھوں کو چھوڑ دیا۔ مثلِ ابر برسنے لگیں زخمی قلب وجگر کا لہو تھا جو بے قراری کے عالم میں آنکھوں سے پانی کی صورت میں بہہ رہا تھا، اپنے آپ پہ قابو پاتے ہوئے پسر کو گلے لگایا۔ بھیگی ہوئی مسّیوں کے بوسے لئے، میں تو یہ کہوں گا کہ تبرّکاً ہم شکل رسول کے رُخِ انور کو چُوما۔ اور اپنے ہاتھ سے شہزادہ کو اسلحہ جنگ پہنایا۔ جسم کو زرہ پوش کیا، پہلو میں تلوار لٹکائی۔ کمربند سے مضبوط کمر باندھی، اور سر پہ دستار اس طرح باندھی کہ اس کے پہلو کے کنارے کھلے چھوڑ کر تحت الحنک باندھی جس طرح کہ میت کو کفن دیتے وقت عمامہ مولانے اسی طرح اس مجاہد کو اسلحہ سے سجایا اور ایک طرح کا کفن بھی تھا۔ زرہ پاک بھی رسولِ پاک کی تھی۔ عمامہ بھی رسول کا تھا۔ گھوڑا بھی ۔ رسول کا تھا۔ کیونکہ شکل بھی رسول کی تھی۔

میدانِ کارزار کی طرف روانگی

جناب علی اکبر کی آخری رخصت معمولی نہ تھی۔ قیامت کا منظر تھا۔ یہ اُنیس سالہ نوجوان عصمت سرا میں مخدراتِ اہلِ بیت سے رخصت ہونے کے لئے آیا۔ تو حرم سرا میں کہرام بپا ہوگیا مستورات کی آہیں آسمان کو جاتی تھیں۔ درمیان میں علی اکبر تھے۔ اور گرد مستورات نے حلقہ باندھا ہوا تھا۔ کوئی بی بی ہاتھوں کو چومتی تھی، کوئی رُخِ انور کے بوسے لیتی تھی۔ کوئی بی بی زلفوں کو اور کوئی کمر کو دیکھ کر زمین پر گر پڑتی تھی۔

عزا دارو! علی اکبر کی رخصت کا حال زینبؑ کے دِل اور لیلیٰ کے جگر سے پوچھئے۔ امّ کلثوم کے نالوں، فاطمہ کبریٰ کے کھلے ہوئے بالوں سے، معلوم نہیں سجاد بیمار سے کس طرح ملے۔ اور سکینہ سے کس طرح رخصت ہوئے۔ خود مولا حُسین کی حالت یہ تھی کہ جوان پسر کے چہرے کو بار بار دیکھتے اور آہِ سرد کھینچ کے رہ جاتے۔ اپنے ہاتھ سے عقاب نامی گھوڑے پر سوار کیا۔ نوجوان پسر گھوڑے پر سوار ہیں۔ مجاہد میدانِ کارزار کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اور ضعیف پدر چند قدم ساتھ چلنے کے بعد رخصت کرنے کے بعد بقلبِ بے قرار و با دیدۂ اشکبار آسمان کی طرف منہ کر کے کہتا ہے:

" اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ عَلٰی هٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ فَقَدْ بَرَزَ اِلَيْهِمْ غُلَامٌ اَشْبَهُ النَّاسِ خَلْقًا وَّ خُلُقًا وَّ مَنْطِقًا بِرَسُوْلِكَ وَ كُنَّا اِذَا اشْتَقْنَا اِلٰی نَبِيِّكَ نَظَرْنَا اِلٰی وَجْهِهٖ " (اے اللہ! تو گواہ رہ کہ اب ان لوگوں کی طرف وہ جوان جا رہا ہے جو شکل و صورت اور اخلاق و سیرت اور رفتار و گفتار میں تمام لوگوں سے زیادہ تیرے رسول کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے۔ جب ہم لوگ تیرے نبی کی زیارت کے مشتاق ہوتے تو اس آئینہ جمال و کمالِ رسالت کے رُخِ انور کو دیکھ لیتے۔ شوقِ زیارت پورا ہوجاتا)

امامِ مظلوم کے ان فقروں سے ان کے دِلی جذبات کا پتہ لگتا ہے۔ کس دِل سے جواں پسر کو میدان میں بھیجا۔ چونکہ مقصد شریف اور ارادہ بلند تھا اس واسطے امام اپنے نفس پر قابو پا کر واپس آگئے۔ اور جناب علی اکبر میدانِ کارزار کو سدھارے۔ ہاں عمر بن سعد کو پکار کے کہا: "اے عمر! خدا تیرے رحم کو قطع کرے، اور یہ دنیا تیرے لئے مبارک نہ کرے، اور خدا تجھ پر اس شخص کو مسلّط کرے جو تجھ کو تیرے فراش پر ذبح کرے۔ جس طرح تو نے میرے رحم کو قطع کیا۔ اور جناب رسالتمآبؐ کے ساتھ میری قرابت کا

کوئی خیال نہ کیا۔

اس کے بعد مغموم امام نے دکھے ہوئے دل کے ساتھ یہ آیت تلاوت فرمائی :

إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِن بَعْضٍ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ۔

جناب امامِ پاک تو خاموش ہو کے بیٹھ رہے اور علی اکبر خیام حسینی سے اس طرح برآمد ہوئے جس طرح مشرقی افق سے خورشید طلوع کرتا ہے، میدانِ جہاد میں جاکر یہ رجز پڑھا۔

شہزادہ کی شجاعت

أَنَا عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِي ۔ مِنْ عُصْبَةٍ جَدُّ أَبِيهِمُ النَّبِيّ
وَاللّٰهِ لَا يَحْكُمُ فِينَا ابْنُ الدَّعِيّ ۔ أَطْعَنُكُمْ بِالرُّمْحِ حَتَّىٰ يَنْثَنِي
أَضْرِبُكُمْ بِالسَّيْفِ أَحْمِي عَنْ أَبِي ۔ ضَرْبَ غُلَامٍ هَاشِمِيٍّ عَلَوِي

(میں حسین بن علی کا فرزند ہوں، اور اس گروہ سے ہوں جن کے باپ کے جدِ امجد رسول اللہ ہیں۔ خدا کی قسم ولد الحرام ہمارا حاکم نہیں بن سکتا۔ میں تم پر نیزے سے وار کروں گا، اور اپنے باپ کی حمایت کرتے ہوئے ایسی تیغ زنی کروں گا جو ہاشمی اور حیدری جوانوں کی شان ہے)

اس کے بعد اس ہاشمی جوان نے شجاعت کے وہ جوہر دکھائے کہ شجاعانِ کوفہ کے چھکے چھوٹ گئے، اور علی کے پوتے نے وہ دلیرانہ حملہ کیا کہ کوفیوں میں سے کوئی سامنے نہ آسکا۔ جس طرف رُخ کرتے کشتوں کے پشتے لگ جاتے، اور وہ حصّہ میدان دشمنوں سے خالی ہو جاتا۔ جناب شیخ مفیدؒ لکھتے ہیں کہ : أَهْلَ الْكُوفَةِ يَتَّقُونَ قَتْلَهُ وَقِتَالَهُ ، ہم شکل پیغمبر ہونے کی یا وارثِ شجاعتِ حیدری ہونے کی وجہ سے اہلِ کوفہ ان سے لڑنے اور قتل کرنے سے گریز کر رہے تھے۔ باوجود بھوکا پیاسا ہونے اور درد و الم سے دوچار اور دکھوں میں مبتلا ہونے کے شہزادہ نے ہاشمی و حیدری شجاعت کے کمال کا وہ نمونہ پیش کیا کہ دشمن اپنے مقتولین کی کثرت سے گھبرا گئے۔ قوت و دلیری تو ہاشمی جوانوں کی مشہور ہے۔ آدابِ حرب ان سے بڑھ کر کون جانتا ہے۔ حیدرِ کرّار کے پوتے نے پہلے حملہ میں ایک سو بیس ناریوں کو واصلِ جہنم کیا۔

اب شہزادے کا تن زخمی ہے۔ تیروں، تلواروں کے زخم کافی لگ چکے ہیں۔ گلشنِ رسالت کا پھول پیاس کی شدّت، دھوپ کی حدّت سے کُمھلا چکا ہے۔ یہ گلِ نازنین

کئی روز سے بے آب تھا۔ دھوپ میں مجاہد کو پیاس لگتی ہے۔ اب زخموں کی کثرت سے پیکرِ دلربا نڈھال ہو چکا ہے۔ قربان جاؤں' زخمی کو پیاس بہت لگتی ہے۔ لوہے کے ہتھیار جو زیبِ تن تھے گرم ہو گئے ہیں' انہوں نے پیاس کی شدّت میں اضافہ کر دیا۔ بدن کمزور ہو چکا ہے اور ہتھیار بوجھل ہو رہے ہیں۔ پانی کی تمنا میں شہزادے نے گھوڑے کی باگیں خیام کی طرف موڑیں۔ اِدھر پیاس کا غلبہ تھا' اُدھر جذبۂ غالب تھا۔ غیرتِ ہاشمی حملہ کرنے پر آمادہ کرتی' جوشِ حیدری تلوار چلانے پر اکساتا مگر زخموں کی کثرت خود اور زرہ کی تپش اور پیاس کا غلبہ حائل ہو جاتا۔ باوجودیکہ شہزادے کو علم تھا' کہ پانی نہیں ہے' پھر بھی پیاس کا شکوہ کئے بغیر نہ رہ سکا۔ بابا کی خدمت میں پہنچ کر عرض کی : يَا اَبَتِ اَلْعَطَشُ قَدْ قَتَلَنِيْ وَثِقْلُ الْحَدِيْدِ اَجْهَدَنِيْ فَهَلْ اِلٰى شَرْبَةٍ مِنَ الْمَآءِ سَبِيْلٌ مِنْ اَتَقَوّٰى بِهَا عَلَى الْاَعْدَآءِ " باباجان مجھے تو پیاس نے مار ڈالا اور آہنی ہتھیاروں کے بوجھ نے تھکا دیا۔ کیا کسی صورت قدرے آب میسّر آسکتا ہے۔ تاکہ میں اسے پی کر' تازہ دم ہو کر' طاقت پکڑ کر دشمنوں کے مقابلے کے لئے تیار ہو جاؤں۔ ہو سکتا ہے کہ شہزادے نے ازراہِ اعجاز پانی طلب کیا ہو۔ مگر چونکہ یہ وقتِ امتحان تھا بطورِ معجزہ پانی پلاتے تو مقصدِ امتحان اور صبر میں خلل آجاتا۔"

کتنی درد انگیز گھڑی تھی اور مظلوم پدر کے لئے کس قدر المناک وقت تھا کہ زخموں سے نڈھال' خون میں نہایا ہوا جوانِ رعنا' چند لمحوں کا مہمان اور پیاس سے بے تاب پسر' پانی کا سوال کرتا ہے۔ مگر بے بس باپ بیٹے کی خواہش کو پورا کرنے سے قاصر ہے' بیٹا پیاس سے بے چین ہے۔ اس لئے وہ سوالِ آب میں حق بجانب ہے۔ اِدھر مجبور باپ پانی دینے سے معذور ہے۔ کہاں سے پانی لائے۔ برتن خالی ہیں۔ مشکیں سوکھ چکی ہیں۔ گھاٹ پر پہرہ ہے ؎

روکے ہوئے تھی نہر کو امت رسول کی = سبزہ ہرا تھا خشک تھی کھیتی بتول کی

شبّیر کو پوچھئے کس طرح بیٹے کو مایوسانہ جواب دیا ہوگا' کتنا صدمہ ہوا ہوگا۔ اس وقت مظلوم باپ کو جب پیاسے بیٹے کو سیراب نہ کر سکے۔ اکبر تیری پیاس پہ قربان' اور حسین تیری مجبوری پہ صدقے۔

مومنین! دل تھام کے مجبور باپ کا جواب سنیئے :

يَا بُنَيَّ مِنْ اَيْنَ اٰتِيْ لَكَ بِالْمَآءِ قَاتِلْ قَلِيْلاً فَمَا اَسْرَعَ اَنْ تَلْقٰى جَدَّكَ

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ یَسْقِیْکَ بِکَاسِہِ الْاَوْفٰی شُرْبَۃً لَا تَظْمَأُ بَعْدَہٗ اَبَدًا - ہائے افسوس! بیٹا تیرے لئے کہاں سے پانی لاؤں۔ جان پدر! تھوڑی دیر اور جہاد کرلو، تم بہت جلد اپنے جدِّ نامدار سے ملاقات کرنے والے ہو، وہ تمہارے اشتیاق میں منتظر ہیں۔ وہ تمہیں حوضِ کوثر کا جامِ طہور پلائیں گے۔ بیٹا! اس کے بعد تمہیں کبھی پیاس نہ لگے گی، اس کے بعد فرمایا۔
یَا بُنَیَّ یَعِزُّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ اَنْ تَدْعُوْھُمْ فَلَا یُجِیْبُوْکَ وَ تَسْتَغِیْثُ بِھِمْ فَلَا یُغِیْثُوْکَ بُنَیَّ ھَاتِ لِسَانَکَ فَمُصَّہٗ۔ (بیٹا! مجھ پر تیرے جدّ امجد محمد مصطفٰی اور علی المرتضٰی پر یہ بات کتنی شاق ہے کہ تم انہیں بلاؤ اور وہ کوئی جواب نہ دے سکیں۔ تم انہیں مدد کے لئے پکارو اور وہ تمہاری مدد کو نہ پہنچ سکیں، بیٹا! بے شک تو پیاس کا ستایا ہوا ہے۔ میں اُمّتِ جدّ کا ستایا ہوا ہوں۔ اور تو میرے پاس کچھ نہیں اپنی زبان میرے منہ میں دے دو، میری زبان چوس لو"۔) پیاسے شہزادے نے باپ کے منہ میں زبان دی، لیکن فوراً نکال لی۔ اور کہا، بابا! آپ کی زبان تو میری زبان سے بھی زیادہ خشک ہے معلوم ہوتا ہے آپ تو مجھ سے بھی زیادہ پیاسے ہیں۔ اس کے بعد آپ نے ایک انگوٹھی دی اور فرمایا کہ اسے منہ میں رکھ لو۔ شاید کچھ تسکین ہو جائے۔

جناب اکبر وہ انگوٹھی منہ میں لئے واپس میدانِ قتال کی طرف لوٹے، اس وقت آپ کی زبان پر یہ رجزیہ اشعار تھے ؎

اَلْحَرْبُ قَدْ بَانَتْ لَنَا حَقَائِقُ ۔۔۔ وَظَہَرَتْ مِنْ بَعْدِھَا مَصَادِقُ
وَاللّٰہِ رَبِّ الْعَرْشِ لَا نُفَارِقُ ۔۔۔ جُمُوْعَکُمْ اَوْ تُغْمَدُ الْبَوَارِقُ

حالاتِ شہادت

گھمسان کا رن پڑا۔ تلواریں چلنے لگیں۔ اور دشمنانِ دین کی لاشوں پر لاشیں گرنے لگیں، اب کی بار جناب اکبر نے اسّی آدمیوں کو فی النّار کیا۔ مجموعی طور پر جناب علی اکبر کے مقتولین دو سو مکمل ہوگئی۔

مرہ بن منقذ عبدی فوجِ مخالف کا ایک بدبخت فرد ہے۔ اس نے شہزادے کی شجاعت کو دیکھا۔ اور اب جب زخموں سے نڈھال اور کثرت سے خون بہ جانے کی وجہ سے بدن کی کمزوری دیکھی تو کہنے لگا کہ مجھ پر تمام عرب کے گناہوں کا بوجھ ہو اگر یہ شہزادہ اس طرح حملہ کرتے ہوئے میرے پاس سے گزرے اور میں اس کے باپ کو سوگ میں نہ بٹھاؤں، جب شہزادہ طاقت میں تھا اس وقت تو قریب نہ آیا۔ خون میں غلطاں، پیاسے اور زخمی نوجوان کو کمین گاہ

سے چُھپ کر ایسا تیر مارا، کہ شہزادہ گھوڑے پر سنبھل نہ سکا۔ اتنے میں ملعون نے سر پر تلوار ماری کہ سر شگافتہ ہوگیا اور ہوا میں لہراتی زلفوں سے خون زمین پر گرنے لگا۔ پشتِ فرس شہزادے سے خالی ہوگئی۔ آپ نے باہیں گھوڑے کی گردن میں ڈال دیں۔ گھوڑے کا بدن اور سر شہزادے کے خون سے تر ہوگیا، خون گھوڑے کی آنکھوں پر گرا۔ گھوڑے کو خیموں کا راستہ نہ ملا۔ گھبراہٹ کے عالم میں خیموں کی بجائے لشکرِ اعداء میں چلا گیا۔ شہزادہ نہ گھوڑے کی زین پر ہے نہ فرشِ زمین پر، ہاں اِتنا عرض کرتا ہوں کہ باہیں گھوڑے کی گردن میں ہیں۔

بے دست و پا اور موت سے ہمکنار اکبر جب دشمنوں کے وسط میں پہنچا۔ چاروں طرف سے زخمی بدن پر تلواریں چلنے لگیں، اور تلواروں نے شہزادے کی باہوں کو گھوڑے کی گردن سے جُدا کیا۔ فرشِ زمین پر گرتے ہوئے خیمے کی طرف رُخ کرکے کہا: یا ابتاہ ادرکنی ابتاہ علیك منی سلامُ۔ بابا جلدی پہنچو، بابا میرا آخری سلام ہو۔ اس کے بعد کہا: ھٰذا جَدِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ سَقَانِیْ بِکاسہِ الاوفٰی شربۃً لَا اَظْمَأُ بعدہٗ اَبَدًا وَھُوَ یُقْرِئُکَ السَّلَام و یقول لك عَجِّلِ القُدُوْمَ اِلَیْنَا۔ بابا! میرے جدّامجد نے مجھے سیراب کر دیا ہے۔ بابا میں نے وہ جام پی لیا ہے۔ جس کی بشارت آپ نے دی تھی۔ بابا میں اب پیاس سے راحت پا چکا ہوں۔ اب میں کبھی پیاسا نہ رہوں گا۔ بابا! جدّ امجد آپ کو سلام کہتے ہیں اور فرماتے ہیں: " بیٹا حُسین تیری پیاس سے بہت بے چین ہوں، جلدی آؤ، تو بہت پیاسا ہے۔ تیرے لئے دوسرا جام تیار ہے۔

قریب الموت شہزادے کی آواز فضا کو چیرتی ہوئی حُسین کے کانوں میں جا ٹکرائی۔

ضعیف باپ کی جواں بیٹے کی لاش پہ آمد

اس صدائے جانکاہ نے شبیرؑ کے قلب پر کیا اثر کیا؟ اس کو وہی جانے جس نے جواں مرگ پسر کا صدمہ برداشت کیا ہو۔ اس صدا کو سُن کر اٹھے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ کس طرح اٹھے، کلیجہ پکڑ کر اٹھے۔ دِل تھام کے اُٹھے یا کمر پہ ہاتھ رکھ کے اُٹھے یا عصا کے بل زمین سے اُٹھے۔ چہرے کی رنگت اور بدلی ہوئی حالت دیکھ کر اہلِ حرم نے اندازہ لگا لیا کہ اکبر کی خیر نہیں۔ مظلوم باپ مقتل کی طرف روانہ ہوئے، کبھی اٹھتے کبھی بیٹھتے، گو تیزی سے جانبِ پسر چلے۔ مگر راستے میں کئی بار بیٹھنا پڑا۔ دُنیا اندھیر نظر آتی تھی۔ آواز دیتے، بیٹا اکبر! کہاں ہو؟ جب آواز آئی اور لاش کے قریب پہنچے، چلنے کی سکت نہ رہی۔ بیان کیا جاتا ہے

بیان کرنے والے بھی فاضلِ اجل ذمہ دار اہلِ علم و فضل ہیں کہ حسینؑ اس قدر کمزور ہو گئے تھے کہ چلا نہیں جاتا تھا۔ گھٹنوں اور ہاتھوں کے بل چل کر جواں مرگ کی لاش پر پہنچے۔ جاتے ہی اپنا رخسار اکبر کے رخسار پر رکھ دیا۔ چاند سا چہرہ خاک و خون میں غلطاں تھا۔ سیاہ زلفیں خاک پر پھیلی ہوئی تھیں۔ تصویرِ نبوی گرم ریت پر لہولہان تھی، اپنا رخسار اکبر کے رخسار پر رکھا اور آنکھوں کو رونے کے لئے چھوڑ دیا۔ آنکھیں روئیں، رونے کا موقع تھا۔ آنسو کیا تھے، قلب و جگر کا خون تھا جو آنکھوں سے اشکوں کی صورت میں بہہ رہا تھا۔ حسینؑ روئے۔ جی بھر کے روئے۔ کیونکہ رونے کا یہ موقع تھا۔ فطرت کا تقاضا تھا اور حسینؑ پر رونے کی پابندی بھی نہ تھی۔ پابندی تھی تو ہمشیرۂ حسینؑ پر، بتولؑ کی بیٹیوں پر، حسینؑ تو لاشِ پسر پر دل کھول کر روئے، مگر حسینؑ کی بہن بھائی کی لاش پر دل کھول کر نہ رو سکی۔

ہاں حسینؑ لاشِ پسر پر روئے، فرمایا "بیٹا! عَلَى الدُّنْيَا بَعْدَكَ الْعَفَاءُ": بیٹا تیرے بعد زندگانیٔ دنیا پر خاک ہے۔ اس کے بعد فرمایا: "يَا بُنَيَّ لَقَدِ اسْتَرَحْتَ مِنْ هَمِّ الدُّنْيَا وَ غَمِّهَا وَ بَقِيَ اَبُوْكَ فَرِيْدًا"۔ (لو بیٹا! تم تو دنیا کے دکھوں سے راحت پا گئے اب تمہارا باپ دکھوں کے گرداب میں تنہا رہ گیا) شہزادے میں ابھی جان باقی تھی، آخری سانس تھے، بیٹے کا سر اب گود میں لیا۔ خون آلود چہرے کو صاف بھی کرتے جاتے ہیں اور فرماتے ہیں۔ خدا ان لوگوں پر لعنت کرے جنہوں نے حرمتِ رسول کا بھی خیال نہ کیا اور تصویرِ نبوی خاک میں ملا دی ؎

کس درجہ مشابہ تھے رسولِ عربیؐ کے
گویا کہ حسینؑ آج بچھڑتا ہے نبیؐ سے

گو مولائے مظلوم اس سے قبل بارہا گریہ وزاری کرتے رہے اور کثرت سے روتے رہے لیکن بقول صاحبِ روضۃ الصفا اتنی بلند آواز سے کبھی نہ روئے تھے، جس بلند آواز سے جواں مرگ بیٹے کی لاش پر بین کر کے روئے، پہلی مرتبہ شبیرؑ کے رونے کی آواز آس پاس سنی گئی۔ کون رو رہا ہے۔ چھپن سال کا ضعیف باپ اٹھارہ سال کے مقتول بیٹے کی لاش پر نوحہ کر رہا ہے۔ اکبر کا سر امام کی گود میں تھا۔ سانس تیز ہو گئی۔ قریب تھا کہ روح بدن سے جدا ہو جائے، باپ کی گود میں روح جسد سے پرواز کر گئی ؎

اوپر کے دم اس شیر کو بھرتے ہوئے دیکھا ۔ بابا نے جواں بیٹے کو مرتے ہوئے دیکھا

جناب شیخ جعفر تستری مرحوم بیان کرتے ہیں کہ علی اکبر کی رخصت سے موت تک تین بار امام مظلوم کی حالت متغیر ہوئی اور امام پاک بہت مضطرب و بے قرار ہوئے۔ قریب تھا کہ روح بدن سے جدا ہو جائے۔ ایک اس وقت جب اپنے ہاتھ سے اسلحہ جنگ پہنا کر میدان کی طرف بھیجا۔ اکبر میدان کو سدھارے اور حسینؑ نے خیمہ کا رُخ کیا۔

دوسری بار جب زخموں سے نڈھال ہو کر خون میں نہا کر پانی مانگا۔ اور تیسری بار جب گھوڑے سے گرتے ہوئے بیٹے نے باپ کو پکارا اور کہا: یاابتاہ علیك منی سلامٌ۔ بابا! میرا آخری سلام ہو۔ جلد پہنچو۔ جناب سکینہ بیان کرتی ہیں کہ جب اکبر کی آواز پہنچی، میں بابا کو دیکھ رہی تھی کہ بابا کی آنکھیں پتھرا گئی تھیں۔ اور جس طرح کہ میت پر جان کنی کا وقت ہوتا ہے۔ بابا خیمہ کے آس پاس نظر کرتے تھے اور ایسی حسرت بھری نگاہ سے دیکھا کہ قریب تھا کہ روح جسدِ پاک سے پرواز کر جائے۔ مگر مولا نے اپنے آپ پر قابو پاتے ہوئے آواز دی "وَا وَلَدِی وَا ثَمَرَۃَ فُؤَادِی وَا قُرَّۃَ عَیْنِی" ہائے او میرے پیارے لختِ جگر، میرے دل کے میوے! میری آنکھوں کی ٹھنڈک، بیٹا! میں آرہا ہوں۔

الغرض جوان سال بیٹے نے ضعیف باپ کی گود میں دم توڑ دیا۔ مولا کہاں لاش اُٹھا سکتے۔ بنی ہاشم کے چند بچوں نے امداد کی، اور لاش اٹھا کر خیمہ گاہ کی طرف روانہ ہوئے۔ ادھر یہ حال ہے۔ اب ذرا خیام کا حال سنیئے۔

جس وقت سے حسین علی اکبر کی آواز پر جانبِ میدان روانہ ہوئے، اور حرم سرا میں حسین کی متغیر حالت اکبر کی صدا کی خبر پہنچی۔ کوئی بی بی قرار سے خیمہ میں نہ بیٹھ سکی، کیا یہ خبر سن کر وہ آرام سے بیٹھ سکتی تھیں؟ اگر حجاب مانع نہ ہوتا تو یہ ستم رسیدہ بیبیاں حسین سے پہلے شہزادے کی لاش پر پہنچتیں۔ خیموں میں آرام نہیں، باہر قدم تھیں اٹھ سکتے۔ باقی تمام خیمے خالی ہو گئے تھے۔ قنات کے پیچھے ایک خیمہ میں تمام زنانِ بنی ہاشم جمع تھیں۔ پاپوش کا ہوش نہ تھا، سروں پر چادروں کا دھیان نہ تھا۔ رنگ اڑ گئے تھے۔ بدنوں میں لرزہ تھا۔ سروں کے بال کھل گئے تھے۔ غیرتِ ہاشمی غالب تھی۔ جس نے خیمہ کے اندر روک رکھا تھا۔ قدم باہر اٹھنے کے لئے بڑھتے مگر پردہ مجبور کر کے روک لیتا۔ ہاں قنات کی چادر کے پیچھے سیدانیاں اکبر کی لاش کا بے چینی سے انتظار کر رہی تھیں۔ بار بار قنات کا پردہ اٹھتا اور بیبیوں کی نگاہیں میدان کی طرف پھرتیں۔ مگر فوجوں کے گھمسان اور غبارِ جنگ کی وجہ سے نظر کچھ نہ آتا۔ حسین کی رخصت کے وقت

سے لے کر آمدِ حسین تک یہ دکھیاری شہزادیاں بیقراری سے دامنِ قنات کے ساتھ وابستہ رہیں۔ حسین ابھی چند قدم خیمہ سے دور تھے۔ بیبیوں کی نظر پڑی۔ کہرام ماتم بپا ہوگیا' رونے کی آوازیں بلند ہوئیں۔ جناب سکینہ سے نہ رہا گیا۔ آگے بڑھ کر عرض کی' بابا! آپ کی حالت دگرگوں کیوں ہے؟ بابا! آپ مایوسی اور حسرت کے ساتھ ادھر ادھر کیوں دیکھ رہے ہیں؟ بابا! اکبر بھائی کہاں ہے؟ مولا نے اشارہ کیا' بیٹی! گیا تو تھا گھوڑے پر سوار ہو کر لیکن گھوڑا تو خالی آرہا ہے۔ اسے بھائی اٹھا کر لا رہے ہیں۔ بیٹی! نوجِ اشقیاء نے تیرے بھائی کو شہید کر دیا ہے۔ جناب سکینہ نے سر پیٹ لیا۔ امام نے صبر کی تلقین کی' عرض کیا' بابا اکبر مارا جائے میں کیونکر صبر کروں' یہ تو جناب سکینہ کی حالت تھی۔ دوسری بیبیاں مجبور تھیں' باہر نہ آسکتی تھیں۔ جوں ہی اکبر کی لاش قنات کے اندر آئی' سر پیٹتی ہوئی سیدانیوں نے برہنہ پاؤں اور کھلے ہوئے بالوں سے لاش کا استقبال کیا' دیکھا خون بدن سے بہہ رہا ہے۔ تمام بدن زخموں سے چور تھا۔ مگر تین زخم بڑے تھے۔ پشت و سینہ پہ سناں کا زخم' گردن پہ تیر اور سر پہ تلوار کا زخم۔ قنات کے باہر اکبر کی لاش تھی اور قنات کے اندر دامنِ قنات کے ساتھ زنانِ بنی ہاشم تھیں۔ ان دردرسیدہ بیبیوں نے درِ قنات پر جوانمرگ علی اکبر کی لاش کا زخمی سینوں اور دردناک بینوں کے ساتھ استقبال کیا۔ ماتم کرتے ہوئے آگے بڑھیں۔ ان کی پیشوا عقیلۂ قریش شریکۃ الحسین جناب زینب تھیں جنہوں نے اٹھارہ سال شہزادے کی پرورش کی تھی۔ قنات سے باہر مرد لاش کو اٹھا کر لائے تھے اور قنات کے اندر غم نصیب بیبیوں نے اکبر کا جنازہ اٹھا لیا۔ درمیان میں اکبر کی خون آلود لاش تھی اور ارد گرد سیدانیوں کا ماتمی حلقہ تھا۔ جگر خراش بینوں سے زمین کا کلیجہ پھٹتا تھا۔ فضا سوگوار تھی۔ آسمان کا جگر چاک تھا۔ اس اثناء میں جناب زینبؑ بے اختیار اکبر کی لاش پہ گر پڑیں۔ اس زور سے ماتم ہوا کہ مولائے مظلوم کو آکر صبر کی تلقین کرنا پڑی۔

عزادارو! باپ سے زیادہ ماں کو محبت ہوتی ہے۔ الفتِ مادری محبتِ پدری سے بڑھ جاتی ہے۔ آپ نے حسین کی حالت اور باپ کے رونے کی صدا تو سن لی ہے۔ جب یہ حالتِ گریہ و زاری اور صدائے بُکا امام باپ کی ہے تو ماں کی کیا حالت ہوگی۔ نہ زبان بیان کر سکتی ہے نہ قلم لکھ سکتا ہے۔

ہاں اتنا ضرور عرض کروں گا کہ ایک بار نہیں لیلیٰ بار بار غش کھا کر جواں پسر کی

لاش پہ گرتی ہوں گی ؎

گودی میں لیا ماں نے جو گھبرا کے پسر کو　　غش آنے لگا مادرِ تفتیدہ جگر کو
رخسار پہ منہ رکھ کے جو غش کر گئی لیلیٰ　　ہر بی بی پہ ثابت یہ ہوا مر گئی لیلیٰ

اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْقَوْمِ الظَّالِمِيْن

چودھویں مجلس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِیَّاکَ نَعْبُدُ ۔ معرفت و خلوص، انعقادِ مجالس میں قصدِ قربت و دخلِ خلوص، بانیانِ مجالس، واعظین، ذاکرین اور سامعین حضرات کی شرعی اور ایمانی ذمّہ داریاں۔ اولادِ جناب امام حسین علیہ السلام کی قربانیاں اور شہادت حضرت قاسم علیہ السلام۔

ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ عبادت کوئی ہو، کس طرح ہو، کس وقت ہو۔ وہی عبادت شرفِ قبول اور معبود سے اجر حاصل کر سکتی ہے جو مرضیٔ معبود کے مطابق ہو، جس طرح معبود چاہتا ہے اسی طرح ہو۔ عبادت کے آداب و اطوار اور طریق ہائے کار وہ ہوں جو معبودِ حقیقی کے نمائندے نے بتائے ہوں، اگر عبادت گزار اپنی مرضی سے طریقۂ عبادت وضع کرے، اپنی رائے سے حدودِ عبادت متعین کرے، اور اپنے خیال سے وہ عبادت کے آداب تجویز کرے تو اس عبادت کا ثواب وہ اپنے آپ سے طلب کرے خدا سے اس کا صلہ لینے کا حقدار نہیں۔ کیونکہ اُس نے اپنی مرضی اور خواہش کی پیروی کی ہے۔ خالق کی مرضی اور اس کے حکم کی تعمیل نہیں کی، عبادات جتنی ہیں، ان کی مقدار، تعداد، حدود، اوقات، اور آداب خود معبود نے اپنے پیغمبر کے ذریعہ بنا کر بندوں کو بھیجے ہیں۔ بندگانِ خُدا امورِ خدا میں دخل دینے کے مجاز نہیں۔ اس کے احکام اور اوامر اور نواہی میں کوئی مشورہ اور رائے نہیں دے سکتے۔ ان کا کام ہے بے چون وچرا دل سے مان لینا اور اعضاء سے عمل کرنا۔ ہاں یہ یقین حاصل کرنا بندوں کا حق ہے کہ واقعی یہ حکم خدا ہے؟ اور پیغمبر اسلام اور ائمہ معصومینؑ کے واقعاً یہ فرمودات ہیں؟ اس عالمِ اسباب میں جو ذرائع یقین حاصل کرنے اور وسائل ان کے معلوم کرنے کے ہیں۔ انہیں استعمال کر کے تحقیق کرنے کا حق ہر بندہ کو ہے۔ اور علم حاصل ہو جانے کے بعد کہ یہ فرمانِ امام یا حکمِ رسول ہے۔ اس حکم کی شکل اور صورت میں تغیّر و تبدّل کا حق کسی بندہ کو حاصل نہیں۔ لہٰذا کسی کا یہ کہنا کہ نماز اس طرح پڑھنی چاہیئے۔ ہاتھ اس طرح ہوں، یہ مداخلتِ بے جا ہے۔ نماز اِس طرح پڑھو جس طرح ہمارے رسول

جناب محمد مصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پڑھی یا اُن کے قریبی اعزا ان کے علوم کے وارث اہلِ بیت رسول علیہم السلام نے پڑھی۔

اگر کوئی شخص اپنی طرف سے دین میں نئی ایجادیں کرتا ہے یا اسلام میں تحریف کرتا ہے تو وہ اپنے آپ کو مصنوعی پیغمبر کا درجہ دیتا ہے۔ بلکہ خدا اور رسول پر حملہ کرتا ہے کہ ان کے علم میں یہ خوبیاں اور مصلحتیں نہ تھیں، یہ ان سے زیادہ مصلحت بین اور دانا ہے۔ کسی حلال کو حرام قرار دینا اور تراویح کو ماہِ رمضان میں باجماعت پڑھنا یہ نئی ایجاد ہے۔ حضورِ پاک نے فرمایا: "اِیَّاکُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرِ" نئی ایجادوں سے بچو کیونکہ ہر نئی ایجاد دین میں بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ حَلَالُ مُحَمَّدٍ حَلَالٌ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ وَحَرَامُ مُحَمَّدٍ حَرَامٌ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ۔

ہر عبادت میں خلوص و تقرب شرط ہے

ہر وہ چیز اپنی افادیت کھو بیٹھتی ہے جب اس میں کسی چیز کی آمیزش ہو جاتی ہے۔ ملاوٹ ایک ایسی مضر و مفسد شی ہے جو اصل شئ کا اثر زائل کر دیتی ہے۔ اور بجائے فائدہ کے استعمال کرنے والے کو نقصان پہنچاتی ہے۔

دودھ میں پانی ملانے سے دودھ کا وہ اثر نہیں رہتا جو اس کے خالص ہونے کا تھا، اسی طرح آٹے، چائے یا نمک مرچ اور دوسری اشیاء خوردنی میں ملاوٹ سے وہ چیزیں بے کار اور بے اثر ہو جاتی ہیں بلکہ الٹا جسمانی صحت کو تباہ کر دیتی ہیں۔ اور یہ وبا جتنی بُری ہے اتنی ہی عام ہے بلکہ معاشرہ کے قابو اور حکومت کے کنٹرول سے بھی باہر ہے۔ اسی طرح امورِ دین، اعمالِ صالحہ اور عبادات میں ذاتی اغراض کے تحت ملاوٹ دین کی بربادی کا باعث ہے۔ جب دین خالص نہ رہے اور اس میں بیرونی امور داخل ہو جائیں، اور داخل امور خارج ہو جائیں تو اس بدلے ہوئے دین کی افادیت بھی ختم ہو جاتی ہے۔ اور متغیر و محرّف دین کا عامل اجرِ اُخروی سے محروم رہتا ہے۔ جس طرح ملاوٹ والی خوراک صحتِ جسمانی گنوا دیتی ہے اسی طرح ملاوٹ والی عبادت و آمیزش والا عمل روحانی صحت کو برباد کر دیتا ہے۔

خواہشاتِ دُنیا، حرصِ زر اور دولت مند بننے کی تمنا ایسی اغراضِ فاسدہ کے تحت بد باطن افراد اشیاء خوردنی میں ملاوٹ کر کے ملک و قوم کو تباہ کرتے ہیں۔ اسی طرح حُبِّ جاہ، پیشوائی یا طلب ذاتی عزت و وقار اور نفسانی خواہشات کے تحت بد طینت اور شقی افراد نے دین میں ردوبدل اور

آمیزش کر کے وحدتِ اسلامیہ کو پارہ پارہ کر دیا۔ اگر ذاتی اغراض، حرصِ حکومت، طمعِ امیری، حبِّ جاہ ایسے بے دین افراد پر غالب نہ آتی تو اسلام میں فرقے نہ بنتے۔ اسلام ایک واحد جماعت رہتی، ذاتی اغراض اور نفسانی خواہشات مذہب کی تفریق کر کے گروہوں کی شکل میں تقسیم کر دیتی ہیں۔ اس باطل ارادہ اور بدنیتی پر پردہ ڈالنے کے لئے کبھی نبیؐ کی ذات پر حملہ کیا، کبھی علیؑ کی عقل اور سیاست کو موردِ طعن بنایا اور کبھی جزو رسولؐ لبضعۃ النبیؐ سیدۃ النساءؑ کو حدیث سے بے خبر بتایا اور کبھی خطاءِ اجتہادی کی آڑ لے کر ہزاروں افراد کا خون بہایا۔ اور کبھی حکومتوں کے اشاروں اور خودستائی کے زعمِ باطل میں اپنے اجتہاد کی دکان کھول کر اپنے معصوم استاد کا مقابلہ کیا۔ دین اپنی وحدت کھو بیٹھا اور اسلام اپنی سالمیت سے محروم ہو گیا۔ پھر قابلِ ستائش ہیں وہ افراد اور لاکھوں ثناؤں کے مستحق ہیں وہ معصوم اور ان کی ہم نوا ہستیاں جنہوں نے ہر قربانی دے کر اسلام کو اصلی صورت میں محفوظ رکھا، تغیر و تبدل کی آندھیوں کا مقابلہ کیا۔ تحریف کے زلزلوں سے اسلام کی عمارت کو گزند نہ پہنچنے دی۔ اسلامی تعلیمات اور ہدایاتِ پاک پیغمبرؐ کو جوں کا توں اپنے سینوں میں سمیٹے اور اوراق میں محفوظ کئے رہے۔

ہماری مجلسیں اور جلوس، ہماری نیتیں اور خلوص

کوئی عبادت کی جائے اور اس میں رضائے معبودِ مقصود نہ ہو تو وہ عبادت رائیگاں بلکہ الٹا ضرر رساں ہے۔ اس وقت ملک میں جلسوں اور مجلسوں کی کمی نہیں، سارا سال جلسے منعقد ہوتے رہتے ہیں اور ان میں ہر قسم کے پڑھنے والے واعظ و ذاکر عموماً اپنے فنِ ذاکری و بیان کا مظاہرہ کرتے رہتے ہیں، جلوس بھی نکلتے رہتے ہیں۔ بانیانِ جلسہ و مجالس بیان و ذاکری کا نہیں فنِ بیان و فنِ ذاکری کا معاوضہ بھی خوب دیتے ہیں۔ لاکھوں روپے ہر سال خرچ ہوتے ہیں۔ مگر جس قدر خرچ ہوتا ہے اس قدر افادیت نہیں، جس قدر اہتمام کیا جاتا ہے۔ صحیح مقصد پورا نہیں ہوتا، چونکہ مجالس ہمارے لئے ترقیٔ مذہب، عملِ خیر اور روحانی بالیدگی کا ذریعہ ہیں۔ اس واسطے ان میں جو خامیاں رونما اور خوبیاں عنقا ہو گئی ہیں۔ ان کی نشاندہی ضروری سمجھتا ہوں۔

"شاید کہ اتر جائے تیرے دل میں میری بات"

ہمارا دین، ہمارا مذہب، ہماری شریعت، جناب سید الشہداء علیہ السلام کی شہادت اور جناب زینب و ام کلثوم بنات علی و بتول سلام اللہ علیہن اور جناب علی بن الحسین سید سجاد علیہ السلام

کی اسیری کے طفیل ہم میں موجود ہے۔ ان کی قربانیوں کے صدقہ میں ہم مسلمان ہیں۔ اس واسطے ان کی یادگار منانا، ان کا تذکرہ، ان کی قربانیوں کا ذکر اور قربانیوں کے مقصد کو زندہ رکھنا، ہمارے لئے فرضِ عین ہے۔ لیکن ان کی یادگار اس صورت میں منائیں کہ وہ اس صورت کو پسند کریں۔ ہماری مجالس و جلوس ان کی رضا کے سانچے میں ڈھلے ہوئے اور ان کی پسند کے رنگ میں رنگے ہوئے ہوں۔

ہمیں اس امر کا جائزہ لینا چاہیئے کہ جو مجالس ہم منعقد کرتے ہیں وہ اس پر راضی بھی ہیں؟ کہیں ناراض تو نہیں؟

ہم اس مجلس میں مجالس کی خوبیاں اور خامیاں بیان کرتے ہیں۔ تاکہ سامعین آگاہ ہو کر خوبیوں کو بڑھانے اور خامیوں کو مٹانے کی کوشش کریں۔

مجالس کی خوبیاں

مجلس امام حسین علیہ السلام ایک بہترین درسگاہ ہے، شیعہ نہایت ذوق و شوق سے واقعاتِ کربلا اور فضائل اہلِ بیت سننے کے لئے جمع ہوتے ہیں، فضائل سن کر خوش ہونا اور مصائب سن کر گریہ کرنا بہترین عمل صالح اور باعثِ ثوابِ کثیر ہے۔ اس روحانی فضا میں مل جل کر بیٹھنے اور بلند آواز سے محمدؐ و آلِ محمدؐ پر درود بھیجنے سے ایمان تازہ، یقین بڑھتا اور روحانی مسرت حاصل ہوتی ہے۔ بار بار یہ قومی اجتماع اور اکثر اوقات ان مجالس و جلسوں کا انعقاد اور ذوق و شوق سے ان میں شرکت کے مواقع قوم شیعہ کو میسر ہیں۔ اگر ان مجالس میں توحید، نبوت، امامت اور قیامت کے مسائل، ٹھوس دلائل مضبوط براہین اور مستند حوالوں کے ساتھ اور احادیثِ معصومین علیہم السلام، صحیح تاریخ اور فقہ جعفری کے مسائل دل نشین انداز میں اور واقعاتِ کربلا و شام مصائب آلِ محمدؐ صحت روایات کے ساتھ بیان کئے جائیں تو یہ ذوقِ سماعت رکھنے والی اور دل کھول کر کثیر رقم خرچ کرنے والی قوم اقوامِ عالم میں اپنے علم و عمل کے ساتھ بلند مقام پر نظر آئے اور اس نرالی تربیت گاہ میں ائمہ علیہم السلام کی پیروی کے سانچے میں ڈھل کر اقوام عالم کو اپنے علم و عمل کے ذریعہ راہِ حق کی دعوت دے۔ اس قوم میں قربانی کا جذبہ دوسری قوموں سے زیادہ پایا جاتا ہے۔ یہ مقدس قوم مالی قربانی کے ساتھ جانی قربانی سے دریغ نہیں کرتی۔ تعداد میں تو یہ ہر دور میں قلیل رہی ہے۔ مگر ایمانی وزن میں یہ ہر قوم پر بھاری رہی ہے۔ جادۂ صداقت اور صراطِ حق پر چلنے والی قوم نے توحید کی امانت کو سینوں میں محفوظ رکھا ہے اور تعلیماتِ ائمہ کو اپنے پاک قلوب میں جگہ دی۔ اس قوم کے افراد نے دین اسلام اور فضائل ائمہ معصومین

علیہم السلام کو درخت خرما کی سولیوں پر بیان کرتے ہوئے جان جانِ آفرین کے سپرد کی۔ دست و پا قطع کئے گئے، لیکن فضائلِ آلِ محمدؐ ان کی زبانوں پر جاری رہے۔ زندانوں کی تاریک کوٹھڑیوں میں ان کی عمریں بسر ہوئیں، دیواروں میں یہ زندہ چُنتے گئے، گردنیں زیرِ خنجر رہیں، نوکِ نیزہ پر اُن کے سر اٹھائے گئے، زہر کے پیالے انہیں پلائے اور آزادی کی فضا سے انہیں محروم کیا گیا، لیکن اسلام کی صحیح تصویر اور ائمہ طاہرینؑ کی تعلیمات کو سینوں سے چمٹائے رہے۔ اور یہ امانت نسلاً بعد نسلٍ اصلی صورت میں اپنے اخلاف کے سپرد کرتے رہے، ظلم و تشدد کے سیاہ ماحول میں ان کے حوصلے پست نہ ہوئے اور جور و جفا کی آندھیوں میں ان کے قدم نہ لڑکھڑائے، ان عاشقانِ پاک طینت کی فدا کاریوں اور ان کی محنت اور کوششوں سے مذہبِ امامیہ ہم تک پہنچا، خود تو ظلم و ستم اور قید و بند کی صعوبتوں میں راہیِ خُلدِ بریں ہوئے لیکن تعلیماتِ آلِ محمدؐ، فقہ جعفری اور مذہب اہل بیت ہمارے سپرد کر گئے۔

لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ وہ صحیح تربیت اب ہم میں نہیں، مجالس اپنی افادیت کھو بیٹھی ہیں۔ زرپرستی، دین پرستی پر غالب آگئی اور حُبِّ دنیا، جاہ طلبی نے مقصدِ مجالس کو فراموش کرا دیا ہے۔

مجالس کیساتھ تعلق رکھنے والے تین قسم کے لوگ ہیں

یہاں ان تین قسم کے گروہوں کے خلوص اور قصدِ قربت کا تجزیہ کیا جاتا ہے۔ یہ تین قسم کے لوگ ہیں۔

"بانیانِ مجلس" "بیان کرنے والے واعظین و ذاکرین" اور "حضرات سامعین"

بانیٔ مجالس کی ذمہ داریاں

عموماً بانیانِ مجالس نام و نمود اور نمائش کی خاطر مجالس منعقد کرتے ہیں تبلیغی مقصد کم اور تصنّع و ریاکاری کا جذبہ زیادہ، ان کی بنیادی خواہش یہ ہوتی ہے کہ ان افراد کو بیان کرنے کی دعوت دی جائے جن کے نام کی کشش سے سامعین کھچے چلے آئیں، ان کی سحر بیانی، شیریں مقالی، اندازِ خطابت، خوش نوائی، بذلہ سنجی اور مطرب آوازیں سامعین کو مسحور کر دیں، سامعین سے جلسہ گاہ بھر جائے، لوگ عش عش کر اٹھیں، اور صدائے تحسین و آفرین سے بانیان کو ھدیۂ عقیدت پیش کیا جائے۔

اس بات سے نظر پھیر لی جاتی ہے کہ ان بیان کرنے والوں کا کردار کیسا ہے۔ ائمہ معصومینؑ کا ذکر کرنے والے خود ان کے فرمودات کے کس حد تک عامل ہیں۔ مقصدِ شہادت کی کس انداز میں تبلیغ کرتے ہیں، اور مقصدِ مجالس کس حد تک پورا ہوتا ہے۔ قرآن و حدیث، مسائلِ دین اور صحیح واقعات بیان کرنے والے ان کی نظر میں کیا مقام رکھتے ہیں اور راگ و رنگ، غلط فضائل، غیر مستند مصائب

اور خود ساختہ روایات بیان کرنے والوں کی قدر ان کے ہاں کتنی ہے؟

مقصد شہادت حسین علیہ السلام

ہم اس مقام پر مقصد شہادت جناب سیّد الشہداء علیہ السّلام ذرا وضاحت سے بیان کرتے ہیں تاکہ قارئین اس کی روشنی میں اپنی راہ متعین کر کے منزل کی جانب بڑھیں اور یہ تینوں گروہ اس مقصد کو پیش نظر رکھ کر اپنے وظائف انجام دیں۔

امام پاک، ان کے اہل بیت کرام اور انصار باوفا کا مقصد اس جہاد سے ملک گیری، مال غنیمت، ذاتی وجاہت اور انتقام عداوت نہ تھا۔ ان کی عظیم الشان قربانیوں اور اہل حرم کی اسیری اور راہ شام کی کٹھن منزلوں کوفہ وشام کے بازاروں میں تشہیر اور درباروں میں پیشی کی ذلت وہتک حرمت کا مقصد دین اسلام کی بقاء اور تعلیمات پیغمبر کی حفاظت تھا۔ یہی مقصد ہماری مجلسوں کی بنیاد رہے تو درحقیقت مجالس کامیاب ہیں۔ اگر اس مقصد کو پس پشت ڈال دیا جائے تو انتہائی ناکامی اور لاکھوں کا خرچ رائگاں ہے۔

دستور ہے اور عقل کا فیصلہ ہے کہ جب کوئی امر دو چیزوں میں سے کسی ایک کی قربانی چاہتا ہو، تو جو زیادہ اہم اور ضروری ہوتی ہے اسے باقی رکھا جاتا ہے اور اس سے کم اہمیت والی چیز کو قربان کر دیا جاتا ہے، مثلاً مال اور جان کا معاملہ ہے۔ مال بچائیں تو جان جاتی ہے۔ جان محفوظ رکھیں تو مال جاتا ہے۔ دونوں میں سے کسی ایک کو قربان کرنا پڑتا ہے تب دوسرے کو بقاء ہوتی ہے۔ تو عقلاء زمانہ اور غیور انسان یہی پسند کریں گے کہ مال قربان کر دیا جائے۔ جان بچالی جائے، کیونکہ جان مال سے عزیز ہے۔

اسی طرح عزّت و مال کا معاملہ درپیش ہے۔ کوئی غیرت مند شخص یہ گوارا نہ کرے گا کہ عزّت قربان کر دے اور مال بچالے۔ بلکہ عزّت پیاری ہے عزّت کے مقابلے میں مال عزیز نہیں، مال قربان کر دیگا اور عزّت محفوظ رکھے گا۔ غرضیکہ زیادہ عزیز چیز بچائی جاتی ہے۔ باقی رکھی جاتی ہے۔ اور کم عزیز چیز قربان کر دی جاتی ہے۔

کربلا میں امام حسین علیہ السلام کے سامنے ان کی عزیز جانیں اور عزت و ناموس ہے۔ اور دین اسلام، ان کی جانیں اور عزتیں اس صورت میں محفوظ رہ سکتی تھیں کہ بیعت یزید کر کے دین اسلام قربان کر دیا جائے۔ دین جاتا ہے تو جائے، اسلام مٹتا ہے تو مٹے، تعلیمات پیغمبر خاک کربلا میں دفن ہو جائیں مگر جان وعزت تو بچتی ہیں۔ دوسری صورت میں دین کی بقاء اور اسلام کی حفاظت مطلوب ہے۔ تعلیمات پیغمبر کو اصلی صورت میں برقرار رکھنا ضروری ہے۔ جان جاتی ہے تو جائے، اقرباء و اولاد کی موت گوارا

ہے۔ مستورات کی بے عزتی اور قید و بند منظور ہے مگر دین بچ جائے۔

حاضرین کرام! یہ دونوں صورتیں آپ کے مظلوم امامؑ کے سامنے ہیں۔ دونوں اپنے مقام پر نہایت عزیز و گراں ہیں۔ ان میں سے ایک کی بقاء دوسرے کی قربانی پر موقوف ہے۔ آپ کے مظلوم آقا نے کون سی چیز قربان کی اور کس کو باقی رکھا۔

یہی جواب اور بلاشبہ و بے شک یہی جواب ہے کہ حسینؑ نے دین کو باقی رکھا' اسلام کو زندہ رکھا' اپنے نانا رسولِ خدا کی تعلیمات کو محفوظ رکھا' تو جس کو باقی رکھا وہ عزیز ہے اس سے جس کو قربان کر دیا امام عالی مقام نے دین کو اپنے اوپر قربان نہیں کیا بلکہ اپنے آپ کو دین پر قربان کر دیا۔ تو دینِ اسلام اتنی اہمیت اور عظمت کا مالک ہے کہ جس پر فرزندِ رسول امام پاک قربان ہوئے۔ جس کی بقاء کی خاطر اکبر کی تصویرِ نبوی خاک میں مل گئی۔ جس کی زندگی پر بنی ہاشم اور ابوطالب کے گھرانے کی زندگیاں نثار ہوئیں۔ جس کی تقویت کے لئے عباس کے بازو کام آئے' اور سقائے سکینہ نہر فرات کے کنارے شہید ہوئے' جس کی آبیاری اولادِ بتول کے خون سے ہوئی۔ جس کی سیرابی میں بنی ہاشم کے اٹھارہ مردوں اور سو سے زیادہ مقدس اصحاب کا خون خرچ ہوا۔ اسی اسلام کی خاطر مستورات بنی ہاشم کے گھر لٹے' خیمے جلے' پردے قربان ہوئے' اور عبدالمطلب کی مستورات اور بتول کی بیٹیوں نے عراق و شام کے جنگلوں کے سفر کئے' اور کوفہ و دمشق کے بازاروں سے گزر کر درباروں کی پیشیاں بھگتیں۔

لہٰذا اے بانی مجلس! خدا تجھے زیادہ توفیق دے اور تیری نیک کمائی نیک مقصد میں خرچ ہو۔ سوائے غمِ حسینؑ خدا تجھے دنیا کے غموں سے محفوظ رکھے' اور مصائب و آلام سے سلامت رکھے' عظمتِ اسلام کو سمجھ' اہمیتِ دین کا خیال رکھ' مجالس میں اس بنیادی مقصد کو ملحوظ رکھ' اور شہادتِ امام' اسیریٔ زینب وام کلثوم کے مقصد کو ذبح نہ کر' ان کے مقصد کا قتل خود ان کے قتل سے کم نہیں۔ مجالس کو تبلیغی مقصد کی خاطر برپا کر' بطور مشغلہ نام و نمود کی خواہش اور دعوتِ احباب کے خیال سے جلسے نہ کر' حسینی مجالس کو ذاکرین و واعظین کا میچ نہ قرار دے اور اختتامِ مجلس کے بعد موازنہ کر کے فسٹ' سیکنڈ' تھرڈ پوزیشن نہ بیان کر'

مجالس میں صحیح فضائل آلِ محمدؐ اور صحیح مصائب اہل بیت علیہم السلام بیان کرنے کے علاوہ' دو مقصد اور بھی ہیں' ائمہ معصومین علیہم السلام کا مرتبہ و مقام' ان کی امامت و خلافت' اس مہذب و دل نشین پیرائے میں سامعین کے گوش گزار ہو کہ غیر اپنے ہو جائیں' مخالف موافق ہو جائیں' اہل بیت کے فضائل سے متاثر ہو کر' ان کی امامت و خلافت پہچان کر ان کا مذہب قبول کر لیں۔ اور مذہب

حق کی اشاعت و ترقی ہو سکے۔

دوسرا : اپنے وہ لوگ ہیں جنہوں نے زبانی مذہب اہل بیت قبول کر لیا ہے، اور ان کی امامت کا اقرار بالّلسان کیا ہے عملی حیثیت سے بھی امامی وجعفری نظر آئیں۔ مان لینے کے بعد عملی پیروی کا مقام ہے۔ ائمہ کی سیرت و ہدایات کا مطالعہ کرنے کے بعد اپنی زندگیاں ان کی عملی پیروی کے سانچے میں ڈھال دیں۔ اور اپنے کردار میں ان کی سیرت کا رنگ اور اپنے اعمال میں ان کے اسوہ کی جھلک پیدا کریں، جو لوگ زبانی حسینی کہلانا پسند کرتے ہیں، ان کا عمل بھی حسینی ہو۔ ایسا نہ ہو کہ زبان پر تو حسین حسین کا نعرہ ہو اور کردار یزید وشمر کی نمائندگی کر رہا ہو۔ اگر آپ کی مجالس میں یہ مقاصد شامل ہوں تو بے شک مجالس کامیاب ہیں اور اگر ان مقاصد کی نفی ہو تو یہ صرف مشاغل اور تفریحی سامان ہیں۔ تضیع اوقات کے علاوہ بے بہا خرچ بھی رائیگاں ہے۔

بانی مجلس وجلسہ اکیلا شخص ہو یا چند افراد یا انجمن کے ارکان، ان سب کی یہ ذمہ داری ہے کہ مذکورہ مقاصد مجلس وجلسہ کی بنیاد ہوں، بانی مجلس کے ذوق پر بہت کچھ اصلاحِ قوم کا انحصار ہے۔

بانی حضرات! خدا تمہیں مجالس حضرت سیّد الشہداء علیہ السلام منعقد کرنے کی توفیق دے، اور عزاداریٔ امام مظلوم قائم کرنے کی سعادت بخشے، انہی مجالس اور عزاداری کے سبب مذہبِ شیعہ کو وسعت اور ترقی نصیب ہوئی ہے۔ گو بنو اُمیّہ کے دور میں اسلام کے پاک شجر کی شاخیں مرجھا گئی تھیں لیکن حیدری جاں نثاروں اور حسینی فداکاروں نے اپنے خون سے اس قدر سینچا کہ مرجھائی ہوئی ٹہنیاں سرسبز ہو گئیں۔ اور شاداب ڈالیاں بار ازہار و اثمار سے لد گئیں، لیکن وہ لوگ زبانی شیعہ نہ تھے۔ وہ ایسے باعمل اور پاکیزہ کردار تھے کہ ائمہؑ ان کی ملاقات کا اشتیاق رکھتے، ان کا عمل امام کی ترجمانی کرتا۔ اس دور کا شیعہ آج ہزاروں سے بہتر ہے۔

ہاں حضرات! جو صاحبان معاوضہ طے کر لیتے ہیں، ان کو تو آنی فیس دے دیتے ہیں، لیکن جو لوگ مقرّر نہیں کرتے قربۃً الی اللہ سمجھ کر پڑھتے ہیں، ان کی ناقدری وحوصلہ شکنی نہ کریں۔ انہیں معقول ہدیہ پیش کریں۔ اور ان کے جذبہ کی حوصلہ افزائی کریں ٹھیس نہ پہنچائیں۔ مجالس قائم کرتے وقت بیان کرنے والوں کا انتخاب سوچ سمجھ کر کریں، بنیادی اصول، تبلیغی مقاصد ہوں، بلند کردار، نیک صورت اور پاک سیرت واعظین وذاکرین منتخب کریں، شہادتِ امام کا مقصد سامنے رکھیں، اور یاری، دوستی اور برادری کا ہرگز لحاظ نہ رکھیں، علم وعمل پیشِ نظر رکھیں، فن کو زیادہ اہمیّت نہ دیں۔ تبلیغ کو اساس قرار دیں۔ نیز آپ کی مجالس ارکانِ دین سے نہ ٹکرائیں، بلکہ ان کو قوّت پہنچائیں، مجلسیں نماز کی تائید کریں تردید نہ کریں۔ مجالس کا قیام ضیاعِ نماز کا باعث نہ بنے، اگر آپ کی مجالس ان مقاصد کی حامل ہیں اور یہ امور مجالس کا حصّہ

ہیں، تو مجالس سبب ہیں ترویج مذہب اہل بیت کا، امر بالمعروف نہی عن المنکر کا، تبلیغ مقصد شہادت، تقویت دین اور اشاعت فضائلِ آلِ محمد کا، ائمہ معصومین علیہم السلام کی ارواحِ طیبہ آپ پر راضی ہوں گی، سیدۃ النساء جناب بتولؑ آپ پر خوش ہوں گی اور آپ کا نام ناصرانِ امام کی فہرست میں شامل ہوگا، اور آپ کا نیکیوں والا پلڑا بھاری ہوگا۔ اور اگر ان مقاصد سے آپ کی مجالس محروم ہیں، تو بانیانِ کرام! گستاخی معاف حق بات تلخ ہوتی ہے ؎ "رکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی سے معاف"

مجالسِ حسینؑ کا لیبل تو ہے، مگر یہ تفریحی مشاغل، وافر دولت کے خرچ کا بہانہ، دعوتِ احباب، نام و نمود، دین سے مذاق اور شہداء کربلا، اسیرانِ کوفہ و شام کی قربانیوں کی ناقدری ہے، ائمہ معصومین علیہم السلام آپ کے ان اجتماعاتِ بے معنی سے خوش نہیں ہوں گے بلکہ ان کی روح مجروح ہوگی اور ان کے زخم ہرے ہوں گے۔

مجالس عزا قائم کرنے کا مقصد جب تبلیغ دین اور تذکرۂ شہداء کربلا ہے تو جو اس وظیفہ کو سرانجام دے سکے بانی کو اس کی قدر کرنی چاہیئے اور اہل حضرات کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیئے، اگر دین سے محبت اور اہل بیت سے الفت ہے تو شخصیت پرستی کی بجائے اصول پسندی ہونی چاہیئے۔ یہ ضروری نہیں کہ نامور اور شہرت یافتہ ہی دین کے مبلّغ اور مداحِ اہل بیت ہو سکتے ہیں۔ اور ان کے سوا کوئی غیر مشہور ذکرِ حسین اور اس وظیفہ کو انجام دینے کا مجاز نہیں ہے۔

اب دستور یہ ہو چکا ہے کہ ایک مشہور واعظ اور نامور ذاکر ایامِ محرم میں روزانہ سات آٹھ مجلسیں پڑھتا ہے اور دن بھر میں سینکڑوں میل کی مسافت طے کرتا ہے حالانکہ انہی مجالس کے مقامات پر بانیانِ مجالس کو ایسے واعظ و ذاکر میسّر آ سکتے ہیں جو علم میں اِس مشہور واعظ سے کم نہیں، اور ذکرِ حسین بھی احسن طریقہ پر بیان کر سکتے ہیں، لیکن وہ بانی حضرات کی نظروں میں اس لئے نہیں جچتے کہ یا تو مقامی و علاقائی ہیں یا فنِ گویائی یا ہُنر گویائی میں مشاہیر کے ہم پلّہ نہیں۔ اور اِس طرح مجالس میں سامعین کی کمی نظر آئے گی اور لوگ تعریف نہ کر سکیں گے۔

لیکن بانی حضرات کی خدمت میں باادب عرض کرونگا کہ آپ کو کس امام و نائبِ امام نے فرمایا ہے کہ غیر مشہور واعظ و ذاکر سے مجلس پڑھوانا جُرم ہے؟ اور ان کی مجلس ثواب سے محروم ہے؟ یا اگر جہلاء، ریاکاروں اور شغلی لوگوں کی کمی سے عزا خانہ بھرا ہوا نہ ہو تو کیا امام پاک ناراض ہو جائیں گے؟ آپ کی مجلس قبول نہ ہوگی؟

مجلس اگر ثواب کی خاطر، خوشنودئ خدا و رسول اور رضاء ائمہ کیلئے منعقد کی گئی ہے تو اِس

ہیں مشہور و نامور ذاکر کا ہونا شرطِ قبولیت نہ سامعین کی کثرت اور نہ لذّتِ سماع ضروری ہے۔ شرط ہے تو بیان کرنے والے کا تقویٰ، کردار اور صحتِ روایات شرط ہے۔ اور بانی کا خلوص شرط ہے۔

ایک مشہور واعظ و ذاکر کے پیچھے بانی حضرات کی قطاریں لگی ہوئی ہوتی ہیں۔ کوئی ادھر سے دامن پکڑ رہا ہے، کوئی ادھر سے سرگوشی کر رہا ہے۔ اور محرّم کے دنوں اور مخصوص ایّام کی مجالس میں ان حضرات کو متعدد مقامات پر جانا پڑتا ہے۔ اس وقت ان کا مقصد کاروباری ہوتا ہے، مُنہ مانگے دام مِل جاتے ہیں اور کئی اہل حضرات محروم رہ جاتے ہیں۔ حالانکہ ان کے بھی حقوق ہوتے ہیں۔ انہیں ان حقوق سے محروم رکھنا ان کی حق تلفی ہے، اور روزِ محشر بانی حضرات سے اس کی باز پرس ہوگی ؎

چھوٹے بڑے پہ موقوف نہیں دبیر سرکار حسینی میں ہے حصّہ سب کا

اس طرح مشاہیر واعظین و ذاکرین کو تاجر اور کاروباری بنانے میں بانیانِ مجالس کا بھی حصّہ ہے۔ اور آدابِ مجالس کو خراب کرنے اور ثواب کی بجائے لذّت حاصل کرنے کے گناہ میں بانی صاحبان ذاکرین کے جُرم میں برابر کے شریک ہیں، ایک ذاکر یا واعظ سے تو آٹھ دس مجلسیں روزانہ پڑھوائیں اور دوسرے ایک آدھ سے بھی محروم رہیں، کیا ان کی حق تلفی نہیں؟ یہ شخصیت پرستی نہیں، اصول پرستی پر ضرب نہیں؟ آپ کے عطیات کی تقسیم غیر مساویانہ نہیں؟ یہ ارتکازِ زر کے علاوہ ارتکازِ مجالس بھی ہے۔ دین اور ذکرِ حسین صرف چند شخصوں میں گردش کر رہا ہے۔ اور غیر مشاہیر مگر اہل حضرات کا استحصال ہے۔

آخر میں یہی گزارش کروں گا کہ آپ حضرات جو مجالس و مواعظ منعقد کرتے اور مجلسوں و جلوسوں کا اہتمام کرتے ہیں۔ سوچ کر نہایت غور و فکر کے ساتھ جائزہ لیں کہ ائمہ معصومین علیہم السلام ہمارے اس طریق کار کو پسند فرمائیں گے؟ کیا اس میں جذبۂ خلوص کارفرما ہے؟ کیا ہمارے مراسم عزا ارکانِ اسلام کے متصادم تو نہیں؟ کیا ان مجلسوں میں علماء دین اور فقہاء اسلام کی توہین تو نہیں ہوگی؟ ان میں شریعت کا مذاق تو نہ اڑایا جائے گا؟ حرام چیزیں مجلسوں کی زینت تو نہ ہوں گی؟ دیکھ لیں آپکی مجالس گمراہی پھیلا رہی ہیں یا مقصدِ شبّیر اور اس کی ہمشیر دلگیر کی قربانیوں کی غرض و غایت کی تشہیر کر رہی ہیں۔

واعظین و ذاکرین حضرات

واعظین کرام و ذاکرین عظام کا بہت بلند مرتبہ ہے۔ یہ فضائل و مصائب اہل بیت علیہم السلام کے ناشر ہیں۔ جہاں مخالفین

نے فضائلِ اہلِ بیت چھپانے کی مذموم کوشش کی۔ وہاں انہوں نے ان کے فضائل و مناقب بڑھ چڑھ کر بیان کئے ان کی باطل کوشش کو ان حضرات نے بیکار کر دیا۔ اور ہر محفل و مجلس میں ان گرامی قدر حضرات نے ائمہ معصومینؑ کے فضائل سے سامعین حضرات کو بہرہ ور کیا۔ انہی کی سعیِ جمیلہ سے ملک کے چپّہ چپّہ میں فضائل اور قربانیوں کے تذکرے پھیل چکے ہیں۔ اور انہی حضرات کے زورِ بیان سے مذہبِ تشیعہ کو وسعت اور ارتقا حاصل ہوا ہے۔

خود ائمہ علیہم السلام نے ان کی حوصلہ افزائی فرمائی ہے اور اپنے عطیات و تحائف سے ان کی عزت فرمائی اور جنابِ سیّدۃ النساء بنتِ رسول فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کی دعائیں ان کے ساتھ ہیں، اور ان کی تائیدات سے انہیں روز افزوں ترقی حاصل ہوتی ہے۔ بے شک یہ خادمِ دین اور مداحِ اہلِ بیت ہیں۔ قومِ شیعہ نے بھی انہیں اونچا مقام دیا ہے۔ اپنا دیدہ و دل ان کے فرشِ راہ کیا اور دل و جان سے ان کی خدمت کی، ان کی خاطر تواضع میں کوئی کمی نہیں کی، انہیں سر آنکھوں پہ بٹھایا اور ہر قسم کا آرام بخشا، جس طرح بن پڑا انہیں معقول ھدیہ پیش کیا۔ اور مالی امداد سے ان کی حوصلہ افزائی فرمائی۔

شکل و صورت اسلامی ہو

واعظینِ کرام دین کے رہنما اور احکامِ اسلام کے مبلغ ہیں۔ انبیاء و ائمہ علیہم السلام کے بعد دین کی رہنمائی اور بشارت و انذار کے فرائض کے یہ ذمہ دار ہیں۔ اسلام کی حفاظت اور دین کی امانت کے یہ امین ہیں اور ہدایت کی باگ ڈور انہی کے ہاتھوں میں ہے۔ تربیتِ قوم کی ذمہ داری انہی پہ عائد ہوتی ہے۔ واعظین و ذاکرین پہ شرعی ذمہ داریاں زیادہ عائد ہیں اور ان سے عہدہ برآ ہونا ان کا فرضِ اوّلیں ہے۔

چند ذمہ داریوں کا تذکرہ کرتا ہوں اور گستاخانہ کلمات سے معذرت خواہ ہوں۔

سٹیج حسینی اور منبرِ رسول صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا احترام نہایت ضروری ہے۔ انہیں یہ سوچنا چاہیئے کہ کس مقام پہ جلوہ افروز ہیں، یہ مقام انبیاء و مرسلین اور ائمہ طاہرینؑ کا ہے۔ مجالس سیاسی اکھاڑہ نہیں، دینی تربیت گاہ اور اسلام کی تبلیغ و مصائبِ شہدائے کربلا و اسیرانِ کوفہ و شام بیان کرنے کا مقام ہے۔

حضرات ذاکرین! اس مقام پہ آپ کا حلیہ اسلامی اور شکل و صورت دینی ہونی چاہیئے، تاکہ آپ کے اسلامی رنگ کو دیکھ کر آپ کے سامعین آپ کے رنگ میں رنگے نظر آئیں، آپ کی غیر اسلامی صورت سے وہ ناجائز فائدہ اٹھا کر اپنی شکلیں نہ بگاڑ دیں۔ تازہ منڈی ہوئی ڈاڑھی اور بڑھی ہوئی مونچھیں، شہیدانِ کربلا کا تذکرہ کرتے ہوئے زیب نہیں دیتیں، جن مقدس حضرات کی قربانیوں کا تذکرہ آپ کرتے ہیں، ان میں سے کسی کی ڈاڑھی منڈی ہوئی اور مونچھیں بڑھی ہوئی نہ تھیں، ان میں کوئی بے نماز نہ تھا۔ اور کوئی احکامِ اسلام کا تارک نہ تھا۔ وہ حفاظتِ اسلام کی خاطر شہید ہوئے اور احکامِ شریعت کے قولی و عملی مبلغ تھے، جب انہی

بزرگوں کے نام سے آپکو انعام ملا ہے۔ لوگ سیاسی لیڈروں اور بڑے آدمیوں حکمرانوں کی وضع قطع اور شکل وصورت کی پیروی کرتے ہیں اور اپنی شکلیں ان کی شکلوں کے مطابق بناتے ہیں' تو آپ جن کے نام لیوا ہیں جن کی بدولت آپ کی اقتصادی و مالی حالت مضبوط و استوار ہے۔ آپ ان کی صورت کی پابندی کیوں نہ کریں۔ جہاں آپ کی زبانیں اُن کے تذکرے کریں وہاں آپ کی صورت ان کی صورتوں کی ترجمانی کیوں نہ کرے۔ حالانکہ بجائے خود ملّتِ اسلام کا فرد ہونے کے آپ پر احکامِ اسلام کی پابندی فرض ہے

جذبۂ خلوص

آپ دینِ اسلام کی تبلیغ کرتے ہیں۔ لوگوں کو احکامِ اسلام سے متعارف کراتے ہیں۔ فضائل و مصائبِ اہلِ بیت بیان کرتے ہیں۔ تو اِس مقدّس فرض کی ادائگی خلوصِ نیّت اور خوشنودئ خدا و رسول اور رضائے ائمہ علیہم السلام کے قصد سے کریں۔ اس نیک کام میں آپ کا جذبۂ خلوص کارفرما ہو' یہ عبادت ہے اور عبادت اگر خلوص اور قربت الی اللہ کی نیّت سے خالی ہو تو عبادت باطل ہوتی ہے۔ اگر وعظ کرنے اور مجلس پڑھنے میں آپ خلوص سے تہی دامن ہیں تو ثوابِ آخرت اور خوشنودئ معصومین حاصل کرنے میں کتنے امّید وار ہیں؟

آپ ساری عمر وعظ و تقریر اور ذکرِ شہدائے کربلا کرتے رہیں مگر روزِ حشر قبر سے اٹھیں' تو بے سرو مایہ اور خالی ہاتھ اٹھیں' پوچھنے والا پوچھے آپ کو کیا ملا؟ تو اس وقت کس قدر شرمندگی و ندامت ہوگی۔ آپ معاوضے کر دنیا تو بنالیں گے مگر مرنے کے بعد آپ کے کفن میں محرومی ساتھ جائے گی' نہ من جانبِ خدا ثواب ملے گا اور نہ ائمہ معصومین علیہم السّلام کے سامنے آپ سرخرو ہونگے۔

اگر آپ بانیانِ مجالس کو تنگ نہ کریں' جو کچھ ان سے بن پڑے' بطیبِ خاطر قبول کرلیں تو دونوں جہان میں آپ کو سُرخروئی حاصل ہوگی' اور دنیا و آخرت میں آپ کامیاب ہیں' یہ کچھ کم سعادت ہے۔ امیر اور دولت مند تو آپ کو گراں قدر نیاز و تحائف دیں گے۔ مگر غریب لوگ اتنی طاقت نہیں رکھتے۔ آپ ان سے بھی وہ توقع نہ کریں جو سرمایہ داروں سے آپ کو ہوتی ہے۔ آپ سب کو برابر نہ سمجھیں' ہر جگہ لذیذ کھانے میتسر نہیں اور نہ ہر جگہ سہولتیں یکساں ہیں۔ امیروں کے ہاں تو آپ کو مرغن کھانے اور کثیر سرمایہ ملے گا۔ مگر غریبوں کے ہاں دال روٹی اور حقیر پونجی قبول کرلیں۔ امیروں اور دولتمندوں کے ہاں ذوق و شوق سے جائیں۔ اور غریبوں کی مخلصانہ دعوت ٹھکرادیں۔ یہ آپ کے شایانِ شان نہیں۔ خیال رکھیں کہیں مادرِ حسینؑ ناراض نہ ہوجائیں۔

ایامِ محرم تجارتی موسم نہ بنائیں

تبلیغ دین کا قصد ہدایتِ اسلام اور فضائل و مصائبِ اہل بیت علیہم السلام کی نشر و اشاعت' مجلسِ حسینؑ کے بنیادی

مقاصد ہیں۔ انہی مقاصد کو پیشِ نظر رکھ کر سٹیج و منبر پر جائیں۔ آپ جب سفر پہ جائیں۔ گھر سے خروج انہی مقاصد کے تحت ہو۔ تو آپ کا سفر، آپ کی محنت وصعوبت، تعب و مشقت، گرد و غبار، اور بال بچوں سے جدائی، یہ تمام امور عبادت میں شمار ہوں گے۔

لیکن خدا را شہدائے کربلا کے پاک خون کو مالِ تجارت نہ بنائیں۔ اور عزاخانوں کو تجارتی منڈی نہ قرار دیں۔ سارا سال کمائی ہوتی رہتی ہے مگر ایامِ محرم اور مخصوص مجالس کے دن اس کاروبار کے خاص موسم ہیں۔ مومنین تو ان ایام میں آنسو بہاتے اور واعظین و ذاکرین دولت کمانے کے لئے نکلتے ہیں۔ آپ اہل بیت علیہم السّلام کے مدّاح اور مبلّغِ اسلام ہیں، معاف فرمائیں، ایامِ محرم اور ایامِ غم میں آپ روزانہ سات آٹھ مجلسیں مختلف مقامات پر پڑھتے ہیں۔ اور مختلف اضلاع میں سینکڑوں میل کی مسافت طے کر کے پڑھتے ہیں۔ آپ کی اس تگ و دَو، دوڑ دھوپ میں کیا جذبۂ خلوص موجزن ہے؟ یا کاروباری نقطۂ نظر ہے؟ اتنی محنت و مشقت اور دور دراز سفر تبلیغ دین و کشتگانِ جور و جفا، پیاسے شہیدوں کی محبت کے تحت ہے یا دولت سمیٹنے و مال و زر کے حصول کے لئے ہے؟ زبان سے آپ کچھ کہیں لیکن آپ کا طرزِ عمل، طریقِ کار، آپ کا برتاؤ، آپ کے دلی ارادوں اور مخفی عزائم کی غمازی کرتا ہے۔

آپ تو روزانہ آٹھ دس مجلسیں اپنے نام الاٹ کر لیتے ہیں، جب کہ آپ جیسے اہل علم بھائی اور آپ ہی کی طرح کے ذاکر محروم رہ جاتے ہیں، آپ ان کی حق تلفی تو نہیں کرتے؟ بانیانِ مجالس کو اس بات کی ہدایت کرنا آپ کا فرض ہے کہ دوسروں کے بھی حقوق ہیں، انہیں سٹیج پر آنے، منبر پہ بیان کرنے کا حق ہے۔ اگر آپ خود اس استحصال پہ پابندی لگائیں اور حدِ اعتدال پہ رہ کر اپنے نفس کو بھی زیادہ مشقت سے بچا کر دو تین مجلسوں پہ اکتفا کر لیں تو بانیانِ کرام خود دوسرے حضرات کی طرف رجوع کریں گے۔ انہیں بھی صلاحیتوں کے ظاہر کرنے کا موقع ملے گا۔ اس طرح ایک تو ان کا استحصال ختم ہو جائے گا، ان کو ان کے حقوق مِل جائیں گے، دوسرے آپ غاصبینِ حقوق کی فہرست میں آنے سے بچ جائیں گے۔

آج کل واعظین و ذاکرین کے مدعو کرنے میں صرف اہلیت ہی پیشِ نظر نہیں ہوتی بلکہ ذاتی تعلقات باہمی مراسم، برادرانہ اثرات، اور یاری دوستی بھی ملحوظ ہوتی ہے۔ اس قسم کے بندھنوں کو توڑنا اور آدابِ مجالس کے مفاسد کو دُور کرنا آپ کا فرض نہیں تو اور کون اِسے انجام دے گا؟

دینی تبلیغ، فضائل و مصائب کے بیان کے ساتھ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے تحت ایسی

معاشرتی و معاشی برائیوں کے قلع قمع کرنے کی آپ کوشش کریں اور حقوق العباد خصوصاً حقوق الواعظین و الذاکرین کو پامال ہونے اور پامال کرنے سے بچائیں۔ ایک شخصیت میں ارتکازِ مجلس نہ ہونے دیں۔ ان کی عادلانہ و منصفانہ تقسیم کریں۔

اگر آپ حضرات ایثار و قربانی سے کام لیں، ایک مشہور و نامور واعظ و ذاکر کی کرم نوازی سے کئی واعظین و ذاکرین کے کنبے مفلوک الحالی سے بچ سکتے ہیں۔ اس طرح آپ دینی و دنیوی سعادتوں سے بہرہ ور ہو سکتے ہیں۔

صحیح فضائل و مستند روایات

خدا نے آپ کو بلند مقام عطا فرمایا ہے۔ اور قوم نے آپ کو سر آنکھوں پر بٹھایا ہے۔ مجلس پڑھتے وقت آپ کی کیا شان ہوتی ہے کہ سینکڑوں ہزاروں کان آپ کے دھیان میں مشغول ہوتے ہیں اور ہزاروں نگاہیں آپ کی ادائیں دیکھتی ہیں۔ سٹیج اور منبر ذمہ دار مقام ہیں۔ یہیں سے احکامِ شرع نشر ہوتے ہیں۔ فضائل و مصائب بیان ہوتے ہیں۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کیا جاتا ہے۔ جو کچھ بیان کیا جاتا ہے اکثر لوگ اسے صحیح سمجھ لیتے ہیں اور مان لیتے ہیں۔ سب سامعین تاریخ دان اور اہلِ علم تو نہیں ہوتے، کہ سچ اور جھوٹ میں تمیز کر سکیں۔ سچ کو قبول کر کے ساتھ لیتے آئیں اور جھوٹ کو وہیں رہنے دیں۔

فضائل ہوں یا مصائب، تفسیرِ آیات ہوں یا تشریحِ احادیث، تاریخی روایات ہوں یا فقہی مسائل۔ ان کی سند ہو معتبر، مستند اور صحیح کتب میں وہ مرقوم ہوں، اور ذمہ دار علماء کرام و فقہائے عظام کی تصدیق ہو۔ قانونی معلومات وکلاء اور قانون دان حضرات سے حاصل ہوتی ہیں۔ امراض کی تشخیص اور ان کا علاج ماہرینِ طب اور مستند ڈاکٹروں سے کرایا جاتا ہے۔ امورِ زراعت ماہرینِ زراعت سے دریافت کئے جاتے ہیں۔ تعلیم ماہر، مستند اور تجربہ کار اساتذہ سے حاصل کی جاتی ہے۔ لیکن امورِ اسلام، مسائلِ دین، احکامِ شریعت، تفسیرِ قرآن، صحتِ احادیث اور روایات ہر شخص سے سن کر قبول کر لی جاتی ہیں۔ یہ امور بھی ان سے دریافت کئے جائیں اور مسائل و روایات ان سے پوچھے جائیں۔ جنہیں ان میں مہارتِ تامہ اور قابلیتِ کاملہ حاصل ہو، جو دین کے ذمہ دار اور جناب قائم آلِ محمد عجل اللہ ظہورہٗ کے معتمد ہیں۔ ان پر اعتماد کر کے اور امانتِ اسلام ان کے سپرد کر کے غیبتِ کبریٰ اختیار کی ہے۔ جن میں علم و فضل کے ساتھ تقویٰ اور دیانت وغیرہ کے اوصاف بدرجۂ اتم موجود ہوں۔

یہ بھی ملحوظ رہے کہ ہر کتاب معتبر نہیں، اور ہر بیان صداقت پر مبنی نہیں ہوتا، کتاب بھی اسی کی معتبر ہوتی ہے جو لکھنے والا خود بھی قابلِ اعتبار اور ذمہ داری کا خیال رکھنے والا ہو۔ اور بیان بھی اسی کا صحیح ہوتا ہے جو ذمہ دار، واقف کار، اہلِ علم وفضل اور دیانت دار ہو۔ لہذا کوئی واعظ و ذاکر کسی غیر معتبر غیر مستند کتاب، یا واعظ کا حوالہ دے کہ بری الذمہ نہیں ہو سکتا، اور وہ ہر غلط بات، جھوٹی روایت اور غلط تشریح کا جواب دہ ہے۔ اور اس سے دنیا میں تو نہیں روزِ قیامت ضرور باز پُرس ہوگی۔ اس واسطے منبر وسٹیج پر ہر واعظ و ذاکر صاحب کو اپنی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے، صحیح اور مستند بیان کرنا چاہیئے۔ آپ حضرات کو معلوم ہے کہ آپ کی باتیں فضائی لہروں سے گزرتی ہوئی ہزاروں سامعین کے کانوں میں پہنچ جاتی ہیں۔ اور یہی باتیں ان کے دل و دماغ میں معلومات کا ذخیرہ بنتی ہیں اور انہی سے وہ اپنے عقائد ونظریات قائم کرتے ہیں۔ آپ کی باتیں اگر صحیح ومستند ہوں گی تو ان کے خیالات وعقائد بھی درست ہوں گے اور اگر آپ کی باتیں صداقت سے دُور، کذب سے بھرپُور، خود ساختہ یا غیر معتبر تحریروں وتقریروں سے ماخوذ ہوں گی تو سننے والوں کے پاس جو ذخیرۂ معلومات آپ کی بدولت پہنچا، اور اس سے انہوں نے خیالات ونظریات تشکیل دیئے، وہ سب کے سب غلط، باطل اور خالی از حق وصداقت ہوں گے۔

جس طرح آپ صحت بیانی کے سبب باعثِ ہدایت ہوں گے اسی طرح آپ غلط بیانی کی بدولت گمراہی پھیلانے والے ثابت ہوں گے۔

خدانخواستہ العیاذ باللہ آپ نے سامعین کو خوش کرنے کے لئے بے حقیقت فضائل بیان کئے، یا رلانے کے لئے غلط، ضعیف اور خود ساختہ روایات بیان کیں، تو آپ کو کچھ ذاتی مفاد تو پہنچ جائے گا، کسی قدر داد وتحسین پیش ہوگی، شہرت اور ناموری بھی حاصل ہوگی، مگر قوم میں گمراہی پھیل جائے گی، غلط روایات اور باطل خیالات قوم کے دل ودماغ میں راسخ ہو جائیں گے، اور اغلاط و اباطیل کا جما ہوا میل پھر کسی اصلاحی صابن سے دور نہ ہو سکے گا، دیکھیں آپ کی غیر ذمہ داری نے کس قدر بگاڑ پیدا کیا، بننے کی بجائے قوم بگڑ گئی۔

مجلس جناب سیّد الشہداء اور میلاد کی محفل ایک قومی تربیت گاہ ہے۔ واعظ و ذاکر اس تربیت گاہ کا معلّم ہے۔ اگر آپ صحیح تربیت دیں گے تو قوم سنور جائے گی۔ اور غلط تربیت کریں گے تو قوم بگڑ جائے گی اور ایسی بگڑے گی جس کی اصلاح ناممکن ہوگی۔ اور دردِ دین رکھنے والے خیر خواہانِ قوم کوئی بھی اصلاحی چیز پیش کریں گے تو وہ طعن وتشنیع کا مورد بنیں گے۔ اور تبرّا بازی وگالیاں انکا

استقبال کریں گی۔ جب اُن کے صحیح فضائل و مصائب کثرت سے ہیں تو جھوٹے فضائل و مصائب بیان کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ جھوٹی روایت پر نہ رُلانا ثواب ہے نہ رونا۔

حُرمت غنا

قصیدہ خوانی، شیریں بیانی اور خوش الحانی منع نہیں۔ یہ چیزیں باعثِ ثواب ہیں۔ آپ بے تکلف پڑھیں۔ خداوند عالم بحق ائمہ معصومین علیہم السلام آپ کو نیکیوں اور اعمالِ خیر کی زیادہ توفیق بخشے۔ اور دین و دنیا کی سعادتوں سے مالا مال کرے، مجالس کا سلسلہ زور شور سے جاری رکھیں مگر غنا اور راگ و رنگ سے پرہیز کریں۔ ہمارے مذہب میں غنا مطلقاً حرام ہے۔ کسی صورت میں کسی مقام پر کسی وقت بھی جائز نہیں۔ قرآن و حدیث معصومین علیہم السلام اس کے حرام ہونے پر متفق ہیں اور علماء امامیہ رضوان اللہ علیہم کا اس کے ناجائز ہونے پر اجماع ہے۔

غنا کی تشریح

۱۔ غنا کی تشریح و حدود پر اکثر اوقات بحث کی جاتی ہے۔ جنہوں نے غنا حرام کیا ہے انہوں نے اس کی تشریح بھی کر دی ہے۔ کون سی چیز ہے جس کو شریعت اسلام نے حرام کیا ہو اور اس کی تشریح نہ کی ہو۔ غناء کی ایک قسم ہے "تَرْجِیْعُ الصَّوْتِ" گٹکری مارنا، تان پلٹا، گلے میں آواز کا لوٹانا، یہ معروف و مشہور چیز ہے۔ اِسے ہر شخص جانتا ہے۔ قصائد اور مرثیہ خوانی میں اس کا استعمال حرام ہے۔

۲۔ بے مقصد اور بغیر الفاظ کے صرف خالی سُر کے طویل کرنا، نہ کوئی لفظ ادا ہو رہا ہے، نہ کچھ پڑھا جا رہا ہے، کئی منٹ سُریلی آواز کو چلاتے رکھنا، یہ راگ ہے بعض اوقات سُر کی طوالت لفظوں کو ذبح کر دیتی ہے۔

۳۔ ماہرینِ غناء نے غناء کی طرزیں اور راگ کی قسمیں بنا رکھی ہیں۔ مثلاً بھیرویں۔ سندڑہ۔ مال کونس، پہاڑی اور جنگلہ وغیرہ۔ ان سے واقف ہوتے ہوئے، ان کے مطابق آواز کو بند کر کے اور ان کی حدود متعین کر کے پڑھنا راگ ہے۔ جو حرام مطلق ہے۔

۴۔ خوش الحانی کا وہ طریقہ اور لہجہ کی وہ ادا جو باطل گانوں اور فلمی ترانوں میں استعمال کی جاتی ہے، جس کو سننے والا، فلمی گانا تصور کرے، اِسی طرح سازوں کی دھن پر گانا اور ڈھول کی آواز پر پیٹنا حرام ہے۔ یہ راگ کی قسمیں ہیں۔ جنہیں پڑھنے والے جانتے اور سمجھتے ہیں۔ مگر ــــ "خوئے بدرا بہانہ بسیار" کے طور پر واہیات عذر کرتے ہیں۔ اور طرح طرح کی باطل اور کمزور دلیلیں اپنے غلط فعل کو صحیح کرنے کے لئے پیش کرتے ہیں۔ مگر ان کی سخن سازی، حیلے بہانوں اور چرب زبانوں سے حرام محمدی حلال نہیں ہو جاتا، اگر اِتباعِ شریعت کرتے ہوئے اس فعلِ حرام سے پرہیز

کریں اور سادہ لہجہ سے بغیر راگ قصیدہ خوانی اور مدحِ ائمہ معصومین کریں تو انہیں ثواب بے حساب ملے گا اور اگر اس جُرم کے ساتھ ساتھ اس حرامِ محمدی کو حلال بنانے کی کوشش کریں اور ذاتی مفاد کی خاطر فرمانِ معصوم اور شرعِ پاک سے مذاق کریں تو یہ دُہرا گناہ ہے ایک حرام کے ارتکاب کا، دوسرا حرام کو حلال بنانے کا جو زیادہ بدتر ہے۔

چونکہ راگ ایک قسم کی پُر لذّت حرام غذا ہے اور جادو کا اثر رکھتا ہے۔ اس لئے اس کے دلدادہ افراد پڑھنے اور سننے والے اس کے جواز کی یہ دلیل بھی دیتے ہیں کہ ہم جو بات کرتے ہیں، جو سادہ لہجہ میں شعر پڑھتے ہیں وہ بھی راگ میں ہوتا ہے اور راگ کی کسی راگنی میں رنگا ہوا ہوتا ہے۔ اصل تو ان میں، راگ کی لذّت اور ان کا بگڑا ہوا ذوقِ سماعت اور غناء کا عشق ان سے یہ باتیں کہلواتا ہے۔ اوّل تو یہ بھی غلط ہے کہ ہر کلام و شعر، ہر نثر و نظم راگنی میں رنگی ہوتی ہے۔ سیکھنے کے لئے کچھ عرصہ درکار ہوتا ہے۔ آواز کی ادا کو اس سُرتال کے مطابق ڈھالنا پڑتا ہے۔ لہجے کو اس کی ادا کا بلندی پستی میں پابند کرنا ہوتا ہے۔ اس واسطے انسان کا ہر کلام راگ کا پابند اور کسی راگنی کے تحت نہیں ہوتا۔ دوسرا یہ کہ اس میں راگ کا لُطف اور غناء کی لذّت نہیں ہوتی اسے راگ نہیں کہا جاسکتا۔ تیسرا امر یہ ہے کہ بات کرنے والا اور سادہ لہجے میں شعر پڑھنے والا گو خوش الحانی میں بھی پڑھے اُسے راگ اور اس کی اقسام کا علم نہیں ہوتا اور نہ وہ راگنی سے واقف ہوتے ہوئے اس کے مطابق ادا کرتا ہے اور نہ اس کا یہ قصد ہوتا ہے کہ میں راگ پڑھوں اور نہ وہ آواز کو گلے میں گھماتا ہے۔ اس لئے وہ راگ کے جُرم سے بَری اور غناء کے گناہ سے محفوظ ہے۔

ایک عام عذر اور اس کا اِبطال

غناء کے شیدائی اور راگ کے فدائی ایک وجہ یہ بھی پیش کرتے ہیں کہ راگ اور سُر کی وجہ سے کئی غیر مجلس میں شرکت کرتے اور مذہب سے متعارف ہوتے ہیں۔ سُریلی آوازوں کی وجہ سے وہ مذہبِ اہلِ بیت سے قریب ہوجاتے ہیں۔ بالآخر وہ مذہبِ حق قبول کرلیتے ہیں۔ اس طرح مذہبِ شیعہ ترقی کرتا ہے۔ یعنی مذہبِ شیعہ کی جانب لوگوں کو کھینچنے کے لئے راگ اور سُرتال بہترین ذریعہ ہیں۔

اِس کا جوابِ باصواب

اس کا جواب یہی ہے کہ کسی مذہب کو موردِ طعن اور غلط ثابت کرنے کے لئے یہی کافی ہے کہ اس مذہب کی ترقی، اس کے

اصول و فروع کی حقانیت اور تعلیمات کی صداقت کی بنا پر نہیں ہوئی بلکہ اسبابِ باطلہ اور ناجائز ذرائع سے ہوئی ہے۔ اگر ہم یہ کہیں کہ راگ و غنا اور سُریلی آوازوں اور تانوں نے ہمارے مذہب کو پھیلایا ہے تو اس سے بڑھ کر اس مذہب کے باطل ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔ ناجائز ذرائع اور باطل اسباب کے ذریعہ وہ اپنا مذہب پھیلاتے ہیں جن کے مذہب کے اندر کچھ نہ ہو۔ اس کے اصول ضوابط غلط ہوں، اس کے رہنما اور اس کے بانی حق سے دور اور فریب و کذب سے معمور ہوں، وہ الہامی اور آسمانی مذہب نہ ہو۔ بلکہ دنیوی مادی اغراض کے تحت ایک فرقہ تشکیل دیا گیا ہو، تو اس کی اشاعت مادی اور باطل اغراض کے تحت اور ناجائز امور سے کی جاتی ہے۔

شیعہ مذہب الہامی مذہب ہے۔ اس کا آئین قرآن و سنتِ نبوی ہے۔ اس کے رہبر معصوم اور اس کی تعلیمات خدائی، اس کے احکام الٰہی ہیں۔ اس مذہب کو راگ و غنا نے نہیں بلکہ آئمہ علیہم معصومین کی سچی تعلیمات اور حق کی خاطر ان کی اور ان کے شیعوں کی قربانیوں نے ترقی بخشی ہے۔ جائز کی مدد ناجائز سے، حق کو طاقت باطل سے اور سچ کو ترقی جھوٹ سے نہیں دی جا سکتی۔ کیا شراب پی کر، ایک بندہ مصلائے عبادت پر کھڑا ہو جائے اور سینکڑوں رکعتیں شراب کے نشہ کی وجہ سے پڑھ لے تو کیا اس کی عبادت مقبول ہو گی۔

مذہب کے اصول و فروع اور تعلیمات لوگوں کے سامنے پیش کر دو، اگر وہ قبول کریں تو آجائیں۔ ورنہ انہیں اپنے حال پر چھوڑ دو۔ یہی طریقہ انبیاء و مرسلین کا رہا ہے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر آئے۔ انہوں نے لوگوں کو دعوتِ دین دی۔ مذہبِ اسلام کی طرف پکارا۔ ان کی پاک زبان سے نکلے ہوئے کلمات کے ساتھ اور تصدیقی معجزات دیئے اور تائید کے لئے آیات و بیّنات بھی خداوند عالم نے ان کو ساتھ دیں۔ روشن دلیلیں، عقلی نبوت اور خارقِ عادت معجزات دیئے۔ یہ سب اسباب تبلیغ و ہدایت کے لئے فراہم کئے۔ مگر کسی پیغمبر کو خدا نے سوز خوان اور ہمنوا نہیں دیئے۔ کیا اس کو اسلام کی اشاعت اور دین کی ترقی پسند نہ تھی۔ انبیاء جواب میں پتھر برداشت کرتے رہے۔ گالیاں سنتے رہے۔ اذیتیں سہتے رہے اور مختلف طریقوں سے اپنی قوم کے ہاتھوں قتل ہوتے رہے۔ مگر انہوں نے کبھی راگ اور غناء کو دعوتِ دین اور لوگوں کی کشش کے واسطے استعمال نہیں کیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام مناجات اور دعاؤں میں راگ و غناء نہیں، سوزِ دروں، رقتِ قلب سے نکلی ہوئی صدا اور دلی محبت، اور بندگی کا اظہار خوش الحانی اور جذب و درد سے بھری ہوئی آواز کے ساتھ کرتے تھے۔ بے شک ان کی آواز میں درد

تھا۔ سوز تھا، خوش الحانی تھی۔ مگر راگ گمان نہ تھا اور قوم کو جب دین کی طرف پکارتے اور تعلیمات و ہدایات خداوندی پیش کرتے تو سُر تال کے ساتھ دعوت نہ دیتے اور نہ سُریلی آوازوں کے بہانے قوم کو اکٹھا کر کے تبلیغ کرتے۔

حضرات! راگ کی حرمت اپنے مقام پر بجا ہے اسے کسی طور جائز نہیں کیا جا سکتا۔ ہاں قصائد، اشعار، رباعیات، دوہڑے راگ سے خالی سُر میں پڑھ سکتے ہیں۔

سامعین کرام! اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے اور چہاردہ معصومین علیہم الصلوٰۃ والسلام کا سایۂ رحمت آپ کے سروں پر قائم رہے۔ آپ ذوقِ سماعت رکھتے ہیں۔ کسی قوم میں واعظ کی باتیں مقرر کی تقریر اور ذاکر کا بیان سننے کا اشتیاق شیعہ فرقہ کے برابر نہیں ہے۔ عموماً دیکھا گیا ہے کہ مقرر حضرات مسجد میں تقریر فرما رہے ہیں لیکن مسجد سامعین سے خالی ہے۔ چند ایک بے دلی سے سماعت کر رہے ہیں لیکن کیا کہنا شیعہ قوم کے شوقِ سماعت کا کسی مشہور واعظ اور نامور ذاکر کی مجلس کا اعلان ہوا، وقتِ مقرر سے پہلے محبانِ اہل بیت، حضرت شبیر کے شیدائی مقامِ مجلس میں جمع ہونے شروع ہو گئے۔ جلسے کا پنڈال یا عزاخانہ کھچا کھچ بھر گیا۔ آپ اپنا قیمتی وقت صرف کرتے ہیں۔ دور و دراز سے پیدل چل کر یا کرایہ خرچ کر کے جناب سید الشہداء علیہ السّلام کی مجلس سننے کے لئے آتے ہیں۔ یہ ایک تڑپ ہے جو آپ کو کھینچ کر فرزندِ بتول کی صفِ ماتم پر لا بٹھاتی ہے۔

نیز شیعہ قوم بڑی مخیر قوم ہے۔ کھلے دل سے عزاداری پر لاکھوں بلکہ کروڑوں روپے خرچ کرتی ہے۔ عظیم الشان عزا خانے آپ کی مالی قربانیوں کے مظہر اور مشہور خطباء، واعظین، نامور ذاکرین کی قیمتی کاریں قصور آپ کی فراخدلی کی منہ بولتی تصویریں ہیں۔ آپ کا جذبۂ جود و کرم قابلِ ستائش ہے۔ لیکن بُرا نہ منائیں تو آپ میں چند ایک خامیاں بھی ہیں۔ جن کی نشان دہی میں کرتا ہوں، اصلاح آپ خود کر لیں۔ خوبیاں تو آپ میں موجود ہیں ہی اگر خامیاں دُور ہو جائیں تو سونا غش (ملاوٹ) سے پاک ہو جائے۔ سدا بہار شجر دیمک سے بچ کر بابرگ و بار ہو جائے اور جذبۂ محبت و ایثار سے سرشار قوم اپنے نظریات و عملیات کے اعتبار سے اقوامِ عالم کی مقتدا بن جائے۔

۱۔ جذبۂ خلوص

آپ خالص فضائل اور خالص مصائب سننے کی خاطر مجلس میں جائیں۔ آپ کے پیشِ نظر قرآن و حدیث اور فضائل و مصائب ہوں۔ اگر آپ لچھے دار تقریروں، ادبی زبان، لفاظی کا سحر بیان اور فلمی چالوں کے قصیدے، غنائی لب و لہجے سننے کے لئے جائیں گے تو آپ کا مقصد خالص فضائل و مصائب نہ رہیں گے، بلکہ اس میں لذتِ سماع،

اشتیاقِ فن اور حُبِّ سرود وغنا کی آمیزش ہو جائے گی۔ ثواب تو ذکرِ فضائل ومصائب سننے ہی آتا ہے۔ تقریروں کی چاشنی، لطیفوں اور سحر بیانیوں، الفاظ کی رنگینیوں، غنائی تانوں اور راگ آمیز سروں کے سننے میں نہیں۔ جس قدر آپ کے مقصد میں خلوص کم ہوگا اور آمیزش زیادہ ہوگی اتنا ہی ثواب گھٹ جائے گا۔

اکثر دیکھا گیا ہے کہ مشہور ذاکر و واعظ کیلئے تو وقتِ مقرر سے پہلے آپ جائے مجلس میں پہنچ کر نشست محفوظ کر لیتے ہیں۔ لیکن غیر مشہور واعظ و ذاکر کی مجلس کے لئے بانیٔ مجلس کی نگاہ آپ کی راہ تکتے تکتے تھک جاتی ہے۔ حاضری بہت کم ہوتی ہے۔ اور وقتِ مقرر سے کافی تاخیر کے بعد بانی بیچارہ مجلس شروع کراتا ہے۔ آپ کی رفتار میں سستی، ذوق میں کوتاہی اور شوق میں نمایاں کمی نظر آتی ہے۔ آپ سنتے ہیں تو بے اعتنائی سے اور آپ دیکھتے ہیں تو بے پروائی سے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا ذوقِ سماعت اور جذبۂ محبت خالص نہیں۔ اس میں لذّتِ شیریں بیانی و حظّ غنا اور سرود کی آمیزش ہے۔ عبادت میں خلوص اور قرب شرط ہے۔ آپ کی عبادت میں خلوص اور قربت نہیں تو آپ کے اس غیر خالص عمل کی اُجرت نہیں۔

خوشا نصیب ہیں وہ لوگ اور سعادت مند ہیں وہ مومن جو مجلس کا اعلان سنتے ہیں تو یہ نہیں پوچھتے کہ ذاکر کون ہے۔ مشہور کی نسبت غیر مشہور کی مجلس میں ذوق وشوق سے جاتے ہیں۔ کیونکہ وہاں کوئی سامانِ لذّت نہیں ہوتا ہے۔ نہ شیریں بیان نہ پلٹے گر گری اور تان، خالص فضائل و مصائب آمیزش سے محفوظ جذبۂ سماعت۔ یہ ہے خالص عبادت۔

۲۔ قرآن و حدیث سے گریز کیوں؟

جلسوں میں بیان کرنے والے متعدد حضرات و واعظین و ذاکرین مدعو ہوتے ہیں۔ خدا آپ کو جذبۂ خلوص عطا فرمائے۔ جب تک ذاکر شیریں بیان، خوش الحانی، سریلی آواز اور طرب انگیز غنا آمیز لہجے میں بیان کرتا ہے، آپ اس قدر محوِ سماعت ہوتے ہیں کہ اس وقت آپ کا سب کچھ قربان بھی ہو جائے تو آپ کو احساس نہ ہوگا لیکن اگر عالمِ دین، واعظ، نیک سیرت، قرآن و حدیث بیان کرنے سٹیج پر آئے تو آپ اُٹھ کیوں آتے ہیں؟ پنڈال خالی ہو جاتا ہے۔ عزاخانہ کمیٔ مردم کی شکایت کرنے لگتا ہے اور واعظ بے چارہ حسرت سے جانے والوں کی بے رُخی اور پشت نمائی کو دیکھتا ہے۔

آپ اپنے طرزِ عمل سے کس قدر قرآن اور اسلام سے بے رُخی اختیار کرتے ہیں۔ جتنی آپ کو راگ و سُر سے محبت ہے۔ اتنی ہی مسائل دین اور قرآنِ مبین سے نفرت نظر آتی ہے۔ جس قدر آپ سُر تال کی

حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ اسی قدر قرآن خوانی و احکامِ اسلام کی حوصلہ شکنی کرتے ہیں۔ کیا قرآن آپ کے اِس طرزِ عمل کی شکایت نہ کرتا ہوگا۔ کہتا ہوگا۔ میرے خالق! تیرے بندوں نے مجھے چھوڑ دیا۔ یا رسول اللہ! تیری اُمّت مجھے سُننا نہیں چاہتی، یا علی! تیرے شیعہ مجھ سے نفرت کرتے ہیں۔ یا حسین! تیرے عزادار! مجھ سے نفرت کرتے ہیں۔ یہی حال احکامِ اسلام کا ہے۔

کس قدر افسوس کا مقام ہے اور کتنی دُکھ کی بات ہے کہ اکثر اوقات واعظ و عالم کو مشہور ذاکر سے اس لئے پہلے پڑھایا جاتا ہے کہ لوگ سُروں کی لالچ میں بیٹھے رہیں گے۔ گو بے رغبتی سے ہی سہی کچھ سُن تو لیں گے۔ بعض اوقات شوقِ غنا میں عالمِ دین کو صلوٰت کی شکل میں صلوٰتیں سُنائی جاتی ہیں اور نعرۂ حیدری و بلند آواز سے درود کا تحفہ بھیج کر اس کے بیان سے نفرت کا اظہار کر کے اُسے بیان ختم کرنے کی دعوت دی جاتی ہے۔ اور انہی نعروں اور بلند آواز صلوٰتوں کے ساتھ آنے والے شیریں بیاں اور غنائی زبان کا استقبال کیا جاتا ہے۔

ایسے اوباش جوانوں، شغلی اور جاہل انسانوں بلکہ انسان نُما جوانوں کو مجالس میں جانا ہی نہ چاہیئے۔ کیونکہ قرآن کا سننا واجب اور احکام اسلام کو یاد کرنا فرض ہے۔ جس وقت یہ توہینِ قرآن اور تحقیرِ اسلام کے جُرم کا ارتکاب کرتے ہیں۔ تو مجلس کی حرمت اور قوم کی عزت کو سخت نقصان پہنچتا ہے۔ دوسرے لوگوں اور غیر قوموں کے سامنے شیعہ قوم کی قرآن سے بے رغبتی اور احکام اسلام سے بے اعتنائی ظاہر ہوتی ہے۔ حالانکہ مجالس کے انعقاد کا مقصد ہی تعلیمِ قرآن کی اشاعت اور احکام اسلام کی ہدایت ہے۔ ایسے وقت اٹھ کر مُنہ پھیر کر آجانا نہ جانے سے بہتر ہے۔ ہاں کسی مجبوری امر کے تحت اور ضروریات کے لئے اٹھ کر آنا اور بات ہے اور عمداً سریلی آواز کو پیارا سمجھنا اور قرآن سے نفرت کرنا گناہِ عظیم ہے۔

۲۔ کھوٹے کھرے میں تمیز کریں

سامعین کرام! آپ مجلس کے انعقاد میں مرکزی حیثیت رکھتے ہیں۔ اگر آپ اصول پسندی اور غرض و غایتِ مجلس کی پابندی کریں تو بانی حضرات اور واعظین و ذاکرین کو آپ سبق پڑھا سکتے ہیں۔ اور آپ اپنی اصلاح کر کے ان ہر دو گروہوں کی اصلاح کر سکتے ہیں۔ کیونکہ مجلسوں کی رونق آپ کے دم قدم سے ہے۔ اور یہ دونوں صاحبان بانی و ذاکر مجالس کی کامیابی میں آپ کے محتاج ہیں۔ اگر آپ غلط سُننا پسند نہ کریں تو وہ غلط پڑھنا بند کر دیں گے۔ اگر آپ راگ و رنگ سے پرہیز کریں تو وہ راگ چھوڑ کر سادہ آواز میں قصیدے پڑھیں گے۔ اگر آپ چٹکلہ بازی، جاہلانہ لطیفہ گوئی اور غلط بیانی سے کنارہ کریں گے تو وہ علمی، اصلاحی

اور ٹھوس مستند فضائل بیان کریں گے۔ اگر آپ احکام اسلام، فقہی مسائل، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سننا چاہیں گے تو وہ آپ کی خواہشات کا احترام کرتے ہوئے ایسی کتابوں کے مطالعہ کی تکلیف گوارا کر کے آپ کے حسبِ منشا مواد تیار کریں گے۔ کیونکہ بانی صاحب وہی واعظ و ذاکر مدعو کریں گے جسے آپ پسند کرتے ہیں۔ اور واعظ و ذاکر وہی بیان کریں گے جو آپ سننا پسند کریں گے۔ اس واسطے اصلاحِ مجالس کا انحصار بہت کچھ آپ پر ہے۔ یہ بھی سوچ سمجھ لیں کہ واعظین و ذاکرین میں آپ کا خیر خواہ کون ہے اور آپ کی سادگی سے ناجائز فائدہ کون حاصل کرتا ہے۔ آپ کو یونہی خوش کر کے بلا عمل جنّت کی ٹکٹ دے کر آپ کو بے وقوف کون بناتا ہے۔ آپ کو خوفِ خدا دلا کر عملِ صالح اور تقویٰ کی رغبت دلا کر سچا مومن بنانے کی کوشش کون کرتا ہے۔

سچا دوست وہ ہوتا ہے جو دوست کو اس کی خامیوں سے آگاہ کر کے اسے خامیاں دور کرنے کی تلقین کرے۔ کیونکہ جب اُسے برائیوں کا احساس دلایا جائے اور اُن کے انجام سے باخبر کیا جائے تو اُسے برائیوں سے نفرت پیدا ہوتی ہے اور آہستہ آہستہ وہ برائیاں چھوڑتا ہے۔ وہ شخص دوست نما دشمن ہے جو دوست کی خامیاں جانتے ہوئے ان کو خوبیاں بتلائے اور برائیوں کے انجام سے آگاہ نہ کرے، جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ برائیاں اِس میں گھر کر جاتی ہیں۔ وہ نیکیوں سے عاری اور برائیوں کا عادی بن جاتا ہے۔ اِس طرح وہ لوگ آپ کو بے وقوف بنا کر اپنا مطلب نکال لیتے ہیں۔ آپ ایسے لوگوں کو خیر خواہ خیال کرتے ہیں حالانکہ وہ آپ کے بدخواہ ہیں۔ یہ لوگ آپ کو ہدایت نہیں کرتے بلکہ گمراہ کرتے ہیں اور یہ لوگ بھی روزِ قیامت ان ہی باطل پیشواؤں میں شامل ہوں گے۔ جو اپنے مریدوں اور پیروکاروں سے بیزاری اختیار کریں گے۔

آپ پرکھیں کہ آپ کو میٹھی نیند کون سلاتا ہے اور خوابِ غفلت سے بیدار کون کرتا ہے۔ آپ کو نیکی کی دعوت کون دیتا ہے اور آپ کو برائیوں میں گرفتار کون رکھتا ہے۔

آپ نیک و بد، کھرے کھوٹے اور سچے جھوٹے میں تمیز کریں۔ واعظ و ذاکر کی صورت و سیرت دیکھیں اور گفتار و کردار کا موازنہ کریں۔ ان کا علمی مقام اور صلاح و تقویٰ دیکھیں۔ یہ بھی دیکھیں کہ ان میں دردِ دین کتنا ہے۔ اور رغبتِ دُنیا کتنی ہے۔ اِن میں اطاعتِ چہاردہ معصومین علیہم السلام کتنی ہے اور حبِ جاہ و حشمت کس قدر ہے۔

۴۔ حق کی حمایت اور باطل سے نفرت کے جذبہ کو بیدار کریں

آپ ایک عرصہ سے انبیاء و مرسلین اور ائمہ معصومین

علیہم الصلوٰۃ والسّلام کی سیرت اور شہداء کربلا کی قربانیوں کے واقعات سنتے آئے ہیں۔ اس لئے آپ ان واقعات سے درسِ بصیرت حاصل کریں۔ جب آپ کو حق کا یقین حاصل ہوجائے تو اُس کی بھرپور حمایت اور باطل سے مکمل نفرت کریں۔ سچوں کا ساتھ دیں اور جھوٹوں سے بیزاری اختیار کریں۔ غاصب کو بُرا جان کر اُس سے پرہیز کریں۔ اور جس کا حق غصب ہوا ہے اُس کی مدد کریں۔ مظلوم سے الفت اور ظالم سے نفرت کے جذبہ کو بیدار کریں۔ ؎

مظلوم سے پیدا الفت ہو اور روحِ یزیدی مٹ جائے
اس واسطے تیرے درد بھرے حالات سنائے جاتے ہیں

واقعہ کربلا ایثار و قربانی، حمایتِ اسلام، دردِ دین اور حفاظت و اطاعتِ احکامِ شریعت کا درس دیتا ہے۔ اور حق و باطل میں تمیز کرنے کا شعور اور اخلاقی جرأت پیدا کرتا ہے۔

اس قدر مجالس جناب سیّد الشہداء علیہ السّلام سننے کے بعد اگر آپ میں جذبۂ ایثار و قربانی، حمایتِ حق کی اخلاقی جرأت پیدا نہیں ہوئی، تو کانوں سے آپ نے واقعات سُن کر دل میں نہیں اتارے بس صرف ذوقِ سماعت پورا کیا۔ اخلاقی بصیرت اور حق گوئی کی عادت آپ نے حاصل نہیں کی۔ گویا آپ نے شہداءِ کربلا کی بے نظیر قربانیوں کی قدر نہیں کی۔ آپ صرف سامع رہے عامل نہیں بنے۔

۵۔ تشکیلِ سیرت و کردار سازی

؎ ماتمی لاکھوں ہیں نفسِ بے ریا کس کس میں ہے
دیکھنا ہے تیرے اسوہ کی ادا کس کس میں ہے

آپ ماشاءاللہ حُسینی ہیں۔ آپ میں حسینیت کی جھلک نظر آئے۔ آپ دشمنِ یزید ہیں۔ آپ کی سیرت یزیدی کردار سے پاک دکھائی دے۔ مجالس میں آپ پاک بدن اور پاک لباس کے ساتھ باوضو شرکت کریں کیونکہ یہ آپ کی عبادت ہے۔ یہاں قرآن کی تفسیر، احادیث کی تشریح اور معصومین و طاہرین کے فضائل و مصائب بیان کئے جاتے ہیں۔ طاہرین کی مجلس میں آپ ظاہر و باطن کو طاہر بنائیں۔ دل و دماغ کو طاہر رکھیں۔ نیّت طاہر ہو۔ خیالات طاہر ہوں۔ طہارت و نجاست کے مسائل سے واقفیّت حاصل کریں۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ طاہرین و معصومین کی محبت رکھیں اور کبر سنی ضعیف العمر ہونے کے باوجود نجاست و مطہرات سے بے خبر ہوں۔ آپ صورت و سیرت میں حسینی نظر آئیں۔ جہاں آپ محبتِ حسین کے دعویدار ہیں۔ وہاں آپ کا کردار آپ کے حسینی ہونے کی شہادت دے اور جہاں آپ یزید پر لعنت کرتے ہیں وہاں آپ کا کردار یزیدی افعال سے بھی بیزاری ظاہر کرے تاکہ غیر لوگ آپ کو دیکھ کر رشک کریں اور آپ کے

حسنِ عمل کی تعریف کریں۔ یاد رکھو فرزندِ رسول نے دین کی خاطر قربانی دی ہے۔ شریعت کی حفاظت کیلئے گھر لٹایا ہے۔ حق کی خاطر حضرت ابو طالب کا سارا کنبہ قربان ہوگیا۔ اس واسطے ان کی پیروی کرتے ہوئے دینِ اسلام اور شریعت کے احکام کی قول و عمل سے قدر کریں۔

جہاں شہادت کے واقعات سُن کر آنسو بہائیں۔ وہاں مقصدِ شہادت کی اپنے عمل سے حفاظت کریں۔ ؎

قرآن حسین پڑھتے تھے اس وقت بالیقین — سینے پہ جب سوار تھا وہ قاتلِ لعین
آوازِ دردناک سے کہتے تھے شاہِ دین — اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْن
خونِ چکیدہ نے بھی رفاقت کی بات کی — ہر قطرے سے صدا تھی اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃ کی

اگر آپ مقصدِ شہادتِ حسین کی حفاظت و حمایت کرتے ہوئے دنیا سے رخصت ہوں تو آپ شہدائے کربلا کی معیت میں محشور ہوں گے۔

قارئین و ناظرین، سامعین و حاضرین، بانیانِ کرام، واعظین و ذاکرینِ عظام و سامعین ذوی الاحترام، آپ کی خیرخواہی اور اصلاح کے لئے یہ چند اوراق تحریر کئے ہیں۔ نیت نیک ہے مقصد شریف ہے۔ گو الفاظ تلخ ہیں مگر معانی شیریں ہیں۔ عبارت ترش ہے مگر مطالب میٹھے ہیں۔ گھونٹ کڑوے ہیں مگر اثر شفا ہے۔ بیان مزیدار نہیں مگر انجام خیر پر مبنی ہے۔ ایک خیرخواہ دوست کی حیثیت سے آپ کو مفید مشورے دیئے ہیں اور آپ کی خامیاں دور کرنے کا دستور العمل پیش کیا ہے۔ بظاہر یہ کھری باتیں آپ کو ناگوار گزریں گی۔ مگر درحقیقت ان پر عمل آپ کی دنیا و دین کی سعادتوں کا ضامن ہے۔

میں بحیثیت ہمدردِ قوم چاہتا ہوں کہ جناب مظلومِ کربلا کے ذکر کی یہ عبادت ضائع نہ جائے بلکہ رنگ لائے۔ خداوند عالم بحق چہاردہ معصومین علیہم الصلوٰۃ و السّلام آپ کو سوائے غمِ شہدائے کربلا و اسیرانِ رنج و بلا ہر غمِ دنیا سے محفوظ رکھے اور عزاداری جناب سید الشہداء علیہ السلام کو قائم رکھنے اور شہدائے کربلا علیہم السلام کی یاد منانے کی زیادہ توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

اولاد حضرت امام حسنؑ کی قربانیاں

شہادت حضرت قاسمؑ

امام حسنؑ کا تقریباً پورا کنبہ حضرت امام حسینؑ کی رفاقت میں واردِ کربلا ہوا۔ اور امام حسنؑ کا بھرا گھر کربلا میں اپنے بھائی حسینؑ کے پورے گھر کے ساتھ اجڑا۔ جس طرح جناب حسینؑ کا آباد گھر کربلا میں برباد ہوا، اسی طرح امام حسنؑ کا پُر رونق صحن کربلا میں تاراج ہوا۔ گلستانِ مجتبیٰ کے نونہال بادِ خزاں نے یوں ویران کئے کہ پتّے جدا، شاخیں کٹ کے ریت میں بکھر گئیں، اور تازہ پھول شاخوں سے جدا ہو کر کلیوں کی صورت میں منتشر ہو کر خاک میں مل گئے۔ یوں پھلتا پھولتا باغ خزاں نے تاراج کر دیا۔ اور بیوہ مائیں نونہالوں پر ماتم کرنے کے لئے رہ گئیں۔

جناب حسنؑ کے چھ فرزند اپنے چچا کی نصرت کے لئے میدان میں یکے بعد دیگرے نکلے۔ جن کی عمریں گیارہ سے بائیس سال تک تھیں۔ سوائے جناب حسن مثنیٰ کے کہ وہ زخموں سے چور ہوئے مگر بچ گئے اور باقی پانچ نوخیز نوجوانوں کی لاشیں چچا کو میدان سے اٹھا کر لانا پڑیں۔ اسی طرح یہ پانچ چاند صحنِ امام مجتبیٰ کی روشنی ختم کر گئے۔ بلکہ یوں کہوں کہ مدینے سے طلوع ہوئے اور کربلا کے افق میں غروب ہو گئے۔

۱۔ حسن مثنیٰ ان کی عمر بائیس سال تھی۔ یہ جناب سیّدالشہداء علیہ السّلام کے داماد، اُن دخترِ جناب فاطمہ کبریٰ کے شوہر، ان سے جناب امام حسنؑ کی نسلِ پاک بڑھی ہے۔ یہ واقعہ کربلا میں جناب امام حسینؑ کے ہمراہ تھے۔ اذن لے کر میدانِ کارزار میں آئے۔ سترہ آدمیوں کو واصلِ جہنم کیا۔ اٹھارہ زخم کھائے۔ زخمی ہو کر گر پڑے، زندگی باقی تھی۔ امام پاک اِس زخمی جوان کو اٹھا کر خیمہ میں لے آئے۔ اور ہاشمی شہداء میں رکھ دیا۔ یہ مجروح مجاہد زخموں سے کراہتا رہا۔ اہلِ بیت ان کے علاج سے بے بس تھے۔ اس بے سروسامانی کی حالت میں کس طرح ان کے زخموں پر مرہم لگا سکتے حتیٰ کہ پانی پلانے سے بھی عاجز تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ زخمی جوان بہت قوی القلب اور مضبوط اعصاب رکھتا

تھا کہ اٹھارہ زخموں کے باوجود بغیر علاج اور پانی وقت گزار دیا۔ ہاشمی مستورات جہاں اس زخمی پہ گریہ و بکا کرتیں، اپنی غربت و علاج سے بےبسی اور پانی نہ پلا سکنے پہ بھی آنسو بہاتیں، گیارھویں کے روز جب باقی ماندہ افراد اور مستورات کو قید کیا گیا، ان کو بھی قیدیوں میں شامل کیا گیا۔ ظالموں کو اتنا خیال نہ آیا کہ یہ نہ سواری پہ بیٹھ سکتے ہیں اور نہ پیدل چل سکتے ہیں۔ کسی نے ان کے قتل کا ارادہ کیا۔ مگر اسماء بن خارجہ فزاری آڑے آئے۔ کیونکہ جناب مثنیؑ کی ماں خولہ بنت منصور فزاری قبیلہ سے تھیں۔ اس نے ظالموں کے قبضہ سے اِس زخمی کو لے لیا اور عمر بن سعد نے چھوڑ دینے کا حکم دے دیا۔ اور اس کی وجہ سے جناب حسن مثنیٰ کی جان بچ گئی۔ اسماء بن خارجہ فزاری ان کو کوفہ لے گیا۔ علاج کرنے سے تندرست ہو گئے۔ آٹھ ماہ یا ایک سال تک کوفہ میں رہے۔ پھر مدینہ واپس آگئے۔

۲۔ احمد بن حسنؑ

ان کی عمر سولہ سال تھی۔ ابومخنف نے ان کی شہادت جناب قاسم کے بعد لکھی ہے۔ اور اکثر کتبِ مقاتل میں ان کا جناب قاسم سے قبل شہید ہونا مسطور ہے۔ یہ جناب نہایت شکیل وجیہہ تھے۔ اٹھتی جوانی، حشمت و وجاہت خاندانی تھی۔ ان کی والدہ ماجدہ کا اسمِ گرامی اُمِّ بشر بنت مسعود الانصاری ہے۔ آپ واقعۂ کربلا میں اپنے فرزند کے ہمراہ تھیں۔ مقتل ابی مخنف میں ان کی شجاعت و شہادت کی کیفیت اِس طرح درج ہے۔ جنابِ اُمِّ پاک سے اذنِ جہاد لے کر میدانِ کارزار میں یہ رجز پڑھتے ہوئے تشریف لائے:

اِنِّیْ انا نجل الامام ابنِ علی — اُضْرِبُکُمْ بِالسَّیْفِ حَتّٰی یَفْلُل
نَحْنُ وَبَیْتِ اللّٰہِ اولیٰ بِالنَّبِیِّ — اُطْعِنُکُمْ بِالرُّمْحِ وَسْطَ القَسْطَل

میں امام حسن فرزندِ علی کا پسر ہوں۔ تلوار سے تمہیں مارتا رہوں گا۔ یہاں تک کہ تلوار کند ہو جائے گی۔ بیت اللہ کی قسم ہم نبئ پاک کے زیادہ قریبی ہیں۔ میں تمہیں ....

نیزہ مارنے اور شمشیر زنی میں یہ نوجوان ماہر تھا۔ چنانچہ جب معرکہ آرائی شروع ہوئی تو اس شہسوار میدانِ شجاعت نے اس زور سے حملے کئے کہ فوج کے دائیں اور بائیں حصّہ میں سخت انتشار پیدا ہو گیا۔ میمنہ کو میسرہ پہ اور میسرہ کو میمنہ پہ پلٹ دیا۔ بعض کتب مقاتل کے مطابق اَسّی سواروں کو ہلاک کیا۔ مگر شدّتِ پیاس سے شہزادے کی آنکھیں اندر کو دھنس گئی تھیں۔ گلا خشک ہو گیا تھا۔ اور پھول سا چہرہ مرجھا گیا۔ نرم و نازک ہونٹ کملا گئے۔ واپس آکر خدمتِ امام میں پیاس کی شکایت کی۔ عرض کیا، "یا عمّاہُ ھَلْ مِنْ شَرْبَۃِ ماءٍ اُبَرِّدُ بِھا کَبِدی وَاَتَقَوّیٰ بِھا عَلٰی اَعْداءِ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ"۔ چچا جان! کیا آپ تھوڑا سا پانی نہیں پلا سکتے

جس سے میں جگر کو ٹھنڈا کر سکوں اور میں دشمنانِ خدا اور رسول پر غلبہ پا سکوں۔ نوجوان بھتیجے کی خواہش سُن کر امام پاک نے کس مایوسی سے جواب دیا۔ یَا ابْنَ الْاَخِ اِصْبِرْ قَلِیْلاً حَتّٰی تَلْقٰی جَدَّكَ رَسُوْلَ اللّٰهِ فَیَسْقِیْكَ شَرْبَةً مِنَ الْمَاءِ لَا تَظْمَأُ بَعْدَهَا اَبَدًا۔ بھتیجے! تھوڑی دیر مزید صبر کر لو۔ عنقریب جدِ امجد رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کرنے والے ہو۔ وہ تمہیں ایسا سیراب کریں گے کہ اس کے بعد کبھی پیاس نہ لگے گی۔ اس کے بعد دوبارہ میدانِ جنگ میں اور دوسرا رجز پڑھتے ہوئے حملہ آور ہوئے اور شمشیر تیرِ بارہ سے پچاس سواروں کو جہنّم پہنچایا۔ تیسری بار پھر رجزیہ اشعار پڑھ کر فوجِ مخالف پر اس شدّت سے حملہ کیا کہ اس حملہ میں مزید ساٹھ سواروں کو تہ تیغ کیا۔ زخموں کی کثرت سے نڈھال ہو گئے اور درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

جنابِ عبداللہ الاکبر بن الحسنؑ

یہ شہزادے حضرت قاسم سے بڑے تھے۔ اور جناب قاسم کے پدری و مادری بھائی، ان کی والدہ کا نام رملہ ہے۔ وہ امام حسنؑ کی کنیز تھیں۔ میدانِ جنگ میں ان کا رجز یہ تھا:

اِنْ تُنْكِرُوْنِیْ فَاَنَا ابْنُ حَیْدَرَه ؞ ضِرْغَامُ اٰجَامٍ وَلَیْثُ قَسْوَرَه

عَلَی الْاَعَادِیْ مِثْلُ رِیْحٍ صَرْصَرَه ؞ اَكِیْلُكُمْ بِالسَّیْفِ كَیْلَ السَّنْدَرَه

چودہ بے دینوں کو دار العذاب پہنچا کر ہانی بن ثبیت حضرمی کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ بعض مورخین نے ان کی کنیت ابوبکر تحریر کی ہے۔ اور بعض حضرات نے ابوبکر نامی، امام حسنؑ کا ایک اور فرزند لکھا ہے۔ جس کا قاتل عبداللہ بن عقبہ غنوی ہے۔

شہادت حضرت قاسمؑ

آپ امام حسنؑ کی یادگار، ان کے صحنِ خانہ کی رونق اور اپنی بیوہ ماں کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کی والدہ بھی اپنے تینوں بیٹوں عمرو بن الحسن، عبداللہ الاکبر اور قاسم کے ساتھ میدانِ کربلا میں موجود تھیں۔ تیرہ سال کا سن تھا۔ آغازِ شباب تھا۔ ابھی سنِ بلوغت کو نہ پہنچے تھے۔ "لَمْ یَبْلُغِ الْحُلُمَ"۔ باغِ حسن کے اس نونہال نے زندگی کی صرف تیرہ بہاریں دیکھی تھیں کہ خزاں کی نذر ہو گیا۔

نصرتِ امام اور تائیدِ حق میں اس قدر موت کا اشتیاق تھا کہ شبِ عاشور خطبۂ امام کے بعد جب سیّد الشہداءؑ نے جامِ شہادت پینے والوں کا تذکرہ کیا تو اسی کم سن شہزادے نے موت کی تمنا کرتے ہوئے عرض کیا چچا جان! کیا میں بھی کل روزِ عاشور شہادت پاؤں گا؟ امام نے از راہِ امتحان دریافت

کیا، بیٹا! موت تیرے نزدیک کیسی ہے! شہزادے نے جواب دیا۔ چچا جان! موت میرے نزدیک شہد سے زیادہ شیریں ہے۔ امام نے فرمایا، بیٹا! تو بھی شہادت پائے گا۔ یہ خاندان بنی ہاشم کا طرۂ امتیاز تھا کہ میدانِ حرب میں اِس جذبہ کے ساتھ اترتے جس طرح اطفال کھیل کے میدان میں جاتے ہیں، چنانچہ پسرانِ جناب زینبؑ کی شہادت کے بعد جناب قاسمؑ نے میدانِ جنگ بلکہ موت کی اجازت چاہی۔ مولا نے تامل کیا۔ یاد رہے کہ اس یتیم بھتیجے سے امام مظلوم کو بہت محبت تھی۔ ۵۰ھ میں جناب امام حسنؑ سبز قبا زہرِ ظلم سے شہید ہوئے تو شہزادہ قاسم کی عمر دو سال کی تھی۔ شفقتِ پدری سے محرومی کا احساس چچا حسینؑ کی مہربانی نے نہ ہونے دیا۔ مولائے مظلوم اس یتیم شہزادے کو اپنی آغوشِ شفقت میں رکھتے۔ انس و پیار سے یتیم شہزادے کا دل بہلاتے، اِس طرح یہ یتیم شہزادہ اپنے کریم و شفیق چچا سے مانوس ہو گیا تھا۔

روزِ عاشور جب یہ شہزادہ جہاد کی تیاری کر کے چچا سے اجازت کا طلب گار ہوا تو امام پاک کو اپنے مسموم بھائی حسنؑ کا زمانہ یاد آیا۔ اپنے بھائی کی یادگار اور برادرِ بزرگ کے چشم و چراغ کو وادیٔ موت کی طرف جاتے دیکھ کر اس کی پیاری صورت، آغازِ شباب کا حُسن اور محسنِ مجتبیٰ کی بربادی کا منظر آنکھوں کے سامنے پھر گیا۔ اذن طلبی کے الفاظ نے دل پر ایسی چوٹ لگائی کہ جناب سید الشہداء نے باہیں کھول کر شہزادے کے گلے میں ڈال دیں۔ دیر تک چچا بھتیجے گلے میں باہیں ڈالے روتے رہے اور اس قدر روئے کہ غشی کی کیفیت طاری ہو گئی۔ بعد از افاقہ جناب قاسمؑ نے پھر اذنِ جہاد چاہا مگر امام نے برادرِ بزرگ کی نشانی کو موت کے بازار میں بھیجنے سے پس و پیش کیا۔ لیکن جذبۂ جہاد سے سرشار شہزادہ میدانِ جہاد میں جانے کے لئے بے قرار تھا۔ چنانچہ جناب قاسمؑ نے چچا بزرگوار کے دست و پا کو چوم چوم کر اذنِ جہاد کا تکرار کیا، امام پاکؑ نے فرمایا: یَا وَلَدِیْ اَتَمْشِیْ بِرِجْلِكَ اِلَی الْمَوْتِ۔ بیٹا! خود اپنے پیروں سے موت کی طرف بڑھتے ہو؟ موت کے گاہک شہزادے نے جواب دیا: کَیْفَ لَا ھَمِّ! وَاَنْتَ بَیْنَ الْاَعْدَاءِ صِرْتَ وَحِیْدًا فَرِیْدًا لَمْ تَجِدْ مُحَامِیًا وَلَا صَدِیْقًا رُوْحِیْ لِرُوْحِكَ الْفِدَاءُ وَنَفْسِیْ لِنَفْسِكَ الْوِقَاءُ۔ چچا جان! اب میں کس طرح بیٹھ رہوں، اور کیوں نہ میدانِ جنگ میں جاؤں۔ جبکہ آپ نرغۂ اعداء میں یکہ و تنہا گھر گئے ہیں۔ چچا جان! اب آپ کا کوئی حامی و مددگار نہیں رہا، آپ کے جملہ رفیق باری باری عہدِ وفا کر کے ذمہ داری نبھا کے رخصت ہو گئے۔ میری جان آپ پر قربان جائے اور میرا بدن آپ پر نثار ہو۔"

دراصل ہاشمی شجاعت کے ولولے اس تیرہ سالہ نوجوان کے پہلو میں کروٹیں لے رہے اور

جہاد کا جذبہ مچل رہا تھا شہادت کی امنگ انگڑائیاں لے رہی تھی۔ اس جسورو غیور کے بدن میں غیرت کا خون کھول رہا تھا۔ شبیرؑ کی تنہائی، اہلِ حرم کی بے کسی، اور دشمنانِ دین کے طعنے، بچوں کی پیاس اس غیرتمند نوجوان سے دیکھی نہ جاتی تھی۔ اس لئے بار بار امام پاک کے ہاتھوں اور قدموں کو چوم چوم کر الحاح و زاری کے لئے اذنِ جہاد طلب کرتا تھا۔ مولائے مظلوم نے اذنِ جہاد عطا فرمایا۔ اور شہزادے کو اس طرح تیار کر کے میدانِ جنگ کی طرف روانہ کیا: "ثُمَّ اِنَّ الْحُسَیْنَ اَزْیَاقَ الْقَاسِمِ وَقَطَعَ عِمَامَتَہٗ ثُمَّ اَدْلَاھَا عَلٰی وَجْھِہٖ ثُمَّ اَلْبَسَہٗ ثِیَابَہٗ بِصُوْرَۃِ الْکَفَنِ وَشَدَّ سَیْفَہٗ وَسْطَ الْقَاسِمِ وَاَرْسَلَہٗ اِلَی الْمَعْرَکَۃِ۔" پھر امامِ مظلوم نے قاسم کا گریبان خود چاک کیا، اور عمامہ کے دو حصے کر کے چہرے پر لٹکا دیئے اور مثلِ کفن ان کو لباس پہنایا۔ ان کی کمر میں تلوار لٹکائی، اور میدانِ جنگ کی طرف بھیجا۔ جناب میدان میں یہ رجز پڑھتے ہوئے وارد ہوئے:

اِنْ تُنْکِرُوْنِیْ فَاَنَا ابْنُ الْحَسَنِ ۔۔۔ سِبْطُ النَّبِیِّ الْمُصْطَفٰی الْمُؤْتَمَنِ!
ھٰذَا حُسَیْنٌ کَالْاَسِیْرِ الْمُرْتَھَنِ ۔۔۔ بَیْنَ اُنَاسٍ لَا سُقُوْا صَوْبَ الْمُزْنِ

اگر تم مجھے نہیں پہچانتے تو آگاہ رہو، میں حسن مجتبیٰ کا بیٹا ہوں، جو نبی پاک و امین کے نواسے ہیں۔ یہ حسینؑ لوگوں کے درمیان ایک اسیر کی طرح پابند ہیں۔ خدا انہیں رحمت کے بادل سے کبھی سیراب نہ کرے۔

جناب قاسم میدانِ جنگ میں آئے۔ حمید بن مسلم کا بیان ہے کہ میں عمر بن سعد کے لشکر میں موجود تھا کہ خیامِ حسینی کے افق سے ایک نوخیز جوان مثلِ چاند طلوع ہوا۔ اس کے ہاتھ میں شمشیرِ برہنہ تھی۔ قمیص پہنے اور چادر اوڑھے ہوئے تھا۔ پاؤں میں جوتے تھے۔ ایک جوتے کا تسمہ ٹوٹا ہوا تھا۔ میں نہیں بھولتا کہ وہ بایاں جوتا تھا۔

حیدری شجاعت کے وارث نے بڑھ چڑھ کر حملے کئے۔ شدّتِ پیاس اور کم سنی کے باوجود پینتیس اور ایک روایت کے مطابق ستر بے دینوں کو ہلاک کیا۔ حمید بن مسلم کہتا ہے کہ شہزادہ مصروفِ جنگ تھا، عمر بن سعد نفیل ازدی فوجِ اشقیاء کا بہادر سپاہی میرے پاس کھڑا تھا۔ کہنے لگا کہ میں اس طفلِ شجاع پر ضرور حملہ کروں گا۔ میں نے کہا تجھے اس پر حملہ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ فوجِ کثیر کیا تھوڑی ہے؟ اس شقی نے کہا نہیں میں ضرور حملہ کروں گا۔ اسی دوران شہزادہ جنگ کرتے کرتے اس ملعون کے قریب پہنچا۔ تو اس نے آگے بڑھ کر شہزادے کے سرِ مبارک پر اس زور سے تلوار ماری کہ سر پھٹ گیا۔ حسنِ مجتبیٰ کا چاند گہن میں آگیا اور مسموم امام کا نورِ نظر بے بس ہو کر گھوڑے کی زین سے زمین پر گر پڑا۔ اس وقت اپنے مظلوم چچا کو آواز دی: "یَا عَمَّاہُ اَدْرِکْنِیْ" چچا جان! مدد کو پہنچو" امام پاک پیارے بھتیجے کی صدائے استغاثہ سن کر نہایت بے تابی سے دوڑے اور اس طرح جھپٹ کر شہزادے کے پاس پہنچے

جس طرح باز شکار پر جھپٹتا ہے۔ اور اس گروہ پر حملہ آور ہوئے جو قاسم کی لاش کو گھیرے میں لئے ہوئے تھا۔ عمر ازدی جناب قاسم کا قاتل ابھی وہیں کھڑا تھا، امام پاکؑ نے غضبناک شیر کی طرح اس پر حملہ کیا، اس نے اپنے ہاتھ سے امام پاکؑ کے حملے کو روکنا چاہا۔ جس سے اس کا ہاتھ کٹ گیا۔ زمین پر گر پڑا۔ اس ملعون نے اپنی فوج کو مدد کے لئے پکارا۔ ابنِ سعد کے کئی سوار اس کو بچانے کے لئے دوڑے۔

بعض روایتیں بیان کرتی ہیں کہ وہ قاتل ملعون گھوڑوں کی ٹاپوں میں کچل کر واصلِ جہنم ہوا اور اس کی لاش پامال ہوگئی۔ مگر علامہ مجلسی علیہ الرحمہ جلاء العیون اور بحار الانوار میں نیز مُہیّجُ الاحزان، ناسخ التواریخ، ریاض الشہادۃ، مخزن البکاء کے مؤلفین نے شہزادہ قاسم کی لاش کی پامالی تحریر کی ہے۔ چنانچہ علامہ مجلسی جلاء العیون میں تحریر فرماتے ہیں: "آں طفلِ معصوم در زیرِ سُمِ اسپاں کوفتہ شد۔" یہ معصوم شہزادہ گھوڑوں کے سُموں کے نیچے پائمال ہوگیا۔ جب غبارِ جنگ چھٹا تو لوگوں نے دیکھا کہ مظلوم چچا اپنے بھتیجے کی لاش کے سرہانے کھڑا ہے۔ قاسم زمین پر ایڑیاں رگڑ رہے ہیں۔ جناب امام پر گریہ و بکا کی حالت طاری ہے۔ زار و قطار رو کر فرماتے ہیں۔ بٹیا قاسم! خدا اِس قوم کو ہلاک کرے جس نے تیری چاند سی صورت کو خاک میں ملا دیا۔ بخدا تیرے چچا پر کس قدر گراں ہے کہ تو چچا کو مدد کے لئے پکارے اور وہ مدد نہ کر سکے۔ آج تیرے چچا کے دشمن زیادہ ہیں۔ اور مددگار کم ہیں۔ ؎

گودی کا پلا پاؤں رگڑتا تھا زمیں پر　　رو کر پسرِ فاطمہ نے پیٹ لیا سر

گو پامالیٔ لاش کے متعلق اختلاف ہے۔ مگر اتنا ضرور ہے کہ جب فوجِ ابنِ زیاد کے گھڑ سوار عُمر ازدی قاتلِ قاسم کی مدد کے لئے آئے ہیں اور گھوڑوں کا گھمسان ہوا ہے۔ تو جناب قاسم بھی گھوڑوں کے ضرر سے نہیں بچ سکے۔ اگر جناب قاسم اس وقت گھوڑے کی زین پر ہوتے تو بے شک پامالی سے محفوظ رہتے۔ مگر شہزادہ تو اس وقت زین چھوڑ چکا تھا۔ فرشِ زمین پر بے ہوشی کے عالم میں تھا۔ اگر قاتل گھوڑوں کی ٹاپوں کے نیچے کچلا گیا تو اسی جگہ حسن مجتبیٰؑ کا لال بھی زخمی پڑا تھا اور گھوڑے بے تحاشا دوڑ رہے تھے۔ اگر بالکل پائمال نہیں ہوئی تو اعضاء کے جوڑ اور بدن کے بند سلامت نہیں رہے۔ چنانچہ تمام مورخین کا اتفاق ہے کہ جب امامِ مظلوم نے بھتیجے کی لاش اٹھائی تو بدن اس قدر دراز ہوگیا کہ جناب قاسم کا سینہ حسینؑ کے سینے سے ملا ہوا تھا۔ اور پیر زمین پر خط کھینچ رہے تھے۔ لاش کے دراز ہونے کا مطلب کیا ہے؟

حمید بن مسلم بیان کرتا ہے: "كَأَنِّيْ أَنْظُرُ إِلٰى رِجْلَيِ الْغُلَامِ تَخُطَّانِ عَلَى الْأَرْضِ" گویا

میں دیکھ رہا تھا کہ کم سن شہزادے کے پیر زمین پر خط کھینچ رہے تھے۔ یعنی زمین سے بلند نہ تھے۔ زمین پر گھسٹتے جا رہے تھے۔ کس دل سے حسینؑ نے قاسم کی لاش اٹھائی۔ جناب قاسم اکبر کی طرح پیارا تھا اور گود کا پالا تھا۔ لاش میں وزن تو زیادہ نہ تھا۔ البتہ گھمسان کی وجہ سے بدن دراز ہوگیا۔ خیمہ مقدس میں جناب علی اکبر کی لاش کے ساتھ قاسم کی لاش رکھ دی۔ اور ستم رسیدہ بیبیوں نے بال کھول کر یادگارِ حسنؑ پر ماتم کیا۔
وہ جانباز بھتیجا جو کچھ دیر پہلے چچا کے دست و پا چوم کر موت کی اجازت طلب کر رہا تھا۔ اب حسنِ مجتبیٰ کا گھر برباد کر کے بیوہ ماں کا نورِ نظر سلب کر کے جنت کو سدھارا۔ اس جوان نوخیز کی لاش بنی ہاشم کے شہداء کی لاشوں میں رکھ کر مولائے مظلوم نے قومِ اشقیاء پہ بد دعا کی۔ اور اہلِ بیت کو صبر کی تلقین فرمائی۔ ایک شاعر مولا حسین کی زبانی لاش قاسم پر عربی میں مرثیہ کہتا ہے۔ جس کا مع اصل ترجمہ پیش کیا جاتا ہے:۔

غَرِیْبُوْنَ عَنْ اَوْطَانِھِمْ وَدِیَارِھِمْ   تَنُوْحُ عَلَیْھِمْ فِی الْبَرَارِیْ وُحُوْشُھَا

غریب الوطن گھروں سے دور صحرا میں شہیدوں کی لاشیں ہیں۔ جن پر جنگل کے وحشی جانور نوحہ و گریہ کر رہے ہیں۔

کَیْفَ وَلَا تَبْکِیْ الْعُیُوْنُ لِمَعْشَرٍ   سُیُوْفُ الْاَعَادِیْ فِی الْبَرَارِیْ تَنُوْشُھَا

ایسے گروہ پہ آنکھیں کیوں نہ اشک بہائیں کہ دشمنوں کی تلواریں جن کو جنگلوں میں قتل کرنے کے لئے طلب کرتی ہیں۔

بُدُوْرٌ تَوَارٰی نُوْرُھَا فَتَغَیَّرَتْ   مَحَاسِنُھَا تُرْبُ الْفَلَاۃِ نَعُوْشُھَا

وہ ایسے ماہِ کامل تھے جن کا نور چھپ گیا۔ یہ چاند گہن میں آگئے۔ ان کا حسن و نور بدل گیا اور جنگل نے ان کے لاشوں کو گرد آلود کر دیا۔

جناب قاسم کے متعلق کہا گیا ہے کہ شجرۂ نبوت کی شاداب شاخ تھی جو خاک کربلا میں کٹ گئی، اور ثمراتِ امامت کا ایک پھل تھا جو خاک میں دفن ہوگیا۔ عرب کی لڑائیوں میں ایسے بڑے نوکدار تیر استعمال کئے جاتے تھے کہ ایک بھی جوان آدمی کی موت کا باعث بن سکتا ہے۔ دمعہ ساکبہ میں ہے کہ حسنؑ کے لال کو پینتیس تیر لگے تھے۔

حضرت عبداللہ الاصغر ابن الحسنؑ کی شہادت

گو، کم سن شہزادے کی شہادت تمام شہدائے بنی ہاشم کے بعد ہوتی ہے۔ مگر اولادِ امام حسنؑ کے ساتھ اس معصوم بچے کی شہادت کا ذکر بھی کیا جاتا ہے۔

یہ معصوم بچہ اس وقت موت کی آغوش میں پہنچا جب فرزندِ رسول تمام رفقاء، انصار اور اقرباء کو راہِ خدا میں قربان کر چکے تھے اور خود خیام سے آکر آخری بار وداع کر کے موت کے انتظار میں زندگی کے آخری لمحوں میں رحلِ زین کو چھوڑ کر فرشِ زمین پہ آچکے تھے۔ اور ہر طرح نرغۂ اعداء میں گھر چکے تھے۔ تیروں کی بارش اور پتھروں کا مینہ جاری تھا۔ یہ شہزادہ درِ خیمہ پہ سراسیمہ یہ دردناک منظر دیکھ رہا تھا۔ گو کم سن تھا مگر ہاشمی غیرت نے جوش مارا۔ چچا مظلوم کی بے کسی اور تنہائی عبداللہ سے نہ دیکھی گئی۔ بے تابانہ خیمہ سے باہر نکلا۔ جنابِ زینبؑ نے لپس پردہ دامن پکڑنے کی کوشش کی۔ چونکہ امام پاکؑ کی نگاہ خیام کی جانب تھی۔ اس لئے امامِ مظلوم نے بھی یہ منظر دیکھ لیا اور پکار کر کہا: "اُخْتِيْ! اِحْبِسِيْهِ" بہن! اسے روک لو، بنتِ علیؑ شہزادے کا دامن پکڑتی رہ گئی، مگر غیور وجسور شہزادہ دامن چھڑا کر خیمے سے باہر نکل گیا اور کہتا رہا: "وَاللّٰهِ لَا اُفَارِقُ عَمِّيْ"۔ خدا کی قسم مظلوم چچا سے جدا نہ رہوں گا۔ دوڑ کر امام مظلوم اور مجروح چچا کے پہلو میں پہنچ گیا۔ ایسی غمناک حالت میں کوئی عزیز قریب آئے تو دل بھر آتا ہے اور بے اختیار آنسو اُبل پڑتے ہیں۔ چچا نے بھتیجے کو گلے لگایا ہوگا۔ حسینؑ بھی روئے اور معصوم شہزادہ بھی رویا۔ اسی اثناء میں ابجر بن کعب قتل کے قصد سے تلوار لے کر آگے بڑھا۔ معصوم شہزادے نے چلا کر کہا: "وَيْلَكَ يَا ابْنَ الْخَبِيْثَةِ اَتَقْتُلُ عَمِّيْ"۔ افسوس ہے تجھ زنِ خبیثہ کے بیٹے پر، تو میرے چچا کو قتل کرنا چاہتا ہے۔ یہ سُن کر اس خبیث کے غصہ کی انتہا نہ رہی۔ اس زنِ خبیثہ کے ناہنجار فرزند نے تلوار کا بھرپور وار کیا، شہزادے نے اپنے بازو آگے بڑھا دیئے۔ شہزادے کا ایک بازو کٹ کر لٹک گیا۔ دستور ہے کہ جب کسی بچے پر کوئی ظلم ہو تو وہ ماں باپ یا کسی عزیز کو پکارتا ہے۔ مجروح شہزادے نے مظلوم چچا سے فریاد کی اور بے ساختہ زبان سے نکلا: "یَا عَمَّاهُ" اس وقت زخمی چچا نے زخمی بھتیجے کو گلے لگا لیا اور دلاسا دیتے ہوئے فرمایا: "يَا ابْنَ اَخِيْ اِصْبِرْ عَلٰى مَا نَزَلَ بِكَ وَاحْتَسِبْ فِيْ ذَالِكَ الْخَيْرَ فَاِنَّ اللّٰهَ يُلْحِقُكَ بِآبَائِكَ الصَّالِحِيْنَ"۔ بھتیجے! اس نازل بلا پر صبر کرو اور خیر و ثواب کی امید رکھو، عنقریب خدا تجھے تیرے صالحین آباؤ و اجداد کے پاس پہنچا دے گا۔ اسی حال میں شہزادہ مہربان چچا کی گود میں آرام کر رہا تھا۔ کہ حرملہ بن کاہل اسدی ملعون نے تاک کر ایسا تیر مارا کہ شہزادے نے تڑپ کر آغوشِ امام میں دم توڑ دیا۔ شہزادہ تیر کھا کر اپنے مسموم باپ امام حسنؑ کے پاس پہنچ گیا۔ اور یوں حسنؑ مجتبیٰ کے بھرے گھر کا خاتمہ ہوگیا۔ امامِ مظلومؑ نے آسمان کی طرف منہ کر کے کہا: "خدایا! ان لوگوں نے تو ہمیں اس لئے بلایا تھا کہ ہماری مدد کریں گے، مگر انہوں نے ہمارا سارا کنبہ شہید کر ڈالا۔ امام حسن مجتبیٰؑ کے گھر کے یہ چاند خون کے دریا میں ڈوب گئے۔

پندرھویں مجلس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ

"ہم تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں"

تخصیص اعانت "غیر اللہ" کی تشریح "یا علی مدد" و "یا علی ادرکنی" کہنا جائز بلکہ علامتِ حُبّ و ایمان ہے۔ توسُّل کے بارے میں وہابیوں کا شیعوں پہ اعتراض اور اس کا جواب، مدد کی قسمیں، مزاراتِ مقدسہ اور عتباتِ عالیات سے کرامات کا ظہور، حضرت ابو الفضل العباس کو "باب الحوائج" کا لقب عطا ہوا۔ شجاعت و شہادت حضرت عباس علمدارؑ۔

اس آیتِ پاک کے پہلے حصّہ کی طرح اِس میں بھی مفعول، فاعل اور فعل پہ مقدّم ہے۔ جو "حصر" کا فائدہ دیتا ہے۔ یعنی جس طرح عبادت منحصر ہے ذاتِ باری تعالیٰ میں، اسی طرح استعانت "مدد مانگنا" بھی منحصر ہے اسی کی پاک ذات میں۔ جس طرح غیر اللہ عبادت کے لائق نہیں۔ اسی طرح غیر اللہ سے استعانت جائز نہیں۔ جس طرح کہ "اِیَّاکَ نَعْبُدُ" کا مفہوم ہے "لَا نَعْبُدُ اِلَّا اللہَ" اسی طرح اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ" کا مفہوم ہے لَا نَسْتَعِیْنُ اِلَّا اللہَ"۔ خُدا کے سوا کسی سے مدد نہیں چاہتے۔

حاضرین و ناظرین! یہ آیت بہت کچھ تشریح چاہتی ہے۔ اِس لئے ہم اِس کی خاطر خواہ وضاحت کرتے ہیں۔ "اِسْتِعَانَتْ" بابِ استفعال کا مصدر ہے اور اس کی خاصیتوں میں سے ایک خاصیت طلب بھی ہے۔ جس طرح اِسْتِغْفَار مغفرت چاہنا۔ اِسْتِبْدَال، استقرار، بدل۔ قرار چاہنا۔ "استعانت" میں یہی خاصیت موجود ہے۔ "مدد چاہنا"

"غیر اللہ" کی تشریح

"غَیْرُ اللہِ" ۔ اللہ کا غیر۔ اللہ کے سوا۔ ہم "استعانت" سے قبل "غیر اللہ" کی تشریح کرتے ہیں۔

"غیر اللہ" وہ افراد، یا اشیاء ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی خاص اور خصوصی تعلق نہ ہو۔ یوں تو جملہ مخلوق کا عام تعلق خالق کے ساتھ ہے۔ اور اس طرح عام مخلوق عمومی تعلق کی بنا پہ "غیر اللہ" میں شامل

ہے۔ لیکن جن کو خصوصی تعلق اور خاص نسبت خدا کے ساتھ ہے۔ وہ نمائندہ و کارندۂ خدا اور اس کا نائبِ خصوصی ہونے کی وجہ سے غیر اللہ نہیں ہیں۔ مثلاً انبیاء و مرسلین، ملائکۂ مقربین، ائمہ معصومین صلوٰۃ اللہ و سلامہ علیہم اجمعین، ان کا قول، قولِ خدا، ان کا حکم، حکمِ خدا، حتیٰ کہ ان کی مشیت مشیتِ خدا ہے۔ ہم ان کے احکام و فرمودات کو اس لئے تسلیم کرتے ہیں کہ یہ مقدس حضرات خدا کے نمائندے ہیں۔ اور من جانبِ خدا آئے ہیں۔ اور اسی کے احکام لائے ہیں۔ خداوندِ عالم نے امورِ تکلیفیہ یعنی احکامِ شریعت انہی کے واسطے سے ہم تک پہنچائے ہیں۔ اسی لئے ہم ان کے لائے ہوئے احکام کو احکامِ خدا سمجھتے ہیں۔ اگر انہیں "غیر اللہ" تصور کریں تو ہم ان کے احکام قبول نہیں کر سکتے۔ اور ان کی اطاعت عین اطاعتِ خدا ہے۔ وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ۔ جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی، خدا کی ہدایات و احکام اور اس کے فرمان و پیام اس کے پیغمبروں و رسولوں کے ذریعہ ہم تک پہنچتے ہیں اور ہماری اطاعت و قربت ان کے ذریعے اس تک پہنچتی ہے۔ اس لحاظ سے یہ "غیر اللہ" نہیں، اور "غیر اللہ" نہ ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ یہ عین خدا یا جزوِ خدا ہیں۔ بلکہ اس کے نمائندے، نائبین اور اس کے برگزیدہ مقربین ہیں۔ اس کے سفیر و پیام بر ہیں۔ ہمارے اور اس کے درمیان واسطہ ہیں۔ جس طرح یہ امورِ تکلیفیہ کے امین ہیں۔ اسی طرح ملائکہ اس کے امورِ تکوینیہ کے امانت دار ہیں۔ اور خدا اپنے بندوں کی امورِ تکوینیہ میں مدد ان ملائکہ کے ذریعہ کرتا ہے۔ جس طرح جنگِ بدر و حنین میں مسلمانوں کی مدد "ملائکہ مسوّمین" کے ذریعے کی تو ملائکہ چونکہ نمائندۂ خدا، اسی کے مؤکل اور اسی کے بھیجے ہوئے ہوتے ہیں، اس واسطے ان کی مدد مددِ خدا ہے۔ بلکہ خدا کی مدد انہی کے ذریعے ہوتی ہے۔ اسی طرح ان کے سپرد جو امورِ تکوینیہ یعنی معاش سے تعلق رکھتے ہیں۔ مثلاً ہوائیں چلانا، مینہ برسانا۔ رزق پہنچانا، بدنوں میں روح داخل کرنا اور روح قبض کرنا۔ یہ امور ملائکہ انجام دیتے ہیں۔ روح ملائکہ قبض کرتے ہیں مگر کہا جاتا ہے خدا مارتا ہے "اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا" اللہ نفسوں کو ان کی موت کے وقت مارتا ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ۔ انہیں فرشتے مارتے ہیں۔ تو ثابت ہوا کہ ملائکہ کا ہر کام خدا کا کام ہے۔

"نظامِ کائنات، جسمانی و روحانی تربیت"

اس کائنات و عالمِ ممکنات میں "مرکزی حیثیت" "انسان" کو حاصل ہے۔ اسی کے لئے اشرف المخلوقات

کا لقب زیبا ہے۔ اِس انسان کے دو حصے ہیں۔ بدن اور روح۔ ان کا تعلق استوار رہے تو زندہ ورنہ مُردہ۔ بدن تربیت کا محتاج ہے اور روح بھی، بدن کی غذا اور ہے روح کی اور۔ دونوں کی تربیت کا انتظام خالقِ حکیم وعلیم نے کر دیا ہے۔

کچھ ایسے اسباب ہیں جو اس مادی کائنات کی تربیت، ترقی اور بقا کے موجب ہیں۔ مثلاً پانی، ہوا۔ سُورج کی ضیاء، چاند کی روشنی، رزق کی فراہمی، اور غلّہ وغیرہ اگانا۔ اِن اسبابِ حیات میں سے کچھ تو انسان کے اختیار میں ہیں اور کچھ انسانی بس سے باہر ہیں۔ جو بشر کے بس سے بلند ہیں وہ امور ملائکہ کے سپرد ہیں۔ مثلاً ہوائیں چلانا۔ بادلوں کو ہانکنا۔ مینہ برسانا۔ کھیتی اگانا۔ رزق رسانی، دریاؤں کی روانی، سورج کی تابانی، بطنِ مادر میں جنین کے بدن میں رُوح داخل کرنا، زندہ بدنوں سے روحوں کا قبض کرنا وغیرہم۔ ان کی انجام دہی ملائکہ کے سپرد ہے۔ انہیں "امورِ تکوینیہ" کہتے ہیں۔ اور ان کا تعلق اِنسانی اجسام اور مادی کائنات کے ساتھ ہے۔ یہ معاش سے متعلق ہیں۔ گویا فرشتے انسان اور دوسری مخلوق کے ابدان واجسام کی غذا کے سامان مہیّا کرتے ہیں۔

اسی طرح کچھ ایسے اسباب ہیں جو انسانی ارواح کی تربیّت و ترقّی کے ذمّہ دار ہیں۔ مثلاً ذکرِ خُدا۔ زبان اور عمل سے اس کی نشانیوں میں غور وفکر، تلاوتِ قرآن، آیاتِ آفاق کا مطالعہ، نماز، روزہ، حج۔ درود شریف وغیرہ۔ یہ روحانی غذائیں ہیں۔ جن سے روحانی تربیّت و ترقّی ہوتی ہے۔ خدائے تعالیٰ کے احکام کی اطاعت وتعمیل۔ اور جن چیزوں سے اس نے روکا ہے ان سے پرہیز۔ یہ سب معاد سے متعلق ہیں۔ انہیں امورِ تکلیفیہ اور تشریعیہ کہا جاتا ہے۔ اور ان کے ذمّہ دار انبیاء و مرسلین اور ائمہ طاہرین علیہم السّلام ہیں۔ گو ان دونوں امورِ معاش اور امورِ معاد کا مالکِ کُلّی خالقِ علیم وحکیم ہے مگر اس نے اپنی حکمتِ کاملہ سے اس کی تقسیم کر دی ہے۔ امورِ معاش کا تعلق جسمِ کائنات سے ہے اور امورِ معاد کا تعلق روحِ کائنات سے ہے۔

گویا ملائکہ جسم کی تربیّت کے اسباب مہیا کرتے ہیں اور انبیاء وائمہ روح کی بالیدگی و پرورش کا سامان فراہم کرتے ہیں۔ فرشتے مربّیِ جسم و بدن ہیں اور انبیاء وائمہ رُوح کی تربیّت کرتے ہیں۔ جسم ادنیٰ ہے رُوح اعلیٰ ہے۔ ملائکہ چُونکہ فضیلت میں انبیاء سے ادنیٰ ہیں اس واسطے یہ ادنیٰ چیز کی پرورش کے مؤکّل ہیں۔ اور انبیاء فضیلت میں ملائکہ سے افضل ہیں۔ اس واسطے یہ اعلیٰ چیز کی تربیّت کے ذمّہ دار ہیں۔ جس کی ملائکہ تربیّت کریں اس کی زندگی مختصر ہے اور وہ فانی ہے۔ جس کی انبیاء تربیّت کرتے ہیں اس کی زندگی طویل اور وہ باقی ہے۔

ربِ مطلق اور خالق مدبر نے تربیتِ کائنات کا نظام اس طرح تقسیم فرما کر مختلف عوامل اور اسباب کے تحت اپنے نمائندوں اور کارندوں کے سپرد فرمایا ہے۔ یہ تمام مربّی ہیں، لیکن مجازی ہیں اور ان تمام کا خالق و مالکِ حقیقی پروردگار وہ اللہ واحد و لاشریک ہے۔ جو "ربّ العالمین" ہے۔

"یا علی مدد" اور "یا علی ادرکنی" کہنے کا جواز

جس طرح انبیاء و مرسلین، ائمہ طاہرین اور "ملائکہ مقربین" کا ہر "قول" قولِ خدا اور ہر کار کارِ خدا ہے ان کا ذکر، ان کے واقعات و کارنامے، ان کی تبلیغی سرگرمیوں اور قربانیوں کے تذکرے عبادتِ خدا ہیں۔ اسی طرح ان کی پکار، اُن سے استمداد، ان سے رجوع بحیثیت نمائندگانِ خدا، برگزیدگانِ ربِّ دوسرا، اور اولیاء اللہ کے غیر اللہ کی پکار نہیں ہے اور نہ غیر اللہ سے مدد طلبی ہے، اور اس لحاظ سے نہ "غیر اللہ" ہیں، بلکہ ان کو مشکل کے وقت پکارنا خدا کو پکارنا اور ان کی طرف رجوع کرنا خدا کی طرف رجوع کرنا ہے۔ ہاں اللہ تعالیٰ کو پکارنا اور اس کی طرف رجوع بطور اصل ہے اور ان کو پکارنا اور اُن کی طرف رجوع بطور توسّل ہے۔ کیونکہ ہماری پکاریں مشکلات کے وقت، ہماری فریادیں مظلومی کے وقت، اور ہمارے استغاثے ان کی بارگاہ میں پہنچتے ہیں۔ اور یہ ابواب الحوائج ہماری حاجات "قاضی الحاجات" خلاقِ عالم، مالکِ کائنات اور ربُّ العالمین کی بارگاہ میں اپنی سفارشات کے ساتھ پیش کرتے ہیں، اور وہاں سے منظور کروا سکتے ہیں اور منظور کرواتے ہیں۔ ان میں وسیلہ بننے کی صلاحیت ہے، بلکہ چہاردہ معصومین علیہم السّلام سے بڑھ کر کوئی اور وسیلہ ہے ہی نہیں۔ یہ تمام وسائل سے بہترین وسیلہ ہیں۔ لہٰذا "یا علی مدد" نہ صرف جائز اور صحیح ہے۔ بلکہ اظہارِ محبّت قلبی میلان ہے اور علامتِ ایمان ہے۔ صرف یہ نہیں کہ یا علی مدد جائز ہے بلکہ ہر معصوم نبی و امام اور ملائکہ کرام کو پکارنا جائز ہے۔ جن میں وسیلہ بننے کی صلاحیت ہے۔ جن کا ذاتِ خدا سے خاص تعلق اور واسطہ ہے۔ جن کا اس کی ذات سے لین دین ہے۔ وہ وسیلہ بن سکتے ہیں۔

توسّل کے متعلق وہابیوں کا شیعوں پر اعتراض اور اس کا جواب

کتب معتبرہ میں روایاتِ معتبرہ سے ثابت ہے کہ کئی حاجتمندوں دردمندوں، ستم رسیدہ لوگوں، مظلوم مومنوں (جن میں عوام النّاس، علماء، صلحاء، اتقیاء اور مجتہدین کرام بھی شامل ہیں) نے دُکھ، درد، رنج والم اور سخت مصیبتوں اور آفات کے وقت ان کی طرف رجوع کیا، ان کی مشکلات آسان ہوئیں۔ عقدے حل ہوئے اور حاجات روا ہوئیں۔

اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ میں تخصیصِ عبادت ذاتِ باری تعالیٰ کے ساتھ ہے اور عبادت

بلا واسطہ بھی ہے اور بالواسطہ بھی۔ لیکن ہر دو عبادتیں اسی کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اسی طرح استعانت بھی اسی ذاتِ پاک ذوالجلال والاکرام کے ساتھ مختص ہے۔ بلا واسطہ مدد مانگنا بھی استعانت ہے اور بالواسطہ بھی استعانت ہے۔ اس استعانت کا اختصاص جب ختم ہوتا جب ہم چہاردہ معصومین علیہم الصلوٰۃ والسّلام کو خدا اور ربِّ مطلق مان کر ان کو مدد کے لئے پکارتے یا ان کو بالاصل اور علے الاستقلال، قاضی الحاجات اور کائنات کے مختارِ مطلق سمجھ کر حاجت روا سمجھتے۔ کوئی شیعہ سمجھدار مذکورہ صورت میں ان کو نہیں پکارتا، بلکہ وسیلہ، واسطہ اور ذریعۂ نجاح ونجات سمجھ کر ان کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اور ان معصومین حضرات مقربینِ بارگاہِ پاک ذات کا دربارِ خداوندی میں ہماری سفارش کرنا، ہماری ہمدردی کرنا اور اس قاضی الحاجات سے ہماری دعائیں قبول کرانا، حاجت روا کرنا اور روزِ محشر ہماری نجات ومغفرت کے لئے شفاعت کرنا، یہ بہت بڑی مدد اور مہربانی ہے۔ اس لحاظ سے "یا علی مدد" کہنا کس طرح ناجائز اور نادرست ہے؟

قرآن مجید میں جہاں خدا کے ساتھ یا خدا کو چھوڑ کر غیروں کو پکارنے کی ممانعت ہے، وہاں "غیراللہ" سے مراد معبودانِ کفارِ قریش ہیں، اور وہ بت ہیں۔ کیونکہ مشرکینِ عرب اِن بتوں کو وسیلۂ قربتِ خدا کا ذریعہ اور سفارش کنندہ سمجھتے تھے، جیسا کہ ارشاد ہے: "وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هَٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللَّهِ" (سورہ یونس آیت ۱۹)

اور مشرکینِ قریش خدا کو چھوڑ کر ان (بتوں) کی عبادت کرتے ہیں جو انہیں نفع اور نقصان نہیں پہنچا سکتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ (معبودانِ باطل) خدا کے نزدیک ہماری سفارش کرنے والے ہیں۔

وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ (س زمر آیت۳)

"وہ لوگ جنہوں نے خدا کو چھوڑ کر دوسروں کو اپنا سرپرست بنایا۔ کہتے ہیں کہ ہم تو ان کی عبادت اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں خدا کے نزدیک کر دیتے ہیں"۔

کفار اپنے معبود (بتوں وغیرہ) کو قربتِ خدا کا ذریعہ اور وسیلۂ شفاعت سمجھتے تھے۔ جس کی پُرزور تردید کی گئی کہ یہ نہ شفیع ہیں اور نہ مقربِ خُدا بلکہ جہنّم کا ایندھن ہیں۔ اِسی لئے آیا ہے:

فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا۔ "خدا کے ساتھ کسی کو نہ پکارو" (س جنّ)

اِن آیاتِ مبارکہ اور اس مفہوم ومطلب کی دوسری آیات سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ بتوں میں شفاعت کرنے کی اہلیت اور وسیلہ بننے کی صلاحیّت نہ تھی۔ اس واسطے ان کو پکارنا منع ہے۔ لیکن یہ کہاں سے ثابت ہوتا ہے کہ باذن اللہ شفاعت کرنے کی صلاحیّت اور وسیلہ بننے کی اہلیّت جن

تقدس نفوس میں پائی جائے ان کو بطور توسل پکارنا منع اور حرام ہے۔ ہاں نا اہلوں کو وسیلہ بنانا شفیع سمجھنا اور امام بنانا ضرور حرام ہے۔ اور اہل توسل حضرات کو وسیلہ بنانے کا خود خدا نے حکم دیا ہے۔ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَابْتَغُوْا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ وَجَاھِدُوْا فِیْ سَبِیْلِہٖ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ (س مائدہ پ ۶) " اے ایمان والو! خدا سے ڈرو، اور اس کی جانب وسیلہ تلاش کرو، اور خدا کی راہ میں جہاد کرو، تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ"۔

ایک صورت تو یہ ہے جو مذکور ہوئی۔ کہ براہِ راست حضرات معصومین علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بقصد توسل پکارا جائے کہ آپ ہماری حاجات بارگاہِ خدا میں سفارش کے ساتھ پیش کر کے منوائیں۔ جیسا کہ دعاءِ توسل اور دوسری اس قسم کی دعائیں۔ دعاؤں کی کتابوں میں مذکور ہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ براہِ راست خدائے رحیم و کریم کو پکارا جائے۔ اور ان معصومین حضرات کا واسطہ دیا جائے۔ جیسا کہ انبیاء علیہم السلام نے وقتِ مشکل خدا کو ان کے توسط سے پکارا۔ یَا مَحْمُوْدُ بِحَقِّ مُحَمَّد، یَا اَعْلٰی بِحَقِّ عَلِی، یَا فَاطِرُ بِحَقِّ فَاطِمَۃ، یَا مُحْسِنُ بِحَقِّ الْحَسَن، یَا قَدِیْمُ الْاِحْسَان بِحَقِّ الْحُسَیْن۔

یہ دونوں صورتیں اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کے خلاف نہیں ہیں اور وہابیوں اور نجدیوں کا شیعوں پر اعتراض کہ "غیر اللہ" کو پکار کے شیعہ گناہِ شرک کے مرتکب ہوتے ہیں۔ باطل اور بے اصل قرار پاتا ہے۔

مدد کی قسمیں

استعانت : اس کا مادہ عون ہے۔ مدد۔

نَصَر : اس کا معنی بھی مدد ہے۔ مگر عموماً اس کا اطلاق مخالفین کے مقابلہ میں مدد پہ ہوتا ہے۔ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ۔ فَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ۔ ھَلْ مِنْ نَاصِرٍ یَّنْصُرُنَا۔

عَوْن۔ اِعَانَت : مطلقاً ہر قسم کی مدد کو شامل ہے۔ بالمقابل مدد ہو یا بجائے خود۔ مالی مدد ہو یا زبانی مدد۔ مادی ہو یا روحانی، اسی سے تعاون ہے۔ ایک دوسرے کی مدد کرنا۔ تَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔ (پارہ دوئم) نیکی اور پرہیزگاری کی بنیاد پر ایک دوسرے کی مدد کرو۔ گناہ اور ناجائز زیادتی کی بنا پہ ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔

تعاون لازمہ حیات اور شرطِ زندگی ہے

انسان کی زندگی اجتماعی۔ تمدن اور امداد باہمی

پر منحصر ہے۔ امورِ دنیا باہمی تعاون سے انجام پاتے ہیں۔ زراعت۔ صنعت و حرفت۔ تجارت، غرضیکہ انسان کی تمام معیشت اس کے باہمی تعاون اور مِل جُل کر کام کرنے اور رہنے پر موقوف ہے۔ کوئی کام ایک دوسرے کی مدد کے بغیر انجام نہیں پا سکتا۔ اگر باہمی تعاون، مدد کرنے یا مانگنے کا سلسلہ رُک جائے تو انسانیت کی گاڑی چلنے سے رک جائے۔ اور نوعِ انسانی موت کی وادی میں گر پڑے۔ اِس قسم کی مدد کرنا۔ مدد مانگنا لازمۂ حیات اور شرطِ زندگی ہے۔ جو مدد زیرِ بحث رہتی ہے اور جس پہ مناظرے و مباحثے ہوتے رہتے ہیں وہ "غائبانہ مدد" ہے۔ جو عام انسان کے بس سے باہر اور بطور خارق عادت و از راہِ معجزہ و کرامت ہے۔

ائمہ علیہم السلام کے مزارات مقدسہ اور عتباتِ عالیات سے اِس قسم کی استمدادی و امدادی کرامات ظاہر ہوتی رہی ہیں اور حاجتمندان ابواب الحوائج کے ذریعے حاجات روا کراتے رہے ہیں۔ دلیسے یہ کرامات تو بہت ہیں۔ خاص طور پہ بیماروں کو شفاء نابیناؤں کو چشم بینا۔ اور نفیروں کو غنا۔ ان حاجت رَوا دروازوں سے حاصل ہوئی ہے۔ ہم چند ایک کے نقل کرنے پہ اکتفا کرتے ہیں۔

جناب فاضلِ اجل الحاج شیخ عباس قمی اعلی اللہ مقامہ اپنی متبرک تالیف مفاتیح الجنان میں اعمالِ ستائیسویں شبِ رجب کے ضمن میں روضۂ اقدس اور ضریح اطہر جناب امیر المومنینؑ کی برکات کے افاضے، حاجتمندوں کے استغاثے، اور ان کی حاجت روائی، رجب کی ستائیسویں رات کو تحریر کرتے ہیں۔ تحریر فرماتے ہیں کہ یہ رات متبرک ہے۔ اسے لیلۃ المبعث کہا جاتا ہے۔ بعض اسے لیلۃ المعراج کہتے ہیں۔ اس رات کو عراق۔ خراسان۔ رُوم، عرب اور دوسرے مُلکوں سے لاعلاج مریض مایوس از بصارت اور کئی حاجتمند لوگ حرمِ مبارک امیر المومنین علیہ السلام کی ضریح مقدس کے سامنے الحاح و زاری کے ساتھ اپنی حاجات پیش کرتے ہیں اور دِلی مرادیں پاکر لوٹتے ہیں۔

صاحبِ مفاتیح ابو عبداللہ محمد بن بطوطہ کی روایت بھی نقل کرتے ہیں۔ اصل عبارت فارسی میں ہے۔ ترجمہ پہ اکتفا کی جاتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ابنِ بطوطہ جو علماءِ اہلِ سنت میں اچھی شہرت رکھتے ہیں۔ سیاحت اور مختلف ممالک کے سفر میں انہیں خاص دلچسپی تھی۔ اپنے سفرنامہ "رحلہ ابنِ بطوطہ" میں بیان کرتے ہیں کہ میں مکہ معظمہ سے نجف اشرف امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ کی زیارت کو گیا۔ اِس شہر کے تمام باشندے رافضی ہیں اور روضۂ مقدسہ امیر المومنین سے کئی کرامات ظاہر ہو چکی ہیں اور ہنوز ان کرامات کا سلسلہ جاری ہے۔ سلسلۂ بیان کو جاری رکھتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ ماہِ رجب کی ستائیسویں تاریخ کو ضریح اقدس جناب امیر المومنین علیہ السّلام کے پاس اہلِ عراق۔

خراسان، بلادِ فارس اور روم سے مشلول، مفلوج، زمین گیر اور لاعلاج مریض جمع ہو جاتے ہیں۔ ذکرِ خدا، تلاوتِ قرآن، اور عبادت میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ اور اپنی صحت و شفا، اور قضائے حاجات کے متعلق دعائیں مانگتے ہیں۔ نصف رات یا رات کے دو حصے گزرنے تک اسی حالت میں گریہ وزاری اور ذکر و دعا میں مصروف رہتے ہیں۔ بعد از نصف شب یا دو ثلث شب وہ مشلول و مفلوج زمین گیر افراد خلاقِ کائنات ربّ العالمین کی مہربانی اور امیرالمومنین علی بن ابی طالبؑ کی خاص کرم نوازی سے تندرست اور صحت مند حال میں بدل جاتے ہیں۔ اس وقت ایک مجمع کثیر اس انقلابِ حال کو بچشمِ خود ملاحظہ کرنے کے لئے جمع ہو جاتا ہے۔ زمین پر لیٹا ہوا ہاتھ پاؤں سے معذور مریض حسنینؑ کے بابا کی نگاہِ کرم سے دوڑنے لگ جاتا ہے۔ مشلول و مفلوج کے اعضاء والیٔ نجف کی دعا سے صحیح و سالم ہو جاتے ہیں۔ بصارت سے محروم شخص اپنے کاسۂ گدائی میں چشمِ بینا لے کر جاتا ہے۔ اور اس چشمۂ فیض سے ہر پیاسا سیراب ہو کر جاتا ہے۔ صحت یاب افراد پر جب رحم و کرم کی بارش ہوتی ہے اور اپنے جسم میں جب آثارِ صحت محسوس کرتے ہیں تو ان کی زبان پر یہ کلمہ جاری ہوتا ہے: لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ عَلِیٌّ وَلِیُّ اللّٰہ۔ وہ مزید لکھتے ہیں کہ آنحضرت کے مہمان خانہ میں تین افراد کو دیکھا جو چلنے پھرنے کے قابل نہ تھے۔ ایک خراسان سے، دوسرا اصفہان سے اور تیسرا روم سے تھا۔ میں نے ان سے پوچھا، تم اس جگہ تاحال اسی بیماری کی حالت میں پڑے ہو، تمہیں شفاء کیوں نہ ملی۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم ماہِ رجب کی مقررہ ستائیسویں رات کو نجف اشرف نہیں پہنچ سکے۔ اس کے بعد ہم یہاں وارد ہوئے ہیں۔ اب ستائیسویں تاریخ تک یہیں رہیں گے۔ اس کے بعد انشاء اللہ دامنِ مراد بھر کے واپس جائیں گے۔ جناب شیخ قمی طاب ثراہ رقم فرماتے ہیں کہ اس قسم کی کرامات بسیار ظہور میں آتی رہتی ہیں۔

جناب شیخ حر عاملی رضوان اللہ علیہ ان برکات کے سلسلہ میں ایک رباعی تحریر فرماتے ہیں:

وَمَا بَدَا مِنْ بَرَکَاتِ مَشْہَدِہٖ — فِیْ کُلِّ یَوْمٍ اَمْسُہٗ مِثْلُ غَدِہٖ
وَکَشِفَاءِ الْعُمْیِ وَالْمَرْضٰی بِہٖ — اِجَابَۃُ الدُّعَاءِ فِیْ اَعْتَابِہٖ

جناب امیر علیہ السلام کے مرقدِ مطہر اور مزارِ انوار سے جو برکات و فیوض ظاہر ہوتے ہیں اور وہ متواتر جاری ہیں۔ آج اور کل میں فرق نہیں۔ جیسے نابیناؤں کو بصارت اور مایوس العلاج مریضوں کو صحت کے خزانے ملتے ہیں۔ ان کے مقدس آستان میں دعا شرفِ قبول حاصل کرتی ہے۔

اسی طرح جناب سیدالشہداء علیہ السّلام کے مشہدِ مقدس کے بارے میں منقول ہے: اَلشِّفَاءُ فِیْ تُرْبَتِہٖ وَاِجَابَۃُ الدُّعَاءِ تَحْتَ قُبَّتِہٖ۔ ان کی قبر مبارک کی خاک میں شفا ہے اور ان کے

قُبّہ مبارک کے نیچے دُعا مقبول ہے۔

جناب امامِ ہفتم، امیرِ بغداد، شہیدِ غربت، مسمومِ جور و جفا حضرت موسیٰ کاظم علیہ السلام کو "باب قضاء الحوائج" کا لقب حاصل ہے۔ ان کی مزارِ مقدس کاظمین شریفین میں ہے۔ عجیب و غریب قسم کی کرامات کی مظہر ہے۔ خصوصیت کے ساتھ شفاء امراض کے لئے ان کا آستانِ مقدس پیچیدہ امراض کی شفاء گاہ ہے۔ چنانچہ اخبار "انقلاب" لاہور، اخبار "اہلِ حدیث" امرتسر، مورخہ ۲۴ اگست ۱۹۲۸ء اور اخبار پانیر الہ آباد ۱۱ اگست ۱۹۲۸ء میں ضریح اقدس جناب امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام "باب الحوائج" سے ایک کرامتِ عالیہ کے ظہور کا واقعہ اس طرح مذکور ہے: "ایک غریب و ضعیف سیّد آنکھوں کی بیماری میں مبتلا تھا۔ ہر چند اس نے مادی طبیبوں اور ہسپتال کے ڈاکٹروں کی طرف رجوع کیا۔ اسے شفاء نہ ملی۔ بیماری زور پکڑ گئی آنکھوں کی بینائی جاتی رہی۔ بغداد کے ہسپتال میں داخل ہوا۔ بہتیرا علاج کرایا مگر مقصد سے محروم رہا۔ ڈاکٹروں نے اسے لاعلاج قرار دیا۔ وہ مخلص اور مفلس مومن علاج کے سلسلہ میں بینائی سے محروم رہنے کے علاوہ روپیہ پیسہ سے بھی محروم ہو گیا۔ قسمت نے یاوری کی، اُس نے دل میں خیال کیا کہ اسبابِ دنیا منقطع ہو جاتے ہیں مگر رحمت کے دروازے بند نہیں ہوتے۔ مادی علاج گاہوں سے اگر مایوس ہو گیا ہوں تو روحانی دارالشفاء کی طرف رجوع کروں۔ اور بغداد کے پہلو کاظمین میں سرکار امام ہفتم جناب موسیٰ کاظم علیہ السّلام، "باب الحوائج" کا شفاخانہ جو کھلا ہے۔ جا کر قسمت آزمائی تو کروں، چنانچہ وہ ضعیف و مفلس سیّد آخری علاج کے لئے بغداد کے قیدی لیکن سرکارِ احدیت کے روحانی اور اپنے عہد کے لاثانی طبیب کی بارگاہِ مقدس میں حاضر ہوا۔ بارگاہِ خدا میں بینائی واپس ملنے کی دُعا کی۔ سرکارِ ولایت، بُرجِ امامت کے ساتویں تاجدار جناب موسیٰ کاظم علیہ السّلام سے توسّل کیا۔ تعویذ قبر کو مَس کیا۔ بخت بیدار ہو گیا۔ نصیب جاگ اٹھا۔ مقدّر چمکا۔ ادھر دُعا ختم ہوئی ادھر آنکھوں کے سامنے روشنی نمودار ہوئی۔ نورِ بصارت واپس مل گیا۔ آنکھیں چُندھیا گئیں۔ آواز آئی: "جاؤ تمہیں پھر سے آنکھوں کی روشنی دے دی گئی ہے"۔ فرطِ مسرت سے وہ بوڑھا مومن چلاتا ہوا باہر نکل آیا۔ "مجھے روشنی مل گئی"۔ "مجھے بصارت مل گئی"۔ "میں بینا ہو گیا"۔ چونکہ لوگ جانتے تھے کہ یہ واقعی بینائی سے محروم تھا۔ اب دفعتہً اس کی بدلی ہوئی حالت، اللہ کے رحم و کرم کی بارش اور امامِ پاکؑ کی نگاہِ کرم کو ملاحظہ کیا تو لوگوں کا ہجوم اُس کے گرد جمع ہو گیا۔ لوگ اس کی زیارت کو دوڑے۔ اور اس کے کپڑے تبرک کے طور پر چھین جھپٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر کے لے گئے۔ بیان کیا گیا کہ تین بار اس کو کپڑے پہنائے گئے۔ لیکن لوگوں نے اُس کے کپڑے تار تار کر کے بطور تبرک چھین لئے۔ بمشکل خدامِ روضہ شریف نے اس کو گھر پہنچایا۔

اسی طرح جناب امامِ ثامن غریب الغربا حضرت علی بن موسیٰ الرضاؑ کے مزارِ مطہر واقع مشہد مقدس ایران سے بھی کرامات و معجزات کا ظہور ہوتا رہتا ہے۔

چنانچہ مفاتیح الجنان میں اعمالِ شب ہفدہم رجب کے ضمن میں منقول ہے کہ جناب ابوالحسن حضرت امام علی رضاؑ کے مرقدِ منور سے ایک ہزار تین سو تینتالیس ہجری (۱۳۴۳ھ) میں مندرجہ ذیل کرامت ظہور پذیر ہوئی کہ تین عورتیں مرضِ فالج اور شلِ اعضاء میں مبتلا تھیں۔ اطبا اور ڈاکٹران کے علاج سے عاجز آ گئے تھے۔ اور انھیں لاعلاج قرار دیا تھا۔ ضریح مقدس جناب امام علی رضاؑ میں لائی گئیں اور شفا پا کر گئیں۔

حاضرین! اس قسم کی کرامات اور اپنے شیعوں پر مہربانی کے واقعات ان کی حیاتِ طیبہ میں بھی تھے، اور ان کی وفات کے بعد بھی اُن کے مقدس آستانوں سے بھی اپنے موالیوں کے لئے فیوض و برکات کے چشمے جاری ہیں۔ ہم آخر میں شہیدِ کربلا، مقتولِ لبِ فرات، مقطوع الیدین حضرت ابوالفضل العباسؑ کی کرامت نقل کرتے ہیں۔ ان کا لقب بھی باب الحوائج ہے۔ بعد ازاں ان کی شجاعت و شہادت کے تفصیلی واقعات پیش کریں گے۔ جناب ابوالفضل العباسؑ کو سرکارِ احدیت اور بارگاہِ ذوالجلال و الاکرام سے "باب الحوائج" کا لقب عطا ہوا ہے۔ آنجناب کے روضۂ مقدس سے بھی کرامات کا ظہور ہوتا رہتا ہے۔ جسے دیکھنے والوں نے بچشمِ خود دیکھا اور اہلِ قلم نے کتابوں میں ان کرامات کو درج کیا ہے۔ ہم اس ضمن میں ایک خاص کرامت ناظرین و حاضرین کی روشنیٔ چشم، نورِ قلب اور زیادتیٔ یقین کے لئے پیش کرتے ہیں: وَالْعُهْدَةُ عَلَى الرَّاوِي۔

بیان کیا گیا ہے کہ کربلاء معلیٰ میں ایک مردِ صالح اور صاحبِ خیر مومن سکونت پذیر تھا۔ اور اُس کا ایک نیک صالح فرزند تھا۔ اتفاق سے اُس کا لڑکا بیمار ہو گیا۔ وہ جناب سقائے سکینہ علمدارِ حسینؑ حضرت عباس علیہ السّلام کے روضۂ مقدس میں بغرضِ شفا لے آیا۔ جناب عباس علیہ السّلام کو وسیلہ بنایا، اور اور ان سے بارگاہِ ربّ العزت میں بیٹے کی شفا کے لئے شفاعت کی درخواست کی۔ جب صبح ہوئی تو اس مردِ مومن کے دوستوں میں سے ایک دوست اس کے پاس آ کر کہنے لگا کہ میں نے رات ایک خواب دیکھا ہے۔ اسے تیرے سامنے بیان کرتا ہوں، اُس نے وہ خواب بیان کیا۔ کہ جناب عباس علمدارؑ نے بارگاہِ رب العالمین میں تیرے بیٹے کی شفا کے لئے سوال کیا تو جناب رسالتمآبؐ کی طرف سے ایک فرشتہ جناب عباسؑ کی خدمت میں آیا اور کہا: "یا اباالفضل العباسؑ! اس جوان کے لئے شفا طلب نہ کرو، کیونکہ اس کی مدتِ حیات ختم ہو چکی ہے۔ شفا اس کے مقدر میں نہیں۔ اور اس کی اجل قریب ہے۔

جناب عبّاسؑ نے فرشتۂ مذکور سے کہا کہ میری جانب سے جناب رسالتمآبؐ کی خدمت میں بعد سلام گزارش کرو کہ اِس حاجتمند مریض کے لئے بارگاہِ احدیّت میں شفاء کے لئے سوال کرتا ہوں۔ فرشتہ یہ پیغام لے کر جناب رسالتمآبؐ کی خدمت میں آیا۔ جس کے جواب میں حضور پاکؐ نے وہی سابقہ کلمات دُہرائے۔ فرشتہ یہی پیغام لے کر دوبارہ جناب عبّاسؑ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جناب عبّاس نے اسی گزارش کو دوبارہ دہرایا۔ اسی طرح تین مرتبہ جناب رسالتمآبؐ اور جناب عبّاسؑ کے درمیان اِس مریض کی شفاء کے لئے سوال و جواب ہوتا رہا۔ چوتھی مرتبہ جب وہ فرشتہ وہی سابق پیغام یعنی اس جوان کی موت مقرّر ہو چکی ہے' زندگی ختم ہے اور شفاء مقدر میں نہیں ہے لیکر جناب عبّاسؑ کے پاس آیا تو روایت کے مطابق جناب عبّاسؑ کا رنگ متغیّر ہوگیا۔ اُٹھے اور خدمتِ جناب رسالتمآبؐ میں باریابی حاصل کی۔ حضورؐ کی خدمت میں نیاز مندانہ عرض کی یارسول اللہ! آپ جانتے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے مجھے "باب الحوائجؑ" کا لقب عطا فرمایا اور لوگوں کو بھی علم ہے کہ خدا نے مجھے "باب الحوائجؑ" قرار دیا ہے۔ اور دنیا میں حاجتمندوں کی کمی نہیں۔ ہمارے موالی' ہمارے شیعہ اور ہمارے عزادار مجھے "باب الحوائجؑ" سمجھ کر میرے پاس آتے ہیں۔ اور مجھے بارگاہِ اللہ تعالیٰ میں وسیلہ و شفیع بناتے ہیں۔ میرے پاس آکر سوال کرتے ہیں۔ کہ ہمارے لئے درگاہِ ربّ العزّت میں شفاعت کرو۔ اِس واسطے یا تو یہ لقب "باب الحوائجؑ" واپس لےلیں نہ لوگ آئیں گے نہ میں سفارش کروں گا یا پھر میری سفارش قبول فرمائیں جناب عبّاسؑ کا یہ احتجاج سُن کر جناب رسولِ پاکؐ مسکرادیئے' اور فرمایا کہ کریم اپنی عطا اور دیا ہوا لقب واپس نہیں لیتا۔ بیٹا جاؤ' خدا تمہاری آنکھیں ٹھنڈی کرے۔ بے شک تم باب الحوائج ہو۔ اور جس کے لئے چاہو سفارش کرو۔ تمہاری برکت اور سفارش سے ربّ کریم نے اُس کی زندگی بڑھادی ہے۔ اور اپنے کرم سے اِس بیمار کو شفاء بخشی ہے۔ وہ شخص کہتا ہے کہ میں بیدار ہوگیا۔ اس مردِ مومن کا بیمار بیٹا شفاء یاب ہوگیا۔

حالات جناب عبّاس علیہ السلام

جناب ابوالفضل العبّاس کو یہ لقب اِن خدماتِ اسلامیہ اور قربانیوں کی وجہ سے عطا ہوا ہے جو انہوں نے دینی جہاد' نصرتِ امام اور حمایتِ مستوراتِ بنی ہاشم کے سلسلہ میں بارگاہ ربُّ العزّت میں پیش کیں۔

آج کی مجلس میں اس باب الحوائجؑ' مومنین کی آرزوؤں کی امیدگاہ' شجاعتِ ہاشمیہ و

کلابیہ کے وارث، امیرالمومنین کے نورِ نظر، فرزندِ رسول کے زورِ کمر، اُمّ البنین کی آنکھوں کا تارا، زینبؑ و اُمّ کلثوم و ہاشمی بی بیوں کے سفر کا سہارا۔ مجسمہ وفا و شجاعت، پیکرِ حیا و غیرت، مجاہدینِ اسلام کا علمدار، غازیانِ عشق و وفا کا سپہ سالار، آس و اُمید کا خزانہ، سقائے سکینہ۔ پیکرِ جلال و جمال، تصویرِ حسن و کمال، مالکِ رعبِ حیدری، وارثِ سولتِ صفدری، محافظِ فرزندِ رسول، محافظِ پردہ بناتِ بتول، اور تشنہ دہاں بچوں کی آس جناب ابوالفضل العباسؑ کے حالات اور واقعاتِ شجاعت و شہادت بیان کرتے ہیں۔

ولادتِ باسعادت

جناب امیرالمومنینؑ نے اپنے بھائی جناب عقیل سے ایک مرتبہ فرمایا کہ تم انساب و حالاتِ قبائلِ عرب سے بخوبی واقف ہو۔ میں چاہتا ہوں کہ عرب کے اس خاندان میں شادی کروں جو سب قبائل سے زیادہ شجاعت رکھتا ہو۔ تاکہ بہادر لڑکا پیدا ہو۔ جناب عقیل نے اس مقصد کے لئے خاندان بنی کلاب کا انتخاب کیا۔ اور اس خاندان کی ایک خاتون فاطمہ بنت حزام بن خالد بن ربیعہ کو منتخب کیا۔ اور جناب امیرالمومنین نے اس سے شادی کی۔ اس خاتونِ گرامی قدر کا اسمِ مبارک فاطمہ تھا۔ اور بعد میں "اُمّ البنین" کی کنیت سے مشہور ہوئیں۔

چنانچہ اس مبارک و طاعت شعار خاتون سے مدینہ منورہ میں ۴ شعبان ۲۶ھ کو پیکرِ شجاعت و وفا جناب عباسؑ پیدا ہوئے۔ نام اس مولودِ مسعود کا "عباسؑ" رکھا گیا۔

چودہ سال پدرِ مہربان کے سایۂ شفقت و عاطفت میں رہے۔ ان کی زندگی میں بعض جنگوں میں شریک رہے۔ اور آدابِ حرب اور فنونِ قتال اپنے باپ حیدرِ کرار اور فوجِ اسلام کے علمدار فاتحِ خیبر سے سیکھے۔ ہاشمی شجاعت باپ کی جانب سے اور کلابی دلیری و ہمت کے اپنی ماں کی طرف سے وارث ہوئے۔ شجاعت اور دلیری جسدِ اقدس میں ودیعت تھی اور اس کے اظہار کے طریقے رہبرِ کامل اور استادِ ماہر سے سیکھے۔ اس واسطے امیرالمومنینؑ کے بعد یہ شجاعِ زمانہ اور بہادرِ روزگار تھے۔

سنہ ۴۰ھ کو جناب امیرالمومنینؑ کی کوفہ میں شہادت ہوئی، تو اس کے بعد دس سال تک جناب امام حسن مجتبیٰؑ کی زیرِ تربیت رہے۔ سنہ ۵۰ھ میں امام حسنؑ شہید ہوئے اور ان کے بعد واقعۂ کربلا تک جناب سیّد الشہداء حضرت امام حسینؑ کے ساتھ رہے اور یہ ساتھ ایسا تھا جو منقطع نہ ہوا۔ زندگی میں بھی ساتھ رہے اور موت میں بھی رفاقت کی۔ بلکہ حقِ رفاقت ادا کر دیا۔

القاب و کنیّت

تقرّبِ خدا اور عظیم قربانی دینے کی وجہ سے انہیں "باب الحوائج" کا لقب عطا ہوا۔ علاوہ ازیں "الشہید" "العبد الصالح" "صاحب وفا" بھی ان کے

القابِ جلیلہ ہیں۔ حسن وجمال کی وجہ سے "قمر بنی ہاشم" پکارے جاتے ہیں کہ بلا میں علمدارِ حسینی اور سقائے سکینہ کے لقب انہیں حاصل ہوئے۔ ان کی مشہور کنیت ابوالفضل ہے۔ اور ابوالقاسم بھی کنیت ہے۔

شکل وشمائل

آپ کا قامت دراز، اعضاء متناسب، رنگت سفید اور چہرہ خوبصورت تھا۔ آپ کی شخصیت رعب وجلال کے قالب میں ڈھلی ہوئی تھی۔ آپ کو دیکھ کر دشمنوں کے زہرے آب اور دِل بے تاب ہوجاتے تھے۔ آپ جہاں شجاعت وہمت میں بے مثال تھے وہاں دولتِ حسن وجمال سے بھی ملا مال تھے۔ مورخین بالاتفاق لکھتے ہیں: اِنَّ العَبّاسَ کَانَ وَسِیمًا جَسِیمًا جَمِیلاً یَرْکَبُ الفَرَسَ المُطَہَّمَ وَرِجلَاہُ یَخُطَّانِ عَلَی الاَرضِ وَیُقَالُ لَہٗ قَمَرُ بَنِی ھَاشِم "جناب عباسؑ خوبصورت، قدآور اور پُروقار شخصیت کے مالک تھے، دورکابہ گھوڑے پر سوار ہوتے تھے، اور ان کے پاؤں زمین پر خط کھینچتے جاتے تھے۔ انہیں "قمر بنی ہاشم" کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔" اگر کبھی ہم شکل علی جناب عباس اور ہم شکلِ نبی جناب علی اکبر مل کر مدینہ کے کسی کوچہ و بازار سے گزرتے تو مدینہ کے زن ومرد حسن وجمال اور ہیبت و وقار کا نظارہ کرنے کے لئے گھروں سے باہر نکل آتے اور شوقِ نظارہ ان لوگوں کو ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کے لئے مجبور کرتا۔ اِس واسطے یہ کہتا ہوں کہ مثلِ نبی وعلی جناب عباس وعلی اکبر آسمانِ مدینہ کے چاند اور ارضِ یثرب کی زیب وزینت تھے۔

فضائل ومناقب

سیرتِ پاک مکارمِ اخلاق کا مجموعہ تھی۔ ایمان وعمل میں بلند مرتبہ پہ فائز تھے۔ روحانیت درجۂ کمال پہ تھی، عبادت وتقویٰ کی وجہ سے "العبدُ الصّالح" سے ملقب تھے۔ کبریتِ احمر اور فرسان الہیجاء میں مذکور ہے: "اِنَّ العَبَّاسَ من اکابِرِ الفُقَہاءِ وَاَفَاضِلِ اَھلِ البَیتِ وَکَانَ من فقہاءِ اَولادِ الاَئمّۃ۔ جناب عباس بڑے فقہاء اور اہلِ بیت کے صاحبانِ علم و فضل میں سے تھے۔

جناب امام علی زین العابدینؑ ان کے ایمان ویقین، علم وعرفان، عملِ صالح اور جذبہ جہاد وخلوص کی بناپہ اس طرح تعریف فرماتے ہیں۔ "رَحِمَ اللّٰہُ عَمِّی العَبَّاسَ فَقَدْ اٰثَرَ وَابلٰی وَفَدیٰ اَخَاہُ بِنَفسِہٖ حَتّٰی قُطِعَتْ یَدَاہُ فَاَبْدَلَہُ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ مِنْھُمَا بِجَنَاحَیْنِ یَطِیْرُ بِھِمَا مَعَ المَلَائِکَۃِ فِی الجَنَّۃِ کَمَا جَعَلَہٗ لِجَعفَرِ بنِ اَبِی طَالِبٍ وَاِنَّ لِلعَبَّاسِ عِندَ اللّٰہِ مَنزِلَۃً عَظِیمَۃً یَغْبِطُہٗ جَمِیعُ الشُّھَدَاءِ یَومَ القِیَامَۃِ۔" اللہ تعالیٰ میرے چچا عباس پر رحمت نازل کرے۔ وہ مصائب و آلام میں مبتلا رہے۔ اور اپنے بھائی کے غم گسار وجاں نثار ہو کر اپنی جان کی قربانی راہِ حق میں دے دی۔ یہاں تک کہ ان کے دونوں بازو قلم کئے گئے جن کے بدلے خدا نے دو پر عطا

فرمائے۔ جن کے ساتھ وہ جنّت میں ہمراہ ملائکہ پرواز کرتے ہیں۔ جس طرح کہ حضرت جعفر طیّار کو دو پَر عطا فرمائے تھے۔ بے شک اللہ تعالیٰ کے ہاں جناب عبّاس کا اتنا بلند مرتبہ ہے کہ روزِ قیامت سارے شہید ان پر رشک کریں گے۔

اِسی طرح جناب امام جعفر صادقؑ ان کی شان بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: کَانَ عَمُّنَا الْعَبَّاسُ نَافِذَ الْبَصِیْرَۃِ صُلْبَ الْاِیْمَانِ جَاھَدَ مَعَ اَخِیْہِ الْحُسَیْنِ وَاُبْلِیَ بَلَاءً حَسَنًا وَمَضٰی شَھِیْدًا ہمارے چچا عبّاس تیز بصیرت اور مضبوط ایمان والے تھے۔ انہوں نے اپنے بھائی حسینؑ کی رفاقت میں جہاد کیا۔ مصائب و شدائد میں آزمائے گئے۔ اور اس آزمائش میں کامیاب اُترے۔ شہادت کا بلند مرتبہ پایا۔" عقیدۂ توحید میں بڑے راسخ تھے۔ صغر سنی کے عالم میں ایک مرتبہ بابا کی خدمت میں حاضر تھے۔ جناب امیر علیہ السّلام نے فرمایا، "قُلْ وَاحِدٌ"۔ بیٹا کہو "ایک" آپ نے کہا "وَاحِدٌ"۔ آپ نے کہا: "وَاحِدٌ" "ایک"۔ پھر فرمایا: "قُلْ اِثْنَانِ" شہزادے نے عرض کیا: بابا جس زبان سے ایک کہہ چکا ہوں، اس زبان سے دو کہتے ہوئے شرم آتی ہے۔ جناب امیرؑ نے بیٹے کا یہ جواب سُن کر آنکھوں کے مابین پیشانی کا بوسہ لیا۔ (یہ فرطِ محبّت کی نشانی تھی)

جناب عبّاس کی اولاد

جناب عبّاسؑ کی شادی حضرت عبداللہ بن عبّاس بن عبدالمطلب کی دختر دخترِ نیک اختر حضرت "لبابہ" سے ہوئی تھی۔ ان سے دو صاحبزادے ایک "فضل" جن سے آپ کی کنیت "ابوالفضل" ہے۔ دوسرے "عبیداللہ" آپ کی نسل حضرت عبیداللہ سے بڑھی ہے۔ علاوہ ازیں آپ کی مزید اولاد بھی معتبر کتاب میں مرقوم ہے۔ چنانچہ ایک کنیز کے بطن سے آپ کے فرزند پیدا ہوئے۔ جن کا نام "حسن" ہے۔ چوتھے قاسم، جن سے آپ کی کنیت "ابوالقاسم" بھی ہے۔ پانچویں ایک دختر بھی بیان کی جاتی ہے۔ جن کا نام کتب میں مسطور نہیں ہے۔ اور چھٹے صاحبزادے آپ کے محمد ہیں۔ اِس طرح پانچ لڑکے اور ایک لڑکی، چھ اولاد کے آپ باپ ہیں۔ ان میں سے دو صاحبان قاسم و محمد بعض کتب مقاتل کے مطابق شہدائے کربلا میں شامل ہیں۔ آپ کی اولاد امجاد بڑھی ہے۔ آپ کی اولاد میں سے بہت سارے صاحب علم و فضل گزرے ہیں چنانچہ آپ کی اولاد میں سے جناب حمزہ بن قاسم بن علی بن حمزہ بن حسن بن عبیداللہ بن عبّاس، جلیل القدر صاحبِ علم و فضل، ثقہ اور رفیع الشان بزرگ گزرے ہے۔ ان کی کنیت ابو یعلیٰ ہے اور ان کا مزارِ مقدس شہر حلّہ سے پانچ فرسخ دُور ایک گاؤں حمزہ نامی میں مرجعِ زیارت عام و خواص ہے۔ اور اس مرقدِ منوّر سے کرامات اور خوارق عادات امور کا ظہور ہوتا رہتا ہے۔

جناب عباس کی خدمات اور ان کی شخصیت کے اثرات

جناب امیر علیہ السلام کی بنی کلاب کی خاتون سے شادی کا مقصد ہی یہ تھا کہ ایک ذی حشم، طاقتور، صاحبِ رعب و جلال لڑکا پیدا ہو جو مصیبت کے وقت، مشکل حالات اور غم کی ساعات میں اہلِ بیت کا معاون و حامی ہو۔ اور اس شجاع و دلیر فرزند کی وجہ سے اہل بیت کے دکھے ہوئے دل سکون حاصل کر سکیں۔ اور ان کے سہمے بچے سایۂ امن میں رہیں۔ خوفِ اعداء اور دشمنوں کی یورش سے مخدراتِ عصمت محفوظ و مامون رہیں۔ کیونکہ کسی خاندان اور کنبہ میں بہادر اور دلیر مرد مرکزِ امن و سکون ہوتا ہے۔ اور اس کے سایۂ حفاظت میں تمام افراد قرار حاصل کرتے ہیں۔ اس کے وجود سے خوف امن کے ساتھ، اضطراب سکون کے ساتھ، رنج راحت اور دکھ سکھ کے ساتھ بدل جاتا ہے۔ اس کے دیکھتے ہی بہتے ہوئے آنسو تھم جاتے ہیں۔ جگر کے زخم بھر جاتے ہیں۔ آہیں اور سسکیاں رک جاتی ہیں۔ اور دل کی دھڑکنیں معمول پر آجاتی ہیں۔

یہ مقام اہلِ بیتِ عظام اور حسینی قافلہ، مسافرین کربلا میں ہاشمی اطفال و مستورات، مرکزِ وفا و محبت، قرارگاہِ غیرت و شجاعت جناب عباسؑ کو حاصل تھا۔ ان کے نام سے دشمنوں کے بدن کانپتے، اُن کے تصور سے فوجِ اشقیاء کا خون سوکھ جاتا۔ ان کی پُر رعب آواز سے اعصاب بے حس اور زہرے گداز ہو جاتے۔ ان کی ہیبت و حشمت کی وجہ سے کسی شقی کو خیامِ اہلِ بیت کی طرف آنکھ اٹھانے کی جرأت نہ ہوتی۔ تمام اہلِ بیت و انصار و اصحاب کے لئے یہ سایۂ امن و سکون تھے۔ اس سلسلہ میں جناب عباس علیہ السّلام کے اثرات اور خدمات سے ہم حاضرین و قارئین کو مستفید کرتے ہیں۔

وطنِ مالوف سے کوچ کے وقت مسافرین کے دل گھبرائے ہوئے تھے۔ طبیعتیں غمگین اور چہرے اُداس تھے۔ اسی طرح کسی اجنبی منزل پر قیام کے وقت یہی حالات پیش آتے ہیں۔ یعنی کوچ و قیام کے وقت گھبراہٹ اور خوف دامن گیر ہوتے ہیں۔ مسافرینِ کربلا کے لئے باعثِ سکون و راحت کوئی چیز تھی تو جناب عباسؑ و علی اکبرؑ ایسے مردانِ جری کا وجود تھا۔ چنانچہ کوچ و قیام کے وقت اطفالِ خوردسال اور ہاشمی مخدرات کے محملوں پر سوار کرتے وقت اور اتروانے کی نگرانی جناب عباس و علی اکبر کے سپرد تھی۔ جن سے اہلِ بیت کی مستورات کی ڈھارس بندھی

رہتی تھی۔ اور اطمینانِ قلب حاصل رہتا۔

یہ حقیقت ہے کہ جناب زہراؑ کی بیٹیوں کی نظر جناب عباس اور علی اکبر کے چہرے پر پڑتی تو رسول زادیوں کی سفر کی تھکاوٹ دُور ہو جاتی، اور خوف وہراس جاتا رہتا۔ اور ان کے گھوڑے سفر کے وقت جناب بتول کی بیٹیوں کے محملوں کے ہمراہ رہتے۔ اور جب کسی جنگل میں شب کے وقت قیام ہوتا تو اسد اللہ کے لال کا ہاتھ قبضۂ تلوار پر ہوتا۔ اہلِ بیت حالتِ خواب میں ہوتے اور علی کا شیر جاگ کر خیموں کا پہرہ دیتا۔ کیونکہ مدینہ اور مکہ سے رُخصت کے وقت ہوا خواہانِ بنو اُمیّہ نے دمشق میں امام حسین علیہ السّلام کے سفر کی اطلاعات پہنچادی تھیں۔ اور جوں جوں سفر کی منزلیں آگے بڑھتیں، خوف بڑھتا جاتا تھا۔ ؎

ہوتے تھے ادھر بھی شہِ مظلوم کے انصار ۔۔۔ پر جاگتے تھے حضرت عباس خوش اطوار
پھرتے کبھی گردِ خیام شہِ ابرار ۔۔۔ ڈیوڑھی پہ کبھی آتے تھے باندھے ہوئے ہتھیار
یوں رات بسر ہوتی تھی اِس عاشقِ رب کو ۔۔۔ جس طرح سے جنگل میں اسد پھرتا ہے شب کو

اسدِ آلِ محمد کی سقائی

ساتویں تاریخ محرّم سے اہلِ بیتِ رسول اور اصحاب و انصار پر مکمل طور پر پانی بند کر دیا گیا۔ اور گھاٹ پر پہرہ بٹھا دیا گیا۔ ظالموں کا یہ اقدام جناب عباس کی غیرت کو للکار رہا تھا۔ اور شیرِ حیدر کرار آزمائش میں تھا۔ اس وقت پیاسی مستورات اور تشنہ دہان اطفال کی نگاہیں لازماً جناب عباس کی طرف اٹھی ہوں گی۔ العطش العطش کی صدائیں جب غیرتِ بنی ہاشم کے کانوں سے ٹکرائی ہوں گی اور کملائے ہوئے معصوم چہرے جب حیدرِ کرّار کے فرزند اور ستم رسیدہ قافلہ کا امید گاہ نے دیکھے ہوں گے تو اس جسودِ محمّد جوان کے دل پر کیا گزری ہوگی۔ کیا جناب عباس کی غیرت گوارا کر سکتی تھی کہ سکینہ پانی مانگے اور غازی خیمہ کے سایہ میں بآرام بیٹھے؟ کیا مولائے مظلوم عباس کے ارمانوں سے واقف نہ تھے؟ کیا امامِ پاک غازی کے جذبات اس وقت کچل سکتے تھے؟ نہیں، ہرگز نہیں! مولا نے جب یہ کیفیت دیکھی، تو خود بُلا کے جناب عباس کو سیرابیٔ اطفال و اہلِ بیت کے لئے پانی لانے کا حکم دیا۔ اور اس طرح مولا عباسؑ کو اس خدمت کے بجا لانے کا حکم دیا۔

واقعاتِ کربلا کے مورخین شیعہ و سُنّی و غیر مسلم بالاتفاق لکھتے ہیں کہ ساتویں محرّم کو جب اہلِ بیتِ رسول پر بندشِ آب ہوئی اور اہلِ بیت پر پیاس کا غلبہ ہوا تو جناب عباس علیہ السّلام کی قیادت میں تیس سوار اور بیس پیادے بیس مشکوں کے ساتھ پانی لانے کے لئے گھاٹ پر روانہ

فرمائے جو کا میابی کیساتھ مشکیں پُر کر کے لائے۔ جس کی تفصیل حسب ذیل ہے :۔

جناب امام پاکؑ نے حضرت عباسؑ کو فرمایا : " یَا اَخِیُ اِمْضِ اِلیٰ الْفُرَاتِ وَ اٰتِنَا الْمَآءَ " فَقَالَ طَاعَۃً ۔" بھائی ! فرات کی طرف جاؤ اور ہمارے پاس پانی لے آؤ۔ جناب عباسؑ نے اس حکم کو خوش ہو کر قبول کیا اور اس خدمت کے بجالانے کا موقع پاکر" اسدِ آلِ محمدؐ ہتھیار سجا کر گھاٹ کی طرف یوں چلا جس طرح شیر شکار کی طرف چلتا ہے۔ اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے :

جب اہلِ بیت امام علیہم السلام پر پیاس کا غلبہ ہوا تو آپ نے جناب عباس علمدار کو بُلایا۔ تیس سوار بیس پیادے بیس مشکوں کے ساتھ ہمراہ کئے۔ جناب عباسؑ کی قیادت میں یہ قافلہ تعمیلِ آپ کے لئے جانبِ فرات روانہ ہوا۔ نافع بن ہلال آگے آگے تھے۔ جب حضرت نافع نہر میں داخل ہوئے تو پانچ سو پہرہ دار سواروں کے سردار عمرو بن حجاج نے آواز دی۔ کون ہو؟ اور یہاں کیوں آئے ہو؟ جناب نافع نے جواب دیا "میں نافع بن ہلال تمہارا چچازاد بھائی ہوں، یہاں پانی پینے آیا ہوں۔ عمرو بن حجاج نے کہا بڑی خوشی سے پیو۔ نافع نے کہا نہیں ! ہرگز نہیں۔ گو پیاسا ہوں مگر جب تک فرزندِ رسول سیراب نہ ہوں میں ایک قطرہ بھی نہ پیوں گا۔ اس اثناء میں عمرو کی نگاہ پڑ گئی کہ کئی آدمی نہر میں اتر کر مشکیزے بھرنا چاہتے ہیں۔ عمرو بن حجاج نے کہا" میں اسی کام پر مامور ہوں کہ خیامِ حسینی میں پانی نہ جانے پائے"۔ نافع نے اس بات کی پرواہ نہ کرتے ہوئے پیادوں کو مشکیں پُر کرنے کا حکم دیا۔ ادھر عمرو بن حجاج نے اپنے فوجیوں کو حملہ کرنے کا حکم دیا۔ ادھر سے حسینی سپاہ نے جوابی کارروائی شروع کردی۔ خاص طور پر جناب" اسدِ آلِ محمدؐ" غازیانِ کربلا نے دل کے ارمان نکالے، کھل کر دادِ شجاعت دی، گھاٹ خالی ہوگیا۔ کئی مردود مارے گئے، باقیوں نے راہِ فرار اختیار کی اور غازیانِ اسلام بیس مشکیں بھر کے سلامتی کے ساتھ خیامِ حسینی میں پہنچ گئے۔ جناب امام حسین علیہ السلام، اہلِ بیت و انصار نے پانی پیا۔ مگر یہ پانی پوری طرح پیاس نہ بجھا سکا۔ کیونکہ پینے والے کافی تھے۔ بیس مشکیں کیا کرتیں۔ اس کے بعد پیاس کا پھر غلبہ ہوگیا۔ اسی وجہ سے جناب عباسؑ کا لقب سقّا مشہور ہوا۔ بعض ساتویں کا دن اور بعض ساتویں اور آٹھویں کی درمیانی شب کا یہ واقعہ تحریر کرتے ہیں۔ اسی واسطے یہ" تاریخیں جناب عباس علیہ السلام سقائے اہلِ حرم کے ساتھ خصوصیت رکھتی ہیں۔

ایمان کی پختگی اور عزم و ثبات شمر نے امان نامہ لکھوا کر جناب عباسؑ کو امام پاکؑ کی

رفاقت سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ مگر جناب عباسؑ نے شمر اور اس کے امان نامہ پر لعنت بھیجی۔ جناب عباسؑ کے یہ الفاظ ہیں: "تَبَّتْ یَدَاكَ وَبِئْسَ مَا جِئْتَنَا بِهٖ اَمِنُ اَمَانِكَ یَا عَدُوَّ اللّٰهِ اَتَاْمُرُنَا اَنْ نَتْرُكَ اَخَانَا وَسَیِّدَنَا الْحُسَیْنَ بْنَ فَاطِمَةَ وَنَدْخُلَ فِیْ طَاعَةِ اللُّعَنَاءِ وَاَوْلَادِ اللُّعَنَاءِ۔" تیرے ہاتھ ٹوٹ جائیں۔ بہت ہی برا ہے تیرا امان نامہ جو تو لایا ہے۔ اے دشمنِ خدا تو ہمیں یہ کہنے کی جرأت کرتا ہے کہ ہم اپنے بھائی و سردار فرزندِ بتول کو چھوڑ کر لعینوں اور ان کی اولاد کی اطاعت کریں"۔ جناب عبدالرزاق الموسوی المقرم اپنی کتاب مقتل الحسینؑ میں رقم طراز ہیں کہ جب عباسؑ شمر لعین کے امان نامہ کو مسترد کر کے واپس آئے تو زہیر بن قین نے علم اٹھایا اور جناب عباسؑ کے پاس جا کر کہنے لگے "یا ابن امیر المومنین! میں آپ کو ایک بات بتاتا ہوں، کہ جناب امیر علیہ السّلام نے بنی کلاب کی خاتون اور آپ کی والدہ ماجدہ سے اس غرض سے شادی کی تھی کہ شجاع لڑکا پیدا ہو۔ جو میرے بیٹے حسینؑ کا قوّتِ بازو اور زورِ کمر ہو۔ اور آپ ایسے ہی دن کے لئے ذخیرۂ قوّت اور خزینۂ طاقت ہیں۔ پس فرزندِ بتول کی نصرت اور ہاشمی مخدرات کی حفاظت سے کوتاہی نہ کرنا۔ زہیر بن قین کی اس تقریر سے جناب غازی عباسؑ کے خون میں مزید حرارت پیدا ہوئی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جناب عباسؑ گھوڑے پر سوار تھے۔ حیدری شجاعت نے جو جوش مارا۔ علی کے شیر نے انگڑائی لی۔ رکابوں کے تسمے ٹوٹ گئے۔ اور فرمایا کہ زہیرا ایسے دن میں میری شجاعت کو جوش دلاتے ہو۔ میری غیرت کے ارمانوں کو للکارتے ہو۔ زہیر! آج میں تمہیں شجاعت کے وہ جوہر اور قوت کا وہ کمال دکھاؤں گا، جو تم نے پہلے کبھی نہ دیکھا ہوگا۔ زہیر بن قین کی یہ بات جناب عباسؑ کے ساتھ یوم عاشور بیان کی جاتی ہے۔

چنانچہ جناب فاضل مقرم مزید تحریر فرماتے ہیں کہ جناب عباسؑ نے میدانِ کارزار میں شجاعانِ فوج کوفہ و شام کے چھکے چھڑا دیئے اور بہادرانِ بے دینوں کے سر مثلِ گیند اڑتے اور بدن خون میں لوٹتے اور ان کے جھنڈے الٹے گرتے نظر آتے تھے حالانکہ اس وقت ان کا مقصد جدال و قتال نہ تھا بلکہ اطفالِ حسینؑ کو پانی پہنچانا مقصود تھا۔

عمر بن سعد کے ساتھ مختلف راتوں میں گفت و شنید کے وقت جناب عباسؑ اور علی اکبرؑ ہمراہ رہے۔

نویں کے دن جب سپاہِ ابن سعد ہجوم کر کے حملہ کی نیت سے خیامِ حسینی کے قریب پہنچ

گئی۔ تو اس وقت جنابِ امامِ پاکؑ نے جناب عباسؑ کو ان کا ارادہ معلوم کرنے کے لئے بھیجا اور جنگ ملتوی کرنے کیلئے بھیجا۔ مہلت طلب کرنے میں آپ جناب امامِ پاکؑ کے سفیر کی حیثیت سے ابنِ سعد وغیرہ سے گفتگو کرتے رہے اور اس کام کو نہایت حُسنِ تدبر، حکیمانہ اندازِ تکلم سے سرانجام دیا۔

شبِ عاشور خطبہ کے بعد امام پاکؑ نے اقرباء و انصار کو جانے کی رخصت دی اور بیعت کا قلادہ گردنوں سے اتارنے اور آزاد کرنے کا مشورہ دیا تو اہل بیت علیہم السّلام میں سے سب سے پہلے اسی قمر بنی ہاشم اور اسدِ آلِ محمد نے عزم و وفا، مضبوط ایمان، دلیرانہ انداز اور مومنانہ و مخلصانہ اطوار کے ساتھ قربانیاں دینے اور نصرتِ امام اور حمایتِ اسلام کا اعلان کیا۔ روزِ عاشور جناب سیّد الشہداء علیہ السّلام کے ساتھ سایہ کی طرح ہمراہ رہے۔ اور اکثر شہداء کی لاشوں پر آپ امامِ مظلوم کے ساتھ پہنچے۔ کئی ایک مجاہدین شہداء جب نرغہ اعداء میں گھر گئے۔ تو جناب عباسؑ ان کی امداد کو پہنچے۔ جیسا کہ کتبِ مقاتل میں مذکور ہے کہ عمرو بن خالد، ان کے غلام سعد، مجمع بن عبداللہ اور جنادہ بن حارث جب جنگ کرتے ہوئے نرغۂ اعداء میں گھر گئے تو مولائے مظلوم نے جناب عباسؑ کو ان کی امداد کے لئے روانہ کیا۔ جناب عباسؑ نے تنِ تنہا اعداء بے دین پر حملہ کیا اور ان اصحابِ باوفا کو نرغۂ اعداء سے نکالا اور لشکرِ اعداء کو ان سے مار بھگایا۔ لیکن یہ حضرات زخموں کی کثرت سے نڈھال ہو چکے تھے اور شربتِ شہادت نوش کرنے کی سعادت کے لئے بے قرار تھے۔ اس واسطے جناب عباسؑ کے ساتھ واپس جانے کے لئے آمادہ نہ ہوئے۔ انہوں نے کہا کہ ہم زندگی کے نہیں موت کے طلب گار ہیں۔ اور واپس جانے کے لئے نہیں آئے۔ شہادت کی تمنا ہمیں میدان میں لائی ہے۔ اس واسطے وہ میدان میں پھر مصروفِ جہاد ہوئے یہاں تک کہ یہ چاروں حضرات اسی ایک جگہ مرتبۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

واقعاتِ شجاعت و شہادت

جناب عباس علمدارؑ کی تاخیرِ شہادت کی وجہ غالباً یہ ہے کہ آپ جناب امام پاکؑ کے قوتِ بازو تھے اور فوجِ مختصر کے سپہ سالار، دستور ہے کہ جب کسی فوج کا سپہ سالار اور غازیوں کا قائد مارا جائے تو فوج کے حوصلے اور مجاہدین کے دل ٹوٹ جاتے ہیں۔ جذبات پست ہو جاتے ہیں اور اس کے وجود سے عزائم بلند، ارادے مضبوط اور جمعیت مستحکم رہتی ہے۔ اس واسطے جناب

عباس کو آخر تک اپنے ساتھ رکھا۔ اور کئی مشکلات میں یہ قوتِ بازو اور زورِ کمر رہے۔

علاوہ ازیں مستورات و اطفال کی ڈھارس جناب عباسؑ کے وجودِ پاک سے بندھی رہی۔ کیونکہ یہ ان کی تسکینِ قلب اور اضطراب کے وقت باعثِ تسلی تھے۔ حفاظتِ مخدراتِ عصمت اور خیامِ اہلِ بیت کی نگرانی کا ہر دم امامِ پاک کو خیال رہا۔ اعداء اشقیاء نے خیموں کی جانب رُخ کیا لیکن انصار و جوانانِ بنی ہاشم نے جناب عباسؑ کی قیادت میں ان کے ہر حملہ کو ناکام کیا اور اشقیاء بے دین کو اِس مقصد میں بُری طرح ناکام کیا۔ اپنے حینِ حیات میں ان غازیانِ حق و صداقت اور ناصرانِ امامِ وقت نے خیامِ اہلِ بیت کی پوری طرح حفاظت کی اور مستورات و اطفال کو کسی قسم کی کوئی گزند نہ پہنچنے دی۔ اس واسطے آخر تک جناب عباس کا وجود ضروری تھا۔ خیامِ پاک میں جب کبھی اضطراب پھیلتا، مستوراتِ اہلِ بیت پر خوف و ہراس طاری ہوتا اور اہلِ بیت کے خورد سال بچے دُکھ درد سے بے تاب ہو کر نالۂ شیون و غم بلند کرتے تو امامِ پاک ان کو تسلّی دیتے۔ کبھی آپ خود آتے اور کبھی جناب عباس کو بھیجتے۔ جن کی آرام دہ آواز دھڑکتے دِلوں کو مطمئن، گھبراہٹ کو دُور اور حوصلوں کو بلند کر دیتی اور خیموں میں گریہ و بکا کی آوازیں خاموش ہو جاتیں۔ کیونکہ یہ دُکھی دِلوں کا سہارا اور مخدراتِ عصمت و طہارت کے پردوں کے محافظ تھے۔

جب مولائے مظلوم کی جمعیت ختم ہو گئی، مختصر سی بہادر فوج داوِ شجاعت دیتے ہوئے شہید ہو گئی، تمام رُفقاء عہدِ وفا پورا کر کے راہیٔ ملکِ بقا ہو گئے۔ خیموں کی رونقیں ختم ہو گئیں، انصار و اقرباء رخصت ہو گئے۔ زہرا کا لال تنہا رہ گیا اور خیموں میں معصوم بچوں کے گلوں سے العطش العطش کی صدائیں زور پکڑ گئیں۔ بربادگھر اور سیدانیوں کے کھلے سر جناب عباسؑ سے دیکھے نہ گئے، ام البنین کے لال کے جذباتِ غیرت اُبھر آئے۔ دِل خراش نالوں سے حیدری شجاعت کے ارمان غازی کے سینے میں مچلنے لگے تو اب جناب عباس کو صبر کا یارا نہ رہا۔ زندگی سے دِل بے زار ہو گیا، اندرونِ سینہ گھٹن بڑھ گئی۔ جناب امام مظلوم کی خدمت میں حاضر ہو کر رخصت طلب کی، یَا اَخِیْ ھَلْ مِنْ رُخْصَتِی"۔ " بھائی جان! مجھے بھی اجازت مرحمت فرمائیں گے، امام نے آہِ سرد بھری اور کڑیل جوان پر نگاہ ڈالی۔ فرمایا " یَا اَخِیْ اَنْتَ صَاحِبِ لِوَائِیْ"۔ بھائی تم تو میرے علمدار ہو۔ اِس کے بعد امامِ پاک بھائی کو گلے لگا کر بہت روئے۔ میں عرض کروں گا کہ اِس سے زیادہ رونے کا اور کون سا مقام تھا۔ تمام سپاہ کی رخصت ایک طرف اور سپہ سالار کی رخصت ایک طرف۔ تمام انصار و اقرباء کی جدائی کے صدمہ سے وفادار و

زور کمر بھائی کی رفاقت کا صدمہ کم نہ تھا۔

جناب عباس نے پھر عرض کی: "لَقَدْ ضَاقَ صَدْرِیْ وَسَئِمْتُ مِنَ الْحَیٰوۃِ وَاُرِیْدُ اَنْ اَطْلُبَ ثَارِیْ مِنْ هٰؤُلَاءِ الْمُنَافِقِیْنَ"۔ میرا سینہ تنگ ہوگیا ہے۔ زندگی سے ملول ہوگیا ہوں، میں چاہتا ہوں کہ اِن منافقین سے انتقام لوں، امام مظلوم نے جواب میں اتنا فرمایا: فَاطْلُبْ لِهٰؤُلَاءِ الْاَطْفَالِ قَلِیْلًا مِنَ الْمَاءِ۔ منتخب میں ہے کہ جناب نے فرمایا: اِذَا غَدَوْتَ اِلَی الْجِهَادِ فَاطْلُبْ لِهٰؤُلَاءِ الْاَطْفَالِ قَلِیْلًا مِنَ الْمَاءِ۔ جب جہاد کے لئے آپ جانا چاہتے ہیں تو ان پیاسے بچوں کے لئے کچھ پانی لے آئیں۔

یاد رہے کہ امامِ پاکؑ نے جنابِ عباسؑ کو دفاعی جنگ سے روکا نہیں۔ امامِ پاک اور ان کے انصار واقربا کی یہ تمام لڑائی دفاعی تھی۔ آغازِ جنگ تو عمر بن سعد نے تیر پھینک کر کیا تھا۔ اس وقت پانی لانے کی اہمیت کی طرف توجہ دلائی۔ کیونکہ ان کے بعد پانی لانے والا اور کوئی نہ رہ گیا تھا۔ کسی روایت میں یہ نہیں ملتا کہ امام پاکؑ نے جناب عباس کو دفاعی جنگ سے روکا ہو اور امام علیہ السّلام کو یہ بھی معلوم تھا کہ گھاٹ پر چار ہزار کا پہرہ ہے اور بغیر لڑائی کے پانی کا حصول ناممکن ہے۔ اس واسطے پانی کے لئے بھیجنا ایک قسم کی اجازتِ جنگ تھی۔ تنہا حضرت عباس کا چار ہزار لشکرِ جرّار سے لڑنا یہ جنگ اور اجازت جنگ نہیں؟

حضرت عباسؑ اجازت پاکر خیام سے کس طرح رخصت ہوئے اور ستم رسیدہ بیبیوں نے کس طرح اس کڑیل جوان کو وداع کیا۔ زبان بیان نہیں کرسکتی۔ قلم لکھ نہیں سکتا۔ کیونکہ ان کی امیدوں کا ذخیرہ اور اُن کے دکھوں کا مداوا ختم ہورہا تھا۔ ان کے بے چین دلوں کا سہارا ٹوٹ رہا تھا۔ عباس ہی سے ان کی آس وابستہ تھی۔ پردہ داروں کو اپنے پردوں کی فکر پڑگئی۔ انہیں خیموں کے ستون گرتے نظر آرہے تھے۔ بچے کلیجے پکڑ کر رہ گئے۔ عباس درمیان میں تھے۔ گریہ کی صداؤں اور درد بھری آہوں نے عباس کو گھیر لیا۔ بہتے ہوئے آنسوؤں، دھڑکتے ہوئے دلوں، درد بھرے نالوں، چلاتے ہوئے بچوں اور سر پیٹتی ہوئی بہنوں نے درِ خیمہ سے رخصت کیا۔ جناب عباسؑ نے مشک لی، ہتھیار اٹھائے اور خیمہ سے باہر نکلے۔ اس مقام پر میر انیس مرحوم نے خیمہ سے نکلنا نظم کیا ہے ؎

یہ سُن کے سکینہ نے جو دی مشک بصد غم — آہستہ کہا شہ نے بہن سے کہ موئے ہم
سنبھلا جو نہ دل بیٹھ گئے قبلۂ عالم — عباسؑ چلے گھر سے بپا ہوگیا ماتم
یوں خیمے کے پردے سے وہ صفدر نکل آیا

گویا کہ قمر بُرج سے باہر نکل آیا

جناب عباسؑ گھوڑے پر ہتھیار اور مشک لئے میدان جنگ میں آئے۔ عمر بن سعد کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: "پسرِ سعد! یہ حسینؑ نواسۂ رسول ہیں، تم نے ان کے اقربا و انصار کو شہید کیا۔ اب ان کے پاس سوائے کمسن بچوں اور مستورات کے کوئی نہیں رہ گیا۔ مرد تو سب مارے گئے، اب تنہا حسینؑ رہ گئے ہیں۔ بچے اور اہلِ حرم شدتِ پیاس سے تڑپ رہے ہیں۔ کیا بندش آب ختم نہیں ہوتی۔" اس درد بھری تقریر سے بعض لوگ رونے لگ گئے۔ اور بعض بے حیاؤں نے شرمندگی سے سر جھکا لئے۔ فوج کی حالت بدل گئی۔ شمر لعین اور شیث بن ربعی کمینے نے نہایت شقاوت سے کہا: "ابو تراب کے بیٹے! اگر تمام روئے زمین پانی ہو جائے اور وہ ہمارے قبضہ میں ہو تو پھر بھی ایک قطرہ فرزند رسول اور ان کے عیال کو نہ دیں گے۔ تاوقتیکہ وہ بیعتِ یزید میں داخل نہ ہوں"۔ ان منافقوں کا کافرانہ جواب سُن کر جناب عباسؑ مولائے مظلوم کے پاس مایوسانہ حالت میں آئے اور سارا ماجرا بیان کیا۔

غریب و بے کس امام کچھ نہ کہہ سکے، سر جھکا کر اتنا روئے کہ گریبان آنسوؤں سے تر ہو گیا۔ ادھر خیام سے العطش العطش کی جگر پاش صدائیں غازی کے کانوں سے ٹکرا رہی تھیں۔ پیاس بڑھ گئی۔ اور جمعیت ختم ہو رہی تھی۔ اس وقت امام پاک اور غازی عباسؑ کی پوری توجہ پانی کی طرف تھی۔ مولائے مظلوم کی انتہائی خواہش تھی کہ زندگی میں درد رسیدہ مستورات اور یتیم بچوں کو پانی سے سیراب دیکھ لوں، میرے بعد انہیں کون پانی پلائے گا۔ جناب عباسؑ نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور رجز پڑھتے ہوئے فرات کا رُخ کیا۔ ؎

لا اَرھبُ الموتَ اذا الموتُ رقا	حتیٰ اواری فی المصالیت اللقاء
نَفسی لنفس المصطفیٰ الطہر وقا	ولا اخاف طارقا ان طرقا
بل اضرب الہام وافری المفرقا	انی انا العباس اغدو بالسقا

ولا اَخافُ الشرّ یوم الملتقیٰ

حیدرِ کرّار کا فرزند مشک سنبھالے جانبِ فرات بڑھا۔ اعداء کی صفیں حائل ہوتی رہیں لیکن صفدر کے پسر نے صفوں کو چیرتے ہوئے حملہ آور بہادروں کو ہلاک کرتے ہوئے فرات کی جانب پیش قدمی جاری رکھی۔

اسدِ آلِ محمد گھاٹ پر جس وقت ابتدائے بندشِ آب میں حسینی گروہ طلبِ آب کے لئے گیا تھا تو اس وقت پچاس مجاہد تھے۔ اور پانچ سو مخالف پہرہ دار تھے، اب

تنہا صرف ایک عباس ہیں اور چار ہزار پہرے دار کیونکہ عمر بن سعد نے پانی روکنے کے انتظام سخت کر دیئے اور پہرے داروں کی تعداد بڑھا دی تھی۔

آلِ محمد کا ضرغام تیغِ بُرّاں اور نوکِ سناں سے راستہ بناتا ہوا۔ سپاہِ بے پناہ کو راہ سے ہٹاتا ہوا، روکنے والوں کو روندتا ہوا اور گھیراؤ کو چیرتا ہوا لبِ فرات پہ پہنچ گیا۔ چار ہزار ناری جو محافظینِ فرات تھے یکدم حرکت میں آگئے۔ اور چاروں طرف سے ٹوٹ پڑے۔ ؎

ساحل پہ قیامت کی صف آرائی ہوئی تھی
لشکر تھا کہ دریا پہ گھٹا چھائی ہوئی تھی

اب اسد اللہ کو اظہارِ شجاعت کا موقع ملا۔ ضرغامِ بنی ہاشم نے تلوار کے قبضہ پہ ہاتھ رکھا۔ بس کیا تھا۔ بجلی تھی جو قہرِ خدا بن کر اعداءِ اشقیاء پہ گری۔ سر اُڑتے اور دھڑ گرتے نظر آرہے تھے صفیں بکھر گئیں، دَم سینوں میں رُک گئے۔ حوصلے چھوٹ گئے۔ دِل ٹوٹ گئے۔" اسدِ آلِ محمدؐ غضبناک ہوکر کوفہ و شام کے ریوڑ میں گھس آیا۔ حمزہ کی آن، جعفرِ طیّار کی نشان، حیدرِ کرّار کی جان، فرات کے کنارہ پہ جلوہ گر تھی۔ بدر و خیبر کی لڑائی اور خندق و حنین کے معرکے، آنکھوں کے سامنے آگئے۔ اُمّ البنین کا لال، مادری تمناؤں کو سُرخرو کر رہا تھا۔ ہاشمی شجاعت اموی رذالت سے برسرِ پیکار تھی۔ کشتوں کے پُشتے اور لاشوں کے ڈھیر لگ گئے۔ ناریوں کا لہو مثلِ سیل بہہ رہا تھا اور نابکاروں کے ناپاک مُردوں سے ساحلِ فرات پٹ گیا تھا۔ یکایک اس بے دین لشکر میں بھگدڑ مچ گئی۔ ؎

چھوڑ دو گھاٹ یہ غُل لشکرِ بے پیر میں ہے
قوّتِ دستِ خدا بازوئے شبّیر میں ہے

ہاشمی و کلابی شجاعت کے مالک نے ان بے غیرت و بے حیا فوج کی صفوں کو اِس طرح درہم برہم کیا کہ اگر دائیں طرف سے داخل ہوتے تو مار بھگاتے بائیں جانب سے آنکلتے۔ اور اگر بائیں جانب سے گھستے تو ان حرام زادوں کو کچلتے ہوئے دائیں حصّے سے برآمد ہوتے۔ چار ہزار کا لشکر اور ان پہ ایک عباس اِس طرح غالب آگئے کہ پرے پراگندہ ہوگئے۔ صفیں صاف ہوگئیں۔ پہرے کے بادل چھٹ گئے۔ کچھ ہٹ گئے کچھ کٹ گئے۔ گھاٹ خالی ہوگیا۔ اور ساحلِ فرات پہ ایک عباس ہیں اور ایک ان کا گھوڑا۔ پسرِ شیرِ خدا نے فرات پر مکمّل قبضہ کر لیا۔ ترائی میں گھوڑا اُترا۔ پانی میں داخل ہوا۔ سوار بھی پیاسا، راہوار بھی تشنہ۔ مولا عباس نے باگیں ڈھیلی کردیں کہ اسپِ باوفا سیراب ہولے۔ مگر وفادار کا وفادار راہوار تھا۔ وفا و حیا کے ماحول میں پلا پوسا تھا۔ ؎

پانی پئے کس طرح علمدار کا گھوڑا
پیاسا ہے ابھی سیّدِ ابرار کا گھوڑا

علمدارِ شبّیر گھوڑے سے اترے۔ شدّتِ پیاس اور قلب و جگر کباب ہو رہے تھے۔ ہاتھوں

نے پانی کو چھوا۔ پانی کی ٹھنڈک محسوس ہوئی لیکن آقا حسینؑ اور ان کے اطفال و عیال کی پیاس کی تقلید میں دہن و زبان کو پیاسا رکھا۔ ان کی تشنہ دہانی پر اپنی سیرابی کو سبقت نہ دی۔ پانی سے چلو بھرا۔ دشمنوں کو اپنا قبضہ و غلبہ دکھایا۔ مگر امّ البنین کے پیاسے لال نے فرزندِ فاطمہ کے جانباز سپاہی اور زینب کے وفادار بھائی نے وہی پانی دریا کی لہروں کے سپرد کر دیا۔ مشک بھر لی اور خود سوکھے گلے اور تشنہ لبوں کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے۔

یہ سُن کے علمدار کی آنکھیں ہوئیں پُرنم سیراب کیا مشکِ سکینہ کو بصد غم
مُنہ باندھ کے تسمہ سے رکھا دوش پہ جس دم کی عرض مدد کیجیو اے حافظِ عالم
تو مشک کا حافظ، نگہبان ہے عَلَم کا یارب میں بہشتی ہوں پیمبر کے حرم کا

سقائے سکینہ گھوڑے پر سوار دریا کی ترائی سے باہر نکلا۔ عمر بن سعد نے دیکھا کہ اگر پانی خیموں میں پہنچ گیا تو علی کے دونوں پسر حسینؑ اور عباسؑ ہماری بقیہ فوج کے لئے کافی ہیں اس وقت اس تمام لشکر کو اکٹھا کر کے چاروں طرف سے بھرپور حملہ کیا ۔ اور کمان داروں کو چلّے چڑھانے کا حکم دیا۔

حضرات! آپ غور فرماویں کہ ادھر تنہا علی کا لال، پھر دُکھا ہوا دل صدمات سے دوچار قلب و جگر فگار تشنہ لب، ادھر لشکرِ جرّار ہر قسم کے ہتھیاروں سے آراستہ، گھاٹ خالی کرا دینا کنارے پر قبضہ کر لینا۔ اور فوجِ مخالف کا بھیڑ بکریوں کی طرح بھاگنا۔ عبّاس کی شجاعت و ہمت کا ثبوت ہے یا نہ؟ ہاشمی و کلابی خاندانوں کی بہادری کا مظاہرہ ہے یا نہ؟ پھر سامنے آ کر کوئی مقابلہ نہیں کرتا۔

عمر بن سعد کے حکم سے تیر اندازوں نے کمانیں سنبھالیں اور سینکڑوں تیر بیک وقت کمانوں سے نکلے۔ جن کا ہدف جسمِ عبّاس تھا۔ یہی ایک ہتھیار فوجِ مخالف کے پاس تھا جس کی وجہ سے ابنِ سعد کو مادی فتح اور ظاہری کامیابی حاصل ہوئی۔

تلوار اور نیزہ کی لڑائی، دست بدست جنگ، اور مبارز طلبی کی نبرد آزمائی میں اگر تمام عرب و عراق اور شام و مصر کی افواج بھی اکٹھی ہو جائیں تو انصارِ حسینی اور جوانانِ بنی ہاشم کے مقابلہ میں کبھی کامیابی حاصل نہ کر سکتیں۔ جو آتا زندگی سے ہاتھ دھو کر جاتا۔ مگر تیر ایسے ہتھیار تھے جو دُور سے پھینکے جاتے۔ یہ کام تو بزدل اور ہر قسم کے لوگ بھی کر سکتے ہیں۔ اور یہ تیر انداز سینکڑوں نہیں ہزاروں کی تعداد میں تھے۔ بیک وقت سینکڑوں تیر جب ایک بدن کی طرف رُخ کرتے

توحسینی مجاہد کا بدن چھلنی کی مانند ہوجاتا، خون بہہ جاتا اور زخموں کی کثرت ناتواں کر دیتی اور مجروح مجاہد نڈھال ہو کر سفرِ آخرت اختیار کر جاتا۔

یہ حال "اسدِ آلِ محمدؐ" کے ساتھ دریا کی ترائی سے باہر نکلتے وقت ہوا۔ چاروں طرف سے تیروں کی برسات شروع ہوگئی۔ سوفاروں کے مینہ میں بھی علیؑ کے شیر نے گھوڑے کو دوڑائے اور مشک کو گلے لگائے رکھا۔ جب فرات کا کنارہ چھوڑا تو رُخ سیدھا خیمہ گاہ کی طرف کیا۔ مشک دائیں شانے میں تھی۔ تلوار، نیزہ، یہ دو ہتھیار تھے۔ عَلَم کو بلند رکھنے کی ذمہ داری بھی تھی۔ راہوارِ وفادار بھی نہایت تیز رفتاری کے ساتھ تیروں کی ژالہ باری کا مقابلہ کرتے ہوئے جانبِ خیام رواں تھا اس وقت سقائے اہلِ حرم کے سامنے زندگی سے بھی عزیز یہ مقصد تھا۔ تو یہ کہ پانی خیموں میں پہنچ جائے۔ یہ آرزو تھی سقائے سکینہ کی اور انتہائی آرزو تھی۔

تاہم سپاہِ ابن سعد لپسپا ہو رہی تھی۔ غازی نوکِ نیزہ کے ساتھ اپنے سامنے سے بھیڑ ہٹاتا اور راستہ بناتا آگے بڑھ رہا تھا۔ کمینے دشمن نے کمین گاہوں کو تاکا اور چھپ کر حملے کرنے کی سازش کی۔ علمدار گھوڑا بڑھائے تیزی سے خیام کی طرف جا رہا تھا کہ ایک شقی ملعون اور کمینہ بے دین زید بن ورقاء نے کمین گاہ سے چھپ کر دائیں جانب پر اس زور سے وار کیا کہ غازی کا دایاں بازو کٹ کر زمین پر گر پڑا۔ ہوشیار مجاہد نے تیزی کے ساتھ مشک بائیں کندھے پر ڈال دی۔ اور نیزہ وعَلَم کو سنبھال کر بائیں ہاتھ سے دفاع کرنے لگا۔ گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ اس وقت پسرِ حیدرِ کرار نے یہ اشعار پڑھے۔ ؎

وَاللهِ اِنْ قَطَعْتُمْ یَمِیْنِیْ	اِنِّیْ اُحَامِیْ اَبَدًا عَنْ دِیْنِیْ
وَعَنْ اِمَامٍ صَادِقِ الْیَقِیْنِ	نَجْلِ النَّبِیِّ الطَّاهِرِ الْاَمِیْنِ

زبان پر اشعار، ہاتھ میں تلوار، کشت و خون کا بازار گرم تھا۔ جراحات کی کثرت اور تیروں کی ژالہ باری نے غازی کے جسم کو کمزور کر دیا۔ خون زیادہ بہہ گیا اور طاقتِ بدن گھٹ گئی۔ لیکن دفاع بدستور جاری رکھا۔ رفتار میں کمی نہ آئی، اسی اثناء میں نوفل بن ازرق نے کمین گاہ سے چھپ کر حملہ کیا اور حسینی سپہ سالار کا بایاں بازو بھی کٹ کر زمین پر گر پڑا۔ علمدار نے فوراً مشک کا تسمہ مُنہ میں ڈالا۔ تسموں کو دانتوں سے دبایا۔ بازوؤں کی پرواہ نہ کی۔ پوری توجہ مشک کی حفاظت پر تھی۔

بایاں شانہ قلم ہونے کے بعد جناب عباسؑ یہ اشعار پڑھ رہے تھے ؎

یَانَفْسُ لَا تَخْشَیْ مِنَ الْکُفَّارِ ۔ وَ اَبْشِرِیْ بِرَحْمَۃِ الْجَبَّارِ
مَعَ النَّبِیِّ السَّیِّدِ الْمُخْتَارِ ۔ قَدْ قَطَعُوْا بِبَغْیِہِمْ یَسَارِیْ
فَاَصْلِہِمْ یَارَبِّ حَرَّ النَّارِ

اَب جناب عباسؑ بازوؤں سے محروم ہو گئے، بدن نڈھال ہوگیا۔ زخموں کی کثرت سے خون بہہ گیا۔ مگر دل قوی تھا۔ عزم پختہ اور قوتِ ارادی مضبوط تھی۔ اب لڑائی کے تو قابل نہ رہے، نہ تلوار پکڑ سکتے تھے اور نہ نیزہ۔ مشک بھی دانتوں سے سنبھالی ہوئی ہے۔ مقصد صرف مشک بچانا، اور پانی خیمہ میں پہنچانا ہے۔ مگر کیا کریں تیروں کی بارش ہے۔ پہلے ہی کتنے تیر بدنِ اقدس میں پیوست ہیں۔ اب غازی کا طریقہ یہ ہے کہ سامنے سے جو تیر آتا ہے آپ اپنا سینہ مشک پر رکھ دیتے ہیں، مشک پر جھک جاتے۔ جو تیر آتا بدن پر لے لیتے اور مشک بچانے کی کوشش کرتے، مگر یہاں کوئی دس بیس تیر تو نہ تھے۔ ہزاروں کمانیں تیر برسا رہی تھیں، باوجود امکانی کوشش کے ایک تیر مشک میں آ لگا۔ مشکیزہ چھد گیا اور محنتوں و جانفشانی سے بھرا ہوا پانی زمین پر بہہ گیا۔ عباسؑ کی آہ نکلی۔ اتنا کہا کہ کاش میرا خون سارا بہہ جاتا، پانی بچ جاتا۔ اب آس ٹوٹ گئی۔ امیدوں پر پانی پھر گیا۔ ارمانوں کا خون ہوگیا۔ طاقت ختم ہوگئی۔ اتنے میں حکیم بن طفیل نے سرِ اقدس پر آہنی گرز مارا۔ سر پہلے ہی زخموں سے بھرا ہوا تھا۔ گرز لگنے سے شگافتہ ہوگیا۔ ؎

زخم تھے کہ پڑا فرق پہ گرز ایک شقی کا ۔ شق ہوگیا سر حضرت عباسؑ علی کا

جناب عباسؑ اب گھوڑے پر سنبھل نہ سکے اور کٹے ہوئے بازوؤں کے ساتھ ناچار زمین پر گر پڑے۔ آہ! وہ بہادر جس کی بارعب آواز سے بہادروں کے دل دہل جاتے تھے۔ جس نے گھاٹ خالی کرا دیا تھا۔ وہ شیر مجروح ہو کر فرشِ زمین پر گر پڑا اور گرتے ہی آواز دی۔ "عَلَیْکَ مِنِّیْ السَّلَامُ یَا اَبَا عبد اللہ" حسینؑ پر میرا آخری سلام قبول ہو۔

جناب فاضلِ محترم "مقتل الحسینؑ" میں لکھتے ہیں کہ میں نے عالم فاضل جناب شیخ کاظم سبتی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میرے پاس ایک فاضل جلیل معتبر و معتمد عالم آئے۔ اور کہا کہ میں جناب عباسؑ کا قاصد ہوں، میں نے آنجناب کو خواب میں دیکھا۔ وہ آپ پر ناراض ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ "اے شیخ کاظم سبتی! تو میری خاص مصیبت کا ذکر نہیں کرتا۔" وہ عالم بیان کرتے ہیں کہ میں نے حالتِ خواب میں آنجناب سے عرض کیا کہ حضور میں ہمیشہ

ان کی زبان سے آپ کے درد بھرے مصائب سنتا رہتا ہوں۔ تو جناب نے فرمایا کہ "شیخ کاظم سبتی سے کہو کہ یہ مصیبت مجلس میں بیان کرے کہ جب سوار گھوڑے سے گرتا ہے تو زمین پہ ہاتھوں کا سہارا لیتا ہے۔ جب سوار کے سینے میں تیر پیوست ہوں اور بازو قلم ہو چکے ہوں وہ کس چیز کا سہارا لے اور کس بل پر زمین پر گرے۔

جناب امام مظلوم نے بھائی کی صدائے استغاثہ سنی اور آخری سلام کی آواز پہنچی تو کیا حالت ہوگی۔ دنیا آنکھوں کے سامنے اندھیر ہوگئی، کمر پہ ہاتھ رکھ کے اُٹھے۔ اور اُٹھتے بیٹھتے میدان میں تشریف لائے اور جان نثار بھائی کے سرہانے کھڑے ہوگئے، دیکھا کہ قوّتِ بازو اور زورِ کمر خون میں غلطان، زخموں سے چُور، زخمی سینہ اور کٹے ہوئے بازوؤں کے ساتھ خاکِ کربلا پر بیرونی و اندرونی دردوں سے کراہ رہا تھا۔ بدنِ پاک تیروں سے بھرا ہوا ہے اور بے شمار زخم کھائے ہوئے، آنکھیں بند کئے ہوئے حسرتوں اور ارمانوں کے ساتھ گرم ریت پہ سویا ہوا ہے۔ اس وقت میرے آقا نے آہِ سرد کے ساتھ کہا: "اَلْآنَ اِنْکَسَرَ ظَهْرِیْ وَ قَلَّتْ حِیْلَتِیْ" اب میری کمر ٹوٹ گئی۔ اور "تدبیر ختم ہوگئی۔ سب شہیدوں سے جناب عبّاس کے بدن پر زخم زیادہ تھے۔ ایک آنکھ میں بھی تیر کی نوک کا شدید زخم تھا۔ جس سے بصارت ختم ہوگئی تھی۔

وفادار بھائی نے حقِ وفا ادا کر دیا۔ عبّاس کی موت کے غم سے زیادہ عبّاس کی حسرتوں اور ارمانوں کا غم تھا۔ اگر پانی خیمہ میں پہنچ جاتا تو غم کسی قدر ہلکا ہو جاتا۔ مگر اس حسرت نے موتِ عباس کا صدمہ بڑھا دیا۔ امامِ مظلوم نے کڑیل جوان بھائی کی لاش پہ نوحہ پڑھا۔ عربی شاعر نے نظم کیا۔ جو ترجمہ کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے ؎

اَحَقُّ النَّاسِ اَنْ یُّبْکٰی عَلَیْهِ ۔۔۔ فَتًی اَبْکَی الْحُسَیْنَ بِکَرْبَلَا

جس پر گریہ کیا جاتا ہے ان سب سے زیادہ وہ جوان ہے جس نے کربلا میں حسین کو رُلایا۔

اَخُوْهُ وَ ابْنُ وَالِدِهٖ عَلِیٍّ ۔۔۔ اَبُو الْفَضْلِ الْمُضَرَّجِ بِالدِّمَاءِ

حسین کا بھائی اور اس کے والد کا بیٹا ۔۔۔ عبّاس جس کی لاش لہو لُہان تھی۔

وَاسَاهُ لَا یَثْنِیْهِ شَیْءٌ ۔۔۔ وَجَادَ لَهٗ عَلٰی عَطَشٍ بِمَاءِ

جس نے بھائی کے ساتھ انتہائی غم گساری کی اور باوجود پیاس کے بھائی کی پیاس پر

پانی نہ پیا۔

ایک شاعر نے جناب مظلوم کربلا کا یہ مرثیہ نقل کیا ہے۔

أَخِي يَا نُورَ عَيْنِي يَا شَقِيقِي ... فَلِي قَدْ كُنْتَ كَالرُّكْنِ الْوَثِيقِ

میرے بھائی میری آنکھوں کے نور، میرے برادر ... تو تو میرا مضبوط سہارا تھا۔

أَيَا ابْنَ أَبِي نَصَحْتَ أَخَاكَ حَتَّى ... سَقَاكَ اللّٰهُ كَأْساً مِنْ رَحِيقٍ

میرے باپ کے بیٹے تو نے بھائی کیساتھ ہمدردی کی۔ خدا تجھے شراب طہور کا جام پلائے۔

أَيَا قَمَراً مُنِيراً كُنْتَ عَوْنِي ... عَلَىٰ كُلِّ النَّوَائِبِ فِي الْمَضِيقِ

اے میرے روشن چاند تم ہر تنگی کے وقت مصیبتوں میں میرے مددگار تھے۔

فَبَعْدَكَ لَا تَطِيبُ لَنَا حَيَاةٌ ... سَنَجْمَعُ فِي الْغَدَاةِ عَلَى الْحَقِيقِ

عباس! تیرے بعد زندگی کا مزہ جاتا رہا۔ کل ہم ایک جگہ اکٹھے ہو جائیں گے۔

جناب فاضل مقرم بیان کرتے ہیں کہ وفادار اور کڑیل جوان بھائی عباس کی موت کے بعد حسینؑ صرف ظاہری شکل و صورت رہ گئے تھے۔ زندہ صورت تھے، درحقیقت زندگی ختم ہو گئی تھی، بیٹوں اور بھائیوں کی موت نے روح حیات سلب کر لی تھی۔ چلتے پھرتے جسم رہ گئے آثار زندگی مٹ گئے تھے۔ اس شہید کا ایک نرالا غم یہ بھی تھا کہ باقی شہداء بنی ہاشم کی لاشیں جوں توں خیموں میں پہنچیں مگر لاش برادر خیمے میں نہ پہنچ سکی، باقی لاشوں پر تو سیدانیوں نے سر کے بال کھولے ماتم کیا۔ مگر عباس کی لاش کے لئے ترستی رہیں۔ لاش خیمے میں کیوں نہیں گئی، کئی وجوہ ہیں۔

لاش اس قدر مجروح ہو چکی تھی کہ اٹھانے کے قابل نہ تھی۔ کیونکہ پانی روکنے کے لئے سپاہ عمر بن سعد نے اس مرد جری پر زیادہ حملے کئے۔ کسی مجاہد پر اتنے تیر نہیں برسائے گئے جتنے غازی پر تیروں کی بارش ہوئی۔ ان کا نشانہ بدن عباس کے علاوہ مشک عباسؑ بھی تھی اور مشک کے حصے کے تیر بھی یہ اپنے بدن پر لیتے رہے۔

پہلے شہیدوں کی لاشیں اٹھوانے کے لئے کچھ جمعیت باقی تھی، جو لاشیں اٹھوانے میں مدد دیتے تھے۔ زخموں کی اس قدر کثرت تھی کہ فرزند رسولؐ لاش پر بوسہ دینے کے لئے جھکے تو بوسہ دینے کے لئے کوئی جگہ نظر نہ آئی۔ اب جمعیت تو ختم ہو چکی تھی اور حسینؑ کی طاقت زائل ہو چکی تھی۔ کمر ٹوٹ چکی تھی۔ مرنے والا کوئی معمولی جوان نہ تھا۔ چونتیس برس کا کڑیل جوان تھا۔ حسینؑ لاش اٹھا نہ سکتے تھے۔

یہ باب الحوائج اور مقبول وسیلہ ہیں۔ بانی شہداء سے علیحدہ۔ ان کو حاجات برآری کے لئے اور مرجع خلائق ہونے کے لئے الگ مقام دیا گیا۔ جن کا روضہ مبارک کرامات و معجزات کا مظہر ہے۔

یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جب فرزندِ رسول لاشِ برادر پہ پہنچے تو گرد آلود اور شگافتہ سر گود میں لیا اور چہرۂ منور سے خاک و خون صاف کرنے لگے تو جناب رونے لگے۔ پوچھا "رونے کا کیا سبب ہے؟" عرض کیا: "مولا! اس بات پر روتا ہوں کہ میں آپ کا آخری مددگار تھا۔ آپ نے تو میرا سر گود میں لیا۔ غبار سے صاف کیا۔ مولا جب آپ خاک و خون میں غلطاں ہوں گے۔ آپ کے چہرے سے گرد و خون کون صاف کرے گا۔ اور آپ کی لاش پہ کون روئے گا۔" اس کے بعد لاش اٹھانے کا قصد کیا تو آواز آئی "مولا! میری لاش خیمے میں نہ لے جائیں۔" "کیوں بھائی عباس؟" مولا! میری حسرتیں اور میرے ارمان دل میں رہے، میری آرزوئیں خاک میں مل گئیں۔ اور میں پیاسے بچوں کی آس بچا اور پیاس بجھا نہ سکا۔ مجھے خوشی ہوتی جب میرے بدن کے ساتھ پانی کی مشک بھی ساتھ جاتی۔ اب بغیر پانی کے میں خیموں میں جانا گوارا نہیں کر سکتا اور العطش العطش کی صدائیں میرا غیور بدن سننے کی تاب نہیں رکھتا۔

حسینؑ مایوس و غمگین ہو کر لاش سے اُٹھے۔ علم اٹھایا اور خیمہ کی جانب روانہ ہوئے۔ اشکبار آنکھوں، ٹوٹے ہوئے دل اور جھکی ہوئی کمر کے ساتھ حسینؑ خیموں میں آئے۔

حضرات! آپ خود اندازہ لگائیں کہ عباس ایسا غیور و جوان بھائی میدان میں جائے تو کیا بتول کی بیٹیاں خیمے میں آرام سے بیٹھی ہوں گی؟ پانی لینے کے لئے مشک لے کر جائے تو پیاسے بچوں کو کتنی آس و اُمید ہو گی؟

سامعین کرام! جب سے عباس میدان میں سدھارے۔ مستورات کسی جگہ چین سے بیٹھ نہ سکیں۔ کبھی کسی خیمہ میں اور کبھی کسی خیمہ میں۔ خصوصاً زہراجائیوں کی یہ حالت تھی، کبھی زمین پر بیٹھتی تھیں۔ کبھی اٹھتی تھیں۔ کبھی خیمہ کے در پر، کبھی قنات کے قریب بے آرامی کے ساتھ عباس کی خبر پوچھتی تھیں۔

بنی ہاشم کے بیس بچے ہاتھوں میں پیالے لئے، مرجھائے ہوئے چہروں، کملائے ہونٹوں کھلے ہوئے بالوں اور خاک آلود کپڑوں کے ساتھ درِ خیمہ پہ پانی کی آس لگائے، میدان کی طرف نظریں جمائے اور آمدِ عباس کے منتظر بیٹھے تھے۔ ان کے آگے مولا کی پیاری بیٹی

سکینہ تھیں۔ شدت سے مستورات کو انتظار تھا۔ کہ ناگاہ حسینؑ نظر آئے۔ جھکی ہوئی کمر ہے عمامہ کے کچھ پیچ گلے میں ہیں۔ اور آستینوں سے آنسو پونچھتے ہوئے کبھی اٹھتے بیٹھتے آرہے ہیں۔ قرینے سے پہچان گئیں کہ خبر نیک نہیں، عباس کی خیر نہیں۔ بچے حسینؑ کی طرف دوڑے، سب سے آگے سکینہ تھیں۔ پوچھا بابا! چچاجان نہیں آئے۔ رو کر فرمایا، بیٹی وہ تو ہمیں ہمیشہ کے لئے چھوڑ کر چلے گئے۔ بیٹی! تیرے چچا کے بازو قلم ہوگئے۔ مشک تیروں سے چھد گئی۔ عباس شہید ہوگئے۔ عزادارو! بچوں نے جب یہ خبر سنی ہوگی ان پہ کیا کیفیت گزری ہوگی۔

شہزادیاں نہایت بے قراری سے قنات کے پیچھے جمع تھیں۔ بار بار قنات کا پردہ حرکت کرتا تھا۔ جس طرح مچھلی پانی سے باہر تڑپتی ہے۔ شہزادیاں بیقراری کے ساتھ تڑپ رہی تھیں، پردہ باہر نکلنے سے روکے ہوئے تھا۔ اندر بیٹھنے کو دل نہ چاہتا تھا۔ حسینؑ خیمہ کے اندر داخل ہوئے اور کہا: "زینب و ام کلثوم! تمہارا مان ختم ہوگیا۔ میرا زور کمر مرگیا" سکینہ کو گلے لگا کر فرمایا: "بیٹی! تمہارے چچا مجبور تھے پانی نہ لا سکے"۔ یہ سن کر کہا: "بابا! پانی نہ لا سکے تو خود تو آجاتے"۔ "نہیں بیٹی! انہیں وہ جگہ پسند آگئی۔ انہوں نے دریا کے نزدیک رہنا پسند کیا" فضل و عبیداللہ کے سروں پر شفقت اور یتیمی کا ہاتھ پھیرا۔ سیدانیوں پر موت عباس کی خبر بجلی بن کر گری۔ زہراؑ کی بیٹیاں غش کھا کر زمین پر گر پڑیں۔ دردناک بینوں سے زمین تھرا رہی تھی۔ آسمان کانپ رہا تھا۔ بچوں کی چیخ و پکار سے دل ٹکڑے ٹکڑے ہوا جاتا تھا۔ فضا اداس ہو چکی تھی۔ مایوسی نے بیبیوں کو گھیر لیا تھا۔

یہ نرالا شہید تھا کہ آخری بار جس کا منہ نہ دیکھ سکیں۔ ثمیر کی لاش پر بہنیں سر کے بال نہ کھول سکیں، نہ گلے لگا سکیں، نہ کٹے ہوئے بازوؤں کے بوسے لے سکیں۔ نہ حلقہ باندھ کر ماتم کر سکیں، ہاں! عباس کے علم کو چوما ہے

زینب لپٹ کے روئی عباس کے نشاں سے ۔ تجھ سا غیور بھیا لائے بہن کہاں سے

دراصل عباس کی موت سے جنگ کربلا کا خاتمہ ہوگیا۔ پردہ داروں کی آس و امید ختم ہوگئی۔ بنات رسول اور ہاشمی مستورات نے جس سہارے سفر کی صعوبتیں برداشت کی تھیں وہ سہارا ٹوٹ گیا۔ اب سفر کی نوعیت بھی بدلنے والی تھی۔ یہ ایک ایسا بین تھا جس سے پتھر بھی ٹکڑے ہو جاتے تھے، جب دردِ ستائیوں کی دلدوز آواز آتی تھی اب ہماری کون حفاظت کرے گا۔ ہمیں کون آرام کی نیند سلائے گا۔ کون راتیں جاگ کر ہمارا پہرہ دے گا۔ "الا لعنۃ اللہ علی القوم الظالمین"

سولھویں مجلس

صراطِ مستقیم کی تشریح ۔ امامِ حق کی معرفت ۔ حضرت علی اصغر کی شہادت ۔ حضرت سیّد الشہداؑ میدان میں اور حالاتِ شہادت امام پاکؑ ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِھدِنَا الصِّرَاطَ المُستَقِیمَ

"ہمیں صراطِ مستقیم پر ثابت قدم رکھ"

ہدایت کا معنی ہے راہ دکھانا اور راہ پر چلانا۔ اہلِ علم و فضل حضرات نے ہدایت کے دو معنی لکھے ہیں۔

۱۔ راہ دکھانا۔ جیسا کہ ارشادِ قدرت ہے: اَمَّا ثَمُودُ فَھَدَینٰھُم فَاستَحَبُّوا العَمٰی عَلَی الھُدٰی ۔ "تو قوم ثمود، ہم نے ان کو راہ دکھائی مگر انہوں نے گمراہی کو ہدایت پر ترجیح دی۔" اس آیتِ مبارکہ میں ہدایت سے مراد رہنمائی ہے۔ اسی طرح اس قسم کی اور بہت سی آیات میں "ہدایت" راہنمائی کا معنی دیتی ہے۔

۲۔ منزلِ مقصود پر پہنچانا۔ جیسا کہ ارشاد پروردگار ہے: اِنَّکَ لَا تَھدِی مَن اَحبَبتَ وَلٰکِنَّ اللہَ یَھدِی مَن یَّشَآءُ ۔ "جس کو تو پسند کرتا ہے اسے ہدایت نہیں دے سکتا یعنی منزلِ مقصود پر نہیں پہنچا سکتا۔ لیکن خدا جسے چاہے ہدایت کر سکتا

ہے۔ یعنی منزلِ مقصود پر پہنچا سکتا ہے۔ (س قصص آیت ۵۶)

وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۔ (س انعام آیت ۸۷) "اُن کے آباد و اجداد، اُن کی اولاد اور برادران میں سے اور ہم نے ان کو چُن لیا اور صراطِ مستقیم کی ہدایت کی یہاں سے بھی مراد ہدایت سے "ایصال الی المطلوب" ہے۔ یعنی مطلوب و مقصود تک پہنچا دینا۔ اسی طرح اور بہت سی آیات سے یہی معنی مراد ہے۔

دراصل ہدایت کے تین مرتبے ہیں۔ (۱) راہِ راست دکھانا۔ (۲) راہِ راست پر چلانا اور (۳) منزلِ مقصود پر پہنچانا۔ اور یہ تینوں ہادی کی مہربانی کا اثر ہیں۔ پہلا مرتبہ راہ دکھانا عام مہربانی ہے۔ دوسرا مرتبہ راہِ راست پر چلانا خاص مہربانی ہے۔ تیسرا مرتبہ منزلِ مطلوب پر پہنچانا کمال مہربانی ہے۔

ہدایت کے مراتب

اسی طرح ہدایت کی تین منزلیں ہیں۔ راہ دکھانا۔ یہ ان لوگوں کے لئے ہے جو ابھی راہِ راست سے دُور ہیں۔ گمراہی میں پھنسے ہوئے ضلالت کی تاریکی میں ڈگمگاتے پھرتے ہیں۔ ان کی راہنمائی کے لئے خدا ہادی بھیجتا ہے جو انہیں راہِ راست دکھاتے ہیں۔

۲۔ ثابت قدم رکھنا۔ راہِ راست پر چل رہے ہیں۔ منزلِ مقصود کی نشاندہی انہیں کر دی گئی ہے۔ لیکن پھسلنے کا اندیشہ ہے۔ کئی رہزن بھی راہ میں موجود ہیں۔ راہ سے بھٹکانے والوں سے بھی خطرہ ہے۔ شک و شبہ بھی ساتھ ساتھ ہے۔ بھٹک جانے کا ڈر ہے۔ اس واسطے اس قسم کے لوگوں کے لئے ہدایت کرنے کا مقصد ہے۔ راہِ راست پر ثابت قدم رکھ۔

۳۔ معرفت اور روحانیت کا بڑھنا اور ایک درجۂ کمال پر فائز ہوتے ہوئے مافوق مرتبۂ کمال کا حاصل کرنا کیونکہ معرفت و روحانیت کی کئی منازل اور کمال کے کئی مراتب ہیں۔ نہ عرفان و روحانیت کی منزلیں ختم ہوتی ہیں اور نہ کمال کے درجات بیک وقت طے ہوتے ہیں۔ سالک جادۂ حق جوں جوں صراطِ مستقیم کی منزلیں طے کرتا جاتا ہے اس کی معرفت اور کمال بڑھتا جاتا ہے لیکن نہ سالک چلتے چلتے تھکتا ہے نہ مراتب ختم ہوتے ہیں اور نہ اس کے ذوق و شوقِ سلوک کی رفتار رُکتی ہے۔ جوں جوں لذّتِ وصال بڑھتی ہے اس کا ذوق ترقی کرتا ہے اور جوں جوں تقربِ خدا حاصل ہوتا ہے اس کا شوق آگے بڑھتا ہے۔ یہ معنی انبیاءؑ مرسلینؑ، ائمہ طاہرینؑ اولیاء و صالحین اور

مقربین کے لئے ہے۔ اس واسطے گمراہ کے لئے ہدایت کا معنی ہے۔ راہِ راست دکھا اور اس پر چلا۔ مومن اور ہدایت یافتہ کے لئے ہدایت کا معنی ہے راہِ راست پر ثابت قدم رکھ، اور انبیاء و ائمہ علیہم السلام جب اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ کہتے ہیں تو وہاں مُراد ہے مراتب کمال بڑھا، زیادہ سے زیادہ اپنے قریب کر اور ہر ممکن درجۂ کمال پر پہنچا۔ جس طرح کہ خُدا نے فرمایا ہے، اور خطاب ہے جناب ختم المرسلین صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم طرف "قُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْماً" : اے پیغمبر کہہ میرے پروردگار میرا علم زیادہ کر۔

"الصراط المستقیم"

(سیدھا راستہ)

صِراط : سبیل، طریق ہم معنی الفاظ ہیں۔ منزلِ مقصود تک پہنچانے والے ذریعہ کو راستہ کہا جاتا ہے۔ اگر منزلِ مقصود مادّی ہو تو راستہ بھی مادّی ہوتا ہے اور اگر منزلِ مقصود روحانی و معنوی ہو تو راستہ بھی روحانی و معنوی ہوگا۔

یہاں منزلِ مقصود مادّی نہیں بلکہ "وصول الی الحق" یعنی حق تک پہنچنا۔ دوسرے معنی میں خُدا تک رسائی تو یہاں "صراطِ مستقیم" سے مُراد وہ طریق کار ہوگا۔ جو بندہ کو خدا کا مقرّب اور خدا رسیدہ بنادے اور خدا تک پہنچنے کا مطلب یہ ہے کہ خُدا کا محبوب اور پسندیدہ بنادے۔

یوں تو خداوندِ عالم ہر بندہ کے قریب ہے، بلکہ اس کی شہ رگ سے بھی قریب، لیکن یہ قرب قدرتی ہے۔ یہاں مُراد "قربِ اصطلاحی" مراد ہے۔ اِسلامی اصطلاح میں تقرب سے مُراد "قربِ روحانی" ہے۔ "قربِ مکانی" نہیں۔ بعض اوقات مکانی قرب حاصل ہونے کے باوجود روحانی قرب حاصل نہیں ہوتا۔ جس طرح کہ حضرت نوح اور حضرت لُوط علیہما السلام کی بیویوں کو مکانی قرب تو حاصل تھا۔ ایک ہی مکان بلکہ ایک ہی جگہ بسر ہوتی رہی، دنوں کی بات نہیں، مہینوں اور برسوں کا عرصہ نہیں، طویل مدّت تک قربِ مکانی رہا۔ زوج اور زوجہ سے بڑھ کر اور کیا قربِ مکانی ہوسکتا ہے۔ لیکن قربِ روحانی حاصل نہ تھا۔ اس واسطے بالآخر اس قدر دونوں میں دُوری پیدا ہوگئی کہ زوج جنّت میں اور زوجہ جہنّم میں۔ اگر حضرت نُوح اور حضرت لُوط علیہما السلام کی قبروں کے ساتھ ان کی بیویوں کی قبریں بنادی جاتیں تو یہ قرب اور اتصال ان کو کوئی فائدہ نہ پہنچاتا، جب زندگی میں جسموں کا قرب کوئی مفید نہ ہوسکا تو مرنے کے بعد قبروں کا اتّصال کیا نفع دے سکے گا۔

کہتے ہیں کہ گھر دور ہو تو ہو لیکن دِل دُور نہ ہوں۔ ایک گھر میں دونوں رہتے ہیں لیکن باوجود یک مکان اور یکجا ہونے کے دِل دُور ہیں۔ زوجہ سے بڑھ کر اور کس کو صحبتِ پیغمبر حاصل ہو سکتی ہے۔ لہٰذا صرف صحبت میں رہنا سہنا نجات کے لئے کافی نہیں۔ اگر صرف صحبت نجات دے سکتی تو ان دونوں پیغمبروں کی بیویاں نجات پا جاتیں۔ لیکن قرآن شاہد ہے کہ یہ دونوں جہنمی ہیں۔ جب بیوی اثر نہ لے سکی تو بیوی کے باپ اور بھائی کا اثر قبول کرنا ضروری نہیں کیونکہ وہ تو ایک قدم دُور ہیں۔ ہاں باوجود بُعدِ مکانی کے قربِ رُوحانی حاصل ہے۔ گھر دُور ہیں لیکن دِل دُور نہیں۔ حتیٰ کہ ایک دوسرے کو دیکھا تک نہیں۔ ایک مدینہ میں ہے دوسرا یمن میں، جس کا نام اُویس قرنی ہے۔ لیکن اتنا قُربِ روحانی حاصل ہے کہ حضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم فرماتے ہیں کہ میں یمن سے بُوئے رحمٰن سونگھ رہا ہوں۔ اِنہیں دیدارِ مُبارک حضرت رسالتمآب تو حاصل نہ ہو سکا۔ حسنینؑ کے بابا کی اِس خوشبوءِ رحمٰن نے زیارت بھی کی اور جنگِ جمل میں ساتھ بھی دیا۔ زیارتِ رسُول سے محروم رہا اور وصّی رسُول کا مددگار رہا۔ بندہ اپنے علم وعمل کی بنا پر خُدا کی رضا و خوشنودی حاصل کر کے اس کی خاص رحمت و انعام کا مستحق ہو جائے اور اس کے غضب و ناراضگی سے مامون ہو جائے۔ اِس واسطے صراطِ مستقیم سے دینِ اسلام اور شریعتِ مقدسہ مراد ہے۔ جس پر عمل پیرا ہو کر بندہ اپنی ذمّہ داری سے عہدہ برآ ہو کر مقبولِ خُدا ہو جائے اور اس کے عوض میں "رضوانِ الٰہیؑ" کا مورد بن کر نعمات اور دائمی خوشگوار زندگی حاصل کر لے۔ جس طرح کہ منزلِ مقصود مادّی آنکھوں سے نہیں دیکھی جاتی اسی طرح اس کا راستہ بھی بصارتِ ظاہری سے بلند ہے۔ اسے بصیرت یعنی دِل کی آنکھوں اور عقل کی فکر سے پہچانا جاتا ہے۔

صراطِ مستقیم کی پہچان

سالک یعنی راہ چلنے والے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے منزلِ مقصود کا تعیّن کرے اور پھر اس منزل تک پہنچانے والے راستے کی معرفت حاصل کرے۔ اگر منزل کوئی متعیّن نہیں۔ نصب العین اور نظریہ کوئی قائم نہیں تو وہ آوارہ گرد ہے اور اس کا سفر بے معنی اور سلوک بے مقصد اور بے فائدہ ہے۔ محنت رائگاں ہے۔ اسی طرح راستے کی پہچان نہیں ہے۔ صحیح راہ سے بے خبر ہے۔ منزلِ مقصود معین ہے لیکن راہ اور منزل میں کوئی رابطہ نہیں، کوئی تعلق نہیں۔ منزلِ راہ سے بیگانہ اور راہ منزل سے جُدا۔ تو چلنے والا جتنا سفر کرے منزل سے ناآشنا رہے گا۔ اس کی تمام مشقّت ضائع ہو جائے گی۔

مثلاً کسی شخص نے کراچی جانا ہے اور وہ پشاور کا رُخ کر کے پشاور جانے والی سڑک پر گامزن

ہو جاتا ہے۔ تو وہ جتنا سفر کرے گا منزل سے اتنا ہی دور ہوتا جائے گا۔ جس قدر تیزی سے مسافت طے کریگا اسی قدر منزلِ مقصود سے دور ہوتا جائے گا۔ بے چارہ محنت و مشقت کر رہا ہے۔ مصروفِ عمل ہے جہاں تک اُس کے عمل کا تعلق ہے اس میں وہ کوتاہی نہیں کر رہا عمل پر زور ہے لیکن اس کا عمل بجائے فائدہ کے نقصان پہنچا رہا ہے۔ اور نفع کی جگہ زیاں حاصل ہو رہا ہے۔ یہ اس واسطے کہ صراطِ مستقیم کی معرفت سے محروم ہے۔ عمل ہے لیکن معرفت نہیں۔ اس واسطے وہی عمل نفع رساں ہوتا ہے جو صحیح معرفت کے تابع ہو۔ لہٰذا خدا تک پہنچنے، اس کا تقرب حاصل کرنے اور اپنے اعمال کا ثمرہ حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے بندہ "الصراط المستقیم" کی پہچان کرے۔ اسی طرح روحانی اور ایمانی منزلِ مقصود تک پہنچنے کے لئے روحانی و ایمانی صراطِ مستقیم کی معرفت حاصل کرے لہٰذا معرفت پہلے ہے اور عمل اس کے بعد۔

تَقَرُّب اِلَی اللّٰہ

پس تقرب اور وصل حاصل کرنے کے لئے تین چیزیں ضروری ہیں ۱۔ منزلِ مقصود کا تعین (۲) راستے کی پہچان، (۳) سلوک۔ یعنی اس راہ پر چلنا منزل کا تعین نہیں تو آوارہ گردی اور بے مقصد بسیر بے فائدہ سفر راہ کی معرفت نہیں تو بھٹکتے پھرنا ڈانواں ڈول پھرنا، تاریکی میں ہاتھ پاؤں مارنا، آخر تھک ہار کے بیٹھ جانا۔ اگر منزل بھی متعین ہے۔ راہ کی پہچان بھی ہے۔ لیکن چلنے والا چلتا نہیں، پاؤں کو حرکت نہیں دیتا۔ بیٹھا بیٹھا، پڑا پڑا، منزلِ مقصود پکار رہا ہے۔ منزلِ مقصود کے نام کا ورد کر رہا ہے۔ تو صرف پکارنے سے رسائی تھوڑی ہو جاتی ہے؟ وہاں عمل کی ضرورت ہے۔ منزل پر پہنچنے کیلئے چلنا بھی ضروری ہے۔ کوئی نظریہ بھی ہو وہ منزلِ مقصود ہے۔ اور اس کے حاصل کرنے کا طریقہ "صراطِ مستقیم"۔ منزلیں جدا جدا ہیں۔ اُن کے راستے بھی جدا جدا ہیں۔ مثلاً بیمار ہے، اس کی منزلِ مقصود "تندرستی" ہے۔ اسے منزل تک پہنچنے کے لئے راستہ چاہیئے۔ اور وہ راستہ اس کا علاج ہے۔ اگر جاہل، غلط، مصنوعی طبیب و ڈاکٹر کے پاس جائے گا تو منزلِ مقصود یعنی تندرستی تک نہ پہنچے گا، کیونکہ جس راہ پر چلے گا وہ مستقیم نہیں، راہِ غلط ہے۔ وہ منزل سے زیادہ دُور چلا جائے گا۔ یعنی اس کا مرض بڑھے گا۔ اگر ماہر طبیب اور قابل ڈاکٹر کے پاس بغرض علاج گیا تو یہ راہ" صراطِ مستقیم" ہے۔ لیکن "صراطِ مستقیم" کا صرف پہچان لینا کافی نہیں، اس پر چلنا بھی ضروری ہے۔ طبیب نے جو نسخہ تجویز کیا ہے اسے مریض گلے میں ڈال لے یا ہاتھ میں تھامے رہے۔ اس کی دواؤں کا ورد کرتا رہے۔ رٹ لگاتا رہے تو وہ صحت سے ہمکنار نہ ہو گا۔ صحت کی منزل سے وہ جب قریب ہو گا جب اس

نسخے کو استعمال کرے گا۔

ہماری منزل مقصود ہے تقربِ خدا، محبتِ خدا، خدا تک رسائی، مرضِ ضلالت کا مریض صحتِ روحانی کا طلب گار ہے۔ اگر وہ مستند روحانی طبیب کے مطب میں جائے گا، صحیح ہادی اور سچے پیشوا کا دامن پکڑے گا تو روحانی امراض سے نجات پا سکے گا۔ ضلالت کی تاریکی سے نکل کر جلوہ گاہ ہدایت میں قدم رکھے گا۔ اگر طبیبِ روحانی کے شفا خانہ میں پہنچ کر اس نے استعمالِ نسخہ کا سفر طے نہیں کیا تو صحت کی منزل سے دور ہی رہا۔ بعض بدنصیب صحیح ہادی اور سچے پیشوا کی معرفت سے محروم رہ کر ضلالت کی وادی میں بھٹکتے رہے اور بعض امامِ حق کو پہچان کر، سچے ہادی کو مان کر، صراطِ مستقیم کو جان کر ان کی راہ پر چلے نہیں، عمل کے پیروں کو حرکت نہ دی، صرف منزل اور اس کی راہ کی رٹ لگاتے رہے وہ بھی منزل سے دور ہی رہے۔ لہٰذا شیعہ حضرات اس خوش فہمی میں مبتلا نہ رہیں کہ سچے ہادیوں کو صرف پہچان کر جنت کا ٹکٹ لے لیں گے، نہیں۔ عملی پیروی بھی ضروری ہے۔ عمل، عمل، عمل ضروری ہے۔

صراطِ مستقیم کی پہچان

صراطِ مستقیم کی پہچان ضروری ہے۔ کیونکہ منزلِ مقصود پر سالک کو پہنچانے والی یہی چیز ہے۔ سالک اور منزل کے درمیان یہی ذریعہ و وسیلہ ہے۔ صراط کسی شے کا دروازہ ہوتا ہے، اور اسی کے ذریعے انسان اس میں داخل ہوتا ہے۔ ایک عربی شاعر کہتا ہے ؎

وَاِذَا اَتَیْتَ الْاَمْرَ مِنْ غَیْرِ بَابِہٖ
ضَلَلْتَ وَاِنْ تَقْصِدْ اِلَی الْبَابِ تَھْتَدِ

جب تو کسی کام میں اس کے بغیر دروازہ کے آئے تو تو گمراہ ہو جائے گا، اور اگر تو دروازے کا قصد کرے تو ہدایت پا جائے گا۔

اس واسطے تو دیکھ کہ تیری منزل کیا ہے؟ تو نے کہاں جانا ہے؟ یقیناً تیری منزل مقامِ مصطفوی اور درِ رسول ہے۔ اگر محمد مصطفیٰ تک پہنچ گیا تو یقین جان کہ خدا تک رسائی ہو گئی۔ "وَمَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللہَ ۔ قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللہُ" (پ ع) تو کہہ دے اگر تم خدا سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، خدا تم سے محبت کرے گا۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں ؎

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست — اگر باو نرسیدی تمام بولہبی است

اپنے آپ کو محمد مصطفیٰؐ تک پہنچا دے کہ وہی سب کا دین ہیں، اگر تو وہاں تک نہ پہنچا تو تیرے تمام اعمال ابولہب تک پہنچ جائیں گے۔ جس کا مقام نارِ جہنم ہے۔

اور پیغمبرِ اسلامؐ نے اپنے تک پہنچنے کا راستہ اور دروازہ امت کو بتا دیا ہے کہ اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَ عَلِیٌّ بَابُھَا۔ میں علومِ دین کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں۔ مزید بتایا مَنْ اَرَادَ الْعِلْمَ فَلْیَاتِہٖ۔ جو شخص اسلام دین کی معرفت صراطِ مستقیم کی پہچان چاہے وہ اس دروازہ پر آئے۔ جو اس دروازہ پہ پہنچ گیا، وہ صراطِ مستقیم پہ گامزن ہوکر منزلِ مقصود پہ پہنچ گیا۔

شد فیض یاب ہر دوسرا از درِ علیؑ
بے بہرہ آنکہ گشت جدا از درِ علیؑ
بکشود مصطفیٰؐ درِ حیدر بمسجدش
یعنی کہ میرسی بخدا از درِ علیؑ

دروازۂ علیؑ سے دونوں جہان فیض یاب ہیں۔ وہ شخص فیض سے محروم رہا۔ کہ جو درِ علیؑ سے جدا ہوا۔ جناب محمد مصطفیٰؐ نے جناب حیدرِ کرار کا دروازہ مسجد کی جانب کھلا رکھا، باقی تمام صحابہ کے دروازے جو مسجد کی طرف کھلتے تھے بند کر دیئے، یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ علیؑ کے در سے ہی خدا تک رسائی ہوتی ہے۔

اگر کسی وقت راہ چلنے والا راہِ راست کی پہچان میں پریشان ہو تو اس سے راہ دریافت کرے جو راہ سے باخبر ہو۔ اسلام "صراطِ مستقیم" ہے۔ اس کی رہنمائی وہی کر سکتا ہے جو اسلام کے تمام امور، اصول و فروع اور جملہ احکامِ قرآن سے واقف ہو، کیونکہ یہ تمام امور اسلام میں شامل ہیں۔ احکامِ اسلام سے ناواقف رہنمائی نہیں کر سکتا۔ اس واسطے ہر تین حکومتیں مسائلِ اسلام اور احکامِ قرآن سے ناواقف تھیں۔ جب ہی مسائلِ دین حل کرنے سے عاجز آ کر درِ علیؑ پر سائل بن کر آتے تھے۔ اس سے ان کی دین سے بے علمی ظاہر ہوتی تھی۔ دین سے بے علم اسلام کا رہنما نہیں بن سکتا۔ اسلام کا راہنما تو وہ ہے جو ہر مشکل کو حل کر کے سائل کی تشنگی بجھا دے، اور مدینۃ العلم بن کر صراطِ مستقیم کی رہبری کر سکے۔

چنانچہ جناب شاہ عبد العزیز دہلوی اپنی مؤقر کتاب "تفسیرِ عزیزی" میں الٓمٓ اور حروفِ مقطعات کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ تمام حروفِ مقطعات کو یکجا جمع کرنے سے ایک جملہ بنتا ہے : صِرَاطُ عَلِیٍّ حَقٌّ نُمْسِکُہٗ۔ علی کا راستہ حق ہے جسے ہم مضبوطی سے پکڑتے ہیں جب

علیؑ کا راستہ حق ہے تو جو راہیں صراطِ علی کے مقابل اور مخالف ہوں وہ باطل ہیں۔ لہٰذا راہِ علی پہ چلنے والا تو منزلِ مقصود پہ پہنچ جائے گا اور مخالف راہِ علی کسی راہ پہ چلنے والا بھٹکتا رہ جائے گا، جتنا چلے گا منزل سے دور ہی رہے گا۔

نیز تفسیر ثعلبی اور معالم التنزیل میں زیرِ آیت "اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ" ہے، عن مسلم بن حبان قَالَ سَمِعْتُ اَبَا بُرَیْدَۃَ یَقُوْلُ صِرَاطُ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاٰلِہٖ مسلم بن حبان کہتے ہیں کہ میں نے ابو بریدہ رضی اللہ عنہ سے سنا وہ کہتے ہیں کہ "صراطِ مستقیم" سے مراد پاک پیغمبر اور ان کی آل کا راستہ ہے۔ علاوہ ازیں ایک یہ بھی پہچان ہے کہ جنہوں نے دین کو پھیلانے، قوت دینے، اور اسلام کی حفاظت کے لئے قربانیاں دی ہیں وہی سچے دین کے ہادی ہیں۔ کچھ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دین سے فائدہ اٹھایا، گھر بھرے، کچھ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دین کو فائدہ پہنچایا اور دین کی خاطر بھرے گھر اجاڑے، وہ دین کے سچے ہمدرد ہیں۔

حضرات! اگر دین پر خرچ ہوا ہے تو ابو طالب کے گھرانے کا، کسی کا کچھ خرچ نہیں ہوا۔ باقی لوگوں نے تو کمایا۔ مگر آلِ ابیطالب نے ہمیشہ قربانیاں دے کر شجرِ اسلام کی حفاظت کی۔ کربلا میں کون سا خاندان اجڑا۔ کس کا گھرانہ برباد ہوا۔ کس کا گلشن تاراج ہوا۔ ابو طالب کا سارا گھرانہ کربلا میں قربان ہوا۔ اولادِ عقیل، اولادِ جعفر طیارؑ، اولادِ علیؑ، اولادِ حسنؑ اور اولادِ حسینؑ یہ ابو طالب کا گھرانہ ہے۔ یہ سارا گھرانہ مدینہ سے کربلا آیا اور سارے کا سارا گھرانہ قربان ہوا۔ آپ شہدائے کربلا کے واقعات پڑھ چکے ہیں۔ اور واقعات سن چکے ہیں۔ قافلہ سالار نے اپنا قافلہ پہلے سوئے جنت روانہ کر دیا۔ اب صرف قافلہ سالار تنہا رہ گیا۔ خیمے مردوں سے خالی ہو چکے ہیں۔ ہاں سوگواروں کے لئے ایک خیمے میں شہدائے بنی ہاشم کی لاشیں رکھی ہیں۔ جو فرزندِ رسول میدان سے لاتا رہا۔ اور دردستائیاں ان لاشوں پر ماتم کرتی رہیں۔ عباس کی لاش مجبوریوں کی وجہ سے نہ لا سکے۔

واقعات شہادت حضرت سید الشہداؑ

حضرت عباسؑ کی شہادت کے بعد حسینؑ کی ساری سپاہ ماری گئی ہے۔ زور ٹوٹ چکا ہے۔ کمر جھک گئی ہے۔ عزیزوں کی موت نے فرزندِ رسول کو ناتواں کر دیا ہے ؎

گر پڑتے ہیں اٹھ اٹھ کے یہ کمزور ہیں شبیر
جیتے ہیں مگر غم سے لبِ گور ہیں شبیر

امامِ مظلوم کڑیل جوان برادر کی موت میں آستینوں سے آنسو پونچھ رہے ہیں۔ امام مظلوم نے دائیں بائیں دیکھا۔ خیمے مردوں سے خالی ہو چکے تھے۔ جِن خیمے میں بیٹھتے تھے اس میں جاں نثار دائیں بائیں قربان ہونے کے لئے تیّار رہتے تھے، سُونا پڑا تھا۔ اور ایک خیمے میں جوانانِ بنی ہاشم کی لاشیں تیروں، نیزوں کے زخم کھائے راحت کی نیند سو رہی تھیں۔ اس لئے کہ شبِ عاشور جاگ کر کاٹی تھی۔ بڑی گہری نیند سو رہے تھے۔ اس واسطے کئی بار پکارا " یَا اَبْطَالَ الصَّفَا وَ فُرْسَانَ الْهَيْجَا " مگر ہمیشہ کی نیند سو رہے تھے۔ کہاں جواب دیتے۔ آپ نے آواز دی۔ اَمَا مِنْ مُغِيْثٍ يُغِيْثُنَا " کوئی مدد کرنے والا نہیں جو ہماری مدد کرے "۔ اَمَا مِنْ مُجِيْرٍ يُجِيْرُنَا " کوئی دشمنوں سے ہمیں پناہ دینے والا نہیں "۔ هَلْ مِنْ ذَابٍّ يَذُبُّ عَنْ حَرَمِ رَسُوْلِ اللّٰه " کیا کوئی ایسا نہیں جو حرمِ رسول اللہ سے دشمنوں کو دور کرے۔ کیا بناتِ رسول کا پردہ بچانے والا کوئی نہیں۔

امامِ مظلوم کے اس استغاثہ سے کائنات متزلزل ہو گئی، عالمِ امکان میں اضطراب پیدا ہوا۔ شبّیر کی تنہائی دیکھ کر زمینِ کربلا تھرّا اٹھی، فضا سوگوار تھی، استغاثہ کی دردناک آواز فضا کو چیرتی ہوئی بسترِ بیمار پر جناب سجّاد کے کانوں میں جا ٹکرائی، بیمارِ کربلا نے کروٹ بدلی، بے چین ہو کر پوچھا پھوپھی امّاں! بابا ہی تو رہ گیا ہے۔ پھوپی امّاں! چچا عبّاس کہاں ہے۔ اکبر و قاسم کہاں گئے؟ فرمایا بیٹا! سارے مارے گئے۔ دیکھ تو سہی خیام میں کوئی مرد رہ گیا ہے؟ اب اکیلا تیرا بابا ہی میدان میں هَلْ مِنْ مُغِيْثٍ کی آواز دے رہا ہے۔ یہ سننا تھا کہ بیمارِ کربلا بے قرار ہو کر اٹھے، اٹھتے تھے، لیکن بیماری کی وجہ سے پھر بیٹھ جاتے تھے۔ عصا کا سہارا لے کر اُٹھے۔ تلوار سنبھالی اور میدان کو جانا چاہتے تھے۔ جناب ام کلثوم نے تھامنے کی کوشش کی، بیٹا! کہاں جاتے ہو، پھوپھی اماں! مجھے چھوڑ دو، دیکھو میرا بابا تنہا رہ گیا۔ میں اس کی مدد کو جانا چاہتا ہوں، بیمار میدان کی طرف بڑھتا تھا۔ مگر جنابِ کلثوم روک لیتی تھیں۔ اس اثناء میں امامِ مظلوم کی نظر پڑی۔ فرمایا: "اختاہ احبسیہ " بہن! اسے روک لو کہ زمین حُجّتِ خدا سے خالی نہ رہ جائے، جناب ام کلثوم اور جناب زینب نے بیمار بھتیجے کو گلے لگایا۔ تسلّیاں دیں اور سہارا دے کر بسترِ بیماری پر لٹا دیا۔

جناب علی اصغرؑ کی شہادت

میدان میں تو امام مظلوم صدائے استغاثہ کر رہے تھے۔ ادھر خیام میں مستورات کی

صدائے ماتم بلند ہوئی۔ شبیرؑ کی تنہائی اور غربت بہنوں سے دیکھی نہ گئی، کہرامِ ماتم برپا ہوگیا۔ امامِ مظلوم خیمے میں تسلّی دینے کے لئے آئے، یہ تسلّی کہاں تک خاموش کر سکتی جن کا بھرا گھر ایک دن میں اجڑ گیا ہو، جن کے سامنے بیٹوں، بھائیوں اور بھتیجوں کی لاشیں پڑی ہوں وہ گریہ کس طرح ضبط کر سکتیں۔ بہرحال امام مظلوم تسلی دے رہے تھے، کہ اس اثناء میں کم سِن، شیر خوار چھ ماہ کے علی اصغرؑ کے رونے کی آواز مظلوم کربلا کے کانوں میں پڑی۔ جو شدّتِ پیاس سے ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپ رہا تھا۔ ماں دودھ پلانے سے معذور تھی۔ باپ پانی پلانے سے مجبور، معصوم بچہ بار بار زبان باہر نکالتا تھا۔ اس دردناک منظر نے اہلِ بیت کو اور زیادہ مغموم کر دیا۔ امام مظلوم نے جناب ام المصائب سے فرمایا: نَاوِلِيْنِيْ وَلَدِيَ الصَّغِيْرَ حَتّٰى اُوَدِّعَهٗ۔ بہن میرے صغیر بیٹے و دلگیر کو لادو تاکہ میں اس سے وداع کر لوں۔ جناب شریکۃ الحسینؑ نے پیاسے معصوم کو حسینؑ کے ہاتھوں میں دے کر کہا: اماں جایا! اصغر بہت پیاسا ہے۔ کئی دن سے پانی نہیں پیا۔ ماں دودھ پلانے سے معذور ہے۔ اس واسطے کچھ پانی کا انتظام کرلو۔ اپنی زندگی میں اِسے پانی پلادو، بھائی! تمہارے بعد کون پانی پلائے گا۔

اس خیال سے کہ معصوم بچّہ ہے۔ کسی مذہب و ملّت میں بچہ قصوروار نہیں سمجھا جاتا۔ فوجِ اشقیاء میں بھی صاحبِ اولاد ہیں۔ شاید کسی کو ترس آجائے، امامِ مظلوم نے بچّے کو ہاتھوں میں لیا۔ لیکن سارے دن کا معمول بیبیوں کو معصوم کی مَوت کا تصوّر دلا رہا تھا۔ کس دل اور کس جگر سے معصوم کلی کو سوئے میدان روانہ کیا ہوگا۔

دستور ہے کہ بچّہ جب ماں سے جُدا ہوتا ہے، روتا ہے اور روتی ہوئی آنکھوں سے ماں کی طرف بار بار دیکھتا ہے۔ ماں نے خشک ہونٹوں اور مرجھائی ہوئی صورت کو چُوما۔

؎ جُھک جُھک کے جو فرزند کا مُنہ پاس سے دیکھا
ماں کو علی اصغرؑ نے عجب یاس سے دیکھا

حسینؑ نے صغیر کو ہاتھوں پہ اٹھایا۔ دیکھا معصوم بچّہ زبان کو مُنہ میں پیاس کی وجہ سے چبا رہا ہے ؎

چھائی ہوئی زردی تھی جو دلبند کے مُنہ پر
شبّیرؑ نے مُنہ رکھ دیا فرزند کے مُنہ پر

فرزندِ رسولؐ اپنے ننھے فرزند کو لے کر میدان میں آئے، کس لئے آئے، امتِ جدّ سے پانی مانگنے کے لئے آئے۔ آہ! ساقیٔ کوثر کا فرزند کریم بن کریم۔ حُر کی فوج کو صحرائے بے آب میں پانی سے

لا شیراب کرنیوالے آج بوند پانی کے لئے کمینوں سے سوال کرتے ہیں۔ حضرات یہ مرحلہ بھی بہت دشوار اور جگر گداز ہوتا ہے جب کوئی کریم سائل بن کر لئیم (کمینے) کے پاس آئے۔ بُقراط سے کسی نے پوچھا: "موت سے کوئی چیز زیادہ تلخ بھی ہے؟" اس نے کہا: "ہاں! ایک کریم کا لئیم کے پاس سوال کرنا"۔ فرزندِ رسول سے بڑھ کر اس زمانے میں کون کریم تھا اور ان اشقیاء سے بڑھ کر کون لئیم تھا۔ امام مظلوم کریم بن کریم بچہ اٹھا کے اُمتِ جد کے سامنے آئے اور ان لفظوں سے سوالِ آب کیا:
"یَا قَوم قد قتلتم شِیْعَتِیْ وَاَهْلَ بَیْتِیْ وَقَدْ بَقِیَ هٰذَا الطِّفْلُ وَیلکم اِسْقُو هٰذَا الرَّضِیعَ اَمَا تَرَونه یَتَلَظّٰی عَطَشاً مِنْ غَیْرِ ذَنْبٍ۔ لوگو! تم نے میرے انصار و اہلبیت کو تو قتل کر دیا۔ اب ہمارے گھرانے میں یہی صغیر بچہ رہ گیا ہے۔ میرے گھر کا تم نے خاتمہ کر دیا۔ اب اس معصوم بچے پر تمہیں رحم نہیں آتا۔ دیکھو تو سہی یہ بے گناہ اور بے قصور بچہ کس طرح شدتِ پیاس سے جل رہا ہے۔ تمہیں ترس نہیں آتا۔ اس شیر خوار کو تو پانی پلا دو۔ اس کے بعد مولا نے معصوم چہرے سے چادر کا دامن ہٹایا۔ منہ فوجِ اشقیاء کی طرف کیا۔ اور ساتھ ہی جناب اصغر سے فرمایا: "بیٹا تو حجتِ خدا کا فرزند ہے۔ حجت تمام کر، معصوم بچے نے سوکھی زبان ہونٹوں پر پھیری، یہ ایسا دردناک منظر اور رقت خیز حالت تھی کہ سنگدل بھی یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ واقعی بچہ تو بے قصور ہے اگر اسے پانی پلا دیا جائے تو کیا جرم ہے۔ فوجِ اشقیاء میں ہمہمہ پیدا ہو گیا۔ بعض ظالم تو منہ پھیر کر رونے لگ گئے، بعض صاحبِ اولاد شقیوں کے دل بھر آئے۔ آنکھوں سے دیکھا نہ گیا۔ غرضیکہ فوجِ ابنِ سعد کی کیفیت بدل گئی۔ اور حسینؑ کے ننھے اصغر نے فوجِ کوفہ میں ایک ایسا تاثر پیدا کر دیا۔ کہ سنگدل بھی آنسو بہائے بغیر نہ رہ سکے۔ اس واقعہ کو جناب میر انیس مرحوم نے منظوم بیان کیا ہے۔

کی آہ کسی نے کوئی منہ پھیر کے رویا | دامن کسی جلاد نے اشکوں سے بھگویا
ہر شخص کے اک تیر لگا قلب پہ گویا | بولا کوئی ایمان بھی گیا دین بھی کھویا

یوں پھول کوئی دھوپ سے مرجھا نہیں جاتا
بچے کا یہ عالم ہے کہ دیکھا نہیں جاتا

پسرِ سعد نے فوج کی بدلی ہوئی حالت دیکھی تو فوراً حرملہ کو پکار کر کہا اِقْطَعْ کَلَامَ الْحُسَیْنِ۔ حسین کی بات ختم کر یعنی اس بچے کا کام تمام کر دے۔ واضح رہے کہ یہ حرملہ بن کاہل ملعون کوفہ کا مشہور تیر انداز اور ماہر نشانہ باز تھا۔ تیر اندازوں کا افسر تھا۔ اسی شقی و خبیث نے جناب عباسؑ کو بے آس کیا تھا۔ اسی ملعون کی تیر بارانی سے غازی کا بدن چھلنی ہوا تھا۔ اور اسی کے تیر سے غازی کی مشک

چھد گئی تھی اور پانی خاک پر بہہ گیا تھا۔ اس زمانے میں اتنے بڑے اور نوکدار تیر ہوتے تھے کہ ایک تیر سے بھی جوان آدمی کا کام تمام ہو سکتا تھا۔ اور بعض اس قسم کے تیر تھے جن کی تین نوکیں ہوتی تھیں۔ کوفہ کے اسلحہ سازوں نے کچھ ایسے ہتھیار خاص طور پر تیار کئے تھے، زہرا کا گھر برباد کرنے کے لئے نیزوں اور تیروں کی نوکیں تیز کر دی تھیں۔ کیونکہ جتنا ہتھیار تیز اور مضبوط ہوتا اسی قدر قیمت زیادہ ملتی تھی۔

اس ملعون نے وہ تیر کمان میں رکھا جس کی لمبائی جناب اصغر کے قد سے زیادہ تھی۔ کہا جاتا ہے کہ اس شقی کا ہاتھ بھی کانپا۔ ؎

حرمل نے کئی بار کمان کھینچ کے رکھ دی دیکھا کبھی اصغر کو کبھی تیر کو دیکھا

ابن سعد کے حکم سے اس کمینے نے دل کو سخت کیا اور وہ تیر چڑھایا جس کی تین نوکیں تھیں کیونکہ ابن سعد کی طرف سے حکم تھا کہ بچہ زندہ واپس نہ جائے۔ معصوم بچہ حسینؑ کے ہاتھوں پر تھا۔ منہ قوم اشقیاء کی طرف تھا۔ کہ یہ تیر معصوم کی گردن میں پیوست ہو گیا۔ چونکہ تیر وزنی تھا، اس واسطے ایسا دھچکہ لگا کہ صغیر کا رُخ باپ کے ہاتھوں پر بدل گیا۔ فَانْقَلَبَ الصَّغِيْرُ عَلٰى يَدِى اَبِيْهِ۔" بچہ باپ کے ہاتھوں پر منقلب ہو گیا۔ بعض روایات میں ہے کہ تیر ایک کان میں لگا اور نوک دوسرے کان سے پار نکل گئی۔ خون کا فوارہ باہر نکلا۔ اور رباب کا لال باپ کے ہاتھوں پر تڑپ کر ماں کی آغوش برباد کر گیا۔ دستور ہے کہ ماں کا دل ہمیشہ چھوٹے بچے سے بہلتا ہے۔ کم سن بچیاں گود والے بچوں سے بہت مانوس ہوتی ہیں۔ پردیس ہی رباب کی آنکھوں کا جو تارا اور دل کا سہارا تھا وہ ٹوٹ گیا، اور جناب سکینہ کا بہلاوا جاتا رہا۔ حسینؑ کے خزانے میں یہ آخری لال تھا جسے بارگاہِ ایزدی میں پیش کر دیا۔

حسینؑ کے دل پر کیا گزری ہوگی جبکہ کریم کے سوال کا اس طرح جواب دیا گیا۔

عزادارو! حسینؑ کو لاش اٹھانے میں تو کوئی دشواری پیش نہ آئی ہوگی۔ کیونکہ چھ ماہ کا صغیر تھا۔ لیکن ایک دشواری ضرور پیش آئی۔ جو جوانوں کی لاش اُٹھانے سے کم نہ تھی۔ ہائے ہائے کس دل سے مولا نے معصوم کی گردن اور کانوں سے تیروں کی نوکیں نکالی ہوں گی۔ جوان بدن سے ٹوٹا ہوا نیزہ نکالنا اتنا دشوار نہیں جتنا کہ معصوم بدن سے تیر کی نوک دشوار ہے۔

مولائے مظلوم نے جب تیر نکالا تو خون کی دھار نکلی، جو مولا نے ہاتھوں پر لے لی، منہ آسمان کی طرف کر کے کہا۔" خدایا! ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان فیصلہ کر، ان نابکاروں نے مدد کے لئے بلایا تھا۔ مگر میرا بھرا گھر آج برباد کر دیا۔ خدایا! میرے پاس یہ آخری قربانی تھی جسے تیرے

حضور پیش کر دیا ہے۔

باقی لاشیں تو امام مظلوم خیمے میں لے گئے۔ لیکن کسی مصلحت سے اس شیر خوار کی لاش شہداء بنی ہاشم کی لاشوں میں نہ رکھی۔ تلوار سے ایک چھوٹی سی قبر کھودی اور اس معصوم میت پر تنہا نمازِ جنازہ پڑھی۔

عزا دارو! وہ شخص کس قدر غریب و بے کس شمار کیا جاتا ہے جس کے ساتھ دفن کرنے کے لئے قبرستان میں کوئی نہ جائے۔ یہ جس کے عزیز پر نمازِ جنازہ پڑھنے والے کم ہوں۔

حضرات! یہ ننھا لاشہید تھا جس کی معصوم اور ننھی میت پہ امامِ مظلوم نے نمازِ جنازہ پڑھی' پڑھائی نہیں۔ پڑھائی جب ہوتی جب پیچھے کوئی پڑھنے والا ہوتا۔ نمازی مولا کے تمام رخصت ہوگئے تھے' تنہا امام باقی تھا۔ اور تنہا مولا نے رباب کے اس معصوم تارے کو قبر کے سپرد کر دیا۔ مٹی برابر کی۔ قبر بنائی اور دامن جھاڑ کے اٹھ کھڑے ہوئے' بارِ الہا! اب میرا گھر خالی ہوگیا ہے۔ میرے پاس مردوں میں کوئی قربانی باقی نہیں رہی۔

؎ ننھی سی قبر کھود کے اصغر کو گاڑ کے
شبیر اٹھ کھڑے ہوئے دامن کو جھاڑ کے

اِلَا لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الْقَوْمِ الظّٰالِمِیْن

حضرت سیّد الشہداؑ میدان میں

مخدراتِ عصمت سے پہلا وداع

انصار و اقربا رخصت ہو چکے ہیں۔ اب پسرِ بتول کی باری اور پدرِ سکینہ کی تیاری ہے۔ ہنگامِ عصر قریب ہے۔ غریبِ کربلا زندگی سے مایوس اور طائرِ عالمِ لاہوت موت سے مانوس ہو چکا ہے۔ کئی روز کا بھوکا پیاسا، صدموں اور دکھوں میں آزمایا ہوا، اُمّتِ جدّ کا یہ حد ستایا ہوا، رات بھر کا جاگا ہوا۔ لاشیں اٹھا اٹھا کر دن بھر کا تھکا ہوا، اپنا عہد نبھانے کے لئے سوئے میدان جانے سے پہلے اہلِ حرم سے وداع کرتا ہے۔ شیعو! مظلومِ کربلا کا بیواؤں اور بے سہاروں سے رخصت ہونا اور یتیموں اور بے آسرا بیبیوں کا حسینؑ کا دامن پکڑنا اور یہ کہنا کہ ہمیں کس کے سہارے چھوڑ کر چلے ہو، آپ تو جا رہے ہیں، ہم کہاں جائیں، ہمارا کون ہے؟ پھر مستورات کا سر پیٹنا اور یتیم بچوں کی دردبھری فریادیں۔ حقیقت یہ ہے کہ قیامت کی گھڑی تھی۔ اور جناب سیّد الشہداؑ کی خیام میں بے آسرا مستورات اور بے سہارا یتیموں سے رخصت بہت مصیبت ہے۔ جناب ثقۃ الاسلام محدّث نوری قدس سرّہٗ اپنی کتاب "دارالسلام" میں ایک مردِ صالح فاضلِ جلیل جناب میرزا یحییٰ البحری کا ایک خواب نقل کرتے ہیں۔

ایک عجیب و غریب خواب

وہ عالم و بزرگ بیان کرتے ہیں کہ میں عرفہ کے روز کربلا آیا اور شبِ دہم ذوالحجہ حرم شریف سے فارغ ہو کر اپنے مقام پر آیا اور سو گیا۔ عالمِ خواب میں تھا کہ میں نے دیکھا ایک شخص آواز دے رہا ہے کہ "ملّا محمد باقر مجلسیؒ صحنِ مقدس میں درس دے رہے ہیں۔ میں نے اس سے دریافت کیا کہ صحنِ مقدس کی کس جگہ پہ اس نے اشارہ کرتے ہوئے جگہ کا پتہ بتایا، میں اس جگہ گیا۔ میں نے دیکھا کہ ایک بہت بڑی مسجد ہے اور اس میں خلقِ عظیم جو علماء و فضلاء پر مشتمل ہے۔ جمع ہے اور علماء تقریباً پانچ سو۔ جناب مجلسی علیہ الرحمہ کے درس میں ہیں۔ اور جناب مجلسی منبر پر درس میں مشغول ہیں، درس سے فراغت کے بعد وہ وعظ میں مشغول ہوئے اور وعظ کے بعد جناب سیّد الشہداء امامِ مظلوم کے مصائب بیان کرنے لگے۔ اس اثناء میں ایک شخص حجرے سے باہر نکلا۔ اور جناب مجلسی علیہ الرحمہ سے مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ مادرِ حسینؑ فرماتی ہیں کہ

مجلسی! میرے فرزند کے وداع کے واقعات بیان کرو کہ مستورات ہاشمیہ اور یتیم و پیاسے بچوں سے میرا مظلوم بیٹا کس طرح مرنے کے لئے رخصت ہوا۔ جناب مجلسی نے حضرت سیّد الشہداؑ کا خیام سے وداع کے مصائب بیان کئے۔ اس قدر گریہ اور ماتم ہوا کہ زندگی میں میں نے ایسا گریہ و بکا نہ دیکھا تھا۔

حاضرین، سوگوارو! آؤ فرزند بتولؑ چند لحظوں کے مہمان کی خیام سے رخصت کے حالات سنو، ہم الدمعہ الساکبہ سے مصائب وداع بیان کرتے ہیں۔

جب میرے مولا مظلوم کربلا اکیلے و تنہا رہ گئے۔ اپنے بھائیوں کے خیموں میں آئے۔ جہاں ام البنین کے لال کی قیام گاہ تھی۔ دیکھا کہ خیمے خالی ہیں۔ بیٹیوں سے شیر رخصت ہو گئے، ان کی بیواؤں اور یتیموں پر نظر پڑی، یہ روح فرسا منظر دیکھا، دل بھر آیا۔ پھر جناب عقیل کی اولاد کے خیموں میں گئے۔ یہی منظر تھا اپنے بڑے بھائی حسن مجتبیٰؑ کی اولاد کے خیموں کی یہی حالت اور یہی دردناک منظر اصحاب باوفا کے خیموں کا تھا۔ جن خیموں میں غریب کربلا جاتا بیواؤں کی سسکیاں اور یتیموں کے نالے استقبال کرتے۔ دلبند بتولؑ کا دل بھر آیا۔ اور اجڑی ہوئی قیام گاہیں دیکھ کر فرزند فاطمہؑ کی آنکھوں سے آنسوؤں کے چشمے اُبل پڑے۔ گویا ان الٹے ہوئے بستروں اور سُونی پڑی خوابگاہوں کو دیکھ کر وہ جوانان بنی ہاشم آنکھوں کے سامنے پھرنے لگے جو مدینہ سے ساتھ چلے تھے، اور اب کربلا میں اسی دن ساتھ چھوڑ کر خلد بریں کو روانہ ہو چکے۔ قافلہ سالار تنہا کھڑا رو رہا ہے۔ اور قافلہ اپنی منزل پہ پہنچ گیا ہے۔

اس کے بعد مستورات کے خیام میں آئے۔ دیکھا کہ ہاشمی شہزادیاں گریاں ہیں۔ سر کے بال پریشان ہیں۔ انہیں وارثوں اور عزیزوں کی موت کا اتنا صدمہ نہیں جتنی مستقبل کی فکر ستاتی ہے کہ اب ہمارا کیا ہوگا۔ وطن جانے کی آس ختم ہوئی، مرد کوئی نگہبان نہیں رہا۔ بے حیا اور سنگدل ظالموں کے ہاتھوں ہمارا کیا حشر ہوگا۔

ان خیموں کے بعد اپنے فرزند اکبر علیل پسر زین العابدینؑ کے خیمے میں داخل ہوئے، چمڑے کے بستر پہ بیمار پسر کو لیٹے ہوئے دیکھا۔ پھوپھی بھتیجے کے پاس بیٹھی تیمارداری کر رہی ہے۔ تیمارداری کیا تھی۔ بیمار بھتیجے کا دل بہلا رہی تھی، نہ دوا دارو، نہ غذا نہ پانی۔ جناب سجّادؑ نے باپ کو خیمے میں داخل ہوتے دیکھا، تو اٹھنے کی کوشش کی، لیکن اٹھ نہ سکے، نحیف آواز سے کہا پھوپھی اماں مجھے سہارا دیں تاکہ میں فرزند رسولؐ، پسر بتولؑ، امام زمانہ کا احترام کروں، ضعف و نقاہت کی وجہ سے کھڑے تو نہ ہو سکے۔ جناب زینبؑ نے سہارا دیا اور ام المصائب کے سہارے بیٹھ گئے۔ اس طرح

جناب سجادؑ کی پشت کا سہارا بنتِ رسول تھیں۔

مظلوم پدر نے بیمار پسر سے بیماری کا حال دریافت کیا۔ سجادؑ نے حمد و ثنائے خدا بیان کی۔ پھر بیمار پسر نے مظلوم پدر سے یومِ عاشور اور میدانِ کارزار کے حالات دریافت کئے، مظلوم آقا نے فرمایا، بیٹا! ان لوگوں پر شیطان نے غلبہ پا لیا ہے۔ ان کی دُنیا پرستی ان کے دین پر چھا گئی ہے۔ یہ لوگ حرصِ دُنیا اور جاگیر کے طمع میں خدا کو بھول گئے ہیں۔ بیٹا! تمام دن میدانِ کارزار گرم رہا۔ زور کا معرکہ جاری رہا۔ زمین کربلا خون سے لالہ زار ہو گئی۔ اس اثنا میں جناب سجادؑ کا رنگ بدل گیا۔ پوچھا بابا! چچا عباسؑ کہاں ہے؟ عباسؑ کا نام آنا تھا کہ دخترِ علیؑ کا دل بھر آیا۔ بھائی کی طرف دیکھا کہ کس طرح جواب دیتے ہیں۔ ڈبڈبائی آواز میں بتایا تیرا چچا تو شہید ہو گیا ہے۔ اُس کے دونوں بازو معرکۂ قتال میں کام آئے۔ جناب عباسؑ کی موت سنتے ہی بیمارِ کربلا غش کر گئے۔ جب غش سے افاقہ ہوا تو ہر ایک جوانِ بنی ہاشم کے متعلق دریافت کیا۔ اکبر و قاسم، عون و محمد کے بارے میں پوچھا۔ فرمایا، بیٹا! وہ مارے گئے، غرضیکہ جناب سجادؑ ہر ایک کے متعلق دریافت کرتے، امامِ مظلوم فرماتے، قُتِلَ۔ سجادؑ نام لیتے، حسینؑ فرماتے، قُتِلَ، قُتِلَ، آخر میں مولائے مظلوم نے آہ بھر کر فرمایا: "بیٹا! سوائے تیرے اور میرے کوئی باقی نہیں بچا۔ بیٹا، جن کے متعلق تم نے دریافت کیا ہے وہ سب خاک و خون میں غلطاں اپنے عہد وفا کر کے ریگِ کربلا پر مقتول پڑے ہیں۔

جناب سجادؑ کے بدن میں خون گردش کرنے لگا، چہرے کا رنگ بدل گیا۔ بے تابی سے پھوپھی زینبؑ سے کہا، آپ مجھے عصا اور تلوار دے دیں۔ امامِ مظلوم نے فرمایا، بیٹا! عصا اور تلوار لے کر کیا کرو گے؟ عرض کی، بابا عصا کا سہارا لوں گا اور تلوار سے جہاد کروں گا، دین کی حمایت، آپ کی نصرت اور مستورات کی حفاظت کروں گا۔ فرزندِ رسول کے بعد زندگی میں کیا بھلائی رہ گئی ہے۔ اس وقت میرے مولا نے بیمار فرزند کو گلے لگا لیا اور فرمایا، "بیٹا! تیرا جہاد تلوار سے نہیں، تیرا جہاد میدانِ کربلا میں نہیں، تیرا جہاد شام کے راہوں اور دشوار گزرگاہوں، کوفہ و دمشق کے بازاروں اور ابنِ زیاد و یزید کے درباروں میں تقریروں اور خطبوں سے ہوگا۔ اب میرے بعد تو امام ہے۔ میرا خلیفہ ہے اور حجتِ خدا ہے۔ تو بھی اگر میدان میں جائے تو ان بے وارث بیواؤں اور بے سہارا یتیموں کا کون محافظ ہوگا۔ میرے بعد میرے نانا کی مقدس امانتیں آپ کے سپرد ہیں۔ اور بحرِ غم میں مبتلا مسافر کشتی کے اس مظلوم و بے کس پور کے آپ ملاح ہیں۔ بیٹا اضطراب کے وقت انہیں تسلی دینا۔ یہ آپ سے اور آپ ان سے تسلی حاصل کریں گے۔

اسرارِ امامت اور مواریثِ انبیاء کی سپردگی

اسرار و امانات امامت دو قسم کے ہوتے ہیں۔ بعض وہ جنہیں امام خود اپنے جانشین ولاحق امام کے سپرد کرتا ہے۔ اور خود موجود ہو کر اسرار و مواریث سپرد کرتا ہے۔ جس طرح کہ جناب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام زندانِ بغداد سے باعجازِ امامت خود مدینہ جا کر اپنے فرزند جناب امام علی رضاؑ کے سپرد کر آئے۔ یہ تحویل بلاواسطہ ہوتی ہے۔ اور بعض امانات اور تبرکات بالواسطہ بھی منتقل ہو سکتے ہیں۔
کتب تواریخ میں مرقوم ہے کہ اسمِ اعظم و دیگر مواریثِ انبیاء امام مظلوم نے بوقتِ وداع جناب امام علی زین العابدینؑ کے سپرد کر دیئے تھے۔ اور جو خیموں میں مستورات اور یتامیٰ موجود تھے ان سب کو بُلا کر بلند آواز سے فرمایا کہ میرا بیٹا علی زین العابدینؑ تم پر میرا خلیفہ ہے۔ اور میرے بعد امامِ وقت، جس کی اطاعت تم پر فرض ہے۔ اس کی اطاعت کرنا یہ میرے بعد حجّتِ خُدا ہے۔

اور بعض امانتیں، تبرّکات، صحیفے اور سلاح، مدینے سے روانگی کے وقت جناب اُمِّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے سپرد کئے تھے کہ امام زین العابدین علیہ السّلام کی واپسی پر ان کے سپرد کر دیں، اور جناب امام علی زین العابدینؑ کو جناب اُمِّ سلمہؓ کے پاس ان امانتوں و تبرّکات سے مطلع کر دیا تھا۔

بعض اخبار سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض تبرّکات اور امانات جناب فاطمہ کبریٰ سلام اللہ علیہا کے سپرد کئے تھے۔ اور بعض روایات بتاتی ہیں کہ یہ تبرّکات عقیلۂ بنی ہاشم جناب زینب سلام اللہ علیہا کی وساطت سے امام زین العابدینؑ تک پہنچائے گئے۔

اس وقت ایک خاص دُعا بھی آپ نے بعد امام اور وارث پسر کو آخری وقت تعلیم کی تھی جس کی اہمیت کے پیشِ نظر ہم قارئین کو اس سے مستفید کرتے ہیں وَهُوَ هٰذا۔

بِحَقِّ يٰسٓ وَ الْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ وَ بِحَقِّ طٰهٰ وَ الْقُرْاٰنِ الْعَظِيْمِ يَا مَنْ يَقْدِرُ عَلٰى حَوَائِجِ السَّائِلِيْنَ وَ يَعْلَمُ مَا فِي الضَّمِيْرِ يَا مُنَفِّسُ عَنِ الْمَكْرُوْبِيْنَ يَا مُفَرِّجُ عَنِ الْمَغْمُوْمِيْنَ يَا رَاحِمَ الشَّيْخِ الْكَبِيْرِ يَا رَازِقَ الطِّفْلِ الصَّغِيْرِ يَا مَنْ لَا يَحْتَاجُ إِلَى التَّفْسِيْرِ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ اٰلِ مُحَمَّدٍ وَ افْعَلْ بِيْ كَذَا وَ كَذَا۔ (کذا و کذا کی جگہ اپنی حاجتوں کا ذکر کرے)

اس جگہ ایک اور دُعا کا ذکر بھی مؤرخینِ کرام نے کیا ہے۔ جو "مفاتیح الجنان" اور مصباح کفعمی وغیرہ کتب ادعیہ میں مذکور ہے۔ ہم نے اختصار کی خاطر نقل نہیں کی۔ خواہشمند حضرات کتب ادعیہ

کی طرف رجوع کریں۔

مصیبت زدہ بیبیوں اور لاوارث یتیموں سے وداع

لو بیبیو شبیر جہاں سے سفری ہے
اب فاطمہ کا لال چراغِ سحری ہے

"یَا اُخْتَاہ ایتِنِیْ بِثَوْبٍ عَتِیْقٍ لَا یَرْغَبُ فِیْہِ اَحَدٌ مِنَ الْقَوْمِ اَجْعَلُہٗ تَحْتَ ثِیَابِیْ لِئَلَّا اُجَرَّدَ مِنْہُ بَعْدَ قَتْلِیْ فَاِنِّیْ مَقْتُوْلٌ مَسْلُوْبٌ" بہن! مجھے ایسا پرانا کپڑا لادو، جس کی طرف پرانا اور بے قیمت ہونے کی وجہ سے کوئی رغبت نہ کرے، میں اسے ان کپڑوں کے نیچے پہنوں گا کہ میری شہادت کے بعد میرا بدن عریاں نہ ہو جائے، کیونکہ مقتول ہونے کے بعد میرے بدن سے یہ بے حیا اُمّت اور جفا شعار لوگ لباس اتار لیں گے۔

جناب ام المصائب نے حسبِ خواہش پرانا لباس دیا۔ اور پھر غریب کربلا نے مزید پھاڑ کر پوشاک کے نیچے پہنا۔ اِس پوشاک پر آپ نے جناب رسولِ خُدا صلعم کی چادر اوڑھی جُبّہ مبارک ایک قیمتی کپڑے کا تھا۔ جس کا رنگ سیاہی مائل تھا تنِ انور پر اور گلابی رنگ کا عمامہ سرِ اقدس پر جنابِ رسول پاک کی زرہ جس کا نام "فاضل" تھا۔ بدن پر سجائی۔ تلوار حمائل کی اور حسرت بھری نظر سے عیال واقرباء کی طرف دیکھا اور آواز دے کر کہا:

یا زینبؑ یا اُمّ کلثوم یا فاطمہ یا رباب یا سکینہ علیکن منّی السلام"۔ یہ کہنا تھا کہ خیموں سے رونے کی آوازیں آنے لگیں۔ اَلوِدَاع، اَلوِدَاع اَلفِرَاق اَلفِرَاق، کی صدائیں، مظلوم سیّدانیوں اور معصوم یتیموں کی زبانوں پر تھیں۔ تمام بیبیاں حسینؑ کے آس پاس حلقہ کئے ہوئے تھیں۔ درمیان میں امام مظلوم تھے۔ ہر بی بی کے ہاتھ میں حسینؑ کا دامن تھا۔ کوئی بی بی بھائی کہہ کر پکارتی تھی۔ کوئی ماموں کہتی تھی۔ کوئی چچا، کوئی بابا، ایسے دِل خراش بَین تھے کہ پہاڑ بھی یہ فریادیں سُن کر پگھل جاتے، کیونکہ ان دُکھی اور دردمندوں کا آخری سہارا تھا جو ٹوٹ رہا تھا۔

ہاں اس وقت مولائے مظلوم سے ایک بات کہتا ہوں، مولا! جب مکّہ سے روانہ ہوتے وقت عبد اللہ بن عباس نے گزارش کی تھی کہ اگر آپ کو عراق جانا ہی ہے تو پردہ داروں اور معصوم بچّوں کو ہمراہ نہ لے جائیں، تو آپ نے فرمایا تھا یہ رسول اللہ کی امانتیں ہیں، ان کو کن کے سپُرد کر دوں۔ اور یہ بھی مجھ سے جُدا ہونا گوارا نہ کریں گی۔ مولا! اب کیا مجبوری بن گئی ہے۔ کہ ان امانتوں

سے ہمیشہ کے لئے جُدا ہو رہے ہو، ان امانتوں کو کس کے سپرد کر کے جا رہے ہو۔ دختر رسول! آپ نے مکّہ سے روانگی کے وقت عبداللہ بن عباس سے کہا تھا کہ میں حسینؑ سے جُدا نہ ہوں گی۔ جہاں میرا بھائی جائے گا درد ماری بہن بھی ساتھ جائے گی۔ ہاں! ام المصائب اب کس دِل سے ماں جائے کو موت کے میدان میں بھیج رہی ہو۔

عزادارو! خدا شاہد ہے۔ بڑا دردناک منظر اور روح فرسا نظّارہ تھا۔ یتیم بچے میلے کپڑوں اور پیاسے لبوں کے ساتھ دُہائی دے رہے تھے اور بے آسرا و بے وارث بیبیاں الگ سر پیٹ رہی تھیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس وقت لیلیٰ کو اکبر کی موت بھول چکی تھی۔ رملہ کو قاسم یاد نہ رہا۔ اور زینب کو عون و محمد یاد نہ تھے۔ سب بیبیاں اپنے مستقبل کی فکر اور فرزند رسول کے فراق میں اپنا سر پیٹ رہی تھیں۔ اتنے میں جناب سکینہ نے آگے بڑھ کر کہا: یَا اَبَتِ اِسْتَسْلَمْتَ لِلْمَوْتِ؟ فَاِلٰی مَنْ اِتَّکَلْتَنَا۔ بابا! آپ مرنے کی تیاری کر رہے ہیں، تو ہمیں کس کے سپرد کر کے جا رہے ہیں"۔ مولائے مظلوم نے فرمایا: "کَیْفَ لَا یَسْتَسْلِمُ لِلْمَوْتِ مَنْ لَا نَاصِرَ لَہٗ وَلَا مُعِیْنَ"۔ بیٹی! جس کا کوئی ناصر و مددگار نہ رہے تو وہ موت کو کس طرح قبول نہ کرے"۔ اس کے بعد جناب سکینہ نے عرض کی: رُدَّنَا اِلٰی حَرَمِ جَدِّنَا"۔ بابا تو ہمیں جدّ امجد کے حرم مدینہ میں پہنچا دیں"۔ بیٹی کی یہ دلفگار فریاد سُن کر مظلوم و غریب باپ بے چین ہو گئے۔ سینے سے لگا کر ان لفظوں سے پیاری بیٹی کو تسلّی دی: سَیَطُوْلُ بَعْدِیْ یَا سَکِیْنَۃُ فَاعْلَمِیْ، مِنْکِ الْبُکَاءُ اِذَا الْحِمَامُ دَھَانِیْ"۔ سکینہ بیٹی! میرے بعد تیرے رونے کی مدّت طویل ہوگی، تو بہت روئے گی، جب موت مجھے آلے گی۔ تیرے رونے کے بہت مواقع آئیں گے۔ لَا تُحْرِقِیْ قَلْبِیْ بِدَمْعِکِ حَسْرَۃً۔ مَا دَامَ مِنِّی الرُّوْحُ فِیْ جُثْمَانِیْ" بیٹی! اب تیرا حسرت سے رونا میرا دل جلا رہا ہے۔ جب تک میں زندہ ہوں، اس وقت تک اس انداز سے گریہ نہ کرو، میرا دل پھٹا اور دِل پگھلا جاتا ہے۔ فَاِذَا قُتِلْتُ فَاَنْتِ اَوْلٰی بِالَّذِیْ۔ تَاْتِیْنَہٗ یَا خِیْرَۃَ النِّسْوَانِ جب میں مارا جاؤں تو اے بہترین دختران تجھے میری لاش پر رونے کا حق سب سے زیادہ ہے۔

اس کے بعد تمام بیبیوں کو صبر کی تلقین کی، تسلی دی، اور خیمہ سے باہر اس طرح آئے، جس طرح ایک شاعر نے کہا ہے

شبّیر بر آمد ہوئے یوں خیمہ کے در سے
جس طرح نکلتا ہے جنازہ کسی گھر سے

سیّد الشہداؑ میدان میں

جناب سیّد الشہداء امام حسینؑ اسلحہ جنگ زیب تن فرما کر میدانِ قتال میں آئے، عمر بن سعد کو بلا کر کہا۔ جس طرح ابتدائے جنگ میں تین باتوں میں سے ایک بات کو قبول کر لینے کے لئے میں نے تمہیں کہا تھا، اب انتہائے جنگ پر بھی ان باتوں میں سے کسی ایک کو ماننے کے لئے کہتا ہوں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ مجھے واپس مدینہ جانے دے تاکہ میں اپنے جد امجد رسولِ پاکؐ کے حرمِ مبارک میں جا بیٹھوں، عمر بن سعد نے کہا: "ایسا تو نہیں ہو سکتا" آپ نے دوسری بات یہ کہی کہ "مجھے تھوڑا سا پانی دو تاکہ کلیجہ کی حرارت بجھا سکوں" عمر بن سعد نے اس سے بھی انکار کیا۔ مولا نے تیسری بات یہ فرمائی: "کہ اگر تم نے مجھے قتل ہی کرنا ہے اور تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ سوائے میرے اور کوئی باقی نہیں، تو تم میں سے ایک ایک آدمی نکل کر میرے مقابلہ کے لئے آئے۔ اور اسی طرح لڑائی ہو۔ ابنِ سعد نے یہ بات منظور کر لی۔

آپ آمادۂ جنگ ہو کر دشمن کی صفوں کے سامنے آکھڑے ہوئے اور یہ رجزیہ اشعار پڑھے۔

أَنَا ابْنُ عَلِي الْمُطَهَّرِ مِنْ آلِ هَاشِم ۔۔۔ كَفَانِي بِهٰذَا مَفْخَراً حِيْنَ أَفْخَرُ

میں طاہر و مطہر علیؑ کا فرزند ہوں جو آلِ ہاشم سے ہیں۔ جب میں فخر کرنے لگوں تو میرے لئے یہی کافی ہے۔

وَجَدِّي رَسُولُ اللهِ أَكْرَمُ مَنْ مَشَى ۔۔۔ وَنَحْنُ سِرَاجُ اللهِ فِي الْأَرْضِ يَزْهَرُ

میرے جدامجد رسولؐ اللہ ہیں، جو سب لوگوں سے بزرگ ہیں۔ اور ہم زمین میں خدا کے روشن چراغ ہیں۔

وَفَاطِمَةُ أُمِّي مِنْ سُلَالَةِ أَحْمَدَ ۔۔۔ وَفِيْنَا الْهُدٰى وَالْوَحْيُ بِالْخَيْرِ يُذْكَرُ

اور جناب فاطمہ بنت احمد مصطفٰیؐ میری مادر ہیں اور ہم ہدایت اور نزولِ وحی کے احکام ہیں۔ جن کا خیر کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔

وَنَحْنُ أَمَانُ اللهِ لِلنَّاسِ كُلِّهِمْ ۔۔۔ وَنُسِرُّ بِهٰذَا فِي الْأَنَامِ وَنَجْهَرُ

ہم سب لوگوں کے لئے باعثِ امان ہیں۔ ظاہری اور باطنی طور پر لوگوں کو معلوم ہے۔

وَنَحْنُ وُلَاةُ الْحَوْضِ نَسْقِي مُحِبَّنَا ۔۔۔ بِكَاسِ رَسُولِ اللهِ مَنْ لَيْسَ يُنْكَرُ

ہم حوضِ کوثر کے مالک ہیں، اپنے محبّوں کو رسولِ خداؐ کے ساغر سے سیراب کریں گے۔

إِذَا مَا أَتٰى يَوْمَ الْقِيَامَةِ ظَامِئاً ۔۔۔ إِلَى الْحَوْضِ يَسْقِيْهِ بِكَفَّيْهِ حَيْدَرُ

جب روزِ قیامت ہمارا محبّ حوضِ کوثر پر پیاسا وارد ہوگا تو میرے بابا حیدر کرارؑ اس کو اپنے

ہاتھوں سے سیراب کریں گے۔

امام مُطَاعٌ وَجَبَ اللّٰہ حَقّہٗ   عَلَی النَّاسِ جَمْعاً وَالَّذِیْ کَانَ یَنْظُرُ

وہ امام واجبِ اطاعت ہیں، تمام لوگوں پر خدا نے ان کا حق واجب کیا اور ہر اس شخص پر جو دیکھے اور سمجھے۔

وَ شِیْعَتُنَا فِی النَّاسِ اَکْرَمُ شِیْعَۃٍ   وَمُبْغِضُنَا یَوْمَ الْقِیَامَۃِ یَخْسَرُ

ہمارے شیعہ تمام لوگوں میں ہر گروہ سے افضل ہیں، اور ہمارا دشمن روزِ قیامت گھاٹے میں رہے گا۔

فَطُوْبیٰ لِعَبْدٍ زَارَنَا بَعْدَ مَوْتِنَا   بِجَنَّۃِ عَدْنٍ صَفْوُھَا لَا یُکَدَّرُ

بس اس شخص کیلئے مبارک ہو جس نے ہماری شہادت کے بعد ہماری مزار کی زیارت کی، اور جنت کی راحت و نعمتیں ہیں جن میں کبھی رنج و غم نہ ہوگا۔

شجاعت حسینیہ

امام مظلوم نے اتمام حجت کے لئے اپنا تعارف کراتے ہوئے اشقیاء کو پند و نصیحت کی۔ مگر ہزاروں کی جمعیت میں کسی مردود نے کوئی اثر نہ لیا۔ اور جواب نہ دیا۔ آپ نے فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ! جو میرا منصب و فرض تھا ادا کر چکا۔ اب تمہاری کوئی حجت مجھ پر باقی نہیں ہے۔ اس کے بعد آپ نے دونوں ہاتھ اٹھا کر یہ دعا کی: اَللّٰھُمَّ اَنْتَ ثِقَتِیْ فِیْ کُرْبَۃٍ وَعُدَّتِیْ فِیْ شِدَّۃٍ وَقُوَّتِیْ فِیْ شَامَۃٍ وَرَجَائِیْ فِیْ کُلِّ حَالَۃٍ اَنْتَ وَلِیِّیْ وَ دَلِیّٗ مَا اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَمُنْتَھٰی کُلِّ غَایَۃٍ فَاکْفِنِیْ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ۔ خدایا! تو ہی ہر مصیبت میں میرا بھروسہ اور ہر شدت میں میرا سہارا ہے۔ ہر آفت میں میری قوت اور ہر حالت میں میری امید ہے۔ تو میرا اور ان تمام نعمتوں کا جو تو نے مجھے دی ہیں، مالک ہے، اور ہر حاجت و آرزو کی انتہا تیری طرف ہے۔ اے ارحم الراحمین میری کفایت کر۔

اب معرکۂ قتال شروع ہوا۔ اور حیدر کرار کے فرزند نے ہاشمی شجاعت کے جی بھر کر جو ہر دکھائے لیکن ان کی شجاعت اور دلیری کے واقعات بیان کرنے سے پہلے ان کی مظلومانہ حالات اور اسباب بے کسی و غربت اور اسبابِ ضعف و نقاہت کو قلمبند کرتے ہیں۔ تاکہ ناظرین ان کے اسبابِ ضعف و نقاہت پر مطلع ہو کر ان کی بہادری، حوصلہ مندی اور دلیرانہ اقدام کی جی بھر کر داد دے سکیں۔

غریب الوطن، سامانِ خورد و نوش کا فقدان، کئی روز سے بھوکے و پیاسے، بے آرامی و کئی شب و روز سے متواتر بے چینی و بے قراری، جو بہادروں کے اعصاب کو بھی مضمحل کر دیتی ہے۔

دشمنانِ دین اور سنگدلی مخالفین کی طعن و تشنیع، دوستوں، محبوں اور ساتھیوں کا بے دردی سے قتل ہو جانے کا غم، بیٹوں، بھتیجوں، بھانجوں اور بھائیوں کے ظلم و جور سے شہید ہو جانے کا صدمہ، لاشوں کے اٹھانے، ان پر رونے، اور ان کی لاشوں سے دشمنوں کو دور کرنے کے لئے لڑنے کی تھکاوٹ اور زخموں کا اثر، بھرے گھر کی بربادی۔ جناب ابوطالب کے سارے خاندان کی تباہی کا دردناک منظر خود آنکھوں سے دیکھنا اور لاشوں کا بے گور و کفن خاک پر بکھرا ہوا ہونا اور آنکھوں کے سامنے ہونا۔

مستوراتِ ہاشمیات جو اپنے شہر کے اپنے محلّہ سے باہر نہ نکلتی تھیں، جو خود اپنے شہر کی گلیوں سے ناواقف تھیں، ان کے بے وارث اور یتیم بچّے کے بے سہارا رہ جانے کا غم و فکر، بے حیا اور کمینہ دشمنوں کے ماحول میں رسولؐ و علیؑ کی بیٹیوں کا گھر جانا، اور ان کے مستقبل کے بارے میں تشویش، یہ ایسے اسباب ہیں جو پہاڑ کی طاقت کو زائل اور لوہے کے پہاڑوں کو پگھلا دینے والے ہیں۔ شبیّر کے ظاہری زخم کیا کم تھے کہ اندرونی زخم بہت زیادہ اور گہرے تھے۔ مذکورہ مصائب میں سے ہر مصیبت قوی سے قوی انسان کو مفلوج اور طاقتور و بہادر کے اعصاب سُن کر دینے کے لئے کافی ہے۔ مگر ان تمام مصائب کے اجتماع کے باوجود فرزندِ حیدرِ کرّار نے جو دفاعی جنگ لڑی ہے اسی کے سامنے بڑے بڑے بہادروں کے سرمایۂ افتخار کارنامے اور خیبر و خندق، بدر و حنین کے معرکے ہیچ ہیں۔

اب ہم بنو ہاشم کے چشم و چراغ، بطالتِ مطلبی، شجاعتِ ہاشمی اور زورِ حیدری کے وارث کے جنگی کارنامے سپردِ قرطاس کرتے ہیں۔

چونکہ باہمی معاہدہ کی رُو سے یہ قرار پاچکا تھا۔ کہ ایک ایک شخص امامِ مظلوم کے مقابلہ کے لئے نکلے گا۔ سب سے پہلا شخص "تمیم بن قحطبہ" نہایت ہوشیاری سے امام پاکؑ پر حملہ آور ہوا۔ جو دَم کے دَم میں قتل ہو کر زمین پر لوٹنے لگا۔ اس کے بعد دوسرا شخص آیا۔ ایک لحظہ میں زمین پر تڑپنے لگا۔ تیسرا آیا۔ اپنے ساتھیوں کی طرح واصلِ جہنم ہو گیا۔ کیفیت یہ تھی کہ معاہدہ کی رُو سے فوجِ اشقیاء اپنے بہادروں کو میدانِ قتال میں پیش کرتی رہی۔ اور حیدرِ کرّار کا فرزند انہیں دَم بھر میں ہلاک کرتا رہا۔ اسی طرح پسرِ سعد کی اتنی جمعیّت ہلاک ہوگئی کہ اِسے اپنا معاہدہ توڑنا پڑا۔ اور مبارزطلبی کا سلسلہ توڑنا پڑا۔ عمر بن سعد کو اپنے ہزاروں پر مشتمل لشکر میں کافی خلا محسوس ہونے لگا۔ اس نے بلند آواز سے چلّا کر کہا کہ اس طرح اگر سلسلۂ قتال جاری رہا تو ساری فوج

لقمۂ اجل ہو جائے گی۔ اور ہماری کوششیں کبھی کامیاب نہ ہو سکیں گی۔ "فَاحْمِلُوْا عَلَیْهِ مِنْ کُلِّ جَانِبٍ" تم ہر طرف سے اس پر حملہ کر دو۔ پھر کیا تھا۔ چاروں طرف سے اس ایک دلیر پر رسالے کے رسالے، فوجوں کی فوجیں اور پرے کے پرے ٹوٹ پڑے۔ تلواریں فضا میں چمکنے لگیں، نیزے ہوا میں لہرانے لگے، تیر کمانوں میں جڑ گئے اور پتھروں کی بارش شروع ہو گئی، لیکن اس شجاعت کے کوہ گراں کی ہمت و دلاوری میں سر مو فرق نہ آیا۔ گھوڑے پر جم کر بیٹھ گئے۔ اور یہ رجز پڑھ کر دشمنوں کی صفوں میں اس طرح گھس آئے جس طرح غضبناک شیر بھیڑ بکریوں کے ریوڑ میں داخل ہو جائے

اَلْمَوْتُ اَوْلٰی مِنْ رُکُوْبِ الْعَارِ ۔۔۔ وَالْعَارُ اَوْلٰی مِنْ دُخُوْلِ النَّارِ

موت عار سے بہتر اور عار آگ میں داخل ہونے سے بہتر ہے۔

پھر لشکر ستم شعار کے دائیں حصہ پر حملہ کیا۔ اور تیغِ شعلہ بار نے ناریوں کے سر جسموں سے جدا کرنا شروع کئے۔ سواروں، گھوڑوں سے اور سر دھڑوں سے گرنے لگے، ایسا معلوم ہوتا تھا، کہ آسمان سے بجلی گر رہی ہے جو اشقیاء کے خرمن کو جلا رہی ہے۔ بادِ صرصر کے جھونکے ہیں جو عذاب بن کر بے دینوں کو بھسم کر رہے ہیں۔ پھر میسرہ پر یہ رجز پڑھ کر حملہ کیا۔

اَنَا الْحُسَیْنُ بْنُ عَلِیّ = اٰلَیْتُ اَنْ لَّا اَنْثَنِیْ

اَحْمِیْ عَیَالَاتِ اَبِیْ = اَمْضِیْ عَلٰی دِیْنِ النَّبِیّ

میں حسینؑ فرزند علیؑ ہوں، میں نے قسم کھائی ہے کہ اپنے مقصد سے نہ پھروں گا، اپنے والدِ بزرگوار کے کنبے کی حفاظت کروں گا اور اپنے نانا نبیؐ کے دین پر قائم رہ کر دنیا سے رخصت ہوں گا۔

ان صفوں کو پراگندہ کیا جو حملہ آور تھیں اور رسالوں اور پیادوں میں یوں ہلچل مچ گئی کہ ایک دوسرے پر گرتے بھاگتے جاتے تھے، ان بزدل کمینوں کو اس طرح ہنکاتے تھے جس طرح ریوڑ کو آگے آگے ہنکاتے ہیں۔ ان بے دینوں کے خون سے زمین لالہ زار بن گئی تھی، اور اشقیاء کے ناپاک خون کی ندیاں ارضِ کربلا پر بہہ رہی تھیں۔

اس حملہ میں کوفیوں اور شامیوں کے ایک ہزار نو سو پچاس مردود فی النّار ہوئے، اور زخمیوں کی تعداد علیحدہ تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ بشریتِ حسینؑ میں قوتِ ربّانی کارکن تھی، یہ ہمت و دلیری آپ کی امامت

کی تصدیق کا معجزہ تھا۔ جسمانی نقاہت کے ساتھ روحانی طاقت پر زور تھی۔ ہیبت حسینیہ میں ہیبت الٰہیہ کارفرما تھی۔ فرزندِ بتول کو اپنی حقانیت پر ناز تھا۔ یہ کارنامہ ان کی امامت کا اعجاز اور صداقت کا راز تھا۔ واقعۂ کربلا سے پہلے شجاعتِ امیرالمومنینؑ کے فسانے زبان زدِ خلائق تھے۔ لیکن روزِ عاشور کو غریبِ کربلا کی بہادری اور دلیری نے حیدری کارنامے بھلا دیئے تھے۔ محفلوں اور اجتماعوں میں حسینی شجاعت بطور ضرب المثل بیان کی جاتی۔

جناب علی بن عیسیٰ "کشف الغمہ" میں بیان کرتے ہیں کہ حسینی شجاعت اور حسینی صبر کی نظیر نہ پہلے لوگوں میں ہے اور نہ پچھلے لوگ پیش کر سکیں گے۔ عزم کے پہاڑ تھے جسے ظلم و ستم کی تیز آندھیاں متحرک نہ کر سکیں۔ ؎

رنگ اڑ گیا حکومتِ بدعت شعار کا　　　عزمِ حسینؑ عزم تھا پروردگار کا

تیس ہزار کا لشکر ہر قسم کے ہتھیاروں سے آراستہ تنہا پسرِ حیدر کے مقابلے سے عاجز آ گیا

؎ دم بھر میں صفیں صاف تھیں بیداد گروں کی　　　تھی مینہ کی طرح خاک پہ بوچھار سروں کی

اگر دونوں طرف سے مقتولوں کی تعداد گنی جائے اور مقتولوں کی تعداد پر فتح و شکست کی بنیاد رکھی جائے تو بے شک فتح غریبِ کربلا اور مسافرِ نینویٰ امامِ ہدیٰ کی ہے۔ بے شک امامِ مظلوم کی جمعیت ساری ماری گئی مگر فوجِ اشقیاء اور سپاہِ بے حیا کے مقتولین کی تعداد اتنی ہے کہ کوفہ میں کسی دشمن کا گھر اور کسی مخالف کا صحن ایسا نہ تھا جہاں اس کے مقتول پر رونے کی آواز بلند نہ ہوتی ہو۔ کوفہ کی ہر گلی میں ناریوں کے وارثوں کے رونے کی صدا آتی تھی۔ اور بے دینوں کے گھروں میں صفِ ماتم بچھی ہوئی تھی۔

حمید بن مسلم یا عبداللہ بن عمار بن یغوث کا بیان ہے: "وَاللّٰہِ مَا رَأَیْتُ مَکْثُوراً قَطُّ قَدْ قُتِلَ وُلْدُہُ وَاَھْلُ بَیْتِہٖ وَاَصْحَابُہٗ اَرْبَطَ جَاشاً مِنْہُ عَلَیْہِ السَّلَامُ وَاِنْ کَانَتِ الرِّجَالَۃُ لَتَشُدُّ عَلَیْہِ فَشَدَّ عَلَیْھَا فَیَشُدُّ عَلَیْھَا بِسَیْفِہٖ فَتَنْکَشِفُ عَنْہُ اِنْکِشَافَ الْمِعْزٰی اِذَا شَدَّ فِیْھَا الذِّئْبُ وَلَقَدْ کَانَ یَحْمِلُ عَلَیْھِمْ وَقَدْ تَکَمَّلُوْا ثَلٰثِیْنَ اَلْفاً فَیَنْھَزِمُوْنَ بَیْنَ یَدَیْہِ کَاَنَّھُمْ جَرَادٌ مُنْتَشِرٌ ثُمَّ یَرْجِعُ اِلٰی مَرْکَزِہٖ وَیَقُوْلُ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ"۔

حمید بن مسلم یا عبداللہ بن عمار کہتا ہے کہ میں نے کسی ایسے تنہا شخص کو نرغۂ اعداء میں گھرے ہوئے نہیں دیکھا۔ جس کی اولاد، بھائی، اہلِ بیت، سارا کنبہ، اور انصار سب قتل ہو چکے ہوں۔ ایسا مضبوط دل، باہمت، مثلِ حسینؑ نہیں دیکھا۔ وہ بے دھڑک پیش قدمی کرتے، پیادوں کی صفیں جب ان پر ٹوٹ

پڑتیں تو آپ اس انداز سے لڑتے کہ دائیں بائیں کی سپاہِ ابنِ سعد اس طرح بھاگتی نظر آتی۔ جس طرح ریوڑ میں شیر کے گھس آنے سے بھیڑ بکریاں بھاگ کھڑی ہوتی ہیں۔ حالانکہ لشکرِ مخالف کی تعداد تیس ہزار تھی۔ جب امامِ پاکؑ ان پر تابڑ توڑ حملہ کرتے تو بزدلوں کی یہ فوج آپ کے سامنے یوں درہم برہم نظر آتی جس طرح پراگندہ ٹڈیاں ہیں۔ امامِ مظلوم حملہ کے بعد لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ پڑھتے اپنے مرکز کی طرف واپس آجاتے۔

شمر ملعون کا خیام پر حملہ کرنے کا ارادہ

دورانِ جنگ بھی امامِ مظلوم کو مستورات اور اہلِ حرم کی فکر دامنگیر رہی۔ جب ہی حملہ کر کے واپس مرکز کی طرف لوٹتے سوئے خیام نظر کرتے۔ اس کا اندیشہ امامِ پاک کو ہر وقت رہتا کہ کمینے اور بے حیا دشمن خیام کی طرف بڑھ کر حملہ نہ کر دیں۔ چنانچہ شمر ملعون اپنی فطری کمینگی اور پیدائشی بدذاتی سے باز نہ آیا۔ اور ایک دستہ فوج کا لے کر جانبِ خیام بڑھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ خیام پر حملہ کر کے مخدراتِ عصمت وطہارت کو لُوٹ لیا جائے پھر خیموں کو آگ لگائی جائے، اِس ناپاک اور مذموم نیت سے وہ جناب امام اور خیام کے درمیان سپاہ لے کر حائل ہوگیا۔ ان بدفطرت لوگوں نے کئی بار خیام پر حملہ کرنے کی کوشش کی، مگر اصحابِ حسینؑ اور جوانانِ بنی ہاشم نے ان کی ہر کوشش کو ناکام بنا دیا اور تاحیات ان کو خیموں کے قریب نہ پھٹکنے دیا۔ اب تنہا امام تھے اور صرف اکیلے میدان میں مصروفِ قتال۔ جونہی ان کے مذموم ارادے اور ناپاک مقصد کی خبر ہوئی اور بے حیاؤں کو خیام کی طرف بڑھتے دیکھا تو راہوار کی باگ سوئے خیام موڑ دی اور فوراً خیام کی طرف پلٹے، بے دینوں اور کمینوں کو مخاطب ہو کر فرمایا: "اے گروہِ ابوسفیان! اگر تمہیں مذہب کا خیال اور آخرت کا خوف نہیں تو دنیا میں تو آدمی بنے رہو۔ اگر تم عرب نسل ہو تو عرب غیرت وحمیّت کا پاس کرو" آپ کا کلام سُن کر شمر بے دین نے کہا: "حسینؑ! اس بات سے آپ کا کیا مقصد ہے؟" مولاؑ نے فرمایا:

اَقُوْلُ اَنَا الَّذِیْ اُقَاتِلُکُمْ وَتُقَاتِلُوْنِیْ وَالنِّسَاءُ لَیْسَ عَلَیْھِنَّ جُنَاحٌ فَامْنَعُوْا عُتَاتَکُمْ عَنِ التَّعَرُّضِ لِحَرَمِیْ مَا دُمْتُ حَیًّا۔ "میں یہ کہہ رہا ہوں کہ میں تمہارے ساتھ لڑ رہا ہوں۔ اور تم میرے ساتھ قتال کر رہے ہو۔ مردوں مردوں کی لڑائی ہے۔ اس میں عورتیں بے قصور ہیں۔ شرافت اور غیرت عورتوں پر حملہ کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔ تم اپنے سرکش اور گستاخ و بے حیا سپاہ کو روک لو، کہ میری مستورات وحرم کی جانب نہ بڑھیں۔ جب تک میں زندہ ہوں یہ

برداشت نہیں کر سکتا۔

مولا کی اس تقریر سے بے حیاؤں کو کچھ حیا اور بے شرموں کو کچھ شرم آ ہی گئی، اور شمر نے شرمندہ ہو کر کہا آپ کا مطالبہ منظور ہے۔ اور فوج کو خیام سے ہٹا کر میدان میں بھیج دیا۔

اس کے بعد تمام فوج کا رُخ سوئے امام تھا۔ اور یہ سپاہ بتعداد چار حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ شمشیر زن، انہوں نے تلواروں سے حملہ کیا۔ نیزے بردار نیزوں کے وار کرتے تھے۔ تیر انداز بیک وقت چار ہزار کمانیں کڑکیں اور چار ہزار تیر بیک وقت چلّوں سے نکلتے تھے۔ پتھر مارنے والے، تیروں کی بارش اور پتھروں کا مینہ جاری ہو گیا تھا۔

پیاسا امام لبِ فرات پر

ادھر ایک جسم ایک بدن تیروں کا نشانہ بھی ہے، پتھروں کا ہدف بھی، نیزوں کا مقام بھی، اور تلواروں کی جائے ضرب بھی۔ شدتِ پیاس سے کلیجہ پھک رہا ہے۔ پانی طلب کرتے ہیں تو بے دین استہزاء اور تمسخر کرتے ہیں۔ طعن و تشنیع سے کام لیتے ہیں۔ گستاخانہ جواب دیتے ہیں۔ امامِ مظلوم نے جانبِ فرات گھوڑے کی باگ موڑی اور صفوں کو چیرتے ہوئے، ناہنجاروں کو راہ سے ہٹاتے ہوئے، دائیں بائیں ناریوں کو اس طرح کاٹتے چلے جس طرح مالی باغ کے درختوں کی شاخیں اور کسان درانتی سے فصل کاٹتا ہے۔

پیاسا امام لبِ فرات پہنچ گیا۔ ابوالاعور اسلمی اور عمرو بن حجاج چار ہزار سواروں کے ساتھ گھاٹ کے پہرہ دار تھے۔ مزاحمت کی مگر مقابلے کی تاب نہ لا سکے۔ کنارہ خالی ہو گیا۔ اور ساقیٔ کوثر کا فرزند دریائے فرات کی وادی اپنی منصوبہ جاگیر میں داخل ہو گیا۔ پیاسے راہوار کو پانی کی ٹھنڈک محسوس ہوئی۔ اس کا جگر جل رہا تھا۔ منہ سطحِ آب کے قریب کیا۔ مولا نے فرمایا کہ گھوڑے! تو بھی پیاسا ہے اور میں بھی پیاسا ہوں۔ میں اس وقت تک پانی نہ پیوں گا جب تک تو نہ پی لے، وفادار راہوار نے پیاسے آقا کا کلام سُنا۔ منہ پانی سے اٹھا لیا۔ گویا وہ اپنی زبان میں کہہ رہا ہے کہ یہ شانِ وفا نہیں کہ سوار اور مالک پیاسا رہے، راہوار پانی پیئے۔ مولا نے چلو بھرا۔ اس اثناء میں ایک تیر آیا، جو حلق میں پیوست ہو گیا۔ آپ نے تیر کھینچا۔ خون کا فوارہ باہر آیا۔ پانی کی بجائے ہاتھ خون سے بھر گیا اور وہ خون جانبِ آسمان پھینک کر کہا:

"خدایا! اس قومِ جفاکار کی شکایت تیری بارگاہ میں کرتا ہوں، جس نے میرا خون بہایا اور پانی سے روکا۔" اِس اثناء میں آواز آئی: "حسینؑ! تم تو پانی میں کھڑے ہو ادھر آپ کے خیام لُوٹے جا رہے ہیں۔ پیاسے

امام نے ایک لمحہ دیر کئے بغیر فوراً خیام کی جانب رُخ کیا۔ گو امام مظلوم بے حد پیاسے تھے اور پانی پر پہنچ گئے تھے۔ چلو میں پانی بھی لیا اور اگر پانی پی کر لوٹتے تو کونسی دیر لگتی مگر امام پاک پانی پینا نہیں چاہتے تھے۔ کیا زینب، امّ کلثوم، سکینہ، فاطمہ، رباب اور اولادِ عباس کی پیاس بھول گئے تھے؟ اگر اس وقت پانی سے سیراب ہو جاتے تو یہ کہا جا سکتا کہ امام پیاسے شہید ہوئے؟ اپنے قوّتِ بازو سے فرات کا کنارا خالی کرا کے اور اپنے کھوئے ہوئے حق پر قبضہ کر کے ہاشمی شجاعت اور کمینہ فوج کی بزدلی اور بے حیائی دکھا دی، جب تک اہلِ حرم کو پانی نہ پہنچاتے خود کبھی نہ پیتے۔ اس واسطے تشنہ وہاں سے واپس خیمہ گاہ کی طرف پلٹے۔

خیام میں آکر امام مظلوم کا اہلِ حرم سے دوسری بار وداع کرنا

خیمے تو صحیح و سالم تھے مگر چند لمحوں کیلئے جب تک کہ شبیّر کا تن سلامت ہے۔ امام مظلوم خیموں میں داخل ہوئے۔ سوگوار بیبیاں خیموں میں خاک پر بیٹھی شہداء کے غم و ماتم میں مصروف تھیں۔ معصوم بچے العطش العطش پکار رہے تھے۔ امام مظلوم کے آنے سے بچے اکٹھے ہو گئے۔ سیّدانیوں کو کچھ سہارا مل گیا۔ لیکن پہلے وداع اور دوسرے وداع میں حسینؑ کی حالت بدلی ہوئی تھی۔ اب کی مرتبہ کپڑے خون میں تر تھے۔ بدن زخمی تھا۔ ایک مرتبہ پھر خیموں میں کہرامِ ماتم بپا ہوا۔ امام مظلوم نے تسلّی دی۔ اور صبر و سکون کی تلقین کی۔ اور اجرِ کریم و ثوابِ عظیم کی بشارت دیتے ہوئے فرمایا:

اِسْتَعِدُّوْا لِلْبَلَاءِ وَ اعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی حَافِظُکُمْ وَحَامِیْکُمْ سَیُنَجِّیْکُمْ مِنْ شَرِّ الْاَعْدَاءِ وَیَجْعَلُ عَاقِبَۃَ اَمْرِکُمْ اِلٰی خَیْرٍ یُعَذِّبُ اَعْدَائِکُمْ بِاَنْوَاعِ الْبَلَاءِ۔ "بلاد مصیبت آن پہنچی ہے۔ میرا امتحان ختم ہونے کو ہے، تمہارا امتحان شروع ہو رہا ہے۔ میری منزل کی انتہا ہے تمہاری منزل کی ابتداء۔ جان لو اللہ تعالیٰ تمہارا حافظ و حامی ہے۔ وہ تمہیں دشمنوں کے شر سے محفوظ رکھے گا اور تمہارے امتحان کا نیک انجام ہوگا۔ اور تمہارے دشمنوں کو مختلف قسم کا عذاب دے گا۔

امام مظلوم مستورات اور پس ماندہ بچوں کو دلاسے دے رہے تھے کہ اس اثناء میں دشمن گھٹا کی مانند چڑھ آیا تھا۔ تیر بارانی شروع ہو گئی اور کچھ تیر خیموں میں بھی آئے۔ امام پاک میدانِ کارزار میں دوبارہ وارد ہوئے اور قوّتِ ربّانی اور طاقتِ یزدانی کا مظاہرہ کرنے لگے۔ اب معرکۂ قتال دوبارہ گرم ہوا۔ گھمسان کا رن پڑا۔ تیروں کی برسات اور پتھروں کے مینہ میں پسرِ حیدرِ کرّار نے جہاد

جاری رکھا اور لاشوں کے انبار لگاتے اور خون کے دریا بہاتے رہے۔

سابقہ تجربہ ناکام ہونے پر شمر نے اپنے لشکر کو نئے سرے سے اسی طرح ترتیب دیا کہ لشکر سے آگے پیادوں کی صفیں تھیں اور پیادوں کے پیچھے گھوڑے سوار ایک تنظیم کے تحت صفیں بنائے کھڑے تھے۔ چار ہزار تیر اندازوں کو دُور سے تیر چلانے پر مامور کیا اور دوسروں کو پتھر مارنے کا حکم دیا۔ یکبارگی حملہ شروع ہوا مگر اسداللہ کے فرزند نے صفوں کو درہم برہم، رسالوں کو تتر بتر اور پیادوں کو منتشر کر دیا۔ تنظیم اور کیا ترتیب، جس طرح تیز ہوا کا جھونکا خس وخاشاک کو اُڑا پھینکتا ہے اسی طرح ہاشمی شجاع کی تلوار قہر خداوندی اور غضب الٰہی بن کر دار البوار پہنچا رہی تھی۔ ہاں تیروں کی بارش نے مولا کا بدن نڈھال کر دیا تھا۔ امام جوابی حملہ بھی کرتے اور فرماتے جاتے: يَا أُمَّةَ السُّوْءِ بِئْسَمَا خَلَفْتُمْ مُحَمَّدًا فِي عِتْرَتِهِ أَمَا إِنَّكُمْ لَنْ تَقْتُلُوا بَعْدِي عَبْدًا مِنْ عِبَادِ اللهِ فَتَهَابُوا قَتْلَهُ بَلْ يَهُوْنُ عَلَيْكُمْ عِنْدَ قَتْلِكُمْ إِيَّايَ وَأَيْمُ اللهِ إِنِّي لَأَرْجُوا أَنْ يُكْرِمَنِي رَبِّي بِالشَّهَادَةِ بِهَوَانِكُمْ ثُمَّ يَنْتَقِمُ لِي مِنْكُمْ مِنْ حَيْثُ لَا تَشْعُرُوْنَ۔ اے بدکردار وبے حیا اُمّت تم نے بعد رسول ان کی عترت کے ساتھ کس قدر بُرا سلوک کیا، آگاہ رہو کہ اس کے بعد تم کسی بندۂ خدا کو قتل کرتے وقت خوف نہ محسوس کرو گے اور نہ ڈرو گے، بلکہ میرے قتل کے بعد تمہیں اور بندگانِ خدا کا قتل آسان ہو جائے گا۔ خدا کی قسم مجھے اُمید ہے خدا مجھے شہادت کی عزّت اور سعادت بخشے گا اور تم پر ذلّت مسلّط کرے گا۔ اور تم سے اس طرح قتل کا انتقام لے گا کہ تمہیں خبر بھی نہ ہوگی۔

جناب اسداللہ کے فرزند نے اس ضعف و نقاہت اور زخموں کی کثرت کے باوجود وہ شجاعت اور دلیری دکھائی کہ فوجِ بدنہاد سے میدان خالی ہو گیا۔ اور امام مظلوم ان کا تعاقب کرتے ہوئے بارہ میل مقامِ ذو الکفل تک پہنچ گئے اور میدانِ قتال ناپاک لاشوں سے اس طرح پٹ گیا تھا کہ گھوڑے کو زمین پر چلنا دشوار ہو گیا۔ یہ آخری حملہ تھا۔ اس کے بعد مرکز پر تشریف لائے۔ اس اثناء میں ہاتفِ غیبی کی آواز آئی: "يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا أَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ"۔ اے ایمان والو! وعدہ وفا کرو۔ جناب مظلومِ کربلا مطلب سمجھ گئے، قتال سے ہاتھ روک لیا۔ لڑائی ختم کر کے تلوار نیام میں ڈال دی اور ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کر فرمایا: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ، رِضًا بِقَضَائِهِ وَتَسْلِيْمًا لِأَمْرِهِ۔ اس کے فیصلہ پر راضی ہوں اور اس

کے حکم کے آگے سرِ تسلیم خم ہے۔

اب اظہارِ شجاعت کا وقت گذر گیا، امتحان میں کامیابی کی گھڑی آن پہنچی ہے آواز آئی غیب سے وعدہ وفا کرو۔

عصر کا وقت آگیا وعدہ وفا ہونے کو ہے = زیرِ خنجر آج سبطِ مصطفٰے ہونے کو ہے
جس کی خاطر زینبِ مغموم نے چھوڑا وطن = عالمِ غربت میں بھائی سے جدا ہونے کو ہے

تیروں اور نیزوں کے وار اور زینِ ذوالجناح سے سقوط

تلوار کا نیام میں ڈالنا تھا کہ بکھری ہوئی فوج پھر جمع ہوگئی۔ اب تنِ تنہا جسم پاک تیروں تلواروں اور نیزوں کا نشانہ ہے۔ شیعو! تمہارے امام ابھی گھوڑوں پر سوار ہیں۔ ہر چہار طرف سے تیر آرہے ہیں۔ اور نازنینِ بتول تیروں کا استقبال کر رہا ہے۔ فوجِ شمر میں سے ایک تیرانداز ہے نام اس کا ابوالحتوف جعفی ہے۔ اس شقی نے ایک زبردست تیر چلایا۔ جو غریبِ کربلا کی پیشانی پر لگا۔ پیشانی سے خون کی دھار پھوٹی، چہرۂ مبارک خون سے لالہ گوں ہوگیا۔ مولا نے آسمان کی طرف منہ کر کے کہا: "یا اللہ! تو دیکھ رہا ہے کہ تیرے سرکش بندے میرے ساتھ کیا سلوک کر رہے ہیں۔

بدن زخموں سے چور ہے۔ جسم نڈھال ہو چکا ہے۔ کتنے زخم ہیں ان کا کوئی شمار نہیں۔ ایک ہتھیار کے زخم نہیں تھے۔ تلواروں کے زخم تھے۔ نیزوں کے علیحدہ، تیروں کے الگ اور پتھروں کے علاوہ تھے۔ کتنے زخم تھے، مختلف روایات ہیں مگر اتنا ضرور ہے کہ بدن پاک کا کوئی حصہ ایسا نہ تھا جہاں دردستائیاں اور مصیبت زدہ زہرا جائیاں بوسے دے سکیں، ایک میں کئی زخم تھے تمام ملا کر ایک ہزار نو سو پچاس زخم شمار کئے گئے ہیں۔

روایت است کہ برتنِ شہِ ذیجود = ہزار و نہ صد و پنجاہ جراحت بود

ابھی فرزندِ رسول زینِ ذوالجناح پر بیٹھے سستا رہے تھے کہ اس اثناء میں ایک سنگدل ظالم نے پتھر مارا جو پیشانی مبارک پہ لگا۔ خون جاری ہوگیا۔ آپ نے پیراہن کا دامن اٹھایا کہ خون پونچھا۔ ادھر خون پونچھ رہے تھے کہ ایک سہ شعبہ تیر فضا کو چیرتا ہوا سینۂ اقدس میں پیوست ہوگیا۔ چونکہ تنِ مبارک زخموں سے کھوکھلا ہو چکا تھا۔ تیر کی نوکیں بدن سے پار نکل گئیں، اس تیر کا پیوست ہونا تھا کہ غریبِ کربلا کی زبان ذکرِ خدا میں مصروف ہوگئی کہا کہ: بِسْمِ اللّٰهِ وَ بِاللّٰهِ وَ عَلٰی مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ۔ آپ ہر تیر کے استقبال میں یہ جملے فرماتے۔ پھر آسمان کی طرف

مُنہ کر کے کہا: اِلٰہِیْ اِنَّکَ تَعْلَمُ اِنَّھُمْ یَقْتُلُوْنَ رَجُلاً لَیْسَ عَلٰی وَجْہِ الْاَرْضِ ابْنُ نَبِیٍّ غَیْرُہٗ، الٰہی تو جانتا ہے کہ یہ لوگ ایسے شخص کو قتل کر رہے ہیں کہ روئے زمین پر اس کے سوا کوئی فرزندِ پیغمبر نہیں ہے۔ تیر زور سے آیا تھا۔ نوکیں پُشت کی جانب پار ہوگئیں۔ امام نے تیر نکالنا چاہا۔ مولا تیری مظلومی و غربت، بے کسی و تنہائی پر قربان، تو نے دوسرے شہیدوں کے بدنوں سے نوکیں نکالیں۔ آج تیرے بدن سے تیر کھینچنے والا کوئی نہیں۔ آپ نے دونوں ہاتھوں سے تیر کھینچنے کی کوشش کی، مگر یہ تیر نہ نکلا۔ اس واسطے مظلوم کربلا نے جھک کر تیر کو پشت کی طرف سے نکالا۔ حسینیو! اس تیر کے نکالنے سے خون کتنا نکلا ہوگا۔ عربی کے الفاظ ہیں: "فَانْبَعَثَ الدَّمُ کَالْمِیْزَابِ" خون پرنالہ کی طرح جوش مار کر نکلا۔ آپ نے پشت کے پیچھے ہاتھ رکھا۔ خون بھر کر آسمان کی طرف پھینکا۔ جس میں سے ایک قطرہ بھی زمین پر نہ گرا۔ دوبارہ ہاتھ بھر کر سر اور ریش پہ مل لیا۔ اور کہا: "اسی طرح خون کا خضاب لگا کر روزِ قیامت نانا کے پاس جا کر کہوں گا: "نانا! تیری اُمّت نے میرے ساتھ یہ سلوک کیا ہے۔ شیعو! تمہارے زخمی امام ابھی تک گھوڑے پر سوار ہیں۔ بے شک خون کثرت سے بہہ چکا ہے۔ اور بہت نڈھال ہیں۔ تاہم زین پر سوار ہیں۔ اب تمہارے امام کا وقت آگیا ہے کہ زین چھوڑ دیں۔ مولا نے زین خود نہیں چھوڑی۔ مولا سے زین چھڑائی گئی ہے۔ اترے نہیں۔ بلکہ اتارے گئے ہیں۔ کس نے زین چھڑائی؟ سنوگے کلیجہ پکڑ کر اور دل تھام کر سنو۔ ایک ملعون صالح بن وہب مزنی نے کمر میں ایسا نیزہ مارا کہ بتول کی فریاد نکل گئی، قبرِ رسول کانپ گئی، عرش لرز اٹھا۔ زمین تھرّائی اور دلبندِ بتول نے گھوڑے کی زین چھوڑ دی۔ آپ وہی جملے جو تیر کے استقبال کے وقت پڑھتے تھے، نیزے کا استقبال انہی جملوں سے کیا۔ اور بِسْمِ اللّٰہِ وَبِاللّٰہِ وَعَلٰی مِلَّۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ پڑھتے ہوئے دائیں رخسار کے بل فرشِ زمین کے مہمان ہوئے۔

جناب قائم آلِ محمد زیارتِ ناحیہ میں فرماتے ہیں:

فَھَوَیْتَ اِلَی الْاَرْضِ جَرِیْحاً

آپ زخموں سے چُور ہو کر تیروں اور نیزوں کی تاب نہ لا سکے زمین پر گر پڑے۔

اَلسَّلَامُ عَلَی الْخَدِّ التَّرِیْبِ

خاک آلود رخسار پر سلام ہو۔

بلند مرتبہ شاہے ز صدرِ زین افتاد　　اگر غلط نہ کنم عرش بر زمین افتاد

قرآن رحلِ زین سے سوئے فرش گر پڑا　　دیوارِ کعبہ بیٹھ گئی عرش گر پڑا

شہسوارِ دوشِ رسول اور نازپروردۂ آغوشِ بتول سینکڑوں زخم کھا کر خون میں نہا کر زخموں سے چور سنبھلنے سے معذور، زینِ عرش سے فرشِ زمین پر آ رہا۔ شہزادیاں جو درِ خیمہ پہ برادرِ مظلوم کا یہ دردناک منظر دیکھ رہی تھیں۔ قرآنِ ناطق کا رحلِ زین سے گرتا دیکھا۔ لختِ دلِ بتول کو بے بس ہو کر زین کو چھوڑتے دیکھا۔ صحنِ خیمہ سے بے تاب ہو کر باہر نکل آئیں۔ اور زبان پہ یہ فریاد تھی: وَا اَھْلَ بَیْتَاہٖ لَیْتَ السَّمَآءُ طَبَقَتْ عَلَی الْاَرْضِ وَلَیْتَ الْجِبَالُ تَدَکْدَکَتْ عَلَی السَّھْلِ۔ پہاڑ ریزہ ریزہ کیوں نہیں ہوتے۔ ہمارے سردار، ہائے اہلِ بیت۔ آسمان زمین پر کیوں نہیں گر پڑتا۔ پہاڑ ریزہ ریزہ کیوں نہیں ہوتے۔ معصومۂ مظلومہ شریکۃ الحسین اب خیمہ میں کس طرح قرار سے بیٹھے۔ اِس مقام پر آ گئیں جسے "تلِ زینبیہ" کہتے ہیں۔ خیموں سے باہر ایک اونچا مقام تھا جہاں دردمند اپنے مظلوم بھائی کی دائمی جدائی کا منظر دیکھتی رہی۔ پسرِ سعد کو پکار کر کہا: "وَیْحَکَ یَا عُمَرو! یُقْتَلُ اَبُوْ عَبْدِاللّٰہِ وَاَنْتَ تَنْظُرُ اِلَیْہِ" افسوس ہے تم پر اے پسرِ سعد! فرزندِ رسولؐ دلبندِ بتول ابوعبداللہ حسینؑ قتل ہو رہا ہے۔ اور تو دیکھ رہا ہے۔" دردبھری فریاد اور زہرا جائی کا اِس طرح جنگل میں دُہائی دینا، بتول کی بیٹی کا اس قدر غریب و بے کس ہو جانا، حسینؑ کی مظلومی کا اثر تھا کہ ابنِ سعد منہ پھیر کر رونے لگ گیا۔ اور یہ آنسو اس کے رخسار پہ بہنے لگے۔ اِس کے بعد دردمند اور دل جلی بہن نے بلند آواز سے سنگدل فوج کو مخاطب ہو کر کہا: وَیْحَکُمْ اَمَا فِیْکُمْ مُسْلِمٌ" افسوس ہے تم پر کیا تم میں کوئی مسلمان نہیں۔ افسوس کہ دخترِ رسول کی آواز صدا بالصحرا ثابت ہوئی اور کسی بدبخت نے توجہ نہ دی۔ کسی شقی نے جواب نہ دیا۔ اور علی کی بیٹی مایوسی کے ساتھ خیمہ میں چلی گئی۔

شہادتِ حسینؑ اور جنگ کا خاتمہ

عزادارو! میرے مولائے مظلومؑ کے مسقط اور مقتل میں فاصلہ ہے۔ جہاں گرے ہیں وہاں قتل نہیں ہوئے۔ گرنے کے بعد کچھ دیر تو زمین پر بے حس پڑے رہے۔ اس کے بعد سنبھلے، اٹھ بیٹھے اور پہچان گئے کہ یہ جگہ میری مقتل نہیں۔ اس واسطے اپنی مقتل کی جانب روانہ ہوئے مگر دشواری یہ تھی کہ سنبھلنے کی طاقت اور چلنے کی قوت ختم ہو گئی تھی۔ چند قدم چلتے پھر ضعف و نقاہت کی وجہ سے گر پڑتے، بعض مؤرخ بیان کرتے ہیں، چلتے وقت مظلوم آقا کمزوری کی وجہ سے نہ گرتے تھے۔

بلکہ ہر قدم پر نیزے کا وار اور تلوار کی ضرب لگتی اور غریب کربلا گر پڑتے۔ مقامِ سقوط سے جائے قتل تک چند قدموں کا فاصلہ نیزوں اور تلواروں کے واروں میں طے کیا۔

شیعو! اب تمہارا آقا اصلی وعدہ گاہ پر پہنچ چکا ہے۔ ذرا سنبھل کر بیٹھے منہ آسمان کی طرف کیا اور کہا:

تَرَکْتُ الْخَلْقَ طُرًّا فِیْ هَوَاکَ وَ اَیْتَمْتُ الْعِیَالَ لِکَیْ اَرَاکَ

فَلَوْ تَقْطَعْتَنِیْ فِی الْحُبِّ اِرْبًا کَمَا حَنَّ الْفُؤَادُ اِلٰی سِوَاکَ

میرے معبود! میں نے تمام مخلوق کو تیری محبت میں چھوڑ دیا۔ اور تیرے وصال کے شوق میں بچوں کو یتیم بنا دیا ہے۔ اگر تیری محبت کے جرم میں میرا بدن پارہ پارہ کر دیا جائے تب بھی میرا دل تیرے غیر کی طرف مائل نہ ہوگا۔

اب حسینؑ رزم گاہ میں نہیں بلکہ قتل گاہ میں ہیں۔ تیر اور پتھر متواتر آ رہے ہیں۔ زانوؤں کے بل زمین پر بیٹھے ہیں۔ اور یہ دعا پڑھ رہے ہیں: صَبْرًا عَلٰی قَضَائِکَ یَا رَبِّ لَا اِلٰہَ سِوَاکَ یَا غِیَاثَ الْمُسْتَغِیْثِیْنَ مَالِیْ رَبٌّ سِوَاکَ وَلَا مَعْبُوْدٌ غَیْرُکَ صَبْرًا عَلٰی حُکْمِکَ یَا غِیَاثَ مَنْ لَا غِیَاثَ لَہٗ دَائِمًا لَا نِفَادَ لَہٗ یَا مُحْیِیَ الْمَوْتٰی یَا قَائِمًا عَلٰی کُلِّ نَفْسٍ بِمَا کَسَبَتْ اُحْکُمْ بَیْنِیْ وَ بَیْنَہُمْ وَ اَنْتَ خَیْرُ الْحَاکِمِیْنَ۔

باوجود اس نقاہت و ناتوانی کے قریب جا کر وار کرنے کی کسی کو جرأت نہ ہوتی تھی، عمر بن سعد نے حکم دیا: "اب اس بے کس و ناتواں کا قتل دشوار نہیں، بھائیوں، بھتیجوں کے گہرے زخم اس کے اندرونِ جسم میں ہیں۔ اور بیرونِ بدن زخموں کی کثرت سے چور اور اٹھنے بیٹھنے سے معذور ہے۔ اندرونی اور بیرونی طور پر سخت گھائل ہو چکا ہے۔ جو اس کا سر لائے گا اسے خاص انعام ملے گا۔ جلدی کرو اس کی شمعِ حیات گل کر دو"۔ تاہم اس گناہِ عظیم کو کوئی اپنے سر لینے کو تیار نہ ہوتا تھا۔ شمر ملعون نے ترغیب دی۔ چالیس سواروں نے آگے بڑھ کر مظلوم کربلا کو گھیرے میں لے لیا۔ اور آپ پر یکے بعد دیگرے حملے کرنے لگے۔ یوں تو تیس ہزار اشقیا قتلِ امام کے ذمہ دار ہیں۔ مگر جو قتل میں شریک ہیں۔ یعنی جنہوں نے پتھروں، تیروں، تلواروں اور نیزوں سے امامِ مظلوم کو زخمی کیا۔ بے شک وہ بھی قاتل ہیں۔ اور قتلِ حسینؑ میں شریک اور حصہ دار ہیں۔ مگر خاص قاتل جنہوں نے آخری دم پنجتن پاک کا خاتمہ کیا اور جنابِ زہراؑ کا گھر برباد کیا۔ چراغِ رسول بجھایا اور روزِ حشر تک جنابِ بتول کو رلایا وہ سات ملعون ہیں۔

حصین بن نمیر، اس ظالم نے دہنِ اقدس پر تیر مارا۔ یہ ملعون پہلے بھی اپنے تیروں سے بدنِ امام زخمی کر چکا تھا۔ ابو ایوب غنوی نے حلقِ مبارک کو تیر سے چھید دیا۔ نصر بن خرشمہ نے دائیں شانے پر تلوار ماری۔ زراعہ بن شریک نے بائیں بازو پہ تلوار کا وار کیا۔ صالح بن وہب مزنی نے نیزہ مارا۔ خولی بن یزید اصبحی نے سہ شعبہ تیر مارا۔ جو دِل کے مقام پر لگا۔ دِل میں ایک رگ ہے جسے "وتین" کہتے ہیں۔ اسی رگ سے تمام جسم میں خون گردش کرتا ہے۔ اِس ملعون نے وہ رگ کاٹ دی۔ جس سے بہت سا خون نکل گیا۔ پھر فوراً سنان بن انس نے ایسا نیزہ مارا کہ زینب کا مظلوم بھائی، زہرا کا لال سنبھل نہ سکا، اور منہ کے بل گر پڑے اور تین ساعت دوشِ پیغمبر کا سوار خون میں غلطان زمین پر پڑا رہا۔ اس دوران لوگوں کو معلوم نہ ہوسکا، بتول کا بیٹا زندہ ہے یا غریبِ کربلا رحلت کر گیا ہے۔ اِس کے بعد جوں توں کر کے سکینہ کا بابا اٹھ بیٹھا اور حلق سے تیر نکالا۔ زینب کا بھائی اپنی زندگی کے آخری لمحات میں ہے۔

مالک بن نصر کندہ خاندان کا ایک سنگدل ملعون ہے۔ جس نے آگے بڑھ کر فرزندِ رسول کو سب وشتم کیا۔ اور سرِ اقدس پر تلوار ماری۔ عمامہ کے نیچے ایک ٹوپی تھی وہ کٹ گئی سر پھٹ گیا۔ ٹوپی خون سے بھر گئی۔ امامِ مظلوم نے ٹوپی اتار دی اور سر کو پٹی سے باندھ دیا۔

اِس کے بعد شمر ملعون نے للکار کر کہا کہ اب کیا انتظار ہے۔ آگے بڑھو اور جلد ان کا کام تمام کر دو۔ خولی ملعون تلوار لے کر شمعِ بتول بجھانے کے لئے آگے بڑھا۔ جب غریبِ کربلا کے قریب گیا تو بدن میں لرزہ طاری ہوگیا۔ ہاتھ کانپنے لگے، واپس بھاگ آیا۔ اس کے بعد شبث بن ربعی اِسی ناپاک ارادہ سے آگے بڑھا۔ مگر اس پر بھی ایسا رعب طاری ہوا کہ ہاتھ سے تلوار چھوٹ پڑی۔ اور گھبرا کر واپس آ گیا۔ سنان بن انس نے اِن شقیوں سے پوچھا تمہاری ماں تمہارے سوگ میں بیٹھے۔ تیر اور نیزے مارتے رہے۔ اب تلوار کا آخری وار ہی اس مجروح کے لئے کافی تھا۔ تم کانپتے ہوئے واپس آئے، اِن ملعونوں نے کہا کہ جب قتل کے ارادے سے مظلوم کے قریب گئے اور غریبِ کربلا نے آنکھیں کھولیں تو ہمیں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ رسول اللہ کی آنکھیں ہیں، اور رسول اللہ کی ہیبت آنکھوں کے سامنے آگئی۔

اس کے بعد سنان بن انس آگے بڑھا کہ امام کا رشتۂ حیات منقطع کرے جب قریب گیا تو اس پہ بھی ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ بدن کانپنے لگا اور تلوار ہاتھ سے گر پڑی۔ شمر نے سنان سے پوچھا تو کیوں واپس آگیا اور قتل کیوں نہ کیا تو سنان نے کہا جب میں تلوار لے کر قریب گیا اور حسینؑ نے میری طرف دیکھا تو مجھے معلوم ہوا کہ علی مجھے دیکھ رہے ہوں تو مجھ پر شدت طاری ہو گئی

شمر ملعون اب آخری قاتل اور بڑا قاتل تلوار سونت کر آگے بڑھا۔ اِس ملعون نے جاتے ہی گستاخانہ کلمات کہے اور سینۂ اقدس پر نہایت بے ادبی سے چڑھ گیا۔ امام مظلوم کی نظر پڑی، پوچھا تو کون ہے۔ جواب دیا میں شمر بن ذی الجوشن ہوں۔ امام نے فرمایا کہ تو مجھے پہچانتا بھی ہے۔ شمر نے کہا ہاں جان کر اور پہچان کر مار رہا ہوں، یزید سے انعام کی خاطر مجھے آخرت کی ضرورت نہیں۔ یزید کے انعام کا طلب گار ہوں۔ امام نے فرمایا، ذرا اپنا سینہ تو کھول دے۔ اس نے اپنے پیٹ پر سے کپڑا ہٹایا۔ تو ابلق (چتکبرے) کُتّے کی طرح اس کے پیٹ اور سینے پر سفید داغ ہیں اور بال سُور کے بالوں کی طرح ہیں۔ اس وقت امام نے فرمایا میرا آخری قاتل تو ہی ہے میرے نانا نے فرمایا زمین کربلا پر میرے فرزند کو ایسا شخص قتل کرے گا جو کُتّے کی مانند مبروص ہوگا، اور سُور کی طرح اس کے بال ہوں گے، بے شک میرا قاتل تو ہی ہے۔

جس حلق کے بوسے لئے زہراؑ و علیؑ نے
فریاد ہے کاٹا اسے خنجر سے شقی نے

اس ملعون نے جوشِ غضب میں پسِ گردن پر بارہ ضربیں پہنچائیں۔ تلوار کند تھی۔ آخر وقت میں اِس ملعون کی نیّت اذیّت سے ذبح کرنے کی تھی۔ فرزندِ رسول کی گردن پر خنجر چلتا رہا۔ اور سیّدانیاں درِ قنات پر حالات دریافت کرنے کے لئے بے چینی سے منتظر تھیں۔ آگے زبان بیان سے قاصر اور قلم لکھنے سے عاجز ہے۔ کیا ہوا؟ کعبہ منہدم ہوگیا۔ عرش تھرّایا۔ زمین میں زلزلہ آیا۔ آسمان سے خون برسنے لگا۔ مچھلیاں پانی میں بے تاب ہوگئیں۔ پرندوں نے پرواز چھوڑ دی۔ حیوانوں نے چرنا چھوڑ دیا۔ جُمعہ کا دِن تھا، عصر کا وقت تھا، بتول کی فریاد آئی۔ رسول کے سر سے دستار گر پڑی۔ لشکرِ ابنِ سعد میں تکبیریں بلند ہوئیں۔ ادھر زہراؑ کا گھر اجڑ گیا۔ زینب و امّ کلثوم کا آخری سہارا ختم ہوگیا۔ ادھر فوج میں شادیانے بجنے لگے۔ جنگ کا غبار چھٹا۔ کیا نظر آیا۔ خولی کے نیزہ پر بتول کا لال سوار ہے۔ زلفیں ہوا میں لہرا رہی ہیں۔ خون کے قطرے گر رہے ہیں۔ اَلَا قُتِلَ الْحُسَیْنُ بِکَرْبَلا۔ اَلَا ذُبِحَ الْحُسَیْنُ بِکَرْبَلا۔ کی آوازیں بلند ہو رہی ہیں۔

اسپِ باوفا

امام مظلوم مجروح ہو کر گھوڑے سے گرے۔ وفادار گھوڑا زخمی آقا کے پاس رہا۔ پیاسا تھا۔

دریا پر چلا جاتا، بھوکا تھا، خوراک تلاش کرتا، زخمی تھا، کسی جائے امن پر چلا جاتا لیکن اتنا عرصہ معصوم امام اور کریم آقا کی خدمت میں رہا۔ ان ذواتِ مقدسہ کے پاک اور طیب ماحول میں رہنے والے جانور بھی نیک عادات اور محمود اطوار سے متصف ہو جاتے ہیں۔ آقا تو کثرتِ جراحت سے خاک پر خون میں لوٹتے رہے اور گھوڑا غریب آقا کی حفاظت و حمایت کرتا رہا۔ گھوڑا خیموں میں آیا لیکن اس وقت تک ساتھ نہیں چھوڑا جب تک آقا امام کا سر گردن سے جدا نہیں ہوا۔ جونہی شمر کمینہ سینے سے اترا، سر کو جدا کیا اور بالوں سے سر پکڑ کر فوج میں ابن سعد کے پاس چلا گیا، راہوار نے اپنی زبان میں فریاد کرتے ہوئے بے سر لاش کا طواف کیا۔ میرے خیال میں بعد از شہادت لاشِ حسینؑ کی زیارت کا سب سے پہلے اسی راہوار کو شرف حاصل ہوا، لاش کا طواف کرنے کے بعد اعضاء بدن کے بوسے لئے، لاش کو چوما اور اپنی گردن اور سر کو خونِ آقا سے سرخ کیا۔ نہایت اداسی اور پریشانی کے ساتھ موتِ حسینؑ کا قاصد بن کر خیام کی طرف روانہ ہوا۔ اس وفادار ذوالجناح کا عجیب حال تھا۔ اس انداز سے بے چارہ ہنہنا رہا تھا گویا اپنی زبان میں کہہ رہا ہو، لوگو! میرا سردار مارا گیا۔ میرا اسوار مارا گیا" یہ تو حال تھا میدان کا۔

ادھر خیام میں یہ کیفیت تھی کہ مصیبت زدہ عورتیں اور بھوکے پیاسے یتیم بچے سب ایک خیمہ میں قنات کے پیچھے اکٹھے تھے، جب سے امام دوبارہ الوداع کہہ گئے تھے، زہرا کی بیٹیاں اور مستوراتِ بنی ہاشم قنات کے پیچھے جھانک جھانک کر صحرا کی جانب دیکھتی تھیں۔ ایسا مرد تو کوئی تھا نہیں جو میدان میں جا کر خبر لاتا۔ فوجوں کی بھیڑ اور گھوڑوں کے گھمسان میں بچوں کا کام نہ تھا۔ جو بچے گئے بھی وہ زندہ واپس نہ آئے۔ گھبراہٹ اور بے قراری کا عالم تھا۔ اداسی اور مایوسی چھائی ہوئی تھی، سراسیمہ بچے ماؤں کی انگلیاں پکڑے پریشان کھڑے تھے، بیبیاں بار بار میدان کی طرف دیکھتی تھیں۔ مگر جہاں تک نظر کام کرتی تھی اعداء بے دین کی کثرت نظر آتی، فوجوں کے سر دکھائی دیتے، گو ہمشیرِ بے کس نے اس ٹیلہ پر جس کو "تلِ زینبیہ" کہتے ہیں جا کر مظلوم بھائی کی خبر گیری کی کوشش کی، مگر زہراؑ کا نورِ عین اور اجڑی بہن کے دل کا چین ہمشیرِ دلگیر کو نظر نہ آیا۔ کیونکہ زہراؑ کا چاند ظلم کی گھٹاؤں میں پوشیدہ تھا اور خورشیدِ فاطمہ فوجوں کے جفاکار بادلوں میں پنہاں تھا۔

جوں جوں انتظار کی گھڑیاں لمبی ہوتی جاتی تھیں، زہرا جائیوں کے قلب کا اضطراب برابر زیادہ ہو رہا تھا۔ نگاہیں سوئے میدان تھیں، کہ گھوڑے کے ہنہنانے بلکہ رونے اور فریاد کی آواز سنی۔ دور سے دیکھا کہ زین خالی ہے۔ راہوار آ رہا ہے، مگر پشت پر سوار نہیں، راہوار کی عجیب حالت ہے۔ کہ زین دائیں طرف جھکی ہوئی، باگیں کٹی ہوئیں۔ پیشانی اور گردن خون آلودہ ہے۔ جو بات دل میں

ٹھنک رہی تھی۔ سامنے آگئی۔ بس یقین ہوگیا کہ آخری سہارا ختم ہوگیا حسینؑ مارے گئے۔ راہوار کی اس خبر نے سیدانیوں کے کلیجے زخمی کردیئے۔ دِل فگار ہوگیا، دل دوز نالوں، دلخراش بینوں، دلفگار فریادوں سے صحرا بھر گیا۔ سروں سے چادریں گر پڑیں۔ وامحمداہ، واہ علیاہ، واحسیناہ کی صدائیں دھرتی کو ہلا رہی تھیں ؎

زہرا کی بیٹیاں جو کھلے سر نکل پڑیں ؎ سب بیبیاں خیام سے باہر نکل پڑیں

ہر بی بی کے الگ الگ بین تھے اور جُدا جُدا نوحے تھے، سر پہ ہاتھ تھے، سروں کے بال کھُل گئے تھے، کسی کا منہ مدینے کی طرف تھا اور کوئی نجف کی طرف منہ کرکے سر پیٹتی تھیں۔ منہ پر طمانچے مارتی تھیں۔ سکینہ کے ہاتھ میں گھوڑے کی باگ تھی اور اُم کلثوم کے ہاتھ گھوڑے کی گردن میں تھے، گھوڑا رو رو کر اپنی زبان میں کہتا تھا: " الظّلیمۃ۔ الظّلیمۃ " آج اُمت نے اپنے نبی کے فرزند کو ظلم وجور سے قتل کردیا۔ زہرا کی بیٹیوں کی دلخراش پکار تھی۔ راہوار تو نے سوار کو کہاں اتارا، ہمارے بھائی پر قضاء الٰہی کہاں نازل ہوئی، اے راہوار آج دشمنوں کو تشفی حاصل ہوئی اور زہرا کا گھر برباد ہوگیا۔ گلشنِ رسول تاراج ہوگیا۔ اب بیواؤں کا کوئی سہارا نہ رہا۔ یتیموں کا مددگار نہ رہا۔ ہمیں وطن کون پہنچائے گا۔

اِس کیفیت کو ہم زیارتِ ناحیہ مقدسہ کے الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

"وَاَسْرَعَ فَرَسُكَ شَارِدًا اِلٰى خِيَامِكَ قَاصِدًا مُحَمْحِمًا بَاكِيًا فَلَمَّا رَاَيْنَ النِّسَاءُ جَوَادَكَ مَخْزِيًّا وَنَظَرْنَ سَرْجَكَ عَلَيْهِ مَلْوِيًّا بَرَزْنَ مِنَ الْخُدُوْرِ نَاشِرَاتِ الشُّعُوْرِ عَلَى الْخُدُوْدِ لَاطِمَاتِ الْوُجُوْهِ سَافِرَاتٍ وَبِالْعَوِيْلِ دَاعِيَاتٍ وَبَعْدَ الْعِزِّ مُذَلَّلَاتٍ" یہ زیارت حضرت حجت قائم آلِ محمد عجل اللہ فرجہم کی طرف منسوب ہے۔ اس میں حضور اپنے جدّ امجد کو مخاطب کرکے کہتے ہیں۔ آپ کا راہوار تیزی کے ساتھ بھاگا بھاگا دوڑا۔ ہنہناتے اور روتے ہوئے آپ کی موت کا قاصد بن کر۔ جب مستورات نے گھوڑے کو پریشان دیکھا اور جھکی ہوئی زین پر نظر پڑی تو کھلے ہوئے بالوں کے ساتھ منہ پیٹتی ہوئی باہر نکل آئیں۔ بین اور نوحہ کرکے کلیجے ہلا رہی تھیں۔ سکینہ یتیم ہوگئی، سیدانیوں کا آخری سہارا اور یتیموں کا آخری آسرا ختم ہوگیا۔ سیدانیاں سر پیٹ رہی تھیں۔ یتیم رو رہے تھے۔ فوج شام میں خوشیاں ہو رہی تھیں، شادیانے بج رہے تھے، اور پنجتن پاک کی روحیں لاشِ حسینؑ کا طواف کر رہی تھیں۔ رسول پاک کے گھروں میں ماتم ہو رہا تھا۔

گھوڑا جس کا نام ذوالجناح مشہور ہے۔ اِسے مرتجز بھی کہتے ہیں۔ اور بعض کتابوں میں اس کا نام " میمون " لکھا گیا ہے۔ اپنے آقا کی شہادت کے بعد زندگی سے دِل تنگ ہوگیا۔ ابنِ سعد نے اپنے

آدمیوں کے ذریعے پکڑوانے کی کوشش کی مگر وفادار گھوڑے نے اپنی زین غیر کے حوالے کرنے سے انکار کردیا۔ بلکہ بعض روایات میں ہے کہ چالیس پیادوں اور دس سواروں کو ہلاک کر ڈالا۔ جب خیام میں آیا، اور خیموں کو مردوں سے خالی پایا۔ آقا کی جدائی اور سیدانیوں کی مصیبت دیکھی تو خیمۂ حسینؑ کے سامنے زمین پر ٹکریں مار مار کر مرگیا۔ اس طرح وفادار راہوار نے اپنے کریم سردار کا زندگی اور موت میں ساتھ دیا۔ بعض روایات میں ہے کہ موتِ حسینؑ کی خبر خیام میں پہنچی کر آقا کے دائمی فراق کا صدمہ برداشت نہ کرسکا۔ اور اپنے آپ کو دریائے فرات میں ڈال کر اپنی زندگی ختم کرلی۔

ظلم بالائے ظلم۔ لاشِ مطہرؑ کی عریانی

صحرائے کربلا میں غریب کربلا کی بے سر لاش پڑی ہے۔ بدن کا کوئی حصہ زخموں سے خالی نہیں۔ سیاہ آندھی تھم چکی ہے۔ خون کی بارش رک گئی ہے مسلمانوں کو چاہیے تھا۔ تدفین کا انتظام کرتے۔ مگر بے دردی سے شہید کردینے کو کافی نہ سمجھا۔ آتشِ عناد فرو نہ ہوئی فرزندِ رسول، اور لختِ جگرِ بتولؑ کی لاش پر امتِ بے حیا نے لوٹ مچادی۔ بے وارث سمجھ کر جو بے ادبیاں کیں، بیان کرنے سے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ اور پتھر کا دل بھی رونے پر مجبور ہوتا ہے۔ مجروح بدن پر جو لباس تھا، وہ بھی بے رحمی سے اتار لیا گیا۔ اسحاق بن حیواۃ حضرمی نے قمیض اتاری۔ ابجر بن کعب نے شلوار اتاری۔ اخنس بن مرثد آپ کا عمامہ لے گیا۔ تلوار جمیع بن خلق ازدی نے لے لی، زرہ جس کا نام بترا تھا خود عمر بن سعد نے حاصل کی، خالد بن اسود ازدی نے نعلین اتاری۔ ردائے مبارک قیس بن اشعث نے اتاری۔ ذوالفقار اور خاص انگوٹھی جس پر نقش تھا اور یہ دو تبرکاتِ امامت میں ملی تھیں، آپ نے وداع کے وقت اپنے جانشین پسر امام علی زین العابدینؑ کے حوالے کردی تھی، ایک اور تلوار تھی، جو ٹوٹ گئی، اسی طرح ایک اور انگوٹھی تھی، جسے بجدل بن سلیم کلبی نے ظلم کے ساتھ اتارا۔ انگوٹھی اتارنے میں اس ملعون کو دشواری پیش آئی، جلدی کی وجہ سے اس نے مظلوم لاش کے ساتھ یہ بے ادبی کی کہ انگوٹھی کے لالچ میں انگلی کاٹ دی۔

منزل صبر و رضا

علی کی بیٹیاں دکھوں کے منجدھار میں

بھائی بھی مارے گئے اور گھر بھی جلائے گئے

راہِ حق میں تکلیفوں کا برداشت کرنا خاصانِ خدا کا شیوہ ہے اور خوشنودیٔ خدا اور تقویتِ دین کے لئے دکھوں کا استقبال کرنا مقربانِ خدا کا طریقہ ہے۔ اعلائے کلمۃ الحق اور ظلم و جور کیخلاف مصیبتوں کا گلے لگانا، آزادمنش، ارتقائے انسانیت کے رہنماؤں اور باطل کیخلاف سینہ سپر ہونے والے مجاہدین کا نصب العین ہے۔

اگر انسانیت میں کچھ رمق ہے۔ حق کی کچھ قدر و منزلت ہے۔ مظلومی سے مواسات اور ظلم و جور سے نفرت، برائیوں سے پرہیز اور نیکیوں سے اُلفت ہے تو انہی مجاہدینِ حق، حریت پسندوں اور باہمت پُرخلوص، سرفروش شہیدوں کی قربانیوں کی بدولت ہے۔ جنھوں نے جان، عزت اور مال راہِ حق کیخاطر قربان کر دیئے اور ظلم و تشدد کا حوصلہ مندی سے مقابلہ کیا۔

آج مساجد میں اذانیں گونج رہی ہیں، جُمعے و جماعتیں ہو رہی ہیں۔ درسِ قرآن جاری ہیں حلال و حرام کی تمیز باقی ہے۔ حق و باطل اور سچ و جھوٹ میں فرق قائم ہے، تو کربلا کے شہیدوں بے وارث بیواؤں، بے گھر سیدانیوں، بے نوا اور اسیرِ ظلم و جفا بنی زادیوں کے صدقے۔

شہداء کربلا اور اسیرانِ کوفہ و شام کا مقصد بلند اور نصب العین ارفع تھا، اس واسطے ثابت قدمی کے ساتھ راہِ حق میں ہر آنے والی مصیبت کو خندہ پیشانی کے ساتھ قبول کیا۔ پائے ثبات میں لغزش نہ آئی اور نہ استقلال کے قدم ڈگمگائے اور نہ ہمت و عزم میں کوئی کمزوری آئی۔

گریہ وزاری اور نوحہ و ماتم، یہ بشری تقاضے اور انسانی خاصیتیں ہیں۔ جہاں حوصلہ مندی، شجاعت، صبر و استقلال اور بلند صفات ہیں، وہاں رحمدلی، ہمدردی، دل کا بھر آنا اور آنکھوں کا آنسو بہانا، دردناک واقعات سے متاثر ہونا۔ شدّتِ غم سے نوحہ و بَین کرنا، درد و الم سے سر اور منہ پیٹ لینا، یہ بشری جذبات کی صحیح ترجمانی اور انسانی فطری عادات ہیں جو نہ دبائے دب سکتی ہیں اور نہ روکے رُک

سکتی ہیں۔

کربلا والوں نے ہر مصیبت اور ہر دُکھ کو گلے لگایا اور ہر قسم کی قربانی کھلے دِل سے دی، جس مقصد کو لے کر مدینہ سے نکلے تھے، آخر دم تک وقتِ شہادت تک بلکہ کوفہ وشام کے بازاروں، درباروں بلکہ واپسیٔ مدینہ تک اِسی مقصد پہ قائم رہے۔ ان کے مقصد اور نصب العین میں مُو برابر فرق نہ آیا۔

ہاں روئے، ماتم کیا، نوحہ وبین کئے، آنسو بہائے، سر ومُنہ پیٹا، اور بتایا کہ ہم انسان ہیں، پہلو میں دِل سینے میں کلیجہ ہے۔ بشری جذبات ہیں اور امتحان گاہ میں ہیں۔ احساسِ درد و اَلم ہے۔ اگر غم و ماتم نہ کرتے تو یہی خیال کیا جاتا کہ یہ انسان نہیں ہیں، ان میں بشری جذبات نہیں ہیں۔ انہیں بھائی بہنوں سے محبت نہیں، انہیں جان وعزّت پیاری نہیں، انہیں دردِ فراق نہیں، انہیں مَوت کا صدمہ نہیں، اِسی لئے تو ان پہ کوئی اثر نہیں، نہ روتے ہیں نہ غم کرتے ہیں، نہ بھوک وپیاس کا اثر ہے۔ نہ زخموں کا درد، یہ کون سی مخلوق ہے۔ اور جب تک احساسات نہ ہوں، بشری جذبات نہ ہوں، امتحان بے کار ہے۔ آزمائش بے سُود ہے۔ امتحان کا مقصد ہی یہی ہے کہ درد والم کا اثر ہو۔ دِل ودماغ کو صدمہ پہنچے، بشری بدن کو تکلیف پہنچے، جسمانی واعصابی اذیتیں محسوس ہوں،

اس واسطے ان مقدس نفوس کا رونا، نالہ وماتم کرنا، انسانی احساسات کی ترجمانی کرتا ہے، ان کے مقصد اور نصب العین کی مخالفت نہیں کرتا، اور نہ صبر وآزمائش کیخلاف ہے۔ بلکہ جذبۂ رحم اور رقّتِ قلب کا اظہار ہے۔ صبر ورضا کو مقامِ تکمیل تک پہنچایا۔ کسی مصیبت اور کسی دُکھ کے موقع پہ صغیر وکبیر اور مردوں اور عورتوں نے کوئی شکوہ نہیں کیا بلکہ ہر منزل پہ کامیابی حاصل کرکے شکر ادا کیا۔ عام طور پر انسان مصیبتوں سے گھبرا کر نصب العین سے ہٹ جاتا ہے یا شکوہ کے الفاظ لب پر لاتا ہے لیکن یہ کامِل انسان اور افضل بشر ہر مصیبت کے وقت ذکرِ خدا کرتے اور اپنے خالق اور مالک کی طرف رُجوع کرتے ہیں۔ چنانچہ جناب سیّدالشہداء علیہ السلام تیر لگنے کے وقت بِسم اللّٰہ و باللّٰہ وعَلٰی مِلّۃ رسول اللّٰہ کے کلمات پڑھتے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ سب دُکھ اور مصیبتیں اللہ کی رضا کے لئے برداشت کر رہے تھے۔

کربلا میں آنے، تمام مصیبتوں کو برداشت کرنے، زندگیاں وقف کرنے کا مقصد جناب امام پاک نے ایک شب کی مہلت طلب کرنے اور رات بھر عبادتِ خُدا اور تلاوتِ قرآن اور تسبیح واستغفار میں بسر کرنے سے واضح کر دیا تھا۔ خدا کسی کا امتحان اتنی ہی مصیبتوں سے لیتا ہے جتنی اس میں قوّتِ برداشت اور طاقتِ صبر ہوتی ہے۔ اگر وسعتِ قلب محدود ہو تو امتحان اور شدائد بھی محدود

ہوتے ہیں۔ اور جس قدر وسعتِ قلب اور قوتِ برداشت بڑھتی جاتی ہے۔ مصیبتوں کا دائرہ وسیع ہوتا جاتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام پر محدود مصائب آئے اور ان میں کامیاب اترے، لیکن کربلا والوں کے قلوب میں اتنی وسعت تھی، کہ تمام مصیبتیں اور ہر قسم کے دُکھ ہجوم کر کے آئے۔ اور جوں جوں دکھ بڑھتے گئے اور ظلم و جور زیادہ ہوتے گئے، ان کے حوصلے بڑھتے گئے۔ اور قوتِ برداشت زیادہ ہوتی گئی، حتیٰ کہ ظالم ظلم کرتے کرتے تھک گئے لیکن شہدائے کربلا اور اسیرانِ کوفہ و شام صبر کرتے کرتے نہ تھکے، ظالم اپنے ظلم پر رونے پر مجبور ہو گئے لیکن شہداء نے دامنِ صبر و شکیبائی ہاتھ سے نہ چھوڑا۔

عزادارو! جنابِ حسین تو اپنے ساتھیوں سمیت آزمائش میں کامیاب حاصل کر کے اپنے نانا کے پاس پہنچ گئے۔ اب علیؑ کی شیر دل بیٹیوں کے مصائب و آلام دیکھو، اور ان کے بلند حوصلوں، قوتِ برداشت اور عزم کی پختگی دیکھو۔

غارتِ خیام

جس گھر سے کوئی ایک جنازہ نکلے اس گھر والے مصروفِ غم ہو کر دوسرے حالات سے بےخبر ہو جاتے ہیں۔ اپنے ہوش و حواس قائم نہیں رکھ سکتے۔ مگر جس گھر سے ایک دن میں بہتر یا اس سے زیادہ جنازے نکلے ہوں، اور بے دردی اور ظلم و جور سے جس گھر کے جوان خون میں نہا کر سامنے بے گور و کفن پڑے ہوں۔ پھر صفِ ماتم بچھانے کی مہلت نہ ملے۔ تعزیت اور ماتم پرسی کے لئے کوئی مسلمان نہ آئے تو اس سے بڑھ کر کوئی غریب و مظلوم ہے؟ دخترانِ بتول خود پیاسی تھیں، ان کے بھائی، بیٹے، بھتیجے اور بھانجے پیاسے تھے۔ مگر ساقیٔ کوثر کی پیاسی شہزادیوں نے کبھی پیاس کی شکایت نہیں کی۔

لوٹو تبرکاتِ علیؑ و بتولؑ کو

مرتجز شہادتِ حسینؑ کی خبر سنا کر مر گیا اور شہزادیاں فراقِ برادر میں مصروفِ ماتم تھیں۔ خیموں میں نوحہ و بکا کر رہی تھیں اور اس فکر میں پریشان تھیں اب ہمارا کیا حال ہوگا۔ کوئی محافظ اور ناصر نہیں رہ گیا۔ ظالم ہمیں قید کریں گے یا قتل کریں گے کہ ناگاہ سپاہِ ابنِ سعد بے وارث سیدانیوں کو لوٹنے کی غرض سے خیامِ سادات میں داخل ہو گئی۔ اور نام نہاد مسلمان نبی زادیوں کا سامان لوٹنے لگے، زیورات اتارنے میں مصروف ہو گئے۔ جس گھر میں مرد کوئی نہ ہو۔ بے وارث عورتیں اور یتیم بچے رہ جائیں، لوٹنے والے بےخوف ہو کر لوٹتے ہیں۔ انہیں نہ خوفِ خدا تھا نہ کسی مرد کا ڈر، ان میں نہ دین تھا نہ انسانیت، ان وحشی درندوں نے متاعِ رسول لوٹی، تبرکاتِ بتولؑ لوٹے، یتیموں کے در چھینے، بیواؤں کے زیورات اتارے، مصیبت زدہ مستورات ڈر کے مارے پناہ ڈھونڈتی تھیں مگر کہیں پناہ نہ ملتی تھی۔ علی و بتول کی شہزادیاں ہراساں

تھیں۔ بچے سہمے ہوئے تھے، فریاد کرتے تھے مگر فریاد رس کوئی نہ تھا۔ دُہائی دیتے تھے مگر رحم دل کوئی نہ تھا۔ سادات کے گھر تھے اور بے تحاشا لوٹ پڑ رہی تھی، آسمان دیکھتا رہا اور آلِ محمد لٹتی رہی، لوٹ کے واقعات بیان کرنے سے زبان میں لکنت آتی ہے اور لکھنے میں قلم تھرّاتا ہے، معلوم ہے آسمان کیوں نہ گر پڑا، زمین کیوں برقرار رہی۔ اور کس جگہ سے فضا مظلوم شہزادیوں کے بین سنتی رہی، سوگواروں کو اپنے عزیزوں کا سوگ اور نامداروں کو اپنے اقرباء کا ماتم بھول گیا تھا۔ کلیجہ منہ کو آتا ہے اور جگر پھٹتا ہے۔ کس طرح بیان کروں کہ ہاشمی شہزادیاں خیموں میں چھپتی پھرتی تھیں، اور بے حیا ظالم بے رحمی سے سروں سے چادریں اور پاؤں سے خلخال اور کانوں سے گوشوارے اتار رہے تھے۔

ام المصائب کی روایت

لوٹ کے اِن واقعات کو خود شریکۃ الحسینؑ اِن الفاظ میں بیان کرتی ہیں:۔

میں درِ خیمہ پر کھڑی مستقبل کے بارے میں سوچ رہی تھی کہ اتنے میں ایک نیلگوں چشم خیمہ میں گھس آیا۔ مال و اسباب بے خوف ہو کر لوٹا۔ میرا بیمار بھتیجا چمڑے کے بستر پر لیٹا ہوا تھا۔ اس نے بیمار کو بستر سے ہٹا دیا اور نیچے سے چمڑہ کھینچ لیا۔ تاریخ تو کچھ اور کہتی ہے۔ جناب کے الفاظ تو کچھ اور ہیں۔ مگر میں بیان نہیں کر سکتا، مظلومہ فرماتی ہیں، میں گوشواروں سے محروم ہو گئی، اس کے ہاتھوں میں گوشوارے تھے اور ظالم کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ میں نے کہا ظالم! ظلم بھی کر رہا ہے اور رو بھی رہا ہے۔ اس لئے رو رہا ہوں کہ میں آج علی کی دختر کو لوٹ رہا ہوں، اور اتار اس لئے رہا ہوں کہ تم بے وارث ہو۔ اگر میں نے نہ لئے تو کوئی اور لوٹ لے گا۔

جناب فرماتی ہیں، میں نے بد دعا دی، ظالم خدا تیرے ہاتھ کاٹے، جن ہاتھوں سے تو نے دخترِ بتولؑ کے گوشوارے لئے ہیں۔ خدا تیرے پاؤں قطع کرے جن سے تو چل کر ہمارے پردوں میں گھس آیا اور خدا تجھے دنیا کی آگ میں جلا دے (چنانچہ اس کا حشر جناب کی دعا کے مطابق حضرت مختار علیہ الرحمہ کے ہاتھوں ایسا ہی ہوا)

جناب فاطمہ کبریٰ کی روایت

جناب فاطمہ بنت حسینؑ بیان کرتی ہیں کہ خیمہ کے دروازے پر کھڑی اپنے بابا اور عزیزوں کی بے گور و کفن لاشوں کو دیکھ رہی تھی۔ ریت پر خون میں غلطاں اور بے وارث میتوں پر آنسو بہا رہی تھی، اور اپنے انجام قتل یا قید کے بارے میں سوچ رہی تھی، کہ اچانک غارت گر بے ڈر خیموں میں داخل ہوئے، میں ڈر کر دوڑ پڑی، اس ظالم کے ہاتھ میں نیزہ تھا، زیادہ بیان کی طاقت نہیں۔ جو حسینؑ کی مظلوم بیٹی نے کہا

اتنا کہتا ہوں کہ معصومہ بے ہوش ہو کر گر پڑی، سر سے چادر اتاری گئی اور زیورات چھین کر ظالم تو چلا گیا۔ بی بی کا بیان ہے کہ جب میں ہوش میں آئی تو دیکھا کہ پھوپھی اماں میرے پاس بیٹھی رو رہی ہیں۔ اور مجھے فرمایا کہ بیٹی، اٹھو جا کر پتہ کریں، دوسری مستورات اور تیرے بیمار بھائی پر کیا گزری ہے۔ میں نے کہا پھوپھی! میرے سر پر چادر نہیں، کوئی کپڑے کا ٹکڑا نہیں، جس سے میں اپنا سر ڈھانپ لوں، جناب زینب نے جناب کبریٰ سے کہا۔ یَا بِنْتَاہ عَمَّتُكِ مِثْلُكِ۔ بیٹی! تمہاری پھوپھی بھی تیری طرح سر عریاں ہے۔ دیکھا کہ خیموں میں تمام بیبیاں سر عریاں ہیں۔ کانوں میں زیورات نہیں۔ سُن سکو تو بیان کروں، مستورات اور بچیوں کے کان زخمی تھے۔ جناب کبریٰ کا بیان ہے کہ خیموں میں شہیدوں کی خوابگاہیں خالی تھیں۔ اب وہ بستر بھی لٹ چکے تھے اور خیمے سامان و اسباب سے یکسر خالی ہو چکے تھے، بچے سہمے ہوئے خیموں کے کونوں میں دبکے بیٹھے تھے، اور بیبیوں کے بدن خوف کے مارے کانپ رہے تھے، انقلابِ زمانہ تھا کہ جن گھروں میں نامحرم کمسن معصوم بچے نہ آسکتے تھے، کہ آج غیر محرموں کے ہاتھوں وہ سیدانیاں لُٹیں، معصوم فرماتی ہیں کہ ہم نے بیمار امام کو دیکھا جو بھوک و پیاس کی شدت اور بیماری کی وجہ سے حرکت نہ کر سکتے تھے، اوندھے منہ زمین پہ پڑے ہیں۔ ہم نے سنبھالا دیا۔ وہ ہماری حالتِ زار پہ اور ہم ان کی بے کسی پہ رونے لگے۔ یہ غارت گر یہود اور عیسائی نہ تھے بلکہ کلمہ گو مسلمان کہلاتے تھے، بے وارث غریب الوطن سوگوار عورتوں پر کسی کو رحم نہ آیا۔

ہاں! ایک عورت کو ترس آیا۔ بکر بن وائل قبیلہ کی ایک عورت ہے۔ جو اپنے شوہر کے ساتھ میدان کربلا میں آئی ہوئی تھی۔ اس نے خاندانِ محمد کی بے وارث عورتوں کی یہ بے کسی و مظلومی دیکھی، اس کا دل بھر آیا۔ کہنے لگی، ہائیں بھائی بھی ان کے مارے جائیں، عزیز و اقربا دقتل ہو جائیں، مردوں کا سہارا ختم ہو جائے، خاندانِ محمد کی مستورات کے ساتھ پھر یہ ظلم عورت ذات تھی، اتنا ظلم اور تشدد برداشت نہ کر سکی۔ ہاتھ میں تلوار سنبھالی، اور نعرہ بلند کرتی ہوئی ان بے کس اور غریب سادات کے خیام کے دروازہ پہ آ کر کھڑی ہو گئی، اور پکار کر کہا: "یَا آلَ بَکْرِ بْنَ وَائِل اَتُسْلَبُ بَنَاتُ رَسُوْلِ اللّٰہِ؟ لَا حُکْمَ اِلَّا لِلّٰہِ یَا لَثَارَاتِ رَسُوْلِ اللّٰہِ"۔ اے بکر بن وائل کی آل! تم دیکھ رہے ہو، اور رسول اللہ کی بیٹیوں کو لوٹا جا رہا ہے؟ خدا کے سوا کسی کا فیصلہ قبول نہیں۔ لوگو! آؤ اور خاندانِ رسالت کی اولاد کا بدلہ لو، اتنے میں اس کا خاوند آیا۔ اور اس کو مجبور کر کے اپنے خیمہ میں لے گیا۔

آپ مدینہ سے روانگی کے حالات میں پڑھ چکے ہیں کہ امام پاک نے اس طویل سفر کا کتنا سامان ساتھ لیا تھا، کتنے اونٹ یہ سامان اٹھانے کے لئے مخصوص تھے۔ مگر عصر کے بعد تمام خیمے اس سامان سے

خالی ہوگئے تھے۔ اور ظالم سارا سامان لُوٹ کر لے گئے تھے۔ ہاں جنہوں نے اسباب لُوٹا استعمال کرنا نصیب نہ ہوا۔ جو بھی استعمال کرتا بیمار ہوجاتا اور طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلا ہوجاتا۔

بیمارِ کربلا کے قتل کا ارادہ

لوٹنے والے خالی ہاتھ نہ آئے تھے بلکہ نیزے اور تلواریں بھی ان کے ہمراہ تھیں ان میں سے بعض کمینے اور سنگدل دشمن اِس مذموم ارادے سے آئے تھے کہ مَردوں میں سے جو خیموں میں موجود ہو، چھوٹا خواہ بڑا، کسی کو زندہ نہ چھوڑو۔ میں پوچھتا ہوں کہ اے آسمان! تونے زمین پر کبھی ایسے ظالم اور ایسے مظلوم بھی دیکھے ہیں؟ جواب ملے گا کہ دھرتی ظالم و مظلوم سے خالی نہیں۔ ظالم بھی گزرے اور مظلوم بھی، مگر ایسے ظالم اور سنگدل ستم گار اور ایسے مظلوم اور صبر شعار میری آنکھ نے میرے سائے کے نیچے اور زمین کے اوپر نہیں دیکھے۔ میں ہمیشہ مظلوموں پر رویا کیا لیکن کربلا کے مظلوموں پر خون کے آنسو رویا ہوں، اِس واقعۂ ہائلہ نے میرا جگر فگار کردیا ہے۔

جُوں ہی غارت گر، جفاکار اور بے حیا ستم شعار اِن عصمت سرا گھروں میں داخل ہوئے اور بیمار امام کو بستر پہ دیکھا قتل کے بارے میں اختلاف کرنے لگے۔ بعض نے کہا جلدی نہ کرو امیر لشکر عمر ابن سعد سے مشورہ کرلو۔ اِس اثناء میں خبیث ازلی سگِ ابلق تلوار سونت کر داخل ہوا۔ اور بیمار امام کو شہید کرنے کا ارادہ کیا کہ اتنے میں حمید بن مسلم نے ہاتھ پکڑ کر کہا یہ بیمار لڑکا ہے۔ کبھی بیمار بھی قتل کئے جاتے ہیں دوسری روایت میں ہے کہ جب شمر حرام زادے نے قتل کرنے پہ اصرار کیا تو اُم المصائب جناب زینب نے فرمایا: لَا یُقْتَلُ حَتّٰی اُقْتَلَ۔ "پہلے مجھے قتل کرو پھر اسے قتل کرنا۔ میں اسے اپنی زندگی میں قتل نہ ہونے دوں گی"۔

حضرات یہ تو تھا پاک خیام اور مقدس گھروں کا لُٹنا۔ اِن ظالموں کی فطرت میں ذرہ بھر رحم کو دخل نہ تھا۔ اور پیسہ اُلٹی سنگدل، اولادِ حرام، عداوت اہلِ بیت پر پیدا ہوئے تھے، جب لوٹ مار سے فارغ ہوئے تو خیموں میں بیدردی سے آگ لگادی۔

ابیاتِ آلِ محمد آگ کی لپیٹ میں

خاندانِ رسالت کی آفت زدہ اور درد رسیدہ بیبیاں جب ایک مصیبت سے فارغ ہوتیں تو دوسری مصیبت جو اس سے بڑھ کر ہوتی آن کر گھیر لیتی۔ عزیزوں، بھائیوں اور وارثوں کا ماتم کیا کم مصیبت تھی کہ عصمت سرا اور باپردہ گھروں میں ظالم جفاکاروں کے ہاتھوں بے رحمی سے لُٹیں۔ سروں سے چادریں اتر گئی تھیں، مگر

خیموں میں نامحرموں کی نگاہوں سے پوشیدہ تھیں۔ بتول زادیوں کی اس فریاد کو کسی نے نہ سُنا ؎

دُختر ہوں نبی کی مسلمانو! کیوں لوٹ رہے ہو گھر میرا
کچھ شرم کرو سیدانی ہوں عریاں نہ کرو تم سر میرا

آخرہ وہ وقت آگیا جب عصمت سرائے خاندانِ ہاشم اور ابوطالب کے گھرانے کی مستورات، اور دختران بتول جو مدینہ میں کبھی گھروں سے باہر نہ نکلی تھیں اور اپنے محلّے کی گلیوں سے ناواقف تھیں ننگے سر اور پا برہنہ کھلے میدان میں گھبراہٹ بے قراری اور ذلت و بے عزتی کے ساتھ نکلنا پڑا۔

خیموں کو آگ لگائی گئی۔ جن خیموں میں عبادتِ خُدا اور تلاوتِ قرآن ہوتی تھی جو خیمے ایک رات قبل ہاشمی ستاروں کی ضو سے منوّر تھے، جن میں حمد و ثنا اور تسبیح و تہلیل کی صدائیں گونج رہی تھیں عصر عاشور کے بعد آگ کی لپیٹ میں آگئے۔ خیمے تھوڑے نہ تھے۔ آس پاس قناتیں تھیں۔ جب ایک خیمہ جلتا تھا بے وارث بیبیاں دوسرے خیموں میں پناہ لیتیں اور سر چھپاتی تھیں۔ چونکہ آس پاس بے حیا سپاہ کا ہجوم تھا۔ لہذا باہر نکلنا گوارا نہ تھا۔ جب تک کوئی خیمہ بچا رہا اور پردہ کی صورت باقی رہی باہر نہ نکلیں۔ جب تمام خیموں کو آگ نے گھیر لیا تب اس قدر مجبور ہوئیں کہ اندر رہیں تو آگ ہے اور باہر نکلیں تو بے حیاؤں کا مجمع عام ہے۔

امامِ زمانہ سید سجّاد کی طرف رجوع کیا۔ حکم ہوا کہ جان بچا کر باہر نکل جاؤ۔ اس وقت دریائے عصمت کی مچھلیاں آبِ ستر سے باہر نکل آئیں۔ پردہ داری تو تڑپ تڑپ کے مر گئی تھی اور بے پردہ زندہ رہیں۔ ؎

زہرا کی بیٹیاں جو کھلے سر نکل پڑیں سب بیبیاں خیام سے باہر نکل پڑیں

اس میں کوئی شک نہیں کہ تمام بیبیاں اپنے پاؤں باہر نکل گئیں۔ بچے بھی باہر صحرا کی طرف بھاگ گئے۔ لیکن امام مظلوم کا علیل پسر جو بیماری کے بستر پہ بیٹھنے کے قابل بھی نہ تھا کس طرح باہر نکلتا۔

حمید بن مسلم کا بیان ہے کہ میں نے ایک بی بی کو دیکھا، بار بار ایک خیمہ میں داخل ہوتی اور باہر نکلتی تھی۔ بے قراری کے عالم میں دائیں بائیں دیکھتی۔ میں سمجھ گیا کہ کوئی قیمتی چیز اس خیمہ میں رہ گئی ہے۔ جسے باہر نکالنے کے لئے یہ بی بی بے تاب ہے۔ اور چیز بھی کوئی وزنی ہے جسے اٹھانے پہ قادر نہیں بے چین بھی بہت ہے۔ وہ کہتا ہے کہ بی بی! کوئی قیمتی چیز اس خیمہ میں رہ گئی ہے؟ اس معصومہ نے رو کر فرمایا کہ باقی قیمتی چیز کہاں رہیں وہ تو لوٹ لی گئی ہیں۔ میرے بھائی کی یادگار میرا بیمار بھتیجا جو چلنے پھرنے اور حرکت کرنے سے مجبور ہے، اسے آگ کے شعلوں سے بچانا چاہتی ہوں۔ آخر جوں توں کر کے بیمار

امام کو خیمے سے نکال لائیں فقط سامان، پارچات مدینہ سے ساتھ لائی تھیں۔ ہر بی بی کے پاس کئی پوشاکیں کتنی چادریں تھیں، جنہیں کئی اونٹ اٹھائے ہوئے تھے لیکن عصرِ عاشور کے بعد سوائے بدنی لباس کے کوئی کپڑا نہ تھا۔ جس سے منہ چھپا سکیں اور سر پہ اوڑھ سکیں۔

شدید دہشت اور یتیموں کی موت

دہشتِ شدید اور گھبراہٹ سخت تھی، چنانچہ جب جلتے ہوئے خیام سے بے کس آفت زدہ مستورات گھبراہٹ کے عالم میں باہر نکلیں، ماؤں کے دامن بچوں کے ہاتھوں سے چھوٹ گئے اور بچے دہشت زدہ ہو کر بے تحاشا جنگل کی طرف دوڑ پڑے۔ بچے ماؤں سے جدا ہو گئے تھے اور مائیں بچوں سے بے خبر تھیں۔ معصوم بچے تھے، ایسے واقعات کب دیکھے تھے، روزِ عاشورا گر باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا تھا، بھائی شہید ہو گئے، تو مائیں تو زندہ تھیں، جو عالمِ غربت میں باوجود اتنی مصیبتوں کے پھر بھی یتیموں کے دھڑکتے دلوں کا سہارا تھیں۔ میدان میں ان بچوں کو جانے کا اتفاق نہ ہوا۔ اس وقت خیموں میں مائیں سنبھالے تھیں، اور میدان میں جانے سے روکتی تھیں۔ چند ایک بچے دامن چھڑا کر بے تاب ہو کر گئے بھی لیکن ظلم و جور کے ساتھ شہید کر دیئے گئے۔

لیکن جونہی سفاک غارت گر خیموں میں داخل ہو گئے۔ بچوں کے اوسان خطا ہو گئے اور ماؤں کی بے عزتی انہوں نے آنکھوں سے دیکھی، بدن کانپنے لگے۔ اور دل و دماغ پریشان ہو گئے۔ سہمے ہوئے بچے خیموں کے کونوں میں چھپتے تھے اور جب خیموں میں آگ لگی۔ شدید دہشت طاری ہو گئی۔ حتیٰ کہ ہوش و حواس بھی بجا نہ رہے۔ مستورات حجابوں سے باہر نکل آئیں، بچے جنگل کی طرف دوڑے۔ ماؤں سے جدا ہو گئے۔ پیادوں کی بھیڑ تھی۔ رسالوں کا گھمسان تھا۔ گھوڑے دوڑ رہے تھے۔

خاندانِ رسالت کے کئی بچے دہشت زدہ ہو کر اس دنیا سے رحلت کر گئے اور کئی یتیم معصوم گھمسان میں گھوڑوں کی ٹاپوں کے نیچے کچلے گئے۔ ماں کو لال کی خبر نہ تھی اور یتیم ماؤں سے غافل تھے۔ چنانچہ کتاب "ایقاد القلوب" میں "مقتل ابن عربی کے حوالے سے مرقوم ہے کہ دو معصوم بچے دہشت گھبراہٹ اور شدتِ پیاس سے جاں بحق ہو گئے تھے۔ چنانچہ معصوموں کی اس موت سے متأثر ہو کر فوجِ اشقیاء کے چند دستوں نے لٹی ہوئی مستورات اور یتیم بچوں کے پاس پانی بھجوا دیا۔

سلیمان بن محمد بن الحسین الشوبکی نے اپنے مقتل میں عبدالوہاب الشعرانی کی کتاب المنن کی دسویں جلد کے حوالہ سے تحریر کیا ہے کہ جناب عبدالرحمٰن بن عقیل تو روز عاشور جناب سیدالشہداء کے ساتھ شہید ہو گئے لیکن ان کے دو صاحبزادے سعد اور عقیل جو ان کے ہمراہ کربلا میں موجود تھے، بعد

شہادتِ حسینؑ شدّتِ پیاس اور دہشت سے گھبرا کر جاں بحق ہو گئے تھے اور یہ بچّے جناب امیرالمومنین علیہ السلام کی دختر جناب خدیجہ بنت علیؑ کے فرزند تھے۔

جناب مسلم بن عقیل کے دو صاحبزادے واقعۂ کربلا میں جن کا نام محمد بن مسلم اور عبداللہ بن مسلم ہے۔ روزِ عاشور شہید ہوئے۔ ان کی والدہ ماجدہ جناب رقیہ الکبریٰ بنت امیرالمومنین ہے، اور جناب مسلم بن عقیل کی ایک دختر جناب رقیۃ الکبریٰ کے بطن سے تھیں جن کا نام عاتکہ ہے۔ کمسن بچی تھیں۔ ان کی والدہ بھی کربلا میں موجود تھیں۔ لیکن جب خیام کو آگ لگی، معصومہ ماں سے بچھڑ گئیں، بے تحاشا صحرا کی جانب دوڑ رہی تھیں کہ گھوڑوں کی زد میں آ کر پامال ہو گئیں۔ اس طرح جناب مسلم کی اولاد کو ذُر کربلا میں نہایت بے دردی سے شہید ہوئی اور معصومہ کا نازک بدن گھوڑوں کی ٹاپوں کے نیچے پامال ہو گیا۔ اسی طرح دو اور یتیم بچیوں کی اس طرح کی موت کا واقعہ جناب علاّمہ مجلسی نے "بحار" اور ذہبی نے "تجرید" میں تحریر کیا ہے کہ یہ معصوم بچیاں روز عاشور عصر کے بعد گھبراہٹ کے عالم میں شدّتِ پیاس اور دہشت سے گھبرا کر مر گئیں اور گھوڑوں کے سموں تلے پامال ہو گئیں۔ علیؑ کی بیٹیوں نے گیارھویں کی رات دو بچوں کی نہیں بلکہ کئی بچوں اور بچیوں کی لاشیں سنبھالی ہیں۔

شام غریباں اور شب آلام

اس میں کوئی شک نہیں کہ شبِ عاشور آلِ محمد پر نہایت سخت تھی۔ جبکہ اہلِ بیتِ رسول پوری طرح دشمنوں کے گھیرے میں آ گئے تھے۔ زندگی سے ناامید ہو چکے تھے، اور موت سامنے منڈلا رہی تھی، ہر ماں اپنے فرزند، ہر بہن اپنے بھائی اور ہر زوجہ اپنے خاوند کی موت کا یقین کر چکی تھی۔ تاہم اس رات کو خیمے تھے۔ خیموں میں قمرِ امامت اور نجومِ اہلِ بیت کی جلوہ تھی۔ خواب گاہیں، بستر اور سامانِ پارچات وغیرہ تھے۔ ماں نونہال کا مکھڑا دیکھ رہی تھی۔ بہنیں بھائیوں کے دیدار سے محروم نہ تھیں اور زوجہ اپنے سرتاج کے سایہ میں تھی لیکن مصائب و شدائد کے اعتبار سے شب دہم کو گیارھویں کی رات سے کیا نسبت ہے؟ بہنیں بھائیوں کے سوگ میں مائیں اولاد کے غم ازواج اپنے آقاؤں کے ماتم میں اس طرح نالہ و فریاد اور نوحہ و بُکا کر رہی ہیں۔ کہ فضا آنسو بہا رہی ہے۔ زمین کا جگر پھٹ گیا ہے۔ آسمان خون رو رہا ہے۔ پتھروں کے کلیجے شق ہو گئے ہیں، فرات کا پانی کھول رہا ہے۔ خود قاتل اشکبار ہیں۔ ظالم بھی رونے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ آسمان نے لاکھوں راتیں اور زمین نے لاکھوں دن دیکھے ہیں۔ مگر اس دنیا میں مصائب و آلام اور ہجوم ہموم و غموم کے لحاظ سے

- عاشور کے برابر کوئی دن نہیں جس روز کہ بنی ہاشم کا بھرا کنبہ منقتول ہوا۔ گلشنِ بتول تاراج ہو گیا، اور ابو طالب کا خاندان تباہ و برباد ہو گیا۔

اور گیارھویں کی رات کے برابر کوئی دکھ بھری رات نہیں۔ بنی ہاشم کی مستورات، خاندانِ ابو طالب کی بہو بیٹیاں اور دخترانِ رسول و بتول ننگے سر زیرِ آسمان عالمِ غربت میں اپنے سارے عزیز و اقارب شہید کرا کے ذلت و رسوائی کی قیدیں بے وارث و بے آسرا، ریت کے ٹیلوں کی اوٹ میں بے پردہ بیٹھی ہیں اپنے محلہ کی گلیوں سے ناواقف بیبیاں نامحرموں کے گھیرے میں ہراساں و پریشان، غربت و حسرت کے سایہ میں بیچارگی کے عالم میں اپنے شہیدوں کے غم میں سوگوار ہیں۔ خیمے جو کل تک جوانانِ بنی ہاشم اور انصارِ جانباز سے بھرے ہوئے تھے۔ راکھ میں تبدیل ہو چکے ہیں۔ اور راتوں جاگ کر پہرہ دینے والے ہمیشہ کی نیند سو چکے ہیں۔ سامان و اسباب لٹ چکا۔ اتنا کپڑا پاس نہیں کہ نامحرموں سے منہ چھپا سکیں۔ خیام جل چکے اور سر کے بال کھل چکے ہیں۔ زیورات کانوں اور پیروں سے اتارے جا چکے ہیں۔ سامنے اپنے تمام عزیزوں کی لاشیں خون میں نہائی اور ریگ و خاک میں اٹی ہوئی بے گور و کفن پڑی ہیں۔ کوئی پُرسا دینے والا نہیں، کوئی دلاسا دینے والا نہیں۔ اب کوئی ناصر و مددگار نہیں رہا۔ کوئی ہمدرد و غمگسار نہیں۔ خاک کا فرش ہے۔ حسرت چھائی ہوئی ہے۔ غربت طواف کر رہی ہے، حسین تو پار چلے گئے مگر زہرا جائیوں کا سفینہ دکھوں کے منجدھار میں پھنس گیا ہے۔ کشتی غموں سے بھرپور ہے۔ نہایت دکھی پُور ہے۔ کنارہ دور ہے۔ ملاح بہت رنجور ہے۔ یتیموں سے ظالموں نے یہ سلوک کیا ہے کہ بچیوں کے کانوں سے خون بہہ رہا ہے۔ بچّوں کے چہروں پہ طمانچوں کے نشان ہیں۔ بیوہ عورتوں اور یتیم بچّوں سے دامنِ صحرا بھرا ہوا ہے۔ مرد کوئی نہیں رہا صرف اللہ رکھوالا ہے۔ بے کس بیبیاں کبھی مدینہ کی طرف منہ کر کے وا محمداہ پکارتی ہیں۔ کبھی سوئے نجف منہ کر کے وا علیاہ کی صدائیں دیتی ہیں۔ کبھی نہرِ فرات کی جانب متوجہ ہو کر عباس کو پکارتی ہیں۔ اور کبھی فرزندِ زہرا کی لاش کو مخاطب کر کے کہتی ہیں اماں جایا تیرے سہارے آئی تھیں، اب بتا ہمارا سہارا کون ہے؟ ہمیں کس کے سپرد کر کے گئے ہو؟"۔

یہ رات غم و ماتم اور تعزیت و سوگ کی رات تھی۔ کربلا کے شہیدوں اور شام کے غریبوں پہ کائنات رو رہی تھی۔ عالمِ ملکوت میں سوگ تھا۔

سب سے بڑا غم ہر مستور اور ہر بچّی کا کلیجہ کھا رہا ہے کہ رات کے بعد صبح کی سفیدی ہمیں موت کا پیغام سنائے گی یا بے حیا ظالموں کی قید کی خبر دے گی۔ وطن جانے کی امید تو ختم ہے۔ ہمیں قید کر کے کہاں بھیجا جائے گا؟ یہ فطرتی بات ہے کہ جب کوئی دل گداز سانحہ رونما ہو اور

ظلم کا پہاڑ گرے تو افراتفری پیدا ہو۔ اور ایسے دلخراش واقعہ سے جب مستورات اور بچے منتشر ہو جائیں تو طوفانِ غم تھمنے کے بعد ہمیشہ والدین اپنے ننھے مُنّے بچوں کو سنبھالتے ہیں۔ خیموں کے لوٹ مار اور اُن کے جل جانے سے بیبیاں اور بچے بے تحاشا روتے پیٹتے صحرا کو دوڑے۔ خوف وخطر بے حد تھا۔ گھبراہٹ اور دہشت چھائی ہوئی تھی۔ اس واسطے ماؤں کو بچوں کی ہوش نہ رہی اور بچوں کو ماؤں کی خبر نہ رہی۔ نہ بچے کے ہاتھ میں ماں کا دامن رہا اور نہ ماں کے ہاتھ میں معصوم کی انگلی رہی۔ جب جور وجفا کی آندھی کچھ رُکی، تو ماؤں نے بچوں کو سنبھالا۔ بیواؤں نے اپنے لالوں کی خبر گیری کی اور جناب زینب واُمِ کلثوم نے اپنے یتیموں کو گنا۔ دو نہیں دو سے زیادہ معصوم گم تھے۔ یہ آنکھوں کے تارے اور ماؤں کی غربت کے سہارے کربلا میں گم ہو گئے۔

اور جب کسی ماں کا لال گم ہو جاتے، ماں بے حد بے قرار ہو جاتی ہے۔ اب ان آفت رسیدہ غم زدہ بیبیوں کی قافلہ سالار دخترانِ علی و بتول جناب زینب واُمّ کلثوم تھیں۔ انہیں اُٹھ کر سنبھالنا پڑا۔ جب ان گم شدہ یتیموں کو تلاش کرنے کے لئے نکلیں تو دیکھا کہ ایک نشیب میں دو نو بچے سوئے ہوئے ہیں اور یہ دونوں لال جناب عبدالرحمٰن بن عقیل کے تھے اور ایک یتیمہ جناب مُسلم تھیں اور جناب امام حسن علیہ السلام کی دو بچیاں تھیں۔ جن کی لاشیں بتول کی بیٹیاں تلاش کر کے لائی تھیں۔ کس قدر مصیبت کی کہانی ہے۔ کہ حسین دن بھر شہیدوں کی لاشیں اٹھاتے رہے اور بہنیں رات کو یتیموں کی پائمال لاشیں سنبھالتی رہیں۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ ان ماؤں کے دل پر کیا گذری ہو گی۔ جنہوں نے دن کو بیٹوں کی لاشیں اور رات کو بیٹیوں کی لاشیں دیکھی ہوں گی۔

عمر بن سعد نے ایک جماعت اِن بے وارثوں کی حفاظت کے لئے مامور کی تھی، نہیں معلوم اس امر کی حفاظت مطلوب تھی کہ اس کی فوج کوئی مزید ظلم وستم نہ کرے یا اس بات کی حفاظت تھی کہ یہ مسافر رات کو کہیں نکل نہ جائیں کیونکہ صبح گرفتار کر کے ابنِ زیاد کے دربار میں قیدی بنا کر لے جانا ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ گیارھویں کی رات سوگوار بیبیوں اور یتیم بچوں کے لئے کھانے اور پانی کا انتظام بھی کیا گیا تھا۔ قرینِ قیاس بات ہے۔ کیونکہ ظاہری طور پر ابنِ سعد کو فتح حاصل ہو چکی تھی۔ ہاشمی کنبہ برباد ہو چکا ہے۔ مرد مارے گئے ہیں۔ یتیموں اور بیواؤں پر مشتمل پس ماندگان ہیں۔ آخر حیا آگئی ہو گی۔ ان کی مظلومی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ اس واسطے ان ظالموں نے بعد شہادت سید الشہداء پانی کی پابندی ختم کر دی۔ بہر حال پانی پہنچایا گیا لیکن کس طرح اور کس قدر؟

تاریخیں خاموش ہیں۔ جو روایت بیان کی جاتی ہے قابلِ تردید نہیں کیونکہ قرینِ قیاس ہے اور قابلِ

تائید نہیں کیونکہ تاریخوں میں مذکور نہیں۔

ارواحِ پنجتن پاک کی کربلا میں آمد

جناب سیّد الشہدا علیہ السّلام کی شہادت اور جناب زینب و کلثوم کی اسیری سے قبل جناب خمسہ نجباء اہلِ عبا، پنجتن پاک علیہم السلام کو اِس واقعہ کا عِلم تھا۔ اور اس سرزمین سے جناب امیر علیہ السّلام کا گزر ہوا۔ تو وقتِ قیام بہت روئے، جیسا کہ تاریخوں میں مذکور ہے۔ جناب امام مظلوم کی روانگی کے وقت جناب رسالتمآب سے عالمِ خواب میں ملاقات و گفتگو بھی مذکور ہے۔ بلکہ امام پاک مطابقِ حکمِ رسول واردِ کربلا ہوئے۔

جب پنجتن پاک علیہم السّلام کو معلوم ہے کہ ہمارا کنبہ کربلا میں شہید ہوگیا۔ گھر برباد ہوگیا اور ظلم و جور سے بنی ہاشم مارے گئے۔ اِس کا انہیں علم بھی ہو اور وہ عالمِ ارواح میں زندہ بھی ہوں۔ اور آنے پر قدرت بھی رکھتے ہوں۔ انہیں اس شہادتِ عظمیٰ اور حادثہ کبریٰ سے سخت درد اور شدید غم بھی ہوا ہو۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ کربلا میں نہ آئیں۔ چنانچہ آئے اور ضرور آئے، اور اِس طرح آئے جس طرح پُرسا دینے والے آتے ہیں۔ غم کی صُورت بنا کر روتے ہوئے آئے۔ اِس طرح جس طرح وارث میّت پر آتے ہیں۔ اس طرح آئے جس طرح والدین بیٹے کی اور بہن بھائی کی لاش پر آتی ہے۔ جناب رسولِ خدا کا آنا، کھلے سر آنا۔ بالوں پر خاکِ کربلا کا ہونا، گریہ و بکا کرنا، اور خونِ شہداء کربلا کا ایک شیشی میں محفوظ کرنا تو ترمذی و مشکوٰۃ کی حدیثوں اور جناب ام سلمہ و ابن عباس کی شہادتوں سے ثابت ہے۔

روزِ عاشور پنجتن پاک کی ارواحِ مقدّسہ متالّمہ مغمومہ و محزونہ دِن بھر کربلا میں شہیدوں کے دردناک مناظر دیکھتی اور اپنی بیٹیوں کے جگر خراش بین اور دِل فگار نوحے سُنتی رہیں۔ وہ اس وقت بھی کربلا میں موجود تھیں جب حسینؑ اکبر کی لاش پر آئے اور بے تاب ہوکر لاش پر گر پڑے۔ وہ اس وقت بھی دیکھ رہی تھیں جب حسینؑ عباسؑ کی لاش کے سرہانے بیٹھے بھائی کا سر گود میں لے کر غبار صاف کر رہے تھے، وہ اس وقت بھی حسینؑ کے گرد گھوم رہی تھیں جب پیاسے گلے پر شمر کا کند خنجر چل رہا تھا۔

جناب عبدالرزاق المقرم اپنی کتاب "مقتل الحسینؑ" میں لکھتے ہیں: بلیٰ لقد حضَرَ رسُولُ اللّٰہِ المعرکۃ و شاھَدَ ذٰالِکَ الجمعَ المُتالِّبَ علیٰ استئصال اھلہٖ مِنْ جدیدًا لاُدْنیٰ! ہاں

جناب رسولِ خدا اس معرکۂ قتال میں موجود تھے، اور اِس گروہِ جفاکار کی ظالمانہ و قاتلانہ کارروائیاں دیکھ رہے تھے۔ کہ روئے زمین سے ان کی آل کا خاتمہ کرنے پر تُلے ہوئے تھے اور بیواؤں اور دل جلی ہاشمیات کی فریادیں اور پیاسے بچّوں کی العطش کی صدائیں بھی سُن رہے تھے، موصوف مزید لکھتے ہیں کہ لشکرِ کوفہ نے ایک خوفناک آواز سُنی۔ "ویلکم یا اھل الکوفۃ اِنّی اریٰ رسولُ اللّٰہ یَنْظُرُ اِلیٰ جَمْعِکُمْ مَرَّۃً وَ اِلیٰ السَّمَآءِ مَرَّۃً اُخْرٰی وَھُوَ قَابِضٌ عَلیٰ لِحْیَتِہٖ المقدسۃ" افسوس ہو تم پر اے اہلِ کوفہ! میں دیکھ رہا ہوں کہ رسول اللہ تمہاری جماعت کو کبھی دیکھتے ہیں اور کبھی آسمان کو دیکھتے ہیں۔ اور انھوں نے اپنی ریشِ مبارک کو پکڑا ہوا ہے۔ وَاَنَا اَخَافُ اَنْ یَدْعُوَ اللّٰہَ عَلیٰ اَھْلِ الْاَرْضِ فَاُھْلِكَ فِیْھِمْ۔ مجھے خوف ہے کہ وہ بد دُعا کریں تو اہلِ زمین ہلاک ہو جائیں گے۔ اور میں بھی ان میں شامل نہ ہو جاؤں۔ لیکن اہلِ کوفہ طمعِ دُنیا اور ضلال میں مبتلا تھے۔ کسی نے آواز دی کہ لوگو! اس بات کی طرف توجہ نہ کرو اور نہ ڈرو یہ کسی دیوانے انسان کی آواز ہے۔ جناب امام صادق فرماتے ہیں کہ وہ جبرئیل تھے۔ صرف تنہا حضرت رسولؐ نہ تھے بلکہ جناب علی و فاطمہ اور جناب حسن بھی ہمراہ تھے۔

جمال ملعون کا قصہ

بحار الانوار میں سعید بن مسیب نے خود جمال ملعون کی زبانی اس کے ظلم و شقاوت کی کہانی بیان کی ہے۔ یہ ملعون کہتا ہے کہ امام پاک کا ساربان تھا جب مدینہ سے عراق آئے ہیں۔ جب وہ اپنا زیر جامہ شلوار کسی وقت تبدیل کرتے تو وہ میرے سپرد فرماتے۔ اس سراویل (شلوار یا پاجامہ) میں ازار بند نہایت چمکدار اور قیمتی تھا۔ جس کے دیکھنے سے آنکھیں خیرہ ہوتیں۔ جب ہی میرے سپرد وہ شلوار ہوتی، میں اس کمر بند کو دیکھ کر یہ تمنّا کرتا، کاش کہ ایسا کمر بند مجھے بھی نصیب ہوتا۔

وہ ملعون بیان کرتا ہے کہ یہ حسرت میرے دِل میں رہی۔ جب غریب کربلا شہید ہوگئے اور ان کی لاش بے ادبی کے ساتھ لوٹی گئی تو میرے دل میں بھی یہ حسرت بیدار ہوئی، کہ اب حسین مظلوم ہو کے مارا گیا ہے۔ لاش لوٹ لی گئی ہے۔ جا کر کمر بند کا پتہ کروں، شاید قسمت یاوری کرے۔ اور مدت کی تمنّا کامیاب ہو اور کمر بند ہاتھ آجائے۔ چنانچہ مذموم ارادہ سے اور بُری نیّت سے میں سوئے مقتل بڑھا۔ میں چھپتا چھپاتا میدان میں گیا۔ رات چھا چکی تھی۔ اور ہر شخص اپنے اپنے ٹھکانہ پر تھا۔ میدانِ قتال دن بھر گرم رہنے کے بعد سرد ہو چکا تھا۔ خون سے زمین سُرخ تھی۔

جا بجا ٹوٹے نیزوں، شکستہ تیروں اور تلواروں کے ٹکڑے نظر آتے تھے، سارا دن کی گہما گہمی، سواروں کے فرّاٹے، تلواروں کی جھنکار اور لڑائی کا شور وغل ساکن ہو چکا تھا۔ میں نے میدان میں مختلف بے سر لاشے دیکھے جن سے نور کی شعاعیں بلند ہو رہی تھیں۔ اِن لاشوں میں میں نے لالِ بتول کی لاش تلاش کی، جو اوندھے منہ زمین پر سر کے بغیر پڑی تھی۔ باوجودیکہ خاک و خون میں غلطاں تھی۔ جراحات کی کثرت تھی۔ لیکن نور کی کرنیں پھوٹ رہی تھیں۔ میں سمجھ گیا کہ یہی غریب مدینہ، مظلوم کربلا، قافلہ سالارِ شہداء کی لاش ہے۔ یہی جناب رسولِ خدا کا دلبر، امیر المومنین کا نورِ نظر، جناب زہرا کا لختِ جگر، اور زینب وام کلثوم کا برادر حسین ہے۔ مجھ پر خباثت اور شقاوت غالب آ چکی تھی۔ میں لاش کے قریب گیا، اور اس خیال سے کہ کوئی دیکھ نہیں رہا بے وارث لاش ہے۔ کمربند اتارنے کے ناپاک ارادے سے میں کمربند شلوار سے کھولنے لگا۔ دیکھا کہ امام مظلوم نے اس میں کئی گرہیں باندھی ہوئی ہیں۔ اور مضبوطی سے بندھا ہوا ہے۔ میں نے ہر چند کوشش کی۔ مگر ایک گرہ کھول سکا کہ اتنے میں کمربند پر امام کا ہاتھ نہایت مضبوطی سے آ گیا۔ میں نے کمربند کو امام کی گرفت سے آزاد کرنے کی کوشش کی میں امام پاک کا ہاتھ کمربند کی گرہوں سے ہٹا نہ سکا۔ بدبختی غالب تھی۔ حیا اور ایمان رخصت ہو چکا تھا۔ کمربند کے لالچ میں خوفِ خدا نہ رہا۔ دنیوی خطرہ تھا نہیں کیونکہ مظلوم اور بے وارث لاش تھی۔ مجھ سے پہلے بھی زہرا کا نورِ نظر ظالموں کے ہاتھوں لٹ چکا تھا۔ میں بھی بے ڈر ہو کر میدان کی طرف بڑھا۔ ٹوٹی ہوئی تلوار کا ایک ٹکڑا اٹھا لایا ٹکڑا کند تھا مظلوم کا ہاتھ کاٹنے لگا نہایت بے رحمی سے دلبرِ بتول کا دایاں ہاتھ میں نے کلائی سے کاٹا۔ میں کمربند اتارنے کی فکر میں تھا کہ ناگاہ کمربند پر اس بے کس و بے وارث مظلوم کا بایاں ہاتھ آ گیا اور بائیں ہاتھ سے انہوں نے کمربند کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ میں نے بایاں ہاتھ گرہوں سے ہٹانے کی کوشش کی مگر ہٹ نہ سکا۔ میں نے تلوار کے ٹکڑے کو دوسرے ہاتھ پہ چلایا۔ کند ہونے کی وجہ سے دیر تو لگی، میں دوسرا ہاتھ بھی کاٹنے میں کامیاب ہو گیا۔ دونوں ہاتھ کاٹ چکنے کے بعد میں نے کمربند کو کھولنے کا ارادہ کیا۔ امام پاک اٹھ بیٹھے۔ زمین کانپنے لگی۔ آسمان تھرانے لگا۔ میدان کربلا رونے پیٹنے کی دردناک آوازوں سے بھر گیا۔ میں لاش سے دور بھاگ گیا اور لاشوں میں چھپ کر لیٹ گیا۔ مجھ پر دہشت طاری ہو گئی اور کانپنے لگا کہ اس اثنا میں ایک نور کی عماری نازل ہوئی۔ جن میں سے تین مرد اور ایک عورت باہر آئے۔ سر برہنہ ہاتھ تھے۔ اس طرح نالہ و فریاد اور آہ و زاری کر رہے تھے جس طرح ضعیف والدین جوانمرگ پسر کی لاش پر نوحہ و ماتم کرتے ہیں، آواز آتی تھی ہائے اور میرے مظلوم

بیٹے وا قتیلا، وا ذبیحاہ، کوئی کہتا تھا میرے ناز پروردہ بیٹے! میرے پیاسے بیٹے، میرے بے وارث بیٹے۔ کیا مرنے کے بعد بھی تیری لاش پر ظلم بند نہیں ہوئے؟

اِن چار اشخاص کے ساتھ اور بھی بہت سے زن و مرد تھے، سب ماتمی لباس میں تھے اور کربلا میں مظلوم پر گریہ و بکا کرنے آئے تھے۔ فرشتے گریاں صورت میں کثیر تعداد میں ان کے ساتھ تھے، گیارھویں کی رات تھی، میں نے دیکھا کہ انسانوں کی صورتوں اور ملائکہ کے پَروں سے صحراء کربلا بھر گیا۔ رونے پیٹنے اور گریہ و بکا کی آوازیں بلند تھیں۔ کہ اتنے میں آواز آئی کہ میرے لختِ دِل حسین! تیرا نانا تجھ پر قربان جائے۔ تیری مَوت نے تیرے نانا کے جگر کو زخمی کر دیا۔ بیٹا تو نے اپنا فرض خوب ادا کر دیا۔ میری نصیحت پر پورا عمل کیا۔ میرا اسلام قبول کر، بیٹا! یہ تیرا بابا علی ہے۔ یہ تیری مہربان ماں بتول ہے۔ یہ تیرا شفیق بھائی حسن مسموم ہے۔ بیٹا تجھے رونے آئے ہیں۔ تجھے تیرے بیٹوں بھائیوں بھتیجوں تیری غربت کی مَوت کو پُرسا دینے آئے ہیں۔ بیٹا! تیری لاش پر رونے والا کوئی نہ تھا تیرے رونے والے اپنے دکھوں میں مشغول ہو گئے۔ بیٹا! ہمارا سلام قبول کر تو نے میرے دین کی حفاظت کی میری شریعت کو مٹنے سے بچا لیا۔

لاش اُٹھ بیٹھی اور آواز آئی، نانا مظلوم نواسے کا بابا مجروح پسر کا، اماں بے وارث نورِ نظر کا بھائی، غریب و بے کس لاش کا سلام ہو، نانا راضی ہو بابا راضی ہو۔ نانا ہمارے مَرد مارے گئے۔ نانا تیری امانتوں کو صحرا میں لایا۔ مگر میری مَوت کے بعد انہیں ظلم و جور سے لوٹا گیا۔ ان کے گھر جلائے گئے۔ اِن امانتوں کو جنگل میں بے سہارا چھوڑ چکا ہوں، نانا، بابا، اماں بھائی، اپنی آنکھوں سے ہمارا حال دیکھ لو۔ نانا یہ تیری اُمت کا سلوک ہے۔

عزا دارو! لٹی ہوئی اور کٹی ہوئی لاش کے آس پاس یہ وارث بیٹھ کر رونے لگے۔ جناب مظلومہ و محرومہ مادرِ حسین کی آواز آئی، بابا اجازت ہے میں اپنے غریب و مظلوم بیٹے کے خون سے اپنے سر کے بال خضاب کر لوں۔ آواز آئی بیٹی تو بھی سر اور پیشانی پہ خون مَل، ہم بھی سر اور پیشانی خون سے سُرخ کریں گے۔ اور روزِ قیامت اِسی حال میں دربارِ خُدا میں پیش ہو کر فریاد کریں گے۔ بیٹا! تیری بے کسی اور مظلومی ہم پر کس قدر گراں ہے۔ بیٹا! تیرے ہاتھ کس ظالم نے کاٹے ہیں؟ انہیں شرم نہ آئی کیا تجھے بے وارث سمجھا تھا۔ کسی ظالم نے انگوٹھی کے لالچ میں تیری انگلی کاٹ لی۔ اور کس ملعون نے کمر بند کی حرص میں تیرے ہاتھ قطع کر ڈالے تو اتنا بے وارث اور غریب رہ گیا ہے؟

جمال لعین کا بیان ہے کہ مظلوم کربلا نے تمام ماجرا نانا کو سنایا اور کہا نانا وہ ملعون لاشوں

میں چھپا پڑا ہے۔ پس جناب رسولِ خدا میرے پاس آئے۔ اور کہا کہ ظالم! میں ان ہاتھوں کے بوسے لیتا تھا، ملائکہ چومتے تھے، بوسہ گاہِ علی و بتول تھے، ناز پروردۂ بتول کے کس بے دردی سے تُو نے ہاتھ قطع کئے۔ کیا ظالموں کے ظلم کم تھے؟ کوئی کسر رہ گئی تھی جو تو نے ہاتھ قلم کرکے پوری کی۔ خدا تیرے ہاتھ قطع کرے۔ جمال کا بیان ہے کہ رسولِ ربّ العالمین کی بددُعا سے میرے ہاتھ قلم ہو گئے اور چہرہ مانندِ شبِ سیاہ تاریک ہو گیا۔ اس طرح شہداء کی لاشوں اور جلے ہوئے خیموں، بے وارث مسافروں، بیکس یتیموں اور بے سہارا بیواؤں کے پاس پنجتن پاک کی غمگین و محزون روحیں مصروفِ گریہ و بکا رہیں۔

شہادتِ امام مظلوم پر قدرتی آیات و آثار کا ظہور

جناب سیّد الشہداء علیہ السّلام کی مظلومی و بے کسی اور بے دردی کی شہادت نے عالمِ امکان میں تلاطم پیدا کر دیا۔ عالمِ ناسوت کیا عالمِ لاہوت اور کُراتِ کائنات میں تزلزل و تغیّر رونما ہوا۔ سیاہ آندھیاں چلنے لگیں۔ آسمان سے خون کی بارش نازل ہوتی رہی۔ بعد از قتل امامِ مظلوم اس قدر تاریکی چھا گئی کہ دن میں تارے نظر آنے لگے۔ ہاتھ کو ہاتھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ یہ کیفیت ایک گھنٹہ برابر جاری رہی۔ لوگ سمجھے کہ قیامت آگئی ہے۔ کپڑوں اور دیواروں پر خون کے آثار دکھائی دیئے۔ مٹکے اور گھڑے بجائے پانی کے خون سے بھرے ہوئے نظر آئے۔

اگر زمین سے کوئی ڈھیلا یا پتھر اٹھایا جاتا تو اُس کے نیچے سے خون جوش مار کر نکلتا۔ شہادت سے قبل آسمان کے کنارے شفق سے خالی تھے۔ بعد از شہادت طلوع و غروب کے وقت خونِ حُسین سے یہ کنارے رنگین ہو گئے۔

جناب سفیان ثوری اپنی دادی سے روایت کرتے ہیں۔ وہ بیان کرتی ہیں میں زمانۂ جناب امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے وقت جوان تھی۔ آسمان کئی دن تک ان کے ناحق قتل پر روتا رہا اور بغیر بادل کے بارش ہوتی رہی۔ جو گریہ و بکاءِ آسمان کی دلیل ہے۔

آسمان سے خون کا مینہ برسا جس کا اثر کپڑوں اور دیواروں پر کئی روز تک رہا۔ خود حوروں نے جنّاتِ عالیات میں، ملائکہ نے طبقاتِ سمٰوٰت میں، پرندوں نے ہواؤں میں، مچھلیوں نے دریاؤں میں، اور وحشی جانوروں نے صحراؤں میں مظلوم کی بے کسی کی موت پر اپنے اپنے ماحول میں گریہ و بکا کیا۔ خلّاقِ عالم جبّار و قہّار نے اپنے قہر و غضب کا اظہار مذکورہ بالا نشانیوں کی صورت میں کیا۔

فرزندِ رسول کی غریب الوطنی اور بے گناہی پر تمام انبیاء و اوصیاء روئے۔ اپنے بھی روئے پرائے بھی روئے، اور یہی وہ مظلوم ہے جس کی بے جرم و بے خطا موت پہ دوست اور دشمن دونوں روئے۔

حضرت عبداللہ بن عباس اور ام المومنین حضرت ام سلمٰی کے خواب اس واقعہ مفجعہ کے اثرات کے شاہد ہیں۔ دونوں نے عالم خواب میں دیکھا کہ جناب رسولِ پاک کے سر کے بال کھلے ہوئے ہیں اور سر اور ریش مبارک خاک سے بھری ہوئی ہے۔ جناب ام سلمہ نے پوچھا۔ تو جواب دیا۔ میرا بیٹا حسین قتل ہو گیا۔ میں ان کی اور ان کے ساتھی شہیدوں کی قبریں کھودتا رہا۔ وہ گھبرا کر اٹھیں اور جناب ام سلمہ نے اسی شیشی کو دیکھا جس میں جناب رسولِ پاک کی دی ہوئی خاکِ کربلا تھی۔ وہ مٹی خون بن کر جوش مار رہی تھی، اسی طرح جناب عبداللہ بن عباس نے دیکھا، پوچھا تو جواب ملا کہ میں کربلا گیا تھا۔ میرا لختِ جگر ظلم و جور سے شہید ہو گیا۔ میرے ہاتھ میں شیشی میں ان کا اور ان کے اصحاب کا خون ہے۔ جو آج کے دن ہر شہید کی لاش سے جمع کرتا رہا۔

جناب دعبل خزاعی بیان کرتے ہیں اپنے دادا سے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میری ماں نے اس درخت کو دیکھا۔ جو خشک ہو چکا تھا۔ اس کے نیچے جناب رسولِ پاک نے وضو فرمایا۔ وہ درخت "ام معبد الخزاعیہ" کا تھا۔ حضور کے وضو کے پانی کی برکت سے وہ درخت سرسبز ہو گیا۔ کونپلیں پھوٹیں، برگ و بار آئے اور اپنے ٹھنڈے سائے اور پھلوں سے لوگوں کو فیض یاب کرتا رہا۔

حضور کی وفات کے بعد اس کے پھل کم ہو گئے اور شادابی میں کمی آگئی تھی۔ امیر المومنین کی شہادت کے بعد اس پر پھل آنے بند ہو گئے تھے، اور لوگ اس کے پتوں سے اپنی بیماریوں کا علاج کرتے تھے، کچھ مدت کے بعد لوگوں نے دیکھا کہ اس کے تنے اور شاخوں سے خون ابل رہا ہے۔ اس حادثے نے لوگوں کو دہشت ناک کر دیا۔ اور جب رات چھا گئی تو فضا میں رونے اور نوحہ کی آوازیں بلند ہوئیں۔ لوگ گریہ و بکا کی آوازیں سنتے تھے اور رونے والوں کو نہ دیکھتے تھے، یہ شعر پڑھا گیا۔

یَا ابنَ الشَّھِیدِ وَ یَا شَھِیدًا عَمُّہٗ　　خَیرُ العُمُومَۃِ جَعفَرُ الطَّیَّارُ

عَجَبًا لِمَقتُولٍ اَ مَا بِکَ حَدُّہٗ　　فِی الوَجہِ مِنکَ وَقَد عَدَاکَ غُبَارُ

اس کے بعد جب قتلِ حسین کی خبر لوگوں کو پہنچی تو معلوم ہوا کہ درخت کے تنے میں جوشِ خون کا وہی وقت تھا جب بتول کے لال پر شمر کا خنجر چل گیا تھا۔

الدمعۃ الساکبہ میں بیان کیا گیا ہے کہ بعد از شہادت جناب مظلوم کے اونٹ بھی ظالموں نے لوٹ لئے تھے۔ ان میں ایک خاص مولا کی سواری کا تھا۔ اسی ناقہ پہ سوار ہو کر امام مظلوم

روزِ عاشور لشکرِ ابنِ سعد کو وعظ و نصیحت کرنے گئے تھے۔ جب قتلِ امام پر فوج پسرِ سعد میں تکبیریں بلند ہوئیں اور سادات کے خیموں میں سر پیٹنے اور نوحہ و مرثیہ کی آوازیں بلند ہوئیں تو یہ ناقہ میدان میں شہیدوں کے درمیان اپنے آقا کی لاش کو تلاش کرنے لگا۔ اس نے اپنے مقتول آقا کی لاش پہچان لی۔ فرطِ غم سے بلبلانے لگا، دائیں بائیں دیکھتا، اپنی زبان میں آہ و بکا کرتا رہا۔ کہ فوجِ اعداء کے تیس سوار اسے پکڑنے کے لئے آئے، اس نے خیمہ گاہ کا رُخ کیا۔ وہ اسے خیمہ گاہ سے روک کر اپنے خیموں میں لے جانا چاہتے تھے، مگر وہ اسے اپنے مقامِ مقصود سے روک نہ سکے، جس خیمہ کے سامنے وہ بیٹھنے کا عادی تھا۔ اسی جگہ آیا۔ مگر دیکھا کہ خیمہ جل چکا ہے۔ نہ گھر ہیں اور نہ گھر والے ہیں۔ ناچار بیٹھ کر اور غم سے بے قرار، نڈھال ہو چکا تھا، جانور تھا مگر وفادار، اس کا اندر زخمی ہو چکا تھا ظالموں نے اسے ذبح کیا، اور گوشت تقسیم کیا، تو جب پکایا دیگچیوں میں آگ جیسا اور گوشت کا مزہ سخت تلخ تھا۔ جتنے بھی اونٹ ذبح کئے سخت کڑوا گوشت نکلا۔

ہلال بن نافع کا بیان ہے کہ میں نے امامِ مظلوم کا سر دیکھا۔ باوجودیکہ خاک و خون میں غلطاں تھا مگر چہرۂ مبارک سے ایسا نور ساطع تھا اور ان کے جمالِ مبارک کی ایسی ہیبت تھی کہ میں ان کی موت کا غم بھول گیا۔ اور زہرا کے لال کا حسن و جمال دیکھنے میں محو ہو گیا۔ ریشِ مبارک اور زلفوں پر وسمہ کا رنگ تھا۔ سفید نورانی چہرہ زلفوں کے سیاہ حجاب میں گھرا ہوا تھا۔ اس منظر کو جناب میر انیس یوں بیان کرتے ہیں۔

وہ ریشِ مخضب وہ رُخِ سید والا ہے چاند نے منہ شام کے پردے سے نکالا
وہ گیسوئے مشکیں کا رُخِ پاک پہ ہالا تھا صبح پہ دامنِ شبِ معراج نے ڈالا

رُخساروں پہ کچھ زلف سی لہرائی ہوئی ہے
خورشید پہ زہرا کے گھٹا چھائی ہوئی ہے

ستر ھویں مجلس

اہل بیت کا تعارف‘ اہل بیتِ رسول بعد از رسول سچّے ہادی ہیں۔ سرہائے شہداء اور اسیران آلِ محمد کا کربلا سے سفر‘ شہدائے سے وِداع

صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ ۙ۬ غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ

ان لوگوں کا راستہ جن کو تونے خاص نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔

بندۂ مومن نے اللہ تعالیٰ کی سکھائی ہوئی دعا میں "صراطِ مستقیم" پر چلنے اور ثابت قدم رہنے کی حمد و ثناء اور تخصیصِ عبادت و استعانت کے بعد دُعا مانگی "خدایا! ہمیں صراطِ مستقیم پر چلا" اس کے بعد خدائے تعالیٰ کی تعلیم کی ہوئی اسی دعا میں "صراطِ مستقیم" کی وضاحت کر دی کہ ان لوگوں کی راہ پر چلا جنہیں تُو نے اپنی نعمتوں اور خاص مہربانیوں سے نوازا ہے۔

اِس میں کوئی شک نہیں کہ جو ذواتِ مقدسہ موردِ انعاماتِ الٰہی اور مستفیضِ فیوضاتِ خدائی رہے ہیں‘ ان کی راہ‘ راہِ راست اور منزلِ مقصود تک بغیر کھٹکے اور اندیشے کے پہنچانے والی ہے۔ اس میں رہزن کا گزر نہیں‘ چور کا ڈر نہیں۔ اس کے پڑاؤ خطرات سے مامون اور موذی ہلاکتوں سے مصئون ہیں۔ یہ راہ ہموار ہے۔ اس میں نشیب و فراز نہیں۔ اور اس قدر صاف ہے کہ خار و خاشاک نہیں۔ سفری سہولتیں اس میں بھر پُور اور صعوبتیں اِس سے دُور ہیں۔ اب اس راہ کو پہچاننا اور پہچان کر گامزن ہونا سالک کا فرض ہے۔ ہاں ان لوگوں کی پہچان از بس ضروری ہے۔ جن کی یہ راہ ہے۔ اور جن پر فیضانِ الٰہی کی بارش ہے۔

ان نفوسِ مقدسہ کا قرآنِ پاک میں ایک جگہ اس طرح ذکر ہوا ہے : وَ مَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيْنَ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ؕ جس کسی نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی وہ ان مقدس حضرات کے ساتھ ہوگا جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔ وہ لوگ نبی ہیں، صدیق، شہداء اور صالح حضرات ہیں۔ اور یہ بزرگ بہترین رفیق ہیں۔ اگر مسافر کے ساتھ کوئی ایسا رفیقِ سفر ہو جو پورے راہ سے واقف اور منزل سے آشنا ہو، ایسے رفیقِ مہربان کی معیت میں وہ سفر کرے تو اُس کے بھٹکنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ سالک اور منزل کے درمیان دوری ختم ہو جاتی ہے۔ اِس آیت مبارکہ میں چار گروہ رہنمائے منزل قرار پائے ہیں۔ انبیاء، صدیقین، شہداء، اور صالحین۔

پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ چونکہ منزل روحانی ہے اس واسطے اس کا راستہ بھی روحانی ہے، تو یہاں راہ سے مُراد وہ روحانی اعمال اور اخلاق و اطوار ہیں جو خدا کے قریب اور اس کا پسندیدہ بندہ بنا دیتے ہیں۔ اسی طرح صراطِ مستقیم سے مُراد وہ آدابِ زندگی، حیاتِ دنیوی کو بسر کرنے کے وہ طریقے جو زندگی کے تمام پہلوؤں کو خوشنودئی خُدا کے سانچے میں ڈھال کر بخیر و خوبی انجام تک پہنچائیں۔

چونکہ صراطِ مستقیم، اقوال و اعمال اور علم و عمل پر مشتمل ہے۔ اِس کا تعلق فکر و نظر کے ساتھ بھی ہے اور قول و عمل کے ساتھ بھی۔ اِس واسطے "صراطِ مستقیم" کی ہدایت کے لئے خدا نے ایسے رہنما بھیجے جو بندوں میں رہ کر، ان میں گھُل مِل کر زبان کے ساتھ عملی تبلیغ بھی کر سکیں تاکہ کانوں کے ساتھ ہدایات سُن لیں، آنکھوں کے ساتھ ان کا عمل دیکھ لیں، قلب و دماغ کے ساتھ انہیں پہچان لیں، اور اپنے عقیدہ میں ان کو مان لیں نیز اعمال و آداب میں ان کی پیروی کریں۔

جب ایک شاہراہ چھوٹی راہوں میں بٹ جاتی ہے اور ایک راہ کی چار راہیں بن جاتی ہیں تو چلنے والے کو راہِ راست کی پہچان میں دشواری پیش آجاتی ہے۔ اسی طرح ایک سڑک کا مسافر جب چوک کی بھول بھلیوں میں پھنس جاتا ہے تو اُسے منزل پر پہنچانے والی اصلی سڑک کی شناخت میں دقت درپیش آتی ہے۔ اگر ایک ہی راہ ہو تو دشواری کیسی؟ راہوں کی کثرت چلتے قدم روک دیتی ہے۔ اور مسافر بے چارہ حیران و پریشان رہ جاتا ہے۔ اس وقت ایسے کامل رہنما کی ضرورت ہوتی ہے اور صحیح اور سچے رہبر کی ہدایت درکار ہوتی ہے۔

اسلام چونکہ متعدد فرقوں میں تقسیم ہو چکا ہے اور ہر فرقہ اپنی صداقت کا دعویدار ہے اور ہر کوئی اپنی راہ کو "صراطِ مستقیم" خیال کرتا ہے۔ حالانکہ نہ تمام فرقے حق پر ہیں اور نہ سب کی راہیں "صراطِ مستقیم"

ہیں۔ اس واسطے ہمیں سچے ہادیوں اور کامل رہنماؤں سے "صراطِ مستقیم" کا پتہ کرنا چاہیئے اور اس کے سوا ہمارے لئے کوئی چارۂ کار نہیں کہ رہبرِ اعظم" ہادیٔ کامل، مالکِ اُمّت جناب پیغمبرِ خدا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کریں کہ یا رسول اللہ! آپ کے فرمان کے مطابق آپ کی اُمّت تہتر فرقوں میں بٹ گئی، مسلمان گروہوں میں تقسیم ہو گئے، اور ہر گروہ کی ایک راہ ہے اور ہر گروہ کا رہنما ہے، ہم کس راہ پر چلیں اور کس رہنما کا ساتھ دیں۔ یہ ایک ضروری سوال ہے جو ہر مسلمان کے دماغ میں ابھرتا ہے لیکن اس سوال سے پہلے ہادیٔ اُمّت، رسالت مآب نے اپنے اقوال اور اعمال کے ذریعے اُمّت کو اس کا جواب ہمیشگی دے دیا تھا۔ جب انہیں علم تھا کہ اُمّت فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی، اور صحیح راہ کثیر راہوں میں پوشیدہ ہو جائے گی۔ جھوٹے ہادی بکثرت پیدا ہوں گے۔ اصلی رہنما نقلی رہنماؤں میں چھپ جائیں گے۔ تو سرکارِ رسالت خود اس بد امر کا بندوبست کر گئے اور جانے سے پہلے کئی مرتبہ کئی مقامات پر قول اور عمل کے ذریعے سچے ہادی اور ان کی سچی راہ دکھا گئے۔ ان کی معرفت کرا گئے اور ان کا طریقہ بتا گئے۔ ان کا اور ان کی راہ کا نقشہ سمجھا گئے۔

اہل بیت کی شان

راہِ راست تلاش کرنے والے، سچے امام کی پہچان کرنے والے، کچھ کوشش تو بھی کر، دل و دماغ اور عقل و فہم سے کام لے، سچی نیّت سے حق کی تلاش کر، خالق خود مدد کرے گا۔ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا" جو لوگ ہمارے بارے (راہِ حق کی تلاش) میں کوشش کرتے ہیں۔ ہم انہیں اپنی راہیں دکھا دیتے ہیں اور جو صحیح راہ پر چلنے کی کوشش کریں ہم انہیں منزل پر پہنچا دیتے ہیں۔

حضرات سُنو! کان کھول کر، دل لگا کر، تعصّب کے حجاب ہٹا کر، پرانے نقوش دل سے مٹا کر اور نیّت کو خلوص سے سجا کر سُنو! سرکارِ رسالت نے ابہام کے پردے چاک کر دیئے۔ شک و شبہات کے غبار صاف کر دیئے۔ یقین کی شاہراہ متعیّن کر دی۔ جرنیلی سڑک کو گمنام پگڈنڈیوں سے جُدا کر دیا۔ اور "صراطِ مستقیم" کو کج راہوں سے ممتاز کر دیا۔ بعد از رسالت مآب اس زمانے میں اُمّت کے دو حصے تھے۔ ایک اصحاب دوسرے اہلِ بیت، اصحاب میں سلے اور سسرال، اہلِ بیت میں بھائی اور آل، اس زمانے میں مسلمان انہی دو حصوں میں تھے، یعنی آل اور اصحاب، اگرچہ آل بھی اصحاب ہیں، کیونکہ انہوں نے صحبتِ رسول کا شرف حاصل کیا ہے۔ لیکن انہیں قرابت داری اور خونی نسبی رشتہ میں شریک ہونے کے علاوہ خاص اوصاف اور خاص فضائل میں حضور پاکؐ سے اشتراک حاصل تھا۔ اور صحابۂ کرام ان خصائص سے محروم تھے۔ اصحاب آلِ رسول اور اہلِ بیت پیغمبر نہیں۔ اس دور کا ہر سچا مسلمان صحابی تھا۔

اب یہ دیکھنا ہے کہ اصحاب میں آل کا کیا مقام تھا۔ اور آل کے ساتھ اصحاب کو کیا نسبت تھی سرکار رسالتمآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اہل بیت کو جس مقام پر پیش کیا ہے، بحیثیت پیشوا امام اور رہنما کے پیش کیا ہے۔ صحابہ کو ان کی اطاعت، محبت اور ان کے دامن سے متمسک رہنے کا حکم دیا ہے۔

کوئی ایسا مقام نہیں ملتا جہاں اہل بیت کو صحابہ کی پیروی کا حکم دیا ہو۔ صحابہ سے حاصل کرنے، اُن سے فیض یاب ہونے اور کسی مسئلہ میں ان کی طرف رجوع کرنے کا امر صادر فرمایا ہو۔ بلکہ بیسیوں مقام پر صحابہ کو، امت کو، اور تمام مسلمانوں کو نیز ہر دور کے اہل ایمان کو تا قیامت اہل بیت کا دامن پکڑنے، ان پر درود بھیجنے، ان سے محبت کرنے، ان کی اقتداء اور اطاعت کرنے، ان کے در سے فیضیاب ہونے، قرآن فہمی میں ان کے پاس جانے، علمی مشکلات میں ان سے مدد مانگنے اور ان سے مسائل دین حل کرانے کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اور خاص تاکید کی ہے۔ تو معلوم ہوا ہے کہ "صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ" میں اہلِ بیت نبوت مراد ہیں، جن میں نبی بھی ہیں بلکہ سید الانبیاء بھی ہیں۔ صدیق اکبر بھی ہیں۔ سید الشہداء بھی ہیں اور سید الصالحین بھی ہیں۔

اضافۂ ایمان، زیادتی یقین اور ترقی درجاتِ عرفان کے لئے پیغمبرِ اسلام کی اہلِ بیت کے حق میں احادیث درج کرتے ہیں۔

۱۔ مَثَلُ اَهْلِ بَيْتِيْ فِيْكُمْ كَمَثَلِ سَفِيْنَةِ نُوْحٍ مَنْ رَكِبَهَا نَجٰى وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا غَرِقَ وَهَوٰى (ترجمہ:۔ لوگو! میرے اہلِ بیت کی مثال تم میں کشتی نوحؑ کی مانند ہے۔ جو اس پر سوار ہو گیا وہ گمراہی سے نجات پا گیا، اور جو اس کشتی نجات پر سوار ہونے سے رہ گیا وہ ہلاک ہو گیا، اور بحرِ ضلالت میں غرق ہو گیا)

اِس حدیث کی صحت سے کسی کو انکار نہیں۔ اِس میں اہل بیت کو نجات دہندہ اور امت کو، صحابہ کو نجات خواہندہ قرار دیا گیا ہے۔ یہاں کشتی سے مراد مادی کشتی نہیں بلکہ روحانی سفینہ ہے جس کو مادی کشتی کے ساتھ تشبیہ دے کر سمجھایا گیا ہے۔ کہ اگر گمراہی سے بچنا چاہو، نجات حاصل کرنا چاہو، جہنم سے برأت آگ سے نجات، اور جنت کے درجات چاہتے ہو تو اہل بیت کی کشتی پر سوار ہو جاؤ، یعنی ان کی پیروی کرو ان کی راہ پر چلو، ان کی ہدایات پر عمل کرو، انہی کو رہبر بناؤ، حدیثِ مذکورہ تو کافی تشریح چاہتی ہے مگر اختصار کی خاطر صرف ترجمہ و مختصر وضاحت پر ہی اکتفا کی ہے۔

۲۔ اَنَا مَدِيْنَةُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا مَنْ اَرَادَ الْعِلْمَ فَلْيَاْتِهٖ ۔ (میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہیں۔ جو علم حاصل کرنا چاہے وہ در کے پاس یعنی علی ابنِ ابی طالب کے پاس آئے۔

چونکہ قرآن مجید میں ارشاد ہے: لَیْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُیُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰکِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰی وَاْتُوا الْبُیُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا۔ "یہ نیکی نہیں ہے کہ تم گھروں میں ان کی دیواروں سے آؤ لیکن نیکی تو اس شخص کی ہے، جو تقوٰی اختیار کرے اور گھروں میں ان کے دروازوں سے آئے" آنا جانا گھروں میں دروازوں سے ہوتا ہے۔ اور اس زمانے میں ہر بڑے شہر کے آس پاس فصیل ہوتی تھی، اور اس فصیل میں دروازے ہوتے جن سے شہروں میں آنے والا داخل ہوتا۔ اور جانے والا خارج ہوتا۔ اسی وجہ سے کسی شہر میں دخول و خروج دروازے ہی سے ہوتا، یہی مثال گھروں کی ہے۔

جس طرح کہ حاجت مند شہر یا گھر میں سے کچھ حاصل کرنا چاہے تو دروازے سے داخل ہوتا ہے اور وہی نفع و متاع حاصل کرنے کی راہ ہے۔ اس واسطے آپؐ نے آپ کو شہر سے مثال دے کر خزانۂ علم ظاہر کیا۔ اور علی کو دروازہ سے تشبیہ دے کر علوم کے خزانے حاصل کرنے کا واحد ذریعہ بنایا۔ یعنی جو کچھ پیغمبرِ اسلام کے پاس ہے اس کے وارث علی بن ابی طالب ہیں۔ اس خزانے کے تقسیم کرنے والے امیر المومنین علی ہیں۔ اس سے بھی یہی ثابت ہوا کہ خدائی نعمتوں کے وارث اور نبوی نعمتوں و خزانوں کے وارث علی ابن ابی طالب ہیں۔ اور انہی کی راہ "صراطِ مستقیم" اور راہِ نجات ہے۔ جن علوم کے جناب پیغمبرِ اسلام شہر ہیں انہی علوم کا دروازہ جناب علی ہیں۔ پس علومِ پیغمبر، دینِ نبی اور اسلامی شریعت کی سند صرف جناب امیر علیہ السلام ہیں۔ اسلام اگر ان سے حاصل کیا جائے تو وہ صحیح اسلام ہے۔ اور اگر ان کے مخالف سے حاصل کیا جائے تو وہ غیر معتبر ہے۔ کیونکہ ہر فرم کا ایک ایجنٹ ہوتا ہے جس کے پاس اس فرم کا مال ہوتا ہے، غیر ایجنٹ اس مال کی بیع کا مجاز نہیں، اسی طرح فرمِ نبویؐ کے ایجنٹ علی ابنِ ابی طالب ہیں۔ لہٰذا نبوی دین علی کے پاس ہے۔ غیر چونکہ ایجنٹ نہیں لہٰذا ان کے پاس جعلی مال ہے۔

۳۔ یَا عَلِیُّ اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُّوْسٰی اِلَّا اَنَّهٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ "اے علی! تیری نسبت میرے ساتھ ایسی ہے جیسی ہارون کو موسٰی کے ساتھ تھی سوائے اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں، ہر نبی کا وزیر ہوتا ہے۔ حضرت موسٰی کے وزیر جناب ہارون تھے، حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے وزیر جناب علی بن ابی طالب ہیں۔ حضرت موسٰی نے دعا کی "رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ وَیَسِّرْ لِیْ اَمْرِیْ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَهْلِیْ هَارُوْنَ اَخِی۔ "میرے ربّ میرا سینہ کھول دے۔ میرے کارِ نبوت کو میرے لئے آسان کر دے، میری زبان کی گرہ کھول دے، لکنت دور کر دے، تاکہ لوگ میری بات سمجھ سکیں، اور میرے اہل میں سے میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر بنا دے۔ حضرت موسٰی کی دعائیں، مطالبے تھے، جو حقیقت پر مبنی تھے، اور تبلیغ رسالت

کے لیئے ان امور کی ضرورت ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ کی دُعا مستجاب ہوئی اور ان کے مطالبات منظور ہوئے۔ جناب ختمی مرتبت کو حضرت موسیٰ کو ساتھ اور اُن کی اُمّت کو اُمّت کے ساتھ مطابقت دی گئی ہے۔ جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے: "اِنَّا اَرْسَلْنَا اِلَیْکُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَیْکُمْ کَمَا اَرْسَلْنَا اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا۔" ہم نے تمہاری طرف رسول بھیجا جو تم پر گواہ ہے۔ جس طرح کہ فرعون کی طرف رسول بھیجا تھا۔ رسالت میں مطابقت تھی، امّت میں مطابقت تھی، وزارت میں بھی مطابقت ہوئی، ہارون موسیٰ کے اور علی محمد مصطفیٰ کے وزیر، جو راہ نبی کی وہی راہ وزیر و وصّی کی،

"اِنِّیْ تَارِکٌ فِیْکُمُ الثَّقَلَیْنِ کِتَابَ اللّٰهِ وَعِتْرَتِیْ اَهْلُ بَیْتِیْ مَا اِنْ تَمَسَّکْتُمْ بِهِمَا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِیْ وَاِنَّهُمَا لَنْ یَّفْتَرِقَا حَتّٰی یَرِدَا عَلَیَّ الْحَوْضَ" (میں تم میں دو بھاری چیزیں چھوڑ رہا ہوں، اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اپنی عترت اہلِ بیت، جب تک تم لوگ ان دونوں کا دامن پکڑے رکھو گے یعنی اطاعت کروگے اور ان کے ساتھ رہوگے ہرگز گمراہ نہ ہوگے، اور یہ ایک دوسرے سے جُدا نہ ہوں گی، یہاں تک کہ میرے پاس حوضِ کوثر پر پہنچ جائیں گی۔

یہ حدیثِ مبارک بھی شک وشبہ سے بلند ہے۔ اِس کی صحت و اعتبار پر تمام اہلِ اسلام کا اتفاق ہے۔ کیونکہ علاوہ دوسری کتب احادیث کے صحاح میں بھی مذکور ہے۔ اور اس حدیث کی دلالت، اہلِ بیت کی امامت و خلافت پر واضح ہے۔ خطاب مسلمانوں سے اور تمام مسلمانوں سے ہے۔ اس زمانہ کے مسلمان سے لے کر تا قیامت جُملہ مسلمانوں کے لئے ہے۔ اس خطاب میں ہر ملک وقوم کے مسلمان شامل ہیں۔ اور ہر دور کے، جن میں پہلے دور کے مسلمانوں کو صحابی اور دوسرے دور کے مسلمانوں کو تابعی کہتے ہیں، تمام مسلمانوں کو خطاب فرماتے ہیں۔ میں تم میں کتاب اور اہل بیت چھوڑ رہا ہوں، اور ان کو وزنی اور ثقیل فرمایا ہے۔ یقیناً یہ تمام تمام امت پر ایمان، معرفت، عمل، مرتبہ اور درجات میں بھاری ہیں۔ اور وہ ان ~~سے~~ ہلکے ہیں۔ قرآن اور اہل بیت افضل، جملہ مسلمان مفضول ہیں۔

اِس لئے چھوڑا کہ مسلمان میرے بعد گمراہ نہ ہوں۔ گمراہی سے بچانے ضلالت سے ہٹانے، راہ راست پر چلانے کیلئے قرآن کو قانون کی حیثیت حاصل ہے اور اہل بیت کو اسلامی قانون کی انتظامیہ و عدلیہ کی حیثیت سے چھوڑا۔

یعنی مسلمان ضلالت سے بچنے والے اور اہلِ بیت بچانے والے، مسلمان صراطِ مستقیم پر چلنے والے اور اہل بیت صراطِ مستقیم دکھانے والے، الغرض چلنے والے مُسلمان اور چلانے والے اہل بیت، پیرو کار تمام مسلمان جن میں صحابہ، تابعین، اولیاء صالحین، غوث و ابدال متقین، یہ سب اہل بیت کی امامت کے سائے اور ولایت کی

حدود کے اندر ہیں۔ دامن اہل بیت کا ہاتھا تمت کے۔ رہنمائی اہل بیت کی قدم امت کے، امامت اہل بیت کی اتباع امت کی شرط ہدایت ہے کہ جب تک دامن میں ہاتھ رہا، ادھر ہاتھ کانپا، کمزوری آگئی سُستی وکوتاہی ہوئی دامن چھوٹ گیا۔ گمراہی کے گڑھے میں گر پڑو گے پھر نکل نہ سکو گے۔

ہدایت کرنے والا امام ہوتا ہے ہدایت پانے والا مقتدی، لہٰذا اہل بیت امام اور ماسوا اہل بیت خواہ کوئی بھی ہو کہیں ہو، کسی زمانے میں ہو۔ ان کا مقتدی پیروکار، جو ان کی اقتدا سے گیا۔ مومن ہے تو ایمان سے، مسلم ہے تو اسلام سے، متقی ہے تو تقویٰ سے گیا۔

پیغمبر نے بعد اپنے ایک کو بطور ہادی نہیں چھوڑا۔ دو کو چھوڑا۔ کتاب یعنی قرآن کو، اور اہلِ بیت کو اور شرطِ ہدایت دونوں سے تمسک قرار دیا۔ اگر کسی نے اہلِ بیت کو چھوڑا تو وہ بھی گمراہ، کسی نے قرآن کو چھوڑا تو وہ بھی گمراہ۔ جس نے اہل بیت کا تذکرہ نہ سُنا وہ بھی شقی اور جس نے قرآن سننا گوارا نہ کیا وہ ملعون، جس نے اہل بیت سے بیزاری کی جہنمی، جس نے قرآن سے نفرت کی دوزخی، جس نے اہلِ بیت سے منہ پھیرا اوندھے منہ جہنم میں گرا۔ جس نے قرآن سے رُوگردانی کی وہ رُوسیاہ دوزخ کا ایندھن بنا۔ جس نے اہلِ بیت کو غلط کہا اس کا ایمان غلط ہے۔ جس نے قرآن کو غلط کہا اس کا دین غلط ہے۔ ہدایت یافتہ وہ ہے جس کے ایک ہاتھ میں قرآن کا دامن اور دوسرے میں اہل بیت کا دامن۔ دونوں سے وِلا، دونوں سے تمسک، ایک قولی رہنما، دوسرا عملی رہنما، ایک الفاظ میں ہادی، دوسرے ان لفظوں کے معانی بن کر ہادی، لہٰذا اہل بیت علیہم السلام "صراط الذین انعمت علیہم" کے مصداق ہیں۔

قرآن اور اہل بیت معصوم ہونے، ہادی ہونے اور خدا کی جانب سے ہونے میں مشترک ہیں۔ قرآن قولی اور لفظی تبلیغ کرتا ہے۔ اہل بیت اس کی تفسیر اور عملی تبلیغ کرتے ہیں۔

قرآن الفاظ ہیں اہل بیت اس کے معانی ہیں۔ قرآن الہام ہے اہل بیت وضاحت ہیں، قرآن اجمال اہل بیت تفصیل ہیں۔ قرآن متن ہے اہل بیت تشریح ہیں۔ قرآن کا حکم حجت ہے۔ اہل بیت کا قول وعمل حجت ہے۔

قرآن امت کی بے وفائی کا شکوہ کرے گا۔ اہلِ بیت بھی اُمت کی بے وفائی کی فریاد کریں گے، قرآن امت کے مظالم کا نشانہ بنا رہا۔ اہلِ بیت بھی اُمت کی بے وفائیوں اور ستم شعاریوں کا ہدف بنے۔ قرآن کو پھاڑا گیا اس کے پارے زمین پر پھینک دیئے گئے۔ اہلِ بیتِ رسول بھی پاروں کی صورت میں خاک وخون میں غلطاں کربلا کے میدان میں بے گور وکفن رہے۔ قرآن پاک کو جلایا گیا۔ اہلِ بیت کے گھروں کو مدینہ میں جلانے کی دھمکی دی اور کربلا میں ان بے وارثوں کے خیمے جلائے گئے۔

قرآن کو نیزے پر اٹھایا گیا، کربلا میں اہل بیت رسول کی لاشیں میدان میں بے گور وکفن رہیں اور سرِ

کو نیزوں پر سوار کیا گیا۔ حضرات! کربلا میں جب گلشنِ بتول تاراج ہُوا، قرآن ناطق کے پارے صحرا کی ریت میں بکھر گئے، بے وارث بیبیاں اور یتیم بچے باقی رہ گئے۔ تو حکم ملا، قیدی بنا کے لے چلو آلِ رسول کو۔ یہ اُمت نے ذریتِ رسول کے ساتھ سلوک کیا کہ مردوں کو بے دردی سے شہید کر ڈالا۔ اور مستورات کو ذلت و رسوائی کے ساتھ قید کیا۔ دسویں محرم کو جناب زہرا کا گھر اجڑ گیا۔ اور گیارھویں کو بتول کی بیٹیاں قید کر لی گئیں۔ اور بعد ظہر کوفہ میں عمرو بن سعد کی نگرانی میں دربارِ ابن زیاد میں پیش ہونے کے لئے روانہ ہوئیں۔

قیدی قافلے کا کربلا سے سفر

بنی ہاشم اور آلِ رسول جو مدینہ سے چلے تھے، کربلا میں نو روز قیام کرنے کے بعد کوفہ کی جانب روانہ ہوئے مدینہ سے چلے تو بہت سے افراد تھے مگر کربلا میں پہنچ کر بہت سے حضرات نے کربلا ہی میں مستقل قیام کر لیا۔ مرد تو تقریباً تمام ہی اسی میدان میں مقیم ہو گئے۔ یہ جگہ انہیں پسند آگئی، عورتوں میں سے بھی چند معصوم اور یتیم بچیاں رفاقتِ امامِ مظلوم میں یہیں کی ہو گئیں۔ مکہ سے روانگی کے وقت جناب عبداللہ بن عباس نے جب مشورہ دیا کہ ایسے پُر آشوب حالات میں مستورات کو ساتھ نہ لے جائیں تو امامِ پاک نے جو جواب دیا۔ اس میں یہ ایک جملہ بھی ہے کہ "یہ رسولِ خُدا کی امانت ہیں میں انہیں کس کے سپرد کروں"۔ مزید یہ بھی فرمایا کہ "یہ مجھ سے جدا ہونے پر راضی نہیں اور میں اِن سے جدا ہونا پسند نہیں کرتا"۔ وہاں سے تو یہ اکٹھے چلے تھے اور کربلا تک اکٹھے ہی آئے، مگر کربلا میں جدائی پیدا ہو گئی۔ اتنا سوال کرتا ہوں مولا حُسین! مدینہ و مکہ میں تو آپ نے فرمایا: "رسولِ خُدا کی ان امانتوں کو کس کے سپرد کروں، مگر کربلا میں کس طرح بے وارث چھوڑنے پر مجبور ہو گئے، ہائے مولا! یہ رسول و بتول کی امانتیں، شمر، خولی اور زجر بن قیس ایسے سنگدل لعینوں کے مظالم کے زیرِ سایہ ہیں۔ یہ پاک امانتیں آپ سے جدا نہیں ہونا چاہتی تھیں، مگر آپ تو ان سے جدا ہو گئے، عصرِ عاشور جدا ہوئے پھر گیارھویں کے روز جدا ہوئے، واقعاً یہ آپ سے جدا نہیں ہونا چاہتی تھیں، وہ تو آپ کی لاش دفن کرنا چاہتی تھیں۔ خیمے نہ سہی وہ تو بغیر خیموں کے دھوپ ہی میں رہنا پسند کرتیں۔ لیکن تیری لاش سے جدائی گوارا نہ کرتیں۔ وہ تیری لاش سے جدا نہیں ہوتیں۔ مگر ظالموں کے تشدد، کمینوں کی سختیوں اور لعینوں کے کوڑوں نے ان مصیبت کی ماری بیواؤں کو عزیزوں کی لاشوں سے جدا کیا۔

کربلا سے قیدی مستورات کا قافلہ چلا ہے۔ مردوں سے ایک علیل و مریض پسرِ حسین ہے۔ کچھ بچے ہیں۔ اور باقی بیوہ اور بے وارث ہاشمی مستورات! کہنا پڑتا ہے مستورات! مگر مستورات تو انہیں کہا جاتا ہے جو ستر پردوں میں ہوں۔ اب پردہ کہاں رہا؟

سروں کا کوفہ روانہ ہونا

عاشور کے دن ابنِ زیاد ملعون کوفہ سے باہر "نخیلہ" ایک مقام ہے، وہاں آگیا تھا۔ جو کربلا کے نزدیک ہے۔ اور وہاں سے وہ جنگِ کربلا کی تازہ خبریں سنتا رہا۔ جب عصر کے وقت اِس جنگ کا خاتمہ اور ساتھ ہی بنی ہاشم کے کنبے کا خاتمہ ہوگیا اور قتلِ حسین کی خوش خبری اُسے سنائی گئی تو وہ ملعون مسرور ہو کر ظاہری فتح کے نشہ میں مخمور ہو کر کوفہ واپس چلا گیا۔ ابن سعد نے سرِ امامِ مظلوم نیزے پہ سوار کر کے خولی بن یزید اور حمید بن مسلم ازدی کے ہاتھ کوفہ بھیج دیا۔

عاشور کے دن بعد شہادت امامِ مظلوم کا سر کربلا سے سفر کر گیا تھا۔ صرف بدن بغیر سر کے رہ گیا۔ پھر ابن سعد ملعون نے باقی شہیدوں کی لاشوں سے سر کاٹنے کا حکم دیا۔ وقتِ شہادت صرف پسرِ بتول کا سر کاٹا گیا۔ باقی شہیدوں کے سر لاشوں کے ساتھ تھے۔ ملعون کے منحوس حکم سے شہید دوبارہ شہید ہونے لگے۔ فقہی مسئلہ ہے کہ میّت کے بدن کو آہستہ چھوا جائے اور لوہے کی کوئی شئے میّت پہ نہ رکھی جائے۔ مگر اِن بے وارث شہیدوں کے بدن جو پہلے ہی سے سینکڑوں زخم کھا کر مرے تھے۔ گردنیں مرنے کے بعد مزید ظلم سہنے کے لئے تیار ہوگئیں۔ اور ان مظلوم و بے وارث شہیدوں کے دھڑ سروں سے محروم ہوگئے۔ ادھر کمینے سر دھڑوں سے جُدا کرتے اور ساتھ ہی خوشی کے مارے نعرۂ تکبیر بلند کرتے۔

جب سر کاٹ لئے گئے تو وہ مختلف قبیلوں میں تقسیم کئے گئے۔ تاکہ جو قبائل کوفہ سے باغِ بتول، اور کنبۂ رسول برباد کرنے کے لئے آئے تھے وہ اِن سروں کو اٹھا کر کوفہ کے بازاروں اور گلیوں میں اپنے کارناموں پر فخر کریں۔ اور حرام زادہ ابنِ زیاد کے ہاں سرخروئی حاصل کر کے اپنی شقاوت کا انعام حاصل کریں اور ملعون کا قرب و خوشنودی پائیں۔ پس بنو کندہ تیرہ ۱۳ سر اٹھا کر کوفہ لائے، اس قبیلہ کا سردار قیس بن اشعث تھا۔ یاد رہے کہ یہ قیس جعدہ بن اشعث کا بھائی تھا، جس ملعونہ نے فرزندِ رسول جناب حسن مجتبیٰ علیہ السلام کو زہر دے کر قاسم و عبد اللہ اور ان کے معصوم بھائیوں اور بہنوں کو یتیم کیا تھا۔ اور محمد بن اشعث کوفہ میں جناب مسلم کے مقابلے میں کوفہ کی گلیوں میں برسرِ پیکار رہا۔

بنی ہوازن بارہ ۱۲ سر کوفہ لائے، اِس قبیلہ کا سردار شمر بن ذی الجوشن تھا۔ جو قبیلہ ہوازن سے تھا۔ بنی تمیم کو سترہ ۱۷ سر دیئے گئے، اور بنی اسد کے سردار سولہ ۱۶ سر لا کر واردِ کوفہ ہوئے۔

سات ۷ سر بنی مذحج اور باقی سر مختلف قبیلے لائے۔ حضرت حُر کا سر جب کاٹنے کے لئے گئے تو ان کا قبیلہ جو کافی تعداد میں کربلا میں موجود تھا آڑے آیا اور ان کا سر لاش سے جُدا نہ ہوا اور نہ ان کی لاش

پائمال ہونے دی۔

سروں کی روانگی کے بعد خود ابنِ سعد وہیں کربلا میں رہا اور دوسرے روز گیارھویں محرم کو ظہر کے بعد کربلا سے روانہ ہوا۔ اور کوفہ آیا۔ اپنے ناپاک کشتوں کو دفن کیا۔ "وَ تَرَكَ الْحُسَيْنَ وَ اَصْحَابَهٗ" حسین اور ان کے ساتھی شہیدوں کو بے گور و کفن چھوڑ دیا۔

خولی کے گھر میں فرزندِ رسول کا سر

خولی نیزہ کی نوک پر شہسوارِ دوشِ نبی و جبرئیل کے پَروں پر راحت کرنے والے فرزندِ علیؑ، نورِ چشمِ رسولؐ لختِ دلِ بتولؑ کا پُر انوار سر لئے تکبیر کے نعرہ بلند کرتا ہوا قلبِ رسول و جگرِ علی و بتول کو زخمی کر کے کوفہ کی جانب روانہ ہوا۔ خولی رات کو ابنِ زیاد کے "دارالامارہ" میں نہ گیا۔ رات چھا چکی تھی، اس واسطے وہ رات گھر میں ٹھہر گیا۔ اور سرِ مبارک ایک تغار کے نیچے رکھ کر تنور میں رکھ دیا اور تغار ہی سے بند کر کے اپنی آرام گاہ میں چلا گیا جن منبر اور پاک زلفوں میں بتولِ عظمیٰ اپنے ہاتھوں سے کنگھی کرتی تھیں۔ وہ زلفیں خولی ملعون کے ناپاک ہاتھوں میں تھیں۔ اور جو سر گودِ پیغمبر میں راحت کرتا تھا آج وہ ملعون کے نجس گھر میں زیرِ تغار تھا۔ خولی کی دو بیویاں تھیں۔ ایک بیوی جس کا نام نوار بنت مالک بن عقرب ہے کے گھر رہا۔ جب وہ اپنی آرام گاہ پہ آیا۔ اس کی بیوی نوار بنتِ مالک نے سفر کے حالات دریافت کئے۔ دیر سے آنے کی وجہ دریافت کی، خولی نے کہا کہ اب ہم مالا مال ہو جائیں گے۔ غربت دُور ہو جائے گی۔ جنگ میں ہم نے فتح حاصل کر لی ہے۔ ہمارے مقابل تمام مارے گئے ہیں۔ ان کے بچّوں کو یتیم اور ان کی عورتوں کو ہم نے بیوہ کر دیا ہے۔ ان کے مقتولوں کے سردار اور اس قافلہ کے سالار کا سر آج تیرے گھر میں ہے۔ خولی کی زوجہ نے دریافت کیا کہ اس قافلہ کے سالار کا نام کیا ہے؟ اور وہ کون ہے؟ کہنے لگا نام اس کا حُسین بن علی ہے۔ بولی وہ حُسین جو علی امیرالمومنین اور فاطمہ سیّدۃ النساء کا لختِ جگر ہے۔ وہ حسین جو نواسۂ رسول ہے؟ کہا! ہاں۔ وہی حسینؑ، جنگ ہار گیا ہے۔ اس کے ساتھی مارے گئے ہیں۔ اور وہ خود بھی مارا گیا ہے۔ اب اس کا سر ہمراہ لایا ہوں، صبح ابنِ زیاد کے دربار میں پیش کروں گا۔ منہ مانگا انعام لوں گا۔ تھی تو اس ملعون کی زوجہ مگر نیک دل مومنہ تھی۔ آلِ محمد کے مراتب سے واقف تھی۔ چونکہ جناب امیر کوفہ میں چار سال مع اہل و عیال رہ چکے تھے۔ لہٰذا ان سے اور ان کی اولادِ پاک سے متعارف تھی۔ "حسین بن علی کا سر؟" "ہاں! حسین بن علی کا سر ہے۔" اس نیک دل مومنہ کا رنگ فق ہو گیا۔ خون کھولنے لگا۔ کہنے لگی لوگ سونا اور چاندی لے آئیں تو فرزندِ رسول کا سر! دل تنگ ہو گیا طبیعت غمناک ہو گئی۔ کہنے لگی: "خولی! اب تک میں تمہارے ساتھ ایک گھر میں تھی، خدا کی قسم! اب میں تمہارے

ساتھ ایک گھر میں ہرگز نہ رہوں گی۔ تو دلبندِ بتول کے خون میں ہاتھ رنگین کر کے آیا ہے۔ اور خوش ہو رہا ہے۔ جناب بتول و رسول کی کیا حالت ہو گی" یہ کہتی ہوئی وہ بستر سے اُٹھی اور اس کی دوسری بیوی جو بنی اسد سے تھی کو بلایا۔

زوجۂ خولی بیان کرتی ہے کہ میں صحن میں بیٹھ کر اس پُر نور سَر کا نظارہ دیکھنے لگی، اس منور سَر سے نور کی شعاعیں ستون کی مانند آسمان کی طرف بلند ہو رہی تھیں، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ تنور اور آسمان کے درمیان نور کا ایک ستون قائم ہو چکا ہے اور اس کے آس پاس سفید رنگ کے پرندے پَر پھیلائے ہوئے ہیں۔ خولی کی دوسری زوجہ اسدیہ انصاریہ کا بیان ہے کہ جب میں سَر کے قریب گئی تو میرے کانوں میں عورتوں کے رونے کی آواز آئی، جس طرح ماں اپنے جوان پسر اور بہن اپنے جوان بھائی کی میت پر نوحہ و ماتم کرتی ہے۔ نہایت دردناک اور جگر خراش نالے تھے۔ وہ کون عورتیں ہو سکتی ہیں۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ جناب خدیجۃ الکبریٰ اور دکھیا ماں بتول کی دلِ فگار فریادیں تھیں۔

اِس عورت کا نام "عیوف" ہے۔ اِس کے بعد وہ عورت اِس قدر حزین و غمگین ہوئی کہ اس نے نہ کبھی خوشبو لگائی اور نہ آنکھ میں سُرمہ ڈالا۔

کربلا سے روانگی

جس طرح اہل بیت پر دو راتیں نہایت سخت گزری ہیں دسویں محرّم کی اور گیارھویں شبِ محرّم' اِس طرح اہل بیت علیہم السلام پر دو دِن نہایت شدید گزرے، دسویں محرّم کا دِن اور گیارھویں محرّم کا دن۔ دسویں کی صبح اہل بیت کے مَردوں کی شہادت کا پیغام لے کر طلوع ہوئی اور گیارھویں کی صُبح زنانِ بنی ہاشم کی قید کی خبر لا کر نمودار ہوئی۔ شامِ غریباں اور شبِ آلام گزر گئی، کس طرح گزری؟ اِس کا حال ان کو معلوم ہے جن پر گزری یا خدا کو علم ہے۔ ہم اتنا کہہ سکتے ہیں کہ مصیبتوں کی انتہا اور دکھوں کی آخری حد تھی۔ گیارھویں کا دِن آیا اور دخترانِ علی و بتول کی قید کا پیغام لایا۔ مدینے والے ساتھی تو ساتھ چھوڑ چکے تھے، اب صرف عورات کا قافلہ باقی رہ گیا تھا۔

گیارھویں کی ظہر تک بغیر سایہ اور بغیر خیموں کے دھوپ میں بے وارث شہزادیاں اور یتیم بچے نوحہ و ماتم کرتے رہے۔ خاکِ کربلا پر صفِ ماتم بچھی ہوئی تھی۔ خود ہی آہ و بکا کرنے والی مستورات تھیں۔ باہر سے پُرسا دینے والا اور تعزیت ادا کرنے والا کون تھا۔

عمرو بن سعد ظہر کے بعد کربلا سے قیدیوں کے ساتھ روانہ ہوا۔ ان کے سوار کرنے کے لئے کچھ اُونٹ

بھیجے گئے جن پر محمل نہ تھے، با پردہ عماریاں نہ تھیں، اور ہاشمی مستورات کا یہ پہلا سفر بغیر محملوں کے تھا۔ قضا و قدر نے یہ دِن بھی دکھایا جب کہ بیبیاں خود ایک دوسرے کو سوار کرنے پر مجبور تھیں، جو لوگ اونٹ لے کر آئے تھے اور فوج کا جو دستہ سوار کرنے کے لئے آیا تھا، ان کو دخترانِ رسول نے قریب آنے سے روک دیا۔ خود ہی ایک دوسرے کو اونٹوں پر سوار کیا، ہاشمی مستورات کے ساتھ شہیدا اصحاب کی عورتیں بھی قید ہو کر ناقوں پر سوار ہوئیں۔ وہ دن گئے جب جناب عباس و علی اکبر اپنی نگرانی اور جناب امام پاک اپنی حفاظت میں غیر عادی مخدراتِ عصمت کو با پردہ عماریوں میں سوار کرتے، اور اتارتے تھے، اب سوار کرتے اور اُترتے وقت سنگدل اشقیاء کی سختیاں اور جھڑکیاں بھی شامل تھیں۔

جب سجّاد بیمارِ کربلا اونٹ پر سوار ہوتے تو بیماری اور نقاہت کی وجہ سے اونٹ پر بیٹھ نہ سکتے تھے گر پڑتے تھے، عمرِ و بن سعد کو جب یہ حال بتایا گیا تو اس نے حکم دیا کہ بیمار قیدی کے دونوں پاؤں شتر کے پیٹ سے باندھ دیئے جائیں۔ اس حال میں جناب سجّاد اونٹ پر سوار ہوئے

جناب سجّادؑ کی بیماری

یہاں یہ بھی بیان کر دوں کہ جناب سجّاد کب بیمار ہوئے، تاریخیں وضاحت سے انکار کرتی ہیں اور کتب مقاتل صراحت سے قاصر ہیں۔ مدینے سے چلے تھے تو تندرست تھے۔ مدینے سے مکّہ اور مکّہ سے کربلا تک کسی منزل پر ان کی بیماری کی خبر مذکور نہیں، کربلا میں آنے کے بعد ہی ان کو بیماری لاحق ہوئی۔

پچھلا سارا سفر ان کا خاموشی میں گزرا۔ خاص واقعات تاریخ نے بیان نہیں کئے۔ پسرِ امام تمام واقعات خاموشی سے دیکھتے اور سنتے رہے۔ برداشت کرتے رہے۔ کیا صرف اجمالی اخبارِ شہادت و قید نے دِل پر اثر کیا۔ شہداء کے غم اور قیدیوں کی خبر سے یہ روگ لاحق ہوا۔ یا کسی خاص مصلحت کے تحت خالق نے ان کو بیمار کیا۔ خدائی اسرار اور الٰہی حکمتیں وہ خود ہی جانے، یا امامِ زمانہ سمجھیں، ایک بات ذہن میں آتی ہے۔ کہ چونکہ طویل سفر کرنا تھا، بازاروں اور درباروں کھلے سر بے مقنعہ و بے چادر ماؤں، بہنوں، اور پھوپھیوں کے ساتھ مجمع عام کے غموں کے دریاؤں کو عبور کرنا تھا، جو موت سے کسی طرح کم نہ تھا۔ اِس واسطے بیماری کی صورت میں شہدائے کربلا کی دردناک شہادت کے منظر کو ان کی نظروں سے پنہاں رکھا، ممکن تھا کہ اگر روزِ عاشورہ آنکھوں سے مناظرِ شہداء دیکھتے تو بے تابی سے ہرگز برداشت نہ کرتے، چنانچہ گیارھویں کے دِن جب لاشہائے شہداء پر پہنچے تو لاشوں کی حالت دیکھ کر رنگ زرد ہو گیا۔ جسم سرد پڑ گیا۔ قریب تھا کہ روح بدن سے پرواز کر جائے، جناب بی بی عالیہ عقیلہ قریش کی نظر پڑی، تو فوراً بیمار بھتیجے کے قریب آئیں، اور تسلی دی، بہلایا غم دور کرنے کی کوشش کی، تب جا کر کہیں سنبھلے، اگر

روزِ عاشور جوانانِ بنی ہاشم کی لاشیں خیموں میں آتے دیکھتے اور نساءِ ہاشمیات کے ہر لاش پر کھلے بال دیکھتے تو کیا صورت ہوتی۔

ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ جب روزِ عاشور تمام جوانانِ بنی ہاشم اور اصحابِ باوفا میدان کارزار میں دادِ شجاعت دے رہے ہیں اور مردانگی کے جوہر دکھا رہے ہیں۔ یہ بھی جوان تھے، بہادر تھے، ہاشمی غیرت اور حیدری شجاعت انہیں بھی میدانِ جنگ میں دفاعی جنگ پر ابھارتی۔ لیکن وارثِ امامت اور جانشین مسندِ رسالت کی بقا ضروری تھی۔ بیواؤں کے قافلے کی نگرانی کے لئے ایک ہاشمی جوان مرد کا ساتھ ہونا بھی لازمی تھا۔ ویسے ہوش وحواس کے بجا رہنے میں ان کا جذبۂ جہاد کا سرد رہنا اور شجاعت وشہادت سے محروم رہنے کا صدمہ بھی ناقابلِ برداشت تھا۔ اِس وجہ سے بیماری کو بطور عذر اور سببِ سقوطِ جہاد اور صرف اظہارِ خیال کے لیے لاحق کیا گیا۔

علاوہ ازیں کربلا کے بعد تھکا دینے والے سفر اور صعب ترین منزلوں میں سجّاد کی وہ بیماری نہ تھی جو کربلا میں تھی۔ کربلا میں تو بغیر سہارا بیٹھ بھی نہ سکتے تھے، لیکن کوفہ وشام کے لمبے سفروں اور منزلوں، درباروں اور بازاروں میں اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے کلام کرتے اور خطبے پڑھتے رہے۔
بہرحال کربلا سے سفر کے بعد بیماری کی وہ شدّت نہ تھی۔ کربلا میں تو وہ اکثر غشی کی حالت میں ہوتے تھے۔ غموں سے غافل کرنے کے لئے کربلا میں بیماری دی گئی" وَاللّٰہُ اعلم بحقیقۃِ الحال۔"

قیدی بہنیں شہید بھائی کی لاش پر

قیدیوں کا قافلہ جلے ہوئے خیمہ گاہوں سے روانہ ہوا۔ جب قافلہ چلا تو ان مظلوم بیبیوں نے دکھی زبان سے خواہش کی، "بِاللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِلَّا مَا مَرَرْتُمْ بِنَا عَلَی الْقَتْلٰی" خدا کے واسطے ہمیں شہداء کی لاشوں پر لے چلو۔ یہ تو بیبیوں کی خواہش تھی، ویسے خود اشقیاء کی بھی یہی خواہش تھی جیسا کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے۔
جب دکھی ماؤں نے اپنے فرزندوں، مظلوم بہنوں نے اپنے بھائیوں اور درد رسیدہ بیواؤں نے اپنے سرتاجوں کو اس حال میں دیکھا کہ گرم ریت پر سینکڑوں زخم کھائے، خون میں نہائے بے وارث و بے گور پڑے ہیں۔ کربلا کا صحرا ان بیکس لاشوں سے بھرا ہوا ہے۔ اور لاشیں گرد وغبار سے اٹی پڑی ہیں۔ اِن بیبیوں نے وہ دلخراش بین کئے کہ صحرائے کربلا نالہ وفریاد سے گونجنے لگا۔ فضا میں حسرت چھا گئی، غربت آنسو بہانے لگی بےکسی اور مظلومی نوحہ کرنے لگی، اونٹ بٹھا لیے گئے بیبیاں اتریں۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ بعض بیبیاں پشتِ شتران سے گر پڑیں۔ کتاب تظلم الزہراء میں ہے کہ جب ام کلثوم نے بھائی کی لاش دیکھی کہ ہاتھ اور انگلیاں کٹی ہوئی ہیں۔ نیزوں اور تلواروں سے تمام

بدن زخمی ہے۔ لاش ٹوٹی ہے۔

وَقَعَتْ مِنْ اَعْلَی الْبَعِیْرِ اِلَی الْاَرْضِ (پشتِ شتر پہ سنبھل نہ سکی، بے تاب ہوکر زمین پر گر پڑی)
اس طرح اونٹوں سے اترنے اور گرنے کے بعد ہر بی بی اپنے عزیز کی لاش سے چمٹ گئی، راوی بیان کرتا ہے
اس کا نام قرہ بن قیس تمیمی ہے۔ کہ اور تو میں سب کچھ بھول سکتا ہوں، لیکن زینب، حسین کی بہن کا وہ حال
اور وہ کلام نہیں بھول سکتا کہ جب اُجڑی اور درد ستائی بہن مظلوم و مسلوب برادر کی لاش پہ آئی تو معلوم
کس سوزِ جگر اور مجروح دل سے مدینہ کی طرف رُخ کرکے نانا کو خطاب کر کے کہا:

"یَا مُحَمَّدَاہ! صَلّٰی عَلَیْکَ مَلَائِکَۃُ السَّمَاءِ هٰذَا حُسَیْنٌ مُرَمَّلٌ بِالدِّمَاءِ مُقَطَّعُ الْاَعْضَاءِ مَسْلُوْبُ الْعِمَامَۃِ وَالرِّدَاءِ یَا مُحَمَّدَاہ! وَبَنَاتُکَ سَبَایَا وَذُرِّیَّتُکَ مُقَتَّلَۃٌ تَسْفِیْ عَلَیْهِ الصَّبَا فَاَبْکَتْ وَاللهِ کُلَّ عَدُوٍّ وَ صَدِیْقٍ حَتّٰی جَرَتْ دُمُوْعُ الْخَیْلِ" نانا آپ پر تو آسمان کے فرشتے درود و سلام
ہیں، یہ آپ کے حسین کس بیکسی میں خون میں غلطاں بے وارث و بے گور پڑے ہیں، نانا! دیکھ تو سہی
تیرے ناز پروردہ فرزند کے اعضاء بدن پارہ پارہ ہو چکے ہیں۔ نہ ان کے سر کا عمامہ رہا اور نہ بدن کی چادر رہی۔
تیری اُمت بے وارث سمجھ کر کپڑے اتارتی رہی، اور ہاتھ کاٹتی رہی، نانا تیری بیٹیوں کو تیری اُمت نے قید
کر لیا۔ ہم مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار، جور و جفا اور اسیرانِ رنج و بلا ہیں۔ تیری اولاد کو تیری اُمت نے قتل
کر دیا۔ جن کے زخمی بدنوں اور مجروح لاشوں پر ہوا گرد و غبار اڑا رہی ہے اور خاک کی تہہ جا چکی ہے۔ جب تیز ہوا چلتی
ہے۔ تو خاک اڑ اڑ کر بدنوں پر جم جاتی، خون پہلے جما ہوا تھا۔ اس واسطے لاشیں خاک و خون میں غلطاں تھیں۔
راوی کا بیان ہے کہ خدا کی قسم! مظلومہ کے پُرسوز اور دردناک بینوں نے ہر دوست و دشمن کو رُلا دیا حتیٰ کہ
جانوروں کے آنسو بھی گرنے لگے۔

جب درد ستائی بھائی کی لاش کے قریب آئی تو کہا: "اماں جایا! بے بس ہوں، کیا کروں، تیرے خاک و
خون آلودہ بدن کا بوسہ لینا چاہتی ہوں مگر کوئی جگہ زخموں سے خالی نہیں۔ کس جگہ کا بوسہ لوں۔ اس کے بعد
یہ بین کئے۔ میرے باپ اس مظلوم برادر پر قربان جو اس دنیا سے پیاسا رخصت ہوا۔ ماں صدقے جس کا سر
نوکِ نیزہ پر سوار ہے۔ زلفوں اور ریش سے خون کے قطرے گر رہے ہیں۔ اور بدن خون میں لتھڑا ہوا ہے۔
جس کے گھر کو لوٹا اور جلایا گیا۔ ہر بی بی اپنے عزیز کی لاش پر گریہ و بکا کر رہی تھی، لیلیٰ اکبر کے سرہانے،
رملہ قاسم کی لاش پر، رقیہ اپنے پسران پر آہ و بکا کر رہی تھیں۔ چونکہ تمام لاشیں یکجا نہ تھیں، اس
واسطے ہر بی بی کو اپنے عزیزوں کی لاشیں تلاش کرنا پڑیں۔ کیونکہ لاشیں سروں کے بغیر تھیں۔
حمید بن مسلم بیان کرتا ہے کہ اس اثنا میں دیکھا کہ ایک بی بی لاشوں کے درمیان پھرتی ہے۔ اس کو

مظلومیہ لاش نہیں مل رہی۔ اِس کے بعد اس نے نہرِ علقمہ کی طرف رُخ کیا اور زبان سے یہ جُملے نکل رہے تھے،
" وا ! اخاہ عبّاس ! میں نے پوچھا یہ بی بی کون ہے؟ جو عبّاس کی لاش کی جانب جارہی ہے۔ جواب ملا یہ بی بی امّ کلثوم ہے۔ ان کے پردوں کا محافظ اور ان کے خیموں کا پہرہ دار عبّاس تھا۔ اس کی لاش پر فریاد کرنے جارہی ہے۔

جناب امّ المصائب عقیلۂ بنی ہاشم کے عزم واستقلال اور قوّتِ ارادی کے شاہد یہ واقعاتِ شدیدہ ہیں کہ یہ مصیبتیں اگر پہاڑوں پر آتیں تو سُرمہ کی مانند پس جاتے، زمین وآسمان سے اٹھانے کے لئے کہا جاتا تو وہ کانپ جاتے، بہادرانِ زمانہ اور شجاعانِ گیتی کے پتّے پگھل جاتے، جگر پھٹ جاتے، یہ مصائب کے گراں پہاڑ نہ اٹھا سکتے، مگر عقیلۂ بنی ہاشم کی شیر دل بیٹی نے ایک بلند نصب العین اور پاک مقصد کی خاطر ان آلام وشدائد کو برداشت کیا۔ کوئی اور مرد یا عورت ہوتی تو بے تاب ہو کر رحلت کر جاتی، مگر جس طرح امامِ ہُدیٰ نے اپنے عہد کو نبھایا، اِسی طرح شریکۃ الحسین نے بھی اپنے عہد کو کمالِ صبر اور استقامت سے پُورا کیا۔ بیشک بدن میں نقاہت آگئی لیکن قوّتِ روحانی میں ضعف نہ آیا۔ عزم واستقلال مضبوط رہا۔ اور نصب العین اور حسینی تحریک اور مقصد اقدام پر ثابت قدم رہیں۔ بہن بھائی کے پیکر جُدا جدا تھے۔ لیکن قوّتِ قدسیہ کسی قدر تفاوت کے ساتھ ایک تھی، جب گریہ وبکا سے فارغ ہوئیں اور آنسوؤں نے غمِ دِل کو کچھ ہلکا کیا۔ جلالِ پدر، عصمتِ مادر اور کمالِ برادر کی وارث، قوّتِ قدسیہ کی مالک کربلا کی شیر دل خاتون نے اپنے دونوں ہاتھ لاش کے نیچے رکھے، اور دونوں ہاتھوں پر مظلوم بھائی کا لاشہ رکھ کر آسمان کی جانب رُخ کیا اور کہا : "اَللّٰھُمَّ تَقَبَّلْ مِنَّا ھٰذَا الْقُرْبَانَ" خداوندا ! ہماری یہ قربانی قبول فرما۔

جناب سکینہ یتیمہ کی یہ حالت تھی کہ بابا کی لاش سے لپٹی ہوئی تھیں اور جُدا نہ ہوتی تھیں، مظلوم ومقتول بابا کی لاش کو گلے لگائے اپنی مظلومی کے واقعات بیان کر کے مصروفِ نوحہ وبکا تھیں۔ جناب سکینہ کا بیان ہے کہ میں نے جب بابا کے گلوئے بوسیدہ پر بوسے دیئے تو میرے کانوں میں یہ آواز آئی :

شِیْعَتِیْ مَا اِنْ شَرِبْتُمْ عَذْبَ مَاءٍ فَاذْکُرُوْنِی ۔ اَوْ سَمِعْتُمْ بِغَرِیْبٍ اَوْ شَھِیْدٍ فَانْدُبُوْنِیْ

میرے شیعو ! جب ٹھنڈا پانی پینا تو میری پیاس کو یاد کرنا اور جب سننا کہ کوئی مسافر مرگیا ہے۔ یا کسی شہید کی لاش دیکھنا تو مجھ پر گریہ کر لینا۔

لَیْتَکُمْ فِیْ یَوْمِ عَاشُوْرَا جَمِیْعًا تَنْظُرُوْنِیْ ۔ کَیْفَ اَسْتَقِیْ لِطِفْلِیْ فَاَبَوْا اَنْ یَّرْحَمُوْنِیْ

کاش ! تم یومِ عاشور میری بے کسی ومظلومی کو دیکھتے کہ طفلِ صغیر کو ہاتھوں پر اٹھائے اُمّت سے سوالِ آب کر رہا تھا اور وہ ظالم بے رحمی اور بے دردی کا سلوک کر رہے تھے۔

یہ تو مستورات مخدرات کی گریہ وزاری اور عزیزوں کی لاشوں سے وداع کی صورت تھی۔ بیمارِ کربلا نے جب میدان میں بابا کی لاش اور بنی ہاشم کے جوانوں اور بچوں کے لاشے دیکھے کہ جنگل میں نیزوں اور تیروں سے چھدے ہوئے بدن، تلواروں سے کٹی ہوئی گردنوں سے محروم لاشے، گرد وغبار سے اٹی ہوئی مشک بار زلفیں، خاک وخون میں غلطاں گلہائے نازنین خصوصاً نازپروردہ رسول جگر گوشۂ بتول، علی کے نورِ عین، حسن کے دل کے چین، غریب ومظلوم حسین کو اس حالت میں دیکھا کہ بے وارث اور بے گور وکفن پڑا ہے۔

رنگ زرد ہوگیا، جسم مضمحل ہوگیا، حالت متغیر ہوگئی، قریب تھا کہ روح بدن سے پرواز کرجائے۔ جناب ثانی زہرا، نگہبانِ قافلۂ اُساریٰ کی نظر پڑی، کہ بیمار بھتیجے کی حالت غیر ہورہی ہے۔ فوراً قریب آئیں۔ گلے لگایا۔ دستِ شفقت پھیرا۔ تسلی وتشفی دیتے ہوئے فرمایا : مَالِیْ اَرَاکَ تَجُوْدُ بِنَفْسِكَ یَابَقِیَّةَ جَدِّیْ وَ اَبِیْ اِخْوَتِیْ" بیٹا! سجاد کیا بات ہے، میں تجھے قریب الموت پا رہی ہوں، میرے نانا، بابا اور میرے بھائیوں کی یادگار بیٹا! لاشیں دیکھ کر گھبرا گئے ہو! بیٹا اپنے آپ کو سنبھالو!

جناب سجاد نے جواب دیا۔ "کَیْفَ لَا اَجْزَعُ وَاَهْلَعُ وَقَدْ اَرٰی سَیِّدِیْ وَاِخْوَتِیْ وَعُمُوْمَتِیْ وَوُلْدَ عَمِّیْ وَاَهْلِیْ مُصَرَّعِیْنَ بِدِمَائِهِمْ مُرَمَّلِیْنَ بِالْعَرَاءِ مُسَلَّبِیْنَ لَا یُکَفَّنُوْنَ وَلَا یُوَارُوْنَ لَا یُعَرِّجُ عَلَیْهِ اَحَدٌ وَلَا یَقْرَبُهُمْ بَشَرٌ کَاَنَّهُمْ اَهْلُ بَیْتٍ مِنَ الدَّیْلَمِ وَالْخَزَرِ" میں کیونکر جزع فزع نہ کروں، جب کہ میں اپنے سید وسردار والد بزرگوار اور اپنے بھائیوں، چچاؤں اور چچا زاد بھائیوں اس بیکسی وغریبی کی حالت میں لق ودق صحرا میں خاک وخون میں غلطاں لٹی ہوئی لاشیں بے گور وکفن دیکھ رہا ہوں۔ کوئی آدمی ان کے قریب نہیں، بے وارث میت پڑے ہیں۔ میری حالت کیوں نہ متغیر ہو۔ جناب زینب دل خاتون نے فرمایا : لَا یُجْزِعَنَّكَ مَا تَرٰی فَوَاللّٰهِ اِنَّ هٰذَا لَعَهْدٌ مِنَ اللّٰهِ اِلٰی جَدِّكَ وَاَبِیْكَ وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ اُنَاسٍ لَا تَعْرِفُهُمْ فَرَاعِنَةُ هٰذِهِ الْاَرْضِ وَهُمْ مَعْرُوْفُوْنَ فِیْ اَهْلِ السَّمٰوٰتِ اِنَّهُمْ یَجْمَعُوْنَ هٰذِهِ الْاَعْضَاءَ الْمُتَقَطِّعَةَ وَالْجُسُوْمَ الْمُضَرَّجَةَ فَیُوَارُوْنَهَا وَیَنْصِبُوْنَ لِهٰذَا الطَّفِّ عَلَمًا لِقَبْرِ اَبِیْكَ سَیِّدِ الشُّهَدَاءِ لَا یُدْرَسُ اَثَرُهٗ وَلَا یُمْحٰی رَسْمُهٗ عَلٰی کُرُوْرِ اللَّیَالِیْ وَالْاَیَّامِ وَلَیَجْتَهِدَنَّ اَئِمَّةُ الْکُفْرِ وَاَشْیَاعُ الضَّلَالِ فِیْ مَحْوِهٖ وَتَطْمِیْسِهٖ فَلَا یَزْدَادُ اَثَرُهٗ اِلَّا ظُهُوْرًا۔ بیٹا! جو دردناک منظر آپ دیکھ رہے ہیں۔ آپ اس سے دل تنگ نہ ہوں، یہ ایک عہد تھا جو اللہ تعالیٰ نے آپ کے جدِ امجد اور والد ماجد سے لیا تھا۔ (سو اس عہد کو وہ اچھی طرح پورا کرچکے) اور خداوندِ عالم نے کچھ لوگوں سے ایک عہد لیا تھا جن لوگوں کو اس زمین کے فرعونانِ وقت نہیں پہچانتے۔ لیکن ان لوگوں کو باشندگانِ آسمان پہچانتے ہیں۔ وہ ان لاشوں کے کٹے ہوئے اعضاء اور خاک وخون میں آلودہ اجسام کو اکٹھا کریں گے اور زمین میں دفن کریں گے۔

اور تیرے مظلوم بابا کی قبر پر علم بلند کریں گے (جو زائرین کو قبر کی نشان دہی کرے گا) اگرچہ کفر و نفاق کے آئمہ اور ضلالت کے پیروکار ان قبورِ مقدسہ اور ان کے آثارِ مطہرہ کے ہٹانے کی کوشش کریں گے، مگر دن اور رات گذرتے جائیں گے نہ ان کا اثر ختم ہوگا اور نہ ان کا نشان مٹے گا۔

مظلومِ کربلا ثانی زہرا عالمہ غیر معلمہ کا یہ کلام ان کی قوتِ قدسیہ اور آئندہ آنے والے واقعات کے علم کی ترجمانی کرتا ہے۔ اور ان کی یہ پیش گوئی آنے والے زمانہ اور رونما ہونے والے حالات نے حرف بحرف سچی کر دکھائی یہ ثانی زہرا وارثِ عصمتِ بتول کا علمی معجزہ ہے۔ اور ان کے علم و عرفان کی بیّن دلیل ہے۔ اسیرانِ کوفہ لاشوں سے جدا ہونا نہ چاہتے تھے۔ ہر بی بی اپنے عزیز کی لاش سے لپٹی ہوئی تھی، کوچ کا حکم ملا۔ انہوں نے تو لاشوں کو نہ چھوڑا، ہاں جبراً انہیں لاشوں سے علیحدہ کیا گیا۔

جنابِ سکینہ کے متعلق ہے :

تُقَبِّلُ جُثْمَانَ الْحُسَيْنِ سَكِيْنَةٌ وَالشِّمْرُ لَهَا بِالسَّوْطِ ضَرْبًا يَمْنَعُ

سکینہ لاشِ پدر کے بوسے لے رہی تھی اور شمر تازیانے سے ان کو لاش سے جدا کر رہا تھا۔

آخر ثانی زہرا نے لاشِ برادر با دلِ نخواستہ چھوڑ دی اور کہا : لَوْ خُيِّرْتُ بَيْنَ الرَّحِيْلِ وَالْمَقَامِ عِنْدَكَ لَاخْتَرْتُ الْمَقَامَ عِنْدَكَ " اماں جایا ! اگر مجھے یہاں سے کوچ کرنے اور تیرے پاس رہ جانے میں سے کسی ایک چیز کے اختیار کرنے کا حق دیا جاتا تو میں تیرے پاس اس صحرا میں بسیرا اختیار کر لیتی لیکن بھائی حسین مجبور ہوں۔ تو تو دکھوں سے راحت پا گیا۔ تیری بہن کا سفینہ دکھوں کے منجدھار میں ہے۔

اتنے میں ایک سنگدل ملعون بنام زحر بن قیس آیا اور کرخت آواز سے مستورات کو لاشیں چھوڑنے کا حکم دیا۔ اس ملعون کا تازیانہ ہوا میں لہرایا۔ اور غمزدہ و بےبس شہزادیوں نے لاشوں کو چھوڑ دیا۔

☆ ☆ ☆

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اٹھارویں مجلس

نعمت کی تشریح۔ ولایتِ علی بن ابیطالب کا اعلان۔ کوفہ میں ورود۔

صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ۝

ان لوگوں کی راہ جنہیں تُو نے اپنی خاص نعمتوں سے نوازا ہے۔ یعنی جن پر تیری خاص مہربانیاں وعنایات ہیں، نہ ان لوگوں کی راہ جن پر تیرا غضب و غصّہ ہوا۔ اور نہ ان لوگوں کی راہ جو خود سیدھی راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں۔

اِس آیتِ مبارکہ میں تین گروہوں کا تذکرہ ہے۔ ۱۔ جو رُوحانی درجات طے کرنے والے مقرّبینِ خُدا ہیں اور محبوب ربّ العالمین ہونے کی وجہ سے اس کی خاص نعمتوں کے سزاوار ہیں۔ اس کی مخلوق کو اس کے احکام کی تبلیغ اور سالکانِ جادۂ حق کو صراطِ مستقیم کی رہنمائی کے لئے حق سبحانہ کی نمائندگی کا شرف حاصل کئے ہوئے ہیں۔ ان کی راہ طالبِ ہدایت طلب کر رہا ہے۔

دوسرا گروہ وہ ہے جو موردِ عذاب و غضبِ خداوندی ہے۔ اپنی کجروی، ناشکری، سرکشی و بغاوت اور ظلم و تعدّی کی بنا پر خالق کی ناراضگی اور اس کے غضب کے سزاوار قرار پائے۔

تیسرا گروہ وہ ہے جو خود راہِ راست سے دُور ہے۔ جس راہ پر وہ چل رہا ہے۔ وہ سیدھی نہیں راست نہیں، غلط ہے۔ یہ گروہ اپنی شقاوت و بغاوت اور مادی لذّات میں مبتلا ہو کر دنیا کو آخرت پر ترجیح دے کر صراطِ مستقیم سے دُور ہٹ گیا۔ جو گروہ خود راہِ راست سے بھٹکا ہوا ہے وہ منزلِ مقصود کہاں پائے گا۔ اور دوسروں کو منزل پر کس طرح پہنچا سکے گا۔

اِس واسطے طالبِ راہِ راست کو یہ دُعا سکھائی گئی ہے کہ پروردگار! ان لوگوں کی راہ پر چلا جو تیرے خاص بندے ہیں۔ اور جنہیں تیری خاص نعمتوں کی فراوانی دی گئی ہے نہ ان لوگوں کی راہ جو تیری رحمتِ خاص

سے دُور ہیں اور تیرے مبغوض، مغضوب اور تیری لعنت کے مورد و مستحق ہیں اور نہ ان لوگوں کی راہ جو آوارہ گرد اور راہِ راست سے بھٹکے ہوئے کتنی ہی منزلیں طے کر لیں۔ کتنا ہی سفر کریں اور کتنا ہی تیز چلیں، غلط راہ پر گامزن ہیں، منزل سے دُور ہی رہیں گے،

اس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں حضرات مفسرین کرام تحریر فرماتے ہیں کہ پہلے گروہ سے مُراد انبیاء و مرسلین اور مؤمنین و صالحین ہیں۔ جیساکہ قبل ازیں مذکور ہے۔ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَ الشُّھَدَاءِ وَ الصّٰلِحِیْنَ۔

دوسرے گروہ سے مُراد یہود ہیں، جو حضرت موسیٰ کی اُمّت ہے۔ ان کے پیروکار کہلاتے ہیں، تورات پر عمل کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ لیکن توراۃ میں ذاتی اغراض اور مادی مفاد کے تحت تغیر و تبدل کر دیا تھا۔ یہ لوگ جان بوجھ کر حق کو چھپاتے ہیں۔ "وَ یَکْتُمُوْنَ الْحَقَّ" انبیاء علیہم السلام کو ناحق قتل کرتے رہے۔" وَیَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ الْحَقِّ۔ نبیوں کو بے گناہ اور ناحق قتل کرتے۔

شرارتوں۔ سرکشیوں اور ظلم و عُدوان کی بنا پر موردِ لعنت و غضبِ خدا ٹھہرے۔ جیساکہ ارشاد ہے:
وَضُرِبَتْ عَلَیْھِمُ الذِّلَّةُ وَ الْمَسْکَنَةُ وَ بَاءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰہِ۔

یہود حضرت عزیز علیہ السلام کو خدا کا بیٹا قرار دیتے ہیں۔ وَقَالَتِ الْیَھُوْدُ عُزَیْرُ نِ ابْنُ اللّٰہِ۔
نصاریٰ تین خداؤں کے قائل ہیں، اللہ تعالیٰ، حضرت مریمؑ، حضرت عیسیٰؑ۔

انہوں نے انجیل میں حسبِ مرضی تبدیلی کر دی تھی، اس واسطے یہ گمراہ ہو گئے۔ اور ان کے متعلق ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِیْلِ / وہ راہ راست سے بھٹک گئے۔ اس واسطے وہ "ضالّین" ہیں۔
گو "من حیث الفرقہ" جماعتی حیثیت سے یہود اَلْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ اور نصاریٰ ضَالِّیْن کے مصداق ہیں۔ مگر انفرادی طور پر ہر وہ شخص جو ایسے عقائد و افعال کا مرتکب ہو، جو غضبِ الٰہی اور لعنتِ خدائی کے موجب ہوں "مغضوب علیہم" کے مصداق قرار پاتے ہیں۔ مثلاً ارشاد ہے: وَمَنْ یَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُہٗ جَھَنَّمُ خَالِدًا فِیْھَا وَ غَضِبَ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَلَعَنَہٗ وَاَعَدَّ لَہٗ عَذَابًا اَلِیْمًا ۝ (س نساء، آیت ۹۵) جو شخص کسی مومن کو جان بوجھ کر ناحق قتل کرتا ہے تو اس کی سزا جہنم ہے۔ وہ ہمیشہ جہنم میں جلتا رہے گا۔ اور اس پر خدا کا غضب ہے اور اس کی لعنت ہے۔ اور خدا نے اس کے واسطے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے، اسی طرح کسی معصوم و معصومہ کو اذیت دینے والا امام و نبی کو ستانے والا موردِ غضبِ خدا ہے۔ جیساکہ ارشادِ پیغمبرِ اسلام ہے: اِنَّ اللّٰہَ یَغْضَبُ بِغَضَبِ فَاطِمَةَ بَضْعَةٌ مِّنِّیْ مَنْ اَغْضَبَھَا فَقَدْ اَغْضَبَنِیْ وَمَنْ اَغْضَبَنِیْ فَقَدْ اَغْضَبَ اللّٰہَ۔
فاطمہ میرا ٹکڑا ہے۔ جس نے اِسے غضبناک کیا اس نے مجھے غضبناک کیا، اور جس نے مجھے غضبناک کیا اس نے خدا کو

غضبناک کیا تو معلوم ہوا کہ جناب فاطمۃ بضعۃ الرسول کو ناراض کرنے والا" مغضوبِ خدا" اور وہ بھی" مغضوبِ علیہم" کی فہرست میں داخل اور" انعمتَ علیہم" کے مصداق کی فہرست سے خارج ہے۔ لہٰذا اس کی راہ" راہِ راست" نہیں۔ بحکمِ خدا اس سے اور اس کی راہ" طریقِ عمل" سے بیزاری ضروری ہے۔

" غضب" کی ضد" رضا" ہے۔" مَغضُوب" کے مقابل" مَرضِیّ" ہے۔ یعنی بعض لوگ وہ ہیں جنہوں نے خدا کی رضا اور مرضی خریدی وہ" اَنعَمتَ عَلیہِم" کے مصداق، کیونکہ خدا جن پر راضی ہوتا ہے۔ جو خدا کی رضا حاصل کرتے ہیں، وہی خدا کی خاص نعمتوں کے سزاوار رہوتے ہیں انہی کی راہ" راہِ راست" ہے۔

ہر وہ شخص جو علومِ قرآن اور احکامِ شریعت سے جاہل ہے۔ وہ ضالّ ہے۔ لہٰذا باغی، سرکش، ظالم، مشرک اور جاہل، فاسق و فاجر، مشرک و منافق کی راہ" صراطِ مستقیم" نہیں، اس سے بیزاری واجب ہے۔ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ" صراطِ مستقیم" وہ ہے جو" افراط و تفریط" سے پاک ہو۔ نہ مرتبہ صحیح سے کسی کو گھٹایا جائے اور نہ مقامِ راست سے کسی کو بڑھایا جائے۔ گھٹانے والے مقصّر ہیں۔ اور بڑھانے والے غالی۔ یہود گھٹاتے تھے ان پر خدا کا غضب، نصاریٰ بڑھاتے تھے وہ گمراہ، مومنین صراطِ مستقیم پر ہیں۔ لہٰذا وہی طریقہ صحیح ہے جس میں نہ غلو ہو اور نہ تقصیر۔

رحمت و نعمت

جس طرح رحمت عام بھی ہے اور خاص بھی۔ اسی طرح نعمت عام بھی ہے اور خاص بھی، اس کی عام رحمت میں اس کی ہر مخلوق کا حصّہ ہے۔ جان دار ہے یا بے جان، کافر ہے یا مسلمان، مومن ہے یا منافق، صالح ہے یا فاسق، اسی طرح اس کی عام نعمتوں، صحت، زندگی، آب و ہوا، دھوپ و سایہ، معادن و جواہر، نبات و حیوانات وغیرہ میں بھی ہر ملحد و جاحد اور ہر مومن و عابد، ہر مخلص و صالح، اور ہر مشرک و طالح شریک ہے لیکن خاص رحمت اور خاص نعمت کے وہی مستحق ہیں جو اُس کے مقرب اور پسندیدہ بندے ہیں۔ جن کی زندگیاں اس کی محبت و رضا کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہیں۔

" عام رحمت و نعمت" جو انسان کے بدن کی پرورش کے اسباب مہیا کرے وہ" رحمتِ عامّہ" ہے اور عام رحمت کے تقاضے، جو اسبابِ معیشت مادی زندگی کی ضروریات پوری کریں وہ عام نعمتیں ہیں۔

اسبابِ تربیّتِ جسمانی اور ضروریاتِ مادی زندگانی نعماتِ عامّہ ہیں جو ہر فرد کے لئے ہیں۔ اور جو انسان کی روحانی زندگی اور حیاتِ اُخروی کی تربیّت کرے وہ رحمتِ خاصہ ہے۔ اور رحمتِ خاصہ کے تقاضے کے مطابق اُس کی روحانی زندگی کے ارتقا کے لئے جو اسباب اور عنایاتِ الٰہی عطا ہوں

وہ نعمات خاصہ ہیں۔ جو خاص بندوں کے لئے ہیں۔ رحمت سبب ہے نعمت کا، نعمت مُسبّب ہے۔ عام رحمت عام نعمت کا سبب اور خاص رحمت خاص نعمت۔ عام نعمتیں تو بے شمار ہیں: "وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا" اگر اللہ کی نعمتیں شمار کرنا چاہو تو ہرگز شمار نہ کر سکو گے۔

خاص نعمتوں سے مراد اس کے بلند مناصب وحی، نبوت، رسالت اس کا پیغام وغیرہ ہیں، جیساکہ اِن آیات میں اِن کا ذِکر ہے: "فَذَكِّرْ فَمَا اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجْنُوْنٍ" ان کو یاد دِلا تو اپنے ربّ کی نعمت کے ساتھ کاہن (نجومی) نہیں اور نہ دیوانہ ہے۔

وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۝ اپنے ربّ کی نعمت بیان کر لوگوں کو بتا۔ (والضحیٰ)

اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝ وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ ۝ (النحل آیت ۷۱، ۷۲) وہ خدا کی خاص نعمت کا انکار کرتے ہیں۔

يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا ۝ وہ خدا کی نعمت کو پہچانتے ہیں پھر انکار کرجاتے ہیں۔

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ (المائدہ: ۱۰۹)

اے عیسیٰ بن مریم اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تمہیں اور تمہاری والدہ کو دی۔

وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰۤى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَاۤ اَتَمَّهَا عَلٰۤى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ ۝ اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ (سورہ یوسف کی ابتدائی آیات ہیں) جب حضرت یوسف علیہ السّلام نے اپنے پدرِ بزرگوار حضرت یعقوب علیہ السّلام سے خواب عرض کیا تو اس وقت مہربان پدر نے پیارے بیٹے کو فرمایا، "اسی طرح تجھے چن لے گا تیرا ربّ اور تجھے خوابوں کی تعبیر کا علم دے گا۔" اور وہ اپنی نعمت تجھ پر اور آلِ یعقوب پر تمام کرے گا۔ جس طرح کہ اُس نے تجھ سے پہلے تیرے باپ ابراہیم اور اسحٰق پر تمام کی تھی بیشک تیرا ربّ علم و حکمت والا ہے۔

اِس آیت میں چار نبیوں کا ذِکر ہے جن پر نعمت تمام ہوئی، یعنی حضرت یوسف، حضرت یعقوب، حضرت اسحٰق اور حضرت ابراہیم۔ یہاں نعمت سے مراد نبوّت ہے اور نبوّت سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں۔

مذکورہ بالا آیات میں نعمت سے مراد وہ نعمت ہے جو روحانی درجات بڑھاتی اور قوّت قدسیہ کو تیز کرتی ہے۔ اور حضرت یعقوب کا حضرت یوسف کو، اور ان پہ اور آلِ یعقوب پر اتمامِ نعمت کی بشارت دینا، یہ دلیل ہے کہ یہاں نعمت سے مراد نبوّت ہے۔ نعمت تمام ہونے سے مراد ہے پیغام خداوندی اور اس کے احکام کا مکمل ہوجانا۔

تکمیل دین و اتمام نعمت

جب حضور ختم المرسلین پہ احکامِ وحی مکمل ہو گئے اور پیغاماتِ الٰہی پورے کے پورے نازل ہو چکے تو تکمیلِ رسالت اور اتمامِ نعمت کی بشارت آئی: اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ؕ (المائدہ، پ ۶) "آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کی، اور تمہارے واسطے دینِ اسلام کو پسند کیا"۔ لفظ "آج" کی قید بتاتی ہے کہ کل تک دین مکمّل نہ تھا نعمت تمام نہ تھی۔ آج مکمّل ہوئی۔ کل اور آج میں ویسے تو ایک دن کا فرق ہے لیکن ایک دن کا فرق بھی بہت کچھ کام کر دیتا ہے۔ شبِ قدر بھی صرف ایک رات ہے۔ لیکن شرف و فضیلت میں ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔

خمِ غدیر

اسی طرح اٹھارہ ذوالحجہ سنہ ۱۰ھ کا دن صرف ایک دِن ہے۔ لیکن عظمت و شرف میں ہزار دنوں سے بہتر ہے۔ کیونکہ اس دن دین کی تکمیل ہوئی، نعمتِ نبوّت و رسالت تمام ہوئی، اور اسلام کو پسندیدگی کی سند ملی۔ غارِ حرا کو فخر ہے کہ اس میں وحی کا آغاز ہوا اور نزولِ قرآن کی ابتداء، اور بعثت یعنی اظہارِ نبوّت کا حکم ملا۔ تو میدانِ خمِ غدیر کو بھی یہ فخر و شرف حاصل ہے کہ یہاں آخری وحی نازل ہوئی۔ پیغامِ ربّانی کا اختتام ہوا۔ قرآن و دینِ اسلام کی تکمیل ہوئی، نعمتِ نبوّت تمام ہوئی اور رضاءِ الٰہی کی سند عطا ہوئی۔ اسواسطے اٹھارہ ذوالحجہ کا دن بڑی عظمت والا ہے۔ سترہ ذوالحجہ کو نہ دین کامل تھا نہ نعمت تمام تھی۔ حالانکہ توحید و نبوّت تھی۔ ملائکہ و کتب سماویہ پہ ایمان تھا۔ قیامت پر عقیدہ تھا۔ نماز تھی روزہ تھا۔ زکوٰۃ تھی جہاد تھا۔ حج تھا اور حج ہی سے واپسی تھی۔ اسلام کے اصول و فروع تھے مگر دین کامل نہ تھا۔ ۱۸۔ ذوالحجہ کو کامل ہوا معلوم ہوتا ہے کہ تکمیلِ دین اور اتمامِ نعمت میں ایک اہم چیز کی کمی تھی۔ جو اٹھارہ ذوالحجہ کو پوری ہوئی ہے اور جس کے لوگوں کو پہنچانے اور عمل کر کے دکھانے کا حکم نازل ہوا۔

یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ وَاللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اے رسول! وہ حکم لوگوں کو پہنچا دے جو تیری طرف تیرے ربّ کی جانب سے نازل ہوا ہے۔ اور اگر آپ نے اس پر عمل کر کے نہ دکھایا تو گویا آپ نے رسالت کو پہنچایا ہی نہیں خدا تمہیں لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا۔

جب اس آیت کی تبلیغ ہوئی اور اس خاص امر کی تعمیل ہوئی تو آخری آیت نازل ہوئی، "اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ" آج میں نے تمہارا دین کامل کیا اور اپنی نعمت کا سلسلہ تمام کیا۔

معلوم ہوتا ہے کہ اس امرِ خاص کو تکمیلِ دین اور اتمام نعمت یعنی نبوت میں بڑا دخل تھا۔ اس کے بغیر دین ناقص اور نعمت ناتمام ہے۔ آخر یہ اہم امر اور خاص کام ہے۔ کیا جس کے بغیر دین کامل نہیں ہیں نعمت تمام نہیں، اسلام پسندیدہ نہیں۔ آؤ حضرات! اس خاص امر پر تھوڑی سی بحث کر لیں اور کھوج لگالیں۔

اوّل ایک تو یہ کہ اگر تم نے یہ کام کر کے نہ دکھایا تو گویا رسالت پہنچائی نہیں۔ اتنا ضروری ہے کہ اگر محبوب پیغمبر یہ پیغام پہنچائیں نہیں اور عمل کر کے دکھائیں نہیں تو جتنے امورِ رسالت انجام دیئے، اُن کی قدر کوئی نہیں۔ سب بے قدر ہیں۔ اگر یہ خاص امر ساتھ نہ ہو تو معلوم ہوا کہ تمام امورِ اسلام اور کارِ رسالت کی قدر و قیمت اسی خاص کام کے ساتھ وابستہ ہے۔

تو جتنا پہنچانا رسول کے لئے ضروری ہے اتنا ہی اُمت کے لئے بھی ماننا ضروری ہے۔ اگر رسول پہنچائیں نہیں تو ان کی رسالت میں ضعف اور اگر مسلمان مانیں نہیں تو اُن کے ایمان بے کار۔ اگر رسول کی رسالت اس کے بغیر بے کار ہو سکتی ہے تو مسلمان کا اسلام اور مومن کا ایمان اس کے بغیر کس طرح فائدہ مند ہو سکتا ہے۔

دوم اس امرِ خاص کی تبلیغ اور اس کی تعمیل خطرہ سے خالی نہیں۔ کیونکہ آیت کا آخری جملہ: "وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ" اللہ تجھے لوگوں کی شر سے بچائے گا۔ حفاظت کی ضمانت وہاں دی جاتی ہے جہاں خطرہ ہو، خوف ہو، نقضِ امن کا ڈر ہو، اس مقام پر جہاں یہ آیت نازل ہوئی کیا ڈر تھا؟ اور کس سے ڈر تھا؟

ولایتِ علی کی تبلیغ عام مسلمان کہتے ہیں کہ تمام امورِ اسلام اور احکام شریعت تھے۔ انہی کی تبلیغ کی تاکید تھی۔ مگر مجھے ان سے اختلاف ہے۔ کیونکہ خوف و خطرہ کی گھڑیاں بیت چکی تھیں، ڈر کا زمانہ گزر چکا تھا۔ اب سارا عرب اسلام قبول کر چکا تھا۔ اب تمام امورِ اسلام کی تبلیغ کرنے سے کیا ڈر تھا؟ آغازِ اسلام میں یہ امور پہنچائے۔ جب کہ کفر و شرک کا غلبہ اور دشمنوں کی کثرت اور کفر کو قوت حاصل تھی، اس وقت نہ ڈرے۔ اب جبکہ علمِ اسلام تمام سرزمین عرب پر لہرا رہا تھا۔ کفر و شرک کا زور ختم ہو گیا۔ دشمن کمزور اور ملیامیٹ ہو گئے اور تمام عرب زیرِ نگین ہے۔ اب احکام اسلام پہنچانے میں کیا ڈر تھا۔ پھر وقتِ نزولِ آیتِ مبارکہ جو لوگ ساتھ ہیں۔ صحابہ ہیں۔ ایک لاکھ سے زیادہ مجمع ہے ماشاءاللہ، سب مسلمان ہیں، ان میں کوئی یہودی نہیں نصرانی نہیں۔ مشرک نہیں کافر نہیں۔ تمام کلمہ گو

صحابی اور سارے مسلمان حاجی ہیں لیکن خطرہ بدستور ہے کیونکہ "اللہ تجھے لوگوں سے بچائے گا" کا جملہ بھی خطرہ کی گھنٹی بجا رہا ہے اور حفاظت کی تسلی بھی دے رہا ہے۔ حکم خطرناک ضرور ہے اور اس حکم کی تبلیغ و تعمیل سے ساتھیوں کے دل پہ چوٹ لگنے اور ان کی اُمیدوں پر اوس پڑنے کا امکان ہے۔ آؤ حضرات اِس حُکم کا کھوج لگائیں۔

کیا نماز کا حکم تھا؟ ہرگز نہیں، نماز تو تئیس سال سے پڑھ رہے تھے۔ ماشاء اللہ سارے کے سارے نمازی تھے۔

روزہ کا حکم تھا؟ نہیں ہرگز نہیں، سارے روزے رکھتے تھے۔ بھلا روزے کے حکم سے انہیں کیا کد تھی۔

زکوٰۃ کا حکم تھا؟ نہیں جناب! یہ زکوٰۃ کا حکم بہت پہلے سُن چکے تھے۔ اور عمل کر چکے تھے۔ زکوٰۃ لیتے بھی تھے اور دیتے بھی تھے۔

حج کا حکم تھا؟ نہیں حضور! حج تو کر کے آ رہے تھے۔ حج کے حکم سے ان کی کون سی اُمید ضائع ہو جاتی۔

جہاد کا حکم تھا؟ ہرگز نہیں، مدینے میں ساری عمر جہادوں میں جانے میں گزری۔ میدانِ قتال تک جاتے تھے۔ مجاہد تھے یا نہ تھے میدانِ جہاد کے مسافر تھے۔

پھر کون سا حکم تھا؟ جس کی ادائیگی عین دوپہر کے وقت تپتی زمین اور چلچلاتی دھوپ میں ضروری تھی۔

حضور! بات یہ ہے کہ جب اقتدار حاصل ہو جاتا ہے۔ حکومت مضبوط ہو جاتی ہے تو لوگ برسرِ اقتدار جماعت میں فوج در فوج داخل ہو جاتے ہیں۔ اوّلاً تو اتنے عہدے ہوتے نہیں جو سب میں تقسیم کر دیئے جائیں۔ جنہیں کوئی عہدہ مِل جائے وہ معاون اور مدّاح اور جو بد نصیب محروم رہ گیا وہ لگا شرارتیں کرنے، عیب جوئی کرنے، عیب نکالنے اور صاحبِ عہدہ اور صاحبِ منصب سے حسد کرنے۔

علاوہ ازیں اِسلام میں عہدہ کی عطا صرف اہلیّت اور لیاقت پر ہے۔ اور یہ عہدے اللہ تعالیٰ نے صرف اپنے ہاتھ میں رکھے ہیں۔ کیونکہ ظاہری و باطنی خوبیوں، ماضی و مستقبل کے حالات سے وہی واقف ہے۔ اس واسطے یہ منصب وہی عطا کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔

آج یعنی اٹھارہ ذوالحجہ کو مقامِ خم غدیر پہ اس عہدہ کی عطا کا اعلان تھا اور اس منصب کو اس کے اہل کے سپرد کرنا تھا۔ محروم لوگوں کے حسد اور ان کے احساسِ محرومی کے ردِّعمل کا خوف تھا۔ جو حاسدوں اور محرومِ اقتدار لوگوں سے عموماً وقوع میں آتا رہتا ہے اور یہ خطرہ بیرونی نہ تھا اندرونی تھا، بیرونی خطرے ٹل

گئے تھے۔ اندرونی سازشوں کا آغاز ہو گیا تھا۔ بیرونی دشمنوں سے اندرونی دشمن زیادہ خطرناک ہوتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ عہدہ کی عطا تھی، بلکہ عطا کا اعلان تھا۔ نبوت تو ختم تھی مگر خلافت و ولایت باقی تھی۔ تاریخ و احادیث کی کتابیں بالاتفاق بیان کرتی ہیں کہ حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھلے میدان میں اونٹوں کے پالانوں کا منبر بنایا تاکہ عام سطح سے بلند ہو کر اعلان کریں۔

مجمع عام اور ہزاروں کے اجتماع میں آواز پہنچانے کے لئے مقرر بلند مقام پر کھڑا ہوتا ہے تاکہ سارا مجمع اس کی آواز سن لے۔ چونکہ اہم اور سخت ضروری اعلان تھا' اس واسطے اس کے پہنچانے کا اہتمام بھی شاندار اور مؤثر طریقے پر کیا کہ پالانوں کا اونچا منبر بنایا۔ اور عہدۂ تاج پہنانے کے لئے امیدوار بلکہ حقدار کو اپنے ساتھ منبر پہ لے گئے۔ حسبِ فرمانِ خداوندی اس حکم کی زبانی تبلیغ "مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى" کے لبوں سے قولی صورت میں کی اور فرمایا: مَن كُنتُ مَوْلَاهُ فَهٰذَا عَلِيٌّ مَوْلَاهُ۔ جس کا میں مولا ہوں اس کا یہ علی مولا ہے۔ صرف زبانی تبلیغ کافی نہ تھی عملی مظاہرہ بھی ضروری تھا۔ اِدھر سے لبوں نے جنبش کی اور "من کنت مولا" کی صدا اصحابیوں کے کانوں سے ٹکرائی، ساتھ ہی نبوت و امامت کے ہاتھ ایک ساتھ فضا میں بلند ہوئے۔ عہدہ کا اعلان کیا اور عہدہ دار کی تعیین کر دی۔ انگلی کے اشارے سے نہیں تاکہ بہت سے لوگ دعویدار نہ بن جائیں کہ میری طرف اشارہ تھا۔ اس واسطے ہاتھ پکڑ کر دکھایا۔ مقام الگ بنایا۔ عام مجمع سے علیحدہ جگہ تھی۔ ایک منبر تھا جہاں نبی و علی کے سوا کوئی جا نہ سکتا تھا۔

ناظرین کرام! مولا اور ولی ایک مصدر کے دو مشتق ہیں مادہ ایک ہے۔ دونوں کا معنی اس مقام پہ ایک ہے یعنی حاکم، متصرف، دوسرے معنوں میں اپنے بعد اپنے جانشین کا اعلان کیا۔ یہاں اس نشست کے لئے انتخابِ اُمت اور لوگوں کے چناؤ کو دخل نہ تھا، یہ خدا کی طرف سے نامزدگی تھی۔ جب کسی نشست پر خالق کسی کی نامزدگی کر دے، مخلوق کو اس نشست کے لئے کسی اُمیدوار کے انتخاب کا حق نہیں ہے۔ لہٰذا سقیفہ کی کارروائی فضول، مہمل اور بے کار ہے۔ ذرا ان سے پوچھئے کہ جس نشست کے لئے آپ انتخاب کر رہے ہیں وہ خالی بھی ہے؟ وہ تو کئی ماہ پہلے میدانِ خُم غدیر میں پُر ہو چکی ہے۔

مخلوق کے انتخاب کو تو خدا منسوخ کر سکتا ہے لیکن خالق کے انتخاب کو مخلوق منسوخ نہیں کر سکتی۔

حضرات! وہ حکم پہنچایا گیا۔ ولایتِ علی ابنِ ابی طالب اور خلافتِ برادرِ رسول زوجِ بتول کا اعلان ہو گیا۔

معلوم ہوا کہ ولایتِ علی بن ابی طالب اسلام میں اتنی اہم اور دین میں اتنی ضروری تھی کہ اس کے بغیر رسالت بے کار، دین ناقص! اور نعمت ناتمام، اس کے آنے سے اور اس پر عمل پیرا ہونے کے بعد آیت نازل ہوئی: اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا

حالانکہ اس سے قبل کلمۂ توحید "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ" تھا۔ کلمۂ رسالت "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ" بھی تھا۔ ملائکہ اور کتبِ سماویہ اور آخرت پر ایمان بھی تھا۔ نماز بھی تھی، روزہ بھی تھا۔ حج بھی اور زکوٰۃ بھی تھی۔ کونسا حکم ہے جو قبل ازیں نازل نہ ہوچکا تھا۔ اور اس پر عمل نہ ہوچکا تھا۔ صرف اسی آخری حکم کا اعلان اور تعمیل باقی تھی۔ جس کے بغیر دین نامکمّل اور نعمت ناتمام تھی۔ سب کچھ تھا۔ "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ" تھا "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ" تھا۔ لیکن "عَلِیٌّ وَّلِیُّ اللّٰہ" نہ تھا۔ تو علی ولی اللہ" شرط ہے تکمیلِ عقیدہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ کی اور احکامِ شریعت کے قبول ہونے کی، "علی ولی اللہ" نے نعمت تمام کی۔ جس طرح نبوّت ایک نعمت ہے اسی طرح ولایتِ علی بھی ایک نعمت ہے۔ یہ لوگ مصداق ہیں "اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ" کے جن پر نبوّت، ولایت کی نعمتیں نازل ہوئیں، انہی کی راہ، راہِ راست اور صراطِ مستقیم ہے۔ جس کا آخری کنارہ جنّت کے دروازے پر جاکر ختم ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اور ان کی متضاد راہیں کوئی "مَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ" ہے اور کوئی "ضَآلِّیْنَ" میں شامل ہے۔

حاضرین! بابا علی کی ولایت نے اِسلام کو تکمیل کی سند دی اور بیٹے کی شہادت نے اس مکمل اسلام کی حفاظت کی۔ علی نے رسالت کا حصّہ یا شرط بن کر اِسلام کو مکمّل کیا حُسین نے شہید ہوکر مٹتے اسلام کو زندہ کیا۔ مکمّل کرنا آسان ہے لیکن مٹتے ہوئے دین کو بچانا دشوار ہے۔ اسلام مٹ جاتا اگر حُسین سر نہ دیتے۔ اسی طرح حسین کی شہادت کے مقصد کو اگر زندہ رکھا ہے تو جناب زینب نے! جہاں اسلام کی خاطر ہاشمی جوانوں نے میدانِ کارزار میں قربانیاں دی ہیں وہاں ہاشمی مستورات نے بازاروں اور درباروں میں اپنے پردوں کی قربانیاں دے کر اسلام کی حفاظت کی ہے۔ کربلا کے واقعات آپ سُن چکے ہیں۔ اب کوفہ کے حالات سنیں۔

کوفہ میں ورود

اہلِ بیتِ رسول اور بناتِ بتول اب ابنِ زیاد کے قیدی ہیں۔ عمر بن سعد اہل بیت کا قیدی قافلہ لے کر روانہ ہوا۔ کوفہ پہنچنے سے قبل شام ہوگئی۔ لہٰذا اس قافلہ کو کوفہ سے باہر قیام کرنا پڑا۔ ۱۲۔ محرم کو کوفہ شہر میں وارد ہوئے۔ اِس کوفہ میں بیس سال قبل امیرالمومنین کا عہدِ خلافت تھا۔ آپ نے حسبِ مصلحت کوفہ کو دارالخلافہ تجویز فرمایا۔ اور اپنے اہل وعیال کو کوفہ میں طلب فرمایا۔ امیر المومنین کے زمانے میں جناب حسنین شہزادے اور دخترانِ علی شہزادیاں تھیں۔ اشرافِ کوفہ کی عورتیں بارگاہِ زینب واُمِّ کلثوم میں باریابی پر فخر کرتی تھیں۔ پہلی بار کوفہ میں آئی تھیں تو عزّت واحترام کے ساتھ جناب امام حسن وامام حسین، محمد بن حنفیہ

جناب عباس، حضرت عبد اللہ بن جعفر ہمراہِ سفر اور نگرانِ قافلۂ عصمت و طہارت تھے۔ خورد و نوش کا مکمل انتظام اور سفر حسبِ مرضی تھا۔ اور جب کوفہ میں آئیں تو جناب امیر المومنین عزت و احترام کے ساتھ عصمت سرا میں لائے۔ جتنا عرصہ رہیں تعظیم و تکریم کا ماحول رہا۔ اِس دوران ان کا حلقۂ درس وسیع تھا۔ زنانِ کوفہ اسلامی احکام سیکھنے کے لئے اور درسِ قرآن و حدیث لینے کے لئے بصد شوق و رغبت آتیں، دخترانِ علی و بتول خدا لعبتِ رسول کے احکام نشر کرتیں، اسلام کی تبلیغ کرتیں۔ دینِ اسلام کی یہ مقدس معلمات اپنے قول و عمل سے زنانِ کوفہ اور مستوراتِ مسلمین کو فقہی مسائل اور اسلامی احکام سے آگاہ کرتیں۔ کوئی عورت قرآن پڑھ رہی کوئی حدیث کا درس لے رہی ہے۔ کوئی فقہی احکام حاصل کر رہی ہے۔ غرضیکہ مقدس اسلامی درسی ماحول تھا۔ اور وارثِ شریعت کی بیٹیوں سے زنانِ کوفہ اپنی دینی تربیت لے رہی تھیں۔

چالیس ہجری کو امیر المومنین علیہ السّلام کی شہادت ہوئی۔ باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ جنابِ حسنین علیہما السلام کوفہ سے واپس مدینہ چلے گئے۔ بیس سال بعد اسی علی کی بیٹیوں کو قضأ مقدر کوفہ میں لے آئی۔ اب کی مرتبہ کوفہ میں بغیر وارثوں کے آئیں۔ حسن مجتبیٰ تو دس سال قبل مدینہ میں زہر سے شہید کر دیئے گئے۔ باقی مردانِ اہل بیت کربلا میں شہید ہو گئے۔ دخترانِ علی اب جو کوفہ میں آئیں تو بھائی مرا کے بیٹے کٹوا کے، اور گھر بار لٹوا کے آئیں۔ محرم کی بارہ تاریخ تھی۔ ابنِ زیاد گورنرِ کوفہ کو اطلاع ملی کہ قافلۂ کوفہ میں داخل ہونے والا ہے۔ شہدائے کربلا کے سر ملعون کے دربار میں پہلے ہی پہنچ چکے تھے۔ اس ناری نے حکم دیا کہ تمام سر نیزوں پر سوار کئے جائیں اور قافلہ کے پاس بھجوا دیئے جائیں تاکہ قیدیوں کا قافلہ اور شہیدوں کے سر ایک ساتھ واردِ شہرِ کوفہ ہوں۔ ابنِ زیاد کے حکم کی تعمیل ہوئی، قافلہ کے آگے نیزوں پہ سر سوار تھے۔

عام لوگوں کو مطلع کیا گیا کہ کربلا کی جنگ میں ابنِ زیاد کو فتح حاصل ہوئی ہے حسین بن علی اور ان کے تمام ساتھی مارے گئے ہیں اور ان کی عورتوں اور بچوں کو قید کر کے کوفہ لایا گیا ہے۔ شہیدوں کے سر نوکِ نیزہ اور قیدی شترانِ بے کجاوہ پر سوار ہیں۔ جو قیدیوں کا تماشا اور سروں کا نظارہ دیکھنا چاہے، اذنِ عام ہے۔ کچھ لوگ بے علمی میں، کچھ عداوت کی بنا پر اور اکثر اوباش لوگ تماشا بنا کر اور بطورِ شغل یہ منظر دیکھنے کے لئے جمع ہو گئے۔

حضرات! آپ جانتے ہیں، اِس قسم کے اشتغال اور مناظر میں شرفاء کم آتے ہیں۔ اور رذیل کمینے نیز اوباش لوگوں کی کثرت ہوتی ہے۔ شریف خاندانوں پر جب انقلاب کے دَور آتے ہیں اور ان کی عزت ذلت میں اور بڑائی رسوائی میں تبدیل ہوتی ہے تو وہ گھروں سے باہر کم نکلتے ہیں۔ یہ سرِعام اپنی رسوائی

سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ شریف لوگ تو ان سے ہمدردی کرتے ہیں لیکن کمینے لوگ اپنی کمینہ فطرت یا کسی امیر کی ناجائز خوشامد کے پیش نظر ایسے انقلاب کے ستائے شرفاء پر آوازے کستے ہیں۔ اور توہین آمیز فقرات سے اُن کے دلوں کے زخم دکھاتے ہیں۔

اہل بیت محمد سے بڑھ کر کوئی شریف گھرانہ نہ تھا اور ابن زیاد اور اُس کے ساتھی کوفیوں سے بڑھ کر کوئی کمینہ نہ تھا۔ اذنِ عام ملتے ہی تمام شہر کے مرد و زن کوفہ سے باہر "کناسہ" کے مقام پر جمع ہو گئے۔ اور قیدیوں اور سروں کا انتظار کرنے لگے۔ ابن زیاد نے یہ اعلان بھی کرا دیا تھا کہ کوئی عورت یا مرد جنگی ہتھیار لے کر نہ نکلیں تاکہ بغاوت نہ ہو جائے۔ اور اس پابندی پر عمل در آمد کے لئے اس نے جا بجا پولیس کے دستے مقرر کر دیئے۔

مسلم جصّاص

مسلم جصّاص یہ ایک راج (معمار) تھا۔ ابن زیاد کے محل "دار الامارہ" کی مرمت کے لئے بلایا ہوا تھا۔ اور اس محل کی مرمّت کے کام میں مشغول تھا۔ کوفہ کے اطراف و جوانب میں سے لوگوں کے گروہ اور ان کے شور و غل کی آوازیں سُن کر حیران ہوا کہ آج کیا ماجرا ہے۔ لوگ اچھے لباس میں گروہ در گروہ مقام کناسہ پر جمع ہو رہے ہیں۔ چنانچہ اس نے "دار الامارہ" کے خادم سے ماجرا دریافت کیا۔ اس نے جواب دیا کہ ایک خارجی نے (معاذ اللہ) یزید پر خروج کیا تھا۔ وہ مارا گیا ہے اور اس کا سر اور اس کی عورتوں اور بچوں کو قید کر کے کوفہ لایا جا رہا ہے۔ میں نے نام پوچھا تو اس نے جواب دیا کہ وہ حسین بن علی ہے۔ مسلم جصّاص کا بیان ہے کہ جب میں نے یہ نام سُنا تو میں دم بخود رہ گیا۔ میرے دل پر رنج کا انبار چھا گیا۔ جب خادم باہر چلا گیا تو میں نے اپنے دونوں ہاتھوں منہ پیٹ لیا۔ اور اس زور سے میں نے اپنے منہ پر طمانچے مارے کہ قریب تھا کہ میری آنکھیں ضائع ہو جائیں۔ درد و الم میں ڈوبا میں مقام کناسہ پر گیا جہاں لوگ سروں اور قیدیوں کے آنے کا انتظار کر رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد ایک قافلہ پہنچا۔ اونٹوں پر دختران رسول اور کچھ بچے سوار تھے۔ اور امام زین العابدین بے پلان اونٹ پر سوار تھے ان کے زخمی بدن سے خون بہہ رہا تھا۔ اشکبار آنکھیں تھیں اور دردناک آواز کے ساتھ یہ اشعار پڑھ رہے تھے۔

یَا اُمَّةَ السَّوْءِ لَا سُقْیَا لِرَبْعِکُمْ ۔۔۔ یَا اُمَّةً لَمْ تُرَاعِیْ جَدَّنَا فِیْنَا

اے بُری اُمّت خدا تمہارے مسکن کو کبھی سیراب نہ کرے۔ اے بدکار اُمّت تم نے ہمارے جدّ امجد کا ہمارے بارے کچھ حیا و لحاظ نہ کیا۔

لَوْ اَنَّنَا وَ رَسُوْلُ اللّٰہِ یَجْمَعُنَا ۔۔۔ یَوْمَ الْقِیَامَةِ مَا کُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَا

اگر ہم رسولِ خدا کے ساتھ روزِ قیامت اکٹھے ہوں تو تم کیا جواب دو گے؟

تُسَيِّرُوْنَا عَلَى الْاَقْتَابِ عَارِيَةً كَاَنَّنَا لَمْ نُشَيِّدْ فِيْكُمُ الدِّيْنَا

ہمیں بے پلانے اونٹوں پر برہنہ لئے چل رہے ہو گویا ہم نے تم میں دین کی بنیادیں مضبوط نہیں کیں۔

بَنِيْ اُمَيَّةَ مَا هٰذَا الْوُقُوْفُ عَلٰى تِلْكَ الْمَصَائِبِ لَا تُلَبُّوْنَ دَاعِيْنَا

اے بنی امیہ ان مصائب پر تمہارا وقوف کیا ہے۔ ہماری پکار کا جواب نہیں دیتے۔

تُصَفِّقُوْنَ عَلَيْنَا كَفَّكُمْ فَرَحاً وَاَنْتُمْ فِيْ فِجَاجِ الْاَرْضِ تَسْبُوْنَا

تم آج مسرت سے ہم پر تالیاں بجا رہے ہو، اور زمین کے کشادہ راہوں میں ہمیں قیدی بنا کے پھرا رہے ہو۔

اَلَيْسَ جَدِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَيْلَكُمْ اَهْدَى الْبَرِيَّةِ مِنْ سُبُلِ الْمُضِلِّيْنَا

افسوس ہے تم پر کیا ہمارے جدِ امجد رسولِ خدا نہیں، جو لوگوں کو گمراہی کے راستوں سے نکال کر ہدایت پر لے آئے۔

يَا وَقْعَةَ الطَّفِّ قَدْ اَوْرَثْتِنِيْ حُزْنًا وَاللّٰهُ يَهْتِكُ اَسْتَارَ الْمُسِيْئِيْنَا

اے واقعۂ کربلا تو نے مجھے غم کا وارث بنا دیا۔ اور خدا بدکاروں کے پردے چاک کر دیتا ہے۔

زن و مرد قیدیوں کی خستہ حالی، بے کسی اور مظلومی پر آنسو بہانے لگے۔ بچوں کی یتیمی اور غریبی پر لوگ کھجوریں۔ روٹیوں کے ٹکڑے پھینکنے لگے۔ جناب امِ کلثوم یہ کھجوریں اور ٹکڑے یہ کہہ کر زمین پر پھینک دیتیں کہ ہم اہلِ بیت ہیں ۔ صدقہ ہم پر حرام ہے۔

جناب سید سجاد کی گریہ و زاری اور بے پلان اونٹ پر ذلت کے ساتھ سواری اور بناتِ رسول کی قید اور لاچاری دیکھ کر کوفے والے دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ جناب امِ کلثوم نے فرمایا:۔

يَا اَهْلَ الْكُوْفَةِ تَقْتُلُنَا رِجَالُكُمْ وَتَبْكِيْنَا نِسَاؤُكُمْ فَالْحَاكِمُ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (اے! اہلِ کوفہ! تمہارے مرد ہمیں قتل کریں اور تمہاری عورتیں ہم پر روتی ہیں۔ اچھا اللہ ہمارے اور تمہارے درمیان روزِ قیامت فیصلہ کرے گا۔

مسلم کہتا ہے کہ اس وقت اتنا شور و غل بلند ہوا۔ لوگوں کی نگاہیں پھر گئیں۔ کیا دیکھتا ہوں کہ شہدائے کربلا کے سر نیزوں پر بلند ہیں۔ اور سب سے آگے آگے میرے مولا حسینؑ کا سر آ رہا ہے۔ وَهُوَ رَاْسٌ زُهْرِيٌّ قَمَرِيٌّ اَشْبَهُ الْخَلْقِ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ لِحْيَتُهٗ كَسَوَادِ السَّبَجِ قَدِ اتَّصَلَ بِهَا الْخِضَابُ وَجْهُهٗ دَارَةُ قَمَرٍ طَالِعٍ وَالرِّيْحُ تَلْعَبُ بِهَا يَمِيْنًا وَشِمَالًا (وہ سر جو چودھویں رات کے چاند

کی طرح چمک رہا ہے۔ اور رسولِ خدا کے ساتھ مشابہ تھا۔ اور ریش مبارک خضاب کی وجہ سے سیاہ تھی۔ اور چہرۂ مبارک چودھویں رات کے چاند کی طرح گول اور روشن تھا۔ جب ہوا چلتی تو ریش مبارک کے بال دائیں بائیں لہرانے، جو لوگ یہ نظارہ دیکھنے آئے اور تماشائی خاطر جمع ہوئے تھے یہ کرب ناک منظر دیکھ کر بے اختیار رونے لگے۔ ان کی آہ و بکا دیکھ کر بیمارِ کربلا اسیرِ محن و جفا سید سجاد نے نحیف آواز میں کہا: "تَنُوحُونَ وَ تَبکُونَ مِنْ اَجلِنَا فَمَنْ ذَالَّذِیْ قَتَلَنَا۔ (کوفہ والو! تم نوحہ و بکا کر رہے ہو، یہ تو بتاؤ پھر ہمیں قتل کس نے کیا ہے۔ یعنی تم قتل بھی کرتے ہو اور آنسو بھی بہا رہے ہو)

اس اثناء میں ایک عورت نے کوٹھے کی چھت پر جھانک کر کہا: "مِنْ اَیِّ الْاُسَارٰی اَنْتُمْ؟" قیدیو! یہ تو بتاؤ تم کس قوم و قبیلہ سے ہو؟ بیبیوں نے جواب دیا: "نَحْنُ اُسَارٰی مِنْ اٰلِ مُحَمَّدٍ" ہم خاندانِ نبوّت کے قیدی ہیں۔ یہ سُن کر اس کا دِل بھر آیا۔ ہمدردی کے انداز میں اس نے بے پردہ مستورات کے لئے کچھ برقعے اور چادریں اکٹھی کر کے ان بے پردہ بیبیوں کی خدمت میں پیش کیں، لیکن روایات بتاتی ہیں کہ ظالموں نے برقعوں اور چادروں سے انہیں منہ نہ چھپانے دیا۔ اور بے دردی سے چھین لیں۔

دخترانِ حیدرِ کرار کے خُطبے

تقریر کرنے کے وقت ہوش و حواس بجا اور ذہنی قوتوں کا سلامت ہونا ضروری ہے۔ دماغی پریشانی اور بے چین طبیعت، رنج و اذیّت سے دِل کا غبار آلود ہونا ادائیگی بیان میں رکاوٹ ڈالتا ہے۔ کوئی غم زدہ اور مصیبت میں مُبتلا بشر ایک کلمہ بھی مُنہ سے نہیں بول سکتا۔ حضرات! آپ خود اندازہ کریں، کہ حیدرِ کرار کی بیٹیاں کن مصائب کے پہاڑ سروں پہ اٹھائے ہوئے تھیں۔ دل و دماغ پر کس قدر پریشانیاں چھائی ہوئی تھیں۔ دکھوں کے کربناک اور ہولناک سمندر میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ کتنے صدمے اور رنج اٹھا چکی تھیں۔ پھر عورت ذات، بے حیاؤں کا مجمعِ عام، دشمنوں کا شہر، بے وارث و بے وطن بیبیاں، مگر قوتِ ارادی اور روحانی طاقت کی مالک، صبر و تحمّل کے اعلیٰ مدارج پر فائز، کمال استقلال کے آخری درجہ پر فائز شہزادیوں نے قاتلین کے شہر اور دشمنوں کے مجمع میں وہ مؤثر اور فصیح و بلیغ خطبے ارشاد فرمائے کہ لوگ ورطۂ حیرت میں ڈوب گئے اور کمال فصاحت و بلاغت سے اپنے مافی الضمیر کو لوگوں کے سامنے پیش کیا۔ باطل کے مکر و فریب کا پردہ چاک کر کے رکھ دیا۔ اور حقیقت کو اس طرح آشکار کیا کہ تماشائیوں کی آنکھیں کھل گئیں۔ قصرِ ظلم کی بنیادیں ہل گئیں۔ اور جبر و استبداد کے محل کی دیواروں میں دراڑیں پڑ گئیں۔ حسینی اقدام کا پس منظر بیان کیا۔ اور سید الشہداء کا نصب العین اور مقصدِ شہادت فصاحت کے ساتھ پیش کیا۔ کوفہ والوں کو اُن کی بے وفائی اور ان کے مکر و فریب

افعالِ شنیعہ کا ارتکاب کیا ہے اور ایسا جُرم تم سے سرزد ہوا ہے کہ قریب ہے کہ آسمان پھٹ پڑے۔ زمین شگافتہ ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں، یہ ایک مصیبتِ عظمیٰ ہے، کج و پیچیدہ، بدترین اور شوم و منحوس کہ جس سے چارۂ نجات نہیں۔ تم نے قتلِ امام معمولی سمجھا ہے۔ اِس قدر عظیم ہے کہ زمینوں اور آسمانوں کی وسعت کے برابر ہے۔ تم حیران ہو کہ آسمان سے خون برسا۔ تو آخرت کا عذاب ایسا ہے شدید ترین رسوا کرنے والا ہے۔ اور ظالموں کی کوئی مدد نہ کی جائے گی، اس وقت جو تم عذاب سے بچے ہوئے ہو اور تمہیں مہلت ملی ہے اس سے خوش نہ ہوں، خدا بدلہ لینے میں جلدی نہیں کرتا۔ (وہ ظالموں کو مہلت دیتا ہے کہ ان کا نامۂ اعمال جرائم سے بھر جائے) کیونکہ اسے انتقام کے فوت ہو جانے کا خدشہ نہیں، (وہ جانتا ہے کہ ظالم بھاگ کر کہاں جائے گا) بیشک تمہارا پروردگار اپنے ظالم بندوں کی تاک میں ہے۔"

اس کے بعد یہ اشعار پڑھے :-

مَاذَا تَقُوْلُوْنَ اِذْ قَالَ النَّبِیّ ۔۔۔ مَاذَا صَنَعْتُمْ وَاَنْتُمْ اٰخِرُ الْاُمَم

بِعِتْرَتِیْ بِاَهْلِیْ بَعْدَ مُفْتَقَدِیْ ۔۔۔ مِنْهُمْ اُسَارٰی وَ مِنْهُمْ ضُرِّجُوا بِدَمِی

مَا كَانَ ذَاكَ جَزَائِیْ اِذْ نَصَحْتُ لَكُمْ ۔۔۔ اَنْ تَخْلُفُوْنِیْ بِسُوْءٍ فِیْ ذَوِیْ رَحِم

اِنِّیْ لَاَخْشٰی عَلَیْكُمْ اَنْ یَحِلَّ بِكُمْ ۔۔۔ مِثْلُ الْعَذَابِ الَّذِیْ یَاْتِیْ عَلَی الْاُمَم

راوی کا بیان ہے کہ اِس خطبے کا اتنا اثر ہوا کہ لوگ حیران و سرگرداں منہ میں انگلیاں ڈالے زار و قطار رو رہے تھے۔ راوی کہتا ہے کہ ضعیف شخص میرے پہلو میں کھڑا رو رہا تھا۔ اس کی ڈاڑھی آنسوؤں سے بھیگ چکی تھی۔ ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے کہہ رہا تھا :

بِاَبِیْ اَنْتُمْ وَاُمِّیْ كُهُوْلُكُمْ خَیْرُ الْكُهُوْلِ وَ شَبَابُكُمْ خَیْرُ الشَّبَابِ وَنِسَآؤُكُمْ خَیْرُ النِّسَآءِ وَ نَسْلُكُمْ خَیْرُ النَّسْلِ وَ فَضْلُكُمْ عَظِیْمٌ (تمہارے بزرگ تمام دنیا کے بزرگوں سے، تمہارے جوان سب جوانوں سے، تمہاری عورتیں عالمین کی عورتوں سے بہترین اور تمہاری نسل جہان کی نسلوں سے اشرف اور اعلیٰ ہے۔ اور تمہارا فضل و مرتبہ بہت بڑا ہے۔

جناب امام زین العابدین علیہ السلام نے پھوپھی کو خاموش کر دیا اور کہا کہ : اَنْتِ بِحَمْدِ اللّٰهِ عَالِمَةٌ غَیْرُ مُعَلَّمَةٍ وَ فَهِمَةٌ غَیْرُ مُفَهَّمَةٍ ۔ (پھوپھی امّاں! آپ بغیر کسی کے سمجھائے خود فہم و ادراک رکھتی ہیں۔ اور بغیر کسی کی تعلیم کے عالمہ علم لدنی ہیں)

فاطمہ بنت حسینؑ

اِس کے بعد جناب فاطمہ بنتِ حسینؑ نے خطبہ پڑھا۔ جناب حیدرِ کرّار کی پوتی اور بلاغتِ حسینی کی وارث

سے آگاہ کیا۔ اور اپنے مقصد پر ثبات اور عزم و استقلال کا اظہار کیا۔ اور شہیدوں کی داستان کے خاکے میں وہ شوخ رنگ بھرا کہ فضائے زمانہ نے ان نقوش کو اپنے دامن میں بحفاظت قائم و دائم رکھا۔ اس وقت رُخِ زینبؑ سے رعبِ محمدی اور جلالِ حیدری ٹپک رہا تھا۔

عقیلہ بنی ہاشم

سب سے پہلے فصاحت و بلاغتِ علوی کی وارث اور جلالِ حیدری کی امانت دار عباس کی بہن جناب زینب علی کی شیر دل بیٹی نے پشتِ شُتر کے منبر سے ہزاروں سامعین کے سامنے اپنے خطبے کا آغاز کیا۔ غم اور دُکھ کے سفر کی تھکی ہوئی مسافرہ نے مجمع عام پر پوری طرح قابو پالیا۔ شور و غل کی وجہ سے کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ مگر رعب و جلالِ پدر کا نمونہ بن کر لوگوں کی طرف انگلی کا اشارہ کیا کہ "اَنْصِتُوْا" خاموش ہو جاؤ۔" فَارْتَدَّتِ الْاَنْفَاسُ وَ سَکَنَتِ الْاَجْرَاسُ" آتے ہوئے سانس بدنوں میں رُک گئے۔ کارواں کی گھنٹیاں خاموش ہو گئیں۔ لوگ ہمہ تن گوش ہو کر تقریر کی طرف متوجہ ہوئے، اس قدر پُر تاثیر خطبہ تھا کہ ایک شخص حُذام اسدی کہتا ہے کہ خدا کی قسم! میں نے کسی پردہ نشین عورت کو دخترِ علی سے زیادہ پر زور تقریر کرتے نہیں دیکھا۔ کَاَنَّهَا تَنْطِقُ وَ تَفْرُغُ عَنْ لِسَانِ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ! جنابِ زینب کے اندازِ بیان اور لب و لہجہ فصاحت و بلاغت سے معلوم ہوتا تھا۔ کہ جناب امیر کی زبان سے کلام کر رہی ہیں۔ چونکہ لوگ مسجد کوفہ کے منبر سے بلیغ عرب جناب امیر کے خطبے سن چکے تھے انہیں یوں محسوس ہوتا تھا کہ جناب امیر کلام کر رہے ہیں۔

ہم خوفِ طوالت کی وجہ سے پورا خطبہ نقل کرنے سے قاصر ہیں، صرف ایک اقتباس درج کرتے ہیں جب بی بی پاک نے یہ جملے کہے:

وَيْلَكُمْ يَا اَهْلَ الْكُوْفَةِ: اَتَدْرُوْنَ اَيَّ كَبِدٍ لِرَسُوْلِ اللهِ فَرَيْتُمْ؟ وَاَيَّ كَرِيْمَةٍ لَهُ اَبْرَزْتُمْ؟ وَاَيَّ دَمٍ لَهُ سَفَكْتُمْ وَاَيَّ حُرْمَةٍ لَهُ انْتَهَكْتُمْ وَلَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا۔

وَلَقَدْ اَتَيْتُمْ بِهَا خَرْقَاءَ شَوْهَاءَ كَطِلَاعِ الْاَرْضِ وَمِلْءِ السَّمَاءِ اَفَعَجِبْتُمْ اَنْ مَطَرَتِ السَّمَاءُ دَمًا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى وَهُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ، فَلَا يَسْتَخِفَّنَّكُمُ الْمُهَلُ فَاِنَّهُ لَا يَحْفِزُهُ الْبِدَارُ وَلَا يُخَافُ فَوْتُ الثَّارِ وَاِنَّ رَبَّكُمْ لَبِالْمِرْصَادِ۔

اے اہلِ کوفہ! تم جانتے ہو کہ تم نے رسول کے کس جگر پر چھری چلائی؟

اس کا کون سا خون بہایا۔ اس کی کون سی ہتکِ حرمت کی، ان کی دختران کو بے پردہ کیا۔ تم نے ایسے

تھیں۔ ایسا پُرجوش خطبہ اور ایسی عبرت انگیز تقریر تھی کہ اہل کوفہ کی روتے روتے ہچکیاں بندھ گئیں، درد و الم میں ڈوبے ہوئے فقرات نے سنگدل اعداء کو بھی رونے پر مجبور کر دیا۔

"فَارْتَفَعَتِ الْاَصْوَاتُ بِالْبُكَاءِ وَالنَّحِيْبِ وَ قَالُوْا حَسْبُكِ يَا بِنْتَ الطَّيِّبِيْنَ فَقَدْ اَحْرَقْتِ قُلُوْبَنَا وَ اَنْضَجْتِ نُحُوْرَنَا وَاَضْرَمْتِ اَجْوَافَنَا" نوحہ و بکا کی آوازیں بلند ہوئیں۔ لوگوں نے کہا اے دختر طاہرین تو نے ہمارے دلوں کو آتش غم سے جلا دیا ہے۔ ہمارے سینوں میں درد کا مواد پکا دیا اور ہمارے اندر حزن و ملال کی آگ بھڑکا دی۔ چنانچہ معصومہ خاموش ہو گئیں۔

اُمِّ کلثوم

بعد ازاں جناب اُمِّ کلثوم نے رقّت آمیز لہجے اور درد انگیز پیرائے میں خطبہ پڑھا اور آخر میں یہ اشعار پڑھے:۔

قَتَلْتُمْ اَخِیْ صَبْرًا فَوَیْلٌ لِاُمِّکُمْ ۔ لَتُجْزَوْنَ نَارًا حَرُّهَا یَتَوَقَّدُ

تم نے میرے بھائی کو بے جرم و خطا قتل کیا۔ ہمیں تو صبر ہے۔ مگر تمہیں اس کی سزا جہنّم کی بھڑکتی آگ میں ملے گی۔

سَفَکْتُمْ دِمَاءً حَرَّمَ اللّٰهُ سَفْکَهَا ۔ وَحَرَّمَهَا الْقُرْاٰنُ ثُمَّ مُحَمَّدٌ

تم نے وہ خون بہائے جن کا بہانا قرآن اور محمّد نے حرام قرار دیا۔

اَلَا فَابْشِرُوْا بِالنَّارِ اِنَّکُمْ غَدًا ۔ لَفِیْ سَقَرٍ حَقًّا یَقِیْنًا تُخَلَّدُوْا

آگاہ رہو تمہیں جہنّم کی آگ کی بشارت ہو، تم یقیناً اس کی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے گرفتارِ عذاب رہو گے۔

وَاِنِّیْ لَاَبْکِیْ فِیْ حَیَاتِیْ عَلٰی اَخِیْ ۔ عَلٰی خَیْرٍ مِنْ بَعْدِ النَّبِیِّ سَیُوْلَدُ

میں اپنے مظلوم بھائی پر زندگی بھر روتی رہوں گی۔ ایسا بھائی کہ بعد از رسول پیدا ہونے والوں سے بہتر ہے۔

بِدَمْعٍ غَزِیْرٍ مُسْتَهِلٍّ مُکَفْکَفٍ ۔ عَلَی الْخَدِّ مِنِّیْ ذَائِبًا لَیْسَ یَجْمُدُ

اشکوں کا سیلاب میرے چہرے پر رواں رہے گا۔ اور آنسوؤں کا چشمہ خشک نہ ہوگا۔

قَالَ الرَّاوِیْ فَضَجَّ النَّاسُ بِالْبُکَاءِ وَالنَّوْحِ وَ نَشَرْنَ النِّسَاءُ شُعُوْرَهُنَّ وَوَضَعْنَ التُّرَابَ عَلٰی رُءُوْسِهِنَّ وَخَمَشْنَ وُجُوْهَهُنَّ وَلَطَمْنَ خُدُوْدَهُنَّ وَ دَعَوْنَ بِالْوَیْلِ وَالثُّبُوْرِ وَ بَکَی الرِّجَالُ وَ نَتَفُوْا لِحَاهُمْ فَلَمْ یُرٰی بَاکِیَةً وَ بَاکٍ اَکْثَرَ مِنْ ذٰلِکَ الْیَوْمِ (لوگوں کے آہ و بکا کی آوازیں بلند ہوئیں۔ عورتوں نے اپنے سروں کے بال کھول دیئے اور

اپنے سروں میں مٹی ڈال کر اپنے رخسار پیٹ کر اپنے چہرے زخمی کر دیئے۔ نالہ و فریاد کی صداؤں سے کوفہ کی فضا بھر گئی۔ مرد شدتِ غم اور فرطِ درد و الم سے اپنی ڈاڑھیاں نوچ رہے تھے۔ رونے والے مردوں اور عورتوں کا اتنا ہجوم تھا کہ پہلے اس سے بڑھ کر شہر کوفہ میں کبھی رونے والے مرد اور عورتیں نہیں دیکھے گئے۔

سید سجاد امام زین العابدین کا خطبہ

اسیر امام جناب سجاد نے پھوپھیوں اور ہمشیر کے خطبوں کے بعد لوگوں کو مخاطب ہو کر فرمایا: "اُسْکُتُوا، فَسَکَتُوا"، خاموش ہو جاؤ، لوگ خاموش ہو گئے، خوفِ طوالت کی وجہ سے عربی عبارت نقل نہیں کر سکتے۔ صرف ترجمہ پر اکتفاء کرتے ہیں۔

" لوگو! جو مجھے پہچانتا ہے سو وہ تو پہچانتا ہے، اور جو نہیں پہچانتا اسے میں اپنا تعارف کرائے دیتا ہوں۔ میں علی بن الحسینؑ ہوں۔ میں حسین بن علی بن ابی طالب کا بیٹا ہوں۔ جو بے جرم و بے خطا نہرِ فرات کے کنارے تشنہ ذبح کیا گیا۔ میں اس حسینؑ کا بیٹا ہوں جس کی ہتکِ حرمت کی گئی۔ جس کا مال و اسباب لوٹا گیا۔ جس کے اہل و عیال کو قید کیا گیا۔ میں اس مظلوم کا پسر ہوں جسے بے دردی اور ظلم و جور سے شہید کیا گیا۔ لوگو! یہ بات ہمارے فخر کے لئے کافی ہے کہ ہم نے حفاظتِ اسلام اور تقویتِ دین کے لئے قربانیاں دی ہیں۔

کوفیو! میں تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ تم نے میرے پدر عالی قدر کو دعوتی خطوط لکھ کر نہیں بلایا تھا؟ کیا تم نے ان کی نصرت کے عہد و پیمان نہیں کئے تھے؟ جب تمہاری دعوت کو قبول کرتے ہوئے وہ تشریف لائے تو تم نے مکر و فریب اور بے وفائی کا مظاہرہ کر کے اُن کی نُصرت و امداد سے دست برداری اختیار کی۔ نصرت نہ کرنا تو درکنار تم نے اُن کے ساتھ قتال کیا۔ ان کا پانی بند کیا۔ ان پر راہیں بند کر دیں۔ تم نے ان کو قتل کیا۔ اُن کے اہل و عیال کو قید کیا۔ تمہارے لئے ہلاکت ہو۔ تم نے بدترین اعمال کا ذخیرہ کیا ہے۔ تمہاری رائے اور تدبیر پر تُف ہے۔ تم کن آنکھوں سے جناب رسول کریمؐ کی طرف دیکھو گے، جب وہ تم سے فرمائیں گے تم نے میری عترت اہل بیت کو قتل کیا۔ میری ہتکِ حرمت کی۔ اس لئے تم میری اُمت میں سے نہیں ہو۔"

راویانِ اخبار بیان کرتے ہیں کہ جب قیدی امام کا کلام یہاں تک پہنچا تو پھر ہر طرف سے رونے اور زور سے چیخنے کی آوازیں بلند ہوئیں۔ اور لوگ ایک دوسرے سے یہ کہنے لگے "تم بے علمی میں ہلاک ہ

برباد ہوگئے"۔

○ اِس کے بعد فرمایا: "خدا اُس بندہ پر رحم کرے جو میری نصیحت قبول کرے اور میری وصیّت کو خدا، رسول اور اہلِ بیتِ رسول کے بارے میں یاد رکھے"۔ کیونکہ ہمارے لئے جناب رسولِ پاک کی ذات میں اعلیٰ نمونہ ہے"۔

سامعین گریہ کرتے ہوئے یک زُبان بول اٹھے کہ" فرزندِ رسول! ہم سب آپ کے فرماں بردار ہیں۔ آپ جو حکم دیں ہم اس کی تعمیل کریں گے۔ ہم آپ کے اور آپ کے دوستوں کے دوست ہیں۔ اور آپ کے دشمنوں کے دشمن ہیں"۔

○ امام نے فرمایا کہ" اب تمہاری یہ خواہش پوری نہیں ہو سکتی تم چاہتے ہو کہ میرے ساتھ بھی وہی سلوک کرو جو تم نے میرے باپ دادا سے کیا تھا"۔

دَارُالاُمَارہ

("دربارِ ابنِ زیاد میں داخلہ")

یہ تمام واقعات اور منقولاتِ آلِ محمد اور سیّد سجّاد کے خُطبے، ابنِ زیاد کے دربار سے باہر کے ہیں۔ ان خطبوں کے اتمام کے بعد اہلِ حرم کو دربارِ عبیداللہ بن زیاد میں لے جایا گیا۔ اس نے دربار اپنے سرکاری محل میں منعقد کیا۔ دربار کو پوری طرح سجایا گیا تھا۔ اور عام لوگوں کو داخل ہونے کا اذنِ عام تھا مگر ہتھیار رکھنے پہ پابندی تھی۔ ملعون کا منحوس دربار لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ سب سے پہلے جناب سیّدالشہداءُ علیہ السّلام کا سَر لایا گیا۔ اِس کے بعد باقی شہداءِ کربلا کے سَر دربار میں پیش کئے گئے۔ اس کے بعد اہلِ حرم داخلِ دربار ہوئے۔

حُسینؑ کا سَر

ابنِ زیاد ظاہری فتح کے نشہ میں مخمور تختِ حکومت پہ بیٹھا ہے۔ دائیں بائیں پہرے دار سپاہی اور غلام کھڑے ہیں۔ فرزندِ رسُول کا سرِاطہر ایک سنہری طشت میں ابنِ زیاد کے سامنے رکھا گیا۔ آج ابنِ زیاد مسرور ہے کہ اس نے جنگِ کربلا فتح کی ہے۔ حسین بن علی کا سَر اس کے سامنے موجود ہے۔ اہلِ حرم رسن بستہ دربار میں پیش ہیں۔ اس ملعون کے ہاتھ میں ایک چھڑی (بید) ہے۔ یہ ملعون ہنس ہنس کر سرِ حسینؑ کے ساتھ استہزاءُ (مذاق) کرتا ہے۔ اپنی چھڑی کو دندانِ حسینؑ پہ مارتا ہے اور کہتا ہے: لَقَدْ اَسْرَعَ الشَّيْبُ اِلَيْكَ.

يَا أَبَا عَبْدَ اللهِ ۔ اے ابا عبد اللہ حسین بڑھاپا بہت جلد تجھ پر آیا ہے۔ کبھی کہتا ہے: "حسین تیرے دانت کیسے خوبصورت ہیں۔ تیرا چہرہ کیسا حسین ہے۔ اگر بیعتِ یزید کر لیتا تو آج تیرا یہ حال نہ ہوتا۔

نفس المہموم میں ہے کہ یہ بدنہاد کبھی ہونٹوں پر چھڑی مارتا، کبھی آنکھوں کے درمیان، کبھی رخساروں پر۔ وہ جو چاہتا کر سکتا تھا۔ آج اس کی خوشی کی انتہا نہ تھی، اقتدار کے نشے میں بدمست تھا، پیغمبر کا گھر برباد تھا۔ اولاد قید تھی، فاخرہ لباس پہنے اس کے ہم نشین کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے، دربار میں قتلِ حسین کا جشن منایا جا رہا تھا۔ زید بن ارقم صحابیٔ رسول ضعیف العمر ہیں، ابن زیاد کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ ابنِ زیاد کی رسولِ پاک کے نورِ عین کے ساتھ بے ادبی و گستاخی ان سے دیکھی نہ گئی، انہوں نے زمانہ رسالت اور حسین کے ساتھ پیغمبرِ خدا کے ساتھ محبت و پیار کے انداز دیکھے ہوئے تھے۔ ابنِ زیاد کی گستاخی اور بار بار چھڑی کا پاک لبوں پر مارنا دیکھ کر بے تاب ہو گئے، جوش میں آ کر کہا: "اِرْفَعْ قَضِيْبَكَ عَنْ هَاتَيْنِ الشَّفَتَيْنِ فَوَاللهِ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ غَيْرُهٗ لَقَدْ رَاَيْتُ شَفَتَيْ رَسُوْلِ اللهِ عَلٰى هَاتَيْنِ الشَّفَتَيْنِ مَا لَا اُحْصِيْهِ يُقَبِّلُهُمَا" ابنِ زیاد! ان ہونٹوں سے اپنی چھڑی ہٹا لے، مجھے اس خدا کی قسم ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، میں نے ان آنکھوں سے دیکھا کہ حسین کے انہی لبوں کے بوسے رسول اللہ کثرت سے لیا کرتے تھے۔ حسین کے یہ لب بوسہ گاہِ رسول ہیں۔ تجھے شرم نہیں آتی کہ انہی لبوں پر بار بار چھڑی مار رہا ہے۔ اس کے بعد اس بوڑھے صحابی نے پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کیا۔ اس ضعیف صحابی کے جرأت مندانہ کلام سے ابنِ زیاد آگ بگولہ ہو گیا، چلا کر کہا: "خدا تیری آنکھوں کو رلائے، تو آج ہمارے جشنِ مسرت پر آنسو بہا رہا ہے۔ اگر بڑھاپے کی وجہ سے تیری عقل زائل نہ ہو گئی ہوتی تو آج میں تیری گردن اڑا دیتا۔"

اس کے بعد زید اس ناپاک دربار سے یہ کہتے ہوئے نکل گئے: "لوگو! آج کے بعد تم غلام ہو گئے ہو، تم نے پسرِ فاطمہ کو قتل کیا۔ اور ابنِ مرجانہ (ابنِ زیاد) کو حاکم بنایا۔ جو تمہارے نیک لوگوں کو قتل کرتا ہے اور بدوں کو غلام بناتا ہے۔ اس کے لئے ہلاکت اور لعنت ہے جو ذلت و رسوائی اور عار پر راضی ہوتا ہے۔

اہلِ حرم اور ابنِ زیاد

سر کے ساتھ بے ادبی کرنے کے بعد اس نے قیدیوں پر نگاہ ڈالی معصوم اور یتیم بچے رسن بستہ پیش تھے، خاندانِ پیغمبر کی مستورات بے وارث قیدیوں کی طرح زبوں حال پابندِ رسن تھیں۔ حسرت سے سروں کو جھکائے کھڑی تھیں۔ قیامت خیز منظر تھا۔

جب ہاشمی شہزادیاں ذلّت و رسوائی کے لباس اپنے عزیزوں مرا کر دشمن کے دربار میں کمینے فاتح کی کچہری میں سر برہنہ پیش کی گئیں، اگر خودکشی حرام نہ ہوتی اور موت انسان کے بس میں ہوتی تو ہاشمی شہزادیاں دربار میں داخل ہونے سے قبل موت قبول کر لیتیں اور ابن زیاد کے دربار میں پیشی قبول نہ کرتیں۔ آج ان کے جد امجد جناب ہاشم کی روح تڑپ رہی تھی، جناب عبدالمطلب قبر میں بے چین تھی۔ حضرت ابوطالب کی روح مجروح ہو رہی تھی، رسول پاک خود سر میں خاک ڈالے فریاد کر رہے تھے، علی رو رہے تھے۔ بتول کے سر کے بال کھل گئے تھے۔ زہرا کو پہلو کی ضرب محسن کی موت بھول گئی تھی۔ اور حسن مجتبیٰ کو اپنے جگر کے ٹکڑے یاد نہ تھے۔ جب ان کی ارواح مقدسہ نے اپنی بیٹیوں کو دست بستہ اور سر عریاں ابن زیاد کے سامنے پیش ہوتے ہوئے دیکھا ہوگا۔ اپنی بیٹیوں کی لاچاری اور ابن زیاد کی شراب خواری، مستورات کی حسرت و بے کسی اور ابن زیاد کی مسرّت و ہنسی دیکھی ہوگی، ان کا کیا حال ہُوا ہوگا۔ میرا خیال ہے کہ شہادت حسین کا صدمہ بھول گئے ہوں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ میدان کربلا میں ہاشمی جوانوں خصوصاً جناب سیّد الشہداء کی موت سے ہاشمی مستورات کا دربار میں آنا مصیبت میں کم نہ تھا۔

مؤرخین بالاتفاق بیان کرتے ہیں کہ دَخَلَتْ زَیْنَبُ ابْنَۃُ فَاطِمَۃَ مُتَنَکِّرَۃً۔ بنت زہرا بالوں سے منہ چھپائے حالت بدلائے تھیں تاکہ پہچانی نہ جائیں۔ جناب زینب معمولی لباس پہنے ہوئے محل کے ایک کونے میں بیٹھ گئیں۔ قال المفید "فَمَضَتْ حَتّٰی جَلَسَتْ نَاحِیَۃً مِنَ الْقَصْرِ" دربار میں آئیں اور ایک کونے میں الگ ہو کر بیٹھ گئیں۔ "وَحَفَّتْ بِھَا اِمَاؤُھَا" کنیزوں نے آس پاس گھیرا ڈال دیا۔ تاکہ نامحرموں کی نگاہوں سے مستور رہیں۔

ابن زیاد کی نظر پڑی، پوچھا: "مَنْ ھٰذِہِ الْمُتَنَکِّرَۃُ" یہ گوشۂ دربار میں منہ چھپا کر بیٹھنے والی کون ہے؟ بی بی نے یہ دل خراش جملے سنے، کوئی جواب نہ دیا۔ نظر زمین کی طرف تھی۔ دوبارہ اس ملعون نے دریافت کیا۔ جناب تو پھر بھی دل پکڑ کے بیٹھی رہیں۔ اس ملعون کے سوال کا کوئی جواب نہ دیا۔ ہاں ایک کنیز نے دکھے ہوئے دل کے ساتھ کہا: ھٰذِہٖ زَیْنَبُ بِنْتُ فَاطِمَۃَ بِنْتِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ یہ دختر رسول جناب فاطمہ کی بیٹی حضرت زینب ہیں۔ وفادار و دانا کنیز نے فاطمہ بنت رسول اللہ کا ذکر اس لئے کیا تھا کہ یہ ملعون اپنے کئے پر نادم و شرمسار ہوگا اور دختران رسول کو بے عزت نہ کرے گا۔ اور لوگ احترام رسول کے پیش نظر نظریں نیچی کر لیں گے۔

مکالمہ ابن زیاد با زینبؑ

لیکن اس ملعون نے جذبۂ بغض و عناد سے سرشار اور شرم و حیا سے بے زار ہو کر کہا: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ فَضَحَکُمْ وَقَتَلَکُمْ وَ

اُکذِبَ اَحَدُوْ تَتکُمْ (معاذاللہ) یہ جملے اس ملعون نے دکھیوں کو مزید دُکھانے اور شماتت کے طور پہ استعمال کئے۔ حمد ہے اس خدا کی جس نے تمہیں رسوا کیا اور قتل کیا، اور تمہارے افسانے اور ڈھونگ کو رُسوا کیا۔ مادی طاقت کے غرور میں وہ بکواس کر سکتا تھا۔ ادھر سادات بے بس تھیں، اس کی قیدی تھیں۔ مگر ہاشمی غیرت اور مُطلبی خون بدنوں میں موجود تھا۔ گو عورت ذات تھی اور کمینوں کا دربار تھا۔ دشمنوں کا گھر تھا۔ بنتِ رسول مسافرہ تھیں مگر دینی جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے شیر دل خاتون نے حاکم کو دندان شکن جواب دیا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَکْرَمَنَا بِنَبِیِّهٖ مُحَمَّدٍ وَ طَهَّرَنَا مِنَ الرِّجْسِ تَطْهِیْرًا۔ اِنَّمَا یَفْتَضِحُ الْفَاسِقُ وَیَکْذِبُ الْفَاجِرُ وَ هُوَ غَیْرُنَا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ

" اللہ پاک کی تعریف ہے جس نے ہمیں اپنے رسولِ کریم جناب محمد مصطفٰے کے ذریعے عزت و بزرگی بخشی اور ہمیں ہر قسم کے گناہوں اور نجاستوں سے پاک و پاکیزہ بنایا اور رسوا تو فاسق ہی ہوتا ہے۔ اور بدکار ہی جھوٹ بولتا ہے اور وہ ہمارا غیر ہے

فقال پھر ابنِ زیاد بولا: کَیْفَ رَاَیْتَ فِعْلَ اللّٰهِ بِاَهْلِ بَیْتِكَ ؟ تم نے اپنے خاندان کے ساتھ خدا کا سلوک کیسا پایا؟

قالت عَلَیْهَا السَّلَام جناب زینب نے جواب دیا: " مَارَاَیْتُ اِلَّا جَمِیْلًا هٰؤُلَآءِ قَوْمٌ کَتَبَ اللّٰهُ عَلَیْهِمُ الْقَتْلَ فَبَرَزُوْا اِلٰی مَضَاجِعِهِمْ وَ سَیَجْمَعُ اللّٰهُ بَیْنَكَ وَبَیْنَهُمْ فَتُحَاجُّ وَتُخَاصَمُ فَانْظُرْ وَالِمَنِ الْفَلْجُ یَوْمَئِذٍ ثَکَلَتْكَ اُمُّكَ یَا ابْنَ مَرْجَانَةَ "۔

میں نے تو خدا کا سلوک بہترین پایا ہے۔ یہ وہ (بہادر اور غیور) لوگ تھے جن کے نصیب میں کاتبِ تقدیر نے شہادت تحریر کر دی تھی۔ پس یہ مجاہد جذبۂ شہادت سے سرشار اپنی قتل گاہوں کی طرف بڑھے، خدا تجھ کو اور اُن کو روزِ قیامت اکٹھا کرے گا۔ پس تیرا مقدمہ بارگاہِ احکم الحاکمین میں پیش ہوگا، اِن شہداء کا دعویٰ تیرے خلاف عادلِ حقیقی کی عدالت میں دائر ہوگا۔ پس تو دیکھ کسے کامیابی حاصل ہوگی اے مرجانہ کے بیٹے، تیری ماں تیرے ماتم میں بیٹھے'

ابن زیاد ملعون نے دربارِ عام میں اپنی جس کامیابی کا اظہار کیا تھا، اور باتوں میں اہل بیتِ رسول کو جھٹلانے کی جو کوشش کی تھی، وہ ناکام ہوگئی، عالمِ غیر مُعلّمہ دخترِ حیدرِ کرار نے باتوں میں اسے لاجواب کر دیا۔ اور جو شخص مکالمہ میں شکست کھا جائے اسے غصہ آتا ہے۔ یہ اس وقت امیرِ کوفہ تھا۔ اسے اپنی مادی طاقت پر گھمنڈ تھا۔ ظاہری فتح کے خمار میں مخمور اور سطوت و جبروت کے غرور میں چور تھا۔ بھرے دربار میں اس کے فعلِ قبیح اور کفر و نفاق کا پردہ چاک ہو چکا تھا۔ غصے میں دیوانہ ہو کر بی بی پاک کے قتل

پر آمادہ ہوا۔ لیکن عمرو بن حریث کے سمجھانے پر باز رہا۔ پھر متوجہ ہو کر بولا: قَدْ شَفَى اللّٰهُ نَفْسِي مِنْ طَاغِيَتِكِ وَالْعُصَاةِ مِنْ اَهْلِ بَيْتِكِ " خدا نے میرے دل کو تیرے سرکش بھائی اور تیرے خاندان کے دوسرے نافرمان لوگوں سے شفا بخشی"۔ جب اس نے اہلِ بیتِ رسول اور فرزند بتول کو باغی و نافرمان کہا تو بی بی پاک کے دل پر چوٹ لگی۔ معصومہ نے آب دیدہ ہو کر کہا: لَعَمْرِي لَقَدْ قَتَلْتَ كَهْلِي وَ اَبَرْزْتَ اَهْلِي وَ قَطَعْتَ فَرْعِي وَ اجْتَثَثْتَ اَهْلِي فَاِنْ يَشْفِكَ هٰذَا فَقَدِ اشْتَفَيْتَ "مجھے اپنی زندگی کی قسم! تو نے میرے بڑوں کو قتل کیا۔ میرے خاندان کو برباد کیا۔ میرے شجر کی شاخیں تو نے کاٹ دیں۔ اور اس کی جڑوں کو تو نے اکھاڑ دیا۔ (کمینہ) میرا خاندان تباہ ہوا۔ اور تجھے شفا ہوئی؟ اگر خاندانِ رسالت کی بربادی سے تیرا دل شفا پاتا ہے تو شفا پاتا رہے۔

کھسیانا ہو کر مردود نے کہا کہ یہ قافیہ سے عبارت آرائی کرتی ہے۔ اس کا باپ بھی مقفیٰ و مسجع کلام کرتا تھا۔ بی بی پاک نے فرمایا" مجھے قافیہ اور سجع کی کیا ضرورت ہے۔ یہ تو ضمیر کی آواز تھی۔ اور مناسبِ حال کلام تھا۔ جس کے اظہار کا موقع خود تو نے فراہم کیا۔

سید سجاد کے ساتھ مکالمہ

قیدی قافلے میں مستورات اور یتیم بچے تھے۔ صرف ایک امام زین العابدین جواں سال مرد تھے۔ جو کہ بیماری کی وجہ سے مضمحل اور کمزور تھے۔

تمام شہدائے کربلا کے عموماً اور شہیدانِ بنی ہاشم کے خصوصاً ماتمدار تھے۔ اٹھارہ جوانانِ بنی ہاشم کی موت کے داغ قلب و جگر پر لئے ہوئے تھے، پھوپھیوں، بہنوں، ماؤں کی قید اور ہتکِ حرمت کے زخم علیحدہ تھے۔ اور دشمنِ دین اور معاندِ خاندانِ رسالت کے دربار میں مفتوح کا پسر اور قیدی ہو کر پیش ہونے کا صدمہ مزید تھا۔ پابندِ زنجیر و رسن ہونے کے علاوہ مصائب و آلام اور دکھوں کے اژدہام میں مبتلا تھے۔ رسن بستہ دربار میں پیش تھے۔ ابنِ زیاد نے سوئے امام متوجہ ہو کر کہا: "مَنْ اَنْتَ؟ قیدی امام نے جواب دیا:" اَنَا عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ "۔ " میں علی پسرِ حسین ہوں"۔ شاید ابنِ زیاد کو شہدائے کربلا کی فہرست پہنچ چکی تھی۔ اور اُسے علم تھا کہ ایک علی پسرِ حسین کربلا میں مارے گئے ہیں۔ حیران ہو کر پوچھا: اَوَلَيْسَ قَدْ قَتَلَ اللّٰهُ عَلِيَّ بْنَ الْحُسَيْنِ؟ کیا خدا نے علی بن الحسین کو کربلا میں قتل نہیں کیا؟ بیمار امام نے جواب دیا: قَدْ كَانَ لِي اَخٌ يُسَمّٰى عَلِيًّا قَتَلَهُ النَّاسُ: ہاں میرا ایک بھائی تھا جس کا نام بھی علی تھا۔

ابن زیاد: بَلِ اللّٰهُ قَتَلَهُ " بلکہ خدا نے اسے قتل کیا۔

سید سجاد: اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَ مَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا

بِاِذْنِ اللّٰہِ "۔ اللہ ہی نفسوں کو ان کی موت کے وقت مارتا ہے۔ اور کوئی نفس بغیر اذنِ خدا کے نہیں مرتا۔

ابن زیاد کو جناب سجّاد کا جواب گراں گزرا۔ اس بنا پر کہ اس کی باتوں کا معقول اور مسکت جواب تھا۔ یا اس نے قیدی امام کے جواب کو اقتدار و حکومت کے کسرِ شان سمجھا۔ اور اپنے گمانِ باطل میں اسے گستاخی پر محمول کیا کینہ باتیں چھیڑتا تھا اور جب لاجواب ہو جاتا تو غصّے سے آگ بگولہ ہو کر قتل پر آمادہ ہو جاتا۔ جھلّا کر کہنے لگا: " اَلَكَ جُرْأَةٌ عَلٰى جَوَابِي " کیا تو میرے جواب دینے کی جرأت کرتا ہے؟ ساتھ ہی جلّاد کو حکم دیا کہ بیمار قیدی کی گردن اڑا دو"۔ ابن زیاد کا حکم سنتے ہی جناب زینب نے اپنے بیمار بھتیجے کو گلے لگا لیا۔ امّ المصائب شریکۃ الحسین فرطِ محبّت سے بیمار امام سے لپٹ گئی اور کہا: " حَسْبُكَ يَا ابْنَ زِيَادٍ مِنْ دِمَائِنَا مَا سَفَكْتَ وَهَلْ اَبْقَيْتَ اَحَدًا غَيْرَ هٰذَا فَاِنْ اَرَدْتَ قَتْلَهٗ فَاقْتُلْنِيْ مَعَهٗ۔" اے ابنِ زیاد جو ہمارے خون تو بہا چکا ہے وہ کافی نہیں کیا۔ اس بیمار مرد کے سوا تو نے ہمارا کوئی مرد باقی چھوڑا ہے؟ خدا کی قسم! اب میں قیدیوں کے اس وارث اور بیمار بھتیجے سے ہرگز جُدا نہ ہوں گی۔ اور اگر تو اسے بھی قتل کرنا چاہتا ہے تو مجھے بھی اس کے ساتھ قتل کر دے۔

جناب سجّاد کا خون بدن میں گردش کرنے لگا۔ موت سے کھیلنے والے ہاشمیوں کی یادگار نے جذبۂ غیرت و دلاوری سے سرشار ہو کر فرمایا: " پھوپھی امّاں! آپ ذرا خاموش ہو جائیں۔ اور مجھے اس سے بات کرنے دیں۔ پھر ابنِ زیاد کی طرف متوجّہ ہو کر فرمایا۔ جو آپ کا نہایت جرأت مندانہ کلام ہے:

" اَبِالْقَتْلِ تُهَدِّدُنِيْ يَا ابْنَ زِيَادٍ! اَمَا عَلِمْتَ اَنَّ الْقَتْلَ لَنَا عَادَةٌ وَكَرَامَتُنَا الشَّهَادَةُ۔" " اے ابنِ زیاد! تو مجھے قتل کی دھمکی دیتا ہے؟ تو نہیں جانتا کہ حق پر کٹ مرنا ہماری عادت ہے۔ اور راہِ خدا میں موت قبول کرنا ہماری عزّت و کرامت ہے"۔

اتنا عرصہ پھوپھی بھتیجے سے لپٹی رہی اور ابنِ زیاد قرابت داری اور جان نثاری کا نظارہ دیکھتا رہا۔ پھر کہا۔ تعجّب ہے محبّتِ قرابت داری اور الفتِ رشتہ داری پر۔ خدا کی قسم! واقعی پھوپھی بھتیجے کے ساتھ قتل ہونا چاہتی ہے۔ پھر کہا، اسے چھوڑ دو، اس کے لئے یہ بیماری ہی کافی ہے۔ کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ اسی بیماری اور اس روگ سے جانبر نہ ہو سکے گا۔

مقتل الحسین مقرّم اور نفس المہموم میں مذکور ہے کہ جناب رباب نے سرِ امام اٹھایا (شاید طلب کرنے پر مل گیا تھا) اور گود میں لے لیا۔ آنکھوں سے لگایا، دردناک بین کئے۔

وَاحُسَیْنَاہ فَلَا نَسِیْتُ حُسَیْنًا — اَقْصَدَتْہُ اَسِنَّۃُ الْاَعْدَاءِ

ہائے حسین! میں کبھی حسین کو فراموش نہ کروں گی، جن کو دشمنوں کے نیزوں نے نشانہ بنایا۔

غَادَرُوْہُ بِکَرْبَلَاءِ صَرِیْعًا — لَا سَقَی اللّٰہُ جَانِبَیْ کَرْبَلَاءِ

خون میں تڑپایا۔ خدا کبھی جانبِ کربلا کو سیراب نہ کرے۔

مستوراتِ بے حجاب اور ہاشمی مخدرات کے خطاب اور سیّد سجاد کے خطبۂ لاجواب سے لوگوں کے تیور بدل گئے تھے۔ نوکِ نیزہ پر سروں کی سواری اور پشتِ شتران پر قیدیوں کی آہ و زاری نے کوفہ کی فضا میں ماتم و غم کی لہر دوڑا دی۔ خصوصاً بازار اور دربار میں قیدی شہزادیوں اور قیدی امام کے کلام نے لوگوں کے دلوں میں غم و غصّہ کی آگ جلا دی تھی۔ خود ابنِ زیاد کے مصاحب اسے ملامت کرنے لگے۔ اور اس مردود کی ماں جس کا نام مرجانا ہے، سرِ دربار اپنے بیٹے کو لعنت و ملامت کرنے لگی۔ گو اس کے اپنے تصور سے اس کی غلط ولادت ہوئی۔ مگر چونکہ امامِ مظلوم "قتیلَ العَبَرَات" تھے۔ دوست و دشمن سب رونے پر مجبور ہو گئے۔

زندانِ کوفہ

ابنِ زیاد نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ اِن قیدیوں کو جامع مسجد کے پاس قید خانے میں بند کر دو۔ جب یہ قیدی دربار سے جانبِ زندان روانہ ہوئے تو ابنِ زیاد کے دربان کا کہنا ہے ایک مرتبہ پھر کوفہ کے زن و مَرد اِکٹھے ہو کر رونے لگے، اور مُنہ و سَر پیٹنے لگے۔

جناب زینب نے دربار سے جاتے وقت اہلِ کوفہ سے یہ فرمائش کی کہ اشرافِ کوفہ کی عورتوں کو ہمارے پاس نہ آنے دینا۔ اور سوائے کنیزوں کے کوئی آزاد عورت ہمیں دیکھنے کے لئے نہ آئے۔

قیدی امام اپنے دادا کے دارالحکومت اور جناب زینب و اُمّ کلثوم بابا کے حکومتی شہر کوفہ کی شہزادیاں کہلاتی تھیں۔ انقلابِ زمانہ ہے اور فلکِ کج رفتار کا ستم ہے کہ جو کسی زمانے میں امیرالمؤمنین کی شہزادیاں کہلاتی تھیں اور جامع مسجد کے پہلو میں اشرافِ کوفہ کی عورتیں درسِ قرآن لیا کرتی تھیں، اسی امیرالمومنین کی بیٹیاں اسی شہر کوفہ میں آج اسیرِ اُمّت ہیں۔ اسی مسجد کے پہلو میں جہاں امیرالمومنین خطبہ پڑھا کرتے تھے، شہزادیاں ایک زندان میں قید ہیں۔

اس کے بعد ابنِ زیاد نے حکم دیا کہ حسین کا سر نیزہ پہ سوار کر کے تمام گلی، کوچوں اور بازاروں میں پھرایا جائے۔ چنانچہ جوانانِ جنّت کے سردار کا سر کوفہ کے گلی کوچوں میں پھرایا جانے لگا۔ زید بن ارقم کا بیان ہے کہ میں اپنے مکان کے بالاخانے پہ بیٹھا تھا۔ جب سرِ مبارک میرے بالاخانے کے قریب پہنچا تو میں نے اس نرالے شہید کے سر کو نوکِ نیزہ پہ تلاوتِ قرآن کرتے دیکھا۔ اس وقت نورِ عینِ رسول اور لختِ دلِ بتول نیزہ کے منبر پہ قاریٔ بے عدیل خطیبِ بے مثیل یہ آیت تلاوت کر رہا تھا: اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْکَہْفِ وَالرَّقِیْمِ کَانُوْا مِنْ اٰیٰتِنَا عَجَبًا ۔ میں نے پکار کر کہا کہ رَأْسُکَ یَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰہِ اَعْجَبُ وَ اَعْجَبُ۔ "فرزندِ رسول تیرے سر کی شان ان سے زیادہ عجیب ہے۔"

اس کے بعد "دارالامارہ" عبیداللہ بن زیاد کے سرکاری محل کے دروازے پہ لٹکایا گیا۔ جہاں بنی ہاشم کے شہیدِ اوّل حضرت مسلم بن عقیل کا سر آویزاں کیا گیا تھا۔

عبداللہ بن عفیف کی شہادت

ابنِ زیاد نے قیدیوں کو زندان بھیجنے کے بعد "اَلصَّلٰوۃُ جَامِعَۃٌ" نماز باجماعت کے لئے تمام لوگوں کو مسجد میں حاضر ہونے کے لئے منادی کرائی۔ چونکہ حکومتِ بدکار کا رنگ اڑ چکا تھا اور ابنِ زیاد کے مظالم آشکار ہو چکے تھے، خانوادۂ رسول کی بربادی دخترانِ علی و بتول کی ہتکِ حرمت اور قیدِ ذلّت لوگ آنکھوں سے دیکھ چکے تھے اور رائے عامہ حاکمِ وقت کے خلاف ہو چکی تھی۔ اور لوگوں کے دل امیرِ بدنہاد سے متنفر ہو چکے تھے۔ اس لئے اس نے لوگوں کو ہم خیال بنانے اور خطباتِ آلِ محمد کا اثر مٹانے کے لئے لوگوں کو جامع مسجد میں اکٹھا کیا۔ اور خود منبر پر جا کر درج ذیل خطبہ پڑھا۔ یہ خطبہ اس کی بے دینی۔ شقاوتِ قلبی اور بغض و عنادِ خاندانِ رسالت کا مظہر ہے۔ "نقلِ کفر کفر نباشد" کی بنا پر اس کی بے ہودہ گوئی و بکواس کو مجبوراً نقل کرنا پڑتا ہے۔

"اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَظْہَرَ الْحَقَّ وَ اَہْلَہٗ وَ نَصَرَ اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ یَزِیْدَ وَ حِزْبَہٗ وَ قَتَلَ الْکَذَّابَ الْحُسَیْنَ بْنَ عَلِیٍّ وَ شِیْعَتَہٗ۔" اس اللہ کی تعریف ہے جس نے حق اور حق والوں کو غالب کیا اور امیر یزید اور اس کے گروہ کی مدد کی۔ اور حسین بن علی اور اس کے شیعوں کو قتل کیا۔"

قبیلۂ ازد کا ایک پاکباز مومن اور حبِّ علی سے سرشار مجاہد عبداللہ بن عفیف سن رسیدہ بزرگ ہے۔ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کا مخلص اور مجاہد صحابی ہے۔ جنگِ جمل اور صفین میں اسے ہمراہی

اُقْسِمُ لَوْ یُفْسَحُ لِیْ عَنْ بَصَرِیْ   ضَاقَ عَلَیْکُمْ مَوْرِدِیْ وَمَصْدَرِیْ

قسم کھا کر کہتا ہوں اگر میری بینائی باقی ہوتی تو تمہارے آنے اور جانے کی راہ تنگ ہو جاتی۔ بالآخر گھیرا تنگ ہوتا گیا اور نابینا بوڑھا مجاہد ظالموں کی گرفت میں آگیا بلکہ یوں کہوں کہ جرأت و ایمان کا یہ درخشندہ ستارہ ظلم کی گھٹاؤں میں پوشیدہ ہو گیا۔

حملہ آور اسے گرفتار کر کے دربار میں ابنِ زیاد کے رُو برو لے گئے۔ ابنِ زیاد نے کہا: "خدا کا شکر ہے جس نے تجھے رسوا کیا"۔ جناب عبداللہ نے کہا: "مجھے خدا نے کس طرح رسوا کیا"۔ اور سابق شعر دہرایا۔ ابنِ زیاد نے کہا: "او دشمنِ خدا! تیرا عثمان کے بارے میں کیا عقیدہ ہے؟" عبداللہ نے کہا: "تجھے عثمان کے بارے میں پوچھنے کا کیا حق ہے؟" تیرا عثمان سے کیا تعلق؟ وہ اچھا تھا یا بُرا اس کا حساب خدا کے پاس ہے۔ وہ عدل و حق کے ساتھ فیصلہ کرے گا۔ تو اپنے، اپنے باپ، یزید اور اس کے باپ کے بارے میں سوال کر"۔ ابنِ زیاد نے کہا، اب مزید کوئی سوال نہیں ہوگا۔ اب تمہیں موت کا تلخ ذائقہ چکھایا جائے گا۔ یہ سُن کر جناب عبداللہ نے کہا: "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ" میں اپنے پروردگار سے تمہاری پیدائش سے پہلے یہ دُعا کرتا تھا کہ مجھے بدترین مخلوق کے ہاتھوں شہادت نصیب ہو۔ لیکن جب میری دونوں آنکھیں جاتی رہیں تو میں اس حصولِ سعادت اور مرتبۂ شہادت سے مایوس ہو چکا تھا لیکن اب خدا کی حمد و ثنا اور اس کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھے میری قدیمانہ دُعا کو مستجاب فرماتے ہوئے درجۂ شہادت عطا فرمایا اور شہادت کے لہو سے سرخرو کیا ہے"۔

اس کے بعد اس بد نہاد کے حکم سے یہ نابینا صحابی شہید کر دیئے گئے۔ اور ایک مقام سبخہ پہ ان کی لاش کو سُولی پہ لٹکایا گیا۔

حضرات! جناب عبداللہ بن عفیف نرالے شہید ہیں۔ شہادت کے طلبگار کو مایوسی کے بعد شہادت نصیب ہوئی اور بدترین اُمت مبغوض و ملعونِ خُدا نجس العین ابنِ زیاد بدنہاد کے ہاتھوں ان کی شہادت کا قصّہ عجیب و نرالا ہے۔ مگر ان کا جہاد بھی عظیم و عجیب ہے۔ صرف ایک جہاد نہیں بلکہ دو جہاد ہیں۔ "جہاد بالسّیف اور جہاد باللّسان" تلوار کے ساتھ اور زبانِ حق بیان کے ساتھ"۔ کَلِمَۃُ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَابِرٍ" اَفْضَلُ الْجِہَادِ "۔ جابر حکمران کے سامنے حق بات کہنا افضل جہاد ہے"۔ جو اس حق گو کو حاصل ہوا۔

ابنِ زیاد کے بھرے دربار میں ہزاروں لوگ اس کی بیہودہ گوئی اور آلِ رسول پر سب و شتم

سنتے رہے مگر سوائے عبداللہ بن عفیف کے کسی نے حق گوئی اور ایمانی جرأت کا مظاہرہ نہ کیا۔

اے عفیف کے فرزند عفیف تو نے اعلاء کلمۃ الحق کا افضل جہاد کیا۔ تو نے آلِ اطہار اور ذریتِ اخیار کی نصرت کی حق ادا کر دیا۔ تو نے جان دے کر ابن زیاد کے مکر و فریب اور کفر باطنی کا پردہ چاک کر دیا۔ مظلوم حسین کی صدا ھَلْ مِنْ نَاصِرٍ پر تو نے کوفہ کے دربار میں لبیک کہی۔ جناب مسلم، ہانی، قیس بن مسہر صیداوی اور عبداللہ بن یقطر کی روحیں تیرے استقبال کو آگے بڑھیں، خدا تم پر رحمت و برکات کی بارش کرے۔

تدفین شہداء

گیارھویں محرّم کو اہلِ حرم پابندِ سلاسل ہو کر کوفہ چلے گئے۔ عمر بن سعد اپنے مقتولین کو دفن کر کے قیدیوں کو لے کر کوفہ روانہ ہوا۔ اور جوانانِ بنی ہاشم اور انصار کرام کے لاشے بے گور و کفن میدانِ کربلا میں بغیر سروں کے بے وارث پڑے رہے۔ بہن بھائی کو، زوجہ اپنے وارث، اولاد اپنے باپ، اور مائیں اپنی اولاد کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتی گئیں۔ تقدیر نے میدانِ کربلا میں لاشوں اور اُن کے وارثوں کے درمیان جدائی پیدا کر دی۔

اگر کوئی مسافر آدمی کسی شہر میں انتقال کر جائے تو اس شہر کے مسلمان جمع ہو کر عزت و احترامِ انسانیت کے پیشِ نظر مذہبی رسوم ادا کر کے اسے دفن کر دیتے ہیں۔ لیکن امت رسول نے اپنے رسول کے خاندان کے مقتولوں کو گرم ریت پر یوں ہی چھوڑ دیا۔ بدنوں میں تیروں کی نوکیں پیوست تھیں، خون کا غسل تھا اور خاکِ کربلا اُڑ کر بدنوں پر کفن بنی ہوئی تھی۔ آسمانِ شہادت کے یہ تارے زمینِ کربلا پر چمک رہے تھے۔ اور خوشبوئے ابدانِ شہداء سے صحرا چمک رہا تھا۔

بنی اسد میدانِ کربلا کے آس پاس چھوٹی چھوٹی بستیاں تھیں۔ جہاں بنی اسد قوم کے لوگ کاشتکاری کرتے تھے۔ لڑائی کے حالات سنتے رہے مگر ابن زیاد کے لشکرِ جرّار سے سہم کر گھروں میں گھسے رہے۔ بنی اُمیہ کے مظالم سے ڈرے ہوئے تھے۔ گیارھویں محرّم کو جب "شقی الدارین" ابنِ سعد بعد از ظہر کوفہ چلا گیا تو بارھویں محرّم کو بنی اسد کی عورتیں میدان کربلا معرکۂ قتال میں آئیں شہدا کی لاشوں کی زیارت کے لئے یا نہر فرات پر کپڑے دھونے آئیں یا میدان قتال کا نقشہ دیکھنے۔ اثراتِ جنگ، خیمہ گاہوں کی بربادی یا جلائے جلانے کے مابعد اثرات یا مقتولین کا نظارہ یا جنگ کے اثرات وغیرہ دیکھنے کے لئے آئیں۔ تو دیکھا زمین کربلا پر ریت کے بستر پہ ہاشمی مجاہدین اور انصارِ حسین دُنیا سے تعلق توڑ کر اور آخرت سے رشتہ جوڑ کر ابدی نیند سو رہے ہیں۔ تیسرا دن تھا شہیدوں کے

بدن گو خاک و خون میں آلودہ تھے مگر گلشنِ توحید کے ان پھولوں سے خوشبو اتنی تیز تھی کہ مشک و عنبر شرما رہے تھے۔ ان گل بدنوں کی باس سے جنگل مہک رہا تھا۔ اور آسمانِ شہادت کے اِن ستاروں کی کرنیں پھوٹ رہی تھیں۔ کہنے لگیں کہ یہی خانوادۂ رسول کے شہداء ہیں، اور یہی حسین کی جماعت ہے۔ اِن عورتوں نے جب اِن اجسام کو بے گور و کفن دیکھا تو پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں عورت ویسے ہی نرم دل ہوتی ہے پھر میدان میں بے وارث بدن اور بکھری ہوئی لاشیں، دل بھر آئے۔ یارائے ضبط نہ رہا آنسو اُبل پڑے۔ جب اشکوں کی روانی تھمی، دل کا بوجھ کچھ ہلکا ہوا، کہنے لگیں، کہ آؤ واپس جا کر اپنے مردوں سے اِن لاشوں کے دفن کے لئے کہیں۔ وہ واپس آئیں اور اپنے مردوں سے تند و تیز لہجے میں کہا، کہ رسول کی اولاد تمہارے قرب و جوار میں بے دردی سے قتل ہوتی رہی، جس نبی کا تم کلمہ پڑھتے ہو، اسی کا نواسہ، اسی کی لختِ جگر کا نورِ عین تمہاری زمینوں میں آیا، لیکن تم سے کچھ امداد نہ ہو سکی، رسول کی بیٹیاں تمہارے سامنے لٹتی رہیں تم گھروں میں بیٹھے رہے۔ گلشنِ زہرا بادِ خزاں کی لپیٹ میں آیا اور تم دیکھتے رہے۔ وہ قافلہ مدینے سے چل کر تمہارے پاس آیا تھا، تم نے نہ حقِ مہمانی ادا کیا اور نہ حقوقِ مسافرین کی پاسداری کی۔ اور نہ مظلوموں کی کچھ مدد کی۔

اولادِ علی و بتول کٹتی رہی، متاعِ رسول لٹتی رہی، لیکن تمہیں غیرت نہ آئی۔ اگر زندگی میں مدد نہیں کر سکے تو مرنے کے بعد وہ مدد کے محتاج ہیں۔ ان کی لاشیں بے گور و کفن پڑی ہیں۔ اٹھو اور شہداء خاندانِ رسالت اور انصار و اصحابِ حسین کی لاشوں کو دفن کرو۔ یاد رکھو اگر یہ کام بھی تم سے نہ ہو سکا تو یہ داغ ہمیشہ کے لئے تمہاری پیشانی پر رہے گا اور آئندہ آنے والی نسلیں تمہیں بُرائی سے یاد کریں گی اور عربوں کی غیرت و حمیت پر ضربِ کاری لگے گی۔ اور اگر تم اس کام کو سرانجام نہیں دے سکتے تو ہم جا کر یہ مقدس فریضہ انجام دیں گی۔

عورتوں کے طعنے سن کر مردوں کو جوش آیا۔ غفلت کے پردے آنکھوں سے ہٹے۔ غیرت کے جذبات بھی کسی قدر اُبھرے۔ ضمیر نے بھی ملامت کی۔ ان کے احساس نے انگڑائی لی، بیلچے سنبھالے۔ چٹائیاں اکٹھی کیں، اور دفن کا پختہ ارادہ کر کے میدانِ کربلا میں آئے۔

امام سجّاد کی آمد

جب لاشوں کے درمیان آئے۔ ان کی عورتیں بھی ساتھ تھیں، ان عورتوں کے بال کھلے ہوئے تھے اور تمام عورتیں نوحہ و بین اور گریہ و ماتم کرتی ہوئیں سوگوار بن کر مردوں کے ساتھ شہداء کی لاشوں

پر آئیں۔ غالباً زمینی باشندوں میں تعزیت کی رسوم اور غم خواری کے فرائض ادا کرنے کے لئے پہلا گروہ بنی اسد کا بارہ محرم کو کربلا میں آیا۔ اور جناب سیدۃ النساء کو ان کی اولاد کے بے پناہ قتل ہونے کا پُرسا دیا۔

جب بنی اسد لاشوں کے درمیان آئے تو لاشیں چونکہ سروں سے محروم تھیں، شناخت کرنے سے قاصر تھے۔ حیران و پریشان کھڑے تھے کہ کس طرح دفن کریں۔ اپنے اہل و عشیرہ سے دریافت کرتے تھے لیکن پہچان نہ سکے۔ یہ سوچ رہے کہ ہر ایک کی الگ الگ قبریں کھودیں یا بعض لاشیں یکجا دفن کر دیں۔ اسی حیرت و پریشانی میں تھے کہ کوفہ کی جانب سے غبار بلند ہوا۔ دیکھا کہ ایک گھوڑا سوار لاشوں کی جانب آرہا ہے۔ پہلے تو یہ لوگ گھبرائے۔ جب ان کی گھبراہٹ اس سوار نے دیکھی تو پکار کے فرمایا گھبراؤ نہیں۔ میں تدفین شہداء کے بارے میں تمہاری مدد کے لئے آیا ہوں۔ میں علی بن الحسین زین العابدین ہوں۔ اور اپنے بابا کی لاش دفن کرنے کے لئے آیا ہوں۔

اب چونکہ شہیدوں کا وارث بھی آگیا تھا خوف و خطر بھی نہ تھا۔ اب بنی اسد کے زن و مردوں نے دل کھول کر سید سجاد کو بابا، بھائیوں، عزیزوں اور انصار کی موت کا پُرسا دیا۔ گریہ پہلے بھی تھا، مگر وارثِ ماتم اور مالکِ صفِ عزا کے آجانے سے سخت ماتم ہوا۔ گریہ و ماتم کی آوازوں سے دشتِ کربلا بھر گیا۔ عورتوں نے بال کھول دیئے۔ مُنہ پر طمانچے مارے اور پہلا پُرسا اور پہلی مکان کا شرف بنی اسد کی عورتوں کو حاصل ہوا۔

شہداء کربلا علیہم السلام کی لاشیں یکجا تھیں۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب سیدالشہداء علیہ السّلام نے خیمہ گاہ کے ایک حصّہ میں ایک علیحدہ خیمہ نصب کیا تھا۔ جس میں بنی ہاشم اور انصار کی لاشیں میدان سے اٹھا کر لائی جاتیں۔ اور اس خیمہ میں رکھی جاتیں۔ جب کسی شہید کی لاش آتی تو جناب امام فرماتے: قَتْلَةٌ مِثْلُ قَتْلَةِ النَّبِيِّيْنَ وَآلِ النَّبِيِّيْنَ۔ یہ قتل انبیاء و اولاد انبیاء کے قتل کی مانند ہے۔ سوائے ان کے لاشوں کے جو خیام میں کسی وجہ سے نہ آسکیں، جیسے حضرت عباس کی لاش یا علی اصغر یا عون و محمد کی لاشیں۔ باقی تمام لاشیں یکجا "گنج شہداء" مخصوص خیمہ میں محفوظ تھیں۔

عصرِ عاشور کے بعد شہداء کربلا کی لاشوں سے بیدردی سے جب سر کاٹ لئے گئے تو اشقیاء بے دین نے خیمے کی طنابیں کاٹ کر خیمہ اکھاڑ لیا تھا۔ اور ہر ایک لاش کا دوسری لاشوں سے جُدا کر کے سر کاٹ لیا جاتا اور لاش وہیں چھوڑ دی جاتی۔ اس طرح خیمہ ختم ہو گیا اور لاشیں بکھر گئی تھیں۔

امام حسین علیہ السّلام کی لاش، ان لاشوں سے جُدا تھی۔ کیونکہ ان کی لاشِ مطہر کو خیموں میں لے آنے والا کوئی نہ تھا۔ اور نہ خیمے میں لانے کی کسی کو فرصت ملی۔ تاہم لاشِ حسین علیہ السّلام اور باقی تمام شہداء کی لاشوں میں کوئی زیادہ فاصلہ نہ تھا۔

بنی اسد کا ایک کاشتکار بیان کرتا ہے کہ عمر بن سعد کے روانہ ہونے کے بعد جب میدان کربلا خالی ہوگیا تو وہ معرکۂ قتال میں آیا۔ دیکھا کہ ابدانِ شہداء سے نور کی شعاعیں پھوٹ کر آسمان کی طرف بلند ہو رہی ہیں۔ اور خوشبو سے میدانِ کربلا معطر ہے۔ پھر وہ بیان کرتا ہے کہ میں نے ایک شیر کو دیکھا جو کہ شیرانِ بیشۂ شجاعت اور دلیرانِ عرصۂ شہادت کی لاشوں میں گھومتا رہا، بعد ازاں جناب سید الشہداء کی لاش پہ آیا۔ گھومتا۔ وہ اپنا سر اور منہ خون میں آلودہ کرتا اور اپنی زبان میں نوحہ و نالہ کرتا۔ میں حیران رہ گیا اور عجیب کر اس کا لاشوں کے ساتھ سلوک دیکھتا رہا۔ شیر کی عادت ہوتی ہے لاشوں کو نقصان پہنچانا۔ مگر میں نے دیکھا کہ عقیدت سے ہر ایک لاش سے محبت کرتا۔ زیارت کرتا اور اسی طرح ہمہمہ کرتا جس طرح کوئی ماں اپنے جواں پسر پہ نالہ کرتی ہے۔ بنی اسد کے اس مرد کی روایت ہے کہ نصف رات کے وقت میں نے لاشوں پہ نور کی قندیلیں روشن دیکھیں۔ جن سے میدان بھرا ہوا تھا۔ اور رونے پیٹنے نوحہ و فریاد کی آوازیں سنیں۔

جناب امام زین العابدین باعجازِ امامت کوفہ سے کربلا میں آئے اور لاشوں کی تدفین میں بنی اسد کی رہنمائی کی۔ ان کو شہداء کی لاشوں کے نام بتائے اور ان کو شہداء بنی ہاشم اور انصار کی لاشوں کی پہچان کرائی۔ اس کے بعد آپ جناب سید الشہداء اپنے مظلوم و مسلوب بابا کی لاش پہ آئے، لاش کو گلے لگایا۔ بوسے لئے اور بہت روئے۔ پھر ایک جگہ سے تھوڑی سی مٹی ہٹائی۔ اور قبر کھدی کھدائی ظاہر ہوئی۔ آپ نے اپنے بابا اور تمام شہداء پہ نماز جنازہ پڑھائی۔ قبر تیار تھی اور لحد اس میں کھدی ہوئی تھی۔ قیدی امام نے اپنے ہاتھ پھیلائے اور تنہا بابا کی لاش کو اٹھا کر قبر میں رکھا۔ جس طرح میت کو لحد میں اتارتے وقت پڑھا جاتا ہے، امام سجاد نے وہ جملے ارشاد فرمائے:

بِسْمِ اللّٰہِ وَفِي سَبِيْلِ اللّٰہِ وَعَلٰی مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَدَقَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ مَاشَاءَ اللّٰہُ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ ۔ جب لاش اٹھانے لگے تو بنی اسد نے لاش اٹھانے اور دفن کرنے میں معاونت کرنے کا قصد کیا۔ جناب سجاد نے فرمایا: "تم الگ رہو، میری مدد کرنے والے ہیں۔ جناب سید الشہداء کو جناب سجاد نے جب قبر میں اتارا تو اپنا رخسار کٹی ہوئی گردن پہ رکھا اور روتے ہوئے یہ کہا: طُوْبٰی لِلْاَرْضِ تَضَمَّنَتْ جَسَدَكَ الطَّاهِرَ فَاِنَّ الدُّنْيَا بَعْدَكَ مُظْلِمَةٌ وَالْاٰخِرَةُ بِنُوْرِكَ مُشْرِقَةٌ اَمَّا اللَّيْلُ فَمُسَهَّدٌ وَالْحُزْنُ سَرْمَدٌ اَوْ يَخْتَارُ اللّٰہُ لِاَهْلِ بَيْتِكَ دَارَكَ الَّتِيْ اَنْتَ بِهَا مُقِيْمٌ وَعَلَيْكَ مِنِّي السَّلَامُ يَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰہِ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ وَبَرَكَاتُهٗ"

اس زمین کے لئے سعادت ہے جس نے تیرے پاک جسم کو اپنی آغوش میں لیا۔ پس دنیا بے شک آپ کے بعد تاریک ہے اور آخرت آپ کے نور سے روشن ہے۔ رات کے وقت بیداری زیادہ اور نیند کم رہے گی۔ غم ہمیشہ رہے گا جب تک خدا تیرے اہلِ بیت کے لئے وہی گھر پسند نہ کرے گا جس میں آپ مقیم ہیں۔ یعنی تا زندگی آپ کے پس ماندہ اہلِ بیت پر غم کی کیفیت چھائی رہے گی۔ یا ابنَ رسول اللہ! شہید بابا قیدی بیٹے کا آخری سلام قبول ہو۔ اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں آپ کو ڈھانپ لیں۔

اِس کے بعد قبرِ مبارک کو مٹی سے بھر دیا۔ اور انگلی مُبارک سے قبر پر یہ لکھا: هٰذَا قَبْرُ الْحُسَيْنِ بنِ عَلِيِّ بنُ اَبِيطالب الَّذِي قَتَلُوهُ عَطْشَانًا غَرِيبًا۔"

اِس کے بعد دریائے فرات کی جانب رُخ کیا۔ "اسد بنی ہاشم"۔ ام البنین کے لال، چچا عباس کی لاش پر آئے۔ کٹے ہوئے بازوؤں والی لاش اور زخموں سے چُور بدن دیکھا، جس کے ارمان بھرے لاشہ اور جراحات کی کثرت پر ملائکہ آسمانوں میں اور حُوریں جنّت میں ماتم کناں تھیں۔ قیدی امام اپنے غیّور چچا کی لاش پر گر پڑے اور کٹے ہوئے بازوؤں اور سر کی جُدائی کے مقام کے بوسے لئے۔ لاش کو گلے لگا کر روتے رہے۔ جب آنسو رُکے تو فرمایا: "عَلَى الدُّنْيَا بَعْدَكَ الْعَفَاءُ يَا قَمَرَ بَنِي هَاشِمٍ وَعَلَيْكَ مِنِّي السَّلَامُ مِنْ شَهِيدٍ مُحْتَسِبٍ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ

نمازِ جنازہ پڑھائی۔ اِس کے بعد قبر کھودی اور تنہا ہی اپنے وفادار چچا کو لحد کی آغوش کے سپرد کیا جس طرح کہ تنہا اپنے بابا کو لحد میں رکھا۔ بنی اسد کے لوگوں سے وہی جُملہ فرمایا۔ کہ تم الگ رہو، میرے ساتھ میری مدد کرنے والے موجود ہیں۔ پھر بنی اسد کو فرمایا اب تمہاری امداد کا وقت آیا۔ باقی شہداء کی تدفین میں ان لوگوں کو شریک کیا۔ تمام شہداء پر نمازِ جنازہ پڑھانے کے بعد ایک قبر کھدوائی، جناب سیّد الشہداءؑ علیہ السّلام کی قبر کے پیروں کی جانب اِس قبر میں جناب علی اکبر ہم شکل پیغمبر جناب لیلیٰ کی آنکھوں کے تارے کو زمین میں چھپایا۔ پھر اس کے پاؤں کی طرف ایک بڑا گڑھا کھدوایا۔ جس میں تمام شہداء کو دفن کیا۔ اس طرح تمام شہداء ہاشمین کی ایک قبر بنائی۔ دوسرا گڑھا کھدوا کر اِس میں انصار و اصحاب کی لاشیں دفن کرائیں، اور تمام انصار ایک قبر میں مدفون ہوئے۔

جناب حُرّ علیہ الرحمہ اِس سے پہلے دفن ہو چکے تھے۔ کیونکہ حضرت حُرّ کا قبیلہ لشکرِ ابنِ سعد میں موجود تھا۔ اُس نے حُر کی لاش "گنج شہداء" سے اٹھالی، اور ان کا سر بھی لاش سے کٹنے نہ دیا۔ اور ان کے قبیلہ نے اس جگہ جناب حُرّ کو دفن کیا، جہاں آج ان کی قبر ہے۔

شاہ اسمٰعیل صفوی اور حضرت حُر کی لاش

کبریتِ احمر اور انوارِ نعمانیہ میں ہے کہ جب شاہ اسمٰعیل صفوی کربلا میں آیا تو اس نے ایک مقام کو کھدوایا۔ ایک قبر ظاہر ہوئی اور اس میں میّت نظر آئی۔ لاش تازہ تھی اور کوئی اس میں تغیّر نہ تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ابھی دفن ہوئی ہے۔ اس کے سر پہ ایک رُومال کی پٹی بندھی ہوئی تھی۔ شاہ اسمٰعیل نے رومال کھولا تو خون کی دھار پھوٹ نکلی، بسیار کوشش کے باوجود خون کی روانی بند نہ ہوئی تو شاہ اسمٰعیل کو وہی رُومال مجبوراً لاش کے سر پہ باندھنا پڑا۔ جونہی رومال باندھا خون رُک گیا۔ دریافت کرنے پہ معلوم ہوا کہ یہ جناب حُر علیہ الرحمۃ کی قبر ہے۔ جو تازہ مہمان تھا۔ جب اس نے شہادت پائی تو امامِ پاک اس کی لاش پہ گئے، سر سے خون بہہ رہا تھا۔ جناب سیّد الشہداء نے اپنے پاک رومال سے سر پہ اس رومال کی پٹی باندھی، خون رُک گیا تھا۔ گویا جناب حُر کی لاش کہہ رہی تھی کہ فرزندِ بتول کا تحفہ میں جُدا کرنا گوارا نہیں کرتا۔ چنانچہ جناب اسمٰعیل صفوی نے اس قبر مبارک پہ گنبد بنوایا اور اس کی حفاظت کے لئے ایک خادم مقرر کیا۔

شہداءِ کربلا علیہم السلام کی لاشوں کی تدفین کے بعد جناب امام سجّاد علیہ السّلام نے بنی اسد کو فرمایا کہ زائرین کو قبورِ طیّبہ کی نشان دہی کرنا۔

اس کے بعد قیدی امام گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے قید خانہ کوفہ کی طرف غائب ہو گئے۔ بنی اسد کے لوگوں کو تدفینِ شہداء کی سعادت حاصل ہوئی، چنانچہ روایات میں مذکور ہے کہ بنی اسد فخر کرتے تھے کہ ہم وہ ہیں جنہوں نے شہداءِ کربلا پہ نماز پڑھی۔ اور ان کے لاشے دفن کئے۔

یہ پاک اجسام زمین کربلا میں دفن ہو گئے، حضرت قائم آلِ محمد حجّت خدا عجل اللہ وجہہٗ ان الفاظ میں انہیں خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں۔ "بِاَبِیْ اَنْتُمْ وَاُمِّیْ طِبْتُمْ وَطَابَتِ الْاَرْضُ الَّتِیْ فِیْهَا دُفِنْتُمْ وَفُزْتُمْ وَاللّٰهُ فَوْزاً عَظِیْماً"۔ میرے ماں باپ آپ پہ فدا ہوں۔ تم خود بھی پاک اور وہ زمین بھی پاک ہو گئی جہاں تم دفن کئے گئے اور خدا کی قسم تم نے بہت بڑا رُتبہ پایا۔

مدینہ پاک میں خبرِ شہادت

سب سے پہلے جناب سیّد الشہداء کی شہادت کی خبر حسین مظلوم کے نانا نے بچشمِ گریاں و با مُوئے پریشاں خاک آلودہ ریش و سر کے ساتھ جناب عبد اللہ بن عباس اور اُمّ المومنین حضرت اُمّ سلمہ کو دی،

جب سے جناب سیّد الشہداء نے مدینہ سے سفر کیا باقی ماندہ خاندانِ بنی ہاشم کو بے قراری رہی مردوں میں جناب محمد بن الحنفیہ، حضرت عبداللہ بن جعفر طیّار اور حضرت عبداللہ بن عبّاس رہ گئے تھے اور مستورات میں سے حضرت ام المومنین اُمّ سلمہ۔ جناب ام البنین، حضرت اُمّ ہانی، حضرت اسماء، اُمِّ لقمان، رملہ، زینب دختران جناب عقیل بن ابی طالب مدینہ میں موجود تھیں۔ بنی ہاشم کے خاندان کے اکثر افراد کی مسافرت، جناب امام حسن و حُسین، حضرت عبّاس اور جناب عقیل کے گھروں کی بربادی اور ان کے صحنوں کی غیر آبادی، زمانہ کے تغیرات اور پُر آشوبی سے ہر وقت اُداس اور پریشان رہتی تھیں۔ اور نہایت بے چینی سے اِس مسافر قافلہ کی خبر کی منتظر رہتی تھیں۔

عاشور کے دِن جناب عبد اللہ بن عبّاس نے نہایت ہی ہولناک خواب دیکھا۔ رَاَی ابنُ عبّاسٍ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ اَشْعَثَ مُغْبَرًا وَ بِيَدِهٖ قَارُوْرَةٌ فِيهَا دَمٌ فَقَالَ لَهٗ بِاَبِيْ اَنْتَ وَاُمِّيْ مَا هٰذَا؟ قَالَ: هٰذَا دَمُ الْحُسَيْنِ وَاَصْحَابِهٖ لَمْ اَزَلْ اَلْتَقِطُهٗ مُنْذُ الْيَوْمِ۔ جناب عبد اللہ بن عبّاس نے حضرت رسولِ پاک کو دیکھا کہ ان کے سَر کے بال کُھلے ہیں اور خاک آلودہ ہیں۔ اور اُن کے ہاتھ میں ایک شیشی خون سے بھری ہے۔ جناب ابنِ عباس نے دریافت کیا، حضور! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، یہ کیا ہے؟ فرمایا: یہ حسین اور اصحابِ حسین کا خون ہے جسے میں اکٹھا کرتا رہا۔

اِس سے ایک بات واضح ہے کہ اِس شیشی میں جہاں بنی ہاشم کا پاک خُون تھا، اِس میں انصارِ اصحابِ حسین کا پاک خون بھی شامل تھا۔ واضح رہے کہ جب حضرت جون حبشی غلام نے مولا حُسین سے اجازتِ جہاد چاہی اور مولا نے حسبِ معمول کچھ پس و پیش کیا تو حضرت جون نے درد بھرے دِل سے یہ التجا کی کہ مولا! میرا سیاہ بدن اور بدبو دار خون ہے مگر میں آپ سے ہرگز جدا نہ ہوں گا۔ جب تک اپنا بدبو دار خُون آپ کے پاک اور معطر خون میں نہ ملا لوں گا۔ چنانچہ حضرت جون کی شہادت کے بعد آپ کے بدن سے خوشبو آ رہی تھی۔ اور آپ کا خُون اس قدر عزّت پا گیا کہ جناب سرورِ کائنات نے اپنے ہاتھ سے اُن کے خون کے قطرے دوسرے اصحاب و اہلِ بیت کے خون کے ساتھ شیشی میں جمع کئے اور حضرت جون کی یہ پیش کش شرفِ قبول حاصل کر گئی کہ ان کا خون اہلِ بیت کے مقدّس خون میں بدستِ رسول اس شیشی میں مخلوط ہو گیا۔

یہ تو جناب ابنِ عباس کا خواب تھا اب حضرت ام سلمہ کا خواب سنیئے:۔

اُمّ سلمہ کا خواب رَاَتْ رَسُوْلَ اللهِ اُمُّ سَلَمَةَ فِي الْمَنَامِ اَشْعَثَ مُغْبَرًّا وَ عَلٰى

رَاسِہٖ وَلِحیتِہٖ التُّرَاب فَقالَتْ لَہٗ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَا لِی اَرَاکَ اَشْعَثَ اَغْبَرَ؟ قَالَ قُتِلَ وَلَدِی الْحُسَیْنُ وَ مَا زِلْتُ اَحْفِرُ الْقُبُوْرَ لَہٗ وَلِاَصْحَابِہٖ فَانْتَبَہتْ فَزِعَۃً وَ نَظَرَتْ اِلَی الْقَارُوْرَۃِ الَّتِیْ فِیْہَا تُرَابُ۔ اَرْضِ کَرْبَلَاءَ فَاِذَا بِہٖ یَفُوْرُ دَمًا۔" جناب اُمّ سلمہ نے خواب میں حضور رسولِ پاک کو دیکھا۔ سر کے بال کھلے ہیں اور ریش مبارک اور سر پر خاک پڑی ہوئی ہے۔ پس انہوں نے حضور سے پوچھا کہ میں آپ کو اس حالت میں کیوں دیکھ رہی ہوں کہ آپ کے سرِ مبارک اور ریش مبارک پر مٹی پڑی ہوئی ہے۔ حضور نے فرمایا کہ میرا بیٹا حُسین کربلا میں شہید ہوگیا اور میں ان کی اور ان کے اصحاب کی قبریں کھودتا رہا۔ پس جناب اُمّ سلمہ خواب سے گھبراہٹ کے عالم میں بیدار ہوئیں اور اس شیشی کو دیکھا جو حضور پاک نے ان کو دی تھی۔ اور بحفاظت رکھنے کا حکم دیا تھا۔ اور فرمایا تھا کہ جب یہ مٹی سُرخ ہو کر خون بن جائے تو سمجھ لینا کہ حُسین کربلا میں شہید کر دیئے گئے۔ جناب اُمّ سلمہ نے جو شیشی کو دیکھا تو اس میں، بجائے مٹی کے خون جوش مار رہا تھا۔ اُمّ سلمہ سمجھ گئیں کہ جگرِ رسول کٹ گیا اور قلب زہرا چھد گیا۔ اور علی کا نُورِ عین شہید ہوگیا۔

جناب اُمّ سلمہ کی فریاد بلند ہوئی اور بلند آواز سے رونے لگیں۔ جب ان کی آواز خاندانِ ہاشم کی مستورات نے سُنی تو بے قرار ہو کر جناب اُمّ سلمہ کے پاس آئیں۔ اور واقعہ دریافت کیا۔ جناب اُمّ سلمہ نے جب واقعہ بیان کیا تو خاندانِ عبدالمطلب پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ اس خبر کی تائید ہاتف غیبی نے بھی کی۔ جناب اُمّ سلمہ کا بیان ہے کہ گیارھویں کی رات نصف گزر چکی تھی کہ فضاءِ مدینہ سوگوار تھی۔ اور غم کے بادل چھائے ہوئے تھے۔ ہاتفِ غیبی نوحِ حُسین کی خبر سُنا رہا تھا اور یہ شعر سُنا رہا تھا ۔

اَیُّہَا الْقَاتِلُوْنَ جَہْلاً حُسَیْناً — اَبْشِرُوْا بِالْعَذَابِ وَالتَّنْکِیْلِ

قَدْ لُعِنْتُمْ عَلٰی لِسَانِ ابْنِ دَاؤُدَ — وَ مُوْسٰی وَ صَاحِبِ الْاِنْجِیْلِ

کُلُّ اَہْلِ السَّمَاءِ یَدْعُوْ عَلَیْکُمْ — مِنْ نَبِیٍّ وَ مُرْسَلٍ وَ قَتِیْلِ

عبیداللہ بن زیاد کی طرف سے خبرِ شہادت

عبیداللہ بن زیاد جب اس قبیح کارروائی سے فارغ ہو چکا تو اس نے ایک تیز رَو قاصد دمشق میں یزید کے پاس بھیجا جس میں اس ملعون نے یزید کو کربلا کے واقعہ کی خبر اور قتلِ حسین اور اپنی کامیابی کی اطلاع دی۔ اور یزید سے دریافت کر بھیجا کہ قیدی مستورات اور سروں کے متعلق کیا حکم ہے؟ کیا دمشق بھیج دیئے جائیں؟

دوسری اطلاع اس نے گورنرِ مدینہ "عمرو بن سعید الاشدق" کے پاس بھیجی۔ اس مقصد کے لئے اس نے عبدالملک بن الحارث السلمی کو بلایا اور شہادتِ حُسین کی خبر مدینہ لے جانے کے لئے کہا۔ پہلے تو اُس نے حیلہ بہانہ کیا مگر اس ظالم و جابر کا حکم ردّ کرنا موت کو دعوت دینے کے برابر تھا۔ ابنِ زیاد نے اس کا عذر قبول نہ کیا اور اسے طوعاً و کرہاً جانا پڑا۔

ابنِ زیاد نے اس قاصد کو تاکید کی کہ بعجلت تمام اِس خبر کو مدینہ لے جائے۔ یہاں تک کہ تجھ سے پہلے قتلِ حسین کی خبر اس تک نہ پہنچے۔ ایک تیز رو سواری دی اور ساتھ کچھ دینار بھی دیئے۔ اور کہا کہ اگر سواری چلنے میں رہ جائے تو توقف نہ کرنا اور نئی تیز رفتار سواری خرید لینا تاکہ عاملِ مدینہ اس خوش خبری سے جلد مسرت حاصل کرے۔ یہ سوار راحلہ پر سوار تیزی سے منازلِ سفر طے کرتا ہوا جب مدینہ پہنچا تو اُسے خاندانِ قریش کا ایک مرد ملا۔ اس نے اس قاصد سے حال دریافت کیا اور پوچھا کیا خبر ہے؟ اُس نے کہا کہ یہ خبر میں امیر کے پاس جا کر بیان کرتا ہوں اگر خواہش ہے تو وہاں آکر سُن لو۔

عاملِ مدینہ کے پاس پہنچ کر اُس نے قتلِ حسین کی خبر بیان کی۔ یہ ملعون شقی، عداوتِ خاندانِ رسالت میں یزید و ابنِ زیاد سے کم نہ تھا۔ بہت خوش ہوا۔ اس کی مسرت کی انتہا نہ رہی۔ خاندانِ رسالت کی بربادی اور ابنِ زیاد کی کامیابی اس مردود کے لئے عید بنی۔ اس نے منادی کو بلا کر حکم دیا کہ مدینہ کے بازاروں اور گلی کوچوں میں جا کر اعلان کر دے کہ حُسین بن علی کربلا میں قتل ہو گیا۔

قتلِ حسین کی منادی اس مدینہ میں کرائی جا رہی ہے جو حسین کے نانا کا شہر تھا جن گلیوں میں شہسوارِ دوشِ نبی کا اعزاز صحابہ کو دکھایا جاتا تھا۔ اور ختم نبوت جس سوار کا مرکب بنتی تھی۔ صحابہ "نعم المرکب" کا نعرہ لگاتے اور "نعم المرکب"۔ "نعم المرکب" کہہ کر شانِ حسین ظاہر کرتے۔ آج اس حسین کی شہادت کی خبر منادی گلیوں میں نشر کر رہا ہے۔ بنی ہاشم کے گھروں میں جب یہ صدائے دلفگار پہنچی تو نساء بنی ہاشم اور بناتِ عقیل پر غم و حُزن کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ سارا مدینہ ماتم کدہ بن گیا اور گلی گلی کوچے کوچے سے رونے پیٹنے والوں کا سیلاب اُمڈ آیا۔ جب رونے کی یہ آوازیں عاملِ مدینہ اموی گورنر عمرو بن سعید ملعون کے کانوں میں آئیں تو یہ بہت خوش ہوا اور اُس نے ایک شاعر کا یہ شعر پڑھا۔

عَجَّتْ نِسَاءُ بَنِیْ زِیَادٍ عَجَّةً ۔۔۔ کَعَجِیْجِ نِسْوَتِنَا غَدَاةَ الْاَرْنَب

بنی زیاد کی عورتوں نے نالہ و بکا کیا جس طرح کہ ہماری عورتوں نے واقعۂ "ارنب" کی صبح کو آوازِ گریہ بلند کی۔ پھر اس نے کہا: "وَاعِیَۃٌ بِوَاعِیَۃِ عُثْمَان" یہ گریہ و بکا اس گریہ و بکا کا بدلہ ہے جو عثمان پر کیا گیا۔ پھر اس شقی و ناری نے جناب رسولِ پاک کی قبرِ مبارک کی طرف منہ کر کے کہا:

یُوْمٌ بِیَوْمِ بَدْرٍ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ یَارَسُوْلَ اللّٰہ" یہ دن بدر والے دن کا بدلہ ہے یعنی جنگِ بدر میں بنی اُمیّہ کے جن سرداروں کو بنی ہاشم خصوصاً علی بن ابیطالب نے قتل کیا تھا اس کا بدلہ ہم نے کربلا میں لیا ہے۔ (یزید نے بھی دربارِ شام میں وقتِ دخولِ سرِ حُسین اِسی قسم کے اشعار پڑھے تھے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بیعت تو اک بہانہ تھا یہ ہر حال میں اولادِ رسُول کو بدر کے مقتولوں کے بدلے میں قتل کرنا چاہتے تھے) انصارِ مدینہ نے اِس جملہ کا بہت بُرا منایا اور سخت ناپسند کیا (مگر اخلاقی جرأت کمزور اور جذبۂ جہاد ماند تھا) پھر یہ رذیل منبر پہ چڑھا۔ جس منبر پہ رسول پاک اپنے آنکھوں کے نُور اور دل کے سرور حُسین کو آغوش میں لے کر پیار و محبّت کا سلوک کرتے تھے۔ آج اسی پاک منبر پہ ناپاک بنی اُمیّہ کا پلید گورنر قتلِ حسین کی خوش خبری فخر و انبساط کے ساتھ سُنا رہا ہے۔ اس نے خطبہ پڑھا۔ یہ اہلِ مدینہ کی بے حسی اور دینی حمیّت کے فقدان کی دلیل ہے کس دل سے اس کا یہ خُطبہ انہوں نے سُنا۔ اس خطبہ میں اس نے بیان کیا۔ یہ ضرب کے بدلے ضرب اور صدمے کے بدلے صدمہ ہے۔ ہم تو چاہتے تھے کہ حُسین بچ جائے مگر اس نے ہماری اطاعت نہ کی، اگر وہ بیعت کر لیتے تو آج ان کی یہ حالت نہ ہوتی۔ ہم اُن کی مدح کرتے تھے اور وہ ہمیں گالیاں دیتے تھے۔ جس طرح جھوٹے خطیبوں اور مکّار سیاسی مقرّروں کی عادت ہوتی ہے۔ اس نے یاوہ گوئی کی تو ایک شخص عبداللہ بن سائب اٹھ کر کہنے لگا: اے عمرو! اگر مادرِ حسین جناب سیّدہ زندہ ہوتیں اور اپنے لختِ جگر کو مقتول دیکھتیں تو وہ ضرور روتیں"، گورنر نے عبداللہ کو جھڑکتے ہوئے کہا۔ ہم تجھ سے زیادہ قریبِ فاطمہ ہیں۔ ہم خاندانی طور پہ ان سے زیادہ قریب ہیں ان کا والد ہمارا چچا، ان کا شوہر ہمارا بھائی۔ اگر وہ زندہ ہوتیں ضرور روتیں، مگر ہمیں اس قتل پہ ملامت نہ کرتیں (جناب فاطمہ کا باپ تمام نبیوں کا سردار تم سب پہ لعنت کر گیا ہے) بہرحال بنی اُمیّہ کے گھروں میں عید تھی اور بنی ہاشم کے گھروں میں ماتم تھا، بنی عبدالمطلب کی عورتوں کے سروں سے چادریں گر گئیں اور بال بکھر گئے۔ منہ پہ اور سروں پہ موتِ حسین کے صدمہ کے طمانچے تھے، جب ام المومنین حضرت امّ سلمہ نے یہ خبر سُنی تو زوجۂ رسول غش کھا کر گر پڑی، جب افاقہ ہوا تو شدّتِ درد سے کہا: "خدا ظالموں کی قبروں کو جہنم کی آگ سے بھر دے۔

اس کے بعد یہ زنانِ بنی ہاشم، حضرت امّ سلمہ، ام البنین، امّ ہانی، حضرت اسماء، رملہ، زینب، امّ لقمان، دخترانِ جناب عقیل اور دیگر مستورات بنی ہاشم سر پیٹتی ہوئیں اور نوحہ و فریاد کناں قبرِ رسول پہ آئیں۔ ان کو نواسے کی موت اور بنی ہاشم کے شہیدوں کا پُرسا دیا۔ پھر جنابِ زہرا کی قبر پہ آ کر تعزیت ادا کی۔ انصارِ مدینہ کے گھر بھی ماتم کدہ بن گئے۔ انصار کی عورتیں گریہ و بکا کرنے لگیں۔ غرضیکہ سارا

مدینہ مُوتِ حسین کے صدمہ سے ماتم سرا بنا ہوا تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جناب سید الانبیاء کی موت تازہ ہوگئی تھی۔ درو دیوار متزلزل تھے۔ جناب اسماء بنتِ عقیل کا یہ نوحہ مرثیہ تھا۔ جسے سن کر انصار بہت روئے۔ مدینہ کی گلیاں رونے کی آوازوں سے بھر گئی تھیں۔ قبرِ رسول کانپ رہی تھی اور مدینہ کے درو دیوار متزلزل تھے

مَاذَا تَقُوْلُوْنَ اِنْ قَالَ النَّبِیُّ لَکُمْ ۔ یَوْمَ الْحِسَابِ وَ صِدْقُ الْقَوْلِ مَسْمُوْعٌ

خَذَلْتُمُوْا عِتْرَتِیْ اَوْ کُنْتُمْ غُیَّبًا ۔ وَالْحَقُّ عِنْدَ وَلِیِّ الْاَمْرِ مَجْمُوْعٌ

اَسْلَمْتُمُوْا هُمْ بِاَیْدِی الظّٰلِمِیْنَ فَمَا ۔ مِنْکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ مَشْفُوْعٌ

مَا کَانَ عِنْدَ غَدَاةِ الطَّفِّ اِذْ حَضَرُوْا ۔ تِلْکَ الْمَنَایَا وَ لَا عَنْهُنَّ مَدْفُوْعٌ

پُرسا دینے والے قبرِ رسول اور قبرِ جناب سیدہ پہ اظہارِ غم کے لئے آتے رہتے۔ اور بنی ہاشم کے گھروں میں تمام مستوراتِ مدینہ اور مُوتِ حسین کی خبر سننے والیاں جمع ہوتیں اور فرزندِ رسول پر گریہ و بکا کرتیں۔

حضرت عبداللہ بن جعفر نے بھی صفِ ماتم بچھائی۔ یہ امام مظلوم کے زیادہ قریبی تھے۔ اور واقعاتِ کربلا میں ان کا بہت زیادہ حصّہ تھا۔ بنی ہاشم اور انصارِ حسین کا پُرسا دینے کے لئے لوگ ان کے پاس آتے رہے۔ ان کے دو بیٹے عون و محمد کربلا میں مارے گئے تھے۔ ان کے ملازم ابوالسّلاس نے کچھ نامناسب کلمات کہے۔ جناب عبداللہ نے اسے سزا دی اور فرمایا کہ اگر میں موجود ہوتا تو یقیناً شہادت کا مرتبہ پاتا۔ مگر میرے دو بیٹوں کی نصرت وامداد اور ان کی شہادت سے میرے دل کا غم کچھ ہلکا ہے۔ پھر حاضرین کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔ مجھ پر شہادتِ حسین اور ان کے ساتھیوں کا صدمہ بہت عظیم ہے۔ اور میں خود اپنی جان قربان نہیں کر سکا۔ مگر میرے بیٹوں نے تو راہِ حق میں قربانیاں دی ہیں۔

جناب امّ البنین کا مرثیہ

جناب کا اسمِ گرامی فاطمہ بنت حزام بن خالد ہے۔ خاندان بنی کلاب ہے۔ یہ چار فرزندوں کی ماں ہیں۔ ان کے چاروں بیٹے شجاعت اور دلیری میں شیر تھے۔ ان چاروں بیٹوں کی بہادری اور وفا پہ ان کو ناز تھا۔ اور یہ چاروں آسمانِ شجاعت کے چاند تھے۔ انہی جوان و بہادر بیٹوں کی وجہ سے آپ کی کنیت ام البنین ہے۔ ان چاروں دلیروں کا نام عبّاس، عبداللہ، عثمان اور جعفر ہے جاں نثاری اور وفاداری میں ان کی نظیر نہیں۔

جناب فاطمہ کے نام پر ان کی کنیّت غالب ہے اور ام البنین کی کنیّت سے ہی زیادہ مشہور ہیں۔ ان کا مدینہ میں جنابِ حسین اور بنی ہاشم کے جوانوں کی مُوت کے لئے عزاخانہ بنا ہوا تھا، ہر وقت نالہ و

نزاری میں مصروف رہتیں جنت البقیع میں جاکر اس قدر دردناک بین کرتیں کہ دوست و دشمن سبھی متأثر ہوکر رونے لگ جاتے۔ ان کے دلخراش اور جگر سوز اشعار سے اہلِ مدینہ کی آنکھیں اشکبار ہو جاتیں حتیٰ کہ مروان ایسا شقی القلب اور شدید ترین دشمنِ خاندانِ رسالت بھی رونے اور آنسو بہانے پر مجبور ہو جاتا۔ کتب مقاتل اور مفاتیح الجنان میں جناب کے دردناک اور رقت انگیز اشعار مذکور ہیں۔ وہ قارئین کے لئے ہم ہدیۂ نظر کرتے ہیں

لَا تَدْعُوِنِّيْ وَيْكِ اُمَّ الْبَنِيْنِ — تُذَكِّرِيْنِيْ بِلُيُوْثِ الْعَرِيْنِ
كَانَتْ بَنُوْنَ لِيْ اُدْعٰى بِهِمْ — وَالْيَوْمَ اَصْبَحْتُ وَلَا مِنْ بَنِيْنِ
اَرْبَعَةٌ مِثْلُ نُسُوْرِ الرُّبٰى — قَدْ وَاصَلُوا الْمَوْتَ بِقَطْعِ الْوَتِيْنِ
تَنَازَعَ الْخِرْصَانُ اَشْلَاءَهُمْ — فَكُلُّهُمْ اَمْسٰى صَرِيْعًا طَعِيْنِ
يَا لَيْتَ شِعْرِيْ كَمَا اَخْبَرُوْا — بِاَنَّ عَبَّاسًا قَطِيْعَ الْيَمِيْنِ

افسوس اب مجھے ام البنین کہہ کے نہ پکارنا۔ تم مجھے اُمّ البنین پکار کر ان شیرانِ بیشہ کی یاد دلاتی ہو، جب میرے بیٹے زندہ تھے تو میں "امّ البنین" پکاری جاتی تھی اور آج میں بغیر بیٹوں کے تنہا رہ گئی ہوں۔ میرے چار بیٹے جو گردنیں کٹوا کے موت سے بغل گیر ہو گئے۔ نیزوں کی کثرت نے ان کا گوشت چیر دیا۔ وہ سب کے سب نیزوں کے بار بار لگنے سے مجروح ہو کر زمین پر گر پڑے۔ افسوس ہے جس طرح کہ بیان کیا گیا ہے۔ میرے عبّاس کے بازو کٹ گئے تھے، وہ زمین پر گرا۔

یہ بھی انہی مغمومہ مادرِ عبّاس کے اشعار ہیں۔

يَا مَنْ رَاَى الْعَبَّاسَ كَرَّ عَلٰى جَمَاهِيْرِ النَّقَدْ = وَوَرَاهُ مِنْ اَبْنَاءِ حَيْدَرَ كُلُّ لَيْثٍ ذِيْ لَبَدْ

اے وہ شخص جس نے عبّاس کو بھیڑ بکریوں کے ریوڑ پر بار بار حملے کرتے دیکھا اور اس کے پیچھے فرزندانِ حیدرِ کرار تھے جو سب کے سب ببر شیر تھے۔

اُنْبِئْتُ اَنَّ ابْنِيْ اُصِيْبَ بِرَاسِهٖ مَقْطُوْعَ يَدْ

وَيْلِيْ عَلٰى شِبْلِيْ اَمَالَ بِرَاسِهٖ ضَرْبُ الْعَمَدْ

مجھے بتایا گیا کہ میرے بیٹے کے سر پر اس وقت وار کیا گیا جب اس کے ہاتھ کٹ چکے تھے، ہائے افسوس اُس وقت گرز کی ضرب نے میرے بیٹے کا سر توڑا۔

لَوْ كَانَ سَيْفُكَ فِيْ يَدَيْكَ لَمَا دَنٰى مِنْهُ اَحَدٌ

بیٹا عبّاس! اگر تیرے ہاتھ سلامت ہوتے اور تیرے ہاتھ میں تلوار ہوتی تو تیرے قریب کوئی

آسکتا۔ تیرے ہاتھ کٹ جانے کے بعد تیرے سر پہ گرز مار کر تجھے شہید کیا۔

کوفہ سے شام تک منازل کے حالات

پسر مرجانہ نے ایک تیز رفتار سواری پہ ایک قاصد مدینہ میں شہادت جناب سیّد الشہدا علیہ السلام کی خبر دینے کے لئے روانہ کیا اور دوسرا آدمی شام میں یزید کے پاس خط دے کر بھیجا۔

اِس خط میں پسرِ مرجانہ نے یزید کو جنگ کربلا کی فتح کا حال لکھا اور چند امور یزید سے دریافت کئے کہ شہداء کربلا کے سر میرے پاس کوفہ میں محفوظ ہیں جو مستورات کربلا میں حسین کے ساتھ آئی تھیں، وہ اور ان کے یتیم بچے میرے پاس زندان میں قید ہیں، میں تیرے حکم کا منتظر ہوں کہ :۔

۱۔ انہیں سروں سمیت تیرے پاس دمشق بھیج دوں۔ ۲۔ انہیں قتل کر دوں

۳۔ انہیں مدینہ واپس بھیج دوں یا اپنے پاس قید میں رکھوں۔ جس طرح آپ حکم دیں اس کی تعمیل کی جائے گی۔ صرف تیرے حکم کا انتظار ہے۔

گو بعض روایات میں مذکور ہے کہ ابن زیاد نے بغیر حکم و مشورۂ یزید مستورات مخدرات کو سروں کے ساتھ دمشق روانہ کر دیا تھا لیکن معتبر اور قابلِ اعتماد روایت یہی ہے کہ اس نے قاصد کے ذریعے یزید کی طرف سے جواب آنے پر اتنے دن دختران امیر المومنین اپنے بابا کے دار الحکومت جامع مسجد کے قریب زندان میں مقید رکھیں

قاصد کی دمشق روانگی کے بعد زندان میں ایک پتھر پھینکا گیا۔ جس کے ساتھ ایک رقعہ بندھا ہوا تھا کہ اے اہلِ بیتِ حُسین دختران ابو طالب قاصد دمشق بھیج دیا گیا ہے۔ آپ کی قسمت کا فیصلہ یزید کے پایۂ تخت دمشق میں ہو گا۔ اس کی واپسی پہ اگر آپ نعرۂ تکبیر کی بلند آواز سنیں تو سمجھ لیں کہ آپ کی موت کا فیصلہ کیا جا چکا ہے اور اگر نعرۂ تکبیر کی آواز بلند نہ ہو تو سمجھ لیں کہ آپ قتل سے بچ گئی ہیں۔ اتنے دنوں مدینہ کی شہزادیاں زندان میں قید رہیں، اور موت و حیات میں فیصلے کا بے قراری اور بے چینی سے انتظار کرتی رہیں۔ چونکہ یہ شہزادیاں کسی زمانہ میں تو شہزادیاں تھیں لیکن قتلِ حُسین کے بعد اپنے نانا کی اُمّت کے ہاتھوں گرفتارِ بلا تھیں۔ اسے کہتے ہیں زمانہ کا انقلاب اور تغیرِ روزگار! جن کے در پہ ہر قسم کا سائل اپنی مرادیں پوری کراتا تھا۔ شاہانِ وقت

سائل اور ملائکہ آسمان خادم تھے۔ حورانِ جنّت کنیزاں بن کر آتی تھیں۔ اشرافِ کوفہ کی عورتیں درسِ قرآن اسباقِ اسلام اور علومِ شریعت سیکھتی تھیں۔ وہ اسلام کی معلّمات اور امیرالمومنین حاکمِ کوفہ کی شہزادیاں زندان میں موت و حیات کے فیصلے کا انتظار کر رہی ہیں۔

چنانچہ جب قاصد دمشق سے واپس آیا تو نعرۂ تکبیر بلند نہ ہوا۔ شہزادیاں سمجھ گئیں کہ حاکمِ ظالم نے قتل کا حکم نہیں دیا۔ البتہ انہیں دمشق روانہ کئے جانے کا انتظام کیا گیا ہے۔

قاصد خط کا جواب لایا کہ شہیدوں کے سر اور خاندان کی مستورات کو قیدی بنا کر میرے پاس دمشق بھیج دو۔ پس ابنِ زیاد نے شہداء کے سروں اور جنابِ ابی طالب کی دختران کو اور بچے ہوئے یتیم بچّوں کو کوفہ سے دمشق روانہ کر دیا۔

"کوفہ سے روانگی تفصیل"

ابنِ زیاد نے سرہائے شہداء ایک جماعت اہلِ کوفہ کے ساتھ جن کی تعداد پچاس تھی، زحر بن قیس کی نگرانی میں شام روانہ کئے اور زحر بن قیس کے ساتھ ابو بردہ بن عوف ازدی اور طارق بن ظبیان بھی شامل کر دیئے۔ نیز اسی دن مستورات مخدرات کو مع یتامیٰ کے اونٹوں پر سوار کر کے، اور سیّد سجّاد کے گلے میں طوق ڈالا اور ایسے بے پلان اونٹ پر سوار کیا جو لاغر تھا۔ اور لنگڑا کر چلتا تھا اور اس طرح جنابِ قیدی امام کے بوجہ ضعف و نقاہت اور بیماری پشتِ شتر سے گرنے کا خطرہ تھا۔ ان کے پاؤں اونٹ کے پیٹ کے ساتھ ایک رسی کے ذریعے باندھ دیئے گئے تھے۔ قیدیوں کے نگران محفر بن ثعلبہ عائذی، شمر بن الجوشن، عمرو بن حجاج اور شبیث بن ربعی تھے۔ اور ایک ہزار سوار کی جماعت ان کے ساتھ کر دی۔ انہیں تاکید کر دی گئی کہ جلد ہی سروں والی جماعت کے ساتھ مل جانا۔ تاکہ ایک ہی قافلہ ہو جائے۔ جس شہر سے گزرنا قیدیوں اور سروں کی خوب تشہیر کرنا۔

سیّد سجّاد اور بناتِ علی مرتول اس خستہ حالی اور ظلم و تشدّد کے ساتھ قیدی بنائی گئی تھیں کہ سننے والے انسان کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ پتھر کا کلیجہ بھی پگھل جاتا ہے۔ تاریخِ دنیا میں لڑائیاں ہوتی رہیں۔ عورتیں اور مرد قید بھی کر لئے گئے۔ مگر تاریخِ عالم کا کوئی ورق کربلا اور کوفہ و شام کے تشدّد کی مثال پیش نہیں کر سکتا۔ اسی طرح بے دردی اور ظلم سے کسی لڑائی میں کوئی فریق قتل نہیں ہوا۔ اور اس جور و جفا اور ذلّت و رسوائی سے کسی مقتول جماعت کے پسماندگان قید نہیں ہوئے۔

پھر سفر بھی مختصر نہ تھا۔ طویل سفر، تھکا دینے والی منزلیں، اور زحر بن قیس اور شمر ملعون ایسے سنگدل و بے رحم، مجسمہ ظلم وستم کی شدید ترین نگرانی اور ہر کوچ و مقام پر تشدد اور دھمکیاں، ان کی قوتِ قدسیہ، روحانی طاقت اور مقصد و نصب العین کی عظمت و شرافت نے اِس شدید امتحان میں ان کی مدد کی اور قوتِ ارادی اور عزم و استقلال کو مضبوط و مستحکم رکھا۔

مستوراتِ بنی ہاشم کی روانگی اور زنانِ انصار کی رہائی

کربلا میں بعض انصار و اصحابِ جناب امامِ مظلوم کے ساتھ ان کی مستورات بھی تھیں، جنہیں بعدِ شہادت سیّد الشہداء، نساء بنی ہاشم کے ساتھ قید کر لیا تھا۔ کوفہ میں بڑے بڑے قبیلوں نے ابنِ زیاد کی حمایت کی تھی۔ اور انہیں قبائلِ کوفہ کی امداد پر ابنِ زیاد نے کربلا میں ظاہری کامیابی حاصل کی۔ کوفہ کے وہ سردار جنہیں رفاقتِ سیّد الشہداء میں درجۂ شہادت حاصل ہوا۔ ان کی انہیں قبائل کے ساتھ رشتہ داریاں اور خاندانی قرابتیں بھی تھیں۔ اس وقت ان کی مستورات کی قید قبائلِ کوفہ کو گوارا نہ تھی، چنانچہ انصارِ حسین کی عورتوں کو ان کے خاندان والوں نے سفارش کر کے کوفہ ہی میں رہا کرا لیا تھا۔ چونکہ وہ کوفہ کی رہنے والی تھیں، اُن کے خاندان والوں کو درد پہنچا۔ مگر مدینہ کی رہنے والی شہزادیاں بے وارث ہو چکی تھیں اور ان کا کوئی حامی و مددگار نہ تھا۔ اِن میں کچھ رسولِ پاک کی نواسیاں تھیں۔ جناب بتولِ عظمیٰ کی بیٹیاں اور پوتیاں تھیں اور جناب ابو طالب کی اولاد کی مستورات و مخدرات تھیں۔

ان کا کوئی سفارشی نہ تھا۔ جن کے ذریعے قیدیوں کو رہائیاں ملتی ایصلہ۔ فاضل سماوی نے "ابصار العین" میں تحریر کیا ہے کہ بنی ہاشم کے سوا انصار و اصحابِ حسین کی جملہ مستورات کو جو کربلا سے زنانِ بنی ہاشم کے ساتھ قید ہو کر آئی تھیں۔ اپنے رشتہ دار اور اہلِ قرابت خاندانوں کی سفارش سے کوفہ ہی میں قید سے آزاد ہو گئی تھیں اور شام جانے والی صرف خاندانِ بنی ہاشم کی مخدراتِ طاہرہ اور پردگیانِ عصمت تھیں۔ جو مدینہ سے ہمراہِ جناب امام آئی تھیں، اسی طرح "وقائع ایّامِ محرّم" میں بھی مکتوب ہے۔

صعوبتِ سفر

کوفہ سے شام طویل سفر اور دراز مسافت تھی۔ راستے میں کئی منزلیں آئیں، کسی منزل کو چلتے چلتے عبور کیا گیا اور کسی منزل میں قیام کیا۔ اتنے بڑے لمبے سفر میں ان سنگدل نگرانوں نے کسی مقام پر اہلِ بیتِ رسول کے ساتھ نرم سلوک نہیں کیا۔ جہاں کڑیوں کی اذیت اور رنج نئے اور طویل سفر کی تکلیف تھی، اس سے

بڑھ کر ان ظالموں اور شقیوں کا مستورات اور بچیوں کے ساتھ تشدد آمیز رویہ تھا۔ ہر کوچ و مقام پر یہ ملعون ستم کار شہزادیوں پر سختیاں کرتے۔

شمر ملعون اور زحر بن قیس (زحر — زحر — حا کے ساتھ صحیح ہے گو بعض کتب میں جیم کے ساتھ لکھا ہے) ایسے سنگدل ملعون تھے جنہوں نے ساری راہ ان بے وارث قیدیوں کو ستایا اور اذیتیں دیں۔

اہل بیت کے معصوم بچے اس کی مخوف شکل کو دیکھ کر آوازوں اور سختیوں سے شدید گھبرائے ہوئے تھے۔ ان کی شکلیں دیکھ کر سہم جاتے۔ منہ سے کوئی آواز نہ نکلتی۔ اور فلک ستائی مظلوم بیبیاں خاموش رہ جاتیں۔ جناب سجاد تو ساری راہ تازیانے کھاتے گئے اور خاموشی سے اتنا لمبا سفر طے کیا کہ ان لعینوں سے تمام تک کوئی بات نہ کی۔ اور صبر کے تلخ گھونٹ پیتے رہے۔

دیوار سے ایک ہاتھ کا برآمد ہونا

جب قیدیوں کا قافلہ کوفہ سے روانہ ہوا تو انہوں نے اس سفر کی پہلی منزل پر قیام کیا۔ وہ منزل غیر آباد تھی۔ انہوں نے سر اقدس کو صندوق سے نکالا اور اپنے سامنے رکھا۔ ان حاملان سر مطہر کا یہ دستور تھا کہ دوران سفر سر کو صندوق میں بند رکھتے۔ جب کسی منزل پر قیام کرتے تو صندوق کھول کر سر سامنے رکھتے۔ کسی دیوار پر یا کسی پتھر پر رکھ دیتے۔ اور کبھی کبھی جب خوف و خطر سے امن پاتے اور اہل شہر کو اپنا ہم خیال یا یزید اور ابن زیاد کے پیروکار اور مطیع دیکھتے تو اس وقت سر پاک کو نیزہ پر سوار کر کے شہر میں پھراتے۔ اس منزل پر انہوں نے جناب فرزند رسول کے سر مبارک کو سامنے رکھا اور خود شراب خوری میں مشغول ہو گئے، اور مسرت و شادمانی کا اظہار کرنے لگے کہ یکایک سامنے والی دیوار پر ایک ہاتھ نکلا۔ جس نے لوہے کے قلم کے ساتھ یہ شعر تحریر کیا ؎

اَتَرْجُوْا اُمَّۃٌ قَتَلَتْ حُسَيْناً
شَفَاعَةَ جَدِّہٖ یَوْمَ الْحِسَابِ

کیا وہ امت جس نے قتل حسین ایسے جرم کا ارتکاب کیا، قیامت کے دن اس کے نانا کی شفاعت کی امید رکھ سکتی ہے؟

یہ اشقیاء اس واقعہ سے اس قدر گھبرائے اور خوف زدہ ہوئے کہ قیام نہ کیا اور آگے چلے گئے۔

انبیاء و ملائکہ کا سرِ حسین کے پاس آنا

ابنِ لہیعہ ایک محدث اور قاضی ہے۔ وہ بیان کرتا ہے کہ میں خانہ کعبہ کے طواف میں مشغول تھا۔ ایک شخص کو دیکھا جو بلند آواز سے کہہ رہا تھا: "اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَمَا اَرَاكَ فَاعِلاً" خدایا مجھے بخش دے، لیکن میں خیال کرتا ہوں کہ تو مجھے نہیں بخشے گا۔ ابنِ لہیعہ نے کہا: "یَا عَبْدَ اللّٰہِ اِتَّقِ اللّٰہَ وَلَا تَقُلْ مِثْلَ ذَالِكَ" اے بندۂ خدا! خدا سے ڈر اور ایسی بات نہ کر کیونکہ اگر تیرے گناہ بارش کے قطروں اور درختوں کے پتوں کے برابر بھی ہوں اور تو خدا سے مغفرت کا طالب ہو تو وہ تجھے بخش دے گا کیوں کہ وہ غَفُوْرٌ رَّحِیْم ہے۔

ابنِ لہیعہ کی بات سن کر اس شقی نے کہا۔ میرے قریب آ، میں تجھے اپنے گناہ کا قصّہ سناتا ہوں۔ ابنِ لہیعہ اس کے قریب گیا۔ اور اس شقی نے اپنا واقعہ بیان کیا۔

ہم پچاس آدمی تھے جو بعد شہادت فرزندِ رسول حسین ابنِ علی کا سر لے کر کوفہ سے دمشق روانہ ہوئے میں بھی ان میں شامل تھا کہ رات کے وقت سرِ مقدس کو ایک صندوق میں بند کر کے شراب نوشی میں میرے ساتھی مشغول ہوئے اس رات میں نے شراب نہیں پی۔ لیکن میرے ساتھی شراب کے نشہ میں بدمست ہو گئے۔ جب رات کی تاریکی خوب چھا گئی تو میں نے بجلی کے چمکنے اور کڑکنے کی آواز سنی اور دیکھا کہ آسمان کے دروازے کھل گئے ہیں اور حضرت آدم۔ نوح۔ ابراہیم، اسماعیل، اسحاق اور ہمارے پیغمبر اکرم (علیہم الصّلوٰۃ والسلام) نازل ہوئے اور ان کے ساتھ جناب جبرئیل اور بہت سے فرشتے بھی تھے۔ جناب جبرئیل نے صندوق کا قفل کھولا اور سرِ مقدس کو باہر نکالا۔ اس سر کو اپنے سینہ، مقام قلب و جگر سے لگایا اور بوسہ دیا۔ اس کے بعد ان انبیاء نے جو نازل ہوئے تھے، باری باری سر کو اپنے سینوں سے لگایا اور ساتھ ساتھ بوسے لئے اور بہت روئے، ان کے بعد جناب محمد مصطفٰےؐ نے سر کو گود میں لیا۔ بوسے بھی لیتے تھے اور بہت روتے تھے۔ انبیاء ان کو تعزیت کرتے اور رو رو کر فرزند کا پُرسا دیتے۔ جناب رسالتمآب وارثِ ماتمِ حسین تھے۔ درمیان میں حسین کا سر تھا اور آس پاس اولوالعزم پیغمبر رو رہے تھے۔ اتنے میں جناب جبرئیل نے جناب پیغمبر اکرم کی خدمت میں عرض کیا: اِنَّ اللّٰہَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی اَمَرَنِیْ اَنْ اُطِیْعَكَ فِیْ اُمَّتِكَ فَاِنْ اَمَرْتَنِیْ زَلْزَلْتُ بِھِمُ الْاَرْضَ وَجَعَلْتُ عَالِیَھَا سَافِلَھَا کَمَا فَعَلْتُ بِقَوْمِ لُوْطٍ" اے محمد! اللہ تبارک و تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ آپ کی اُمت کے بارے میں آپ کی فرمانبرداری کروں، اگر آپ مجھے حکم دیں تو ان ظالموں اور ملعونوں پر

زمین کو الٹ دوں، اور ان کو ہلاک و برباد کر دوں۔ جس طرح میں نے قومِ لوط کے ساتھ سلوک کیا تھا۔ جناب محمد مصطفٰےؐ نے فرمایا: فَاِنَّ لَهُمْ مِنِّيْ مَوْقِفًا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ تَعَالٰى اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔ جبرئیل! ایسا نہ کرنا۔ میں اپنا حساب کتاب ان ظالموں کے بارے میں قیامت کے دن پیش کر دوں گا۔ پھر وہ فرشتے ہمیں قتل کرنے کے لیے آگے بڑھے۔ میں نے کہا: اَلْاَمَانُ اَلْاَمَانُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ" پھر ہمارے پیغمبر نے فرمایا: "اِذْهَبْ فَلَا غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ" جا دُور ہو جا خدا تجھے کبھی نہ بخشے" یہ قصہ بیان کرنے کے بعد اس شخص نے کہا کہ اس صورت میں مجھے بخشش کی کوئی امید ہے؟

قطرۂ خون کا کرشمہ

جب حاملانِ سر موصل کے قریب پہنچے تو ان اشقیاء نے حاکمِ موصل کو کہلا بھیجا کہ وہ ان کے قافلہ کے لئے اور قافلہ کی سواریوں کے لئے کھانے پینے اور چارہ کا انتظام کرے اور رہائش کا بندوبست کرے۔ یہ لوگ جب بڑے شہروں کے پاس آتے تو حاکمِ شہر کو رہائش اور خورد و نوش کے انتظام کے لئے پیغام بھیجتے۔ چنانچہ حاکمِ شہر نے تو ان کی درخواست منظور کر لی مگر موصل شہر کے لوگوں نے ان بد ذات لوگوں سے نفرت کا اظہار کرتے ہوئے شہر میں داخل ہونے کی اجازت نہ دی۔ چنانچہ ان لوگوں نے شہر سے باہر ایک فرسخ دُور ایک پہاڑ کے دامن میں قیام کیا۔ حاکمِ شہر نے ان کیلئے طعام اور ضروریات باہر شہر سے بھجوا دیئے۔ خاندانِ محمد مصطفٰےؐ کی مستورات اور قیدی بچّوں نے بھی وہیں قیام کیا۔ کیونکہ جہاں نگرانوں کا قیام ہوتا وہیں ان کے پابند قیدیوں کو رہنا پڑتا۔ مگر جو آرام و سکون اور سامانِ خورد و نوش اپنے لئے مہیّا کرتے مستوراتِ آلِ محمدؐ اور یتیمانِ خاندانِ رسالت ان سہولتوں سے محروم رہتے۔ وہی سلوک کرتے جو گھٹیا اور پست خاندان کے قیدیوں سے کیا جاتا ہے۔ اِس جگہ مولائے مظلوم کا سر انہوں نے ایک پتھر پہ رکھا۔ سر سے خون کا ایک قطرہ پتھر پر گرا۔ اس وقت قافلہ تو وہاں سے چلا گیا مگر خونِ پاک کا وہ قطرہ اپنا اثر دکھا گیا۔ ہر سال روزِ عاشور اِس مقام سے خون جوش مار کر اُبلتا۔ مظلوم کے خون نے گرد و نواح کے لوگوں کے دل مائل بہ ماتم کر دیئے۔ لوگوں پر شہادتِ حسینؑ کی حقیقت آشکار ہو گئی۔ لوگ اِس قطرۂ خون کا کرشمہ دیکھنے کیلئے آتے۔ دل کھول کر گریہ و بکا کرتے۔ مراسمِ عزا بجا لاتے۔ اور جناب سیدہ مادرِ حسینؑ کو کربلا کے شہیدوں کا پُرسا دیتے۔ یہ سلسلہ مدتوں جاری رہا۔ اور اِس مقام کو ایک عزاخانہ کی حیثیت حاصل ہو گئی۔ عبدالملک بن مروان نے اپنے زمانۂ حکومت میں وہ پتھر وہاں سے اٹھوا کر کسی اور مقام پہ غائب کرا دیا۔ گو خون کا جوش مار کر ابلنا تو موقوف ہو گیا کیونکہ پتھر غائب کر دیا گیا تھا۔ مگر عزاداری قائم

رہی وہاں عزاداروں نے ایک گنبد بنا دیا جو "مشہد النقطہ" کے نام سے مشہور ہوا۔

دیرِ راہب

سر کا اعجاز

کتاب "الدمعۃ الساکبہ" اور بعض کتب قدیمہ میں ابو سعید شامی سے مروی ہے۔ وہ بیان کرتا ہے کہ میں ان لوگوں کے ہمراہ تھا جو ابنِ زیاد کے حکم سے شہدائے کربلا کے سر اور مستوراتِ بنی ہاشم کو شام لے جا رہے تھے۔ یہ لوگ جب ایک راہب نصرانی کی عبادت گاہ کے پاس پہنچے تو انہیں خبر ملی کہ ایک شخص "نصر خزاعی" نے لشکر جمع کیا ہے اور تم پر رات کے وقت حملہ کر کے تم سے شہداء کے سر اور اسیرانِ اہلِ بیتِ محمدؐ چھین لے گا۔ اس خبر سے روسائے قافلہ میں اضطراب پیدا ہو گیا۔ انہوں نے "دیرِ نصرانی" میں رات کے وقت پناہ پکڑ لینے کی تجویز کی۔ وہ دیر مضبوط تھا اور حملہ سے محفوظ مقام تھا۔ چنانچہ انہوں نے دیر کے راہب سے درخواست کی کہ رات وہ اپنے گرجا میں گزارنے کی اجازت دے۔ اس نے جواب دیا کہ میرے عبادت خانے میں اتنے آدمیوں کی گنجائش نہیں۔ اگر تمہیں حملہ کا خطرہ ہے اور قیدیوں اور سروں کے چھن جانے کا ڈر ہے تو اسیروں اور سروں کو میں اپنے دیر میں جگہ دیتا ہوں۔ اور ان کی حفاظت کی ذمہ داری بھی لیتا ہوں۔ اگر حملہ آور آ جائے تو تم اس سے لڑنا اور قیدیوں اور سروں کی طرف سے تم مطمئن رہو وہ محفوظ رہیں گے۔

راہب کی اس تجویز کو ان ملاعین نے قبول کر لیا۔ خود دیر سے باہر رہے اور سرہائے شہداء اور اسیرانِ کربلا دیر میں چلے گئے۔ جناب سیّد الشہداء کا سر صندوق میں بند کر کے اندر رکھ دیا گیا۔ وہ راہب بیان کرتا ہے کہ رات چھا چکی تھی، اندھیرا پھیل گیا۔ شب کافی گزر چکی تھی میں حیرانی میں ڈوبا ہوا سوچ رہا تھا کہ یہ کون قیدی ہیں؟ کہاں کے رہنے والے ہیں اور یہ سر کن کے ہیں؟ کیا ان قیدیوں کا کوئی وارث نہیں؟ ان سروں کا کوئی مالک نہیں جو ان سروں کو بدنوں کے ساتھ دفنا دیتے قیدیوں کو رہا کرا لیتے؟ یہ بے وارث ہیں؟ یہ سوچ کر وہ اٹھے اور ایک روشندان سے اس نے صندوق کو دیکھا۔ کیا دیکھتا ہے کہ جس کمرے میں وہ صندوق ہے۔ بغیر چراغ کے روشن ہے اور بغیر قندیل کے بقعۂ نور بنا ہوا ہے۔ اس صندوق سے نور کی شعاعیں بلند ہو رہی ہیں۔ یہ ایک انوکھا واقعہ تھا اور اس کے فہم و ادراک سے بلند، حیران کھڑا دیکھ رہا ہے اور قدرت کے کرشمہ پر تعجب

کر رہا ہے۔ اتنے میں اس کمرہ کی چھت شگافتہ ہو جاتی ہے۔ ایک نورانی عماری نازل ہوئی جس میں چند مستورات ہیں۔ اچانک آواز آئی "اُطْرُقُوا وَلَاتَنْظُرُوا۔" سر جھکا لو اور نظریں نیچی کر لو" اِن عورتوں کے رونے کی آوازیں سنتا رہا۔ ہر عورت نے سر کو گود میں لیا۔ اور اس کے بوسے لے کر گریہ و بکا کیا۔ آخر میں ایک مستور نے دردناک آواز میں کچھ اس قسم کے بین کئے کہ میرے عبادت خانے کی دیواریں لرزتی تھیں۔ فضا سوگوار معلوم ہوتی تھی۔ یہی معلوم ہوتا تھا کہ وہ بی بی اس مظلوم سر کی ماں ہے۔ اور اس کا بیٹا نہایت بے دردی سے مارا گیا ہے۔ وہ بیبیاں ماتم کر کے چلی گئیں۔ نصرانی اس کمرے میں داخل ہوا۔ آخر پڑھا لکھا تھا سمجھ گیا کہ کسی مقدس اور مقرب انسان کا سر ہے۔ نبی ہے یا ولی ہے۔ اس نے صندوق کا قفل کھولا اور سر نکالا۔ اس مقدس سر کو اس نے عزت و احترام سے غسل دیا۔ کافور سے حنوط کیا۔ خوشبو لگائی پھر اپنے سامنے رکھ کر دو زانو بیٹھا اور اسی طرح اس سر سے خطاب کیا۔ فرطِ محبت اور شدتِ درد والم سے آنسو بہا کر کہنے لگا۔ "تو بنی آدم کے کس عظیم فرد کا سر ہے؟ اے کریم مجھے بتا تو کون ہے؟ معلوم ہوتا ہے کہ تو شہید راہ خدا ہے۔ تو ان لوگوں میں سے معلوم ہوتا ہے جن کی مدح خدا نے توراۃ اور انجیل میں کی ہے۔ تو روحانی منزلت اور ربانی قوت کا مالک معلوم ہوتا ہے۔ جس پر نساء آسمان اتر کر ماتم کریں۔ تو وہ عظیم الشان انسان ہے۔ مجھے اپنا تعارف تو کرا دے۔ حسن اتفاق سے آج تو میرا مہمان ہے۔ تو نے مجھے شرفِ میزبانی بخشا۔ نرالے شہید، نرالے مہمان مجھے اپنے نام و مقام سے آگاہ تو کر۔ راہب کا بیان ہے کہ وہ سرِ مقدس قدرتِ خدا سے گویا ہوا۔ "اَنَا الْمَظْلُوْمُ، اَنَا المهموم، انا الذی بسیف العدوانِ والظلم قُتِلْتُ۔ انا الّذی بحرب اھل البغی ظلمت" نصرانی نے کہا یہ تو آپ پر ظلم ہوا۔ بے شک آپ مظلوم ہیں۔ لیکن اپنا نام و نسب تو بیان کریں۔ سرِ اطہر سے آواز آئی "اَنَا ابنُ محمدٍ المصطفٰے انا ابن علی المرتضٰی انا ابن فاطمۃ الزھرا انا ابن خدیجۃ الکبریٰ انا شھید کربلا انا قتیلِ کربلا انا الحسین بن علیؑ" نصرانی پہچان گیا کہ یہ نواسۂ رسول اور فرزندِ علی و بتول حسینؑ کا سر ہے جو معرکہ کربلا میں شہید ہوا۔ اِس راہب نے اپنے تمام شاگردوں اور اہلِ دیر کو اکٹھا کیا۔ واقعہ بیان کیا اور سرِ اقدس کی کرامت اور نواسۂ رسول کی شہادت سے انہیں دینِ حقانیت ظاہر ہو گئی، کلماتِ شہادت ادا کئے اور عیسائیت ترک کر کے دینِ اسلام میں داخل ہو گئے۔ جناب امام زین العابدین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے، دینِ اسلام قبول کیا۔ سروں سے پگڑیاں اتار دیں۔ گریبان چاک کئے۔ گریہ و بکا کی آوازیں بلند ہوئیں۔ بتول کے مظلوم فرزند پر ماتم کیا۔ پہلے وہ عیسائیوں کا عبادت خانہ تھا اب وہ بتول کے لال کا عزاخانہ بن گیا۔ اس طرح اِس شہید اعظم کے مقدس سر

کی کرامت سے عیسائیوں کا بہت بڑا عالم اپنے شاگردوں سمیت حلقۂ اسلام میں داخل ہو گیا۔ اور بتول کے فرزند کا ماتم دار بن گیا۔

اظہارِ طاعت و اظہار نفرت

چونکہ سفر طویل تھا۔ راستے میں کئی منزلوں پہ قیام کرنا، سپاہ ابن زیاد کا دستور تھا کہ جب کسی بڑے شہر کے قریب پہنچتے تو اس کے حاکم کو کہلا بھیجتے کہ ہم تیرے شہر میں آج قیام کریں گے۔ ہمارے کھانے پینے، رہائش کا انتظام کرنا نیز ہماری سواریوں کے چارے دانے کا بھی انتظام کرنا۔ ہم ابن زیاد کے آدمی ہیں۔ ہم نے کربلا کی جنگ فتح کی ہے۔ مخالفین مارے گئے ہیں۔ اور ان کی پس ماندہ عورتیں اور اُن کے معصوم اور یتیم بچے قید کر لئے۔ چنانچہ یہ قیدی اور مقتولین کے سر ہم امیر یزید کے پاس شام لے جا رہے ہیں۔ اس واسطے ہماری شب باشی کا انتظام کریں۔ مختلف منازل پہ مختلف ردّ عمل کا اظہار کیا گیا۔ بعض بے ضمیر حکام و شہریوں نے فوجِ یزید کا خیر مقدم کیا۔ ان کا خوشی و مسرت اور شان و عزت کے ساتھ استقبال کیا۔ یزید کی خوشی میں اپنی خوشی ملا کر اس سے محبت اور اطاعت کا اظہار کیا۔ اپنی خوشامد اور دنیا پرستی اور یزیدی ہوا خواہی کا ثبوت دیا۔

بعض اہل دل غیور شہریوں نے ظالم و بے دین لشکریوں سے اظہار نفرت کیا۔ ان کے ظالمانہ افعال و کردار اور کافرانہ اقدامات کی ان کے سامنے مذمت کی، جونہی انہوں نے قیدی مستورات اور سر ہائے شہداء کو دیکھا تو خاندانِ محمدؐ پہ درود و سلام پڑھا۔ اور ملاعینِ کوفہ و شام پر لعنت بھیجی۔

ہم ان کا مختصر تعارف قارئین و سامعین کو کراتے ہیں۔

۱: تکریت :تکریت کے حاکم نے اطلاع ملتے ہی خوشی کے شادیانے بجائے، جھنڈے فضا میں لہرائے۔ بازار سجائے۔ ہر بستی اور ہر قبیلہ کے مرد مان کو اکٹھا کیا اور ایک بھاری جمعیت کے ساتھ سردارانِ فوج ابن زیاد کا استقبال کیا۔ ان کی خاطر و تواضع کی، کہ یزید کو میری طاعت گزاری کی رپورٹ پیش کریں گے اور اور یہ ظالم بادشاہ خوش ہو کر مجھے انعام دے گا۔ اگر کوئی آدمی ان سے پوچھتا کہ یہ کس کا سر ہے اور کس ملک کے قیدی ہیں۔ تو ظالم جواب دیتے کہ ایک خارجی نے حاکمِ وقت امیر یزید سے بغاوت کی تھی۔ وہ مارا گیا۔ یہ اس باغی کا سر ہے۔ اور قیدی اسی کے خاندان کی مستورات ہیں۔ جب تکریت میں وہ لوگ اس قسم کی غلط باتیں اور الزامات کاذبہ بیان کر رہے تھے۔ ایک نصرانی یہ باتیں سن رہا تھا۔ اُس نے کہا کہ میں اس زمانے کوفہ میں موجود تھا۔ جب یہ سر اور قیدی شہر میں وارد ہوئے۔ میں نے تحقیق کی ہے، یہ غلط کہتے ہیں کہ خارجی

سر ہے۔ یہ تو حسین بن علی کا سر ہے۔ نواسۂ رسول اور فرزندِ علی و بتول ہے مسلمانوں! جس پیغمبر کا تم کلمہ پڑھتے ہو اس کا نواسہ ہے۔ جب نصرانیوں نے حقیقتِ حال سُنی تو انہوں نے ناقوس بجا کر اپنی قوم کو اکٹھا کیا۔ انھوں نے اپنے عبادت خانے بند کر دیئے، اور کہا کہ اے اللہ! اے ہمارے معبود و سردار، ہم اس قوم سے بری ہیں، بیزار ہیں۔ جو اپنے نبی و رسول کی ذریّت کے مرد قتل کرتی اور اس کی عورتوں کو قید کرتی ہے۔

۲۔ عسقلان: جب شہر عسقلان کے قریب پہنچے تو انہوں نے امیر عسقلان کو اطلاع دی۔ اس کا نام یعقوب عسقلانی تھا۔ اس نے زیبائش شہر کا حکم دیا۔ دف و طنبور اور آلاتِ لہو و لعب بجانے، خوشی و مسرت کے نغمے گانے اور کامیابی و شادمانی کا جشن منانے کی تاکید کی۔ حسب الحکم خوشیاں ہونے لگیں، زن و مرد اکٹھے ہونے لگے، اور شراب خوری کا دور چلا، معلوم ہونا چاہیئے کہ جب کوئی کمینہ خوشی و مسرت کا اظہار کرتا ہے۔ تو شراب نوشی، لہو و لعب اور افعالِ شنیعہ نیز فحشاء و منکر میں مشغول ہوتا ہے۔ یہ فاسق و فاجر لوگ ہر منزل پہ اس قسم کی خوشیاں مناتے تھے۔ ایک تاجر شخص ہے، اس کا نام" وزیر الخزاعی" ہے، اس نے یہ اجتماع دیکھا۔ وہاں جا کر یہ عجیب حالات اس کے سامنے آئے۔ اس نے خوشی کا سبب اور جشنِ مسرت کی وجہ دریافت کی، اسے یہی جواب ملا کہ باغی مارا گیا، اور اس کا سر اور اس کے ساتھیوں کے سر ہیں اور ان کا کنبہ قیدی ہے۔ نام دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ اس کا نام حُسین ہے۔ ماں فاطمہ زہرا، بھائی حسن مجتبیٰ، بابا علی مرتضیٰ اور نانا محمد مصطفیٰ ہے۔ یہ سننا تھا کہ وزیر الخزاعی کی نظر میں دنیا تاریک ہوگئی۔ اس کے بدن کا بند بند کانپنے لگا، وہ یہ سمجھ کر کہ خاندانِ پیغمبر تباہ و برباد ہوگیا۔ اور جناب زہرا کا گھر ویران ہوگیا۔ قیدیوں کے پاس آیا آہ و بکا کرتا ہوا۔ جناب سجّاد کو نظر آیا۔ مولا نے فرمایا: " اے بندۂ خدا! ساری دنیا خوش ہے، تو رو رہا ہے، لوگ مسرور ہیں تو محزون ہے (جب ان صبر آزما سفروں، دکھ بھری منزلوں اور دشوار گزار راہوں میں کوئی غم گین اور سوگوار نظر آتا ہے۔ جناب سجّاد کو ان سے محبت ہوتی اور دل کے غم کا بوجھ ہلکا ہوجاتا، وہ پُرسا اور تعزیت ادا کرتا۔ جناب سجّاد آنسو بہا کر دل کو راحت دیتے) وزیر الخزاعی نے جواب دیا کہ مولا مجھے تو اس خبر سے صدمۂ عظیم پہنچا ہے۔ میرا جگر پھٹ گیا ہے۔ هَلْ لَكَ حَاجَةٌ: مولا! کوئی حاجت بیان کیجئے۔ تاکہ اس حالتِ اسیری اور عالمِ غربت میں آپ کی کچھ خدمت کر سکوں۔ جناب سید سجّاد نے فرمایا تیرے دل میں ہماری معرفت و محبت معلوم ہوتی ہے۔ اتنا کر کہ جس کے ہاتھ میں میرے بابا کا سر ہے، اسے کہہ دے کہ اس سر اور سرہائے شہداء کو ہماری مستورات کے آگے آگے رکھے" تاکہ لوگ ان سروں کا تماشا دیکھنے میں مصروف رہیں اور ہماری مستورات ان تماشہ بین لوگوں کی نگاہوں سے بچ سکیں۔

وزیر الخزاعی نے حاملِ راس کو کچھ درہم و دینار دیئے۔ اور وہ سر کو آگے لے گیا۔ اوباش لوگ سروں کو دیکھنے میں مشغول ہو گئے۔ اور مخدراتِ اہلِ بیت اس کربناک منظر سے کسی قدر محفوظ ہو گئیں۔ اس کے بعد وہ مومن مولائی جنابِ سجاد کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی مولا! کوئی اور خدمت، امام نے فرمایا کہ اگر تیرے پاس کچھ چادریں ہوں تو ہماری مستورات کو سر ڈھانپنے کے لئے لا دے، اس مردِ مومن الخزاعی نے ہر مستور کے لئے چادر اور امام پاک کے لئے عمامہ پیش کیا۔ اتنے میں بازار میں شور و غل ہوا۔ اس کی نظر شمر لعین پر پڑی۔ اس نے شمر لعین کی گھوڑے کی باگ پکڑ کر کہا: "ظالم! تجھے کچھ خوفِ خدا نہیں، تو نے کس کا سر نیزے پر اٹھایا ہوا ہے؟ یہ کس کی مستورات ہیں، جنہیں بے پالان اونٹوں پر قیدی بنا کر بازار میں پھرا رہا ہے؟ خدا تجھے اندھا کرے اور تیرے ہاتھ کاٹ ڈالے، تجھے کچھ شرم نہیں؟" یہ سننا تھا کہ شمر لعین آپے سے باہر ہو گیا۔ اس نے اپنی فوج کے آدمیوں کو پکارا۔ جنہوں نے اس مومن مولائی کو اس قدر مارا کہ شدتِ ضرب سے بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ یہ بے ہوشی کے عالم میں پڑا رہا۔ ظالموں نے سمجھا کہ مر گیا ہے۔ قافلہ چلا گیا اور یہ مضروب و زخمی مومن ہوش میں آیا۔ جب رات ہو گئی اور اندھیرا چھا گیا تو اٹھتا بیٹھتا وہاں سے روانہ ہوا۔ کبھی گھٹنوں کے بل چلتا، کبھی زمین پر ہاتھ رکھ کر آگے بڑھتا۔ آخر یہ ایک مسجد میں پہنچا جسے "مسجدِ سلیمان النبیؑ" کہا جاتا تھا۔ اس نے دیکھا کہ کچھ لوگ سر برہنہ گریبان چاک، بقلب فگار و بادیدۂ اشکبار ماتم کر رہے ہیں۔ وزیر الخزاعی نے پوچھا کہ لوگ تو خوشیاں کر رہے ہیں اور تم لوگ مصروفِ ماتم ہو۔ انہوں نے کہا۔ اگر تو ہم میں سے ہے تو ہمارے ساتھ شریکِ ماتم اور شاملِ گریہ و بکا ہو جا۔ وزیر الخزاعی نے اپنا دردناک قصہ بیان کیا اور بدن کے زخم دکھائے، وہ لوگ حسینِ مظلوم اور ان کے اہلِ بیت کی مصیبت پر روتے رہے اور یہ مردِ مومن ان کے ساتھ شاملِ گریہ و بکا رہا۔

مخفی نہ رہے کہ شام کے راستے میں جتنے بڑے شہر آئے، ان ظالموں نے سرہائے شہداء اور مستورات کو بازار میں تشہیر کے لئے گزارا اور ان کا دل دکھانے کے لئے شہر اور بازار سجائے گئے۔ اور فتح کے جشن منائے گئے۔ یہ مسلمانوں کی حالت تھی۔ راستے میں جتنے عیسائیوں کے دَیر آئے اور نصرانیوں کی بستیاں آئیں۔ انہوں نے خاندانِ رسالت کے ساتھ سچی ہمدردی ظاہر کی، کئی ایک راہب کراماتِ سرِ مطہر دیکھ کر حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔ چونکہ شام میں عیسائیوں کی کافی آبادی

تھی۔ کئی بستیاں اور عبادت خانے تھے۔ اسی واسطے صرف ایک راہب کا قصہ نہیں، بلکہ کئی راہبوں کے واقعات ملتے ہیں جنہوں نے اہلِ بیتِ رسول کی راہ میں آنکھیں بچھائیں، اور عزت و تکریم کی، مگر مسلمانوں نے پتھروں، طعنوں اور زبان درازی سے سادات کا استقبال کیا۔

راہب کا واقعہ

الخصائص میں مذکور ہے کہ جب ملاعین نے ایک منزل میں قیام کیا۔ تو انہوں نے سرِ مقدس کو نیزے پر سوار ایک دیر کی دیوار کے ساتھ لگا دیا۔ جب رات کافی گزر گئی اور پہریداروں کے سوا سب لوگ سو گئے تو راہب نے دیکھا کہ سرِ مقدس سے نور کی شعاعیں پھوٹ کر آسمان تک پہنچی ہوئی ہیں اور سر اقدس سے تسبیح و تہلیل کی آواز آ رہی ہے۔ اور غیب سے کوئی شخص اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا اَبَا عَبْدِ الله کہہ رہا ہے۔ تو وہ راہب یہ عجیب و غریب نظارہ دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اُس نے جھانک کر پہرہ داروں سے دریافت کیا کہ تم کون لوگ ہو؟ اور یہ سرِ مبارک کس ہستی کا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم ابنِ زیاد عاملِ کوفہ کے آدمی ہیں۔ اور سر لے کر دمشق یزید کے پاس جا رہے ہیں۔ اور یہ سر حسین ابنِ علی کا ہے، جس کا نانا محمدؐ مصطفیٰ اور ماں فاطمہ زہرا ہے۔ راہب نے پوچھا اس محمدؐ مصطفیٰ کا نواسہ ہے جو تمہارا پیغمبر ہے اور جس کا تم لوگ کلمہ پڑھتے ہو۔ انہوں نے جواب دیا "ہاں وہی!" راہب نے جواب دیا: بِئْسَ الْقَوْمُ اَنْتُمْ لَوْ كَانَ لِلْمَسِيْحِ وَلَدٌ لَا سْكَنَّاهُ عَلٰى اَحْدَاقِنَا۔ تم بہت بری قوم ہو، اگر حضرت عیسیٰ کا کوئی فرزند ہوتا تو اُسے ہم آنکھوں پر بٹھاتے، اِسی لئے آسمان سے خون برستا رہا۔ یہ سر کسی نبی کا یا وصیؑ کا ہے۔ اس وقت راہب نے کہا، یہ سر مجھے صبح تک دے دو اور اس کے بدلے دس ہزار درہم تم مجھ سے لے لو۔ جب تم کوچ کرنے لگو تو یہ سر مجھ سے لے لینا۔ انہوں نے راہب کی پیشکش قبول کر لی۔ راہب نے اسے غسل دیا۔ خوشبو لگائی، اور اپنی گود میں رکھ کر ساری رات روتا رہا۔ جب صبح نمودار ہوئی تو اُس نے سر سے خطاب کیا: "اے مقدس و مطہر سر اس وقت میں سوائے اپنی ذات کے کسی شئے کا مالک نہیں۔ میں تیری کرامت راہ حق میں شہادت سے متاثر ہو کر اسلام قبول کرتا ہوں، پھر اس نے کلمۂ شہادتین پڑھا۔ کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ ہیں آپ کے جدِّ امجد محمد مصطفیٰ اللہ کے رسول ہیں۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ میں آپ کا غلام ہوں، یہ کہہ کر اُس نے سر ان لوگوں کے حوالے کر دیا۔

پھر وہ اپنا "دیر" چھوڑ کر پہاڑوں میں چلا گیا۔ اور وہیں عبادت کرتے کرتے راہیِ مُلکِ بقا ہوا۔
جب یہ ملاعین دمشق کے پاس پہنچے تو کہا کہ لاؤ وہ مال جو راہب سے مِلا تھا باہم تقسیم کرلیں، جب تھیلیاں کھولی گئیں تو وہ درہم ٹھیکریاں بن چکے تھے جن کی ایک جانب تحریر تھا: لَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ اور دوسری جانب منقوش تھا: وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ۝

حِمص: شام کے راستے میں ایک شہر آتا ہے۔ اس کے حاکم کو اطلاع ملی، اس کا نام خالد بن نشیط تھا۔ اس نے شہر کی "آئینہ بندی" کی۔ جھنڈے بلند کئے، لوگوں کو جمع کیا۔ اور تین میل استقبال کے لئے آگے بڑھا۔ جب یہ قافلہ شہر کے دروازہ پر پہنچا تو عام لوگوں کو جب حقیقتِ حال معلوم ہوئی اور اہلِ بیتِ رسول کی زبوں حالی دیکھی، تو انہوں نے بے دین فوج اور لشکرِ اشقیاء کی مزاحمت کی، ان ناپاک لوگوں کو شہر میں داخل ہونے سے روکا، کچھ لڑائی بھی ہوئی، ابنِ زیاد کے کچھ سوار مارے بھی گئے۔ انہوں نے دروازے بند کر لئے، اور سپاہِ ابنِ زیاد کی طرف رُخ کر کے کہا: "اَكُفْرٌ بَعْدَ اِيْمَانٍ اَمْ ضَلَالٌ بَعْدَ هُدًى"۔ "کیا ایمان کے بعد کفر ہے یا ہدایت کے بعد گمراہی"، آخر یہ ملاعین رُسوا ہو کر وہاں سے چلے گئے۔

بَعْلَبَكّ:۔ اس شہر کے حاکم نے بھی یزیدی ہواخواہ ہونے کا ثبوت دیا۔ اور پورا شہر سجایا۔ خوشیاں منائیں۔ اور چھ میل شہر سے دُور ان ملاعین کا استقبال کیا۔ اور عمدہ قسم کے کھانے اور تحائف ان کو پیش کئے، جنابِ اُمِّ کلثوم نے جب شہر کا نام دریافت کیا، تو لوگوں نے "بعلبک" بتایا۔ جناب اُمِّ کلثوم نے بددُعا دی کہ خدا ان کی کثرت کو ہلاک کرے، ان کی آبادی کو برباد کرے، ان کے پانی کو میٹھا نہ کرے۔ اور ظلم وجور میں یہ لوگ مبتلا رہیں۔

"نصیبین" اِس شہر کا حاکم منصور بن الیاس تھا۔ اِس نے اطلاع مِلتے ہی شہر کو سجایا اور ہر قسم کی مُسرّت ظاہر کرنے کا حکم دیا۔ جب حامِل سرِ مبارک شہر میں داخل ہونے لگا تو اس کے گھوڑے نے شہر میں داخل ہونے سے انکار کر دیا۔ اُس نے دوسرا گھوڑا تبدیل کیا۔ اُس نے انکار کر دیا۔ اسی اثناء میں سرِ مبارک نیزہ سے زمین پر گر پڑا۔ ایک شخص "اِبراہیم موصلیؒ" نے بڑھ کر سرِ مبارک اٹھایا جب اس نے غور سے دیکھا تو اُسے فرزندِ رسول حسین ابنِ علی کا سر نظر آیا۔ اُس نے اہلِ ظلم بے دینوں کو لعنت ملامت کی، جس کے بدلہ میں ان ستم شعاروں نے جناب "ابراہیم موصلیؒ" کو شہید کر دیا۔ وہ لوگ سرِ مبارک شہر میں نہ لے جا سکے۔ باہر ہی رہے۔ اور جس جگہ سرِ مبارک گرا تھا، وہاں مزار اور "مشہد"

بنا ہوا ہے۔ جسے "مسقط الراس" کہتے ہیں۔

کفرِ طاب: شام کی راہ کی ایک منزل ہے، وہاں ایک چھوٹا سا قلعہ ہے۔ اِس شہر والوں نے دروازے بند کر دیئے۔ اور اِن بے دین ملاعین کو داخلِ شہر ہونے سے روک دیا تھا۔ جب ان ملاعین نے اِن سے پانی طلب کیا تو انہوں نے کہا کہ کس مُنہ سے پانی مانگتے ہو۔ اولادِ رسول اور ذریت رسول کو کنارِ دریا تم نے پیاسا رکھا' ان پر پانی بند کیا۔ پیاسا شہید کیا۔ خُدا کی قسم! ایک قطرہ پانی کا تمہیں نہ دیں گے۔ بے حیاؤ فوراً چلے جاؤ۔ چنانچہ یہ بے شرم و بے حیا وہاں سے چلے گئے۔

سیبور: یہاں بھی انہیں لعنت و ملامت کی گئی۔ اور شہر کے دروازے بند کر کے لوگوں نے انہیں داخل ہونے سے روک دیا۔ اِس شہر میں ایک بوڑھے آدمی نے عثمان بن عفّان کے ہاں حاضری دی ہوئی تھی۔ شہر کے بوڑھوں اور جوانوں کو جمع کر کے کہا کہ میری قوم فتنہ و فساد بُری چیز ہے اور یہ سر تمام بڑے شہروں میں پھرایا گیا۔ وہاں کسی نے مزاحمت نہیں کی۔ تم کیوں روکتے ہو۔ شہر سے گزرنے دو۔ جوانوں کے تیور بدلے، غیرت نے جوش مارا۔ اِسلامی حمیّت بھڑک اٹھی' انہوں نے کہا۔ ایسا ہرگز نہ ہوگا کہ قاتلانِ حُسین خوشیاں مناتے ہوئے رسول کی بیٹیوں کو قید کر کے ہمارے شہر میں داخل ہوں۔ "وَاللہ" ایسا ہرگز نہ ہونے دیں گے۔ انہوں نے ہمّت کر کے شہر سے باہر عبور کرنے کا پُل توڑ دیا۔ سپاہ ابنِ زیاد نے اِن غیور جوانوں پر حملہ کر دیا۔ خون ریز معرکہ ہوا۔ ابنِ زیاد کے بہت سے سوار واصلِ جہنّم ہوئے۔ اور ان جوانوں میں سے پانچ سو سوار شہید ہوئے۔ لیکن اِن ملاعین کو پُل توڑ کر داخل ہونے سے روک دیا۔

جناب اُمّ کلثوم نے اِس شہر کا نام دریافت کیا تو جواب مِلا کہ اس کا نام "سیبور" ہے۔ جناب نے دعائے خیر فرمائی۔ "پروردگار! ان کے پانی کو ٹھنڈا میٹھا کر، اشیائے خورد و نوش عام اور ارزاں کر۔ اور ان کو ظلم و جَور سے محفوظ و مامون رکھ۔"

حماۃ: جب ملاعین کا قافلہ شہر "حماۃ" پہنچا تو ان لوگوں نے بھی دروازے بند کر دیئے۔ ان کو داخلہ سے روک دیا اور خود شہر کی دیوار پر چڑھ گئے۔ اور فوجِ اشقیاء سے کہا کہ بخدا ہم تم نجس آدمیوں کو اپنے شہر میں ہرگز نہ داخل ہونے دیں گے۔ تمہارا گزر ہماری لاشوں پر سے ہوگا جب اہل شام نے ان لوگوں کا عزم دیکھا' وہاں سے چلتے بنے۔ نفس المہموم میں ہے کہ ایک صاحبِ مقتل نے بیان کیا ہے کہ ایک سال سفرِ حج کے دوران میں نے "حماۃ" کے باغوں میں ایک مسجد دیکھی۔ اس کا نام "مسجد الحسین" تھا۔ جب میں مسجد میں داخل ہوا تو اس کے ایک طرف پردہ لٹکا ہوا دیکھا۔ میں نے

پردہ اٹھایا تو دیکھا کہ دیوار میں ایک پتھر منصوب ہے۔ اور پتھر کے اُوپر دیوار میں ایک طاق سی کشادہ ہے۔ اِس پتھر پہ ایک سر کی گردن کا نشان ہے اور اس سر پہ خون جما ہوا ہے۔ میں نے خادم مسجد سے اِن کے بارے میں دریافت کیا تو اُس نے جواب دیا۔ کہ اہلِ شام سروں کو لے کر یہاں سے گزرے، تو اس جگہ فرزندِ بتول حسین بن علی کا سر رکھا رہا۔ صدیاں گزر جانے کے باوجود گردن کا نشان اور خونِ فرزندِ رسول کی یاد تازہ کر رہا ہے۔

قصر بنی مقاتل :- "الدمعۃ الساکبۃ" میں مذکور ہے۔ جب قافلہ قصر بنی مقاتل پہنچا، اہلِ قافلہ کا پانی ختم ہوگیا۔ لعینوں نے اِس جگہ نزول کیا۔ اشقیاء نے دھوپ سے بچنے کے لئے خیمے لگائے، اور ہاشمی شہزادیوں اور یتیمانِ آلِ محمد کو دھوپ میں بٹھایا۔ لعینوں نے ٹھنڈا پانی منگوا کر پیا۔ اور خاندانِ رسالت کے لیے وارث شدید دھوپ کی وجہ سے اونٹوں کے سائے میں پناہ لیتے۔ پیاس کی شدت تھی۔ قلیل مقدار میں گرم پانی ملتا تھا۔ اشقیاء اپنی مرضی سے کوچ و قیام کرتے، انہوں نے کبھی جناب سجّاد اور دخترانِ بتول سے نہ پوچھا۔ جب قافلہ قیام کرتا تو جنابِ بتول کی بیٹیاں قافلہ سے دور کسی ٹیلہ کی اوٹ یا درختوں اور جھاڑیوں کے پیچھے قیام فرماتیں۔ اہلِ بیت کے یتیم بچے شمر اور زحر بن قیس سے بہت ڈرتے تھے۔ یہ یتیم جب کبھی تھکاوٹ کی وجہ سے سوجاتے تو ظالم ایسی سخت جھڑکیاں دیتے کہ معصوم اماں اماں کہتے ہوئے گھبرا اٹھتے، جناب سیّد سجّاد خون کے گھونٹ پی کے رہ جاتے۔ کسی ظالم سے کبھی کسی غرض کے لئے کوئی فرمائش نہیں کی کیونکہ پتہ تھا۔ ظالم کوئی بات نہ مانیں گے۔ الٹا دل کو دکھائیں گے۔ چنانچہ تاریخیں لکھتی ہیں کہ سارا راستہ سیّد سجّاد نے خاموشی سے گزار دیا۔ آنسو بہاتے۔ کلیجہ پکڑ کر رہ جاتے۔ کسی ظالم سے بات نہ کرتے، سخت شدت کے وقت کبھی آسمان کی طرف اور کبھی مدینہ و کربلا کی طرف مُنہ پھیر دیتے۔ ایک منزل میں جب قیام ہوا۔ سفر کی تھکی ماندی یتیمۂ حسین جناب سکینہ نے ریت کا ایک تکیہ سا بنایا اور سوگئیں۔ یہ آرامگاہ جناب سکینہ نے ایک درخت کے نیچے چند قدم کے پیچھے پر بنائی۔ معصومہ عالمِ خواب میں تھیں۔ قافلہ نے کوچ کی تیاری کی، تمام بیبیاں سوار ہوگئیں۔ جناب سکینہ جناب فاطمہ صغریٰ کے ساتھ ایک اونٹ پر سوار ہوا کرتی تھیں، ساربان نے اس اونٹ کی مُہار پکڑی، جس پہ جناب فاطمہ و سکینہ سوار ہوتی تھیں، وہ چلنے لگا اور کہا جلدی سوار ہو، جناب فاطمہ سوار ہوئیں۔ انہوں نے ساربان سے کہا کہ جلدی نہ کرو میری بہن سکینہ رہ گئی ہے۔ اسے آواز دو۔ ساربان نے بلند آواز سے پکارا: "هَلُمِّي وَارْكَبِي مَعَ النِّسَاءِ يَا سَكِينَةَ" اے سکینہ جلدی آ اور سوار ہو جا۔ قافلہ روانہ ہو چکا۔ معصومہ ڈرتی گھبراتی

ہوئی بیدار ہوئی ۔ یتیمہ دوڑتی تھی، پیچھے سے آواز دیتی تھی ۔ جناب فاطمہ صغریٰ نے ساربان سے کہا کہ اونٹ روک لے ورنہ اونٹ سے اپنے آپ کو گرا کر دونگی اور روزِ قیامت اپنے خون کی نانا سے شکایت کرونگی ۔ میری موت کا تو ذمہ دار ہوگا اور آخر کار اس نے اونٹ روک لیا اور معصومہ سکینہ سوار ہوگئی ۔

انیسویں مجلس

عقیدہ و عمل۔ ایمان اور عملِ صالح

ورودِ شام۔ بازار کا سفر۔ دربارِ یزید

اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدانیت کو مان لینے کا نام عقیدہ ہے۔ اور اس کے حکم کی تعمیل کا نام عمل ہے۔ اسی طرح ہر پیغمبر کو من جانبِ خدا ہادی و معلّم تسلیم کر لینے کو عقیدہ اور ان کی عملی طاعت اور ان کے فرمودات پر عمل پیرا ہونے کو عمل کہا جاتا ہے۔ اور ہر امام کو معصوم، برگزیدۂ خدا اور دینِ حق کا رہنما ماننا یہ عقیدہ ہے، اور ان کی پیروی کرنا، ان کی سیرت کو اپنے کردار کے لئے مشعلِ راہ بنانا اور ان کے نقشِ قدم پر چلنا عمل ہے۔ خلاصہ یہ کہ خدا، نبی، امام پر ایمان لانا اور زبان و دل سے ان کو ان کے مرتبہ کے مطابق ماننا عقیدہ اور اعضاء بدن کے ذریعہ ان کے فرمودات اور احکام کی تعمیل خلوصِ قلب کے ساتھ عمل ہے۔ عقیدہ ماننے کا نام اور عمل کرنے کا۔ دل قبول کرتا ہے اور اعضاء اس کی تعمیل کرتے ہیں۔ اس عقیدہ اور عقیدہ کے مطابق عمل کا نام اسلام ہے۔ اسلام کے یہ دونوں اہم جزو ہیں۔ اور اسلام کی بنیاد کے دونوں نہایت ضروری حصے، جن کی باہمی ترکیب و تعاون سے اسلام کی عمارت استوار ہوتی ہے۔

عقیدہ شجرِ اسلام کی اصل اور عمل اس پاکیزہ درخت کی فرع اور پھول و پھل ہیں۔ عقیدہ کی اہمیت اپنے مقام پر بجا اور درست ہے۔ عقیدہ کی رُو سے ایک غیر مسلم حلقۂ اسلام میں داخل ہو کر اپنی جان، عزت، مال محفوظ کرا لیتا ہے۔ اور اپنی زندگی کے گلشن کی شادابی کا مرکزی چشمہ معیّن کر لیتا ہے۔ اسی طرح عقیدہ اس کے سیرت و کردار کی مضبوط بنیاد ہے۔ لیکن جب تک عمل

نہ ہو۔ اور سیرت و کردار عقیدہ کی تائید و رفاقت نہ کرے۔ عقیدہ اگر بنیاد ہے تو یہ اساس بے بنیاد ہے اور شجر اسلام کی جڑ ہے۔ تو ایسی جڑ اور ایسا تنا کہ جس کی شاخیں کٹی ہوئی اور مرجھائی ہوئی ہیں۔ برگ و بار سے خالی، نہ پھول نہ پھل اور نہ سایہ۔ درخت کا مقصد فوت ہو جاتا ہے، اگر اس کا سایہ نہ ہو، پھول و پھل نہ ہوں، اس کی شاخیں پھلیں پھولیں اور پھیلیں نہیں۔ صرف ٹنڈ منڈ تنا کس کام کا، حضرات جس طرح عقیدہ ضروری ہے اسی طرح عمل بھی ضروری ہے۔

جہاں رب العالمین نے ہادی اور رہنما، عقائد و خیالات، تصورات و نظریات کی اصلاح کے لئے بھیجے، وہاں انہوں نے سیرت و کردار کی تشکیل پر بھی زور دیا ہے۔

عقیدہ کی اصلاح اور یقین کا مستحکم ہونا اس لئے ضروری ہے کہ عمل تابع رہنما ہے اور کردار خالق کی مرضی کا آئینہ دار ہے۔ وہ عمل باطل ہے جو خالق کی رضا اور اس کی خوشنودی کا باعث نہ ہو۔ وہ کردار غلط ہے جو معصوم رہنما اور انبیاء و مرسلین ائمہ طاہرین جو اللہ کے نمائندے اور اس کے سفیر ہیں۔ اور انسان کے لئے قولی و عملی مبلغ و معلم ہیں کے فرمان اور احکام کے مطابق نہ ہوں۔ کیونکہ ہر نیک عمل کا مقصد ہوتا ہے "قُربَةً اِلَی اللہ"۔ اور ہر عبادت کی غایت اس کی رضا و خوشنودی ہے۔ جو عبادت اللہ کی رضا کی سند حاصل نہ کر سکے، وہ بے کار اور بے مقصد عبادت ہے جو عمل معصوم رہنماؤں کی منظوری سے محروم ہو وہ ایک بے فائدہ مشقت ہے۔ کیونکہ راہ رو کو راہ پر چلنے سے پہلے کسی سچے واقف کار رہنما سے اپنی اس راہ کا تعین کر لینا چاہیئے۔ جو اُسے منزلِ مقصود تک پہنچا دے۔ غلط راہ پر چلنے سے سوائے تھکاوٹ، پریشانی اور محرومی کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ لیکن صحیح رہبر مل جانے اور سچے ہادی کی پہچان اور صراطِ مستقیم۔ صحیح مذہب کی پہچان کے بعد اگر کوئی مسافر راہ پر نہیں چلتا تو بدنصیب ہے کہ سیدھے راستے اور سچے مذہب کی معرفت کے باوجود وہ اس صراطِ مستقیم کا راہرو نہ بن سکا۔ منزلِ مقصود کی رٹ لگاتا رہا۔ صراطِ مستقیم کا لفظی وظیفہ پڑھتا رہا لیکن بدبخت منزل پر نہ پہنچ سکا۔

جہاں سچے ہادی اور صحیح رہنما کی پہچان ضروری ہے۔ وہاں اس کی تعلیمات پر عمل بھی ضروری ہے، اگر عمل نہیں، تعمیلِ ارشاد نہیں، احکامِ رہنما کی پیروی نہیں، ان کی زندگی کو نمونۂ عمل نہیں بنایا گیا تو صرف دماغی شناخت اور قلبی معرفت فائدہ مند نہیں۔ صرف زبانی رٹ لگا لینے اور قولی وظیفہ سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ یہ قول و ذکر کی دنیا نہیں سیرت و کردار کا جہان ہے۔ عملی کوشش کی امتحان گاہ ہے۔ "خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا" اس نے موت و حیات کو پیدا کیا۔

تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں اچھا عمل کرنے والا کون ہے؟ قرآنِ مجید کی تلاوت کرنیوالے اصحاب جانتے ہیں کہ خداوندِ عالم نے عقیدہ کے ساتھ عمل کو لازم قرار دیا ہے۔ ایمان کا جہاں بھی ذکر ہوا ہے وہاں اس کے ساتھ عملِ صالح کا تذکرہ بھی ہے۔ قرآنِ پاک میں جہاں لفظ "اٰمَنُوْا" آیا ہے وہاں اس کے بعد "وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ" کا ذکر بھی ہے۔ صرف ایمان لانے سے جنّت نہیں مل سکتی اور عقیدہ مضبوط کر لینے سے قربتِ خدا حاصل نہیں ہوتی، جب تک کہ ایمان کے ساتھ "عملِ صالح" نہ ہو۔ اور اعضاءِ بدن زبان کی اور عمل قول کی تائید نہ کر دے۔

اگر قرآنِ مجید کی ان آیات کو جمع کیا جائے جن میں عملِ صالح کی اہمیت بتائی گئی ہے اور عملِ صالح پر تاکید کی گئی ہے تو ایک باقاعدہ کتاب کی صورت اختیار کر جائیں گی۔ صرف چند آیات کو قارئین کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

(۱) بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔ وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۔ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۰

قسم ہے زمانے کی یقیناً ہر انسان نقصان میں ہے۔ سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انہوں نے عملِ صالح کیا اور ایک دوسرے کو حق و صبر کی تلقین کرتے رہے۔ اس آیت میں بتایا گیا کہ امن و امان اور حفظ و سلامتی کا مجسمہ چار عناصر سے مرکب ہے۔ ایمان، عملِ صالح، حق اور صبر۔ اگر ان عناصر میں سے عملِ صالح کو نکال دیا جائے تو امن و سلامتی کے جسم کی ایک خلط بگڑ جائے گی، اور بدن کی سلامتی کا ارتقا رُک جائے گا اور خسران کی لپیٹ سے نہ نکل سکے گا۔

اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَ الْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ " خدا کی طرف پاکیزہ کلمات صعود کرتے ہیں۔ اور عملِ صالح ان کو بلند کرتا ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ ۔ بے شک جو لوگ ایمان لائے، اور انہوں نے صالح عمل کئے، ان کے لئے طوبیٰ اور بہترین بازگشت ہے۔

انسان کی نجات اور کامیابی کا انحصار عمل پر ہے: "كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ" ہر نفس اپنے کئے ہوئے کاموں میں رہن ہے جکڑا ہوا ہے۔ اگر اعمال نیک ہیں تو خوشحال ہے۔ اور اگر اعمال بد ہیں تو بدحال ہے۔ اور بدحالی کا وبال ہے۔ " لَيْسَ

"لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰی وَاِنَّ سَعْیَہٗ سَوْفَ یُرٰی" انسان کے لئے نہیں ہے مگر اس کی کوشش اور عنقریب اس کی کارگزاری دیکھی جائے گی۔ کَمَا مَاکَسَبَتْ وَعَلَیْھَا مَااکْتَسَبَتْ اس کے فائدہ کے لئے ہے جو اس نے نیکی کی اور اس کا وبال اس پر پڑے گا جس نے بدی کی۔

عملِ صالح ہی مادّی، روحانی، دنیوی۔ اخروی ترقی و کامیابی کا واحد سبب ہے۔ اگر عملِ صالح نہ ہو تو ہر قسم کی ترقی رک جاتی ہے۔ اور عمل صالح نہ ہو تو نسبی امتیاز بھی ختم ہو جاتا ہے۔ عملِ صالح کے نہ ہونے سے خاندانی وجاہت بھی بے اثر رہ جاتی ہے۔ خود حضرت نوح علیہ السلام کا اپنا بیٹا اور پیارا بیٹا عملِ صالح نہ ہونے کی وجہ سے بحرِ عذاب میں غرق ہو گیا۔ اور انتقام کی طوفانی موجوں نے نہنگِ اجل کے سپرد کر دیا۔ اور نافرمانِ خدا ہونے کی صورت میں، اور بدعملی کی جہت سے نبی کی محبتِ پدری بھی کام نہ آئی۔ محبتِ پدری جوش مارتی ہے۔ بیٹے کو پکار کر کہتے ہیں: "یَابُنَیَّ ارْکَبْ مَّعَنَا وَلَاتَکُنْ مَّعَ الْکٰفِرِیْنَ۔ نافرمان بیٹے نے مہربان باپ کے فرمان کی کوئی پرواہ نہ کی۔ طوفانی لہروں نے پسرِ نوح کو ڈھانپ لینا چاہا۔ جناب نوح متوجہ ہو گئے۔ خدا کی طرف نہایت عاجزی سے عرض کیا۔ "اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَھْلِیْ وَاِنَّ وَعْدَکَ الْحَقُّ"۔ خدایا! میرا بیٹا میرے اہل سے ہے اور یقیناً تیرا وعدہ حق ہے"۔ یہ ایک التجا تھی کہ شاید قدرت میرے بیٹے کو قدرتِ کاملہ سے بچا لے۔ بے شک وہ بچا سکتا تھا۔ مگر بچایا نہیں۔ اس میں جنابِ نوح کی سفارش بھی شرفِ قبول حاصل نہ کر سکی۔ جواب ملا: اِنَّہٗ لَیْسَ مِنْ اَھْلِکَ اِنَّہٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ۔ نوح وہ تیری اہل سے کہاں؟ وہ تو غیر صالح عمل ہے۔" بدعمل ہے۔ اس کا کردار درست نہیں۔" عملِ صالح نہ ہونے کی وجہ سے رشتۂ قرابت بھی ختم ہو گیا۔ اور روح و بدن کا رشتہ بھی جاتا رہا۔ روح بدن سے خارج ہو گئی۔ اور کنعان اہلِ نوح سے خارج ہو گیا۔ نبی کا بیٹا تھا۔ بدعملی کی وجہ سے نبی کے اہل سے خارج ہو گیا اور حضرت سلمان فارسی "عملِ صالح" کی بدولت سیّد الانبیاءؑ کے اہل میں داخل ہو گئے۔

حقیقت یہ ہے کہ نافرمانی اپنے کو بیگانہ اور فرمانبرداری بیگانے کو اپنا بنا دیتی ہے۔ یہ تو پسرِ نبی کا قصّہ ہے۔ اب دو نبیوں کی بیویوں کا قصّہ بھی قرآنِ پاک میں پڑھیں۔ شوہر نبی ہیں۔ صالح اور متقی ہیں۔ بیویاں نافرمان ہیں اور جہنّم کے لائق۔ بدعمل ہیں نافرمان ہیں۔ دُنیا میں بیوی سے بڑھ کر کسے صحبت حاصل ہوتی ہے؟ لیکن ان قریبی صحبت داروں کو اپنے

پیغمبر اور شوہر کی صحبت جہنم سے نہ بچا سکی، کیونکہ عملِ صالحہ نہ تھا۔ ارشادِ ربّانی ہے:۔
ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّ امْرَاَتَ لُوْطٍ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتَاهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ٥ خدا نے کافر لوگوں کے لئے مثال بیان کی ہے۔ نوح اور لوط کی بیویوں کی۔ جو ہمارے دو صالح بندوں کی زوجیت میں تھیں۔ ان دونوں عورتوں نے اپنے پیغمبر شوہروں کی خیانت کی، پس ان دونوں نے ان کو فائدہ نہ پہنچایا (نافرمانی خدا کی صورت میں) اور ان سے کہا گیا کہ آگ میں داخل ہونے والے دوسرے لوگوں کے ساتھ تم بھی نارِ جہنم میں داخل ہو جاؤ۔

یہ دونوں عورتیں دو نبیوں کی بیویاں ہیں۔ شرفِ زوجیت اور شرفِ صحبت حاصل ہے۔ مگر خدا کی نافرمان ہیں۔ عملِ صالح نہیں۔ حکمِ خدا ہے جہنم میں جاؤ۔ اور صاف ارشاد ہے کہ دونوں پیغمبر خدا کے مقابلہ میں انہیں کوئی فائدہ نہ پہنچا سکے۔ جہنم میں جاتی ہیں دو پیغمبروں کی بیویاں۔ اور جنت میں جاتی ہے تو فرعون کی بیوی۔ جیسا کہ ارشاد ہے:۔
ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ٥
خدا مومنوں کے واسطے فرعون کی بیوی کی مثال بیان کرتا ہے۔ "جب اس نے کہا میرے پروردگار! میرے لئے اپنے جوارِ رحمت جنت میں مکان بنا۔ اور مجھے فرعون اور اس کے عمل سے نجات دے۔ اور ظالم لوگوں سے بچا۔" فرعون کی بیوی ہے۔ پہلے یہ کافرہ تھی۔ جب حضرت موسیٰ فرعونی جادوگروں پر غالب آئے اور انہیں میدانِ مقابلہ میں کامیابی ہوئی تو جہاں جادوگر جناب موسیٰ کی صداقت جان کر موسیٰ اور اس کے رب پر ایمان لائے، اس نیک دل ملکۂ مصر پر بھی صداقتِ موسیٰ کا اثر ہوا اور خفیہ ایمان لائی، یہ فرعون کے عملِ بد سے متنفر تھی۔ زندگی میں اسے جنت کی بشارت دی گئی اور جنت کا محل دکھایا گیا۔

حضرات! دو قسم کے رشتے ہوتے ہیں۔ نسبی اور سببی۔ یہاں دونوں قسم کے رشتہ دار انبیاء عملِ صالح سے محرومی کی بنا پر جنت کے حقدار نہ بنے۔ معلوم ہوا کہ جنت میں جانے کا انحصار ایمان اور عملِ صالح پر ہے۔ ہاں ایمان اور عملِ صالح کی موجودگی، پھر پیغمبران و ائمہ علیہم السلام کی قرابت بہت بڑا شرف اور بہت بڑی بزرگی ہے۔
واضح ہو کہ یہاں یہ کلیہ بھی قائم نہیں رہ سکتا۔ اَلْخَبِيْثَاتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالطَّيِّبٰتُ

لِلطَّیِّبِیْنَ: کہ ناپاک عورتیں خبیث مردوں کے لئے اور پاک عورتیں طاہر مردوں کے واسطے۔
درحقیقت یہاں سے عورتیں مراد لینا ہی درست نہیں بلکہ کلمات اور اعمال ہیں۔
نیکوں کی بیویاں بد اور بدوں کی بیویاں نیک ہوتی آئی ہیں۔ شرع نے یہ پابندی عاید نہیں کی کہ نیک عورت کا نکاح بُرے آدمی کے ساتھ اور بُری عورت کا عقد نیک مرد کے ساتھ نہیں ہو سکتا۔

ہاں! عصمت میں پابندی ضرور ہے۔ کہ معصومہ کا شوہر غیر معصوم نہیں ہو سکتا۔ البتہ معصوم کی بیوی غیر معصوم ہو سکتی ہے۔

چنانچہ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر سارے معصوم ہیں۔ کسی کی بیوی معصومہ نہیں۔ نیک اور صالحہ ہیں۔ بدعمل بھی ہیں، نیک عمل بھی ہیں لیکن معصومہ نہیں ہیں۔ اور کسی معصومہ کا شوہر غیر معصوم نہیں ملتا۔ اس سے ایک کلیہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ معصوم کی بیوی تو غیر معصومہ ہو سکتی ہے لیکن معصومہ کا شوہر غیر معصوم نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ جناب مریم کی شادی کسی غیر مرد سے اسی بنا پر نہ ہوئی کہ کوئی مرد ان کے جوڑ کا نہ تھا۔ حضرت زکریا ان کے بہنوئی تھے اور حضرت یحییٰ ان کے بھانجے، دونو سے عقد حرام۔ خدا نے پسر بھی دیا مگر قدرت کاملہ سے بغیر پدر کے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں میں سے کسی کو یہ شرف حاصل نہیں کہ ان کی بیوی معصومہ ہو۔ یہ شرف حاصل ہے حسنین کے بابا علی کو اور زینب کی ماں جناب زہرا کو یہ دونوں عصمت کا جوڑا ہیں۔ شوہر بھی معصوم اور زوجہ بھی معصومہ۔

علامہ اقبال فرماتے ہیں:۔

مریم از یک نسبتِ عیسیٰ عزیز   از سہ نسبت حضرت زہرا عزیز

مریم کو عزت کی ایک نسبت حاصل ہے کہ وہ عیسیٰ معصوم کی ماں ہیں۔ فخر کر سکتی ہیں کہ معصومہ ہیں اور معصوم کی ماں۔ لیکن جناب زہرا کو اس عزت کی تین نسبتیں حاصل ہیں خود تو معصومہ ہیں ہی۔ معصوموں کی ماں ہیں، معصوم کی زوجہ ہیں۔ معصوم کی دختر ہیں۔ اس لئے انہیں بتولِ کبریٰ اور فخرِ مریم کہا جاتا ہے۔

قرآن مجید کی کوئی آیت نہیں ملتی۔ جس میں صرف عقیدہ رکھنے اور ایمان لانے پر جنت کا وعدہ کیا گیا ہو۔ جہاں بھی عقیدہ اور ایمان کا ذکر ہے۔ وہاں عملِ صالح کی شرط لگائی گئی اور جنت کا وعدہ انہی لوگوں سے کیا گیا ہے جو ایمان لانے کے بعد اعمالِ صالحہ کے پابند رہے ہیں۔

ارشاد ہے : قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ o الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ o وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ o وَالَّذِينَ هُمْ لِلزَّكَاةِ فَاعِلُونَ o وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ o إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ o فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ o وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ o وَالَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَوَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ o أُولَٰئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ o الَّذِينَ يَرِثُونَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ o

(س - المومنون) اس آیت میں مومنین کے اوصاف بیان کئے گئے ہیں۔ وہ مومن کامیابی حاصل کر گئے۔ جو اپنی نمازیں خشوع وخضوع سے پڑھتے ہیں، اور مومن وہ لوگ ہیں جو بیہودگی سے پرہیز کرتے ہیں۔ جو زکوٰۃ باقاعدگی سے ادا کرتے ہیں۔ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں (یعنی بے حیا اور زناکار نہیں) سوائے اپنی ازواج اور لونڈیوں کے، کیونکہ شرعی احکام کے مطابق اپنی ازواج اور کنیزوں کے ساتھ کوئی ملامت اور برائی نہیں۔ جو رشتۂ زوجیت اور ملک یمین لونڈیوں کے بغیر اس قسم کا کام کریں۔ وہ حد سے تجاوز کرنے والے ہیں اور قابل عتاب ہیں۔ پھر مومنین کی تعریف جاری ہوتی ہے۔ وہ لوگ ہیں جو امانتوں اور وعدوں کی پاسداری و پابندی کرتے ہیں۔ وہ لوگ ہیں جو نماز پابندی سے پڑھتے ہیں۔ درحقیقت وہی لوگ جنت کے وارث ہیں جو فردوس بریں میں جائیں گے۔ اور وہاں ہمیشہ رہیں گے۔

حضرات مومنین! یہ ان مومنین کی تعریف ہے جو جنت میں جانے کے قابل ہیں۔ ہر مومن اپنے مقام پر سوچے کہ کیا یہ اوصاف اس پر صادق آتے ہیں۔ اور اس معیار پر وہ پورا اترتا ہے جو خلاق عالم نے جنتیوں کے لئے مقرر کیا ہے۔ اگر اس معیار سے محروم ہے تو کوشش کرے اپنے آپ کو اس معیار پر پورا کرے۔ اور مومنین کی ان صفات کا مصداق بنے ورنہ صرف خوش کن باتوں اور موہوم امیدوں سے اور خام خیالوں سے منزل مقصود نہیں پا سکتا۔ اور کوئی بغیر عمل صالح اور تقویٰ کے جنت کی جعلی و فرضی رسید اور غلط پیشین گوئی کرتا ہے تو ظاہر میں وہ خوش گپ دوست ہے مگر درحقیقت وہ دشمن ہے۔ جو بے عمل! بدعمل بنا کر اہل ایمان بھائیوں کو جنت سے باز رکھنے کی مذموم کوشش کرتا ہے، اور ایسا

شخص وقتی طور پر آپ کو خوش کر کے آپ سے دادِ تحسین حاصل کر لیتا ہے۔ مگر آپ سمجھیں تو اس سے بڑھ کر آپ کا کوئی دشمن نہیں۔ وہ میٹھی باتوں سے آپ کو جہنّم کا ایندھن بنا رہا ہے۔

حضرات! یہ تو قرآن پاک کی چند آیات پیش کی ہیں۔ اب ائمہ معصومین علیہم الصلوٰۃ والسّلام کی چند احادیث بھی پڑھیں۔

جناب رسول پاک صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اولادِ جناب عبدالمطلب کو فرمایا: "یَا بَنِیْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ اِنِّیْ لَا اُغْنِیْ عَنْکُمْ مِنَ اللّٰہِ شَیْئًا۔" سنو! اے میرے خاص رشتہ دار و اور عزیزو۔ میں خدا کے مقابلہ میں تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ خدا کی فرمانبرداری کرنا۔ اس کی نافرمانی نہ کرنا" اگر کسی عالم، واعظ، مدرس، پیش نماز، مجتہد کا فرزند بے عمل ہو، بدعمل ہو تو اس کی بدعملی کا طعنہ اس کے باپ کو دیتے ہیں کہ وہ فلاں پسرِ عالم ایسا ہے۔ اس کا باپ کیسا ہے! اور وہ خود کیسا ہے۔ کسی بزرگ اور اونچی ذات کی طرف منسوب ہونے سے ذمہ داری بڑھ جاتی ہے۔ اگر نیک عمل ہو تو دوگنا عزّت بڑھ جاتی ہے۔ ایک خاندانی اور نسبی وجاہت سے اور دوسرے عملِ صالح کی وجہ سے، اور اگر عملِ بد ہو تو اس کی اپنی عزّت بھی گھٹ جاتی ہے اور خاندان کے لئے بھی وہ منحوس باعثِ ننگ و عار ہوتا ہے اور اپنی بدعملی سے بزرگوں کو بھی شرمسار کرتا ہے۔ خاندانی شرف اسی وقت باعثِ فخر ہوتا ہے جب عمل صالح بھی ہو۔ اسی واسطے سادات کرام جن کا انتساب کائنات کی ایک اعلیٰ اور اکمل شخصیت کی طرف ہے۔ خاندانی وجاہت اور شرف تب حاصل ہوگا جب وہ اعمالِ صالحہ کے مالک بنیں، اگر وہ نیک عمل کریں تو دوگنی جزاء کے حقدار ہیں اور بدعملی کی صورت میں بھی دوگنی سزا کے مستوجب۔ جس طرح کہ ازواجِ رسول کے متعلق ہے: "یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ"۔ اے نبی کی عورتو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ تمہاری نیکی اور بدی سے خود رسولِ پاک متاثر ہوتے ہیں۔ تم اشرفِ کائنات کی بیویاں ہو۔ تمہاری حالت عام عورتوں سے امتیازی ہو۔ نسبتاً عام عورتوں سے تمہاری ذمہ داری زیادہ ہے۔ "مَنْ یَّاْتِ مِنْکُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ یُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَیْنِ"۔ (س احزاب) "جو کوئی تم میں کسی گناہ کا ارتکاب کرے گی، اس کی سزا عذاب دوگنا کر دیا جائے گا جو سزا اس گناہ کی عام عورتوں کو ملے گی۔ اسی گناہ کی سزا تمہیں اس سے دوگنا ملے گی۔

امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے اصحاب کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں: "مَنْ اَطَاعَ

اللہُ فَھُوَ لَنَا مُحِبٌّ وَمَنْ عَصَی اللہَ فَھُوَ لَنَا عَدُوٌّ۔ جو شخص اللہ کی اطاعت کرے وہ ہمارا دوست ہے اور خدا کی نافرمانی کرے وہ ہمارا دشمن ہے۔ (اصول کافی)

جناب رسالت مآبؐ مرض الموت میں مبتلا ہیں۔ بیماری کے تیسرے روز حضور پاک اس صورت سے مسجد میں تشریف لائے کہ سر مبارک پر درد کی وجہ سے پٹی باندھے ہوئے تھے۔ دایاں ہاتھ حضرت امیر علیہ السلام کے دوش مبارک پر اور بایاں ہاتھ جناب فضل بن عباس کے کندھے پر تھا۔ مسجد میں تشریف لاکر حضور منبر پر بیٹھ گئے۔ پس فرمایا، اے گروہ مردم! مہاجرین و انصار، اب وہ وقت قریب ہے کہ میں تم سے غائب ہو جاؤں، جس کا مجھ سے وعدہ ہو وہ آئے اور مجھ سے وعدہ پورا کرائے۔ جس کا قرض ہو وہ مجھ سے قرض وصول کرلے۔ اے گروہ مردم کسی آدمی اور خدا کے درمیان کوئی وسیلہ بجز عملِ صالح اور طاعتِ خدا کے نہیں۔ جس کے سبب کوئی عملِ خیر ہو، یا کوئی شر اس سے دفع ہو۔

اَیُّھَا النَّاس! لوگو۔ کوئی مدعی یہ دعویٰ نہ کرے کہ میں بغیر عمل کامیاب ہو جاؤں گا اور جنت میں پہنچ جاؤں گا۔ کوئی شخص یہ آرزو نہ کرے کہ میں بغیر اطاعتِ خدا رضائے خدا حاصل کرسکتا ہوں۔ میں قسم کھاتا ہوں اس خدا کی جس نے مجھے بحق و راستی بھیجا ہے۔ کوئی شخص عذابِ خدا سے نجات حاصل نہیں کرسکتا مگر عملِ صالح اور رحمتِ حق سے یہ جناب رسالتمآب صلّی اللہ علیہ وسلم کی اپنی اُمت کو فرمان اور وصیت ہے۔

آئیے اور ائمہ معصومین علیہم السلام کے ارشادات عمل کے بارے میں سنئے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔ "اے! ہم سے تعلق رکھنے والی جماعت، تم میں سے جو شخص چاہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا ایمان ایسا کر دے کہ وہ مسلم کامل مومن ہو جائے تو اسے چاہیئے کہ وہ خدا سے ڈرے ان شرطوں کے ساتھ جو شرطیں اس نے ایمان کے ساتھ مومنین پر لگائی ہیں۔ پس شرط لگائی ہے اللہ تعالیٰ نے ہر اس شخص پر جو خدا اور رسول اور ائمہ اہل بیت کی ولایت کا قائل ہے۔ کہ مومن کامل جب ہو سکتا ہے جب وہ نماز کو قائم کرے اور زکوٰۃ دے راہِ خدا میں خرچ کرے، ہر ظاہری اور باطنی برائی سے بچے۔ (روضہ کافی)

اسی حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ کوئی شخص توحید۔ نبوت اور امامت پر ایمان

لانے سے مومن کامل نہیں ہو سکتا جب تک اعمالِ صالحہ کا پابند نہ ہو۔ اور ہر قسم کی بُرائی اور گناہ سے نہ بچے۔

محمد بن حفص سے روایت ہے کہ میں نے جناب صادق آلِ محمدؑ سے سُنا۔ آپ فرماتے تھے کہ ایمان ایک دعویٰ ہے اور کوئی دعویٰ بغیر ثبوت کے صحیح نہیں۔ ایمان کے دو گواہ ہیں ایک عملِ صالح اور ایک نیک نیّت۔ لہٰذا ہر مومن کو چاہیئے کہ وہ اپنے ایمان کا ثبوت اور قول کی تصدیق عملِ صالح اور نیک نیّت کے ساتھ کرے۔ (اصولِ کافی)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام ایمان اور عمل کا تعلق بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

محمد بن مسلم بیان کرتے ہیں کہ میں نے جناب امام صادقؑ سے سوال کیا کہ کیا عمل ایمان کا حصّہ ہے۔ مولا نے فرمایا ہاں! ایمان نہیں ہوتا مگر عمل کے ساتھ، عمل ایمان کا حِصّہ ہے، اور ایمان عمل سے ہی ثابت ہوتا ہے۔

جناب امیر المومنین علیہ السّلام ارشاد فرماتے ہیں کہ اسلام نام ہے تسلیم کا اور تسلیم نام ہے تصدیق کا اور تصدیق نام ہے اقرار کا اور اقرار نام ہے عمل کا (اصولِ کافی)

ایک مقام پر حضرت امام صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں جس نے زنا کیا وہ ایمان سے خارج ہوگیا۔ جس نے شراب پی بے ایمان ہوگیا یعنی ایمان سے خارج ہوگیا اور جس نے جان بوجھ کر بغیر عذر شرعی ماہِ رمضان کا روزہ نہ رکھا ایمان سے خارج ہوگیا (اصول کافی)

اب وہ حضرات غور فرمائیں، جو اپنے آپ کو مومن شیعہ کہلاتے ہیں۔ جن کی زندگیاں زنا و شراب میں بسر ہوئیں اور ساری زندگی ماہ رمضان کی بے عزتی کرتے رہے اور کبھی روزہ نہ رکھا۔ کہاں تک مومن ہیں۔ اور امامِ معصوم کی نظر میں ان کا ایمان اور زبانی دعویٰ کہاں تک صحیح ہے؟

امام رضا علیہ السّلام فرماتے ہیں تحقیق بہت سے لوگ بے عمل ہیں۔ تختوں (چارپائیوں) پر گاؤ تکیے لگا کر اور کرسیوں پر بیٹھ کر کہتے ہیں کہ ہم علی کے شیعہ ہیں ہم علی کے شیعہ ہیں۔

آپ فرماتے ہیں وہ لوگ جھوٹے ہیں۔ علی کے شیعہ وہ لوگ ہیں جن کے قول کی تصدیق ان کا عمل کرے۔

مومنین کرام! اس قسم کی آیات و احادیث بہت ہیں۔ ہم نے خوفِ طوالت سے صرف چند نقل کی ہیں۔ اور اصولِ کافی کی احادیث کا اختصار کے پیشِ نظر صرف ترجمہ کیا ہے۔

ان آیات و احادیث کی روشنی میں صاحب بصیرت کو عملِ صالح کی اہمیت نظر آجائے گی۔ کہ بغیر عملِ صالح کے اور گناہوں سے پرہیز کے نہ خدا راضی ہے نہ معصومین اور نہ جنّت میں جگہ ملتی ہے اور نہ جہنّم سے نجات۔ اگر کوئی شخص تمہیں بغیر عملِ صالح کے اور فسق و فجور کے ساتھ جنت کی فرضی ٹکٹ اور غلط بشارت دیتا ہے۔ تو وہ جھوٹا ہے۔ در حقیقت تمہارا دشمن ہے۔ جہالت کی وجہ سے یا تمہیں خوش کرکے عارضی مفاد کی وجہ سے تمہیں دھوکہ دیتا ہے اور اگر اس قسم کی کوئی غلط حدیث پیش کرتا ہے تو وہ حدیث جھوٹی ہے۔ یوں ہی معصوم کی طرف منسوب کی گئی ہے۔

تقوای! اس کا معنی ہے بچنا۔ خدا سے ڈرنا اور ایسی باتوں اور ایسے کاموں سے پرہیز کرنا، جو خالق و مالک کی ناراضگی کا باعث ہوں۔ قرآن مجید میں "تقویٰ" پر بڑا زور دیا گیا ہے۔ اور "تقویٰ" ہی کو دخولِ جنّت اور قربِ خدا کا ذریعہ بتایا ہے۔ قرآن مجید کا مطالعہ کرنے والے حضرات جانتے ہیں کہ بار بار اِتَّقُوا، اِتَّقُوْ۔ اَلتَّقْوٰی، اَلْمُتَّقِیْنَ۔ کے الفاظ ذکر کرکے "تقویٰ" کی اہمیت جتائی گئی ہے۔ "فَاِنَّ خَیْرَ الزَّادِ التَّقْوٰی یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ"۔ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ۔ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ" کثرت سے آیاتِ تقویٰ اختیار کرنے اور متقین کی تعریف میں وارد ہوئی ہیں۔

"اِتَّقُوا اللّٰہَ" خدا سے ڈرو کا یہ معنی نہیں کہ خدا سے بھاگ جاؤ۔ اس کی طرف رُخ نہ کرو، اس کے قریب نہ جاؤ۔ بلکہ خدا سے ڈرنے کا یہ مطلب ہے کہ اس کے غضب، اس کے عذاب، اور اس کے عذاب و عقاب سے ڈرو۔ اور ایسے کام نہ کرو جن سے وہ ناراض ہو جائے۔ ایسی باتوں اور کاموں سے پرہیز کرو، جن کے کرنے پر اس نے عذاب کا وعدہ کیا ہے اور وہ ناراض ہوتا ہے۔

"تقویٰ" برائیوں، نازیبا باتوں، ناپسندیدہ امور سے بچنے کا نام ہے۔ جن سے اُس نے اپنے پیغمبروں و ہادیوں کے ذریعے پرہیز کرنے کا حکم دیا ہے۔

عملِ صالح ایسے امور جن کے کرنے سے وہ خوش ہوتا ہے، ایسے کام اور اعمال جن کے بجا لانے سے خدا راضی اور مخلوق کا بھلا ہوتا ہے۔ معاشرے کی اصلاح اور روحانی زندگی کو طاقت ملتی ہے۔ اور بندہ ان اعمال کے ذریعے خدا کے قریب ہو جاتا ہے۔

تقویٰ بدنِ انسان کو برائیوں کی گندگی، گناہوں کے جراثیم اور فسق و فجور کی نجاست سے پاک رکھتا ہے۔ اور عملِ صالح نیکیوں کے ذریعے اور خوبیوں کے لباس سے آراستہ کرتا ہے۔ طاعتِ خدا کی خوشبو سے معطّر اور روحانی بالیدگی، اور دل کو قوی کرتا ہے۔

جس شخص میں تقویٰ اور عملِ صالح پایا جائے وہ خوش نصیب مومن، متقی اور صالح ہوتا ہے اور ایسے نیک بخت افراد "مُخْلَصِیْنَ" کہلاتے ہیں۔ جو داخلی و خارجی شیطان کے وسوسوں سے محفوظ و مصئون رہتے ہیں۔ گو یہ افراد معصوم نہیں ہوتے مگر درجۂ عصمت کے قریب ہوجاتے ہیں۔ اور فیضانِ الٰہی اور رحمتِ خدائی کی بارش ان پر ہوتی ہے۔ یہ معصوم علیہ السّلام کے نائب ہوتے ہیں۔

جب انسان کسی بُرائی کا ارتکاب کرتا ہے۔ تو اُس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ پیدا ہوجاتا ہے۔ اور جس قدر اس کی برائیاں بڑھتی جاتی ہیں اس کے دل پر سیاہی کی تہ جمتی جاتی ہے، یہاں تک کہ وہ برائیوں سے اس قدر مانوس ہوجاتا ہے کہ بُرائی کے بغیر وہ بےقرار ہوجاتا ہے، اور بدی اس کے گوشت پوست میں رچ بس جاتی ہے۔ اور کوئی نصیحت و پند اس پر کارگر نہیں ہوتی، وہ مقام ہوتا ہے : خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ " خدا نے ان کے دلوں پر مہر لگادی ہے۔ اس کے سارے دل پر سیاہ تہ جم جاتی ہے۔

جب کوئی انسان نیکی کرتا ہے۔ تو اُس کے دل میں نور کا نقطہ پیدا ہوتا ہے۔ اس کی نیکیوں سے اس کے دل کا نور بڑھتا جاتا ہے۔ اور کثرتِ حَسَنات اور ترکِ سیّئات سے اس کا دل نورانی ہوجاتا ہے اور اُسے نیکیوں سے اس قدر انس و رغبت ہوجاتی ہے جس طرح پرندے کو کھلی فضا سے اور مچھلی کو پانی سے، ایسے ہی متقی لوگ ہیں جن کے متعلق ارشاد ہے: "یَسْعٰی نُوْرُھُمْ بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ " اُن کا نور ان کے سامنے پھیلتا ہے۔ ان لوگوں کی رُوحانی طاقت بلند اور قوتِ قدسیہ تیز ہوتی ہے جن پر ملائکۂ آسمانی رشک کرتے ہیں۔

اِحساسِ عبدیّت

جو احکامِ خداوندِ عالم کی طرف سے بندگان پر فرض ہوئے ہیں وہ ان بندگان کی ذاتی تکلیف ہیں۔ ان کی ادائیگی ہر انسان پر فرض ہے، اور وہ خود ادا کرے، اس میں وکالت یا نیابت نہیں۔ یہ نہیں ہے کہ ایک انسان خود نماز ادا نہ کرے اور اپنی طرف سے روپے دے کر

کسی سے نماز پڑھوالے اس کی تکلیف ٹل جائے گی۔ حکم کی تعمیل ہو جائے گی۔ فرض ادا ہو جائے گا۔ یا کسی سے روزہ رکھوالے۔ کسی کو روپے پیسے دے کر حج کروا لے۔ اور خود سفر سے محفوظ رہے۔ ہرگز نہیں، ہرگز نہیں۔ یہ احکام ہر انسان پر بذاتِ خود فرض ہیں۔ انہی احکام کی فرضیت کا نام اصطلاحِ فقہ میں "تکلیف" ہے۔ کیونکہ نماز ادا کرتے وقت خود اسے احساسِ عبدیت ہونا چاہیئے۔ میں اس کا بندہ ہوں۔ وہ خالق و مالک ہے۔ وہ عبادت کے لائق ہے۔ اس کی نعمتوں کا شکر مجھ پر واجب ہے۔ عبادت کی اہمیّت کا اس کی ذات کو احساس ہونا چاہیئے۔ اور یہ فرض وہ خود ادا کرے۔ اسی طرح روزہ سے بھوک و پیاس اور تعب و تکلیف خود اس کے بدن پر وارد ہو۔ حج کے لئے وہ خود سفر کی صعوبتیں برداشت کرے۔ خود جاکر مناسکِ حج ادا کرے۔ خود طواف کرے۔ سعی کرے اور مقاماتِ مقدسہ پر حاضری دے کر اعمالِ حج بجا لائے۔ اس طرح خلوصِ نیّت پاکیزہ دل اور خشوع و خضوع کے ساتھ جنابِ الٰہی کی طرف دل کا رخ موڑ کے جب یہ احکامِ اسلام بجا لائے گا تو اس کا نفس اور نفسیاتی کثافتوں، مادی آلائشوں اور خواہشاتِ نفسیانیہ کی غلاظتوں سے پاک ہو کر روحانی آرائشوں، تجرّد کی زیبائشوں اور تقرّب کی سجاوٹوں سے مزیّن ہو کر وصال کی لذّتوں سے محظوظ ہوگا۔

ایک شخص اچھا خاصا تندرست ہے۔ تمام کام دن میں کرتا رہتا ہے۔ نماز نہیں پڑھتا غفلت و کوتاہی کی وجہ سے نماز کو اہمیّت نہیں دیتا یا نماز کو حقیر سمجھ کر پرواہ نہیں کرتا، یا غیر ضروری تصوّر کرتا ہے۔ وہ زندگی بھر بے نماز رہتا ہے۔ پھر مرنے کے بعد اس کی نمازِ اجارہ کسی غیر کو روپے پیسے دے کر اس کی زندگی بھر کی نمازیں پڑھوا لینے سے اُسے کیا فائدہ پہنچتا ہے؟ جیسا کہ عام طور پر ہوا کرتا ہے۔ اس قسم کی نمازِ اجارہ پڑھنے والے کو تو معمولی رقم کا فائدہ پہنچتا ہے۔ مگر مرنے والے عادی بے نمازی کو کوئی فائدہ نہیں بخشتی۔

اسی طرح ایک تندرست و خوش حال آدمی جان بوجھ کر روزہ نہیں رکھتا۔ کون بھوک و پیاس کا صدمہ سہے۔ تمام دن کون مُنہ بند کیے رہے۔ مرنے کے بعد کسی مزدور سے روزہ رکھوالیں گے کیا اس کی موت کے بعد مزدوری کا روزہ اس کا فرض ادا کر سکتا ہے؟ اپنے بدن کو تو اس نے قبر کے کیڑوں کیلئے موٹا تازہ بنا رکھا۔ تکلیف نہ سہی۔ راہِ خدا میں اس نے اس مشقت کو گوارا نہ کیا۔ روپوں کے زور پر، دولت کے بل بوتے پر اس لیے یہ کام مزدوروں سے کروا دیا۔ کیا اس قسم کی مزدوری والی عبادت اور اجرت کا روزہ اصل ذمّہ دار سے ذمّہ داری ساقط کرا سکتا ہے؟ ہرگز نہیں

ہرگز نہیں۔ یہ ایک فرضی خوش کن بات ہے۔ اور خیالِ خام ہے۔ خدا کو تو اپنے بندے کا امتحان مقصود ہے کہ بندہ اپنے معبود کے لئے کیا قربانی دے سکتا ہے۔ بندے کی صرف بھوک و پیاس مطلوب نہیں کہ اس کی جگہ کوئی اور بھوک و پیاس برداشت کر کے خدا کی راہ میں وہ بھوک و پیاس ارسال کر دے، خدا خوش ہو جائے گا۔ یہ حکم شرع کی تعمیل نہیں بلکہ خدا کے ساتھ مذاق اور شریعت کے ساتھ استہزاء ہے۔ اسی طرح ایک شخص عمداً زندگی بھر میں فریضۂ حج ادا نہیں کرتا۔ روپے پیسے کی فراوانی ہے۔ مال و دولت کی کثرت ہے۔ اجازت بھی مل جاتی ہے۔ راستہ کھلا ہے۔ سواریاں موجود ہیں۔ گھر میں سفر میں کوئی امر مانع نہیں، تندرست ہے۔ سفر کر سکتا ہے۔ لیکن بے پرواہی ہے۔ فرض کی ادائیگی کا احساس نہیں یا حقارت کی نظر سے اس کو ٹھکرا دیتا ہے۔ ایسے شخص کی موت کے بعد حج بدل یا اس کی نیابت میں کسی غیر کا حج کرنا اس تارکِ حج کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔

یہ نیابت و وکالت کی نمازیں۔ روزے حج وغیرہ اسی صورت میں مرنے والے مومن کے لئے مفید ہیں جب اس کی شدید خواہش و تقاضے کے باوجود بیماری، کمزوری یا کسی اور مجبوری کی وجہ سے قضا ہو گئی ہوں اور ان کے ادا کرنے کی حسرت دل میں تڑپ رہی ہو۔ عادی نمازی ہو، عادی روزہ دار ہو، حج کرنے کا خواہش مند ہو لیکن بعض نمازیں، بعض روزے مجبوراً اس سے قضا ہوئے ہوں، اور ان کی قضا کا اُسے رنج ہو۔ اسی طرح ایک شخص عمر بھر حج کی ادائیگی کے لئے ترستا رہا مگر رکاوٹ کی وجہ سے وہ اس حسرت کو لے کر مرا۔ اس کی نیابت میں جو ورثاء کسی نائب وکیل سے حج کروائیں گے تو قبر میں خوشی حاصل ہو گی، اور ثواب جدا ملے گا۔

اس صورت میں تو "اجارہ" صحیح ہو سکتا ہے۔ پہلی صورت میں ہرگز صحیح نہیں۔ ورنہ عبادت قیمتاً بکے گی، دولتمند لوگ قیمتاً خرید لیں گے۔ اور عبادت کی گانٹھیں خود آدمی خرید کر خدا کو پارسل کر دیں گے۔ اور جنت کا انحصار مال و دولت اور کرنسی پر ہو جائے گا۔ مالدار آدمی احساسِ عبدیت سے خالی ہو جائیں گے۔ عمل کی کوئی اہمیت نہ رہے گی۔ پڑھی پڑھائی نمازیں، رکھے رکھائے روزے اور کئے کرائے حج قیمتاً مل جائیں گے۔ اور یہ زر خرید مال خدا کو دے کر اس کے عوض جنت کے باغوں کا اور حور و قصور کا سودا ہو جائے گا۔

روحِ عبادت ختم، احساسِ عبدیت معدوم، عبد و معبود کا تعلق قطع۔ اور روحانی تربیت

ترقی مفقود۔ صرف کرنسی کا اقتدار رہ جائے گا۔ اس سے دُنیا بھی خریدو، آخرت بھی مول لو۔ دنیاوی سامان اور جنّت کی نعمات سستی بے تکلیف مل جائیں گی۔ لیکن نادار اور غریب پھر بھی محروم رہے گا۔ اس قسم کا تصور روحِ اسلام و دین کے سخت مخالف ہے۔ اور لوگوں کو بے عمل بنانے کا یہ اجارہ ایک دل فریب نعرہ ہے۔

ہم شیعہ اور عزادار ائمہ اہل بیت علیہم السلام سے زیادہ منسلک ہیں۔ ہمارا خاص ربط اور واسطہ ہے۔ ہم ان کے فضائل و مصائب کی مجالس منعقد کرتے ہیں۔ ان کی قربانیوں کی یاد تازہ کرتے ہیں۔

اسلام کی اہمیت اور احکام شریعت کی پابندی کا احساس جتانے والی ان کی قربانیوں کی داستانیں ہیں۔ ہم زبانی دعویٰ تو نہایت شدومد کے ساتھ کرتے ہیں۔ مگر ان کے فرمان کی تعمیل اور ان کی سیرت کی پیروی کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ امام ہمارے ایسے ہیں کہ ایمان اور عملِ صالح میں دُنیا نے ان کی مثال نہیں پیش کی۔ اور ہمیں ان سے محبّت اور وِلا رکھنے کا حکم اس لئے دیا ہے کہ جس سے انسان محبّت کرتا ہے۔ اس کے اخلاق و عادات سے متاثر ہوتا ہے۔ محبوب کی سیرت محبّ کے دل پر نقش چھوڑتی ہے۔ بلکہ عربی میں ایک مقولہ ہے: اَلْمَرْءُ عَلیٰ دِیْنِ خَلِیْلِهٖ فَلْیَنْظُرْ اَحَدُکُمْ مَنْ یُّخَالِلُ۔
" آدمی اپنے دوست کا دین اور اس کے طور طریقے اختیار کرتا ہے۔ پس اسے چاہیئے کہ سوچ سمجھ کے دوست بنائے۔" اگر غلط دوست بنائے گا۔ فاسق و فاجر اور جاہل دوست ہوگا تو اس سے فسق و فجور، جہالت اور رذالت کے سبق سیکھے گا۔ اور اگر متقی صالح، اہل علم، کریم دوست ہوگا تو تقویٰ، عملِ صالح، صدق و کرم اور علم و عرفان ایسے اوصاف اس کے دِل میں اثر کریں گے۔ اور نیک سیرت و نیک خیالات اس کے دل و دماغ پر چھا جائیں گے۔

اہلِ بیتِ رسول کے ساتھ تمسک کرنے اور ان سے محبّت و وِلا کا رشتہ قائم کرنے کا حکم علیم و کبیر نے اسی لئے دیا ہے کہ میرے بندے میرے رسول کی امّت، ان کی محبّت سے ان کے اخلاقِ کریمہ، عاداتِ صالحہ، اوصافِ حمیدہ اور درس ہائے ایثار و قربانی سیکھیں گے۔ یہ ایسے معصوم رہنما اور سچّے ہادی ہیں کہ جن کا قول۔ جن کا عمل، ان کی گفتار، ان کا کردار حتیٰ کہ ان کی نشست و برخاست اور رفتار حجّت اور نمونہ ہے۔

ان کو رفیق قرآن اسی لئے قرار دیا کہ قرآن عمل کی الفاظ میں تلقین کرتا ہے اور یہ عمل کرکے

الفاظ قرآن کی تشریح کرتے ہیں، قرآن کہتا ہے اور یہ کر کے دکھاتے ہیں۔ قرآن قولی ہادی ہے اور یہ عملی ہادی ہیں۔ قرآن خاکہ پیش کرتا ہے اور یہ اس میں رنگ بھرتے ہیں۔ قرآن احکام دیتا ہے یہ مجسمۂ عمل بن کر اس کی تشریح کرتے ہیں۔ قرآن متن ہے یہ اس کی تشریح ہیں۔ قرآن مجمل ہے۔ یہ اس کی تفصیل ہیں۔

قرآن نے اسلام کی صورت الفاظ میں پیش کی ہے۔ انہوں نے اسلام کی سیرت کا نقشہ اپنے کردار میں کھینچا ہے۔ قرآن ہدایت کا کلام ہے یہ ہدایت کے عملی نمونے ہیں۔ جس طرح قرآن ہر غلطی سے پاک ہے۔ اسی طرح یہ ہر خطا سے معصوم ہیں۔ اسی لئے انہیں قرآن کا توأم جوڑا بیان کیا گیا ہے۔

قرآن خدا کی جانب سے ہے۔ کسی بندہ کا کلام نہیں۔ کسی انسان کا بنا یا ہوا نہیں۔ اسی طرح یہ بھی خدا کی طرف سے ہادی و رہنما ہیں۔ بندوں کے بنے ہوئے اور مخلوق کے چنے ہوئے نہیں۔

جو مقام و مرتبہ قرآن پاک کا ہے وہی مقام و مرتبہ آلِ پاک اہلِ بیتِ اطہار کا ہے۔ قرآن شک و شبہ سے پاک ہے۔ اس کے کلامِ حق ہونے میں کوئی شبہ نہیں، ان کے امام حق ہونے میں کوئی شک نہیں۔ وہ کلام حق ہے یہ امامِ حق ہیں، جو ان میں شک کرے خود اس میں شک ہے۔ قرآن تمام کتابوں سے افضل اور یہ حضرات تمام ہادیوں سے اکمل۔

قرآن میں تمام سابقہ کتب کے علوم موجود، اِن میں تمام انبیاء ماسبق کے علوم و معارف موجود قرآن جامعِ کتبِ سابقہ۔ اور یہ حضرات جامعِ علومِ انبیاء۔ قرآن قیامت تک محفوظ، ان کی امامت قیامت تک قائم۔ باقی کتب نے قرآن سے علوم لئے ہیں۔ قرآن نے کسی کتاب سے علوم اخذ نہیں کئے۔ اسی طرح اہلِ بیتِ رسول نے تمام دنیا کو علوم سکھائے ہیں۔ کسی سے حاصل نہیں کئے۔

قرآن کو کتبِ دنیا سے ممتاز کرنے کے لئے کپڑے کے غلاف میں لپیٹا جاتا ہے تاکہ دیکھنے والوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ کلامِ خدا ہے۔ یہ عام کتب سے بلند و ممتاز ہے۔ اسی طرح جناب پیغمبر خدا نے اپنے اہلِ بیت کو چادرِ تطہیر کے لباس میں لپیٹ کر صحابہ و ازواج سے ممتاز کر دیا تھا کہ ان کا مقام ان سے بلند ہے۔ تو حضرات اِن سے تمسک کرنے اور محبّت کرنے کا حکم اسی لئے ہے کہ ان سے اعمالِ صالحہ اور ایثار و قربانی کا درس لیں۔

تو ان کی قربانیوں کے تذکروں سے ہمیں اسلام کی عظمت اور احکامِ شرع کی اہمیّت کا درس ملتا ہے۔ کہ ان ذواتِ مقدّسہ نے اسلام کو اپنے اوپر قربان نہیں کیا۔ اور اپنے آپ کو اسلام پر

قربان کیا ہے۔ اسلام کی زندگی کو ختم نہیں کیا بلکہ اپنی زندگیاں اسلام کے لئے ختم کر دیں۔

دو چیزوں میں سے جب ایک کو باقی رکھنا اور دوسری کو قربان کرنا ضروری ہو تو جو چیز اہم ہوتی ہے اسے باقی رکھا جاتا ہے۔ امامِ مظلوم جناب سیّد الشہداء اور جناب شریکۃ الحسین حضرت زینب نے اپنی زندگی اور عزت کو باقی نہیں رکھا۔ بلکہ اسلام کی بقاء کے لئے جانوں کی قربانی دی۔ مال قربان کئے عزتیں نثار کیں۔

اگر ہمیں ان کی جانی، مالی اور عزتوں کی قربانیوں کا احساس ہے تو ان کی عظمت و اہمیت کا احساس کریں۔ جس کیلئے انہوں نے قربانیاں دیں۔ ہم اسلام اور شرع کو حقیر سمجھیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے اہلِ بیت کی قربانیوں کی قدر نہیں کی، امامِ مظلوم کا نعرہ آج بھی فضا میں گونج کر ندا دے رہا ہے۔ "ھَلْ مِنْ نَاصِرٍ یَّنْصُرُنَا" اب شہادتِ حسین کے مقصد کی مدد کی ضرورت ہے۔ مقصدِ شہادت اور غرضِ شہادت کی تائید و حفاظت کی ضرورت ہے۔ جس مقصد کی پاسداری عقیلۂ قریش شریکۃ الحسین نے کربلا سے شام تک ہر منزل پر کی ہے۔ جس کی شہادت کے مقصد کی تائید میں جناب امِّ کلثوم، جناب فاطمہ صغریٰ اور سیّد سجاد نے کوفہ میں خطبے پڑھے ہیں۔

مولا کی شہادت اور کربلا کے شہیدوں کی قربانیاں کا پیغام دیارِ شام میں خواہرِ امام نے مجمع عام میں بیان کیا۔ اسلام کی خاطر سیّد الشہداء نے مدینہ سے کربلا کا سفر کیا۔ اور اسلام کی خاطر مستورات بنی ہاشم اور اسیرانِ آلِ محمد نے کربلا سے شام تک سفر کیا۔

حسینؑ فاتحِ کربلا ہیں اور خواہرِ حسین فاتحہ شام ہیں۔ اولادِ ابوطالب اور آلِ رسول کربلا میں شہید ہوئی اور مخدراتِ بنی ہاشم بناتِ رسول قید ہو کر شام میں آئیں۔

قید کا قصہ قتل کی داستان سے کم نہیں۔ اور بازار کا واقعہ میدانِ شہادت سے کم دردناک نہیں۔ رسول کی بیٹیوں اور دخترانِ زہرا کو شام کے سفر کرنے پڑے، کس طرح نبی زادیاں شام میں آئیں۔ ذرا تفصیل سے سنیں۔

ورودِ شام

عابد سے یہ وطن میں کسی نے کیا کلام | گزرے ستم زیادہ کہاں تم پہ یا امام
رو رو کے تین بار کہا شام شام شام | سر ننگے میرا کنبہ تھا اور گرد خاص و عام

نیزۂ ہلاہلا کے علم و شاد ہوتے تھے ۔۔۔ بابا کا سر بھی روتا تھا اور ہم بھی روتے تھے

بِنَفْسِي رُؤُسٌ مُعَلَّنَاتٌ عَلَى الْقَنَا ۔۔۔ إِلَى الشَّامِ تُهْدَىٰ بَارِقَاتُ الْأَسِنَّةِ
بِنَفْسِي خُدُودٌ فِي التُّرَابِ تَعَفَّرَتْ ۔۔۔ بِنَفْسِي جُسُومٌ بِالْعَرَاءِ تَعَرَّتِ
رَبِيعُ الْيَتَامَىٰ وَالْأَرَامِلِ فَابْكِهَا ۔۔۔ مَدَارِسُ لِلْقُرْآنِ فِي كُلِّ سَحَرَةٍ
وَأَعْلَامُ دِينِ الْمُصْطَفَىٰ وَوُلَاتِهِ ۔۔۔ وَأَصْحَابُ قُرْبَانٍ وَحَجٍّ وَعُمْرَةٍ

میری جان قربان ہو ان مقدس سروں پر جو نیزوں پر آشکار کیے گئے۔ چمکدار نیزوں پر سوار کر کے شام بطور تحفہ دیئے گئے۔ میری جان فدا ہوں ان رخساروں پر جو خاک آلودہ اور ان جسموں پر جو میدانِ کربلا میں برہنہ بے گور و کفن تھے۔ وہ یتیموں اور بیواؤں کی بہار تھے اُن پر آنسو بہاؤ جو ہر صبح قرآنِ پاک کی تلاوت کرتے تھے۔ جو دینِ مصطفیٰ کے علَم، اس کے والی وہ اصحابِ قربانی اور حج و عمرہ تھے۔

بِنَفْسِي النِّسَاءُ الْفَاطِمِيَّاتُ أَصْبَحَتْ = مِنَ الْأَسْرِ كَيْسَتْ تُكْفِنَ مَنْ كَفِيَ يَرْأَفُ
وَقَدْ أَبْرَزُوهَا جَهْرَةً مِنْ خُدُورِهَا = عَشِيَّةَ لَا حَامٍ يَذُودُ وَيَكْنُفُ
تَوَارَتْ بِخِدْرٍ مِنْ جَلَالَةِ قَدْرِهَا = بِهَيْبَةِ أَنْوَارِ الْإِلٰهِ يُسْجَفُ
لَقَدْ قَطَعَ الْأَكْبَادَ حُزْنًا مُصَابُهَا = وَقَدْ غَادَرَ الْأَحْشَاءَ تَهْفُو تَرْجُفُ

ہماری جانیں قربان اِن فاطمی مستورات پر، بناتِ علی و بتول پر جو قید کی وجہ سے اِس قدر بے وارث تھیں، ان لوگوں سے رحم و کرم کی طالب تھیں جو رحم سے ناآشنا تھے۔

سنگدل بے حیاؤں نے انہیں اس وقت بے پردہ و بے حجاب کر دیا جبکہ ان کے حامی و مددگار مارے گئے تھے۔ ان کی کوئی حمایت کرنے والا نہ تھا جو دشمنوں کو اُن سے دور کرتا۔

جلالتِ قدر کے پردے میں وہ محجوب تھیں اور ہیبتِ انوارِ الٰہی کی پوشش میں مستور تھیں۔

ان کی مصیبت اور دکھوں نے غم و حزن کی وجہ سے کلیجے پارہ پارہ کر دیئے۔ اور دل سینوں میں لرزتے اور کانپتے تھے۔

آخر کار بیمار پسرِ حسینؑ اور قیدی امام اپنی پھوپھیوں، ماؤں، بہنوں اور یتیم بچوں کے ساتھ دکھوں کا دریا عبور کر کے، غموں کے منجدھار اور مصیبتوں کے گرداب دمشق میں پہنچ گیا۔

ہماری لاکھ جانیں قربان ہوں مدینہ کی اِن شہزادیوں اور ہاشمی مستورات پر جنہوں نے سینکڑوں میل کی مسافت دکھی دِلوں، تھکے ہوئے زخمی بدنوں، برہنہ سروں کے ساتھ شترانِ بے کجاوہ کی پشتوں پر طے کی، دشوار گزار راہوں، اونچے نیچے پہاڑوں اور خارزار جنگلوں کو بھوک و پیاس کی تکلیفوں کے ساتھ طے کیا۔ ایک شہر کے ہجوم سے وداع ہوتیں دوسرے شہر کے تماش بین لوگ انتظار میں ہوتے۔ کسی منزل پر قیام و کوچ اپنی مرضی سے نہ ہوتا۔ یہ بے وارث شہزادیاں اور غریب الوطن قیدی اِن ظالموں کی مرضی کے پابند تھے۔ جن کی فطرت میں ظلم و تشدّد تھا۔ کوئی اور مستورات ہوتیں تو یقیناً راہ میں مرجاتیں۔ لیکن ھاشمی مستورات تھیں جنہوں نے عزم و ہمت کی غذا اور صبر و تحمّل کی خوراک سے پرورش پائی تھی۔ بیت الوحی اور مدارس آیاتِ قرآن کی تعلیم یافتہ تھیں۔ نبوت و امامت کے چشموں سے سیراب ہوتی رہیں۔ حق و صداقت کی خاطر قربانی دینے کی تربیت سے آراستہ تھیں۔ عزم و استقلال کا کوہِ گراں تھیں۔ ہیبتِ الٰہیہ، عزیمتِ محمدیہ۔ جلالتِ حیدریہ۔ عصمتِ فاطمیہ، حشمتِ حسنیہ اور استقامتِ حسینیہ نیز قوتِ قدسیہ کی مالک و وارث تھیں۔ جس مقصد کو لے کر حسین مدینہ سے کربلا آئے، اِسی مقصد کو لے کر یہ کربلا سے شام آئیں۔ حسین نے اپنا عہد و پیمان پورا کیا۔ اور انہوں نے اپنا عہد و پیمان نبھایا۔ مقصدِ شہادتِ حسین اور ان کے اقدام کو جنگلوں، شہروں، بازاروں اور درباروں میں اِس انداز کے ساتھ پیش کیا کہ ان کی تقریر کا ہر لفظ سامعین کے دلوں میں اترتا گیا۔ اسی مقصد کی عظمت، نصب العین کی پاکیزگی اور بلندی اور حق و صداقت کے پرچار اور اعلاء کلمۃ الحق نے اُن کی قوتوں کو مضمحل نہ ہونے دیا۔ بدن تھک گئے۔ مگر ارادے اور ولولے تازہ رہے۔ جسم کمزور ہو گئے مگر دل و دماغ مضبوط رہے۔ پیاس کی وجہ سے ہونٹ خشک ہو گئے حلق کانٹا بن گئے مگر زبانیں حق و صداقت بیان کرنے میں تر رہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ایسے اہم امورِ عظیم فرائض انجام دینے کیلئے خدا ایسی ہی ہستیاں خلق فرماتا ہے۔

الغرض شام آ گئی۔ سفر ختم ہو گیا۔ یزید کے پایۂ تخت دمشق کی دیواریں نظر آنے لگیں، دمشق سے باہر ایک مقام ہے۔ جسے جیرون کہتے ہیں۔ اس مقام پر یزید کا ایک محل تھا۔ یہ اپنے محل کی بالائی منزل پر بیٹھا تھا۔ قیدیوں کے قافلہ اور سروں کی آمد کے انتظار میں تھا۔ اِسے دور سے یثرب کے قیدی اور شہداء کے سر نظر آنے لگے۔ یہ غرور کے نشہ میں مخمور تھا اور

اپنی فتح و کامیابی کے گھمنڈ میں شاداں۔ اِس اثناء میں ایک کوّے نے کائیں کائیں کی۔ یزید نے یہ شعر پڑھے :-

لَمَّا بَدَتْ تِلْكَ الْحُمُولُ وَأَشْرَفَتْ   تِلْكَ الرُّؤُسُ عَلَىٰ رُبَا جَيْرُونِ
نَعِبَ الْغُرَابُ فَقُلْتُ صِحْ أَوْ لَا تَصِحْ   فَلَقَدْ قَضَيْتُ مِنَ الرَّسُولِ دُيُونِي

جب سواریاں ظاہر ہوئیں اور سر جیرون کے ٹیلوں پر نمودار ہوئے تو کوّا چلانے لگا۔ میں نے اسے کہا اب تو چلاّ یا نہ چلاّ، میں نے رسول سے اپنے قرضے چکا لئے ہیں۔

یزید کا یہ اشارہ تھا کہ عہد نبوی کی اسلامی جنگوں خاص کر بدر کی جنگ میں جو بنی اُمیّہ کے افراد خصوصاً اُموی سردار مارے گئے تھے، میں نے جنگِ کربلا میں پیغمبر کی اولاد قتل کر کے اور ان کی بیٹیاں قید کر کے ان کا بدلہ لے لیا ہے۔

دمشق کی سجاوٹ

یزید کو قتلِ حسینؑ اور جنگِ کربلا کی ظاہری فتح پر انتہائی خوشی تھی۔ اپنی مادی کامیابی اور مستورات بنی ہاشم کی درباری پیشی پر اُس نے جشنِ مسرّت منانے کا فیصلہ کیا۔ ہر قبیلہ کے سردار کو دمشق میں ایک گروہِ کثیر کیساتھ حاضر ہونے کی دعوت دی۔ دمشق کی آئینہ بندی، بازاروں اور دوکانوں کی آرائش اور دربار کی زیبائش کا حکم دیا۔ درباری افسروں کو شاہی خلعتیں تقسیم کی گئیں۔ اور باشندگانِ دمشق اور اطراف و اکناف کے لوگوں کو لباسِ فاخرہ پہننے، خوشبوئیں لگانے اور خوشیاں منانے کی تاکید کی گئی۔ زن و مرد اِس مسرّت میں شریک تھے۔ آلاتِ لہو و لعب۔ شادیانے، طبلہ۔ ڈھول بجانے کا خاص تاکیدی حکم تھا۔ ہر قبیلہ کا امیر اپنے ساتھ ایک گروہ لے کر، اور شادیانوں اور گانے بجانے کے آلات کے ساتھ قیدیوں کا نظارہ دیکھنے کے لئے باہر نکلتا۔ ایسے موقعوں پر اشرار، اوباش، کمینے اور ذلیل قسم کے لوگ زیادہ تعداد میں جمع ہوتے ہیں۔ اور بے دین۔ پست اور خوشامدی کمینے شاہوں کی خوشامد، چاپلوسی میں کس قدر غلط تعریف و توصیف بیان کرتے ہیں۔ اور ان کے مخالفین خواہ کتنے ہی شریف ہوں، کے حق میں نازیبا و گستاخانہ اور دل دکھلانے والے فقرات استعمال کرتے ہیں۔ یہی حالت دمشق کے بازاروں اور بیرونِ شہر مجمع عام کی تھی۔

اہلِ حرم کربلا سے شام تک ہر بڑے شہر میں مجمع عام اور لوگوں کا اژدہام خلقِ کثیر شریروں کی بھیڑ دیکھ کے اور ہجومِ اشرار کو عبور کر کے تنگ آ چکے تھے۔ ایک شہر کی تماش بین

نگاہوں سے نجات ملتی ۔ تو دوسرے شہر کے لوگ قیدیوں کے آنے کے انتظار میں ہوتے اور دمشق تو تمام بے حیائیوں کا مرکز تھا۔ اور اہلِ بیت کے دل دکھانے اور انہیں ذلیل کرنے کا ہر قسم کا سامان مہیا کیا گیا تھا۔

اُمِّ کلثوم کا سوال

اہلِ حرم ابھی دمشق شہر سے باہر تھے کہ لوگوں کا سیلاب شہر سے باہر اُمڈ پڑا۔ ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں تماشائی جمع تھے۔ جن کی نظریں قیدیوں کی جانب اٹھ رہی تھیں۔ ؎

قدرتِ خدا کی جشن ہے قتلِ حسینؑ کا

تماشائیوں کا اتنا بڑا ہجوم دیکھ کر جناب اُمِ کلثوم بنتِ علیؑ نے شمر سے کہا۔ شمر! میرا ایک سوال ہے۔ حضرات! جناب امِّ کلثوم کا سائل ہونا اور پھر شمر کمینے سے۔ دمشق سے باہر دشمن کے شہر میں، کتنی اذیت ناک بات ہے۔ یہ ہے انقلابِ زمانہ؟ شمر نے سوال پوچھا۔ جناب اُمِّ کلثوم نے فرمایا! دیکھ شمر، ہم رسول کی بیٹیاں، علی و بتول کی شہزادیاں ہیں۔ گھروں سے باہر کبھی نہ جاتی تھیں۔ آج دربار کی پیشی ہے۔ ہمارے سر اور منہ بغیر چادروں کے ہیں۔ ہزاروں کے مجمع عام سے ہمیں نہ گذار۔ لوگوں کی نگاہوں سے بچا۔ اور ہمیں ایسی گلی سے دربار میں لے جا جہاں لوگوں کا ہجوم کم ہو۔ تماشائی زیادہ نہ ہوں۔

دوسری بات یہ ہے کہ شہداء کے سروں کو مستورات کے محملوں سے دور رکھ "تاکہ لوگ سروں کے دیکھنے میں مشغول ہو جائیں اور ہماری طرف تماشائیوں کی نگاہیں نہ اُٹھیں۔ شریف زادیوں کا سوال تھا۔ شریف ہی شرفاء کی قدر کرتے ہیں۔ کمینے لوگ شریفوں کی قدر کیا جانیں؟ یہ کیا کم مصیبت ہے کہ شریف زادی کمینے سے سوال کرنے پر مجبور ہوئی۔ اور پھر کمینے نے جس کمینہ انداز سے جواب دیا۔ شریف زادی دخترِ رسول خون کے گھونٹ پی کے رہ گئی۔ سوائے ضبط کے کوئی چارہ نہ تھا۔ فریاد کا کوئی مقام نہ تھا۔ خودکشی حرام تھی۔ بے نیاز کی آزمائش پہ صبر کیا۔ سر جھکا لیا۔ خاموشی سے جانب آسمان دیکھا۔ مدینہ کی طرف نظر کی۔ اور امتحان دیکھ کر عزم و استقلال کو سنبھالا۔ شمر نے کہا۔ رسول زادیو! یہ مجمع عام تو تمہارے تماشہ کے لئے ہی اکٹھا کیا گیا ہے۔ بازار تمہارے لئے سجائے گئے ہیں۔ اور عام لوگوں کو تمہارے ہی استقبال کی دعوت

دی گئی ہے۔ یہ جشنِ مسرّت تمہارے واسطے منایا گیا ہے۔ لہٰذا تمہیں مجمع عام اور بازار کی بھیڑ سے گزاروں گا۔ اور سرا ٹھانے والوں کو حکم دیا کہ سروں کو محملوں کے ساتھ ساتھ رکھو۔ اور ایسے نازیبا و گستاخانہ کلمات کہے کہ ہاشمی شہزادیوں کے دِل زخمی ہو گئے۔ اور کلیجے پھٹ گئے۔ اس ملعون نے سادات کو باب السّاعات سے گزارنے کا حکم دیا جس میں لوگوں کی سب سے زیادہ بھیڑ تھی۔

ایک تابعی کی رُوپوشی

تابعین وہ لوگ ہیں جنہوں نے جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کا زمانہ نہ پایا ہو۔ لیکن ان کے اصحاب کا زمانہ پایا ہو۔ ایک تابعی کے متعلق وارد ہے کہ شہر دمشق میں رہتا تھا۔ جب سرہائے شہداء اور اسیرانِ آلِ محمد نہایت خستہ حالت اور بے عزّتی کے ساتھ ذلیل قیدیوں کی طرح شام میں لائے گئے تو اس کے دل پر سخت چوٹ لگی۔ شدّتِ غم کی وجہ سے وہ ایک مہینہ روپوش رہا۔ اس کے دوستوں نے اس کی تلاش شروع کی، اور ایک مہینہ بعد اس کو ڈھونڈ نکالا۔ تو اُس کی روپوشی کی وجہ دریافت کی، اُس نے کہا کہ تم نے نہیں دیکھا کہ ہم پر کیا مصیبت نازل ہوئی، خاندانِ رسالت کے ساتھ اُمّت نے کیا سلوک کیا۔ پھر اس نے نہایت درد و الم میں ڈوبے ہوئے اشعار کہے ؎

جَاءُو بِرَاسِكَ يَا ابنَ بِنْتِ مُحَمَّدٍ = مُتَرَمِّلاً بِدِمَائِكَ تَرْمِيلاً
وَكَاَنَّمَا بِكَ يَا ابنَ بِنْتِ مُحَمَّدٍ = قَتَلُوا جِهَاراً عَامِدِينَ رَسُولاً
قَتَلُوكَ عَطْشَاناً وَلَمْ يَتَرَقَّبُوا = فِي قَتْلِكَ التَّاوِيلَ وَالتَّنْزِيلَا
وَيُكَبِّرُونَ بِاَنْ قُتِلْتَ وَاِنَّمَا = قَتَلُوا بِكَ التَّكْبِيرَ وَالتَّهْلِيلا

اَے نواسۂ رسول! تیرا سر خون آلودہ نیزے پر سوار کرکے شام لائے گویا کہ انہوں نے جان بوجھ کر اپنے رسول کو قتل کیا ہے۔

اِن ظالموں نے تجھے پیاسا شہید کیا اور تیرے قتل کرنے میں قرآن اور اس کی تاویل کا کچھ لحاظ نہ کیا۔

تیرے قتل پر ان سنگدلوں نے نعرہ ہائے تکبیر بلند کئے۔ تیرے قتل کے ساتھ انہوں نے تکبیر و تہلیل کو قتل کر ڈالا۔

سہل بن سعد ساعدی

سہل بن سعد ایک صحابی رسولِ پاک ہیں۔ بیان کرتے ہیں۔ کہ میں حج بیت اللہ سے فارغ ہو کر بیت المقدس کی زیارت کے لئے روانہ ہوا۔ وہاں سے میں شام پہنچا۔ تو کیا دیکھتا ہوں کہ شہر کے دروازے آراستہ ہیں۔ بازار سجائے گئے ہیں۔ جھنڈے بُلند کیئے گئے ہیں۔ لوگ ٹولیوں کی صورت میں، زرق برق لباس پہنے چل پھر رہے ہیں۔ دکانوں پر زرنگار پردے لٹکائے گئے ہیں۔ گلیاں اور بازار ہجوم خلق سے بھرے ہوئے ہیں۔ شادیانے بج رہے ہیں۔ عورتیں خوب صورت لباس پہنے فرطِ مسرّت سے طبلے اور دفیں بجا رہی ہیں۔ زن و مرد نہایت خوشی کے عالم میں بازاروں اور گلیوں میں گھوم رہے ہیں۔ گویا ایک عظیم الشان جشنِ مسرّت منایا جا رہا ہے۔ شام کی یہ حالت دیکھ کر میں دنگ رہ گیا۔ یا اللہ! آج عید بھی تو نہیں ہے۔ اور یہ اسبابِ سُرور کیوں ہیں؟ سہل کہتا ہے کہ میں نے ایک گروہ دیکھا۔ وہ آپس میں کچھ خفیہ باتیں کر رہے تھے۔ میں اُن کے قریب گیا اور وجہِ مسرّت دریافت کی کہ آج یہ خوشیوں کے سامان کیسے ہیں؟ انہوں نے کہا: یا شیخ! تم کوئی اجنبی اور بادیہ نشین اعرابی معلوم ہوتے ہو۔ اور شہر کے حالات سے ناواقف ہو۔ میں نے کہا میں صحابیٔ رسول ہوں۔ میرا نام سہل بن سعد ہے۔ تمہارے شہر میں اجنبی ہوں۔ انہوں نے کہا۔ اے سہل! زمین پھٹ کیوں نہیں جاتی اور آسمان کیوں نہیں گر پڑتا؟ خون کی بارش کیوں نہیں ہوتی۔ دُنیا کیوں قائم ہے؟ کتنی بڑی مصیبت واقع ہوئی ہے۔ یہ نواسۂ رسول کا سر عراق سے دربارِ یزید میں لایا جا رہا ہے۔ حسین مع اقربا و انصار میدانِ کربلا میں پیاسے مارے گئے۔ ان کی مستورات کو ذلیل قیدیوں کی طرح اونٹوں پر سوار کر کے سر برہنہ بازار میں ہجوم سے گزارنے کے لئے لا رہے ہیں۔ اس سے بڑھ کر کوئی اور مصیبت ہو سکتی ہے۔ سہل کہتا ہے۔ یہ سُن کر میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ ہائیں! حسینؑ بن علیؑ کا سر نیزے پر۔ اور رسول کی بیٹیاں اونٹوں پر بلوۂ عام میں؟ بے مقنعہ و چادر!

اتنا ظلم! اور لوگ خوش ہو رہے ہیں۔ واہ مصیبتا! قتلِ حسین پر جشنِ مسرت اور نبی زادیوں کی قید پر عید، سہل نے سر پیٹ کر کہا۔ کس دروازے سے آرہے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا۔ "باب الساعات" سے داخل ہو رہے ہیں۔ شدّتِ غم سے یہ بوڑھا صحابی روتا ہوا اس جانب بڑھا۔ کیا دیکھتا ہے کہ ایک دوسرے کے پیچھے جھنڈے آ رہے ہیں۔ ان کے پیچھے نیزوں پر سر سوار ہیں۔ ایک شخص گھوڑے پر سوار ہے۔ اس کے ہاتھ میں نیزہ ہے۔ جس پہ ایک سر نورانی چہرہ روشن پیشانی، چاند کی مانند گول ہے۔ زلفیں ہوا میں لہرا رہی ہیں۔ ریشِ مبارک پر خضاب کا اثر ہے۔ سیاہ چمکدار آنکھیں۔ جمالِ محمدی، جلالِ حیدری آشکار ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جناب رسولِ پاک ہیں۔ سہل کا بیان ہے کہ سب سروں سے آگے جناب عباس کا سر تھا۔ رعب و جلال چہرۂ اقدس سے نمایاں تھا اور امیر المومنین علی کے مشابہ تھا۔ اِن سروں کے بعد چند عورتیں کہنہ لباس میں بے کجاوہ اونٹوں پر سوار تھیں۔ اُن کے سروں پر چادریں نہ تھیں۔ غربت برس رہی تھی۔ بے پردہ بیبیاں حسرت سے سر جھکائے ہوئے تھیں۔ لوگوں کی نظریں ان کی جانب اٹھتی تھیں اور وہ سوئے زمین دیکھتی تھیں۔ کوٹھوں کی چھتوں پر عورتوں کا ہجوم تھا۔ قربان ہوں لاکھوں جانیں ہم عزاداروں کی اے دخترانِ رسول، بتول کی بیٹیاں پشتِ دختران پر غم کے آنسو بہا رہی تھیں اور زنانِ فاحشہ کوٹھوں پر مسکرا رہی تھیں۔ بعض عورتوں کی جھولیوں میں پتھر تھے۔ یتیم بچوں اور سربرہنہ نبی زادیوں پر شام کی عورتوں نے پتھر برسانے شروع کر دیئے۔ سہل بن سعد بیان کرتا ہے کہ جب یہ لاوارث بیبیاں اور یتیم بچے بے کسی و مظلومی کی حالت میں بازار سے ہجوم کو چیر کر گذر رہے تھے، تو یکایک کوٹھوں سے پتھروں کی بارش شروع ہو گئی۔ ایک مکان کے ڈربہ میں پانچ عورتیں کھڑی ہیں۔ اِن میں ایک کبڑی اور بوڑھی عورت تھی، جب جناب زہرا کا چاند اِس منزل کے قریب سے گذرا تو اس ملعونہ نے پتھر مارے، ایک پتھر نورِ رسول اور عینِ بتول کے دندانِ مبارک پر لگا۔ سہل کہتا ہے کہ میرے دل پر سخت چوٹ لگی، میں اور تو کچھ کر نہ سکتا تھا۔ ہاتھ اٹھائے غم زدہ دل اور اشکبار آنکھوں کے ساتھ بد دعا دی: "اَللّٰھُمَّ اَھْلِکْھَا وَ اَھْلِکْھُنَّ مَعَھَا بِحَقِّ مُحَمَّدٍ وَ اٰلِہٖ اَجْمَعِیْن" خدایا اس بدبخت کبڑی عورت اور اس کے ساتھ والی عورتوں کو ہلاک کر، ابھی سہل کی دعا ختم نہ ہوئی تھی کہ ڈربہ ٹوٹ گیا اور وہ ناپاک عورتیں ہلاک ہو گئیں۔

سہل کہتا ہے کہ پہلے اونٹ پر ایک صغیر السن لڑکی سوار تھی۔ میں اس کے قریب گیا۔ اور پوچھا "مَنْ اَنْتُمْ؟ قَالَتْ: اَنَا سَکِیْنَۃُ بِنْتُ الْحُسَیْنِ" میں سکینہ بنت حسین ہوں۔ میں نے کہا میں سہل بن سعد ہوں۔ آپ کے جد امجد رسولِ پاک کا صحابی ہوں۔ میرے لائق کوئی خدمت ہو تو بجا لاؤں۔ جناب سکینہ نے فرمایا یا شیخ ان سر اٹھانے والوں سے کہو کہ یہ سر ہم سے دور لے جائیں۔ تاکہ لوگ ان سروں کے دیکھنے میں مشغول ہو جائیں۔ اور ہم نامحرموں کی نگاہوں سے محفوظ ہو جائیں۔

سہل کا بیان ہے کہ میں حاملین کے پاس آیا۔ میرے پاس چار سو دینار تھے۔ میں نے ان سے کہا کہ یہ چار سو دینار تمہیں پیش کرتا ہوں کہ ان سروں کو مستورات سے دور رکھو تاکہ لوگ خاندانِ رسالت کی شہزادیوں کی طرف نہ دیکھیں اور سروں کو دیکھنے میں مصروف رہیں۔ وہ لوگ اس بات پر آمادہ ہو گئے اور مذکورہ رقم میں نے ان کے حوالے کر دی۔

بازار کا سفر

واضح رہے کہ جس روز مستوراتِ سادات دمشق میں پہنچی ہیں۔ اسی روز داخلِ شہر نہیں ہوئیں۔ کم از کم ایک روز بیرونِ شہر بیٹھی رہیں۔ کیونکہ شہر کی آرائش نہیں ہوئی تھی۔ بازار اور دربار سجے نہ تھے۔ اس واسطے شہر سے باہر اسیرانِ مدینہ کو ایک دن اور رات قیام کرنا پڑا۔ ویسے کتابوں میں تو تین دن مذکور ہیں۔ جب پوری طرح شہر کی آئینہ بندی ہو چکی تھی اور مکمل طور پر شہر سج گیا تھا۔ آس پاس کے تمام رؤسا، امراء اور رعایا کے لوگ دمشق میں پہنچ چکے تھے۔ تب قیدی امام اور اسیرانِ آلِ محمد، مستوراتِ ہاشمیہ، دخترانِ زہرا کو داخلِ شہر ہونے کا حکم ملا۔ کتنا مجمع تھا؟ شہر کے گلی کوچے، بازار و میدان زن و مرد سے بھرے ہوئے تھے۔ جہاں قیدی قیام پذیر تھے۔ کھلا میدان تھا۔ عرصۂ محشر معلوم ہوتا تھا۔ تاریخیں بتاتی ہیں کہ تقریباً پانچ لاکھ کی تعداد میں شامیوں نے دخترانِ رسول کا استقبال کیا۔ تماشا دیکھا۔ دوسرے روز باب الساعات" کی طرف سے بازار میں اسیرانِ آلِ محمد کو داخل کیا گیا۔

(نوٹ) یہ جو پڑھتے ہیں کہ اسیرانِ آلِ محمد کو تین میل یا نو میل دمشق سے باہر حکم ملا کہ پیدل چل کر شہر میں آئیں اور پیدل بازار کا سفر کریں۔ بالکل غلط ہے۔ سراسر غلط ہے،

سراسر غلط ہے۔ کسی معتبر کتاب میں پیدل چلنے کی روایت موجود نہیں۔

علاوہ ازیں یہ امر مقصدِ یزید کے خلاف تھا۔ کیونکہ اس ملعون کو اہل بیت کی ہر طرح کی توہین مقصود تھی۔ مجمع عام اس لئے اکٹھا کیا گیا تھا کہ لوگ قیدیوں کو دیکھیں۔ ہزاروں اور لاکھوں کے مجمع میں زمین پر چلنے والے قیدی کیسے نظر آسکتے تھے۔ معمولِ سابق کے مطابق اونٹوں پر سوار تھے۔ اور ہر شخص اونٹوں کی بلندی پر دیکھتا تھا۔ جس طرح کہ سر نیزوں پر سوار تھے تاکہ ہر شخص کو نظر آئیں۔ بلند آواز سے ندا دی جاتی تھی۔ "لوگو! آلِ محمد کے قیدیوں کا تماشہ دیکھو"۔ یہ آلِ محمد کے اسیر آگئے ہیں۔ یہی درد سیّد سجّاد اور دخترانِ زہرا کو کھا گیا۔ کہ بتول کی بیٹیاں پشتِ شتران پر بے مقنعہ و چادر ہیں۔ اور لاکھوں تماشائی ہیں۔ خود سیّد سجّاد بھی اونٹ پر سوار رہے۔ کربلا سے شام تک اونٹوں پر سفر کیا۔ روایات میں اتنا آیا ہے کہ گر پڑنے کے خوف سے سیّد سجّاد کے پیر اونٹ کے پیٹ سے رسی کے ساتھ باندھ دیئے گئے تھے۔ بازار کا سفر تین چار فرلانگ سے زیادہ نہ تھا۔ لیکن طلوعِ آفتاب کے کچھ بعد اسیرانِ کربلا داخلِ بازار ہوئے، اور زوالِ آفتاب کے بعد دربار تک پہنچے۔ بازار کی بھیڑ اور ہجومِ عام کو چیر کر آنا تھا۔ تماشائیوں کا اصرار تھا کہ بار بار اونٹ روک دیئے جاتے، یا یزید کا ارادہ یہ تھا کہ یہ سفر آہستہ آہستہ طے ہو۔ اور مستورات و سیّد سجّاد کو زیادہ سے زیادہ اذیّت پہنچے۔

حضرات مومنین! بازارِ شام مصیبت میں میدانِ کربلا سے کم نہیں۔ بلکہ میں تو کہوں گا بازارِ شام کا قیدیوں کا ایک قدم شہدائے کربلا کی قربانیوں کے برابر ہے۔ اوباش لوگوں کے طعنے سننے فاحشہ عورتوں کی زبان درازیاں اور پتھروں کی بارش اور بے حیاؤں کے مجمع عام میں سے مستوراتِ ہاشمیہ کا بے حجاب گزرنا۔ ان کا ایک ایک قدم ہزاروں شہادتوں سے زیادہ دردناک اور غم خیز ہے۔ شہیدِ راہِ خدا شہادت پاکر راحت میں چلا گیا۔ لیکن اسیرِ راہِ خدا کا ہر دم دکھ میں اور ہر پل مصیبت میں، پھر جہاں غیرت کا سوال ہو، مستورات اور وہ بھی قید ہوں کہ تمام کائنات اور سارے جہانوں میں کوئی گھرانہ ان کا ہم مثل نہ ہو۔ اور بے حجاب و برہنہ سر بازاروں میں، آج کوئی شریف خاندان اپنی مستورات کو بازار کی طرف بھیجنے پر رضامند نہیں ہوتا۔ حالانکہ باپردہ سواریوں کا انتظام بھی ہوتا ہے۔ لیکن رسول کی بیٹیاں۔ عبدالمطلب کی اولاد، دخترانِ علی و بتول

پرانے میلے لباس میں سر برہنہ کنبہ قتل کرا کے، گھر جلوا کے، سامان لٹوا کے، عزیز سلطنت نیزوں پر اور خود شتران بے کجاوہ پر سوار ہیں ؎

غلغلہ یہ ہوگیا تھا خاص و عام میں   سر ننگے زینب آئی ہے بازار شام میں

شہیدان کربلا صرف ایک دن روز عاشورہ سختیاں اٹھا کر رحلت کر گئے۔ لیکن سید سجاد کربلا سے شام کے زندان تک ہر قدم پر شہید ہوتا آیا ہے۔ شہداء کربلا ایک بار قتل ہوئے لیکن اسیران کربلا ہر ہر قدم پر بار بار قتل ہوتے رہے۔ ان کی قید میں ہزاروں قتلوں کا درد ہے اور ان کے سفر میں کئی شہادتوں کا غم ہے۔

بہر حال قید کا قصہ قتل کی داستان سے زیادہ غم انگیز ہے۔ اور بازاروں درباروں کی مصیبت میدان کربلا سے کہیں زیادہ ہے۔

سر اطہر امام مظلوم سید الشہداء کا سر اطہر نیزے پہ سوار تھا۔ حسن میں بدر منیر تھا۔ رعب جلال ٹپک رہا تھا۔ تاریخ نے اس وقت کی یوں تصویر کشی کی ہے۔

ہیبت محمدیہ اور حشمت حیدریہ نمایاں تھی، نور چمک رہا تھا۔ رعب ٹپک رہا تھا۔ بڑھاپے کے آثار نمایاں تھے۔ خضاب لگا ہوا تھا۔ آنکھیں سیاہ اور چمکدار تھیں۔ ابرو تیں کمان کی مانند نوکدار پیشانی کشادہ، ریش مبارک گول، چہرہ پہ بشاشت تھی۔ ریش مبارک اور زلفیں ہوا میں لہرا رہی تھیں۔ اور لوگ محو حیرت تماشاء جمال تھے۔

جناب میر انیس مرحوم کا ایک بند کیا ہی مناسب مقام ہے۔

وہ ریش مخضب وہ رخ سید والا   ہے چاند نے منہ شام کے پردے سے نکالا
وہ گیسوئے مشکیں کا رخ پاک پہ ہالا   تھا صبح پہ دامن شب معراج نے ڈالا
رخساروں پہ کچھ زلف سی لہرائی ہے
خورشید پر زہرا کے گھٹا چھائی ہوئی ہے

اس سر مبارک سے آگے آگے ایک شخص سورۂ کہف کی تلاوت کرتا جارہا تھا۔ جب وہ اس مقام پہ پہنچا: اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا قال قتلی وحلی" میرا شہید ہونا اور نوک سنان پر سوار ہونا اصحاب کہف سے زیادہ عجیب ہے ؎

آواز عیاں شد از سر شاہ   ہست آں عجبا یا ایں عجبا

تماشائیوں کے ہجوم میں عورتیں بھی تھیں، مرد بھی تھے۔ جنگ صفین میں شامی مرد کافی مارے

گئے تھے۔ ان کی عورتیں بغض و کینہ دلوں میں لئے فرحاں و شاداں تھیں۔ طنزیہ جملے کہتی تھیں۔ پتھر مارتی تھیں۔ کچھ لوگ امیر ملک اور حاکمِ وقت کے حکم کی تعمیل میں آلِ محمد کو سب و شتم کر رہے تھے۔ اور کچھ خوشامد اور چاپلوسی کے سلسلہ میں زبان درازیاں کر رہے تھے۔ اور کچھ خوشامد تماشا کی خاطر جمع ہوتے تھے۔ بہر حال غم خوار اور ہمدرد کم تھے، اکثر لوگ ان کی شرافت و شان اور عزت و خاندان سے ناواقف تھے۔ عام لوگوں کی روش کے مطابق باغی سمجھے ہوئے تھے۔ اور دیکھا دیکھی مصروفِ رقص و مسرت تھے۔ یہی حالت عورتوں کی تھی بعض عورتیں نرم دل بھی ہوتی ہیں۔ ان کے دل بھر آتے ہیں۔ جب کچھ عورتوں نے یہ نرالے اسیر دیکھے کہنے لگیں کہ شکل و شباہت سے یہ کسی اونچے خاندان کے قیدی نظر آتے ہیں۔ کسی شاہی خاندان کے سر اور اسیر ہیں۔ نہ معلوم کس مصیبت میں گرفتار ہو کر آ گئے ہیں۔ ہم نے آج تک اس رعب و ہمت والے قیدی نہیں دیکھے۔ زمانہ بدلتا رہتا ہے۔ کوئی عظیم خاندان گرفتارِ بلا ہے۔ کسی نے جا کر پوچھا: مِنْ اَیِّ السَّبَایَا اَنْتُم؟ جناب سکینہ نے جواب دیا: نَحْنُ سَبَایَا آلِ مُحَمَّدٍ۔ (ہم قیدی آلِ محمد ہیں)

دربارِ یزید

علی بن الحسین بیمارِ کربلا "اسیر امام" بازار کو عبور کر کے ہجوم عام اور اشرار کی بھیڑ کو چیر کر دربارِ یزید تک پہنچ گیا اور سر سید الشہداء بازار کا سفر طے کر کے فاحشہ عورتوں کے پتھروں سے مجروح ہو کر تمام سروں سمیت دربارِ یزید کی سیڑھیوں پہ آ گیا۔

مستوراتِ اہلِ بیت بازار سے گزر کر اس آخری منزل میں پہنچ گئیں۔ جس کے لئے طویل سفر طے کرا کے دختران زہراؑ کو طلب کیا گیا تھا۔ منازلِ امتحان کی یہ آخری منزل تھی اور مراحل مصیبت کا آخری مرحلہ سروں اور قیدیوں کا قافلہ تماشائیوں کے ہجوم میں سرِ دربار آ گیا لیکن ہنوز دربار میں داخلہ کی اجازت نہیں ملی۔ دربار سے باہر روک دیا گیا۔ دربار کی سیڑھیوں کے قریب کھڑا کر دیا گیا۔ کیونکہ دربار ابھی پوری طرح سجا نہ تھا۔

اسیرانِ آلِ محمد کو اس جگہ ٹھیرایا گیا تھا جہاں عام قیدی کھڑے کئے جاتے تھے، اور مغلوبہ جنگوں کے گرفتار اسیروں کا مقام تھا۔

دربارِ یزید خوب سجایا گیا تھا۔ یزید کے لئے ایک ایسا تخت بچھایا گیا تھا جس میں ہر قسم کی

آرائش تھی۔ اس تخت کے دائیں بائیں سنہری و رُوپہلی کرسیاں قرینہ سے رکھی گئی تھیں۔ جن پر عمائدینِ سلطنت اور اکابرِ قریش بیٹھے تھے۔ یزید تاجِ حکومت سر پہ رکھے فتح کے نشہ میں چور اور خمارِ سلطنت میں مخمور شاد و مسرور بیٹھا ہے۔ ہر کس کو اذنِ دخولِ حاصل تھا۔ چنانچہ اس کا وسیع دربار حاضرین سے بھرا ہوا تھا۔ آج اُسے ظاہری کامیابی پر خوشی تھی۔ اور اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی، اسے دوہری خوشی تھی کہ ایک تو مخالفین مارے گئے تھے، ان کے مقتولین کے سر اور ان کی مستورات قیدی بنا کر حاضر کی گئی تھیں، اس کی سلطنت وسیع تھی، اور مضبوط تھی اور اس کا غلبہ مستحکم تھا۔ دوسری خوشی اُسے یہ تھی کہ اس نے خاندانی عداوت میں کامیابی حاصل کی تھی، اور جنگِ بدر کے اموی مقتولین کا بھرپور بدلہ لے لیا تھا۔

جس طرح دربار میں دخول کا یہ دن آلِ محمد کے لئے بے حد شدید کربناک تھا اور غم و مصیبت کی انتہا تھی۔ اس طرح یہ دن یزید کے لئے نہایت فرحت و سرور کا تھا۔ پنجتن پاک ماتم کناں تھے۔ بنی ہاشم کا گھرانہ برباد تھا اور بنی اُمیہ کے گھروں میں عید تھی، تین گھنٹے انتظار کے بعد سرِ مقدس کو پیش کرنے کا حکم ہوا۔ فرزندِ رسول لختِ جگرِ بتول شہید اصول تلاوت کے بعد خطیبِ منبرِ سلونی کا خطیب بیٹا نیزہ کے منبر سے اتر آیا اور ایک سنہری طشت میں جلوہ افروز ہوا۔ راکبِ دوشِ رسول طشتِ طلائی میں یزید کے سامنے پیش ہوا۔

یزید نے دسترخوان بچھانے کا حکم دیا۔ دسترخوان بچھایا گیا۔ شراب رکھی گئی۔ یزید اور اس کے ساتھی کھانا کھانے لگے اور شراب پینے لگے۔ یزید جب کھانے سے فارغ ہوا تو بساط بچھا کر یار دوستوں کے ساتھ شطرنج کھیلنے میں مشغول ہو گیا۔ اس کھیل میں جب ساتھیوں پر کامیابی حاصل کرتا تو شراب کے جام پیتا اور اس جام میں شراب بچا کر سرِ امام کے قریب زمین پر گرا دیتا۔ ساتھ ہی خاندانِ بنی ہاشم کا برائی کے ساتھ ذکر کرتا۔ زبانی اور عملی طور پر روحِ پنجتن پاک کو شدید اذیت پہنچاتا تھا۔ سرِ امام کے روبرو ان کے روح کو اذیت دینے کے لئے اس نے دو کام کئے۔ شطرنج کھیلی اور شراب کا دور چلایا۔ جسے قرآنِ پاک میں[1] اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ کے تحت عملِ شیطان کہا گیا ہے۔ یہ اس کی اسلام سے کھلی بغاوت اور دین سے صراحتاً سرکشی تھی۔ گویا وہ روحِ رسول کو صدمہ پہنچا رہا تھا۔ اور احکامِ قرآنی کی بے دریغ تکذیب کر رہا تھا۔ یہ دونو کام شیطانی اور یزیدی فعل ہیں۔

---

[1] "اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَزْلَامُ وَالْاَنْصَابُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ"

اس واسطے امام علی رضا علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جو ہمارا شیعہ ہے وہ شراب اور شطرنج سے سخت پرہیز کرے اور اگر کسی وقت اس کی نظر شطرنج و شراب پر پڑے تو محمد و آل محمد پر درود پڑھے اور یزید اور اس کے خاندان پر لعنت کرے۔ خدا اس کے گناہ معاف کر دے گا۔

ایک فریب خوردہ شامی کی توبہ و شہادت

سرِ امام دربارِ فاسق کے سامنے پہنچ چکا تھا اور اسیر ابھی جامع مسجد کی سیڑھیوں پر تھکے ماندے اور مجمع عام کی نظروں سے اکتائے ہوئے تنگ کھڑے تھے۔ کہ اتنے میں چرچارِ عام سے متاثر اور اموی ہواخواہوں کی بدزبانیوں کا شکار ایک شامی جناب سید سجاد کے پاس آکر طنز و تشنیع کے فقرات ادا کرنے لگا۔

شیخ شامی: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ قَتَلَکُمْ وَاَھْلَکَکُمْ وَاَرَاحَ الْبِلَادَ عَنْ رِجَالِکُمْ وَاَمْکَنَ اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ مِنْکُمْ (اللہ کا شکر ہے کہ اس نے تمہیں ہلاک و برباد کر دیا اور ملک کو تمہارے مردوں سے راحت و سکون بخشا۔ اور امیر یزید کو تم پر فتح دی) جناب سجاد نے اس کی غلط فہمی دور کرنے اور صحیح حالات سے آگاہ کرنے کے لئے مؤثر کلام کیا۔ اور جناب قیدی امام کے مؤثر جملے شامی شیخ کے متاثر دل میں اتر گئے۔

سید سجاد: "یَا شَیْخُ ھَلْ قَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ"۔ شیخ! کیا تو نے قرآن پڑھا ہے؟

شیخ شامی: "نَعَمْ"۔ ہاں پڑھا ہے۔

سید سجاد: فَھَلْ عَرَفْتَ ھٰذِہِ الْاٰیَۃَ: "قُلْ لَّا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی"۔

شیخ شامی: نَعَمْ عَرَفْتُ: ہاں میں پہچانتا ہوں،

سید سجاد: "نَحْنُ وَاللّٰہِ الْقُرْبٰی" "وہ قربیٰ بخدا ہم ہیں" پھر فرمایا۔ کیا تو نے اس آیت کو پڑھا ہے: وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰہِ خُمُسَہٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی

شیخ شامی: ہاں پڑھا ہے۔

سیّد سجاد : وہ قرابتِ رسول ہم ہیں۔ پھر فرمایا ' کیا تو نے یہ فرمانِ خُدا قرآن میں پڑھا ہے
اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا۔

شیخ شامی : "نَعَمْ قَرَأْتُ ذَالِكَ" ہاں میں نے یہ فرمان پڑھا ہے۔

سیّد سجاد : نَحْنُ اَھْلُ الْبَیْتِ الَّذِیْنَ خَصَّنَا اللّٰہُ بِالتَّطْھِیْرِ۔ اے شامی. ہم ہی وہ اہلِ بیتِ رسول ہیں جنہیں خُدا نے آیتِ تطہیر کے ساتھ مخصوص کیا ہے۔

شیخ شامی : بِاللّٰہِ عَلَیْكَ اَنْتُمْ ھُمْ ؟ تمہیں خدا کی قسم واقعی وہ تم ہو؟

سیّد سجاد : وَحَقِّ جَدِّیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اِنَّا لَنَحْنُ ھُمْ مِنْ غَیْرِ شَكٍّ۔ مجھے اپنے جدِّ امجد رسولِ خُدا کی قسم ہے میں سچ کہتا ہوں اس میں کوئی شک نہیں کہ واقعی قرابت دارِ رسول اور اہلِ بیت ہم ہی ہیں۔

یہ سُننا تھا کہ اس شامی کی آنکھیں کھل گئیں۔ اموی ہوا خواہوں اور شامی خطیبوں کی غلط بیانیوں کا شکار اور سرکاری اہل کاروں کے پروپیگنڈے کا فریب خوردہ شامی جناب سجّاد کے قدموں پر گر پڑا۔ اس کے دل کے غانے حق قبول کرنے کے لئے کھل گئے۔ سابقہ گستاخی اور گذشتہ بدزبانی اور بدظنی پر نادم ہوکر معافی کا طالب ہوا۔ امامِ حق کے قدموں کے بوسے لئے۔ شامی نے فرطِ الم اور شدّتِ غم سے عمامہ اتار پھینکا۔ گریبان چاک کیا۔ زار و قطار رونا شروع کیا۔ پھر آسمان کی طرف رُخ پھیر کر کہنے لگا۔ "اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَبْرَأُ اِلَیْكَ مِنْ عَدُوِّ اٰلِ مُحَمَّدٍ مِنْ جِنٍّ وَّ اِنْسٍ" خدایا! ہم آلِ محمد کے دشمنوں سے جن ہوں یا انسان بیزار ہیں۔ پھر جناب سجّاد سے توبہ کی درخواست کی، جناب سجّاد نے فرمایا۔ اگر سچے دل سے توبہ کرو، تو خدا تیری توبہ قبول کرے گا۔ اس نے سچے دل سے سابقہ غلطیوں اور بداعتقادیوں سے توبہ کی، لوگوں نے اس کی اطلاع دربار میں فوراً یزید کو پہنچا دی۔ یزید نے اس کو قتل کرا دیا۔ وہ شامی جو لحظہ پہلے ناری تھا بہشتی ہوگیا۔ شقی تھا سعادت پاکر شہادت حاصل کر گیا۔

سرِ اقدس سے یزید کی گستاخی

جناب سیّد الشہداء کا سرِ مبارک یزید کے سامنے تھا۔ اس کی ایک گستاخی تو یہ تھی کہ شراب پی کر باقی ماندہ جام میں شراب سرِ مبارک کے پاس گرا دیتا تھا اور کہتا تھا' اے حسین! تیرا

کیا حال ہے کہ تیرا باپ ساقیٔ کوثر ہے۔ جب میں روزِ قیامت ان کے پاس سے گزروں تو مجھے کوثر نہ پلائیے۔ تیرے نانا نے شراب حرام کی تھی یہ شراب میں پی رہا ہوں۔ اور ساتھیوں سے کہتا تھا کہ خوب شراب پیو۔ یہ برکت والا شراب ہے۔ پھر سرِ مبارک کے پاس وہی شراب انڈیل دیتا تھا۔ پھر اس نے کہا کہ تیرے نانا نے سونے اور چاندی کے برتنوں کا استعمال حرام قرار دیا تھا۔ اسی لئے میں نے تیرا سر سونے کے طشت میں رکھا ہے۔ تیرا باپ فخر کرتا تھا کہ میں نے بدر کی لڑائی میں سردارانِ قریش کو قتل کیا۔ اب تیرا سر میرے سامنے ہے۔ میں نے بدر کے دن کا بدلہ لے لیا ہے۔ پھر اُس نے یہ اشعار پڑھے۔

لَیْتَ اَشْیَاخِیْ بِبَدْرٍ شَہِدُوْا — جَزَعَ الخزرجِ مِنْ وَقْعِ الْاَسَلِ
لَاَھَلُّوْا وَاسْتَھَلُّوْا فَرَحاً — ثُمَّ قَالُوْا یا یَزِیْدُ لَا تُشَلْ
قَدْ قَتَلْنَا الْقَرْمَ مِنْ سَادَاتِہِمْ — وَعَدَلْنَاہ بِبَدْرٍ فَاعْتَدَلْ
وَاَخَذْنَا الثَّارَ مِنْ ابْنِ عَلِیٍّ — وَقَتَلْنَا الفَارِسَ النَّدْبَ الْبَطَلْ
لَسْتُ مِنْ خِنْدِفٍ اِنْ لَّمْ اَنْتَقِمْ — مِنْ بَنِیْ احمدَ مَا کَانَ فَعَلْ
لَعِبَتْ بَنُوْ ہَاشِم بِالْمُلْکِ فَلَا — خَبَرٌ جَاءَ وَلَا وَحْیٌ نَزَلْ
اِنْ یَکُنْ احمدُ قَدْ مَّا مُرسَلاً — فَلِمَ الْقَتْلُ عَلَیْہِ قَدْ اُحِلْ

(ترجمہ) کاش میرے وہ بزرگ بدر والے آج موجود ہوتے جنہوں نے نیزے لگنے سے خزرج کی جزع فزع دیکھی تو وہ بہت خوش ہوتے اور شاد ہو کر کہتے، یزید تیرا ہاتھ سلامت رہے کبھی شل نہ ہو۔

ہم نے بنی ہاشم کے بڑے سرداروں میں سے بڑے سردار کو قتل کیا ہے۔ اور جب ہم نے موجودہ واقعہ کا بدر کے واقعہ سے موازنہ کیا تو مقابلہ برابر ہوگیا۔ ہم نے علی کے پسر سے انتقام لے لیا ہے۔ اور شہسواروں اور بہادروں کو تہہ تیغ کیا ہے۔

میں خندف خاندان سے نہیں ہوں۔ اگر آلِ احمد سے ان کی کارگزاریوں کا بدلہ نہ لوں۔

بنو ہاشم نے ملک حاصل کرنے اور سلطنت قائم کرنے کا بس ایک ڈھونگ رچایا تھا۔ ورنہ آسمان سے نہ کوئی خبر آئی اور نہ وحی نازل ہوئی۔

اگر احمد واقعی رسول ہوتے تو ان کی اولاد پر تلوار کس طرح چل سکتی (وہ اپنی اولاد کو قتل ہونے سے بچالیتے)

اس کے یہ کافرانہ اشعار تختِ سلطنت پر اس کا تمکن اور فتح کے نشہ میں بدمستی اس کے تکبر، فرعونیت اور بے دینی کا پتہ دیتے ہیں۔ جس کی نظر میں قرآن غلط اور آخرت ایک فرضی فسانہ ہے۔

درحقیقت ایسے امور شنیعہ اور مظالم و مقاتل کا ارتکاب وہی کرتا ہے جسے خوفِ خدا نہ ہو، دل ایمان سے خالی اور عذابِ آخرت سے بے پرواہ ہو۔

اس کمینے کی گستاخی اور بے ادبی یہ تھی کہ اس نے ایک چھڑی بید کی منگوائی اور سرِاقدس کے دندانِ مبارک پر بے رحمی سے مارنے لگا۔ اور بدمستی کے عالم میں ایک شاعر حصین بن حمام مری کے یہ شعر پڑھنے لگا۔

اَبٰی قَوْمُنَا اَنْ یُّنْصِفُوْنَا فَاَنْصَفَتْ — قَوَاضِبُ فِیْ اَیْمَانِنَا تَقْطُرُ الدَّمَا

نُفَلِّقُ هَامًا مِّنْ رِجَالٍ اَعِزَّةٍ — عَلَیْنَا وَ هُمْ کَانُوْا اَعَقَّ وَاَظْلَمَا

ہماری قوم نے ہمارے ساتھ انصاف کرنے سے انکار کر دیا۔ پس ان تلواروں نے جو ہمارے ہاتھوں میں تھیں اور جن سے خون گر رہا تھا، انصاف کیا، ہم ان مردوں کے سر شگافتہ کر رہے تھے۔ جو ہم پر سخت تھے۔ اور وہ ظالم اور نافرمان تھے۔

دربار لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا اور لوگ دیکھ رہے تھے کہ بوسہ گاہِ رسول پر ظالم چھڑی کی ضربیں لگا رہا ہے۔ ابو برزہ ایک ضعیف العمر صحابیٔ رسول ہے۔ اس نے جب یہ بے ادبی اور جسارت دیکھی۔ بے قرار ہو گیا۔ یہ ظلم برداشت نہ کر سکا، درد بھری آواز میں کہنے لگا۔ افسوس ہے تجھ پر او بے حیا یزید! اپنی چھڑی کو روک لے۔ کس جگہ پر مار رہا ہے۔ تو فرزندِ رسول کے لب و دندان کی بے ادبی کر رہا ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے خود دیکھا ہے کہ رسولِ پاک امی حسین اور اس کے بھائی حسن کے لبوں اور دندانِ مبارک کا بوسے لیتے تھے اور فرماتے تھے کہ تم دونو جوانانِ جنت کے سردار ہو۔ خدا تمہارے قاتل ملعون کو قتل کرے، اس پر لعنت کرے اور اس کے لئے جہنم کا بہت بڑا عذاب تیار کرے۔

اس صحابیٔ رسول کی جرأت حق تھی۔ برملا سرِ دربار اس نے ٹوک دیا۔ یزید نے اپنی بے عزتی اور رسوائی سمجھی۔ چنانچہ اس نے اسے دربار سے نکال دینے کا حکم دیا۔ اور درباریوں نے اسے کھینچ کر دربار سے نکال دیا۔

کیفیتِ داخلہ دربار

کئی گھنٹے کے انتظار و قیام کے بعد، طویل سفر، بازار کی مسافت، اور قیام کی کوفت سے تھکے ماندے خستہ حال آلِ محمدؐ کے قیدیوں کو دربار میں پیش کیا گیا۔ دربار میں کھلے ہاتھوں پیش نہیں ہوئے۔ بلکہ رسن بستہ حالت میں صرف ہاتھ ہی بندھے ہوئے نہیں تھے بلکہ گلے بھی رسیوں میں جکڑے ہوئے تھے۔ اس کی کیفیت خود امام سجادؑ قیدیوں کے سربراہ قیدی کیفیت داخلہ اپنی زبانی بیان فرماتے ہیں۔ جناب امام سجادؑ فرماتے ہیں۔

"جب ہم قریبِ دربار ہوئے تو ہمیں رسیّوں میں اس طرح جکڑا ہوا تھا جس طرح بھیڑ بکریوں کو رسیّوں میں جکڑتے ہیں۔ اور ایک لمبی رسّی میں ہم کئی قیدی جکڑے ہوئے تھے۔ چنانچہ میری اور امّ کلثوم کی گردن میں رسّی تھی۔ اور وہی رسّی جناب زینب اور سکینہ کے کاندھوں میں تھی۔ یعنی میری اور امّ کلثوم کی اسی رسّی سے گردن بندھی ہوئی تھی۔ اور پھوپھی زینب اور سکینہ بہن کے کندھے رسّی میں جکڑے ہوئے تھے۔ اسی طرح ایک رسی میں بتولؑ کی کئی بیٹیاں اور خاندانِ رسالت کی کئی بچیاں گرفتار تھیں۔ اور مثل چوپائیوں کے ہمیں ہانکا جاتا تھا۔ اگر ہم میں سے کوئی چلنے میں تھوڑی سی سستی کرتا تو ہمیں تازیانوں سے مارا جاتا۔ اسی حال میں ہم داخلِ دربارِ یزید ہوئے۔ وہ ملعون تختِ حکومت پر شاد بیٹھا تھا۔ اور میرے بابا کا سر اس کے سامنے تھا۔"

جب امام سجادؑ داخلِ دربار ہوئے۔ پھوپھیوں، بہنوں اور یتیم بچوں کے ساتھ ایک ہی رسّی میں مقید تھے۔ اور اس کی وجہ سے مستوراتِ بنی ہاشم خصوصاً معصوم شہزادیوں کو اسی وجہ سے سخت تکلیف ہو رہی تھی۔ چلنا دشوار تھا۔ اور سنگدل ملعون زحر بن قیس اس حالت میں دربار میں لایا۔

دربار جامع مسجد میں منعقد تھا۔ سب سے پہلے جناب سجادؑ نے یزید سے کہا۔ "اے یزید! کیا اس حال میں شرفاء کو گرفتار کر کے لانا مناسب ہے۔ اگر رسول اللہؐ ہمیں اس حال میں

دیکھیں تو ان کے دِل پر کیا گزرے گی۔ حاضرینِ دربار پر اس کلام کا اثر ہوا۔ چنانچہ یزید نے فوراً حکم دیا اور رسیاں کاٹ دی گئیں۔

یزید نے مستورات بنی ہاشم کو اپنے تخت کے پیچھے بٹھا دیا۔ اور سر کو تخت کے آگے رکھا۔ تاکہ خواہرانِ حسین بھائی کا اور دختران بابا کا سر نہ دیکھ سکیں۔ مگر مصیبت زدہ اور درد ستائی شہزادیوں کی نظر سر پر پڑی۔ جناب فاطمہ بنت حسین نے کہا: "یزید! فرزندِ رسول کا سر تیرے سامنے ہے۔ اور بناتِ رسول تیرے دربار میں قید ہو کر آئی ہیں۔ اس طرح شریف خاندانوں کو قید کیا جاتا ہے جس طرح ہمیں قید کیا گیا ہے۔ حاضرین دربار کی کیفیت بدل گئی خوشی کے آثار ختم ہو گئے۔ مجمع پر اداسی چھا گئی۔ ادھر سر کی کیفیت اور ظالم کی گستاخی دیکھ کر جناب سجّاد کے دِل پر اتنی چوٹ لگی کہ تا زندگی جانوروں کے سر دیکھنے اور ان کا گوشت کھانے سے پرہیز کرتے رہے۔ جناب زینب نے بھائی کے سر کو تخت کے نیچے طشت میں دیکھا۔ سر پر کچھ بے ادبی کے نشان تھے۔ چارۂ ضبط نہ رہا۔ بے ساختہ فریاد نکلی۔ سر پیٹ لیا۔ اور سر سے مخاطب ہو کر کہا: "یا حسیناہ! یَاحبیبَ رَسُوْلِ اللہِ! یَا ابنَ مَکّۃَ یا ابن فاطمۃ الزہراؑ سَیِّدَۃِ النِّسَاء یَا ابنَ بنتِ المصطفٰی۔ یہ درد بھرے بین اور جگر خراش کلمات سن کر اور منظرِ دل فگار دیکھ کر شامیوں کی مسکراہٹیں آنسوؤں میں بدل گئیں۔ خوشی کا سماں بدل گیا اور غم کی کیفیت چھا گئی۔ قیدیوں کی غریبی، سادات کی بے کسی، مستورات کی مظلومی، یتیموں کی دلدوز چیخیں اور سجّاد کی آہ و زاری نے دربار کا نقشہ بدل دیا۔

اب یزید کے چہرے پر بھی بشاشت نہ رہی۔ اس نے حاضرین کے خیالات کا رُخ پھیرنے کے لئے جناب سجّاد کے ساتھ سلسلۂ کلام شروع کیا۔

مکالمہ یزید با سجّادؑ

یزید: اے علی بن الحسین! تیرے باپ نے میری حکومت کو تسلیم نہ کیا۔ میری نافرمانی کی۔ اور میرا مقابلہ کیا۔ پس بغاوت کا انجام تم نے دیکھ لیا۔ تیرے باپ اور تیرے دادا نے ہمارے ساتھ نزاع کی۔ خدا نے انہیں قتل کیا۔ اس کے بعد اس نے یہ آیت پڑھی: وَمَآ اَصَابَکُمْ مِّنْ مُّصِیْبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ وَ

وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۝ جو مصیبت تمہیں پہنچتی ہے وہ تمہارے اپنے ہاتھوں سے اور خدا بہت گناہ معاف کر دیتا ہے۔

امام سجاد : مَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْ السَّمَآءِ اِلَّا فِيْ كِتَابٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ " تمہیں کوئی مصیبت نہیں پہنچتی۔ زمین میں یا آسمان میں۔ مگر ہم نے زمین و آسمان کی پیدائش سے پہلے لوحِ محفوظ میں لکھ دی ہے۔ اور یہ بات خدا پر آسان ہے۔ تاکہ جو چیز تم سے فوت ہو جائے اس پر افسوس نہ کرو۔ اور جو خُدا تم کو دے اس پر خوشی نہ کرو۔ اور خدا ہر غرور و گھمنڈ کرنے والے متکبّر کو پسند نہیں کرتا۔ یہ آیت ہمارے حق میں ہے۔

اِس کے بعد یزید نے حسینی مستورات کو جو تخت کے پیچھے بیٹھی تھیں سامنے بلایا اور ہر ایک کے متعلق پوچھنے لگا۔ مَنْ هٰذِهٖ ؟ جواب ملتا۔" هٰذِهٖ زَيْنَبُ، هٰذِهٖ اُمِّ كُلْثُوْم. هٰذِهٖ اُمِّ هَانِیْ، هٰذِهٖ رُقَيَّةُ، هٰذِهٖ فَاطِمَةُ بنات علی وَ فاطمہ" اس وقت فاطمہ بنت حُسین نے فرمایا : یزید! یہ تمام دخترانِ رسول قیدی بن کر تیرے سامنے لائی گئی ہیں۔ اس کلام سے اہلِ مجلس پر گریہ طاری ہو گیا اور رونے کی آوازیں بلند ہوئیں۔

جناب سکینہ اپنی آستین بازو سے منہ کو چھپائے ہوئے تھیں۔ یزید نے پوچھا۔ یہ کون ہے؟ جواب ملا کہ یہ سکینہ بنتِ حسین ہے۔ ملعون نے کہا۔ تو ہی سکینہ بنتِ حسین ہے جناب سکینہ نے سر جھکا لیا۔ کجا حسین کا سینہ اور باپ کی گود، کجا مدینہ اور کجا دربار یزید۔ کجا حسین کی شفقت اور کجا ظالموں کا تشدد۔ دربار کی اجنبیّت۔ نامحرموں کا مجمع۔ یزید کی پیشی، معصومہ سخت بے قرار ہو کر رونے لگی۔ یزید نے پوچھا: مَا يُبْكِيْكِ ؟ سکینہ تجھے کون سی چیز رُلا رہی ہے۔ یتیمہ نے جواب دیا۔ یزید دخترِ حسین تیرے دربار میں تیرے سامنے اور مجلسِ عام کے سامنے برہنہ سر ہے۔ منہ چھپانے کے لئے چادر نہیں، یہی چیز مجھے رُلا رہی ہے۔ یزید نے کہا۔ تیرے باپ نے میری بیعت نہ کی۔ میرے حق کا انکار کیا۔ میرے ساتھ تنازعہ کیا۔ اس کا انجام تیرے باپ نے پا لیا۔ معصومہ نے کہا۔ یزید! میرے باپ کے قتل سے خوش نہ ہو۔ میرا بابا خدا اور رسول کا مطیع تھا۔ اس نے حکمِ خُدا اور فرمانِ رسول پر لبیک کہا۔ حق کی خاطر میرے بابا نے جان قربان کی۔ وہ شہادت کی سعادت پا گیا۔ یزید! روزِ قیامت آنے والا ہے۔ تجھ سے خونِ حسین کی بازپُرس ہوگی۔ جواب دہی کے لئے تیار رہ۔ لیکن تیرے پاس کیا

جواب ہوگا؟ یزید کھسیانا ہوکر رہ گیا۔ اتنا کہا کہ سکینہ خاموش رہ۔ تیرے باپ کا مجھ پہ کوئی حق نہیں۔

حبشیوں کی غیرت

بنتِ زہرا بوسیدہ لباس میں ایک گوشہ میں کنیزوں کے جھرمٹ میں تھیں۔ یزید نے پوچھا: "اَیْنَ بناتُ علیٍ وَ فاطمہ" شمر نے اشارہ کر کے کہا: ھٰذِہٖ زَیْنَبُ وَ ھٰذِہٖ اُمِّ کلثُوم۔ یزید نے چاہا۔ بنتِ علی سے کلام کروں۔ جناب زینب سے کہا۔ میرے قریب ہو، اور کلام کر، اس کا مقصد تھا کہ میں طنزیہ کلام سے خواہر حسین کا دِل دکھاؤں گا، اور قتلِ حسین پر ناز کر کے حسین کو قصور وار ثابت کر دوں گا۔ اور اہل دربار کے سامنے حسین برادرِ زینب کو مجرم قرار دوں گا۔ یہ عورت ذات ہے میرے سوالوں کا جواب نہ دے سکے گی اور اہلِ دربار سے اپنی سچائی ثابت کر کے انہیں مطمئن کر لوں گا۔

اس نے حکم دیا کہ کنیزوں کو دخترِ بتول سے علیحدہ کر دو۔ شمر نے بی بی کو الگ ہو جانے کا حکم دیا۔ جناب فضہ وفادار کنیز نے جدا ہونے سے انکار کر دیا۔ یہ وفادار کنیز جنابِ زینب کے سامنے آگئی، اور ہٹنے سے انکار کر دیا۔ شمر نے تازیانہ لیا اور مارنے کا ارادہ کیا کہ جنابِ فضہ کی حبشیوں کی ایک جماعت پر نظر پڑی۔ وہ برہنہ تلواریں لئے یزید کی حفاظت پر مامور تھے۔ جناب فضہ نے التجائی نظروں سے حبشیوں کو دیکھا۔ رو کر ان سے فریاد کی، اے میرے ملک کے باشندو اور ساکنانِ حبش! میں تمہارے وطن کی ایک عورت ہوں، تمہاری قوم اور تمہارے ملک کی غیرت ہوں۔ آج بے کس ہوں، بے وارث ہوں۔ قید ہو کر اس دربار میں پیش ہو چکی ہوں۔ ایک نامحرم ظالم اجنبی شخص میری وفا کے جرم میں تمہارے سامنے مجھ پر تازیانہ اٹھا رہا ہے۔ حبش کی جماعت! تمہاری غیرت کہاں گئی ہے؟ تمہارے سامنے تمہارے ملک کی اور قوم کی بیٹی تازیانے کھائے۔ تمہارے وطن کی سرزمین تمہیں کیا کہے گی، کیا میری بے عزتی تمہیں گوارا ہے؟ میں تم سے فریاد کرتی ہوں۔ اس بے کس کی مدد کرو۔ میں بے وارث ہوں، میرے وارث بنو۔

جناب فضہ کی درد بھری فریاد نے حبشیوں کے دل پر نشتر کا کام کیا۔ اس کی آہ و حسرت

کرنا چاہیں کرلیں، آخر ان کے واسطے رسوا کرنے والا عذاب تیار ہے۔

○ یَابنَ الطُّلقا! اے آزاد کردہ غلاموں کے بیٹے یزید! کیا یہی انصاف ہے کہ تو نے اپنی بیبیوں اور باندیوں کو اندرون خانہ پردہ میں بٹھا رکھا ہے۔ اور رسول زادیوں کو گرفتار کرکے شہر بشہر اور دیار بدیار پھرایا۔ غضب خدا کا! تو نے رسول کی نواسیوں اور امام زادیوں کو بے مقنعہ وچادر کیا۔ رسول اللہ کی امانتوں کو تو نے دشمنوں کے حوالے کیا۔ جو انہیں مجمع عام اور بازاروں میں پھراتے رہے۔ شہری اور دیہاتی، جنگلی اور پہاڑی، شریف و رذیل، قریب و بعید سب انہیں گھور گھور کر دیکھتے رہے۔ کیونکہ رسول زادیاں، علی و زہرا کی بیٹیاں بے وارث تھیں۔ ان کے ساتھ ان کے مردوں اور مددگاروں میں سے کوئی نہ تھا، ہائے بے بسی۔ ہمارا کوئی والی وارث نہ رہا۔

وَکَیْفَ یُرْتَجیٰ مراقبۃ من لفظ فوہ اکباد الاذکیاء وَنَبَتَ لحمہ من دماء الشہداء وکیف لایستبطأ فی بُغضِنَا اھل البیت من نظر الینا بالشنف والشنان والاحن والاضغان ثُمَّ تَقُوْلُ غیر ما ثم ولا متعظم لاھلوا واستھلوا فرحا ثم قالوا یایزید لا تشل منتحیا علی ثنایا ابی عبداللہ سید شباب اھل الجنۃ تنکتھا بمخصرتک۔

بھلا اس شخص سے خیر و خوبی کی کیا امید ہو سکتی ہے کہ جس کی دادی نے پاکبازوں کے جگر چبائے ہوں۔ اور جس کا گوشت شہیدوں کے خون سے اگا ہو۔ جس کے داد نے رسول خدا اور دین مصطفیٰ کے خلاف گروہ اکٹھے کر کے لڑائیاں لڑی ہوں۔ کس طرح ہم اہل بیت رسول کے بغض و عناد میں وہ شخص جلدی نہ کرے، جو ہماری طرف دشمنی، کینہ اور بغض و حسد کی نگاہ رکھتا ہے۔ پھر تو خوش ہو کر کہتا ہے کہ آج تیرے بدر والے مقتول موجود ہوتے تو خوش ہو کر کہتے، "اے یزید! تیرے ہاتھ شل نہ ہوں۔ اے یزید! نوجوانان جنت کے سردار ابی عبداللہ الحسین کے دندانِ مبارک اور اور معصوم لبوں پر اتنا کہ چھڑی مارتا ہے۔ نہ تو اسے گناہ سمجھتا ہے اور نہ اس حادثہ کو عظیم خیال کرتا ہے (تو فتح کے نشہ میں بدمست اور تخت حکومت پہ نازاں، یہ سب کچھ کر رہا ہے)

○ جناب خطیبہ آلِ محمد نے سلسلۂ تقریر کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

"تو ایسا کیوں نہ کرے۔ جب تو نے ہمیں گہرے زخم لگائے اور تو نے محمد مصطفیٰ کی ذرّیت اور اولادِ عبدالمطلب میں سے ارضی ستاروں کا خون بہا کہ ان کی جڑ کو اصل سے اکھیڑنے کی کوشش کی ہے۔ پھر خوش ہو کر اپنے بزرگوں کو پکارتا ہے عنقریب تو ان کے انجام سے دوچار ہوگا اور مقامِ عذاب میں تیرا ورود ہوگا۔ اے یزید! ناز نہ کر۔ وہ وقت آنے والا ہے۔ جب تو اس بات کو پسند کرے گا کہ کاش تیرے ہاتھ شل ہو جاتے، اور تیری زبان گنگ ہو جاتی۔ اور وہ نہ کرتا جو کیا ہے۔ وہ نہ کہتا جو کہا ہے۔

اَللّٰھُمَّ خُذْ لَنَا بِحَقِّنَا وَ انْتَقِمْ مِمَّنْ ظَلَمْنَا وَ اَحْلُلْ غَضَبَكَ بِمَنْ سفكَ دِمَاءَنَا وقتل حماتنا فوَ اللّٰهِ مَا فَرَیْتَ الاّ جلاكَ ولا حززت الا لحمكَ سَرُّوْنَ علی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ اٰلِهٖ وَسلم بِمَا تحملّتَ من سفكَ دماء ذریّتهٖ وانتهكت من حرمته فی عترتهٖ ولحمته حیث یجمع اللّٰهُ شَمْلَهُمْ وَیُلُمُّ وَ یاخذ بحقهم ولا تحسبن الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سبیلِ اللّٰهِ امواتاً بَلْ اَحْیاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ ٥

پھر جناب سیّدہ زینب عقیلۂ قریش نے فریاد بجنابِ خدا کی، :" خدایا! ہمارے لئے ہمارا حق لے، اور ہمارے ظالموں سے ہمارا انتقام لے، اور جن ستم شعاروں نے ہمارا خون ناحق بہایا ہے اور ہمارے حامیوں کو قتل کیا ہے۔ ان پر اپنا غضب نازل فرما۔

اس کے بعد یزید لعین کی طرف پھر متوجہ ہو کر اس کی توبیخ کرتے ہوئے فرمایا:

" اے یزید! خدا کی قسم تو نے اپنا ہی چمڑا کاٹا ہے اور اپنے ہی گوشت کے ٹکڑے کئے ہیں۔ اے یزید تو عنقریب رسول کی بارگاہ میں پیش ہوگا، اور تیرے سر پہ ذرّیتِ رسول کا خون اور عترتِ رسول کی ہتک و حرمت کا بوجھ ہوگا۔ جب کہ اللہ تعالیٰ اس روز عترتِ رسول اور اولادِ علی و بتول کے بکھرے ہوئے موتی یکجا کرے گا۔ اور پراگندہ جدا جدا قبروں سے آلِ رسول اٹھی ہوگی۔ اور ان کے دشمنوں سے انتقام لے گا اور ان کے عملوں کی انہیں سزا دیگا۔

جناب شریکۃ الحسین ام المصائب نے شہدائے کربلا کی حیاتِ ابدی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ آیت پڑھی ، " وہ لوگ جو خدا کی راہ میں قتل کئے جاتے ہیں ، انہیں ہرگز مردہ خیال نہ کرو بلکہ وہ تو زندہ ہیں اور اپنے ربّ کے ہاں رزق پاتے ہیں " وَحَسْبُكَ بِاللهِ حَاكِمًا وَ بِمُحَمَّدٍ خَصِيمًا وَ بِجِبْرِئِيلَ ظَهِيرًا ۔ تیرے لئے یہی کافی ہے کہ خدا حاکم ہے ۔ وہ عدل سے فیصلہ کرے گا ۔ اور محمد تیرا دشمن ہے ۔ ہمارے مقدمۂ خون کا وارث اور جبرئیل تمہارے خلاف ہمارا گواہ و مددگار ہے ۔ جن لوگوں نے تیرے لئے زمین ہموار کی ہے اور تجھے مسلمانوں کی گردنوں پر مسلّط کیا ہے ۔ انہیں معلوم ہو جائے گا کہ کس کا انجام بُرا ہے اور کس کا لشکر کمزور ہے ۔

○ وَلَئِنْ جَرَّتْ عَلَى الدَّوَاهِي مُخَاطَبَتَكَ اِنِّي لَاسْتَصْغِرُ قَدْرَكَ وَاسْتَعْظِمُ تَقْرِيعَكَ وَاسْتَكْثِرُ تَوْبِيخَكَ وَلَكِنَّ الْعُيُونَ عَبْرَى وَالصُّدُوْرَ حَرَى اَلَا فَالْعَجَبُ كُلَّ الْعَجَبِ لِقَتْلِ حِزْبِ اللهِ النُّجَبَاءِ بِحِزْبِ الشَّيْطَانِ الطُّلَقَاءِ فَهَذِهِ الْاَيْدِي تَنْطِفُ مِنْ دِمَائِنَا وَالْاَفْوَاهُ تَتَحَلَّبُ مِنْ لُحُوْمِنَا ۔

اے یزید ! انقلابِ زمانہ اور حوادثِ روزگار نے مجھے اس قدر بے بس کر دیا ہے کہ تیرے ساتھ ہمکلام ہونے پر مجبور ہوں ، ورنہ میں تجھے گھٹیا قسم کا انسان سمجھتی ہوں ، اور تجھے اس لائق بھی نہیں سمجھتی کہ رسول و علی کی بیٹی تیرے ساتھ کلام کرے ۔ میں تیرے مقام کو نہایت پست سمجھتی ہوں اور تجھے زجر و توبیخ کو عظمت کی نظر سے دیکھتی ہوں ۔ لیکن کیا کروں ، آنکھ گریاں ، دل نوحہ کناں اور سینہ بریاں ہے ۔ کس قدر حیرت کی بات ہے کہ میرے نانا کے آزاد کردہ اور معافی یافتہ لوگوں کی اولاد جو شیطان کا گروہ ہے ۔ خدا کے حبیب و نجیب بندوں کو قتل کرے ۔ پس یہی تمہارے ہاتھ ہیں جن سے ہمارا خون بہہ رہا ہے اور ان مونہوں سے ہمارا گوشت گر رہا ہے ۔

○ اے یزید ! اگر آج تو ہماری ظاہری کمزوری کو اپنے لئے غنیمت جان رہا ہے ، تو کل روزِ قیامت تو اسی بات کو زیاں سمجھے گا ۔ جب تو اپنے ہاتھوں سے کئے کی ہوئی

بدعملیوں کے کچھ نہ پائے گا۔ خدا اپنے بندوں پر ہرگز ظلم نہیں کرتا۔ ہماری شکایت و فریاد اسی کی بارگاہ میں ہے۔ اور اسی پر بھروسہ ہے۔

تو جس قدر چاہے مکر و فریب کر لے اور مقدور بھر کوشش کر لے۔ خدا کی قسم تو ہمارے ذکر کو نہیں مٹا سکتا، اور ہماری یاد دلوں سے محو نہیں کر سکتا اور نہ ہم پر نازل شدہ وحی دینِ اسلام کو ختم کر سکتا ہے اور نہ تو ہمارے مقام و مرتبہ کو پہنچ سکتا ہے اور نہ اس ظلم و ستم کی عار اپنے سے دور کر سکتا ہے۔ وہ وقت قریب ہے جبکہ ایک منادی ندا کرے گا۔ آگاہ ہو جاؤ! ظلم و ستم کرنے والی قوم پر خدا کی لعنت ہے۔

مظلوم و اسیر شہزادی نے اپنے خطبے کا آغاز بھی حمد و ثنا اور درود و سلام کے ساتھ کیا تھا اور اختتام بھی حمد باری تعالیٰ اور اپنے پاک خاندان کے سعید و شہید افراد کے لئے دعائے خیر سے کیا۔ فرمایا: حمد و ثنا ہے اللہ کی جو ربّ العالمین ہے۔ جس نے ہمارے پہلے کا خاتمہ سعادت و مغفرت کے ساتھ اور آخری کا شہادت و رحمت کے ساتھ کیا۔ ہم خدا سے سوال کرتے ہیں۔ وہ ان مقدس نفوس اور سعادت مندوں کے اجر و ثواب کامل کرے۔ اور مزید اجرِ عظیم عطا فرمائے۔ اور ہمیں ان کا صحیح جانشین بنائے۔ وہ ہے جو مہربان اور محبّت کرنے والا ہے۔ حَسْبُنَا اللہ و نعم الوکیل۔"

تبصرہ

دمشق حکومتِ یزید کی راجدھانی تھا۔ یزید نے اس سلسلہ میں جشنِ مسرّت منعقد کیا تھا۔ کہ اس نے جنگِ کربلا میں ظاہری فتح حاصل کی تھی۔ شام کے لوگ زیادہ تر جاہل تھے۔ دمشق مدینہ سے دور تھا، معاویہ بن ابی سفیان نے عمداً شامیوں کو اسلام سے جاہل اور اہلِ بیتِ نبوی سے غافل رکھا۔ "اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِهِمْ" کے مصداق دمشق اور آس پاس کے باشندے اِس جشنِ مسرّت میں ایک تو اس لئے شریک ہوئے کہ اپنے ملک کے بادشاہ کو جنگ میں کامیابی ہوئی، اور وطن کی محبّت اور بادشاہِ وقت کی خوشامد بھی ضروری تھی۔ علاوہ ازیں جنگ کربلا میں یزید کے مخالف گروہ کی معرفت بھی انہیں حاصل نہ تھی۔ اور عمداً ان کے تعارف سے شامیوں کو بیگانہ رکھا گیا تھا۔ اکثریت کو یہ علم نہ تھا کہ جنگِ کربلا میں خانوادۂ رسول مارا گیا ہے۔ مستورات جو قید ہو کر آئیں، خاندانِ رسالت اور

آلِ نبوّت معدنِ عصمت و کرامت کی شہزادیاں ہیں۔

دمشق کی جامع مسجد میں تمام مجمع سمٹ کر آ گیا تھا۔ جامع ہزاروں کے مجمع سے بھری ہوئی تھی۔ اذنِ عام تھا۔ شریف و رذیل۔ اعلیٰ و ادنیٰ۔ امیر و کبیر اور غریب و فقیر ہر قسم کے لوگ تھے۔

اگر ایک خوش بیان مقرّر اور شعلہ نوا خطیب کو ایسا سجا سجایا اور بنا بنایا مجمع عام مل جائے اور لوگ متوجہ ہوں تو کوئی وجہ نہیں کہ مجمع کی کایا نہ پلٹ جائے۔ اِسی ڈر سے اکثر حکمران مخالف خطیبوں پر پابندیاں عائد کر دیتے ہیں۔ خطیبۂ اسلام اور عقیلہ بنی ہاشم کو یزید نے خود مجمع اکٹھا کر دیا تھا، اور لوگوں کی توجہ تمام تھی۔ ایک تو نرالے قیدی تھے۔ نرالے سر تھے۔ دربار کا نرالا رنگ تھا اور قیدیوں کی غربت و حسرت۔ مظلومی اور خستہ حالی نے لوگوں کو اپنی جانب متوجہ کیا تھا۔

گو خطیب و مقرّر کے لئے تازہ دَم، دل و دماغ اور اعصابی قوتوں کا خوش حال ہونا اور ہجومِ افکار اور آلام و غموم سے سلامت ہونا ضروری ہے۔ اور یہ چیزیں خطیبہ آلِ محمد جناب زینب سلام اللہ علیہا کو حاصل نہ تھیں۔ طویل سفر کی تھکاوٹ، بھوک و پیاس کی اذیت، اور لوگوں کے طعنوں کا دکھ۔ بہتّر کی ماتم داری اور ہجومِ عام میں بے پردگی۔ ہر قسم کی مصیبت، اور ہر نوع کا غم احاطہ کئے ہوئے تھا۔ تاہم ان تمام دکھوں اور غموں پر قابو پا کے، حواسِ ظاہری و باطنی کو مضبوط رکھ کے مجمعِ عام پر غلبہ حاصل کر لیا۔ روحانی طاقت اور قوّتِ قدسیہ نے جسمانی تھکی ہوئی طاقتوں کو بحال کر دیا۔ افاضۂ ربانی اور عنایاتِ الٰہیہ نے علیؑ کی سطوت کی وارث شہزادی کے دل و دماغ کو قوی اور تازہ کر دیا۔ اور عطائے خداوندی نے مطالب و معانی کے چشمے دخترِ رسول کی زبان سے جاری کر دیئے۔

مظلوم و اسیر شہزادی نے ہیبتِ دربار اور یزیدی رعب و وقار کو زیرِ پا رکھ کر اس قدر زجر و توبیخ کی کہ یزید کا مستِ پندارِ فتح سر مارے ندامت کے جھک گیا۔ اہلِ مجلس پر سنّاٹا چھایا ہوا تھا۔ لوگ ہمہ تن گوش اسیر شہزادی کا کلام سن رہے تھے۔ سرکاری مشینری نے شہدا کربلا پر جو بغاوت کے پردے ڈالے ہوئے تھے۔ دخترِ بتول نے وہ تار تار کر دیئے۔ یزیدی مظالم، ابنِ زیاد کی درندگی کو طشت از بام کر دیا۔ حقیقت کے حسین رُخ سے نوائد کے حجاب سرکائے، اور کلامِ خداوندی سے ظلم اور ظالمین کی بُرائی بیان کی، اور خدا کی

نظر میں ظالم کے مقام اور انجام کو واضح کیا۔

شہداء کربلا اور اسیرانِ شام کا حاضرین کو تعارف کرایا۔ اور مسلمانوں کے خفتہ احساس کو بیدار کر کے ان کی حمیت کو تازیانہ لگایا۔ اور لوگوں کو بتایا کہ کربلا والے باغی نہ تھے۔ غازی تھے نمازی تھے۔ حق گو، حق شناس اور حق بین تھے۔ لوگو! ہم خاندانِ رسول کے قیدی ہیں۔ ہم دخترانِ علی و بتول ہیں۔ ہم اس بیت الوحی اور معدنِ عصمت کی پروردہ ہیں۔ جس گھر میں قرآن نازل ہوا۔ شریعت آئی میرے بابا علی کی شجاعت سے مسلمانوں کو منبر ملے۔ جس منبر پہ آج علی اور اولادِ علی پر سب وشتم ہوتا ہے۔ دربار کے در و دیوار پر مسرت کی جگہ حسرت چھا گئی۔ فرحت کا ماحول بدل گیا۔ لوگ حیرت کے دریا میں غوطے کھانے لگے۔ لبوں سے مسکراہٹ جاتی رہی۔ اور آنکھیں آنسو بہانے لگیں۔ "علی کی شیر دل بیٹی" کی پُر رعب و تاثیر آواز دربار میں گونج رہی تھی۔ زبانِ زینب میں لہجہ علی کا تھا۔ ہیبت الٰہیہ سطوتِ محمدیہ، جلالتِ حیدریہ، عصمتِ فاطمیہ کی وارث و مالک شہزادی نے دشمن کے دربار میں شہیدوں کی حقانیت اور اسیروں کی صداقت کو ثابت کر دیا۔ حق یہ ہے کہ بطلۂ کربلا شریکۃ الحسین نے قتل و قید کے تمام ارمان تقریر میں نکال دیے۔ اور اپنے مقدس خیالات مجمع عام پہ بکھیر دیے۔ بلکہ مظلوم کے ناحق خون اور اسیروں کی بے گناہ قید اور خانوادۂ رسول دخترانِ علی و بتول کی قید و ہتکِ حرمت کا تخمِ احساس لوگوں کے دلوں میں بو دیا۔ مظلومہ مسافرۂ شام نے صداقت اور حق گوئی کا حق ادا کر کے اسلام کی ناقابلِ فراموش خدمت انجام دی۔ یزید سن رہا تھا۔ اور پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ ہونٹ چبا رہا تھا۔ مگر زبان سے ایک لفظ نہ نکلتا تھا۔ کیونکہ یزیدیت کا رنگ اڑ رہا تھا اور علی کی شیر دل بیٹی کا رنگ جم چکا تھا۔

شاہی خطیب

جناب امام سجاد کے مکالمہ اور سیدہ زینب کے خطبہ سے چونکہ یزید کے مظالم کا پردہ چاک ہو چکا تھا۔ اور جناب خطیبۂ اسیرانِ آلِ محمد و علی کی شیر دل بیٹی نے دربارِ یزید میں اس کو مجرم ثابت کر دیا تھا۔ اور اہلِ بیت کی عصمت و طہارت اور شہدائے کربلا کی حقانیت و صداقت اور ان کا بے جرم و بے قصور ہونا واضح کر دیا تھا۔ اس بیان سے حاضرینِ دربار کے خیالات یکسر بدل گئے تھے۔ سرکاری افسروں کا مکر و فریب اور کذب و بطلان ظاہر ہو گیا۔ یزید سخت پریشان ہو گیا۔ اس نے اپنے سرکاری دمشقی خطیب کو حکم دیا کہ بالائے منبر چڑھ کر بنی امیہ کی مدح سرائی کرے اور حسین اور

ان کے اباکی مذمت کرتے ۔حکم ملنے کی دیر تھی ۔ سرکاری ضمیر فروش خطیب دولت دنیا کے پجاری نے دل کھول کر خاندانِ رسالت کی توہین کی ۔ اور یزید کے حسب منشاء امیرالمومنین اور سیّد الشہداء کے حق میں نہایت ہی زشت کلمات کہے ۔ اور معاویہ و یزید کی خوب تعریف کی، تاہم جناب زینب کے خطبۂ بلیغہ کا اثر زائل نہ کر سکا۔

جناب امام سجّاد یہ سب کچھ دیکھ اور سن رہے تھے ۔ انہوں نے موقع غنیمت جانا اور خیال کیا کہ اب مجھے بھی منبر پہ جانا چاہیے ۔ پہلے تو امام نے خطیب کو ڈانٹ کر کہا اِشْتَرَیْتَ مَرْضَاۃَ الْمَخْلُوقِ بِسُخْطِ الْخَالِقِ فَتَبَوَّأْ مَقْعَدَکَ مِنَ النَّارِ ۔ تو نے خالق کو ناراض کر کے مخلوق کو راضی کیا ۔ (آخرت کو فروخت کر کے دنیا کو خریدا) پس تو اپنا ٹھکانہ جہنّم کی وادی میں تیار کر ۔ اور پھر یزید سے کہا ' مجھے اجازت دے تاکہ منبر پر جا کر میں کچھ بیان کروں جس میں خالق کی رضا ہو اور مخلوق کو حق گوئی سے فائدہ و ثواب پہنچے ۔ یزید نے انکار کیا لیکن حاضرینِ دربار نے اپنی خواہش کا اظہار کیا اور امام سجّاد کو اجازت دینے پر اصرار کیا ۔ یزید کا بیٹا معاویہ اس کے پاس بیٹھا تھا ۔ اس نے بھی اجازت دینے کیلئے کہا ۔ اور یہ بھی کہا کہ یہ نحیف و نزار قیدی کیا کچھ کہہ سکے گا ۔ یزید نے کہا کہ تم نہیں جانتے یہ خاندانِ رسالت ' علم و عرفان ' تکلم و بیان کے وارث ہیں ۔ علم ان کے سینوں میں اور فصاحت و بلاغت ان کی زبانوں میں کوٹ کوٹ کے بھری ہوئی ہیں ۔ آخر کار بعد اصرار یزید ناہنجار کو بامنظر اجازت دینا پڑی ۔ خطیبِ آلِ محمد تھکا ماندہ بیمار و غم خوار قیدی امام منبر پہ آئے ۔

یزید اس سے پہلے جناب عقیلۂ بنی ہاشم کا خطبہ سن چکا تھا اور مجلس کا رنگ بگڑتا دیکھ چکا تھا اب یزید امامِ سجّاد کو اجازت دینے پر مجبور ہو گیا تھا ۔ لیکن نہایت بے قرار اور بے چینی سے کلامِ سجّاد سنتا رہا ۔ اپنے ہونٹ کاٹتا رہا اور پیچ و تاب کھاتا رہا ۔ جناب سجّاد منبر پہ جلوہ فگن ہوئے ۔ اہلِ دربار کی بیتاب نگاہیں خطیبِ منبر سلونی کی طرف اٹھیں ۔ بنی ہاشم کی فصاحت و بلاغت سننے کے لئے مشتاق دل متوجہ ہوئے ۔ قیدی امام اور نرالے خطیب نے ذیل کا خطبہ پڑھا ۔

خطیب آلِ محمد

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ لَا بِدَایَۃَ لَہٗ وَالدَّائِمِ الَّذِیْ لَا نَفَادَ لَہٗ وَالْاَوَّلِ الَّذِیْ لَا اَوَّلِیَّۃَ لَہٗ وَالْآخِرِ الَّذِیْ لَا آخِرِیَّۃَ لَہٗ وَالْبَاقِیْ بَعْدَ فَنَاءِ الْخَلْقِ قَدَّرَ

اللّیالی والایام وقسم فیما بینھم الاقسام فتبارک اللہ الملک العلّام۔
سب تعریف اس خدا کی ہے جس کی ابتدا نہیں۔ وہ ہمیشہ سے ہے ہمیشہ رہے گا۔ اس کے دوام کا اختتام نہیں۔ وہ ایسا اوّل ہے جس کی اوّلیت سمجھ سے بلند ہے۔ اور ایسا آخر ہے جس کی انتہا نہیں۔ مخلوق کے فنا ہونے پر بھی اسے بقا حاصل ہے۔ اس نے راتوں اور دنوں کی مقدار بنائی

معاشر النّاس ! من عرفنی فقد عرفنی ومن لم یعرفنی فانا اُعَرِّفُہٗ بنفسی انا ابن مکۃ ومنٰی انا ابن المروۃ والصفا۔ انا بن محمد ن المصطفیٰ انا ابن من لا یخفیٰ انا ابن من علیٰ فاستعلیٰ فجاز سدرۃ المنتہیٰ وکان من ربّہٖ کقاب قوسین او ادنیٰ انا ابن من صلّیٰ بملائکۃِ السّمآءِ انا ابن اسریٰ بہٖ من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ انا ابن علی المرتضیٰ انا ابن فاطمۃ الزّھراء انا ابن خدیجۃ الکبریٰ۔

اے لوگو ! تم میں سے جو مجھے پہچانتا ہے سو پہچانتا ہے۔ اور جو نہیں پہچانتا میں اسے اپنا تعارف کرائے دیتا ہوں۔ میں والئ مکّہ ومنیٰ اور والئ مروہ و صفا ہوں۔ میں محمد مصطفیٰ کا فرزند ہوں۔ میں اس کا فرزند ہوں جس کی شان پوشیدہ نہیں۔ میں اس کا فرزند ہوں جس نے اتنا عروج حاصل کیا کہ سدرۃ المنتہیٰ سے آگے نکل گیا۔ اور اپنے ربّ کے اتنے قریب ہوا کہ دو کمانوں یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔ میں اس کا فرزند ہوں جس نے آسمانی فرشتوں کو نماز پڑھائی۔ میں اس کا فرزند ہوں جس کو شبِ معراج مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی گئی۔ میں علی مرتضیٰ کا فرزند ہوں۔ میں سیدۃ النساء فاطمۃ الزّہرا کا فرزند ہوں، میں خدیجۃ الکبریٰ کا فرزند ہوں۔

حاضرین ! میں اس کا فرزند ہوں جو ظلم و جور سے شہید ہوا۔ جس کا سر پسِ گردن سے کاٹا گیا۔ میں اس کا بیٹا ہوں جو پیاسا شہید ہوا۔ میں قتیلِ کربلا کا فرزند ہوں، میں اس بے وارث شہید کا فرزند ہوں جس کی موت کے بعد اس کی لاش سے عمامہ اور چادر اتار لی گئی۔ میں اس مظلوم و شہید کا فرزند ہوں جس کی بے کسی کی موت پر ملائکہ نے ماتم کیا۔ میں اس غریب الوطن مقتول کا بیٹا ہوں جس کی غربت پر جنوں نے

کربلا کا میدان اور شہیدوں کی لاشیں ہر وقت تصوّر میں رہتیں۔ دن رات رونے میں گزر جاتے۔

شہدائے کے سر

سرِ حسین بعد از شہادت تنِ اقدس سے جدا ہونے کے بعد مختلف منازل طے کرتا رہا۔ بتول کے ناز پروردہ لال اور میکائیل کے گہوارہ میں سونے والے جبرئیل کے پروں پر راحت و آرام حاصل کرنے والے آغوشِ بتول اور دوشِ بتول کے نازنین شہزادہ نے کیا کیا نشیب و فراز دیکھے۔ مگر رُوحِ بتول ہر منزل پر فرزند کے سر پر طواف کرتی رہی۔ عصرِ عاشور کو تکبیروں کی صداؤں میں نوکِ نیزہ پر بلند ہوا۔ اور گیارھویں کی رات خولی کے گھر میں شب بھر تنور میں رہا۔ بارھویں محرم کے دن بابا کے دارالحکومت کوفہ میں۔ پھر اس نے عروج حاصل کیا۔ اور بازاروں کی گلیوں کی سیر کی۔ پھر یہ خطیب نیزہ کے منبر سے اُتر کر طشت میں ابنِ زیاد کے سامنے پیش ہوا۔ یہ منزل بھی دیکھی کہ جس جگہ رسول و بتول بوسے لیا کرتے تھے۔ ان معصوم ہونٹوں اور پاکیزہ دندان پر ابنِ زیاد لعین کی نجس چھڑی کی ضربیں لگیں۔ معلوم نہیں اس زندۂ جاوید سر نے کتنی اذیت برداشت کی اور کس حوصلہ سے یہ ظلم سہتا رہا۔

کوفہ کے بعد طویل سفر میں کبھی صندوق میں بند کیا جاتا کبھی نوکِ سنان پر سوار کیا جاتا۔ کبھی دیواروں کبھی پتھروں پر رکھا جاتا۔ مسلمانوں کے ہاں تو یہی قدر و توقیر رہی۔ البتہ کبھی نصرانیوں کا مہمان ہوتا تو وہ احترام کرتے غسل بھی دیتے۔ خوشبو لگاتے۔ بالوں میں کنگھی کرتے۔ مشک و عنبر سے معطّر کرتے اور دردِ دل کا اظہار کرتے اور غم کے آنسو ہدیۂ عقیدت پیش کرتے۔

شام کے بازار میں سنان مرکب رہا اور دربار میں چھڑی کے علاوہ شراب کے جام انڈیل کر یزید اپنے کفر و نفاق کا اظہار کر کے بانیٔ شریعت اور اس کے نواسے کی توہین کرتا رہا۔

اسیرانِ آلِ محمد کو زندان میں محبوس کرنے کے بعد اس ملعون نے حکم دیا کہ سرِ حسین یزید کے شاہی رہائشی محل جو کہ جامع مسجد کے قریب تھا کے دروازے پر لٹکایا جائے۔ مظلوم کا سر ظالم کے گھر کے دروازے پر لٹکایا گیا۔ دوسرے شہدائے کربلا کے سروں کو دمشق کے متعدد دروازوں اور جامع مسجد کے مختلف دروازوں پر لٹکایا گیا۔ اور یہ مقدّس سر کئی روز تک آنے جانے والوں کی دید کا مرکز بنے رہے۔

ہند زوجہ یزید

سرِ مبارک جب شاہی محل کے باب پر آویزاں کیا گیا اور ہند بنت عمرو بن سہیل زوجہ یزید کو اس نرالے مہمان کی خبر ملی۔ (قبل ازیں شاید محلات میں گریہ و بکا کی آوازیں پہنچ چکی تھیں اور زنانِ بنی امیہ کو مستوراتِ بنی ہاشم کے بے پردہ قیدی بن کر آنے کی خبر ہو چکی تھی) دروازے پر دیکھا۔ فرزندِ بتول کے سر سے تازہ خون کے قطرے گر رہے تھے اور خوشبو پھیل رہی ہے۔ برداشت نہ کر سکی۔ سلطانِ وقت کی زوجہ تھی، بے تابانہ بے حجاب باہر نکل آئی۔ سیدھی دربار میں پہنچی۔ یزید تخت پر مرصع تاج پہنے بیٹھا تھا۔ ارد گرد خاص و عام تھے۔ اور ہند برہنہ سر بغیر چادر کے دربار میں آ کر زجر و توبیخ کرنے لگی۔ ہائیں یزید! یہ حسین بن بتول کا سر ہے جو میرے دروازہ پر لٹکا ہوا ہے؟ یزید نے فوراً اٹھ کر پہلا کام یہ کیا کہ ہند کے سر پر چادر ڈالی کہ تو بے پردہ دربار میں کیوں آئی ہے۔ کس قدر حیرت کا مقام ہے کہ اس ملعون کو اپنی زوجہ کے بے حجاب آنے کا اتنا دُکھ ہوا کہ فوراً اُسے چادر سے ڈھانپا مگر دخترانِ رسول کو اس ملعون نے کربلا سے شام کے دربار تک بے پردہ، برہنہ سر مجمع عام میں پھرایا۔ اور اس کو شرم و حیا نہ آئی۔

پھر اس نے کھسیانا ہو کر ہند سے کہا۔ ہاں یہ حسین کا سر ہے۔ اس پر بے شک گریہ و بکا کر اور اپنا جرم چھپاتے ہوئے کہا کہ ابنِ زیاد نے جلدی کی اور اسے قتل کر دیا۔

شام کے مختلف واقعات

امام سجاد مستورات کے ساتھ قید خانے میں چلے گئے۔ اور شہدائے کرام کے سر ہائے مقدس مختلف دروازوں پر لٹکائے گئے۔ دربار میں یزید میں سرِ امام ایک بار نہیں کئی بار لایا گیا اور امام سجاد بھی کئی بار پیش کئے جاتے رہے۔ دربارِ شام کے واقعات جو بیان کئے جاتے ہیں۔ صرف ایک وقت کے نہیں مختلف اوقات میں یزید دربار لگا کر سرِ امام کی بے عزتی و بے ادبی کرتا رہا اور بعض اوقات اسیرانِ اہل بیت بھی پیش ہوتے رہے۔

سفیرِ رُوم

یزید کا معمول تھا کہ دربار میں بساطِ شطرنج بچھاتا۔ اپنے ساتھیوں کے ساتھ لہو و لعب میں مشغول ہوتا۔ سرِ اقدس کو سامنے رکھتا۔ اور دکھا دکھا کر شراب پیتا لیکن ان درباروں میں مجمع عام نہ ہوتا اور ہر کسی کو داخلِ دربار ہونے کی اجازت نہ تھی۔

ایک روز یزید نے حسبِ معمول دربار لگایا اور مصروفِ شراب و شطرنج ہوا۔ سرِ مقدس سامنے طشت میں رکھا تھا۔ اتفاق سے اِس روز شاہِ رُوم کا سفیر بھی دربار میں موجود تھا۔ مذہبِ عیسائی اور نصرانی قوم کا فرد تھا۔ روم میں عیسائی مذہب تھا۔ سفیرِ روم نے طشتِ طِلا میں ایک خوب صورت بارُعب و پرہیبت سَر دیکھا۔ نصرانی نے شکل و شباہت اور رُعب و جلال سے اندازہ لگا لیا کہ کسی شاہی خاندان کا سَر ہے۔ اس نے یزید سے دریافت کیا۔

سفیرِ رُوم : "ھٰذا رأسُ مَنْ؟" یہ کس کا سَر ہے؟

یزید : "مالَکَ وَلِھٰذَا الرّاس" تجھے اس سَر سے کیا واسطہ؟

نصرانی : میں جب لوٹ کر اپنے ملک جاتا ہُوں تو بادشاہ مجھ سے دیدہ و شنیدہ واقعات دریافت کرتا ہے۔ چونکہ تجھے اِس جنگ میں فتح حاصل ہوئی ہے اور تیرے مخالف کا سر تیرے سامنے ہے۔ بادشاہ مجھ سے پوچھے گا۔ میں اسے بتاؤں گا۔ ہمارا بادشاہ بھی اِس کامیابی میں تیرے ساتھ شریکِ مسرت ہوگا۔

یزید : ھٰذا رأسُ حُسَینِ بن عَلیِ بن ابی طالِب۔ یہ علی بن ابی طالب کے فرزند حُسین کا سَر ہے۔

نصرانی : وَمَنْ اُمُّہٗ؟ اس کی ماں کون ہے؟

یزید : فَاطِمَۃُ بنتُ رَسُولِ اللّٰہِ۔ ہمارے رسول کی دختر فاطمہ۔

نصرانی : اُفٍّ لَکَ وَلِدِینِکَ لِیْ دِیْنٌ اَحْسَنُ مِنْ دِیْنِکُمْ۔ تجھ پر اور تیرے دین پر اُف ہے افسوس ہے۔ تم سے میرا دین بہتر ہے۔ او اپنے پیغمبر کی اولاد کے قاتل! تمہارا دین تمہیں یہ سکھاتا ہے کہ اولادِ پیغمبر کو قتل و قید کرو۔ سن او یزید! میں حضرت داؤد پیغمبر کا نواسہ ہوں۔ میرے اور اُن کے درمیان بسیار پشتوں کا فاصلہ ہے۔ تاہم نصرانی قوم میری اِس قدر

تعظیم و تکریم کرتا ہے کہ میرے پاؤں کی خاک بطور تبرک اٹھاتے ہیں۔ وَاَنْتُمْ تَقْتُلُوْنَ ابْنَ بِنْتِ نَبِیِّکُمْ وَمَا بَیْنَکُمْ وَبَیْنَ نَبِیِّکُمْ اِلَّا اُمٌّ وَّاحِدَۃٌ فَاَیُّ دِیْنٍ دِیْنُکُمْ۔" اور تم لوگ، اپنے پیغمبر کی دختر کے فرزند کو قتل کرتے ہو جبکہ تمہارے اور تمہارے نبی کے درمیان صرف ایک ماں کا فاصلہ ہے۔ تمہارا کون سا دین ہے؟

سفیرِ روم : یزید! تم نے کنیسہ سافر (گدھے کے سُم والا گرجا) کا واقعہ سنا ہے؟

یزید : نہیں۔

سفیرِ روم : ایک جزیرہ ہے۔ اس میں نصرانیوں کی آبادی ہے۔ اس کے شہروں میں ایک بڑا شہر ہے۔ نہایت خوب صورت اور عظیم الشان۔ اس میں بہت سے گرجے ہیں۔ اور ان میں سب سے بڑا گرجا کنیسہ سافر (سُم والا گرجا) ہے۔ اس گرجے کے محراب میں سونے کا ایک ڈبہ ہے۔ اور اس ڈبے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سواری کے گدھے کا ایک سُم ریشم و دیباج کے پردوں میں لپٹا ہوا ہے۔ ہر سال نصرانی لوگ اس کی زیارت کو جاتے ہیں۔ اس کے اردگرد طواف کرتے ہیں۔ اسے چومتے ہیں، آنکھوں پر ملتے ہیں اور اس کے پاس کثرت سے نذرات حاجات طلب کرتے ہیں۔ ہم تو اپنے پیغمبروں کا اس قدر احترام کرتے ہیں کہ ان کی سواری کے گدھے کے سُم کی بھی تعظیم و تکریم کرتے ہیں اور تم اپنے پیغمبر کے قلب و جگر کے ٹکڑوں کو قتل کرتے ہو۔ اور اس کی بیٹیوں کو قید کر کے مجمع عام میں پھرا کر خوش ہو ہو کر شراب کے دور چلاتے ہو۔ خدا تمہیں برکت نہ دے۔

یزید : نصرانی کا یہ عتاب آمیز کلام سن کر یزید غصہ سے آگ بگولا ہو گیا۔ درحقیقت اس کا جواب نہ دے سکا۔ اور اپنی روسیاہی پر پردہ نہ ڈال سکا۔ سلطانی طاقت پر گھمنڈ کرتے ہوئے اور ظالمانہ اقتدار کو استعمال کرتے ہوئے اس کے قتل کا حکم جاری کر دیا۔ اس نے حکم دیا کہ اسے قتل کر دو۔ یہ اپنے ملک میں جا کر میرے سیاہ کردار کا ذکر کرے گا۔ اور ملک روم میں مجھے ذلیل و خوار کرے گا۔

سفیرِ روم نے اپنے قتل کا حکم سنا۔ یزید سے پوچھا:

نصرانی : اَتُرِیْدُ اَنْ تَقْتُلَنِیْ۔ کیا واقعی تو مجھے قتل کرنا چاہتا ہے؟

یزید : نَعَمْ، ہاں۔

سفیر : تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ گزشتہ رات میں نے عالم خواب میں دیکھا ہے کہ تمہارے پیغمبر بھی

فرمارہے ہیں اے نصرانی تو جنتی ہے۔ میں حیران ہوا کہ میں اس پیغمبر کے دین پر نہیں۔ ان کے نزدیک میرے جنتی ہونے کا کیا معنی؟ لیکن اب اس کا راز کھلا۔ اگر پیغمبر سچا نہ ہوتا تو نواسہ اس کے دین کے لئے قربانی پیش نہ کرتا۔ اس نے کلمہ شہادت پڑھا۔ اسلام قبول کیا اور سر مبارک اٹھا کر سینے سے لگایا۔ اپنی آنکھیں ملیں اور رو رو کر اس کے بوسے لئے۔ اسی اثناء میں یزید پلید نے اسے شہید کر دیا۔ اور یہ سعادت انجام نصرانی سفیر جوار رحمت جناب پیغمبر خدا میں پہنچ گیا۔

امام سجّاد کی معجزانہ زندگی

قادرِ مطلق اور علیم و حکیم خدا اپنی حکمت کے تحت جن کی زندگی برقرار رکھنا چاہتا ہے، انہیں ظالموں کے دستِ تعدی اور قاتلوں کے مذموم ارادوں سے اپنی قدرتِ کاملہ سے ان کو سلامت اور محفوظ رکھتا ہے۔ جن مقدس نفوس کے لئے میدان کربلا میں موت مقدر کر دی گئی تھی، وہ والہانہ انداز میں اپنی ابدی خوابگاہوں کی طرف بڑھے اور اپنے میثاق کو وفا کر کے شہادت سے سرخرو ہوگئے۔ لیکن امام سجاد کے لئے معرکۂ کارزار مکتوب نہ تھا۔ بلکہ بازار و دربار مقدر تھے۔ خاندان رسالت کے اس باقی فرد اور مقدس یادگار کے لئے لمبی بیماری اور طویل سفر مقسوم تھا۔ اس بقیہ آل محمد کیلئے بامقصد زندگی کو برقرار رکھنا تھا۔ اسی لئے ہر مقام پر ظالموں کے ارادے قادرِ کریم نے ناکام کئے۔ ورنہ ان سنگدلوں نے تو کئی بار اس دکھی امام کو قتل کرنے کی تدبیریں کیں۔

عصرِ عاشور کو جب ظالم فوج لوٹنے اور غارت گری کے ارادے سے خیام اہل بیت میں داخل ہوئی تو بعض لعینوں نے جناب سجاد کو قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ بعض نے اس کی مخالفت کی۔ شمر نے تلوار سونت کر بیمار امام کو قتل کرنا چاہا۔ لیکن حمید بن مسلم آڑے آیا اور شمر کو روکا۔ اتنے میں عمر بن سعد بھی آگیا اور اس نے شمر کو روک دیا۔ شمر کا قصد دیکھ کر جناب زینب نے فرمایا۔ میرے بھائی کی یادگار ہے۔ اس سے پہلے مجھے قتل کر دو۔ اس طرح جناب سجاد بچ گئے۔

دربار کوفہ میں جب ابن زیاد کا امام سجاد سے مکالمہ ہوا تو وہ ملعون جواب نہ دے سکا غصہ میں تلملا کر قتل پر آمادہ ہوگیا۔ اس نے جلاد کو حکم دیا کہ سید سجاد کی گردن اڑا دو۔ یہ حکم سنتے ہی جناب زینب اپنے بیمار بھتیجے سے لپٹ گئیں۔ اور فرمایا۔ ابن زیاد! تھوڑا خون بہایا ہے؟ ابھی تیری ظالم طبیعت قتل سے سیر نہیں ہوئی، میں ہرگز اس سے جدا نہ ہوں گی۔ جب تک

میں بھی اس کے ہمراہ قتل نہ ہو جاؤں گی۔ ابنِ زیاد پھوپھی کی بھتیجے پر جاں نثاری دیکھ کر متعجب ہوا۔ اور قتل کا حکم اُٹھنے واپس لے لیا۔

یزید نے اسیرانِ آلِ محمد کے جناب سجاد سمیت قتل کا مشورہ درباریوں سے لیا۔ بعض خوشامدی بے دینوں نے نہایت دلیری سے گستاخانہ انداز میں قتل کا مشورہ دیا۔ لیکن نعمان بن بشیر نے اس کے خلاف رائے دی۔ اس وقت تو یزید اس ارادے سے باز رہا۔ مگر امام سجاد کے بارے میں اس کے دل میں خلش باقی رہی۔

دربار میں جب یزید نے جناب سجاد سے کلام کیا اور سوال وجواب ہوا تو اس وقت بھی یزید نے قتلِ امام کا حکم صادر کیا۔ جناب اُمِّ کلثوم نے اس ابوالائمہ یادگار حسین کو گلے لگا لیا اور فرمایا بیٹا! تیرے سوا اب اس پردیس میں ہمارا کون ہے؟ معصومہ کی جگر نگار فریاد سے حاضرینِ دربار رونے لگے۔ اور اہلِ مجلس نے کہا یہ مریض نوجوان ہے۔ دکھوں اور مصیبتوں میں گھل گھل کر قریب موت ہے۔ اسے قتل نہ کر۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک شامی اُٹھا۔ جناب زینب سجاد سے لپٹ گئیں۔ دربار کا رنگ بدلا دیکھ کر یزید اس وقت تو رک گیا لیکن دل میں قتل کی تدبیر کو خفیہ رکھا۔

ایک بار یزید نے امام سجاد کو دربار میں بلایا۔ کئی طرح کے سوالات کرتا رہا۔ مقصد اس کا یہ تھا کہ کسی طرح ان کی بات گرفت میں آجائے اور قتل کا جواز پیدا ہو جائے۔ لیکن امام نے قتل کا موقع نہ دیا۔

ایک بار یزید نے اپنے سپاہی کو حکم دیا کہ سجاد کو فلاں باغ میں لے جا کر قتل کر دو۔ اور وہیں دفن کر دو۔ چنانچہ وہ سپاہی سجاد کو باغ میں لے گیا اور خود قبر کھودنے میں مصروف ہو گیا۔ جناب سجاد نے موقع فرصت جان کر نماز شروع کر دی۔ اور ایک خاص دُعا پڑھی۔ سپاہی قبر سے فارغ ہو کر قتل کے ارادے سے سوئے امام بڑھا۔ یکایک فضا سے ایک دستِ غیبی نمودار ہوا اور سپاہی کو ایک ایسا تھپڑ رسید کیا کہ وہ لعین بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ ایک چیخ ماری اور پھر جہنم میں پہنچ گیا۔ اتفاق سے یزید کا ایک بیٹا خالد یہ عبرتناک منظر دیکھ رہا تھا۔ اس نے فوراً واپس آکر یزید کو تمام ماجرا سنایا۔ یزید گھبرا گیا۔ اور کہا کہ امام کو چھوڑ دو۔ اور مردہ سپاہی کو اسی کی کھودی ہوئی قبر میں دفن کر دو۔

منہال کی ملاقات چونکہ خاندانِ عصمت وطہارت کی شہزادیوں کا سوائے امام سجاد کے کوئی وارث باقی نہیں رہ گیا تھا۔ اور برادرِ مظلوم کی یہی نشانی اور مقتول بھائی

کی یہی یادگار تھی۔ اس واسطے جناب زینب و ام کلثوم سجّاد کو آنکھوں سے اوجھل نہ ہونے دیتی تھیں۔ زندان میں ایک دوسرے کے لئے باعثِ تسکین تھے۔ ویسے کبھی کبھی زندان سے باہر چلنے پھرنے چلے جاتے تھے۔ منہال بن عمرو بیان کرتا ہے کہ ایک بار امام سجّاد کو دیکھا شام کے بازار سے گزر رہے تھے۔ ضعف و نقاہت کی وجہ عصا کا سہارا لے کر چل رہے تھے جناب کی ٹانگیں سوکھ کر سرکنڈے (کانٹے) کی مانند ہوگئیں تھیں۔ رنگ زرد تھا۔ پنڈلیوں سے خون بہہ رہا تھا۔ غالباً بیڑیوں کے زخم تھے۔ میں نے بیمار اور قیدی امام کی دکھ بھری حالت دیکھی تو برداشت نہ کر سکا۔ دِل بھر آیا اور آنکھوں سے آنسو رواں ہوگئے۔ میں نے کہا:
کَیْفَ اَصْبَحْتَ یَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰہِ۔ فرزندِ رسول کیسے گزر رہی ہے؟ میرا سوال سُن کر امام رو پڑے۔ اور فرمایا اِس خستہ حال دُکھی انسان کا کیا حال پوچھتے ہو جو یزید بن معاویہ ایسے شقی و سنگدل بادشاہ کی قید میں ہو۔ جس کی مستورات نے کبھی سیر ہو کر غذا نہ کھائی ہو۔ سر ڈھانکنے کے لئے ان کو کپڑا میسّر نہ ہو۔ اور رات دِن نوحہ و مرثیہ ہو۔ دن کو دھوپ اور رات کو سردی و اوس ستاتی ہو۔ اے منہال! اِس اُمّت میں ہماری وہ حالت ہے جو فرعون کے زمانے میں بنی اسرائیل کی تھی۔ لڑکوں کو قتل کر دیتے اور لڑکیوں کو زندہ رہنے دیتے تھے۔ عرب عجم پر ہمیشہ فخر کرتے تھے۔ کہ محمد مصطفیٰ عربی ہیں۔ اور قریش فخر کرتے تھے کہ پیغمبر اُن کے خاندان سے ہے۔ مگر اہل بیتِ رسول کی یہ حالت ہے کہ ہمارے حقوق غصب کر لئے گئے۔ قتل کیا گیا۔ قید کیا گیا۔ وطن سے بے وطن ہیں۔ ابھی یزید کی طرف سے امن میں نہیں۔ ہر وقت خطرہ رہتا ہے۔ جب بھی ہمیں بُلاتا ہے تو یہ خیال دل میں گزرتا ہے کہ ہمیں قتل کے لئے تو نہیں بُلایا گیا۔ منہال بیان کرتا ہے کہ ہم باتیں کرتے ہوئے قید خانے کے قریب پہنچے تھے کہ اتنے میں ایک بی بی قید خانے سے باہر نکلی۔ اور آواز دی:
بیٹا سجّاد! جلدی واپس آؤ؛ بیٹا اتنا باہر نہ نکلا کرو۔ ہمیں شامیوں پر اعتبار نہیں رہا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ خواہرِ حسین دخترِ زہرا جناب زینب ہیں۔ سجّاد آنکھوں سے اوجھل ہوئے بیبیاں بیقرار ہوگئیں۔

خوابِ سکینہ

جناب سکینہ بنت الحسین بیان فرماتی ہیں کہ زندانِ شام میں چوتھی رات تھی۔ اس رات کو گریہ و بکا کرتی رہی۔ بابا کو، بھائیوں کو، چچا عباس کو یاد کرکے روتی رہی۔ اور روتے روتے میں

خاک کے بستر پہ سوگئی۔

عالمِ خواب میں دیکھتی ہوں کہ پانچ شتر نورانی ہیں۔ ان پہ پانچ بزرگ بیٹھے ہیں۔ اور ہر نورانی ناقہ کے آس پاس فرشتوں کی ایک جماعت ہے۔ اور خدّامِ جنّت ان کے آس پاس چل رہے ہیں۔ وہ نورانی اونٹ تو گزر گئے۔ ایک خادمِ جنّت مجھے آکر کہنے لگا۔ سکینہ! تیرے جدّ امجد تجھے سلام کہتے ہیں۔ میں نے کہا۔ میرے جدّ امجد رسولِ پاک پہ سلام ہو تو کون ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں جنّت کا ایک خادم ہوں۔ پھر میں نے دریافت کیا وہ کون بزرگ ہیں جو نورانی اونٹوں پر سوار جارہے ہیں۔ اس نے کہا پہلے حضرت آدمؑ دوسرے ابراہیمؑ تیسرے موسیٰؑ چوتھے عیسیٰؑ اور پانچویں آپ کے جدّ محمد مصطفیٰ ہیں۔ جناب سکینہ بیان فرماتی ہیں۔ پھر میں نے دریافت کیا وہ کہاں جارہے ہیں۔ اس خادم نے کہا تیرے بابا حسین کے پاس جارہے ہیں۔ جناب سکینہ ان کی طرف دوڑیں۔ تاکہ نانا کے پاس ظالموں کے ظلم کی شکایت کریں۔ اسی اثنا میں پانچ اور نورانی محمل اُترے، ان میں سے پانچ مستورات ظاہر ہوئیں۔ میں نے پوچھا یہ مستورات کون ہیں؟ جواب ملا پہلی مستور ام البشر حضرت حوّا ہیں۔ دوسری جناب آسیہ، تیسری جناب مریم بنت عمرانؑ اور چوتھی حضرت خدیجۃ الکبریٰ ہیں۔ جناب سکینہ نے پھر پوچھا، وہ مستور کون ہے جس نے سر پہ ہاتھ رکھا ہوا ہے۔ کبھی اٹھتی ہیں کبھی بیٹھتی ہیں۔ شدتِ غم سے نڈھال ہیں۔ کمر جھکی ہوئی ہے بال کھلے ہوئے ہیں۔ خادم نے کہا۔ سکینہ نہیں پہچانا۔ یہ تو تیری دادی زہرا ہیں۔ کمر امت کے مظالم نے جھکائی اور بال شام کے بازار نے کھلوا دیئے۔ سر پہ ہاتھ کربلا کے شہیدوں نے رکھایا۔ پس میں دوڑ کر دادی زہرا سے لپٹ گئی اور امّت کے ظلموں کی فریاد کرنے لگی۔ جدّہ ماجدہ کی آواز آئی۔ بیٹی یہ تمام دیکھ چکی ہوں۔ تمہاری تمام فریادیں سن چکی ہوں۔ اب مزید یہ فریاد کرکے میرا جگر نہ جلا، اور میرے دل کے ٹکڑے ٹکڑے نہ کر، میں کربلا سے شام تک تمہارے ہمراہ رہی ہوں، بیٹی! یہ تیرے مظلوم بابا کا خون بھری قمیض ہے۔ اسے اپنے سے جدا نہ کروں گی۔ جب تک بارگاہِ خدا میں اسے پیش نہ کر لوں گی۔

ایک معصومہ بچّی کی وفات

امام مظلوم جناب سیّد الشہداء کی ایک صغیر السن دختر تھی۔ جسے حسین بہت پیار کرتے تھے۔ اور وہ بابا کو بہت چاہتی تھی۔ اس کا نام رقیہ بیان کیا جاتا ہے۔ اس کا تین سال کا سن بیان کیا جاتا ہے۔

بابا کا پیارہ غائب ہوگیا۔ اور ان کی آغوشِ شفقت سے محروم ہونے کے بعد ان کی شکل دیکھنے کو ترستی تھیں اور دن رات ان کو یاد کر کے روتی رہتی تھیں۔ جب وہ بابا کو یاد کر کے روتیں تو تمام بیبیوں کو رُلا کر بابا کی یاد تازہ کر دیتیں۔ ایک رات شام کے زندان میں سوئی ہوئی تھیں۔ کہ ان کو بابا حسین نظر آگئے۔ مقتول باپ کو خواب میں دیکھ کر بابا' بابا کہتے ہوئے بیدار ہوئیں' ماں سے پوچھا۔ بابا جان کہاں ہیں؟ ابھی مجھے بابا ملے ہیں۔ پھوپھی سے کہا' میرے بابا آئے تھے۔ معصومہ نے فریاد بلند کی۔ مستورات کا غم تازہ ہوگیا۔ بیبیوں نے یتیمہ کو تسلی دینے اور خاموش کرنے کی کوشش بہت کی۔ مگر جس قدر تسلی دیتی تھیں۔ معصومہ کا غم بڑھتا تھا۔ یہی کہتی تھیں۔ مجھے بابا سے ملاؤ' مجھے بابا سے ملاؤ۔ میرے بابا آئے تھے۔ گریہ ربکا زیادہ ہوا۔ اور کہرام زندان میں بپا ہوا۔ اور یہ زندان یزید کے محل کے قریب تھا۔ کہرام ماتم کی صدا یزید کے کانوں میں آئی۔ یزید نے دریافت کر بھیجا۔ جواب ملا کہ جناب حسین کی دخترِ صغیرہ نے خواب میں بابا کو دیکھا اور اب وہ بے چین ہیں۔ یہ بابا کا سر مانگتی ہیں۔ یزید نے سر بھجوادیا۔ تاکہ معصومہ سرِ حسین سے تسلی حاصل کرے۔ ایک طشت میں رومال سے ڈھانپا ہوا سرِ امام معصومہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ معصومہ نے بابا کا سر اٹھایا۔ سینے کے ساتھ چمٹایا۔ بوسے لیے اور اپنے دکھوں کی سر کے سامنے فریاد کی' بابا تیرے سر کو کس ظالم نے خون سے رنگین کیا۔ یا کس ظالم نے تیری شہ رگ کاٹی۔ کس نے مجھے کم سنی میں یتیم کیا۔ اسی طرح مظلومہ سر کو سامنے رکھ کر فریادیں کرتی رہی۔ آخر میں بابا کے منہ پہ منہ رکھا۔ اور معصومہ کو غش آگیا۔ کسی بی بی نے جو ہاتھ لگا کر اٹھانا چاہا تو معلوم ہوا کہ رُوح بدن سے جُدا ہو چکی ہے۔ اور یتیمہ اپنے باپ کے پاس پہنچ گئی ہے۔

حق و باطل

اصل' صحیح' سچا۔ واقعی' موجود' ہوچکا یا ہونے والا ہے۔ یقینی' ان تمام امور کو حق کہتے ہیں۔ جعلی۔ غلط' جھوٹا' بے کار' بے فائدہ' معدوم' جو کبھی موجود نہ رہا ہو۔ نہ اس کا وجود ہوگا۔ یہ تمام باتیں باطل کہلاتی ہیں۔

جب ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حق ہے۔ انبیاء علیہم السلام حق ہیں۔ ائمہ معصومین سلام اللہ علیہم حق ہیں۔ ملائکہ حق ہیں۔ کتب سماویہ حق ہیں۔ تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ان کا

وجود ہے۔ ہو گزرا ہے۔ ان کا وجود صحیح ہے۔ یہ سچے ہیں اور جب کہتے ہیں کہ موت حق ہے۔ قیامت حق ہے۔ حساب و کتاب حق ہے۔ پُل صراط حق ہے۔ جنت و دوزخ حق ہیں۔ تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ان کا وجود یقیناً ہوگا۔ اور یہ آنے والی ہیں۔ اور یقیناً آئیں گی۔" تو یہاں حق کا معنی وجود، وقوع اور یقینی ہے۔

اور جب ہم کہتے ہیں پیغمبرانِ خدا حق ہیں۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برحق نبی ہیں، اور جناب امیر المومنین علی بن ابی طالب امام حق ہیں۔ جناب امیر حق پر تھے۔ امام حسین علیہ السلام حق پر تھے تو اس جگہ حق سے مُراد سچّے، صحیح اور فی الواقع ہے۔ یعنی یہ لوگ سچّے اور فی الواقع پیغمبر تھے۔ حضرت علی سچے اور واقعی امام تھے اور سچّائی اور صحت پر تھے۔

حق کے مقابلہ میں باطل ہے۔ ہمارا قول کہ بہت سے خُدا باطل ہیں، اِس سے مراد ہے کہ ایسے خداؤں کا کوئی وجود نہیں۔ فرعون باطل ہے، اس کی خدائی باطل ہے۔ فرعون دعوے خدائی میں سچّا نہ تھا۔ اُس کی خدائی بناوٹی تھی۔ اسی طرح جھوٹے خدا، جھوٹے نبی، جھوٹے امام، ان کو باطل کہا جاتا ہے۔ یعنی یہ لوگ سچے پیغمبر اور فی الواقع پیغمبر نہ تھے۔ ان کا دعویٰ صداقت پر مبنی نہ تھا۔ اسی طرح یہ باطل امام، یہ جھوٹے تھے صحیح امام نہ تھے۔ معیارِ امامت پر پورے نہ اترتے تھے۔ غلط ہیں۔ بناوٹی ہیں وغیرہ وغیرہ۔

باطل کا معنی بے کار اور بے فائدہ بھی ہے۔ جیسا کہ آیتِ قرآن ہے: رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا۔ خدایا تو نے زمین و آسمان کو بے فائدہ اور بے کار نہیں پیدا کیا۔ جادوگروں کے متعلق ہے: وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ ان کا عمل بے کار گیا اور بے فائدہ ثابت ہوا۔ یا یہ کہنا اس کی نماز باطل ہے۔ اس کا روزہ باطل ہے۔ یعنی غلط ہوگیا بے کار اور بے فائدہ ہوگیا۔

حق و باطل کی تشریح کے بعد ہم ان دونوں قوتوں کا ابتداء عالم سے آخر جہاں تک مقابلہ و تصادم بیان کرتے ہیں۔

حق و باطل دو متضاد قوتیں ہیں۔ جو ہمیشہ سے برسرِ پیکار رہیں۔ اور ہمیشہ متصادم رہیں گی۔

حق اصل ہے اور باطل نقل۔ حق موجود رہتا ہے اور اس کا قیام صداقت وصحت پر ہوتا ہے۔ اس کے بالمقابل باطل معدوم ہوجاتا ہے۔ اور اُس کے قدم مضبوط نہیں ہوتے۔ اور مکر وفریب کے سہارے کچھ عرصہ تک قائم رہتا ہے۔ چونکہ یہ قوتیں اِس دنیا میں دائمی ہیں۔ اِس واسطے ان کے مظاہر بدلتے رہتے ہیں۔ باطل میں حسد ہوتا ہے اور حق محسود ہوتا ہے۔ باطل حق کو دبانے اور جھکانے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن حق دَب دَب کے ابھرتا ہے۔ اور باطل کے سامنے جھکتا نہیں۔

اِس دنیا میں حق حضرت آدم کی صورت میں اور باطل شیطان کے پیکر میں نمودار ہوا۔ حضرت آدم خلیفۂ

خُدا تھے اور پہلے برحق نبی اور رہنما تھے۔ شیطان حاسد تھا۔ سرکش تھا۔ دراصل ابلیس کو آدم کا سجدہ کرانے سے یہ مقصود تھا کہ مخالف طاقتیں اطاعتِ خلیفۂ خُدا اور ہادیٔ حق قبول کر لیں۔ سرکشی و بغاوت نہ کریں لیکن حارث نے آدم کے آگے جھکنے سے اِنکار کر دیا۔ باطل ہو گیا اور شیطان بن گیا۔ آدم حق ہیں اور شیطان باطل۔

یہ مقابلہ تو آسمانوں پر تھا۔ روئے زمین پر حق و باطل کا ابتدائی تصادم اور ان کی پہلی آویزش حضرت آدم کے دو بیٹوں ہابیل اور قابیل سے ہوئی، یہ دونوں بھائی ہیں، ایک باپ کی اولاد، ابتدائی انسان ہیں۔ انسانوں کی مختصر آبادی کا پہلا دور ہے۔ زمین ابھی ابھی اِن کے وجود سے آشنا ہوئی تھی اور ان کی زندگی کا تہال ابھی پُر بہار تھا کہ حسد کی آندھی چلی جس میں طغیان کے ایک جھونکے نے پُر بہار اور بار آور شجر کو تاراج کر دیا۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ أَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْآخَرِ قَالَ لَأَقْتُلَنَّكَ قَالَ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ ۝ لَئِنْ بَسَطْتَ إِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِي مَا أَنَا بِبَاسِطٍ يَدِيَ إِلَيْكَ لِأَقْتُلَكَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ ۝ "اے پیغمبرؐ! اِن لوگوں کو آدم کے دو بیٹوں کی خبر سُنا۔ جب دونوں نے بارگاہِ خُدا میں قربانیاں پیش کیں، تو ان میں سے ایک کی قربانی تو اللہ نے قبول کی اور دوسرے کی قبول نہ کی، جس فرزندِ آدم کی قربانی نا قبول ہوئی اس نے (مارے حسد کے اور احساسِ محرومی سے غضبناک ہو کر) کہا میں تجھے ضرور قتل کر دوں گا۔ مقبولِ بارگاہ (جناب ہابیل) نے کہا خدا تو انہی کی قربانیاں قبول کرتا ہے جن میں تقویٰ ہو، اگر تو نے مجھے قتل کرنے کا ارادہ کیا اور اس غرض سے میری طرف دستِ ظلم بڑھایا تو میں اپنا ہاتھ قتل کے ارادے سے تیری طرف نہیں بڑھاؤں گا۔ میں تو خدائے ربّ العالمین سے ڈرتا ہوں۔

قابیل کی قربانی جب ردّ ہو گئی۔ قصور اس کا اپنا تھا۔ خلوص و تقویٰ سے خالی تھی عملِ صالح شامل نہ تھا، تو مارے حسد کے جل بھن گیا۔ بھلا اس میں ہابیل کا کیا قصور تھا۔ اس کی اپنی نیکی اور خلوص اس کے کام آیا۔ یہاں حسد اور محرومی نے بھائی کو بھائی کے خلاف اکسایا۔ سعادت سے محروم بھائی کو حسد آیا۔ اور حسد وہی کرتا ہے جو صفاتِ جلیلہ اور اخلاقِ حسنہ سے عاری ہوتا ہے۔ جب کوئی شخص بلند تر درجات حاصل نہ کر سکے، تو بلند پایہ شخص کے ساتھ وہ حسد کرنے لگتا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ ربّانی ہے: "أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَىٰ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ" کیا وہ لوگوں کے ساتھ حسد کرتے ہیں اس بات پر کہ خدا نے ان کو اپنے فضل سے نوازا ہے۔

بہر حال قابیل نے حسد اور بغض و عناد کی بنا پر اپنے باپ جائے ہابیل کو قتل کر دیا۔ روئے زمین پر

انسانی قتل کی پہلی واردات تھی - اور پہلی بار زمین آدمی کے خون سے آشنا ہوئی ۔

دو قوتیں تھیں حق و باطل، حق کو مرتبہ ملا تقرّبِ خدا کا اور باطل اِس مرتبۂ قربِ خداوندی سے محروم رہا۔ طغیان و سرکشی کا ارتکاب باطل نے کیا۔ حق خاموش رہا۔ اس کی طرف زیادتی کی نسبت نہیں کی جا سکتی۔ نتیجہ یہ رہا کہ حق جناب ہابیل کی صورت میں رحمت کا مستحق اور باطل قابیل کی شکل میں لعنت کا حقدار بنا۔ اِسی طرح زمانے کی رفتار کے ساتھ حق و باطل چلتے رہے۔ ہر دور میں باطل حق کو جھکانا چاہتا تھا لیکن حق نے باطل کے سامنے کبھی سَر نہ جھکایا۔

ایک دور ایسا آیا کہ باطل نے نمرود کی شکل میں سَر اٹھایا اور حق نے حضرت ابراہیم کے پیکر میں باطل کو سمجھایا۔ باطل نے مادی قوت کے غرور میں حق کو دبانے اور اذیت پہنچانے کی کوشش کی، باطل کے پاس تخت ہے اور حق بوریا نشین ہے۔ باطل کے ساتھ کثرت ہے۔ سپاہ ہے۔ لشکر ہے۔ لیکن حق کے ساتھ مردانِ وفا قلت ہے۔ حق داعیِ حق بن کر باطل کو راہِ راست پر لانے کے لئے اپنی دلیل پیش کرتا ہے۔

حضرت ابراہیم

نمرود دربار میں تخت پر متمکن ہے۔ جناب پیغمبرِ خدا تبلیغ کے لئے اِس کے پاس جاتے ہیں۔ دلائل پیش کرتے ہیں۔ باطل اِن کا جواب دینے سے قاصر ہے۔ عاجز ہے۔ جب جواب، نہ بن پڑا۔ تشدّد پر اتر آیا۔ شکست خوردہ ذہنیت کی یہ علامت ہے کہ جواب سے عاجز آنے پر غضبناک ہو کر تشدّد کا راستہ اختیار کرتی ہے۔ مادی وسائل کی بنا پر باطل حق پر طرح طرح کے ظلم و ستم کرتا ہے۔ لیکن حق اپنے اصول پر کاربند رہ کر باطل کے ہر وار کا پامردی سے مقابلہ کرتا ہے۔ باطل ہر قسم کے مظالم کرتا ہے۔ اور حق ہر طرح سے قربانی پیش کرتا ہے۔ باطل ظالم حق مظلوم۔ باطل غاصب اور حق مغصوب الحق ہوتا ہے۔ باطل قاتل، حق مقتول، لیکن حق مرتا نہیں۔ بلکہ باطل کی تلوار اِسے نئی زندگی دیتی ہے۔ باطل قاتل بن کر بھی غالب نہیں آسکتا۔ اور حق مقتول ہو کر بھی مغلوب نہیں ہوسکتا۔ باطل کو عارضی اور وقتی کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ اور حق کو ثباتِ دوام اور حیاتِ مدام حاصل ہوتی ہے۔ باطل جب اپنے دعویٰ کا استحقاق نہ پیش کرسکے اور اپنے عہدہ کا ثبوت مہیّا نہ کرسکے تو زبردستی اپنا عہدہ منواتا ہے۔ اور آگ کی طرف رُخ کرتا ہے۔ آگ کی دھمکیاں دیتا ہے۔ چنانچہ نمرود نے غیظ میں آکر خلیلِ خدا کو ہزاروں من جلتی آگ میں پھنکوایا۔ اس کا خیال تھا کہ یوں حق نمرودی آگ میں جل کر ہمیشہ کے لئے خاکستر ہو جائے گا۔ اپنے معبود سے لَو لگانے والا عبد، جبرئیل کی امدادی پیشکش سے بے نیاز ہو کر بے خوف و خطر آگ میں کود پڑا۔ لیکن جلانے والی آگ

نے گلزار بن کر حق کے لئے آغوش پھیلادی۔ آگ کے شعلوں نے گلچین کر آنے والے مہمان کا استقبال کیا۔ لکڑی کے انگاروں نے پھولوں کا بھیس بدل کر حق کے پاؤں چومے۔ شرار آتش پتیاں بن کر نچھاور ہوئے۔ آتش کدہ کی حرارت نسیم بہار بن کر بغل گیر ہوگی۔ اپنے معبود سے لو لگانے والا عبد جبرئیل کی امدادی پیش کش سے بے نیاز ہوکر بے خوف وخطر آگ میں کود پڑا اور حق و باطل کا یہ معرکہ ختم ہوا۔ باطل شکست کھا گیا، حق کامیاب ہوگیا۔

اسی طرح ہر دور میں حق و باطل کی آویزش رہی۔ کوئی زمانہ اُن کی معرکہ آرائی سے خالی نہیں رہا۔ کبھی محدود کبھی غیر محدود۔ پھر ایک دور آتا ہے کہ باطل فرعون کے وجود میں خدائی کا دعویٰ کرتا ہے۔ لوگوں سے کہتا ہے میں تمہارا سب سے اونچا پروردگار ہوں۔ حالانکہ یہ خدا نہیں معمولی بندہ ہے۔ البتہ مال و دولت، لشکر و سپاہ کی کثرت ہے۔ تخت و تاج بھی ہے۔ مادی طاقت اور وسائل ہیں۔ اس منصب و عہدہ کا دعویٰ کرتا ہے جس کا حقدار نہیں۔ زمین و آسمان کا مالک بن بیٹھا۔

لطیف حکایت

مصر میں دریائے نیل سے کاشتکاروں کی زمین سیراب ہوتی ہے۔ نیل کے پانی کی فراوانی ہے۔ کھیت لہلہاتے ہیں۔ نیل کی طغیانی پر ہی زمینداروں اور مصریوں کی معیشت منحصر تھی۔ خلافِ معمول ایک دفعہ نیل میں پانی کم رہا۔ لبریز نہ ہوا اور کناروں سے نہ اچھلا۔ زمینیں خشک، موسم طغیانی کا۔ خود نیل کے لب تشنہ۔ کسانوں کی امیدیں پژمردہ۔ قحط سالی کا خطرہ۔ لوگ گھبرائے ہوئے فرعون کے پاس پہنچے۔ خداوندا! نیل میں پانی کم ہے۔ اس سال طغیانی نہیں آئی۔ دریا موج میں نہیں آیا۔ لہریں بپھری نہیں۔ کھیت خشک پڑے۔ کاشتکاری ناممکن ہو چکی ہے۔ آپ جو خدا ہیں اور خدا کی ہر چیز پہ حکومت ہوتی ہے۔ ہر شئے اس کے تابع فرمان ہے۔ آپ دریا کو حکم دیں۔ طغیانی آوے پانی پھیلے، زمینیں سیراب ہوں۔ غلّہ بویا جاوے۔ خشک سالی کا خطرہ ٹل جائے۔ رعایا نے سوال کر دیا۔ حاجت پیش کی۔ فرعون نے سُن لی۔ اب فرعون سخت گھبراہٹ اور پریشانی میں مبتلا ہے۔ کیونکہ دعویٰ خدائی تو وہ کر چکا ہے۔ اب اس کا ثبوت پیش کرنا پڑا۔ جھوٹا بھی یہ سمجھتا ہے کہ میں جھوٹا ہوں۔ گو لوگوں پہ اپنی صداقت ظاہر کرتا ہے۔ کسی منصب و عہدہ کا دعویدار بننا تو آسان ہے لیکن انہیں عہدیداروں والے کام کرنے مشکل ہوتے ہیں۔ اسی مقام پہ نا اہل دعویداروں کی پرکھ ہوتی ہے۔ اور مصنوعی مدعیوں کی قلعی کھلتی ہے۔ جب دعوے کے ساتھ ثبوت پیش کرنا پڑتا ہے۔ سائلین کے سوالوں کا جواب دینا پڑتا ہے۔ حاجتمندوں کا حاجت روا اور مشکلات میں مبتلا امت کا مشکل کشا بننا پڑتا ہے۔ دعویٰ خدائی آسان ہے لیکن مخلوق کی حاجت روائی مشکل ہے۔ نبی کہلانا آسان ہے لیکن معجزہ نمائی مشکل ہے۔ امامت کی مسند پہ بیٹھنا آسان ہے لیکن

مشکل کشائی مشکل ہے۔

اِسی امتحان سے سچے جھوٹے کی تمیز ہو جاتی ہے اور حق و باطل میں فرق ظاہر ہو جاتا ہے۔ حق جواب سے عاجز نہیں ہوتا جبکہ باطل جواب سے قاصر ہو جاتا ہے۔ اگر آپ حق و باطل کی پہچان کرنا چاہیں تو آپ کیلئے آسان طریقہ یہی ہے کہ جس مسند پہ بیٹھا ہے اس سے اِس مسند والے امور اور اِس معیار کے مسائل پیش کریں اگر حل کر دے۔ لحظہ دیر نہ کرے۔ سوال ختم ہونے سے پہلے جواب تیار ملے۔ سائل کا دل مطمئن ہو جائے سائل کسی ملک کا ہو، کسی شہر کا ہو۔ جنس و نوع کا ہو جواب کے گوہر سے درماں لبریز ہو جائے۔ مرادیں پوری کر کے لوٹے تو سمجھیں کہ مسند والا برحق ہے۔ اگر وہ جوابِ سوال سے عاجز آ جائے مسئلہ حل کرنے سے قاصر ہو۔ اس مسند والے امور کو انجام نہ دے سکے اور تخت و منبر کے معیار پہ پورا نہ اُترے۔ قوتِ حق سے کورا ہو۔ علم سے عاری ہو تو سمجھ لو کہ یہ باطل ہے۔ حقیقی نہیں مصنوعی ہے۔ اصلی نہیں جعلی ہے۔

الغرض فرعون بہت پریشان ہوا۔ لوگوں کے سامنے تو دریا کو حکم نہیں دے سکتا تھا کیوں کہ دریا اس کا تابع فرمان تو نہ تھا۔ اِس طرح لوگوں کے سامنے اگر حکم دیتا تو کذب و بطلان ظاہر ہو جاتا۔ کیونکہ اندرونِ دلِ فرعون یہ تو جانتا تھا کہ دریا میرے تابع نہیں اور میں خدا نہیں ہوں۔ اور اگر لوگوں سے کہے کہ دریا میرا کہا نہیں مانتا تو خدائی باطل اور لوگوں کے سامنے اپنی بیوقوفی اور اپنے جھوٹ کا اظہار۔ سو اُس نے لوگوں کو تو یہ کہہ کر اٹھا دیا کہ کل میں دریائے نیل کو حکم دوں گا۔ طغیانی میں آ جائے گا۔ لوگ اٹھ کر چلے گئے فرعون نے فرصت کو غنیمت جانا۔ صحرا کی جانب چلا گیا۔ عالمِ تنہائی میں ایک مقام پہ سر سجدہ میں جھکا دیا۔ گڑگڑا کر کہا:

" اے اللہ! تو ہی ربّ العالمین، خالق، مالک تو ہے۔ میں جھوٹا ہوں تو سچا ہے۔ پس تیری بارگاہ میں سوال کرتا ہوں۔ تو کریم ہے۔ میری بات رکھ لے۔ تیری مخلوق قحط سالی میں مبتلا ہو جائے گی۔ یہ لوگ بھوکوں مریں گے۔ میرے نہیں تیرے بندے ہیں۔ میری تو فریب کاری۔ تیری ہی مخلوق ہے۔ گو نافرمان ہیں یہ تیرے ہی بندے ہیں۔ تو کریم ہے۔ اپنے بندوں پہ رحم و کرم فرما۔ حسبِ معمول دریائے نیل میں طغیانی پیدا کر زمینوں کو سیراب کر۔ کسانوں کو خوش حال کر۔"

یہاں پہ یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ فرعون خدا نہ تھا۔ خدائی کا دعویٰ اُس نے کیا تھا۔ وہ خود بھی سمجھتا تھا کہ اصلی نہیں جعلی ہے۔ حقیقی نہیں بناوٹی ہے۔ مسئلہ درپیش ہوا حل نہ کر سکا۔ یہ دستور ہے کہ مصنوعی جب کوئی مسئلہ نہ حل کر سکے تو وہ حقیقی کے پاس آتا ہے۔ جعلی و بناوٹی جب جہالت کی وجہ سے عاجز آ جائے تو سچے اور اصلی وارث اور مسند نشین کی بارگاہ میں حاضر ہوتا ہے۔ اور سچا اور اصلی ایسا کریم اور لاج پال ہوتا ہے کہ سائل کو خالی نہیں لوٹاتا۔ اس کو تازیانۂ عبرت کی ضرب لگاتا ہے۔ اور اس کے

صلہ کہ مسند والا برحق ہے

مکر وفریب کے محل کو ٹھوکر سے چور کر دیتا ہے۔ لیکن اس کے سوال کو تشنۂ جواب نہیں رکھتا۔ القصّہ فرعون کا مسئلہ حل ہوا۔ اس کی مراد پوری ہوئی۔ دریا جوش میں آیا۔ موجیں بپھرنے لگیں۔ پانی کناروں سے باہر نکل آیا۔ زمین سیراب، کسان خوش، سیلابِ دریا نے مردہ رگوں میں خون دوڑا دیا۔ پیاسی کھیتیاں شاداب ہوگئیں۔ اُمید کی کرنیں پھوٹ نکلیں۔ اور کاشتکاروں کا غنچۂ دل مسکرا اُٹھا۔ نیل کی طغیانی تو ختم ہوگئی، مگر فرعون کی طغیانی اسی طرح برقرار رہی۔ وہ بدستور دعویٰ خدائی پر قائم، تخت پہ بیٹھا خدائی کے راگ الاپ رہا ہے۔ اور لوگوں سے سجدہ کرا رہا ہے۔ اِس واقعہ کے بعد جناب جبرئیل انسانی شکل میں فرعون کے سامنے آکر مسئلہ پیش کرتے ہیں۔ فرعون! میرا ایک غلام ہے میں اِس پر بہت کچھ کرم واحسان کرتا ہوں۔ ہر قسم کی نعمتوں سے اُسے مالا مال کر رکھا ہے۔ لیکن اِس کے باوجود وہ میرا نافرمان ہے۔ میں اس پہ مہربان ہوں وہ میرا نافرمان ہے۔ اور جتنی میری مہربانی بڑھتی ہے۔ اِس کی اتنی نافرمانی بڑھتی ہے۔ ایسے سرکش اور نافرمان غلام کی کیا سزا ہے؟ فرعون نے کہا کہ اگر وہ میرا بندہ و غلام ہوتا تو میں اس کو دریائے نیل میں غرق کر دیتا۔ جبرئیل نے کہا کہ یہ لکھ دے۔ فرعون نے اپنی تجویز کردہ سزا تحریر کردی۔ جناب جبرئیل لے کر چلے گئے۔ فرعون نیل کی موجوں کی آغوش میں ہے۔ نہنگِ اجل منہ کھولے اُسے لقمہ بنانے کو تیار ہے۔ غرق ہونے والا ہے کہ جناب جبرئیل نے فرعون کو اس کا نوشتہ دکھایا۔ یہ تحریر کردہ سزا ہے۔ فرعون باطل، جنابِ موسیٰ حق، باطل کے سجے ہوئے بارعب وہیبت دربار میں جناب موسیٰ علیہ السلام داخل ہوتے ہیں۔ اس کو دعوتِ حق دیتے ہیں۔ تبلیغِ حق کرتے ہیں۔ کلماتِ حق سُناتے اور حق ماننے کی ترغیب دیتے ہیں۔ لیکن باطل کا مطالبہ ہے کہ موسیٰ مجھے خدا مانیں، میری ربوبیت کا اقرار کریں۔ حق و باطل کی قولی معرکہ آرائی فرعون کے دربار میں شروع ہوئی، جناب موسیٰ نے تصدیقِ نبوت کا معجزہ دکھایا۔ عصا زمین پہ پھینکا اژدھا بن گیا۔ فرعون گھبرایا۔ موسیٰ نے پکڑا۔ پھر وہی عصا۔

ہم جناب موسیٰ و فرعون کا تذکرہ قرآن سے پیش کرتے ہیں۔ اور حق و باطل کا یہ معرکہ کلامِ حمید سے نقل کرتے ہیں: قَالَ مُوسٰى يٰفِرْعَوْنُ اِنِّىْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ حَقِيْقٌ عَلٰٓى اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ۝ حضرت موسیٰ نے کہا: "اے فرعون! میں ربّ العالمین کا رسول ہوں۔ اور مجھ پہ واجب ہے کہ خدا پہ سچی بات ہی کہوں" قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِىَ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۝ قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ حضرت موسیٰ نے کہا: "میں تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف

سے ایک روشن اور واضح دلیل لے کر آیا ہوں۔ اے فرعون تو بنی اسرائیل کی غلامی اور ان پر تشدّد بند کر کے انہیں آزاد کر دے اور میرے ساتھ بھیج دے۔ فرعون نے کہا: "اے موسیٰ اگر تو کوئی معجزہ لایا ہے تو پیش کر اگر تو سچوں میں ہے"۔

فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِیَ ثُعْبَانٌ مُّبِیْنٌ ۝ وَّنَزَعَ یَدَهٗ فَاِذَا هِیَ بَیْضَآءُ لِلنّٰظِرِیْنَ ۝ جناب موسیٰ نے اپنا عصا پھینکا، تو وہ اچھا خاصا کھلم کھلا اژدہا بن گیا۔ اور اپنا ہاتھ باہر نکالا تو لوگوں کو چمکتا جگمگاتا نظر آیا۔

جناب موسیٰ علیہ السّلام نے پیغامِ حق پہنچایا۔ اپنی رسالت کا تذکرہ کیا۔ بنی اسرائیل کی آزادی کا مطالبہ کیا اور فرعون کی طلب پر معجزہ بھی دکھایا۔ حق اپنی صداقت کا ثبوت پیش کرتا ہے۔ باطل اپنی مادی قوّت پر نازاں اور حق اپنی صداقت و روحانیت پر مطمئن۔ فرعون کے پاس جواب نہیں اور حق کی دلیل کا ردّ نہیں۔ یہ کہہ کر حاضرینِ دربار کو جنابِ موسیٰ سے برگشتہ کرتا ہے کہ: اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِیْمٌ ۝ یُّرِیْدُ اَنْ یُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ۝ "بے شک یہ بڑا ماہر جادوگر ہے۔ یہ چاہتا ہے کہ تمہیں تمہارے مُلک سے باہر نکال کرے۔ پس تم کیا مشورہ دیتے ہو" (سورۂ اعراف)

سورۂ طٰهٰ میں ہے: "قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا بِسِحْرِكَ یٰمُوْسٰی ۝" اے موسیٰ! تو اس لئے آیا ہے کہ تو ہمیں اپنے مُلک سے اپنے جادو کے ذریعے نکال دے"۔ فرعون اور اس کی جماعت کے سرداروں نے حضرت موسیٰ کے معجزہ کا انکار کر کے اور صداقت کو تسلیم نہ کر کے جادو کا بہتان لگایا۔ حضرت موسیٰ کی طرف، سحر کی نسبت دی، اپنی قوم کو حضرت موسیٰ سے بدظن کرنے اور برگشتہ رکھنے کے لئے فرعون کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ موسیٰ کو تسلیم کر لینے سے فرعون کی خدائی اور سلطنت جاتی تھی۔ لہٰذا باطل نے اپنی حکومت قائم رکھنے اور سلطنت پر قابو رہنے، اپنے باطل دعویٰ پر جمے رہنے کے لئے جناب موسیٰ پر مفسد اور ساحر ہونے کا الزام لگایا۔ باطل جب حق کی دلیل کا جواب نہ دے سکے تو اس پر فساد اور سحر کا الزام لگاتا ہے۔ مفسد وہ خود ہوتا ہے اور الزام فساد مصلح پر عاید کرتا ہے۔

جب فرعون اور اس کی قوم کے سرداروں نے جناب موسیٰ علیہ السّلام کو "ساحر" ٹھہرایا۔ تو فرعون کو مشورہ دیا کہ سحر میں اس کا مقابلہ کیا جائے۔ قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِی الْمَدَآئِنِ حٰشِرِیْنَ ۝ یَاْتُوْكَ بِكُلِّ سَاحِرٍ عَلِیْمٍ ۝ انہوں نے کہا۔ "اے فرعون! موسیٰ اور اس

کے بھائی کو اپنے قابو میں رکھ اور شہروں میں ہرکارے بھیج دے جو ماہر جادوگروں کو اکٹھا کرکے لائیں۔ پھر ان جادوگروں اور موسیٰ کا مقابلہ ہو۔ اور دنیا آنکھوں سے دیکھ لے گی۔ سورۂ طٰہٰ کی آیت میں ہے:
فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَآ اَنْتَ مَكَانًا سُوًى ۝
فرعون نے کہا۔ ہم بھی اس طرح کا جادو پیش کرتے ہیں۔ پس تم اپنے اور ہمارے درمیان ایک وقت مقرر کر دو۔ ہم اور تم اس وقت اور مکان کی خلاف ورزی نہ کریں۔ اور مقابلہ ایک کھلے میدان میں ہو۔

الغرض مقابلہ طے ہوگیا۔ اور جگہ بھی مقرر ہوگئی۔ عام لوگوں کو اطلاع اور دعوت بھی دی گئی۔ لوگوں کی طبائع تماشا دیکھنے کی بے حد مشتاق ہوتی ہے۔ اور اس قسم کا مقابلہ جس میں تماشا بھی پایا جاتا ہو، اور فرعون مع سرداروں کے خود تماشا بین ہو۔ اندازہ لگائیں کہ کتنے لوگ میدانِ مقابلہ اور تماشا گاہ میں اکٹھے ہوں گے۔

میلوں تک میدان مردم سے پُر تھا۔ مملکتِ فرعون کے ماہر جادوگر اپنے فن کا مظاہرہ کرنے کے لئے اکٹھے ہو گئے تھے، ان جادوگروں کو فرعون اور اس کے درباریوں کی نصرت و تائید بھی حاصل تھی۔ ان کی حوصلہ افزائی کے لئے لاکھوں ہزاروں افراد، ادھر فرعون ایک خاص اونچے مقام پر مع وزیروں کے رونق افروز ہے۔ یہ سب کچھ باطل کی آرائش ہے۔ عددی کثرت ہے۔ مال و دولت کی فراوانی ہے ہتھیار ہیں۔ لشکر ہے۔ مادی قوت ہے۔ ادھر حق کے نمائندے صرف دو شخص موسیٰ و ہارون، کہنہ و معمولی لباس سر پر ٹوپی، ہاتھ میں اعصا۔ داخلِ میدان ہوئے، اب حق و باطل کی معرکہ آرائی شروع ہوتی ہے۔ یعنی موسیٰ و فرعونی جادوگروں کا مقابلہ۔ یہ قرآن مجید ان لفظوں میں پیش کرتا ہے۔ "قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى ۝ انہوں نے کہا یا تم پہلے پھینکو یا ہم پہلے پھینکنے والے بنیں۔ قَالَ بَلْ اَلْقُوْا حضرت موسیٰ نے کہا۔ بلکہ پہلے تم پھینکو۔ فَاَلْقَوْا فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ۝ فرعونی جادوگروں نے اپنے کرتبوں کی ابتداء کر دی، انہوں نے رسیاں اور چھڑیاں، لاٹھیاں میدان میں پھینکیں۔ پس ایسا معلوم ہوا کہ ان کی رسیاں اور لاٹھیاں میدان میں سانپوں کی شکل میں دوڑ رہی ہیں۔ یہ ایک ایسا مقام تھا کہ مقابل پر ضرور اثر انداز ہوتا ہے۔ مگر حق کی تائید نصرتِ خداوندی سے ہوتی ہے۔ اگرچہ اس مقام پر موسیٰ کسی وجہ سے کسی قدر گھبرائے۔ فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى ۝ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ۝ تو موسیٰ نے اپنے دل میں کچھ دہشت سی پائی، ہم نے کہا: موسیٰ! نہ ڈر تو ہی غالب و بلند رہے گا۔ ذرا سی گھبراہٹ بتقاضائے بشریت محسوس ہوئی۔ تائیدِ ایزدی نے بازو تھام لیا۔ پشت پناہی کی۔ ادھر سرکاری جادوگروں کی رسیاں اور لاٹھیاں سانپ بنی میدان میں دوڑ رہی ہیں۔ لاکھوں نگاہیں محوِ تماشا ہیں۔ جادوگروں

کا کمال منظرِ عام پر آچکا تھا۔ لوگ بنظرِ تحسین و استعجاب ان کا کمال دیکھ رہے ہیں۔

ایک مقام پر اس طرح ہے: فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَ اسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ۝ پس جب ان ساحروں نے رسّیاں ڈالیں تو انہوں نے لوگوں کی نظروں کو مسحور کر دیا اور ان کو ڈرا دیا اور بہت بڑے جادو کا مظاہرہ کیا۔

وَ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ فَاِذَا هِىَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ۝ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَ بَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَ انْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ ۝ ہم نے موسیٰ کو وحی کی کہ اپنا عصا زمین پر پھینک دے۔ (موسیٰ نے عصا زمین پر پھینکا۔ اب کیا نظارہ ہے) عصائے موسیٰ اژدہا بن کر جادو گروں کے جھوٹے سانپوں کو نگل رہا ہے۔ پس حق کامیاب ہو گیا اور ساحروں اور اہلِ باطل کا عمل بے کار ہو گیا۔ فرعون اور اس کے ساتھی مغلوب ہو گئے۔ اور سب کے سب اس معرکہ آرائی میں ذلیل و خوار ہو کر لوٹے۔

اب حق یہ تھا کہ اپنی شکست اور ناکامی پر وہ حضرت موسیٰ اور اُن کے ربّ پر ایمان لاتے کیونکہ ان کے چوٹی کے ساحر میدان میں مغلوب ہو چکے تھے۔ جناب موسیٰ کے اعجاز کو تسلیم کر لیتے۔ کیونکہ بندے کی انتہائی طاقت کو خدائی قوت ہی باطل و مغلوب کرتی ہے۔ اگر موسیٰ رسولِ ربّ العالمین نہ ہوتے تو میدان میں ہرگز کامیاب نہ ہوتے اور ان کا عمل ساحروں کے عمل پر غالب نہ آتا۔ اس مقام پر فرعون اور اس کے ساتھی تو باطل پر اڑے رہے۔ اور وہ لوگ جو مقابلہ کے لئے آئے جو موسیٰ کو شکست دینے کے لئے بلائے گئے تھے۔ اور موسیٰ کے عمل کو باطل کرنے کے لئے خم ٹھونک کر میدان میں اترے تھے۔ اور جنہیں کامیاب ہونے پر فرعون کی طرف سے بڑے بڑے انعامات و تقرّب کی امید بھی تھی۔ وہ سمجھ گئے کہ موسیٰ کا عمل جادو نہیں اور مملکتِ مصر میں ہم سے بڑا کوئی جادو گر بھی نہیں۔ جس نے ہمیں شکست دے کر باطل کر دیا۔ وہ حق کی طاقت ہے۔ موسیٰ سچ کہتا ہے۔ وہ اللہ ربّ العالمین کا رسول ہے۔ انصاف کا تقاضا ہے کہ ہم موسیٰ پر اور اُس کے ربّ پر ایمان لائیں۔

وَ اُلْقِىَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ۝ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۝ قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِى الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ۝ وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّ تَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ۝ جتنے جادو گر تھے سب

موسیٰ کے سامنے سجدہ میں گر پڑے اور کہا کہ ہم رب العالمین (خدائے حقیقی) پر ایمان لائے ہیں جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے۔ (فرعون کے تو ہوش اڑ گئے) آگ بگولہ ہو کر۔ کہنے لگا۔ میری اجازت اور حکم سے قبل تم ایمان کیسے لے آئے، یہ تم لوگوں کا مکر ہے۔ اس شہر میں تم چاہتے ہو کہ شہر والوں کو نکال کر خود قبضہ کر لو۔ اچھا، عنقریب اس مکر کا بدلہ تم پا لوگے۔ میں تمہارے ہاتھ اور پیر اُلٹا کے کٹوا دوں گا۔ پھر تم سب کو سولی پر لٹکواؤں گا۔ پس جادوگروں نے کہا۔ ہم تو خدا ہی کی طرف پلٹ کر جانے والے ہیں۔ تو ہم سے اس بات کا انتقام لینا چاہتا ہے کہ ہمارے پاس جب ہمارے ربّ کی نشانیاں آگئیں تو ہم ان پر ایمان لائے (پھر انہوں نے دُعا مانگی) اُسے ہمارے رب ہم پر صبر (کا مینہ) برسا دے۔ اور ہمیں مسلمان ہونے کی حالت میں موت دے (س۔ اعراف وطٰہٰ)

حق و باطل کے اس مقابلہ میں حق کو نمایاں کامیابی ہوئی، لاکھوں انسانوں نے موسیٰ علیہ السّلام کا غلبہ دیکھا۔ انسانی کمال پر ربّانی کمال کی فوقیت دیکھی۔ سحر اور اعجاز میں فرق دیکھا کہ سحر انسانی فعل ہے اور اعجاز ربّانی فعل ہے۔ مادی طاقت عارضی ہے، روحانی طاقت پائیدار ہے۔ پھر نمایاں کامیابی روشن کامیابی یہ کہ مقابلین سرنگوں ہو گئے۔ شکست دینے کے ارادے سے آئے خود شکست کھا گئے۔ اور بحیثیت نمائندگانِ مملکت مصر اور فرعون ہونے کے فرعون اور تمام ملک کی شکست تھی، جب حق ان پر واضح ہو گیا، باطل ظاہر ہو گیا۔ حقیقت کے حسین رُخ سے باطل کے پردے ہٹ گئے۔ تجلّیاتِ صداقت اور انوارِ حق نے شک و شبہات کی تاریکیاں دُور کر دیں۔ دِل کی گہرائیوں میں نورِ ایمان کی شمع روشن ہو گئی۔ برملا اپنے ایمان کا اظہار کر دیا۔ فرعون کے خوف کو بالائے طاق رکھ کر جنابِ موسیٰ کی صداقت کو تسلیم کر لیا۔ فرعون بر سرِ عام ذلیل و رسوا ہوا۔ اس کی دھمکیوں اور جھنجھلاہٹ نے حق قبول کرنے والوں پر کوئی اثر نہ کیا۔ اس کی دہشت نے ان کی رغبت تیز کر دی۔ اور اس کی تدبیر نے ان کی تقدیر بدل دی۔ فرعون نے سخت سے سخت سزا دینے کا ذکر کر کے ڈرایا۔ مگر ان صادق الاعتقاد اور ایمان کی پختہ بنیاد والے اہل ایمان نے صاف صاف کہہ دیا۔ فرعون! اپنے ربّ کی واضح آیات اور روشن بیّنات دیکھ کر ایمان لائے ہیں اور ربّ العالمین سے لَو لگائی ہے۔ اب کوئی طاقت ہمیں اس راہ سے ہٹا نہیں سکتی۔ اور کوئی تُند آندھی ہمارے مضبوط قدم ڈگمگا نہیں سکتی۔ ایمان ہمارے دلوں کے خانوں میں جم گیا ہے۔ وہ جا نہیں سکتا اور کفر اب آ نہیں سکتا۔

یہ دور گزر گیا اور اس کے بعد کئی دَور آئے۔ باطل زور پکڑتا اور حق فہمائش کے لئے اس کے سامنے آتا۔ مقابلہ کرتے ہوئے زمانہ کی رفتار کے ساتھ چلتے رہے۔ آخر میں ایک ایسا دَور آیا کہ حق

محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی صورت میں ظاہر ہوا۔ اور باطل ابوسفیان بن حرب کی شکل میں نمودار ہوا۔ ابوسفیان بنی امیہ کا نمایاں فرد اور محمد مصطفیٰ بنی ہاشم کے چشم و چراغ۔ وہ اموی عادات و اطوار کا مالک اور یہ ہاشمی اخلاق و صفات کے مالک، باطل چلتے چلتے اس کے پیکر میں ظاہر ہوا اور حق محمد مصطفیٰ کے مجسّمہ میں روشن ہوا۔ محمد مصطفیٰ حق کے نمائندہ اور ابوسفیان باطل کا نمائندہ۔ حق نے حق و صداقت پھیلانے کی پوری کوشش کی۔ اور باطل نے حق کو مٹانے کے لئے اپنی تمام طاقت صرف کردی متعدد لڑائیاں ہوئیں، کئی جنگیں ہوئیں۔ ہر معرکہ میں کفر و باطل کی نمائندگی ابوسفیان کرتا اور لشکرِ شرک کی کمان کرتا۔ محمد مصطفیٰ نمائندگیٔ حق و صداقت کرتے اور فوجِ اسلام کی قیادت کرتے، آخر باطل تھک ہار کر بیٹھ گیا۔ کفر و شرک کو شکست ہوئی۔ اور باطل کے بُت پاش پاش ہو گئے۔ علمِ اسلام کعبہ پر لہرانے لگا۔ ذوالفقارِ حیدر کی تیز دھار نے کفر کی للکار کو ذلت و عار سے دوچار کر دیا۔ باطل کی یلغار کو تیغِ شرربار سے فی النّار کر دیا۔ اور سارے عرب میں جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ۔ کی صدا گونجنے لگی۔

بعدازاں حق وجودِ علی بن ابی طالب میں جلوہ گر ہوا۔ اور باطل معاویہ بن ابی سفیان کی صورت میں ظاہر ہوا۔ معاویہ ابوسفیان کا جانشین، اس کے عادات و اطوار کا وارث اور علی جناب رسولِ پاک کے علم و کمال، اخلاق و افعال کے وارث، معاویہ باطل کا نمائندہ، علی حق کے نمائندے دونوں میں معرکہ آرائی، حسبِ معمولِ سابق باہمی حق و باطل میں لڑائیاں اور مقابلے ہوئے۔ اس سے قبل تو حق و باطل کی معرفت و اقرار میں اسلام کے تمام فرقوں نے اتفاق کیا۔ لیکن جناب علی بن ابی طالب اور معاویہ بن ابی سفیان کے مقابلہ میں ایک فرقہ الجھ کے رہ گیا۔ اندھی تقلید اور کورانہ عقیدت ایک ایسی چیز ہے کہ انسان کی عقل و فہم پر پردہ ڈال دیتی ہے۔ قلبی بصیرت پر مہر لگا کر سوچنے سمجھنے کی توفیق سلب کر لیتی ہے۔ اور بعض اوقات انسان معاشرہ کے بندھنوں میں جکڑا ہوا، حق و باطل کو سمجھتے ہوئے اخلاقی جرأت اور ایمانی دلیری پر پابندی لگا کر معاشرتی رسم و روایات کا پابند رہتا ہے۔ ضمیر کوستا ہے، خرد اسے ملامت کرتی ہے۔ حق اس پر واضح ہو جاتا ہے۔ لیکن بے حسی اس پر چھائی رہتی ہے۔ ضمیر دبے دبے کوستا ہے۔ لیکن روایات کی رسیوں کو وہ جرأت کی چھری سے کاٹ نہیں سکتا۔ قدیمی روایات و خیالات کا مرہون رہتا ہے۔ اور دل و دماغ کو روایتی بندھن سے آزاد نہیں کر سکتا۔ یہی کیفیت یہاں ہمارے برادرانِ اہلِ سنّت کی ہے۔ یہاں علی و معاویہ کی معرکہ آرائی اور حق و باطل کی لڑائی میں سچ اور جھوٹ، حق اور باطل میں تمیز نہیں کر سکتے، اور اگر امتیاز کر پاتے بھی ہیں تو ظاہر نہیں کر سکتے۔ دو باہم مخالف و متحارب تو نہیں ہیں۔ ہر ایک ہزاروں انسانوں کے خون کا ذمہ دار ہے۔ لیکن اگر دریافت کیا جائے کہ ان دونوں میں حق پر کون ہے؟ تو نہایت

بھولے پن اور سادگی یا تجاہلِ عارفانہ اور خیالات کی آوارگی سے جواب دیتے ہیں۔" دونو حق پر تھے"۔ منطقیوں اور فلسفیوں نے جہاں "اجتماعِ نقیضین" کو باطل ٹھہرایا وہاں "ارتفاعِ نقیضین" کو بھی محال قرار دیا ہے۔ اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ "علی و معاویہ" نقیضین اور "ضدین" ہیں۔ برادرانِ اہلِ سُنّت کے تقلیدی و روایتی جواب سے بے چارے منطقی بھی سر پیٹ کے رہ جاتے ہیں۔ عقلاء حیران اور فلسفی سرگرداں، یہ کیسا جواب ہے؟ " دونوں حق پر ہیں"۔ ہابیل و قابیل میں سے دونوں حق پر نہ ہوئے۔ صالح اور کدار میں دونوں حق پہ نہ ہوئے۔ ابراہیم و نمرود، موسیٰ و فرعون، عیسیٰ اور یہود، محمد مصطفیٰ و ابوسفیان، و ابی لہب و ابی جہل۔ یہ دونوں باہم متصادم قوتیں دونوں حق پر نہ ہوئیں۔ یہ کونسا مقام آگیا کہ دو نظریاتی دشمن، اور ایک دوسرے کے خونیں دشمن، دونوں کس طرح برحق ہو سکتے ہیں؟

ایک قطعۂ زمین، زیورات، مکان، یا مال و جائیداد کے بارے میں لڑائی نہیں، نظریاتی و اعتقادی لڑائی ہے۔ خلافت و امامت کے بارے میں نزاع ہے۔ علی کہتے ہیں میں" امام ہوں خلیفۂ رسول ہوں"۔ معاویہ کہتا ہے :" میں خلیفہ ہوں"۔ خلافتِ رسول کے بارے میں اختلاف و مقابلہ ہے۔ دونو تو بیک وقت خلیفۂ رسول ہو نہیں سکتے کہ ایک ہی وقت میں ایک ملک کے اندر دو دعویدار ہوں، کیا کوئی عقل مند دیانتدار مومن یہ باور کر سکتا ہے کہ دونوں خلیفۂ رسول تھے۔ علی بھی خلیفہ اور معاویہ بھی خلیفہ۔ دونوں کو حق پہ ماننے والوں کو دونوں کی بیعت کرنی چاہیئے اور ایک نئی "بدعتِ سیّئہ" اسلام میں پیدا کرنی چاہیئے۔ ایک کو خلیفہ مانیں تو دوسرے کو لازماً ہر حال میں باغی ماننا پڑتا ہے۔

چونکہ یہ حضرات علی کو باطل پہ نہیں کہہ سکتے کہ فرمانِ رسولِ ذی شان، حاملِ قرآن، کتابوں کے اوراق میں، حفاظ کی زبانوں میں، اہلِ ایمان کے دِلوں میں تواتر و تکاثر کے ساتھ وضاحت و یقین کے ساتھ موجود ہے۔ عَلِیٌّ مَعَ الْحَقِّ وَالْحَقُّ مَعَ عَلِیٍّ۔ علی حق کے ساتھ ہیں اور حق علی کے ساتھ ہے۔ اَللّٰھُمَّ أَدِرِ الْحَقَّ حَیْثُمَا دَارَ۔ اے اللہ! حق کو ادھر پھیر دے۔ جہاں علی پھریں۔ عَلِیٌّ مَعَ الْقُرْاٰنِ وَ الْقُرْاٰنُ مَعَ عَلِیٍّ۔ علاوہ ازیں کثرت سے اتنے فضائلِ علی، تفسیروں، حدیثوں، تاریخوں میں موجود ہیں کہ اگر تمام صالحین صحابہ کے فضائل جمع کیے جائیں تو فضائلِ علی کے دریا کے قطرہ کا مقابلہ نہ کر سکیں۔ اور یہ فضائل نہ چھپائے چھپ سکتے ہیں۔ نہ مٹائے مٹ سکتے ہیں۔ کوششیں تو بعض حکمرانوں نے خصوصاً مدِّ مقابل نے تو بہت کیں، مگر یہ فضائل قلوبِ عارفین اور اذہانِ مومنین میں راسخ ہو چکے تھے۔ ہزاروں کانوں نے سُنے، ہزاروں لاکھوں آنکھوں نے واقعاتِ فضائل اور حالاتِ مناقب دیکھے۔ زبانیں ان سے تر اور سینے ان سے پُر تھے۔ اس واسطے ہمارے اِن بھائیوں کو علی کو جادۂ حق سے

ہٹانے کی تو ہمت ہو نہ سکی اور معاویہ بن ابی سفیان کو شاہی خزانہ اور علاقہ شام کی زنجیریں جاگیریں باطل سے بچانے کی کوشش میں مصروف ہوئیں۔ معاویہ بچ نہیں سکتا تھا بچانے کی فکریں لاحق ہوئیں۔

دستور ہے کہ ایک غلط کام کو صحیح بنانے کے لئے کئی غلط کام کرنے پڑتے ہیں۔ اور ایک جھوٹ کو چھپانے کے لئے کئی جھوٹ بولنے پڑتے ہیں۔ چونکہ یہاں امیر شام کو باطل سے بچانا مقصود ہے۔ اور اس کے عوض درہم و دیناروں کی تھیلیاں شاہی خلعتیں، جاری چشمے، لہلہاتے کھیت۔ شاداب باغ بطور عوض پیش کئے گئے تھے۔ لہٰذا اس غلطی کو صحت میں اور اس کذب کو صداقت میں اور باطل کو حقانیت میں ڈھالنے کے لئے کئی جھوٹی روایات بنائی گئیں۔ اور وضعی احادیث کا سہارا لیا گیا۔ کبھی میزاب بنایا گیا "خال المومنین" کا لقب دیا گیا۔ قاتلینِ عثمان کی گرفتاری میں تاخیر کا سہارا لیا گیا۔ مگر کسی طرح سے معاویہ کو خلیفہ ثابت نہ کر سکے۔ اور جب خلافتِ معاویہ ثابت نہ ہوسکی تو خلیفہ علی ابنِ ابی طالب، معاویہ پھر بھی باغی، ہزار کچھ کہا جائے" "ضدین اور "نقیضین" ثابت " اجتماع محال" دونوں خلیفہ نہیں ہو سکتے اور" ارتفاع بھی محال" کہ دونوں خلیفہ نہ ہوں، اور مسندِ رسولؐ خالی رہ جائے۔ کوئی بھی خلیفۂ رسول نہ ہو۔ لازماً ایک کو خلیفۂ رسول ماننا پڑتا ہے۔ جب ایک کو خلیفہ ماننا پڑتا ہے۔ تو بھائی جان! دوسرے کو باغی ماننا پڑتا ہے۔ جو خلیفۂ رسول وہ حق پر اور جو باغی وہ باطل ہے۔ یہی صورتِ حال حضرت اُمّ المومنین کی ہے کہ جب جنگِ جمل میں دو متحارب قوتیں ہیں۔ ایک لشکر کی قیادت ام المومنین حضرت عائشہ کر رہی ہیں۔ اور دوسرے لشکر کی قیادت ابوالائمہ نفسِ رسول امیرالمومنین علی کر رہے ہیں۔ اگر جناب امیر اس وقت خلیفہ ہیں تو حضرت ام المومنین اور ان کے ساتھی باغی ہیں۔ اور باطل پر ہیں۔ اور اگر جناب امیر اس وقت خلیفۂ رسول نہیں تو کون تھا؟ اس کا نام بتایا جائے کہ اس وقت خلیفۂ رسول کون تھا۔

حضرات اہل سنت شیعوں کو تو گمراہ کہتے ہیں جو اجماعی وصیتی اور شورائی خلافت کے منکر ہیں۔ ان کو علی الاعلان باطل اور گمراہ اور باطل کہتے ہیں۔ اور جو خلیفۂ نصّی اور اجماعی شورائی اور وصیّتِ رسول کے مطابق ہو اس کے باغی کو حق پر کہتے ہیں۔ یہاں قاعدے ٹوٹ جاتے ہیں۔ اصول ختم ہو جاتے ہیں۔ عجیب خیال ہے برادرانِ اسلام کہ خود حضرت ام المومنین تو اس مقابلہ پر نادم ہیں اور اپنی غلطی کا اعتراف کرتی ہیں۔ لیکن امیر معاویہ کو اصرار ہے خلافت سے انکار ہے۔" دونوں حق پر ہیں"۔ قرآن کے خلاف، فرمانِ رسولِ ذی شان کے خلاف، عقل کے خلاف، عدل کے خلاف، دیانت کے خلاف، اور صداقت کے خلاف ہے۔ ؎

حقیقت خرافات میں کھو گئی ؎ یہ امت روایات میں کھو گئی

اِس کے بعد یزید وارثِ معاویہ بنا۔

اِس کے بعد یزید وارثِ معاویہ بنا۔ بلکہ معاویہ اپنا وارث اور تخت کا مالک اپنی زندگی میں بنا کے گیا۔ اگر معاویہ کو خلیفۂ رسول کہنا ہو تو یزید کو بھی خلیفۂ رسول کہو۔ کیونکہ خلیفہ کی مسند پر بیٹھا ہے۔ ادھر حسین بن علی وارث ہیں۔ امیرالمومنین علی بن ابی طالب کے۔ حق حسین بن علی کے وجود میں جلوہ آرا ہوا اور باطل پیکرِ یزید میں نمودار ہوا۔ حسین حق کے نمائندے اور یزید باطل کا نمائندہ۔ حسین وارثِ انبیاء، آدم و نوح کے وارث، ابراہیم و اسماعیل کے وارث، موسیٰ و عیسیٰ کے وارث، محمد مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) علی مرتضیٰ، حسن مجتبیٰ کے وارث، یزید قابیل کا وارث، نمرود و شداد و فرعون اور ہامان کا وارث۔ ابوسفیان ابولہب، ابوجہل کا وارث، معاویہ کا وارث، حسین کے بدنِ پاک میں انبیاء کی روحیں موجود، یزید کے بدن میں نمرود و فرعون کی روحیں موجود۔ جیسا کہ جناب علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں ؎

موسیٰ و فرعون و شبیر و یزید ٭ ہر دو قوت از حیات آید پدید

حسین بن علی میں حق کی قوت بدرجۂ اتم موجود، یزید بن معاویہ میں باطل کی قوت بدرجۂ اتم۔ یہ مقابلہ کھلے میدان کربلا میں ہوا۔ باطل کے پاس ہر قسم کی مادی طاقت ہے۔ اور حق کے پاس ہر قسم کی روحانی قوت ہے۔ باطل حق سے بیعت کا خواہاں ہے۔ حق باطل کے آگے جھکنے کو تیار نہیں۔ باطل حق کو دبانا چاہتا ہے۔ حق ابھرنا چاہتا ہے۔ باطل ظلم کا ہر وار کرتا ہے، حق صبر کی سپر سے اس کا وار روکتا ہے۔ یزید حق سے ہاتھ طلب کرتا ہے لیکن حق اپنا ہاتھ دستِ یزید میں دینا گوارا نہیں کرتا۔ یہ ہاتھ تنہا حسین کا ہاتھ نہیں اس میں انبیاء و اوصیاء کے معصوم ہاتھ ہیں۔ اس ہاتھ میں کلمۂ توحید ہے حق سر تو دے دیتا ہے لیکن ہاتھ نہیں دیتا۔ ؎

سر داد نہ داد دست در دستِ یزید ٭ حقا کہ بنائے لا الٰہ ہست حسین

یزید کا دادا ابوسفیان، محاربِ رسولؐ، حسین کا دادا ابوطالب محافظِ اسلام نگہبانِ رسالت، یزید کا نانا ایک وحشی اور جنگلی گمنام انسان، حسین کا نانا سیّد الانبیا، یزید کا باپ معاویہ، حسین کا باپ علی، یزید کی دادی ہند جگر خوارہ، حسین کی دادی فاطمہ بنت اسد، یزید کی ماں گمنام حسین کی ماں سیدۃ النساء، نانا نبیوں کا سردار، بابا ولیوں کا سردار، ماں عورتوں کی سردار اور خود جوانانِ جنت کا سردار۔

کربلا میں حق و باطل، صدق و کذب، مادیت اور روحانیت، ظلم و صبر، یعنی حسین اور یزید کی

لڑائی ہوئی۔ باطل کو مادی اور حق کو روحانی، باطل کو عارضی اور حق کو دائمی و پائیدار فتح حاصل ہوئی۔

وقتی طور پر تو باطل نے خوشی کے شادیانے بجائے، جشن مسرت منائے، مردوں کو قتل اور مستورات کو قید کیا۔ لیکن تھوڑے دنوں بعد جب لوگوں کی آنکھیں حقیقت سے روشناس ہوئیں، باطل کو اپنا انجام نظر آگیا۔ دنیا آنکھوں میں تاریک نظر آئی۔ مستقبل ہولناک ہوگیا۔ اپنے پرائے سب مخالف ہوگئے۔ یزید پر ہر چہار طرف سے لعنت ہونے لگی، پھٹکار برسنے لگی: ملکی اور غیر ملکیوں سب نے سر اجلاس لعنت و ملامت کی، خود گھر والوں سے نہ رہا گیا۔ سر دربار مذمت کی۔ قاتل کو کہنا پڑا: "مَالِیَ وَ لِلْحُسَیْنِ" اب قتل کی ذمہ داری دوسروں پر ڈالنے لگا۔ قتلِ حسین سے برأت ظاہر کرنے لگا۔ مگر اس طرح مکاریوں سے برأت ہوسکتی ہے؟ اور ناحق خون سے بری الذمہ ہوسکتا ہے؟ حق کی فتح کا ثبوت یہی کافی ہے کہ قاتل اپنے گھر میں اپنے مقتول کی ماتم داری کا انتظام کرتا ہے۔ قاتل کے گھر میں مقتول کی صفِ ماتم بچھی ہوئی ہے۔ اور مقتول کے وارثوں کے ساتھ قاتل کی اہل خانہ عورتیں مصروفِ ماتم نظر آتی ہیں۔ ہاشمی عورتوں کے ساتھ سفیانی عورتیں سیاہ لباس میں ملبوس ماتم حسین کر رہی ہیں۔ دمشق کے محلوں میں عزاداری حسین قائم ہے۔ حسین پر رحمت اور یزید پر لعنت برس رہی ہے۔ یزیدی حکومت کی بنیادیں ہلنے لگیں، لوگ متنفر ہوگئے۔ خونِ معصوم کا اثر پھیلنے لگا۔ انتقام کے ڈر سے یزید کو کوئی چارہ نہ رہا۔ کہ اسیرانِ آلِ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو رہا کرکے بجلد مدینہ پہنچائے۔ تاکہ لوگوں کے جذبات ٹھنڈے ہوجائیں۔ اب یزید ابنِ زیاد کو قاتل ٹھہرا کے اس پر لعنت کرتا ہے۔ حالانکہ ساری لعنت کا مستحق یہ خود ہے۔

بدلے ہوئے حالات اور نفرتِ عامہ سے متاثر ہوکر یزید کا رویّہ اب نرم ہوچکا ہے۔ ظلم و ستم سے اس نے ہاتھ کھینچ لیا ہے۔

قاتل کی دریافت

اصلی اور صحیح قاتل تو یزید بن معاویہ ہے۔ لیکن جب اس نے رعایا کے بدلے ہوئے تیور دیکھے اور قیدیوں کی خستہ حالی اور خطباتِ اسیران آلِ محمد نے لوگوں کے دلوں پر گہرا اثر کیا اور حزن و ملال لوگوں پر طاری ہوا تو یزید نے قتل کی ذمہ داری عبید اللہ بن زیاد عاملِ کوفہ پر ڈال دی۔ چونکہ شہر دمشق اور آس پاس کے علاقوں میں لوگوں کی زبانوں پر ذکر حسین جاری ہوگیا اور یزید پر لعن و طعن کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ یزید کو اس قسم کی اطلاعات بہم پہنچتی رہیں۔ یزید انقلاب سے خائف ہوا اور

جذباتِ انتقام سے گھبرایا۔

ایک بار اس نے لوگوں کو دربار میں بلایا۔ لوگ اکٹھے ہوگئے، اٹھ کر اس نے یہ تقریر کی۔

" يَا أَهْلَ الشَّام تَقُوْلُوْنَ أَنَا قَتَلْتُ الْحُسَيْنَ بْنَ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ وَاللهِ مَا قَتَلْتُهُ وَلَا أَمَرْتُ بِقَتْلِهِ وَإِنَّمَا قَتَلَهُ عَامِلِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ زِيَادٍ"۔ اے اہل شام تم کہہ رہے ہو کہ میں نے حسین بن علی کو قتل کیا ہے۔ بخدا نہ میں نے قتل کیا ہے اور نہ قتل کا حکم دیا۔ حسین کو میرے گورنر عبید اللہ بن زیاد نے قتل کیا ہے"۔

پھر اپنی فوج اور لشکر کے سردارِ اوّل کو جو کربلا میں اس جنگ کے ذمہ دار اور سرکردہ قائد تھے، انہیں بلایا۔ اور ان سے قاتل دریافت کیا۔ سب سے پہلے شیث بن ربعی ملعون آیا۔ یزید نے اس سے پوچھا: وَيْلَكَ أَنْتَ قَتَلْتَ الْحُسَيْنَ أَمْ أَنَا أَمَرْتُكَ بِقَتْلِهِ"۔ افسوس ہے تجھ پر، کیا تو نے حسین کو قتل کیا ہے؟ کیا میں نے تمہیں ان کے قتل کا حکم دیا ہے۔ شیث نے کہا۔ خدا کی قسم میں نے قتل نہیں کیا بلکہ مصابر بن رہینہ انکا قاتل تھا۔ یزید اس کی طرف متوجہ ہوا۔ اور کہا۔ کیا تو نے حسین بن علی کو قتل کیا ہے؟ اور کیا میں نے تمہیں ان کے قتل کا حکم دیا تھا۔ اس نے بھی انکار کیا اور کہا۔ خدا کی قسم میں نے تو انہیں قتل نہیں کیا، بلکہ قیس بن ربیع ان کا قاتل ہے۔ یزید نے قیس سے دریافت کیا۔ تو اس نے شمر ذی الجوشن کو مجرم بنایا۔ شمر سے پوچھنے پر اس نے بھی انکار کر دیا۔ اور قتل کی ذمہ داری سنان بن انس پر ڈال دی۔ سنان سے دریافت کیا گیا تو اس نے بھی انکار کر دیا۔ یزید نے جھلا کر کہا کہ تم حیلہ بہانہ کر کے اپنی برأت ظاہر کر رہے ہو۔ دوسروں کو قاتل ٹھہراتے ہو۔ آخر قاتلِ حسین ہے کون؟ اس وقت قیس بن ربیع نے کہا۔ یزید اگر امانِ جان ملے تو میں صحیح قاتلِ حسین کی نشاندہی کرتا ہوں۔ اور اصلی قاتل کا نام بتاتا ہوں۔ یزید نے کہا، تجھے امان ہے۔ قاتل بتا۔ اس نے کہا۔ فرزندِ رسولؐ کا قاتل وہ ہے جس نے عَلَمِ جنگ بلند کیا۔ فوجیں جمع کیں۔ مال و جاگیریں تقسیم کیں۔ اور لشکروں پر لشکر قتلِ حسین کے لئے بھیجے۔ انعامات کا لالچ دیا۔ یزید نے پوچھا۔ وہ کون ہے؟ قیس نے کہا۔ وہ سوا تیرے کوئی نہیں" تو ہی قاتل ہے۔ یزید یہ سچا جواب سن کر لاجواب ہوگیا۔ اور یہ کہتا ہوا۔ مَالِي وَ لِلْحُسَيْنِ۔ مجھے کیا غرض تھی حسین سے۔ (میں نے یہ کام کیوں کیا) محل سرا میں داخل ہوگیا۔

یزید نے سرِ حسین طشت میں رکھا، اوپر ریشمی رومال رکھ کے رونے لگا۔ اور پچھتانے لگا۔ بار بار ندامت کا اظہار کرنے لگا۔ اور یہ ندامت اس کی خالق کے خوف سے نہ تھی، بلکہ مخلوق کے خوف سے تھی۔

ہند زوجۂ یزید کا خواب

ہند کا بیان ہے کہ میں اپنے بستر پر محوِ خواب تھی۔ میں نے عالمِ خواب میں دیکھا کہ آسمان کے دروازے کھل گئے ہیں اور ملائکہ گروہ در گروہ سرِ امام حسین علیہ السلام کی طرف آرہے ہیں۔ " اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰہِ" اسی اثناء میں ایک بادل آسمان سے نازل ہوا۔ اس میں سے چند بزرگ اترے۔ ان میں سے ایک بزرگ سفید رنگ چاند سا چہرہ رکھنے والے اترے اور آتے ہی سرِ مبارک پر گر پڑے۔ اور پیارے لبوں اور پاک دانتوں کا بوسہ لینے لگے۔ (جن لبوں اور دانتوں کا مدینہ میں شہزادہ کا بوسہ لیا کرتے تھے اور انہی جگہ پر شام میں یزید چوب کے ساتھ گستاخی کرتا تھا) اور درد بھرے بین کرنے لگے۔ یَا وَلَدِیْ قَتَلُوْكَ اَتَرَاھُمْ مَا عَرَفُوْكَ وَمِنْ شُرْبِ الْمَآءِ مَنَعُوْكَ یَا وَلَدِیْ اَنَا جَدُّكَ رَسُوْلُ اللّٰہِ وَھٰذَا اَبُوْكَ عَلِیُّ الْمُرْتَضٰی وَھٰذَا اَخُوْكَ الْحَسَنُ وَھٰذَا عَمُّكَ جَعْفَرُ وَعَقِیْلُ وَھٰذَانِ حَمْزَۃُ وَالْعَبَّاس۔ میرے کشتۂ جور وجفا بیٹے! انہوں نے تمہیں قتل کیا اور پہچانا نہیں؟ تمہیں پانی سے روک دیا۔ اور پیاسا شہید کیا۔ میرے لختِ جگر! میں تیرا نانا رسول اللہ ہوں، یہ تیرے بابا علی مرتضیٰ آئے ہیں۔ یہ تیرے بھائی حسن مجتبیٰ اور یہ تیرے چچا جعفر اور عقیل ہیں۔ اور یہ تیرے دو جدّان حمزہ وعباس ہیں۔ اس کے بعد جناب رسالتماب نے اپنے اہل بیت کے اور افرادِ مقدسہ کے نام بھی لئے۔ جو مظلوم کی ملاقات کے لئے آئے۔ ہند کہتی ہے کہ میں اس خواب سے گھبرا کر ڈرتی ہوئی کانپتی ہوئی اٹھی۔ سرِ حسین کو دیکھا تو اس پر نور برس رہا تھا اور روشنی حسین کے سر پہ پھیلی ہوئی تھی۔ میں یزید کو تلاش کرنے لگی۔ اسے میں نے دیکھا کہ ایک تاریک کمرہ میں منہ دیوار کی طرف کئے کہہ رہا ہے۔" مَا لِیْ وَلِلْحُسَیْن،، مجھے کیا غرض حسین سے تھی؟ میں نے کیوں حسین کو قتل کیا؟ ہند کا بیان ہے کہ یزید پہ رنج وغم چھایا ہوا تھا۔ میں نے اسے اپنا خواب سنایا۔ وہ ندامت کا سر جھکائے سنتا رہا۔ اور کوئی جواب نہ دیا۔

قاتل کے گھر میں مقتول کا ماتم

یزید کی مسرت اب حسرت میں اور فرحت ندامت میں بدل چکی تھی۔ لوگوں کی تو تکار اپنوں

کی پھٹکار، انقلاب کا خوف، انتقام کا ڈر یزید کو بُری طرح کھٹک رہا تھا۔ اب اس کا رویّہ نرم ہو چکا تھا۔ اُس نے اہلِ بیتِ رسول اور اسیرانِ یثرب کو اس قید خانہ سے نکلوا کر اپنے محل کے نزدیک خاص مکان میں بدل دیا۔ خرابۂ شام سے مکان میں تبدیلی، یہ ہند کے جزع و فزع اور دُہائی و فریاد سے ہوئی یا بدلے ہوئے حالات کے پیشِ نظر خرابۂ شام میں مقیّد رکھنا خلافِ مصلحت تھا۔ اِس واسطے اس نے اچھے مکانوں میں منتقل کر دیا۔ یا جناب سیّدہ زینبؑ کے مطالبہ پر کہ ہمیں مجلسِ حُسین منعقد کرنے اور ماتمِ حُسین برپا کرنے کی اجازت دی جائے۔ تاکہ دِل کھول کر ہم گریہ و بکا کر سکیں۔ اور مجلسِ و ماتم امامِ مظلوم کر سکیں، بہرحال کوئی صورت ہو۔ اِس خرابۂ زندان سے رہا ہو کر محلِ یزید کے قریب آ گئے۔ یہ بھی قرینِ قیاس ہے کہ ہند وہاں سے لینے گئی ہو۔ جبکہ اس نے سرِ دربار مجمعِ عام میں یزید کی مذمّت کی اور بے پردہ نکل آئی تھی۔ یزید نے اس پر چادر ڈالی۔ گھر جانے کو کہا۔ اور یہ کہا: نَعَمْ فَاعْوِلِی یَا هِنْدُ وَابْکِی عَلَی ابْنِ بِنْتِ رَسُولِ اللّٰہِ وَصَرِیْخَةِ قُرَیْشٍ۔ ہاں! اے ہند یہ حسینؑ ہی کا ثمر ہے۔ پس فرزندِ رسول اور لائق گریہ خاندانِ قریش پر خوب گریہ و بکا کر۔ بعض روایات میں ہے کہ ہند کے کہنے پر خاندانِ رسالت کے اسیروں کو ایک خاص مکان میں ٹھہرایا گیا، اور مجلس و ماتم کی اجازت دی گئی۔

چنانچہ جب اس مکان میں اسیرانِ خاندانِ محمد (علیہم السلام) آئے تو خاندانِ ابوسفیان کی عورتوں نے خاص گریہ و بکا کے ساتھ استقبال کیا۔ انہوں نے زیورات اتار دیئے اور اسیرانِ جفا کے ساتھ مِل کر ماتم و بکا کیا۔ ظلم و تشدد کی ایک حد ہوتی ہے۔ شام و کوفہ والے لوگ گو بشر و انسان تھے مگر ان کے دِل اور کلیجے پتھر سے سخت تھے۔ جس قدر ظلم یہ لوگ کر سکتے تھے اور جتنا ستم ان کے انسانی مقدور میں تھا کیا۔ لیکن یہاں ظلم و ستم کی حدیں ختم ہو گئی تھیں۔ اِس واسطے ان شہداء کے بدنوں اور سروں نیز بے کس، بے وارث اور غریب و مظلوم قیدیوں کی خستہ حالی پر حیوان روئے، چرند پرند روئے۔ در و دیوار روئے، اشجار و احجار روئے۔ حور و ملائک روئے۔ زمین و آسمان روئے۔ دوست اور دشمن روئے۔ یزید رویا اور یزید کے خاندان کی عورتیں روئیں چونکہ اب ماتمِ حسین پر پابندیاں ختم تھیں۔ اذنِ عام تھا۔ اور خود آلِ سفیان اور آلِ معاویہ کی عورتیں بھی اس ماتم میں شریک تھیں۔ اس واسطے دمشق کے تمام محلہ جات میں اطلاع پہنچ گئی کہ قیدی سجّاد کے بابا، زینب کے بھائی فرزندِ زہرا کی صفِ ماتم بچھ چکی ہے۔ وارثِ ماتم، ام المصائب کو بھائی اور عزیزوں، شہیدوں کا پرسا دینے کے لئے کوئی عورت بھی ہو آ سکتی ہے۔ جو چھپی ہوئی مومنات مُحِبّانِ آلِ رسول تھیں، انہیں رونے اور پرسا دینے کا موقعہ ملا۔ خود آلِ ابی سفیان اہتمام کر رہی تھیں، اس واسطے اس خاص محل سرا میں نوحہ و ماتم کرنیوالی عورتیں

کثیر مجمع کی صورت میں جمع ہوگئیں مستورات قریش، سفیانی یا ہاشمی اور عام عورتیں سیاہ لباس پہن کر آئیں۔ نوحہ و بکا کی آوازیں بلند تھیں۔ آنسو بہہ رہے تھے۔ زبانوں پہ نوحے و مرثیے تھے۔ سروں اور چہروں پر طمانچے تھے۔ اور دمشق کی فضا سوگوار تھی۔ لالِ زہرا اب مرثیوں و نوحوں کی شکل میں عورتوں اور مردوں کی زبان پہ تھا۔ ہر سمت سے آواز آتی تھی۔ قُتِلَ الحسین بلاجرمٍ ولا خطار۔ دمشق کے بازاروں اور گھروں میں حسین کی مظلومی کے نوحے پڑھے جا رہے تھے۔ اور یزید پہ لعنت کا ورد جاری تھا۔

حسینی ماتم داروں کو بلا روک ٹوک کھلی اجازت تھی۔ دردستانیوں اور دُکھی شہزادیوں نے دِل کھول کر ماتمی لباس میں کمر باندھ کر سروں کے بال کھول کر غریبِ کربلا پہ ماتم کیا۔ دمشق کے در و دیوار" واحسیناہ" وا قتیلاہ۔ "یا بن رسول اللہؐ" کی آوازیں آرہی تھیں۔ تین دِن متواتر، بروایت سات دِن متواتر یہ ماتم قائم رہا۔ اِس کے بعد یزید نے رہائی کا حکم دے دیا۔

اہل بیت کی رہائی

یزید نے امام سجاد علیہ السلام کو بُلایا۔ اور نہایت نرمی سے کہا کہ اگر آپ شام میں قیام کریں تو میں عزت و احترام سے رکھوں گا۔ اور اگر واپس مدینہ جانا چاہیں تو میں احترام کے ساتھ مدینہ پہنچا دوں۔ قبل ازیں یزید امام سے ان کی تین حاجتیں پوری کرنے کا وعدہ کر چکا تھا۔ جناب سجاد نے وہ تین حاجتیں پیش کیں:۔

(۱) مجھے میرے سردار و مولا بابا حسین کا سر دیا جائے۔ ۲۔ وہ مال و اسباب جو کربلا میں تیری فوج نے لوٹا ہمیں واپس کیا جائے۔ ۳۔ اگر تو میرے قتل کا ارادہ رکھتا ہے تو کوئی ایسا دیندار اور نیک خصال آدمی تیار کر جو ہماری مستورات اور یتیموں کو ہمارے حرم جد میں پہنچا دے۔

یزید نے جواب دیا کہ سجاد! تیرے بابا حسین کا سر تو تجھے کسی صورت میں نہیں مل سکتا۔ ۲۔ جو مال تمہارا کربلا میں لوٹا گیا ہے اس کے بدلے زیادہ قیمتی مال میں تمہیں دینے کے لئے تیار ہوں۔ ۳۔ تیرے قتل سے میں نے درگزر کیا ہے۔ تم خود ہی اپنے بچوں اور مستورات کو مدینہ لے جاؤ۔

جناب سجاد نے فرمایا۔ میں مال کا عوض لینا نہیں چاہتا۔ مجھے وہی مال واپس ملے۔ کیونکہ وہ ہمارے تبرکات ہیں۔ ان میں میری جدہ ماجدہ کا چرخہ، ان کا مقنعہ، گلوبند، اور قمیص بھی ہے چنانچہ یزید نے وہ مال واپس کرا دیا رہائی کے متعلق جناب سجاد اور یزید کا مکالمہ کتب تواریخ اور مقاتل میں مرقوم ہے۔ یہاں چند امور بحث طلب ہیں۔

۱۔ یزید نے سر دینے سے انکار کیا۔ مگر تحقیقی روایت بتاتی ہے کہ سر ہائے شہدائے کربلا میں قبور مقدسہ میں

ابدانِ مطہرہ کے ساتھ دفن کر دیئے گئے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ بغیر سروں کی واپسی کے اہل بیت نے واپس مدینہ آنے اور رہائی پانے سے انکار کر دیا اور اس شرط پر رہا ہونے اور واپس آنے پر رضامند ہوئے کہ سرہائے شہداء واپس ملیں۔ چونکہ یزید رائے عامہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے ہر قیمت پر اہل بیت کو راضی کرنا چاہتا تھا۔ اس واسطے اس نے شہدائے کرام کے سرہائے مطہرہ جناب سجاد اور جناب زینب کے تقاضا کے مطابق واپس کر دیئے۔

یزید کا رویّہ بدل چکا تھا۔ اس میں وہ شدت اور غلظت نہیں رہی تھی۔ کوئی وجہ نہیں کہ اہل بیت نے سروں کی واپسی پر اصرار کیا ہو اور یزید نے واپس نہ کئے ہوں۔ اور اہل بیت نے سروں کی واپسی کا مطالبہ ضرور کیا۔ کیونکہ سر انہیں عزیز تھے۔ اور وہ چاہتے تھے کہ سر واپس لے جا کر اپنے مقام پر دفن کئے جائیں۔ کیونکہ بغیر سر کے صرف بدن کے مدفن کی وہ عظمت اور توقیر نہیں رہتی، جو سر کے ساتھ ہوتی ہے۔ اور صرف ایک سر کا مطالبہ اُن کی شانِ کریمی اور حقِ رفاقت و بندہ نوازی کے خلاف ہے۔ انہوں نے تمام سروں کا مطالبہ کیا اور اس مطالبہ پر اصرار کیا۔ اور یزید کو یہ سر دینے پڑے۔

شرح شافیہ اور فاضل نراقی نے "محرق" میں لکھا ہے کہ جب یزید نے سر دینے سے انکار کیا تو امام سجاد نے جلال میں آ کر فرمایا "اے یزید! تو گمان کرتا ہے کہ میرے بابا کا سر مجھ سے مخفی ہے۔ کیا میں اسے نہیں دیکھ سکتا؟ اور کلام نہیں کر سکتا؟ اور اس سے کلام نہیں کر سکتا؟" اس وقت سرِ مطہر ایک تھال میں رومال سے ڈھانپا ہوا تھا۔ بیمار امام نے بابا کی طرف متوجہ ہو کر کہا: اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا اَبَا عَبْدِ اللهِ۔ رومال سر سے اتر گیا۔ اور سرِ مبارک سے آواز آئی۔ وَعَلَيْكَ السَّلَامُ يَا وُلْدِيْ۔ اس وقت سید سجاد کی دردناک چیخ نکلی اور کہا: "بابا! میں تو مدینہ واپس جا رہا ہوں۔ اب تجھ سے وداع کر رہا ہوں۔ میرا الوداعی سلام ہو۔" اس سے تمام حاضرینِ مجلس پر گریہ طاری ہو گیا۔ اور سب اہلِ دربار رونے لگے۔ یزید نے سید سجاد کا مطالبہ تسلیم کر لیا اور سرِ مظلوم معہ سرہائے شہداء امام سجاد کے سپرد کر دیئے۔ جیسا کہ مقتل الحسین مقرم، ریاض الاحزان، حبیب السیر، لہوف اور نفس المہموم میں مرقوم ہے۔

۲۔ کربلا کے لوٹے ہوئے مال کی واپسی کا مطالبہ۔ کیا وہ مال لوٹنے والے افراد کوفی و شامی اپنے گھر لے گئے تھے؟ یا شام میں یزید کے پاس پیش کیا گیا تھا؟ اگر لوٹنے والے سپاہی اپنے گھروں میں لے گئے تھے تو اتنی جلدی ان کی فراہمی کا انتظام ہو سکتا تھا؟ اور تمام مال اکٹھا کیا جا سکتا تھا۔ پھر امام سجاد بھی اس امر کو جانتے تھے کہ وہ مال شام میں ہے یا باہر لوگوں کے گھروں میں۔ اور اس کا فراہم کرنا اب دشوار ہے۔ اور اس کے لئے ایک عرصہ چاہیئے۔ پھر انہوں نے

مطالبہ کیوں کیا ؟ سید اجل ابنِ طاؤس علیہ الرحمۃ نے لہوف میں لکھا ہے کہ اسیرانِ خاندانِ رسالت اور سرہائے شہدائے کربلا کے ساتھ وہ تبرکاتِ انبیاء بھی دربارِ یزید میں پیش کئے گئے تھے جو امامِ مظلوم کی شہادت کے بعد بطورِ مالِ غنیمت کے لوٹ لئے گئے تھے۔ لہٰذا تمام نہ سہی وہ تبرکات جو دربارِ شام میں یزید کے پاس پہنچے تھے۔ اور جناب سیّد سجّاد نے دیکھے تھے۔ انہی کی واپسی کا مطالبہ کیا تھا۔ جن میں وہ اشیاء بھی تھیں جو یادگارِ بنتِ رسول سیدہ زہرا سلام اللہ علیہا تھیں۔ اور ان کا یزید کے پاس رہنے دینا امامِ سجّاد نے مناسب نہ سمجھا اور وہ وقت ایسا تھا کہ اہلِ بیت کے مطالبات یزید منظور کرنے پر مجبور تھا۔ خصوصاً جبکہ اس نے تین حاجات کی منظوری کا وعدہ بھی کرلیا تھا۔ یزید زیادہ عرصہ اہلِ بیت کو دمشق میں رکھنا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے جو دمشق میں رہنے کے لئے سیّد سجّاد سے گزارش کی تھی۔ یہ رسماً تھی کیونکہ اسے یقین تھا کہ جناب سجّاد اور مستورات کسی صورت میں بھی مدینہ چھوڑکر دمشق میں رہنا پسند نہیں کریں گی۔

چنانچہ یزید نے رہائی کا حکم دے دیا۔ اور نعمان بن بشیر کو اس بات پر مامور کیا کہ اہلِ بیت کو عزت و احترام کے ساتھ واپس مدینہ پہنچائے۔ سواریوں کا انتظام کیا گیا۔ اونٹنیوں پر پالان اور محمل رکھے گئے۔ یزید نے قطعات چرم اور ریشم کی چادریں بچھا کر ان پر درہموں و دیناروں کے ڈھیر لگا دیئے۔ اور جناب زینب و امّ کلثوم سے کہا : " خُذُوا ھٰذِہِ الْاَمْوَالُ عِوَضُ مَا اَصَابَکُمْ " قتل و قید کی مصیبتوں کا عوض ہے، علی کی بیٹیو یہ مال لے لو، جناب زینب و ام کلثوم نے فرمایا : " اے کمینہ ! تو کتنا بے حیا و بے شرم ہے۔ تو نے ہمارے گھر برباد کئے۔ ہمارے مردوں کو قتل کیا۔ ہمیں قید کیا۔ اور پھر ہماری مصیبتوں کا بدلہ مال سے دینا چاہتا ہے۔ یزید یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔"

نعمان بن بشیر کے ہمراہ تیس آدمیوں کی ایک جماعت تھی، جو کہ اہل بیت کے محافظ کی حیثیت سے ہمرکابِ سفر تھی۔ اب کی بار باپردہ محملوں کا انتظام تھا، مستوراتِ اہل بیت کو باپردہ عزت و احترام کے ساتھ محافظین کی جماعت کے ساتھ جن کے سردار نعمان بن بشیر تھے، واپس مدینہ روانہ کرنے کا انتظام کیا گیا۔ اور نعمان بن بشیر کو ہر قسم کی نرمی، اہل بیت کی فرمانبرداری اور حفاظت کی تاکید کی گئی تھی۔

اہل بیت رات کو سفر کرتے اور حسب مرضی قیام و سفر کرتے۔ جب کسی مقام پر نزول فرماتے تو محافظین کی یہ جماعت مستوراتِ اہل بیت سے دور قیام کرتی اور جب سفر ہوتا تو یہ لوگ محملوں

کے پیچھے پیچھے چلتے اور کسی کی نظر مستورات پر نہ پڑتی۔ اِس سفرِ واپسی میں اہل بیت جہاں چاہتے نزول فرماتے اور جب چاہتے کوچ فرماتے۔ نعمان بن بشیر اور ان کے ساتھی ان کے احکام کی تعمیل کرتے۔ چونکہ ظالم ظلم کرتے کرتے تھک چکے تھے اور عام لوگوں کی لعنت و پھٹکار سے یزید پریشان و پشیمان ہوچکا تھا اس واسطے اس نے ان پاسبانوں کو نرمی اور تواضع کا حکم دیا تھا۔ لیکن وہ گہرے زخم جو اہل بیت نے بوقتِ داخلہ بازار و دربارِ شام میں کھائے تھے وہ کہاں مندمل ہوتے تھے۔ اور وہ آنسو جو کربلا سے شام تک بہتے گئے کہاں بند ہوتے ہیں۔ قیدیوں کی رہائی اور شام سے رخصتی، ان اندرونی روگوں کا کیا علاج کرسکتی ہے جو کربلا اور کوفہ و شام میں لاحق ہوئے۔

ورودِ کربلا

جابر بن عبداللہ انصاری

آلِ محمد کا جو قافلہ اس مقام پر پہنچا جو دو راہہ تھا، ایک راستہ مدینہ کو اور دوسرا کربلا کی طرف جاتا تھا۔ جناب سید سجاد اور مستوراتِ مخدرات نے رہبر سے کہا کہ ہمیں کربلا کی طرف لے چلو۔ تاکہ شہداء کی ابدی خوابگاہوں کی زیارت کریں۔ اس لئے جناب شریکۃ الحسین کے حسب الحکم کربلا کا راستہ اختیار کیا گیا۔ جب سرزمینِ کربلا میں اسیرانِ شام کا ورود ہوا جہاں آلِ رسول کے گھر برباد ہوئے تھے اور جہاں گلستانِ زہرا تاراج ہوا تھا۔ اِن دردستائی بیبیوں کو عاشور کا دن یاد آگیا۔ بھلا عاشور کا دن کب بھول سکتی تھیں۔ خصوصاً عصرِ عاشور۔

حضراتِ مومنین! ذرا غور فرمائیں، کربلا کا میدان ہو اور مستوراتِ آلِ محمد ہوں۔ اور رونے پر پابندی ختم ہوچکی ہو تو کس قدر گریہ و بکا ہوا ہوگا۔ کس زور سے ماتم ہوا ہوگا۔ زینب و اُمِ کلثوم کو بھائیوں کی مزار، ام لیلیٰ اکبر کو، رباب اصغر اور تمام بیبیاں اپنے عزیزوں کو یاد کرکے اس دردناک لہجے میں نوحہ پڑھتی تھیں جن کو سن کر پتھر کا کلیجہ بھی پھٹ جائے، اور شدتِ غم سے دل پارہ پارہ ہوجائے۔

ادھر شام سے اسیرانِ آلِ محمد واپس ہوئے اور ادھر مدینہ سے جناب جابر بن عبداللہ اور بنی ہاشم کی ایک جماعت عین اسی وقت کربلا میں وارد ہوئے۔ دونوں سوگوار اور ماتمدار قافلے ایک ہی وقت میں زمین کربلا میں وارد ہوئے۔ رونے کی گھڑی تھی، اور ماتم کا دن تھا۔ نوحوں

اور فریادوں سے میدان بھرا ہوا تھا۔ مستوراتِ اہلِ بیت اور زائرین کی جماعت کی چیخوں اور نالہ و فریاد سے دھرتی ہلتی اور زمین کانپتی تھی، فضاء سوگوار اور کربلا اشکبار تھی۔ جونہی سیدانیاں محملوں سے اتریں۔ منہ پہ طمانچے تھے۔ آنکھوں میں آنسو رواں تھے، اور زبان پر مرثیے تھے۔ اِدھر سے جناب سجاد اور اُدھر سے جناب جابر انصاری ایک جماعت بنی ہاشم اکٹھے مِل کر روئے، جناب جابر نے سیّد سجاد کو پُرسا دیا۔ مدینہ کے ہاشمیوں نے تعزیت ادا کیا۔ بہنیں بھائیوں کی قبروں پہ آئیں۔ وارثوں اور زائروں نے عزیزوں اور شہیدوں کے مدفن پر بیٹھ کر خوب ماتم کیا۔ آس پاس کی بستیوں میں بنی اسد کی عورتیں نے سُنا کہ خواہر حسین اور پسرِ مظلوم امام شام سے واپس آگئے ہیں، اور بہن نے بھائی اور سجاد نے بابا کی صفِ ماتم بچھائی ہوئی ہے۔ مظلوم شہیدوں کے وارث کربلا پہنچے ہوئے ہیں۔ وہ عورتیں سیاہ لباس پہن کر جناب زینب و ام کلثوم اور تمام مستورات کو پُرسا دینے کے لئے آئیں، بنی اسد کی یہ عورتیں بارہ محرم کو وقتِ دفنِ اجساد بھی ماتمی لباس میں آئی تھیں۔ اب اسیرانِ شام کے ورود کے وقت بھی ماتمی لباس میں گریہ و بکا کرتی سر پیٹتی دخترانِ زہرا کے پاس تعزیت ادا کرنے کے لئے آئیں۔ تین دِن اہلِ بیتِ رسول کربلا میں مقیم رہے اور برابر گریہ و ماتم ہوتا رہا۔

زیارتِ جابر بیان کیا جاتا ہے کہ اِس روز صفر کی بیس تاریخ تھی۔ جناب جابر انصاری نے فرات پر غسل کیا۔ لباس بدلا۔ اور قبرِ امامِ مظلوم اور مدفنِ تمام شہداء پر زیارت پڑھی۔ جو کہ کتب زیارت میں مذکور ہے۔ عطیہ بن سعد عوفی کوفہ کا باشندہ ہے تابعی ہے۔ جابر بن عبداللہ انصاری مدینہ کے رہنے والے ہیں اور صحابی ہیں۔ عطیہ بن سعد کا بیان ہے کہ میں حضرت جابر کے ہمراہ تھا، جب وہ زیارتِ قبرِ حسین کے لئے کربلا میں وارد ہوئے۔ جناب جابر نے نہر فرات پر غسل کیا۔ ایک چادر کمر میں باندھی۔ دوسری چادر بدن پر اوڑھی، آہستہ آہستہ ننگے پاؤں قبرِ مبارک کی طرف چلے اور کوئی قدم بغیر ذکرِ خُدا کے نہ اٹھاتے تھے، یعنی ہر قدم پر ذکرِ خُدا ان کی زبان پر تھا، عطیہ کا بیان ہے کہ حضرت جابر نے مجھے کہا کہ مجھے قبر مَس کراؤ، مَیں نے قبر پر لے جا کر قبر مَس کرائی، جونہی قبرِ مطہر کو مَس کیا۔ جناب جابر غش کھا کر گر پڑے میں نے ان پر کچھ پانی چھڑکا۔ تھوڑی دیر کے بعد غش سے افاقہ ہوا۔ تین بار کہا۔ یا حُسین یا حسین یا حُسین، پھر کہا آج دوست دوست کو جواب نہیں دیتا۔ کیونکہ جواب دے کہ سر تن سے جُدا ہو چکا ہے مولا کی رگیں کٹ چکی ہیں۔ خون بہہ گیا ہے۔ جناب جابر قبرِ مبارک پر بہت روئے اور زیارت پڑھی، جسے زیارتِ اربعین کہتے ہیں۔ جب فقرات ادا کئے: وَالَّذِیْ بَعَثَ مُحَمَّدًا بِالْحَقِّ نَبِیًّا لَقَدْ شَارَکْنَاکُمْ فِیْمَا دَخَلْتُمْ فِیْهِ۔ اس وقت عطیہ نے کہا کہ ہم کس طرح ان کے عمل میں شریک ہوئے جب کہ ہم نشیب و فراز

اور ان کے ساتھ جہاد میں شریک نہ ہوئے۔ انہوں نے تو سر کٹائے۔ ان کی عورتیں بیوہ ہوئیں۔ بچے یتیم ہوئے۔ جابر نے کہا کہ میں نے خود جناب حبیب خدا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: مَنْ اَحَبَّ قَوْمًا فَهُوَ مِنْهُمْ۔ جو کسی قوم کو پسند کرتا ہے اسی قوم کے ساتھ محشور ہوگا۔ اور جو کسی قوم کا عمل پسند کرتا ہے وہ اس عمل میں کسی قدر شریک ہوتا ہے۔ مجھے اس خدا کی قسم جس نے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا۔ میں اور میرے ساتھی اس نیت و عقیدہ پر ہیں جس پر جناب سید الشہداء اور ان کے اصحاب تھے۔

چہلم کے دن کا عربی مرثیہ

بیسویں صفر کی مناسبت سے ایک عربی شاعر نے اسیران شام کی واپسی کربلا پر چند اشعار لکھے ہیں۔ جنہیں ہم با ترجمہ ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔

قُمْ جَدِّدِ الْحُزْنَ فِي الْعِشْرِيْنَ مِنْ صَفَرٍ = فَفِيْهِ رُدَّتْ رُؤُوْسُ الْآلِ لِلْحُفَرِ
يَا زَائِرِيْ بُقْعَةٍ اَطْفَالُهُمْ ذُبِحَتْ فِيْهَا = خُذُوْا تُرْبَهَا كُحْلًا اِلَى الْبَصَرِ
وَالْمُصْطَفَاةُ لِبَنَاتِ الطُّهْرِ يَوْمَ رَنَتْ = اِلٰى مَصَارِعَ قَتْلَاهُنَّ وَالْحُفَرِ۔

"اے مرد مومن! اٹھ اور بیسویں صفر کو اپنا غم و حزن تازہ کر، کیونکہ اس روز آل بنی ہاشم اور اصحاب کے سر کربلا میں دفن ہونے کے لئے واپس آئے تھے۔ اے زائرین بقعۂ کربلا اس خطہ میں بنی ہاشم کے اطفال ذبح کئے گئے۔ اس خطہ زمین کی مٹی بطور سرمہ آنکھوں میں لگا۔ ہائے افسوس پاک شہزادیاں جس دن روتی چیختی اپنے مقتولوں کی قتل گاہ اور قبور پر گئیں۔ کتنا غمناک منظر تھا۔

رَمَيْنَ بِالنَّفْسِ مِنْ فَوْقِ النِّيَاقِ عَلٰى = تِلْكَ الْقُبُوْرِ بِصَوْتٍ هَائِلٍ وَعِرٍ
فَتِلْكَ تَدْعُوْا حُسَيْنًا وَهِيَ لَاطِمَةٌ = مِنْهَا الْخُدُوْدَ وَدَمْعُ الْعَيْنِ كَالْمَطَرِ

شہیدوں کی وارث مخدرات بنی ہاشم کی نظریں جب قبروں پر پڑیں اور ان کے محل قبور مطہرہ کے قریب پہنچے تو انہوں نے بے تاب ہو کر اونٹنیوں سے اپنے آپ کو قبروں پر گرا دیا۔ ہر بی بی قبر کو گلے لگا کر مدفن پر بیٹھ کر اپنے عزیز کا مرثیہ پڑھنے لگی، ان میں سے ایک بی بی اس حال میں حسین کو پکار رہی تھی کہ منہ پیٹ رہی تھی، اور آنکھوں سے آنسوؤں کی برسات جاری تھی۔

وَتِلْكَ تَصْرُخُ وَاجَدَّاهُ وَاَبَتَاهُ = وَتِلْكَ تَصْرُخُ وَيُتْمَاهُ فِي الصِّغَرِ
فَلَوْ تَرٰى وَاُمُّ كُلْثُوْمٍ مُنَاشِدَةً = وَتَلْطِمُ وَتَلْثِمُ تُرْبَ الطَّفِّ كَالْعِطْرِ

کوئی بی بی واجداہ وابتاہ کہہ کر فریاد کر رہی ہے اور کوئی بچی اپنے چھوٹے سن میں یتیم ہونے کا دردناک بین کر رہی ہے۔ پس کاش اُم کلثوم کو اس حالت میں نوحہ کرتے دیکھتے کہ ارضِ کربلا کی مٹی اپنے سر کے بالوں میں ڈال رہی ہے۔

یَا دَافِنِی الرَّاسِ عِنْدَ الجُثَّةِ حتفظوا
بِاللہ لَا تَنْثُرُوْا تُرَاباً عَلیٰ قَمَرٍ
لَا تَدْفِنُوا الرَّاسَ اِلَّا عِنْدَ مَرْقَدِہٖ
فَاِنَّھَا رَوْضَۃُ الفِرْدَوْسِ وَالزَّھَرِ

"اے سرِ حسین کو ان کے بدن کے ساتھ قبر میں دفن کرنے والے، ذرا خیال کرنا، چاند پر مٹی نہ ڈالنا۔ تم کس دل سے قمرِ زہرا کو زمین میں دفن کر رہے ہو۔ اس سر کو سوائے مرقدِ بدنِ حسین کے کہیں اور دفن نہ کرنا۔ کیونکہ وہ باغِ فردوس کا ایک ٹکڑا ہے۔"

لَا تغسلوا الدَّمَ مِنْ اَطْرَافِ لِحْیَتِہٖ
خَلُّوْا عَلَیْھَا خِضَابَ الشَّیْبِ وَالکِبَرِ
لَا تُخْرِجُوْا اَسْھُماً فِیْ جِسْمِہٖ نَشَبَتْ
خَوْفاً یفور دماً یطموا عَلَی البَشَرِ

"اس کی ریشِ مبارک میں جو خون لگا ہوا ہے۔ اسے نہ دھونا، یہ بزرگی اور ضعیفی کا خضاب ہے، اسے رہنے دو۔ اور جو تیروں کی نوکیں اس کے بدن میں پیوست ہو چکی ہیں، انہیں نہ نکالنا، مبادا خون جوش مار کر تمام بدن پر نہ پھیل جائے۔"

رُشُّوْا عَلیٰ قَبْرِہٖ مَاءً فَصَاحِبُہٗ ۔ مُعَطَّشٌ نیلوا اَحْشَاہُ بِالقَطْرِ
لَا تَدْفِنُوا الطِّفْلَ اِلَّا عِنْدَ وَالِدِہٖ =

"اس مظلوم شہید کی قبر پر کچھ پانی چھڑک دینا۔ کیونکہ صاحبِ قبر پیاسا شہید ہوا۔ جب کہ شدّتِ پیاس سے قلب و جگر بھن رہے تھے۔ اور گردن پر شمر کا خنجر تھا۔ اس طرح قبر پر پانی چھڑک کر مظلوم حسین کا دل ٹھنڈا کر دینا۔ ششماہے اصغر کو باپ کے ساتھ آغوشِ قبر میں دفن کر دینا۔ کیونکہ معصوم بچّہ باپ کی گود سے

مانوس ہے۔ اور یتیمی کی طاقت نہیں رکھتا۔

یَا رَاجِعِیْنَ السَّبَایَا قَاصِدِیْنَ اِلٰی = اَرْضِ الْمَدِیْنَۃِ ذَالِکَ الْمَرْبَعِ الْخَضِرِ

خُذُوْا لَکُمْ مِنْ دَمِ الاحباب تُحْفَتَکُمْ = وَخَاطِبُوْا الْجَدَّ ھٰذَا تُحْفَۃُ السَّفَرِ

"اے واپس ارضِ مدینہ جانے والے قیدیو! وہ ارضِ پاک سرسبز ہے۔ اپنے پیاروں' عزیزوں کے خون کا تحفہ بنالو' جب کوئی مسافر سفر سے واپس آتا ہے تو کوئی نہ کوئی تحفہ لاتا ہے۔ تم بھی خون آلود کپڑے وغیرہ خونِ شہدا محفوظ کرکے رکھ لو' جب مدینے جانا تو جدِ امجد کو مخاطب ہوکر کہنا' نانا! یہ اس سفر کا تحفہ لائی ہیں۔"

ہر بی بی قبورِ مطہرہ پر دل کھول کر روئی۔ چند دن قیام کے بعد جناب سجادؑ نے سفر کی تیاری کی' اس روز بیبیوں نے قبروں سے آخری وداع کیا۔ جناب سکینہ نے آخری بار بابا کی قبر سے وداع کرتے ہوئے کربلا کو مخاطب ہوکر کہا:۔

"اے زمین کربلا! میں زہرا کے چاند کو تیرے سپرد کرکے جارہی ہوں' افسوس! تیری گود میں بنی ہاشم کے ستارے دفن ہوئے ہیں۔ جن کے بدنوں کو خون کے ساتھ غسل دیا گیا۔ اور زمین کربلا کی خاک اڑ اڑ کر گرد کا لباس پہناتی رہی۔"

کامل التواریخ میں ہے کہ جناب رباب بنت امراء القیس زوجہ حسینؑ پر' اس بے گور و کفن اور پیاسے شہید کی دھوپ پر لاش دیکھ کر اتنا اثر ہوا کہ انہوں نے اسی قبر پر رہائش اختیار کرلی۔ پورا ایک سال قبر پہ مجاور بن کر بیٹھی رہیں۔ اس کے بعد واپس مدینہ گئیں۔ اور یہ بھی منقول ہے کہ ساری زندگی سایہ میں نہ بیٹھیں اور نہ ٹھنڈا پانی پیا۔ وفادار بیوی اپنے معصوم آقا کی مظلومانہ موت کے صدمہ میں گھل گھل کر اپنے آقا نامدار کو جنت میں جا ملیں۔ سدا دھوپ میں بیٹھنے سے رنگت تبدیل ہوگئی تھی۔

مدینہ میں مراجعت

- جناب سجادؑ نے جب دیکھا کہ ان کی پھوپھیاں' بہنیں اور دیگر مستورات شب و روز گریہ و بکا اور ماتم حسینؑ میں مصروف ہیں اور کسی وقت بھی گریہ و بکا سے فارغ نہیں ہوتیں' ایک قبر سے اٹھتی ہیں تو دوسری قبر پہ گریہ و بکا کرنے بیٹھ جاتی ہیں۔ تو انہوں نے سفر کی تیاری کی' اور

تین دن کے قیام کے بعد وطن مدینہ روانہ ہوئے۔

دستور رہے کہ جب مسافر مراجعت فرمائے وطن کی طرف تو ان کے چہروں پر خوشی کے آثار نمودار ہوتے ہیں اور دل مسرتوں سے لبریز ہوتے ہیں۔ مگر یہ مسافرین مدینہ اس قسم کے مسافر نہ تھے جنہیں وطن جانے کی خوشی ہوتی۔ یہ حسرتوں کے ساتھ، گریہ وماتم کے ساتھ واپس جا رہے تھے کیونکہ یہ سارا خاندان شہید کربلا کے گھر بار لٹا کے قیدی کہلا کے واپس ہو رہے تھے۔ اس واسطے حسرت ان کے دامن گیر تھی، رنج والم ان پر چھایا ہوا تھا، آلِ محمد کی شہزادیاں اپنے عزیزوں کو زمین کربلا کے سپرد کر کے حسین وعباس ایسے بھائیوں، اکبر وقاسم، عون ومحمد ایسے فرزندوں سے محروم ہو کر گھر لوٹ رہی تھیں۔ گودیں بچوں سے خالی تھیں۔ رسیوں کے اور تازیانوں کے نشان بدنوں پر نمایاں تھے۔ فرزندِ رسول اور دلبندِ بتول وعلی پر اگرچہ منزل ومقام اس کا ہم سے بہت دور ہے۔ اس کے بعد اس نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا اے خبرِ موت دینے والے تو نے فرزندِ بتول کی موت کی خبر دے کر ہمارے زخموں کو تازہ کر دیا۔ جو ابھی مندمل ہی نہ ہوئے تھے۔ تو کون ہے؟ اس نے کہا میں بشیر بن حذلم ہوں۔ مجھے میرے مولا وآقا امام سجادؑ نے بھیجا ہے۔ جو فلاں جگہ اہل وعیالِ حسین کے ساتھ نزول فرما ہیں۔

بشیر کا بیان ہے کہ میرا اعلان سن کر تمام لوگ مرد وزن، بیتابانہ مجھ سے پہلے دوڑ پڑے۔ میں نے گھوڑے کو ایڑ لگائی، اور تیزی سے خیام گاہ امام سجادؑ پہنچا۔ وہاں لوگوں کا اس قدر ہجوم تھا کہ گزرنے کا راستہ نہ ملتا تھا۔ میں گھوڑے سے اتر پڑا۔ لوگوں کی یہ کیفیت تھی، آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ اور زبان پر نوحے تھے۔ زنانِ مدینہ سر کھول کر ماتم کر رہی تھیں۔ اتنی گریہ وبکا کی صدائیں تھیں کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ وفاتِ رسول کے بعد مدینہ میں اس قدر غم وماتم کبھی نہیں ہوا تھا جتنا اس روز ہوا۔ ہر مرد گریہ کن اور ہر عورت ماتمدار تھی۔ بشیر کہتا ہے کہ میں مجمع کو چیر کر لوگوں کے سروں کو پھلانگتا ہوا خیمہِ امام کے نزدیک پہنچا۔ ابھی امام خیمہ کے اندر تھے۔ اس اثنا میں اسیرِ دمشق، وارثِ حسینؑ امام سجادؑ خیمہ سے باہر آئے حالت یہ تھی کہ آنکھوں سے اشکوں کی برسات جاری تھی ان کے ہاتھ میں رومال تھا۔ بار بار آنسو پونچھتے تھے مگر آنسو تھے کہ تھمتے نہ تھے۔ مولا کے پیچھے خادم نے کرسی اٹھائی ہوئی تھی خیام سے باہر

خادم نے کرسی رکھی۔ مولا سجادؑ اس پر بیٹھے۔ جوں ہی فرزندِ رسول اس پر بیٹھے اور لوگوں کی ویلہ پڑی دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے۔ اور شہیدانِ کربلا کا پرسا دے رہے تھے۔ رسمِ تعزیت ادا کر رہے تھے اور اشکوں کا ہدیہ پیش کر رہے تھے۔

تھوڑی دیر کے بعد جب امام سجادؑ نے گریہ پر قابو پایا اور آواز بولنے کے لائق ہو گئی، تو لوگوں کو ہاتھ کا اشارہ کیا۔ کہ ذرا بیٹھ جاؤ اور خاموشی سے سنو، لوگ بیٹھ گئے اور آوازِ گریہ خاموش ہو گئی تو جناب آقائے سجاد اسیر شام نے یہ خطبہ پڑھا۔ ہم اصل خطبہ کا صرف ترجمہ پیش کرتے ہیں:۔

"حمد و ثنائے ذاتِ پروردگار کے بعد فرمایا۔ اَیُّھَا النَّاس! خدا کا شکر ہے کہ اس نے عظیم مصائب اور شدید رنج و آلام کے ساتھ ہمارا امتحان لیا۔ اسلام کی دیوار میں سخت رخنہ اور شگاف پڑ گیا۔ امام حسینؑ اور ان کی عترت ظلم و جور سے شہید کر دی گئی، امام مظلوم کی مستورات اور ان کے یتیم بچوں کو قید کیا گیا۔ اور ان مقدس سروں کو نیزوں پر اٹھا کے شہر بشہر پھرایا گیا۔ یہ اتنی بڑی مصیبت اور اتنا بڑا صدمہ ہے جس کی مثال نہیں۔ اَیُّھَا النَّاس! تم میں کون ہے جو آنجناب کی شہادت کے بعد خوش ہو؟ کون سا دل ہے جو اس مصیبت پر غمگین نہ ہو، کون سی آنکھ ہے جو اس صدمہ پر آنسو نہ بہائے۔ میرے مظلوم بابا کی بے کسی کی موت پر ساتوں آسمانوں نے اپنی بلندیوں سمیت گریہ و بکا کیا۔ دنیا کے سمندر اپنی موجوں کے ساتھ، آسمان اپنے ارکان سمیت، زمین اپنی اطراف سمیت، درخت اپنی شاخوں کے ساتھ، مچھلیاں سمندروں کی موجوں میں، تمام ملائکہ مقربین اور حور و عین، ساکنانِ آسمان و زمین روئے"

" لوگو! وہ کونسا دل ہے جو اس مصیبت پر پھٹ نہ جائے، وہ کون سا کان ہے جو یہ دردبھری خبر سن کر متاثر نہ ہو، آنکھیں رو رہی ہیں۔ دل غمگین ہیں، ہمیں وطن سے دور کیا گیا۔ ہماری جماعت کو اس طرح قتل اور قید کیا گیا، گویا کہ ہم نہایت ذلیل اور گھٹیا قوم کے آدمی ہیں۔ ہم نے کوئی جرم نہیں کیا۔ کوئی ناپسندیدہ امر ہم سے صادر نہیں ہوا۔ نہ اسلام کے کسی امر کی سرتابی کی۔ ہمارے جدامجد نے تو ہمارے احترام و اجلال کی وصیت فرمائی تھی۔ انہوں نے ہم پر اتنا ظلم کیا کہ اس سے زیادہ کر ہی نہ سکتے تھے۔ ہم نے صبر کیا۔ خدا نے ہمیں صبر کی توفیق بخشی، اور اس کا شکر ہے کہ اس نے امتحان میں ہمیں کامیاب کیا۔ اور قلب و جگر ہی گہرے زخم تھے۔ بہتے ہوئے آنسوؤں، کھلے سروں اور خاک آلودہ بالوں کے ساتھ

قلب وجگر میں گہرے زخم تھے، بہتے ہوئے آنسوؤں، کھلے سروں اور خاک آلودہ بالوں کے ساتھ نوحہ ومرثیہ پڑھتی ہوئی مدینہ روانہ ہوئیں۔ حقیقت یہ ہے کہ واپس وطن مدینہ آنا ضرور تھا۔ ورنہ بفرمان ان کے وطن واپس آنے کے لائق نہ تھیں۔

کتنی مسرت ہوتی ہے جب مسافروں کو اپنے شہر کی دیواریں نظر آتی ہیں۔ اور کتنی حسرت اور کس قدر رنج بڑھا تھا ان دردستائی شہزادیوں کا جب انہیں مدینہ کی دیواریں نظر پڑیں۔ جوں جوں وطن نزدیک آتا ہے، مسافروں کے دل بڑھتے ہیں۔ مگر جوں جوں مدینہ قریب آرہا تھا، ان کے دل گھٹتے جارہے تھے، کس عزت کے ساتھ یہ مستورات گئی تھیں اور کن حسرتوں اور دردوں کے ساتھ واپس آئیں۔ جب یہ اجڑے ہوئے مسافر مدینہ کے قریب پہنچے تو جناب سجادؑ نے مدینہ سے باہر قیام کا حکم دیا۔ اونٹ بٹھائے گئے۔ خیمے نصب کئے گئے۔ اور یہ اجڑے ہوئے مصیبتوں کے مارے ہوئے مسافر اونٹوں سے اترے، اہلِ مدینہ کو اس قافلہ کی ابھی کوئی اطلاع نہیں۔

جنابِ سجادؑ نے بشیر بن حذلم کو جو قافلہ کے ہمراہ پاسبانوں میں سے تھا۔ کو فرمایا کہ بشیر! تمہارے باپ، خدا ان پر رحم کرے، ایک شاعر تھے۔ تو بھی کچھ شعر کہہ لیتا ہے۔ بشیر نے عرض کی، ہاں مولا! میں بھی شاعر ہوں۔ امام سجادؑ نے فرمایا کہ جا شہر مدینہ میں، اور اہلِ مدینہ کو ہمارے آنے کی منادی کر دے، اور انہیں موتِ حسینؑ کی خبر سنا دے،

بشیر گھوڑے پر سوار ہوا، اور جب مسجدِ نبوی کے دروازے پر آیا تو بلند آواز سے روتے ہوئے لوگوں کو خبر دی۔

يا اهل يثرب لا مقام لكم بها = قُتِل الحسين وَ اُدْمُعِي مِدْرارُ

الجسم منه بكربلاء مُعَفَّرٌج = والراسُ منه على القناة يُدارُ

"اے مدینہ والو! اب یہ شہر رہنے کے لائق نہیں رہا۔ حسینؑ کربلا میں مارے گئے۔ اور میری آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں، جسمِ حسینؑ تو صحرا کی تپتی ریت پر خون میں غلطاں، بے گور و کفن چھوڑ دیا گیا، اور سر ان کا نوکِ نیزہ پہ نصب کر کے جا بجا پھرایا گیا۔

"اے اہلِ مدینہ! دیکھو امام زین العابدینؑ فرزندِ حسینؑ! باپ مرا کے پھوپھیوں، بہنوں اور باقی مستورات کے ساتھ بیرونِ مدینہ قیام فرما ہیں۔ میں تمہیں ان کی اطلاع اور شہادتِ حسینؑ کی خبر دینے آیا ہوں۔"

بشیر بیان کرتا ہے کہ جوں ہی میں نے یہ اعلان کیا۔ مدینہ شہر میں جس قدر عورتیں تھیں، بے حجاب ہو کر کھلے سروں کے ساتھ روتی پیٹتی ہوئی اور نوحہ و فریاد کرتی ہوئی گھروں سے نکل پڑیں۔ اور تمام مرد روتے ہوئے بے تابانہ سوئے قافلہ دوڑ پڑے۔ مدینہ میں کہرامِ ماتم بپا ہوگیا۔ اسی اثناء میں میں نے ایک لڑکی کو دیکھا جو جناب سیّدالشہداء پر یہ نوحہ پڑھ رہی تھی۔

نعیٰ سیّدی ناعٍ نعاہ فاوجعا
وامرضنی ناعٍ نعاہ فجاعا

فَعَینَیَّ جودا بالدمع واسکبا
وجود ابدمعٍ بعد دمعکما معا

علیٰ من دھا عرش الجلیل فزعزعا
فاصبح ھٰذا المجد والدین اُجدعا

علیٰ ابن نبی اللّٰہِ وابنِ وصیّہٖ
وَان کانَ عنّا شاحط الدار اشعار

"خبر دینے والے نے مجھے میرے سردار و آقا کی موت کی خبر دی ہے۔ موت کی خبر نے میرے دل میں درد پیدا کیا۔ اور اس خبرِ موت نے مجھے بیمار اور غمناک کر دیا۔ پس اے میری دو آنکھو! بسیار اشک بہاؤ، اور آنسوؤں پر آنسو لگاتار بہاؤ۔ اے میری دونوں آنکھو! اس مظلوم و مقتول پر روؤ جس کی موت نے عرشِ خدا کو لرزا دیا۔ یہ بزرگی، یہ دین ذلیل و خوار ہو گئے، اے آنکھو! گریہ کرو۔

انا لِلّٰہِ وَ انّا الیہِ راجعون ؕ

ایسی مصیبت جو کس قدر عظیم، کتنی دردناک، غم انگیز، دل خراش، شدید تر، تلخ ترین اور تباہ و برباد کرنے والی ہے۔ ہم ان مصائب و آلام، شدائد و احزان کے عوض، اور اجر و ثواب کے بارگاہِ رب العالمین سے امیدوار ہیں۔ وہ غالب اور انتقام لینے والا ہے۔"

صعصعہ بن صوحان ایک صحابی ہیں۔ ان کے فرزند صوحان نے معذرت پیش کی "مولا! میں مریض ہوں۔ زمین گیر ہو چکا تھا۔ چلنے پھرنے کے لائق نہ رہا۔ اس واسطے نصرتِ امام علیہ السلام کا فریضہ ادا نہ کر سکا۔ مولا نے اس کا عذر قبول فرماتے ہوئے، اس کے اور اس کے باپ کے لئے دعائے خیر فرمائی۔

حضراتِ مومنین! کیا حال ہوا ہوگا اُجڑی، ستائی، در بدری مستورات کا جب زنانِ مدینہ نے آکر موتِ شہداء کا پرسا دیا ہوگا۔ خصوصاً بنی ہاشم کی وہ مستورات جو مدینہ میں رہ گئی تھیں۔ امّ سلمہ، ام البنین، امّ ہانی خواہر امیرالمومنین، ام لقمان، اسماء، رملہ، زینب، ام ہانی، دخترانِ عقیل بن ابی طالب، جب باہم گلے مل کر روئی ہوں گی۔ عرشِ خدا لرزا ہوگا۔ آسمان تھرّائے ہوں گے، زمین کانپی ہوگی۔ اور درودیوارِ مدینہ سے صدائے نوحہ و بکا بلند ہوئی ہوگی۔

یہ تباہ حال قافلہ شہر مدینہ کی طرف روانہ ہوا، ہزاروں کی تعداد میں زن و مرد نوحہ کناں بچشمِ گریاں ساتھ تھے۔ جب جناب اُمّ کلثوم کی نظر مدینہ پر پڑی تو اپنے حزن و ملال کا اظہار اپنے مرثیہ میں بیان کیا۔

مدینہ جدّ نا لا تقبلینا	=	فبا الحسرات والاحزانِ جئنا
الا فاخبر رسول اللہِ عنّا	=	بانا قد فجعنا فی ابینا
خرجنا منکِ بالاھلین جمعاً	=	رجعنا لا رجال ولا بنینا
وکنا فی الخروج بجمع شمل	=	رجعنا بالقطیعۃ خا نفینا
وانّا رجالنا بالطّفِ صرعیٰ	=	بلا رؤسٍ وقد ذبحوا البنینا
فلو نظرت عیونک للاسریٰ	=	علیٰ اقتاب الجمال محملینا
افاطم لو نظرتِ الی السّبایا	=	بناتک فی البلاد مشتّتیناً
فنحن الضّائعاتِ بلا کفیل	=	ونحن النائحات علیٰ اخینا
افاطم لو نظرت الیٰ الحیاریٰ	=	ولو ابصرت زین العابدین

"اے میرے نانا کے مدینے! ہمیں قبول نہ کر، ہم حسرتوں اور غموں کے ساتھ واپس آئی ہیں۔ لوگو! رسول اللہ کو ہماری طرف سے کہہ دو، کہ ہمیں بابا کے متعلق دشمنوں نے زبان درازیاں کر کے دکھ پہنچایا، اے مدینہ! جب تجھ سے چلے تھے، تو ہماری جماعت اکٹھی تھی، لیکن جب واپس آئے تو نہ ساتھ مرد ہیں اور نہ بچے، مرد تو کربلا میں

قتل ہوگئے، اور کچھ بچے شام کی راہ اور شہر دمشق میں دفن ہوگئے۔ آباد نکلے تھے برباد ہوکر آئے ہیں۔ ہمارے سارے مردوں کی لاشیں، سروں کے بغیر کربلا میں رہ گئیں، اور بچے بھی ذبح ہوگئے۔ نانا آپ کی آنکھیں ہمیں اس حالت میں دیکھتیں کہ کس طرح اونٹوں پر سوار کرکے ہمیں شہر بہ شہر بازاروں میں پھرایا گیا۔ اماں! آپ دیکھتیں کہ آپ کی بیٹیوں کو قید کرکے مختلف شہروں میں تشہیر کیا گیا۔ ہمیں بے وارث اور غریب سمجھ کر بے عزت کیا گیا۔ ہم اپنے بھائی پر نوحہ پڑھتی تھیں۔ اماں! کاش ہمیں پریشانی اور بے ردا حالت میں دیکھتیں، اور کاش زین العابدینؑ کو دیکھتیں کہ کس مظلومانہ حالت میں ہے۔

نانا! زینب بے پردہ خیمہ سے نکلنے پر مجبور ہوئیں۔ اور فاطمہ کبریٰ عریاں سر کے ساتھ نالہ و فریاد کرتی رہیں۔ سکینہ درد بھرے دل اور جگر سوختہ کے ساتھ رب العالمین کے دربار میں فریاد کرتی تھیں۔ آلِ محمد کے اجڑے ہوئے گھروں کے بارے میں ایک شاعر ابن قتیبہ کے تاثرات ہیں۔ جو اس نے مکینوں سے خالی مکانات کا اپنے اشعار میں نقشہ کھینچا ہے۔ اشعار ملاحظہ ہوں۔

مررت علی ابیاتِ آلِ محمد — فلم ارھا امثالھا یوم حلّت
فلا یبعد اللّٰہُ الدیار و اھلھا — وان اصبحت منھم برغمی تخلّت
الا انّ قتلی الطّف من آلِ ھاشم — اذلّت رقاب المسلمین فذلّت
وکانوا غیاثاً ثمّ اضحوا رزیّۃً — لقد عظمت تلک الرزایا وجلّت
الم تر انّ الشمس اضحت مریضۃً — لفقد حسین والبلاد اقشعرّت

"میں آلِ محمد کے گھروں سے گزرا، ان گھروں کی وہ حالت نہ تھی، جب کہ گھروں والے گھروں میں مقیم تھے"

"خدا گھر والوں کو گھروں سے دور نہ رکھے اگر وہ گھر، گھر والوں سے خالی ہیں"

آلِ ہاشم کے شہیدوں نے مسلمانوں کی گردنیں جھکا دی ہیں۔"

وہ کسی وقت تو ضعیفوں اور مسکینوں کے پناہ دینے والے تھے، اور فریاد کو پہنچنے والے تھے" اب خود فریادی اور مصیبت زدہ ہیں۔"

آلِ محمد پر جو مصیبتیں آئیں وہ بہت بڑی مصیبتیں ہیں"۔

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ سورج امام حسین علیہ السّلام کے مفقود ہونے سے مریض ہوگیا ہے۔ اور شہر پراگندہ ہوگئے ہیں۔"

ایک اور شاعر کہتا ہے :۔

وَقَفتُ علی دارِ النبیِّ محمد — فَالفیتُہا قَد اقفرت عرصاتُہا
وامرت خلاءً من تلاوۃ قاریٔ — وَعطّل منہا صومُہا وصلوٰتہا
و افوتْ من السادات من آلِ ھاشم — ولَم یجتمع بَعدَ الحسین شتاتُہا
فاعینی لقتل السبط عبری لو عتی — عَلیٰ فقدھم ما تنقضی زفراتُہا

(ترجمہ) میں نے محمد مصطفیٰؐ کی عترت کے گھروں کو دیکھا جن کے والان غیر آباد تھے۔ مکینوں کی رونقوں سے خالی تھے۔ جہاں قرآن مجید کی تلاوتیں شب و روز ہوتی تھیں، اب وہ گھر تلاوت اور صوم و صلوٰۃ کی دینی رونقوں سے محروم ہو چکے ہیں۔

قتلِ حسین کے بعد سادات بنی ہاشم کی پراگندی مجتمع نہ ہو سکی۔ میری آنکھ فرزندِ رسول کی شہادت پر اشک ریز ہے۔ ان کی موت پر میری آہیں برابر جاری ہیں۔ اور میرے گریہ و غم کی سوزش قائم ہے۔"

جب سادات کا یہ اجڑا ہوا اور لٹا ہوا قافلہ مدینہ میں داخل ہوا تو سیدھا مسجد نبوی اور مزار مقدس کے پاس گیا۔ راوی کا بیان ہے کہ وہ دردناک منظر اہلِ مدینہ کو کبھی نہ بھولے گا۔ کہ دخترانِ رسول اور بناتِ علی و بتول جب ظلم کے ساتھ تمام مرد شہید کرا کے متاعِ رسول لٹوا کے، قیدِ ذلت بھگتا کے نانا کے شہر میں داخل ہوئیں۔ رونے کی صدائیں بلند تھیں۔ حسرت چھائی ہوئی تھی۔ اور غم و رنج کی رِدائیں اوڑھی ہوئی تھیں۔ گودیں بچوں سے خالی تھیں۔ قتل کے درد اور قید کے دکھوں کی ستائی ہوئی کوفہ و شام کی قیدوں کا رنج اٹھائے ہوئے بے کس و بے وارث شہزادیاں مزارِ نانا کے سامنے مصیبتوں کے واقعات مرثیوں اور نوحوں میں بیان کر رہی تھیں۔ جب جناب ام المصائب نے مسجدِ نبویؐ کی چوکھٹ دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر کہا : " نانا ! میں تجھے تیرے لاڈلے حسین کی شہادت کی خبر دیتی ہوں " کوئی دل نہ تھا جو بے قرار نہ ہو۔ کوئی آنکھ نہ تھی جو اشکبار نہ ہو۔ کوئی کلیجہ نہ تھا جو فگار نہ ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ مظلوم سیدانیوں کے بین کلیجہ ہلا رہے تھے اور شہر مدینہ میں غم و الم کا طوفان برپا تھا۔ مسجدِ نبوی کے بعد یہ ماتمی جلوس مزارِ نبوی پر گیا۔ جناب امّ کلثوم نے قبرِ رسول پر جا کر کہا : اَلسَّلامُ عَلَیکَ یَا جَدَّاہ ! اِنّی نَاعِیَۃٌ اِلَیکَ وَلَدَکَ الحُسَین۔" نانا ! آپ پر درود و سلام ہو۔ ہم اسیرانِ شام حسرتوں اور آلام کے ساتھ آ گئے ہیں نانا ! میں آپ کے پیارے آغوش کے .

پالے حسین کی خبر لائی ہوں۔ نانا! حسین ساتھیوں کے ساتھ مارے گئے اور ہم تمام مستورات مع بچّوں کے بے پردہ قید ہوگئیں۔

اس وقت جناب سکینہ نے بلند آواز کے ساتھ کہا: یَا جَدَّاہ! اِلَیْكَ الْمُشْتَكٰی مَا جَرٰی عَلَیْنَا۔ فَوَاللّٰهِ مَا رَاَیْتُ اَقْسٰی مِنْ یَزِیْدَ وَلَا رَاَیْتُ کَافِراً اَوْلَا مُشْرِکاً شَرّاً مِنْهُ وَلَا اَجْفَا وَ اَغْلَظَ فَلَقَدْ کَانَ یَقْرَعُ ثَغْرَ اَبِیْ هُمْ بِمِخْصَرَتِهٖ وَهُوَ یَقُوْلُ کَیْفَ رَاَیْتَ الضَّرْبَ یَاحُسَیْنُ۔ اے جدّ بزرگوار! جو مصائب و آلام ہم پر گزرے انکی شکایت میں آپ کے حضور کرتی ہوں۔ پس خدا کی قسم! میں نے یزید سے زیادہ کوئی سنگدل اور کوئی کافر ومشرک بھی اس سے بدتر نہیں دیکھا۔ اور نہ اس سے زیادہ بدخو اور جفاکار ستم شعار دیکھا۔ وہ ملعون اپنی چھڑی میرے بابا کے پاکیزہ لبوں اور پاک دانتوں پر مارتا تھا اور وہ نہایت بے حیائی وگستاخی سے کہتا تھا "حسین! اس ضرب چوب کو کیسا پاتے ہو"۔ جناب امام سجّاد نے اپنا چہرہ قبر رسول پر رکھ دیا۔ قبر رسول کو گلے لگا کر روتے تھے اور کہتے تھے ؎

اُنَا جِیْكَ یَا جَدَّاہ یَا خَیْرَ مُرْسَلٍ = حَبِیْبُكَ مَقْتُوْلٌ وَنَسْلُكَ ضَائِعٌ

اُنَاجِیْكَ مَحْزُوْناً عَلِیْلاً مُوَجَّلاً = اَسِیْراً وَمَالِیْ حَامِیٌ وَمُدَافِعٌ

سُبِیْنَا کَمَا تُسْبٰی الاِمَاءُ وَمَسَّنَا = مِنَ الضُّرِّ مَا لَا تَحْمِلُهٗ الاَصَابِعُ

اَلَا یَا جَدُّ یَا جَدَّاہ بَعْدَكَ اَظْهَرَتْ = اُمَیَّةُ فِیْنَا مَکْرَهَا وَالشَّنَائِعُ

حالت یہ تھی کہ اہل مدینہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے' اور ہر طرف وامحمدُہ وا علیاہ واحسناہ کی صدائیں بلند تھیں۔ ناسخ التواریخ میں مذکور ہے کہ پندرہ روز تک گریہ و بکا اور نوحہ ومرثیہ کا سلسلہ شہر میں جاری رہا۔ یہ عمومی ماتم تھا جو سارے شہر میں قائم رہا۔ ورنہ اہل بیت رسول کے گھروں میں تو صف ماتم جناب مختار علیہ الرحمۃ کے انتقام تک بچھی رہی۔

معلوم نہیں یہ مظلوم واجڑے ہوئے مسافر کس حال میں گھروں میں داخل ہوئے ہوں گے۔ اور اجڑے گھروں کی حالت اور خالی گھروں کی بربادی دیکھ کر ان کے دلوں پر کیا گزری ہوگی' آباد زمانہ بھی دیکھا۔ پر رونق گھر بھی دیکھے۔ اب یہ اجڑے گھر جو بربادی کا مرثیہ اور تباہی کا نوحہ پڑھ رہے تھے۔ اپنے مکینوں کے بچھڑ جانے کا دردناک نقشہ زبان حال سے بیان کر رہے تھے۔ آنے والے مسافروں کا حسرت نے استقبال کیا۔ گریہ وبکا نے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ بربادی طواف کر رہی تھی اور تباہی گلے مل رہی تھی۔ آنسوؤں کا طوفان تھمتا نہ تھا۔ سروں پر ہاتھ رکھ کر نبی زادیاں

بین کرتی تھیں۔

مولا حسینؑ کا گھر خالی، عباسؑ کا دالان برباد۔ حسن مجتبیٰ کا صحن سونا پڑا تھا عقیل کے گھر ویران۔ عبداللہ بن جعفر کا گھر بے رونق تھا۔ بنی ہاشم کے محلہ میں ویرانی چھائی ہوئی تھی۔ مستوراتِ بنی ہاشم جو مدینہ میں رہ گئی تھیں، حضرت امّ سلمہؓ، ام البنینؑ، ام ہانیؑ، دختران جناب عقیلؑ جناب ام ہانیؑ، رملہ۔ اسماء، زینب، کس طرح بنی زادیوں اور ظلم رسیدہ بیبیوں کے گلے مل کر روئی ہوں گی۔ انہوں نے حالات دریافت کئے ہوں گے۔ اور انہوں نے بتائے ہونگے۔ انہوں نے ایک ایک شہید کا حال پوچھا ہوگا اور انہوں نے بتایا ہوگا۔ بہرحال غموں کے پہاڑ تھے جو آلِ رسول نے سروں پر اٹھائے اور دکھوں کے دریا تھے جو انہوں نے عبور کئے۔ تاریخ عالم میں کوئی ایسا قافلہ نہیں ملتا جو اس طرح لٹا ہوا واپس آیا ہو۔ اور کوئی ایسے شہید و اسیر نہیں دیکھے جن پر اس قدر گریہ و بکا کیا گیا ہو۔ کوئی ایسی داستان نہیں جو اتنی دردناک ہو اور کوئی ایسی تحریک و اقدام نہیں جو اس قدر حیرت انگیز و کامیاب ہو۔

پس اجڑے ہوئے اہل بیتِ رسول برباد گھروں میں مقیم ہو گئے۔ نعمان بن بشیر اپنے ساتھیوں کے ساتھ جب واپس جانے لگا تو دختران جناب امیرؑ نے چند زیورات اس کی خدمت کے صلہ میں اس کے پاس بھیجے اور ساتھ ہی معذرت کر بھیجی کہ اس کے سوا ہمارے پاس اور کوئی چیز نہیں جو تمہاری خدمت کے عوض دیں۔ لیکن نعمان بن بشیر نے یہ زیورات لینے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ یہ خدمت میں نے قربتہً الی اللہ اور قرابتِ رسولِ پاک کی رعایت سے کی ہے۔ دنیوی غرض سے نہیں کی۔

پاسبانِ یزید واپس چلے گئے اور اہل بیتِ رسول نے صفِ ماتم گھروں میں اور جناب سجادؑ نے بیت الحزن میں شہیدوں کا غم زندہ رکھنے کے لئے بچھائی۔ مرد جناب سجادؑ کے پاس اور عورتیں جناب زینبؑ اور دیگر مستورات کے پاس پرسا دینے اور تعزیت ادا کرنے کے لئے آتی تھیں۔

یہ غم ایسا نہ تھا جو ختم ہو جاتا یا کم ہو جاتا۔ ہر روز تازہ تھا۔ اور ہر گھڑی زندہ تھا۔ سوگوار مستورات اور غم خوار بیبیوں نے کبھی کھانا نہ پکایا نہ کبھی اچھا کپڑا پہنا۔ نہ سروں میں تیل لگایا۔ نہ آنکھوں میں سرمہ، نہ کبھی ٹھنڈا پانی پیا نہ اچھا طعام کھایا۔ سیاہ لباس ہوتا، صفِ ماتم ہوتی، اور نوحہ و بین ہوتے۔ جناب سجادؑ ان کے پاس کھانا بھجواتے جو زندگی برقرار رکھنے کے لئے کھا لیتیں۔ جب آنسو خشک ہو جاتے تو ستو کی غذا استعمال کرتیں جو آنسو بہانے، اور گریہ و بکا کرنے میں قوت پیدا کرتی۔

ایک مرتبہ جناب امّ رباب نے کنیز سے دریافت کیا کہ ہمارے آنسو خشک ہو گئے ہیں، لیکن تیرے

آنسو جاری ہیں۔ اس نے جواب دیا کہ یہ ستو استعمال کرتی ہوں جس کی وجہ سے آنسو خشک نہیں ہوتے، اس وجہ سے یہ سوگوار و غم زدہ مستورات ستو استعمال کرتیں۔ تاکہ فرزند رسول پر آنسو خشک نہ ہونے پائیں۔ ایک مرتبہ کسی نے تحفہ کے طور پر مرغ بریان بھیج دیا۔ کہ رو رو کر ضعف طاری ہوگیا ہے۔ اس غذا سے بدن میں قوت آجائے گی۔ فرمایا کہ ہم شادی میں نہیں کہ مرغ کھائیں۔ ہم تو سوگوار اور غم خوار ہیں۔ ہمیں مرغ سے کیا کام، پھر واپس کر دیا۔

جناب سجاد کے پاس جب غلام کھانا یا پانی لے آتا، تو سجاد کی آنکھیں برسنے لگ جاتیں۔ غلام عرض کرتا، مولا! روتے رہو گے رونے کی حد ہوتی ہے۔ آپ کا رونا کب ختم ہوگا۔ فرماتے جناب یعقوب پیغمبر کا ایک لال گم ہوا تھا اور اس کی زندگی کا اُسے علم بھی تھا۔ پھر بھی اتنا روئے کہ روتے روتے آنکھیں سفید ہوگئیں۔ میرے اٹھارہ بنی ہاشم کے بے نظیر افراد میدانِ کربلا میں مارے گئے اور ان کی لاشیں میں نے گرم ریت پر خاک و خون میں غلطاں بے گور و کفن دیکھیں۔ میں نے اپنے باپ، اپنے چچاؤں اور بھائیوں کو خاک و خون میں غلطاں دیکھا اور پھوپھیوں، ماؤں بہنوں کو جلتے ہوئے خیموں سے سر برہنہ نکلتے دیکھا۔ بھلا یہ غم میں کیسے بھلا سکتا ہوں۔ اور یہ گریہ کیسے ضبط کر سکتا ہوں۔ واقعہ کربلا کے بعد جناب سجاد چونتیس برس زندہ رہے۔ اور یہ مدت عبادت اور گریہ و بکا میں بسر ہوئی۔ کھانا آنسوؤں میں بھیگ جاتا اور پانی اشکوں میں مخلوط ہو جاتا۔ جناب ام رباب نے ٹھنڈا پانی پینا اور سایہ میں بیٹھنا چھوڑ دیا۔ دھوپ کی شدت کی وجہ سے رنگت تبدیل ہوگئی تھی اور اسی غم میں انتقال فرما گئیں۔

مدینہ سے یہ قافلہ چلا تھا پچاس محمل تھے، بنی ہاشم کے مرد بھی تھے اور مستورات بھی تھیں۔ لیکن یہ مصیبت زدہ قافلہ واپس پلٹا تو چند محمل تھے۔ مرد تمام راہ خدا میں میدانِ کربلا میں کام آئے۔ بیوہ دکھی بے کس شہزادیاں مع یتیم بچوں کے اسیر ہو کر کوفہ و شام روانہ ہوئیں۔ کچھ بچے عصر عاشور کو شدتِ پیاس سے اور گھبرا کر رحلت کر گئے۔ کچھ بچے گھوڑوں کے گھمسان میں پامال ہو گئے۔ کچھ شام کی راہ میں مدفون ہوئے، اور کچھ زندانِ شام میں انتقال کر گئے۔ بنی ہاشم کی یہ شہزادیاں قید شام سے رہا ہو کر واپس وطن آئیں، اور رونے پیٹنے کا اور عبادت کا شغل رہا۔ غم کم نہ ہوتا تھا اور مصیبت تازہ ہوتی رہتی تھی۔ پانچ سال کے بعد جناب مختار نے انتقام لیا۔ اور عبیداللہ بن زیاد کا سر مدینہ آیا تو سوگوار مستورات اور آلِ محمد کے ماتم داروں کا غم ہلکا ہوا۔

الا لعنۃ اللہ علی القوم الظالمین و اخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین ۰